اہیٹ بلیک کو بھی کئی مرتبہ اس سے شکست کھانی پڑی۔ آخر میں مسٹر رابرٹ بلیک نے کس طرح اُسکو گرفتار کر کے سزا دلوائی۔ یہ ناول بڑا دلچسپ ہے آپ پڑھکر دنگ ہو جائیں گے۔ قیمت بارہ آنے ۱۲/

تصنیفات سیٹھ موہن لال صاحب

چاندی کی چوری چاند نامی گھوڑ دوڑ کے ایک مشہور گھوڑے کا چوری ہو جانا اور ساتھ ہی اس کے سکھانے والے کا خون ہو جانا۔ پولیس کا ایک شمبش نامی شخص کو گرفتار کرنا اور اُس کے خونی ہونے کے تمام ثبوت مل جانے پر انگلینڈ کے مشہور جاسوس مسٹر کیو کا گھوڑے کو تلاش کرنا ایک دن کی تلاش سے گھوڑے کا مل جانا۔ اور گھوڑے کو اصلی خونی ٹھیرایا جانا۔ قیمت ۶/

ڈاکوؤں کا جال اس میں کلکتہ کے ڈاکوؤں کی ایسی پیچیدہ اور خفیہ کارروائیوں کا ذکر ہے۔ کہ جس کے پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اُن کو وہ نہایت حسین لڑکیوں کو اپنے جال میں پھنسانا۔ کشتی میں ڈاکوؤں اور جاسوں کی لڑائی۔ اور کمپنی باغ میں طمنچہ بازی۔ دریا کے کنارے ڈاکوؤں اور جاسوسوں کی مٹھ بھیڑ۔ مردہ گھر میں ایک لاش کا عجیب طور پر پہچانا جانا۔ ایک دیران کھنڈر میں ڈاکوؤں کی گرفتاری عجیب پیرایہ میں کھائی ہے ۱۴/

جاسوسی جنگ گذشتہ جنگ عظیم کے دنوں میں جرمنی کے سب سے بڑے جاسوس ڈورن برگ نے امریکہ میں ایک ایسا جال بچھا رکھا تھا۔ کہ جس سے انگریزوں کو شکست ہونی لازمی تھی۔ ولایت کے مشہور جاسوس مسٹر بلیک نے امریکہ میں جا کر کس بہادری سے ڈورن برگ کی تمام کارروائیوں کو روکا اور اُس کی اُمیدوں پر پانی پھیر دیا۔ انگلینڈ کے مشہور ڈاکو ڈاکٹر رائمر کے خوفناک کام اور اُس کے ہاتھ سے ڈورن برگ کی موت۔ قیمت ۱۲/

تصنیفات مسٹر ایم۔ اے مقبول

طلسمی رومال یا پُر اسرار سایہ جس میں اول سے اخیر تک نہایت سوز و فراق سے بھرے ہوئے مضمون درج ہیں جو صاحب فرقت کی راتیں تڑپ تڑپ کر گزار تے ہیں اور معشوقان سنگدل کی تیغ نظر کے زخمی ہیں اور جو عشاق مانند لالہ سینہ چاک نالہ کناں درد فراق سے دل تپاں ہیں وہ ضرور منگا کر پڑھیں اور حظ اٹھائیں قیمت فی جلد صرف بارہ آنے ۱۲/

ہنسی کا گول گپا ہنسی مذاق اور ظریفانہ مضامین کی لاجواب کتاب ہے۔ اس میں تقریباً تمام چوٹی کے لطیفے درج کیئے گئے ہیں جو کہ آج تک آپ نے کسی کتاب میں نہ پڑھے ہونگے۔ نئے رنگ کے ذاتیہ مضمون ہیں جنکو پڑھکر دل میں سرور پیدا ہوتا ہے ۱۰/

تمام کیا۔ پھر اپنے رتھ کیطرف زرین بیگم بادشاہ کے ساتھ اپنے بچوں سے لپٹ گئی۔ انہیں گلے لگا کر
محبت کے آنسو بہائے۔ پھر سب نے ملکے کھانا کھایا۔ اسکے بعد بادشاہ نے ملکہ کو تماشا دکھلایا
سنہری پانی کے فوارے اور بولتی چڑیا کا گانا سنایا۔ آخر سب کے سب گھوڑوں پر سوار ہو کر شہر
کیطرف روانہ ہوئے۔ یہ سب خبر آناً فاناً بجلی کیطرح سارے شہر میں پھیل گئی تھی۔ اسلئے جس
نے شہزادوں کی سواری کی خبر سنی دیکھنے کیلئے دوڑا آیا۔ ہر طرف سے خوشی کے نعروں اور دعاؤں کی
آوازیں آ رہی تھیں اور لوگ ملکہ کی وہ توہین کرنے والوں پر لعنت بھیج رہے تھے۔ ملکہ یہ نظارہ دیکھ
اپنا سارا رنج بھول گئی اور اس چڑیا کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی جسکا پنجرہ شہزادی پری زاد
نے اٹھایا ہوا تھا۔ اور خوش الحان پرندوں کی جماعتیں اسکے ساتھ اڑتی اڑتی چلی آتی تھیں
الغرض بڑی شان و شوکت سے یہ جلوس محل شاہی میں پہنچا۔ چاروں طرف خوشی کے شادیانے
بجنے لگے اور شب کو سارے شہر میں چراغاں کیا گیا۔ ہر شخص نے اپنی توفیق کے مطابق
اس خوشی کے لئے دعوت دی اور شاہی خزانے سے اسقدر خیرات کی گئی کہ غرباء
نہال ہو گئے۔

جب شہرزاد اس حکایت کو ختم کر چکی۔ شہریار بڑا خوش ہوا اور ملکہ شہرزاد کو
قتل کرانے کا خیال چھوڑ دیا۔ جسنے ایک ہزار رات تک اپنے تئیں عجیب عجیب حکایتیں سنا کر بچا
لیا۔ اور ہر روز نئی کہانی کر کے خیال سے درگذرا۔ بالکل گذشتہ قبیح افعال سے دستبردار ہو
قاضی الحاجات کے حضور گڑگڑا کر توبہ کی۔

وزیر اعظم کو بھی بہت بڑی خوشی ہوئی کہ اسکی بیٹی نے ہزاروں لڑکیوں کو قتل
ہونے سے بچا دیا اور رعایا کی خوشی کی تو کوئی انتہا نہ تھی۔ بادشاہ نے اپنی توبہ کی یادگار میں
ہزاروں قیدیوں کو چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ سچ ہے کہ ؎

نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد ؎ خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

اسکے بعد ملکہ شہرزاد اور بادشاہ شہریار نے کمال عیش و عشرت کے ساتھ بقیہ عمر بسر کی
اور رعایا کا انصاف دیتے دیتے اس جہان کو چھوڑ گیا۔

[illegible] یہ ہے۔ جو آپ نے ایسا کھانا برا آگے رکھا جو قابل خوراک نہیں۔ مگر کوئی اس راز کو
جانتا تھا اسلئے وہ سر جھکا کے خاموش ہو رہے۔ لیکن چڑیا نے جواب دیا۔ کھیرے کی آمش پر
موتی کو چھپا ہوا دیکھکر بادشاہ کو تعجب آگیا۔ مگر اپنی ملکہ کے کتا بلی اور پھوہڑ جننے پر کوئی
نہ آیا۔ بادشاہ نے جواب دیا۔ بیٹے ان عورتوں سے سنکر یقین کیا جو بروقت وضع حمل
موجود تھیں۔ چڑیا نے کہا وہ عورتیں ملکہ کی بہنیں تھیں۔ ملکہ کے حال پر آپ کو متوجہ پاکے
حسد بن گئیں۔ اور ملکہ کو آپ کی نظروں سے گرانے کے لئے یہ کام کیا کہ اسکے اصلی بچے
تو دریا میں بہا دیا اور مشہور کچھ اور کر دیا۔ اگر آپ انسے سختی کے ساتھ پوچھینگے تو وہ صاف
بتا دینگی۔ آپ کے داروغہ باغات نے ان بچوں کو نہر میں بہتے ہوئے پایا۔ اور شاہانہ
طور پر انکی تربیت کی۔ یہ دونوں شہزادے اور شہزادی پری زاد وہی آپ کے بچے ہیں بادشاہ
قصے کی حقیقت دریافت کرکے کمال متعجب ہوا۔ اور چڑیا کو جواب دیا۔ تیری بات صحیح
معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ جب سے میں نے انہیں دیکھا ہے۔ محبت کے سبب دل بے اختیار
انکی طرف کھنچا چلا جاتا ہے۔ یہ کہکر تینوں کو اپنے گلے لگایا۔ اور آبدیدہ ہو کر کہا
تم مجھے اپنا باپ سمجھو۔ پھر سب نے ملکر کھانا کھایا۔ جب کھانے سے فراغت پائی۔ بادشاہ
فرمایا۔ اے میرے بچو! اب میں تم سے رخصت ہوتا ہوں اور کل تمہاری ماں کو ساتھ لیکر
پھر یہاں آؤنگا۔ تاکہ وہ بھی تمہیں گلے لگاکے خوش ہو۔ یہ کہکے بادشاہ اپنے گھوڑے
پر سوار ہو فوراً گھر پہونچا اور وزیر اعظم کو بلاکر حکم دیا کہ جلد جا اور ان دونوں نابکاروں کو مشک
وں سے پکڑ کر بعذاب شدید قتل کر۔ بادشاہ کا حکم پاتے ہی وزیر نے نانبائی اور باورچی
گھروں پر چڑھائی کی اور ملکہ کی دونوں حاسد بہنوں کو جلاد کے سپرد کیا۔ پھر کیخسرو شاہ
چشم کیساتھ جامع مسجد کے دروازے پر آیا۔ اور ملکہ کو آہنی پنجرے سے جہاں اس نے
برسوں تک سخت تکلیف اٹھائی تھی بڑی عزت کیساتھ اپنے ہاتھ سے باہر نکالا اور گلے
لگاکر اسکی شکستہ حالی پر بہت رویا اور معذرت کی کہ میرے ہاتھ سے تجھپر جو ظلم ہوا ہے اسے معاف
کرے۔ بیٹے تیری بہنوں کو جنہوں نے تیرے ساتھ فریب کیا تھا مروا دیا ہے اور تینوں نور چشم
تیرے صحیح و سلامت ملگئے انہیں چلکے گلے لگا۔ بلکہ سب گلوں اور شکووں کو بھول گئی اور باہر آکے

تصویر بادشاہ کی شہزادی پریزاد کے ہمراہ سیر باغ کرنے اور عجائبات دیکھنے کی



ہے۔ یہاں یہ نہیں ہوتا۔ میں اسے بہت دور سے لائی ہوں۔ فوارے کا اور اسکا حال وقت فرصت عرض کرونگی۔ پہلے ذرا چلکے بولتی چڑیا کو بھی دیکھ لیں۔ غرض پریزاد بادشاہ کو بارہ دری میں لیگئی۔ وہاں اسے سینکڑوں خوش الحان جانوروں کو درختوں پر بیٹھے پایا۔ پریزاد سے پوچھا۔ اسقدر جانوروں کے یہاں جمع ہونیکا کیا سبب ہے؟ پریزاد نے جواب دیا۔ یہ سب اسی بولتی چڑیا کے مصاحب اور شاگرد ہیں جسکا پنجرہ یہیں لٹکتا ہے سلطان اندر داخل ہوا۔ کہ اسکی ہزار داستان چہچہا رہی ہے۔ شہزادی نے پکار کے کہا اے میری تو مدتی کیا تو نہیں دیکھتی؟ کہ آج سلطان ہمارے گھر میں رونق افروز ہیں۔ انہیں آداب بجالا۔ چڑیا یہ سنکر چپ ہو گئی اور اسکے ساتھی بھی خاموش ہو گئے۔ چڑیا نے بادشاہ کو آداب بجا لا کر کے خیریت دریافت کی اور بہت سے دعائیں دیں۔ بادشاہ نے سلام کا جواب کمال خندہ پیشانی دیا۔ اور چونکہ وہیں دسترخوان چنا ہوا تھا۔ بادشاہ پنجرے کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ سب سے پہلے کھیرے کی آش کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ مگر اسپر موتی چنے ہوئے دیکھکر نہایت تعجب ظاہر کیا۔ اور شہزادی

تصویر بادشاہ کی شکارگاہ میں مع شہزادوں کے شکار کھیلنے کی



بادشاہ کو پھر ایک مکان کی سیر کرائی - اسکے بعد وہ باغ میں آئے اور سامنے اسکے ایک عجیب قسم کی سنہری
پانی کا اچھلتا ہوا فوارہ دیکھکر پوچھا یہ کس قسم کا فوارہ ہے - اسکا خزانہ کہاں ہے - اسقدر
بلند کس طرح ہوتا ہے - پانی کیوں نہیں کم ہوتا - تم نے اسے کہاں سے منگوایا - چلو پہلے
میں اسے ہی دیکھونگا - پریزاد و بادشاہ کو ادھر لیگئی - اتنے میں ایکا ایک بادشاہ کے کان میں
دلکش نغموں کی آواز آئی - چاروں طرف دیکھا - کوئی گانیوالا دکھائی نہ دیا - پریزاد سے پوچھا
یہ گانے کی آواز کہاں سے آرہی ہے - پریزاد نے مسکراکر جواب دیا حضور کوئی آدمی ایسا
نہیں گا سکتا - یہ آواز اس سامنے کے درخت سے آرہی ہے - اگر تکلیف نہ ہو تو آگے
چلکے اسکا گانا سنئے - غرض بادشاہ آگے بڑھا اور درخت کے پاس جاکے اسکی آواز سن
کر محو ہوگیا - غرض کبھی خوش ہوکے دیکھتا اور کبھی درخت کو - پھر حیران ہوتا کہ آیا یہ کوئی جادو
ہے یا میں اسے خواب میں دیکھ رہا ہوں - آخر کار اس نے پوچھا بی بی پریزاد تم نے یہ درخت
کہاں سے لیا اور اسکا نام کیا ہے - پریزاد نے عرض کی خداوند! اسکا نام گانے والا درخت

سے ہے اور موتیوں کو لینے پہنچی ہو۔ تو باغ میں فلاں درخت کے نیچے ایک صندوقچی گڑی ہے جیسے وہ جگہ کھدوا کے نکلوا لو۔ اس میں تمہاری ضرورت کے لئے کافی موتی پڑے ہیں۔ غرض شہزادی بھی سو رہی۔ اور علی الصبح مالی کو ساتھ لے باغ میں جا کر وہ جگہ کھدوائی اور اس میں سے پون گز مربع کا ایک صندوقچہ پایا۔ پھر جب اسے کھولا تو وہ گول اور یکساں مقدار کے موتیوں سے بھرا ہوا تھا شہزادی خوشی خوشی اسے اٹھا لائی۔ راستے میں دونوں بھائی بھی ملے اور انہیں موتیوں کے ملنے کا واقعہ کہا۔ پھر دونوں کو اپنے ہمراہ اپنے کمرے میں لا کر چڑیا کے مشورے سے آگاہ کیا۔ اور تینوں بہن بھائی دل کے سوچتے رہے۔ کہ چڑیا نے بادشاہ کے سامنے ایسا کھانا رکھنے کی کیوں فرمائش کی ہے۔ مگر وہ کچھ فیصلہ نہ کر سکے۔ آخر پرپرزاد نے کہا۔ چڑیا کا کہنا غلط نہیں آخر اس نے کچھ تو سوچا ہی ہوگا۔ ہمیں اسکے کہنے پر ضرور عمل کرنا چاہئے۔ پھر پرپرزادے باورچی خانے کے داروغے کو بلوا کے حکم دیا کہ آج شاہانہ کھانا تیار کرنے کے علاوہ کھیرے کی آش کی ایک قاب ایسی بھی بنانا جس پر موتی کھنچے ہوں۔ داروغہ متحیر ہو کر پرپرزادے کے منہ کی طرف تکنے لگا گویا کہتا ہے۔ آج تک ایسے کھانے کی کسی نے فرمائش نہیں کی۔ یہ کیا بات ہے۔ پرپرزاد نے اسکا عندیہ معلوم کر کے کہا۔ تمہیں کیا۔ تم صرف میرا حکم بجا لاؤ اور جسقدر موتی درکار ہوں۔ یہ لو صندوقچہ اس میں سے نکال لو۔ باقی کے میرے پاس بھی لے آنا۔ غرض داروغہ تو رخصت ہو گیا اور شہزادی نے محل باغ اور راستہ کی صفائی کرا کے اسے نئے فرش و فروش سے خوب آراستہ کرایا۔ شہزادہ بہمن اور پرپرزاد صبح سے ہی شکار میں جا چکے تھے۔ بادشاہ دیر تک انکے ساتھ شکار کھیلا کیا۔ اور جب آفتاب سر پر آ گیا۔ انکے ساتھ انکے محل کی طرف روانہ ہوا اور شہزادہ پرپرزاد آگے بڑھ کر اپنی بہن کو بادشاہ کی آمد کی اطلاع دی۔ شہزادی استقبال کے لئے دروازے پر آ کھڑی ہوئی۔ اور جب بادشاہ ڈیوڑھی کے قریب پہنچا۔ اسنے دوڑ کر اپنے تئیں بادشاہ کے قدموں پر گرا دیا۔ دونوں بھائیوں نے عرض کی حضور! یہی ہماری بہن ہے۔ پھر بادشاہ نے اسے قدموں پر سے اٹھایا۔ اور اسکے حسن و جمال کو دیکھ کر حیران ہوا۔ کہ قصبات میں ایسے لوگوں کا ہونا تعجبات سے ہے۔ اور ایسا خوبصورت مکان بھی جیسے کبھی گاؤں میں نہیں دیکھا۔ خدا جانے یہ لوگ کیا ہیں۔ پھر پرپرزادے

پر بٹھا لیا۔ دونو آداب بجا لا کے بیٹھ گئے۔ بادشاہ اُنہیں خود چھیڑ چھیڑ کے ہر ایک بات پوچھتا۔ کیونکہ اُسے اُن کا امتحان مدنظر تھا۔ مگر جب اُنہیں ہر فن میں پورا پایا تو کمال مسرت کے ساتھ بادشاہ نے اپنے دل میں کہا۔ کاش! اس حسن و جمال اور تہذیب و قابلیت کے خدا مجھے بھی دو فرزند عطا کرتا۔ اُس دن بادشاہ نے دستر خوان پر غیر معمول دیر لگا دی۔ اسلیئے کہ اُسے دونو شہزادوں کے ساتھ گفتگو کرنے میں ایک مسرور معلوم ہوتے تھے۔ آخر بر ملا اُنکی تعریف کر کے بادشاہ نے کہا۔ کہ میں نے ایسے سعادتمند لڑکے آجتک نہیں دیکھے۔ پھر اُس نے کہا کہ گانا سنو۔ فوراً گانا بجانا شروع ہو گیا۔ اور ناچ ہونے لگا۔ بھانڈوں نے بھی خوب مزیدار نقلیں کیں۔ جن سے شہزادوں کو کمال فرحت ہوئی آخر شام کو بادشاہ سے رخصت مانگی۔ بادشاہ نے رخصت کے وقت فرمایا۔ کل پھر شکارگاہ میں آنا۔ میں تمہیں کل پھر اپنے ساتھ یہاں لاؤنگا۔ کیونکہ میں تمہیں ساتھ ہی رکھنا چاہتا ہوں۔ لیکن قبل اسکے کہ وہ وہاں سے وداع ہوں شہزادہ بہمن نے آداب بجا لا کر عرض کی کہ ہماری کمال آرزو ہے۔ کہ کل کے دن بوقت مراجعت حضور غریب خانے پر قدم رنجہ فرمائیں۔ ہماری اور ہماری بہن کا سرفرازی کا موجب ہوگا۔ اگرچہ وہ گھر اس لایق نہیں۔ مگر سہ

نخورد ز شوکتِ سلطاں نہ گشت چیزے کم ؛ کلاہِ گوشہ دہقاں بہ آسماں رسید

بادشاہ نے جواب دیا بہت خوب! کل میں تمہارا مہمان بنونگا۔ کل علی الصبح تم مجھے اسی شکارگاہ میں پاؤگے۔ پھر وہ دونو بادشاہ سے اجازت لیکر گھر آئے اور اپنی بہن سے سارا حال کہا۔ پریزاد بولی۔ اب بادشاہ کی دعوت کا سامان تیار کر رکھنا چاہیئے۔ مگر پہلے میں اپنی چڑیا سے پوچھ لوں۔ شہزادوں نے کہا اچھا۔ پریزاد نے چڑیا کا قفس اُتار کے اپنے پاس رکھا اور اُس سے بادشاہ کی دعوت کا ذکر کیا۔ چڑیا نے جواب دیا۔ بی بی اپنے باورچیوں سے اچھے اچھے کھانے بادشاہ کے لیئے تیار کراؤ۔ مگر سب سے پہلے کھیرے کی آش کی ایک قاب جس پر موتی بچھے ہوں بادشاہ کے سامنے رکھنا۔ پریزاد نے جواب دیا۔ سبحان اللہ! آجتک یہ کھانا نہیں سنا۔ کیا بادشاہ اُسے دیکھکر متعجب نہ ہوگا۔ علاوہ اسکے ہمارے ہاں اسقدر موتی بھی کہاں ہیں؟ چڑیا نے جواب دیا۔ بی بی میں تمہاری بدخواہ نہیں۔ جو میں کہوں وہی کرو۔ اور دیکھو۔ کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا

معلوم نہیں ہا ہے۔ کہ ع

مخالفت رائے سلطاں رائے جستن ۔ بخون خویش باید دست شستن

اس میں بہت اندیشے ہوتے ہیں۔ مگر بادشاہ نے بڑی مروّت سے کام لیا ہے۔ اب میں اپنی چڑیا سے صلاح لیتی ہوں۔ اور جو کچھ وہ کہیگی۔ اسی پر عمل کیا جائیگا۔ شہزادی چڑیا کا پنجرہ اپنے پاس رکھکے اس بارے میں اس سے مشورہ لیا۔ چڑیا نے جواب دیا۔ شہزادوں کو بادشاہ کی خوشی کا ضرور لحاظ رکھنا چاہیے۔ اور مناسب یہ ہے کہ وہ بھی بادشاہ کی دعوت کریں۔ پریزاد نے کہا۔ میں تو اپنے بھائیوں سے ایک دم بھی جدا ہونا نہیں چاہتی چڑیا نے جواب دیا۔ کوئی بات نہیں۔ اطمینان رکھو۔ پھر پریزاد نے کہا۔ بادشاہ جب ہمارے گھر میں آئینگے تو مجھے انکے سامنے ہونا پڑیگا۔ چڑیا نے جواب دیا۔ اس میں تمہاری بہتری ہی ہوگی۔ غرض دوسرے دن جب دونوں بھائی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے بادشاہ نے پوچھا۔ کہو۔ آج بھی یاد رہا یا نہیں۔ شہزادہ بہمن نے آداب بجا لاکے عرض کی خداوند ہم تابعدار ہیں۔ ہماری بہن بھی ہے۔ بلکہ اس نے ہمیں بہت ملامت کی۔ کہ تمنے آجتک کیوں غفلت کی۔ وہ آپکے حضور میں شفاعت خواہ ہے۔ ہماری دست بستہ عرض ہے۔ آپ ہمارے قصور کو معاف کریں۔ بادشاہ نے فرمایا۔ میں تمہارا کوئی قصور نہیں دیکھتا۔ بلکہ اس محبت پر جو تمہیں اپنی بہن سے ہے۔ بہت خوش ہوں۔ شہزادے بادشاہ کے حلم سے بہت شرمندہ ہوئے اور سر جھکا کر کھڑے ہو رہے بادشاہ شکار میں مشغول ہوا۔ مگر انہیں اپنا شریک نہ پاکر پوچھا۔ وزیر دولت۔ اور اطمینان سے شکار کھیلو۔ پھر جلد وہاں سے فراغت پاکر محل کو مراجعت کی۔ وزیر کو اس کے قریب سے بڑا حسد ہوا۔ مگر بازار میں انکی پیاری صورتوں کو جو شخص دیکھتا بہت خوش ہوتا۔ اور ایک دوسرے سے پوچھتا۔ یہ کون لوگ ہیں۔ اگر اس ملکہ کے پیٹ سے بھی لڑکے ہوتے۔ جو آجکل قید ہے تو وہ بھی آج اتنے ہی بڑے ہوتے۔ غرض بادشاہ محل میں پہنچکر سواری سے اترا۔ اور دونوں شہزادوں کو اپنے خاص کمرے میں لایا۔ جہاں جہاں دسترخوان پر طرح طرح کے کھانے چنے ہوئے تھے۔ پھر دونوں کو اپنے ساتھ خاصہ

آپ میرے ساتھ چل کے خاصہ تناول کرو۔ شہزادہ بہمن نے عرض کیا۔ حضور نے ہمارے رتبے سے بڑھ کر بہت شاہانہ عنایت کیں۔ اسلئے خانہ زاد امیدوار ہیں۔ آج کے دن ہمیں معاف فرمایا جائے۔ بادشاہ کو اُنکے انکار کرنے پر بڑا تعجب ہوا۔ وجہ پوچھی تو بہمن نے جواب دیا۔ ہماری ایک بہن بھی ہے۔ اور ہم تینوں ایک دوسرے کو نہایت پیار کرتے ہیں۔ کوئی شخص ہم میں سے دوسروں کی صلاح کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتا۔ ہم چاہتے ہیں کہ اپنی ہمشیرہ سے بھی اس معاملے میں صلاح کر لیں۔ بادشاہ نے فرمایا۔ میں تمہاری باہمی الفت کا حال سنکر کمال خوش ہوا ہوں۔ تمہیں اجازت ہے آج گھر جاؤ۔ اور اپنی بہن سے مشورہ کر کے کل پھر یہیں آ جانا۔ اور جو جواب تمہاری بہن دے۔ مجھ سے آکر کہنا۔ غرض دونو بھائی گھر آئے اور بادشاہ کی ملاقات کا ذکر کرنا بھول گئے۔ اگلے دن جب بادشاہ وہاں آیا۔ شہزادے بھی حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے پوچھا کیوں۔ تم نے اپنی بہن سے پوچھا۔ یہ سنکر دونو ایک دوسرے کے منہ کی طرف دیکھنے لگ گئے۔ اور اُنکے چہرے کا رنگ مارے خوف کے زرد ہو گیا۔ آخر بہمن نے عرض کی۔ حضور! وہ ہمیں ذکر ہی بھول گیا۔ بادشاہ نے فرمایا۔ خیر! کچھ مضائقہ نہیں۔ کل سہی۔ اتفاقاً اگلے دن بھی وہی حال ہوا۔ اور جب بادشاہ کی خدمت میں آئے۔ پھر اُن کا رنگ بدلنے لگا۔ بادشاہ نے پوچھا۔ معلوم ہوتا ہے۔ آج بھی تمہیں ہماری بات یاد نہیں رہی۔ اچھا آج ایک تدبیر کرینگے۔ یہ کہکر سونے کے تین گیند شہزادہ بہمن کو دیئے۔ کہ انہیں اپنے کمربند میں ڈال لو۔ جس وقت گھر جا کے کمربند کھولو گے۔ تو یہ خود بخود گر پڑینگے۔ اور تمہیں معاملہ یاد آ جائیگا غرض جب دونو بھائی گھر آئے۔ انہیں بادشاہ کی ملاقات کا پھر بھی کوئی خیال نہ رہا لیکن جب رات کو سونے کے لیئے بہمن نے کمر کھولی اور تینوں گیند زمین پر گر پڑے۔ اُسکے کچھلے سے بھولی ہوئی بات اُسے یاد آ گئی اور دونوں کے پریزاد کے پاس گئے۔ پہلے تو معذرت کی پھر کل حال سے اُسے اطلاع دی۔ پریزاد نے اُنہیں بہت ملامت کی۔ کہ تم بڑے غافل ہو کہ تین دن سے برابر بادشاہ کا پیغام بھلا دیا۔ اتفاق سے تمہیں ایسا موقع ملا تھا کہ ہمارا بھلا ہوتا آیندہ کی بھلائی کا موجب تھا۔ مگر تم نے کمال نادانی سے بادشاہ کی نافرمانی کی۔ کیا تمہیں

غرض وہ تینوں بھائی بہن منزلیں مارتے اپنے گھر پہنچے۔ پریزاد نے آتے ہی چڑیا کا پنجرہ بارہ دری میں لگا دیا اور گانے والے درخت کی ٹہنی محل کے قریب باغ میں گاڑ دی اور وہ فوراً جڑ پکڑ کے ہری ہو گئی۔ اور گھڑیوں میں ایک تناور درخت بن گیا۔ پھر اس میں سے بھی گانے کی آوازیں آنے لگیں اور سنہری پانی سے ایک خوبصورت سنگین حوض فوراً بھر گیا اور اس میں سے فوارہ سا اچھلنے لگا۔ اُن تینوں چیزوں کی خبر بہت جلد سارے شہر میں مشہور ہو گئی۔ اور تماشائی جوق در جوق آنے لگے۔ ہر روز دروازہ کھلا رہتا تھا۔ جب شہزادوں کی ماندگی دور ہوئی انہوں نے حسب معمول رمنے میں جا کر شکار کھیلنا شروع کیا۔ ناگاہ فارس کا بادشاہ بھی اُس دن وہیں آ گیا۔ دونوں نے سواروں کی کثرت دیکھ کر چاہا۔ کہ نظر بچا کے گھر کو پھر جائیں۔ اتفاقاً بادشاہ سے اُنکا سامنا ہو ہی گیا اور تنگی راہ کے سبب واپس بھی نہ پھر سکے۔ چار و ناچار بادشاہ کے سامنے گئے۔ اور گھوڑوں سے اتر کر بادشاہ کو سلام کیا۔ بادشاہ اُنکے گھوڑے اور ساز و سامان کو دیکھ کر سمجھا۔ شاید میرے ملازمین میں سے ہونگے۔ وہیں ٹھہر گیا۔ اُنکا نام پوچھا اور دریافت کیا۔ کہ تم لوگ کہاں رہتے ہو۔ شہزادہ بہمن نے جواب دیا۔ خداوندا ہم داروغہ باغات شاہی کے فرزند ہیں۔ جو مدت ہوئی حضور پر تصدق ہو گیا۔ اُس نے اپنی عین زیست میں ہمیں شہر سے باہر ایک محل بنوا دیا۔ تاکہ وہاں تربیت پا کر ہم حضور کی خدمتگزاری کے قابل ہو سکیں۔ بادشاہ نے فرمایا تو تم رعایا ہو کر شکار کیوں کھیلنے آتے ہو۔ جب کہ یہ کام محض بادشاہوں کے لئے مخصوص ہے۔ بہمن نے جواب دیا۔ حضور بصغر سنی کے سبب سے ہم آداب سلطانی نہیں جانتے بادشاہ کو یہ جواب بڑا پسند آیا۔ اور حکم دیا۔ کہ اچھا اب تم واپس چل کے ہمیں اپنے شکار کا تماشا دکھلاؤ۔ یہ سنکر دونوں شہزادے بادشاہ کے ساتھ ہو لئے۔ اور شہزادہ بہمن نے شیر کو اور پرویز نے ریچھ کو کمال جرأت کے ساتھ شکار کیا اور بادشاہ کے پاس لے آئے پھر بہمن نے ریچھ کو کمال جرأت کے ساتھ شکار کیا اور بادشاہ کے پاس لے آئے۔ پھر بہمن نے ریچھ کو اور پرویز نے شیر کو شکار کرکے بادشاہ کی خدمت میں لا حاضر کیا۔ اسکے بعد انہوں نے پھر جانے کا ارادہ کیا۔ مگر بادشاہ نے فرمایا۔ کیا تم لوگ ہمارے جنگل کے تمام جانور ویران کرو گے۔ مجھے تو تمہاری فقط دلاوری کا امتحان کرنا تھا۔ اور میں تم پر بہت خوش ہوں

اُتر گئو ایلہ ہے اور یہ سب اُسی سُنہری پانی کی تاثیر ہے۔ جیسے بیٹنے پر لتی چڑیا کی ہدایت سے چھڑکا تھا۔ پھر اُسنے اپنی ساری سرگذشت سُنادی بہمن اور پرویز اور ستے بہن کی بڑی تعریف کی اور باقی کے آدمی بھی شہزادی کا آداب بجا لائے اور عرض کرنے لگے۔ کہ ہم غلام ہیں۔ جو ارشاد ہو بجا لائیں شہزادی نے جواب دیا۔ مجھے اپنے بھائیوں کی زندگی سے غرض تھی۔ سو وہ مل گئے اب تم اپنے اپنے گھر جاؤ۔ غرض پہاڑ سے اُتر کر سب نے اپنے اپنے گھوڑوں کو کھڑا پایا۔ اور اُن پر سوار ہو اپنے اپنے ملک میں روانہ ہوئے۔ شہزادی نے بھی اپنے گھوڑے پر قدم رکھا

تصویر شہزادی پریزاد کی گھوڑے پر سوار ہو کر معہ پنجرے کے چلنے کی اور پرویز اور بہمن اور دیگر لوگ ہمراہ ہیں



بہمن نے کہا فرماؤ۔ تو اس چڑیا کے قفس کو میں اٹھا لوں۔ شہزادی بولی نہیں تم بلبلا بیلو اور پرویز یہ شاخ اُٹھائے قفس میں خود ہی اُٹھاؤنگی۔ کیونکہ یہ چڑیا میری لونڈی ہو پھر شہزادی نے کہا۔ چلو اُس درویش کا بھی شکریہ ادا کرتے چلیں جسنے ہمیں ان چیزوں کی طرف رہنمائی کی۔ مگر جاکے اُسے مرا ہوا پایا۔ اور کسی کو معلوم نہ ہوسکا کہ اُسکے مرنیکی کیا وجہ ہے

میرے ہاتھ سے کبھی نہ چھوٹے گی۔ اسکے بعد شہزادی نے کانوں سے روئی نکال دی اور چڑیا کا جواب سنا۔ وہ بڑی نرمی سے کہہ رہی تھی۔ اے والا ورقی بی! اطمینان رکھ اور مجھ سے تجھے کچھ نقصان نہ پہنچے گا۔ اگرچہ میں یہاں قفس میں بند ہوں۔ مگر مجھے بہت کچھ غیب کا حال بھی معلوم ہے۔ تمہارا حال بھی میں جانتی ہوں۔ اسلئے کسی دن تمہارے کام آؤنگی۔ اب میں تمہاری لونڈی ہوئی اور تم میری بی بی۔ اب جو کچھ ارشاد ہو۔ میں حاضر ہوں۔ پریزاد کو چڑیا کے ساتھ درخت اور پانی کی بھی بڑی آرزو تھی۔ مگر اپنے بھائیوں کو بھی وہ بدرجہ کمال چاہتی تھی۔ اسلئے کہا سب سے پہلے مجھے سنہری پانی اور گانے والے درخت کا پتہ بتا۔ پھر کچھ اور فرمایش کرونگی۔ چڑیا نے جواب دیا کہ سنہری پانی کا چشمہ تو تمہارے داہنے ہاتھ ہے۔ وہاں سے ٹھلیا بھر لاؤ اور گانیوالا درخت تمہاری پشت کی طرف کے جنگل میں ہوگا۔ اسکی ایک شاخ توڑ لاؤ اور اسے باغ میں لگا دینا۔ فوراً ویسا ہی ہرا بھرا درخت بنجائیگا۔ غرض پریزاد جلد جلد جاکے ان دونوں چیزوں کو بھی لے آئی۔ اور نہایت خوش تھی۔ پھر اس چڑیا سے پوچھا۔ اسی مقصد کے حصول کے لئے جسکے لئے میں یہاں آئی ہوں میرے دو بھائی بھی مجھ سے پہلے آچکے ہیں۔ اور وہ یہاں ہی سیاہ پتھر ہوکے پڑے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ کسی طرح انہیں انکے اصلی جسم میں لاؤں اور اپنے ساتھ گھر لیجاؤں۔ کیا تو کوئی تدبیر بتا سکتی ہے۔ چڑیا نے جواب دیا۔ اس ٹھلیا سے تھوڑا تھوڑا پانی لیکر سب پتھروں پر چھڑک دے۔ اس پانی کی تاثیر سے وہ جی اٹھینگے اور ساتھ ہی تمہارے بھائی بھی زندہ ہو جائینگے۔ یہ سنکر پریزاد کو اطمینان ہوا۔ اور ان تینوں چیزوں کو ساتھ لیکے پتھروں کے پاس آئی۔ پھر ٹھلیا میں سے تھوڑا تھوڑا پانی لیکر سب پر چھڑک دیا۔ اور سب کے سب آدمی بنکے اٹھ کھڑے ہوئے۔ پریزاد نے اپنے بھائیوں کو پہچانا۔ اور گلے لگاکے پوچھا۔ تم یہاں کیا کرتے تھے۔ انہوں نے جواب دیا۔ غافل سو رہے تھے۔ پریزاد نے پوچھا۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم یہاں کس مقصد سے آئے تھے اور مجھے اکیلے چھوڑ کے یہاں سونا تمہیں کیسے بھایا۔ جب وہ کوئی جواب نہ دیسکے تو پریزاد نے کہا جب تم پہاڑ پر چڑھنے لگے تھے تو ضرور سیاہ پتھروں کو دیکھا ہوگا۔ وہ بھی آدمی تھے۔ اور جادو کی تاثیر سے پتھر ہو گئے تھے۔ تم بھی انہیں کے ساتھ بنگئے اور اب بیٹے آکے سب پر سے جادو کا

سر اٹھا کر کہا۔ تمہاری آواز سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ تم عورت ہو۔ مگر مردانہ بھیس بدلا ہوا ہے
میں اس جگہ کو جانتا ہوں۔ مگر کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ اس راستے میں کیسے کیسے
خطرے ہیں اور کیا کیا سخت مصیبتیں لاحق ہوتی ہیں۔ اسلئے یہی بہتر ہے کہ تم یہاں سے
پھر جاؤ۔ شہزادی نے جواب دیا۔ اے پدر بزرگوار! میں بہت دور سے آئی ہوں۔ اس
لئے بے نیل مرام پھرنے سے مجھے بڑا افسوس ہے۔ براہ مہربانی آپ مجھے راستہ بتا دیں۔
درویش نے جب اس عورت کو مردانہ ہمت پایا۔ ایک گیند تھیلی سے نکال کے دیدیا کہ
اسکی رہنمائی سے تم اس پہاڑ پر جا سکوگی۔ پھر اسے تمام اونچ نیچ سمجھا دیے۔ اور جب
درویش نے اسے مہیب اور خوفناک آوازوں کا حال سنایا کہ میں اسکا پہلے ہی بندوبست
کر لونگی یعنی کانوں میں روئی دیکے پہاڑ پر چڑھنا شروع کرونگی۔ درویش نے یہ سنکر
اسے دعا دی کہ معلوم ہوتا ہے کہ چڑیا کا پنجرہ تمہاری ہی قسمت میں معلوم ہوتا ہے۔
ورنہ مجھے یہاں بیٹھے مدتیں گذر گئیں اور سینکڑوں شخص اس چڑیا کے لینے کے لئے آئے
لیکن تمہاری جیسی ترکیب کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آئی۔ جاؤ۔ خدا تمہیں برکت دے۔
غرض درویش سے اجازت پاکر وہ گھوڑے پر سوار ہوئی۔ گیند آگے پھینکدیا۔ اور
گھوڑے کو ایڑی کردی۔ گیند پہاڑ کے نیچے جاکر ٹھہر گیا۔ اور پریزاد نے جیب میں سے تھوڑی
سی روئی نکال کے دونوں کانوں میں ٹھونس کر بھر لی اور بڑی دلیری سے اوپر چڑھنے لگی۔ جب چند قدم
آگے بڑھی۔ بدستور سابق چاروں طرف سے شور اٹھنے لگا۔ مگر کانوں میں روئی ہونیکے سبب اسنے
کچھ نہ سنا اور آگے بڑھتی چلی گئی۔ پھر بڑے زور سے مہیب آوازیں ہونیں اور آسے گندی
گالیاں ملنے لگیں۔ شہزادی نے کوئی پرواہ نہ کی اور ہنستے ہنستے آگے بڑھ گئی۔ ولیسی چیا
سے ان واہیات باتوں سے کیا میں اپنا مقصد چھوڑ دونگی۔ ہرگز نہیں؟ آخر اس نے وہ تمام
کڑی منزل بڑی آسانی سے طے کرلی۔ جہاں رستم و اسفندیار کا زہرہ پانی پانی ہوا جاتا تھا
اور قلہ کوہ پر ایک پنجرہ رکھا ہوا پایا۔ جس میں ایک چڑیا بیٹھی طرح طرح کی بولیاں خوش الحانی
سے بول رہی تھی۔ چڑیا اسے دیکھکر بادل کی طرح گرجی۔ اور بولی۔ میرے پاس مت آ۔ پیچھے
ہی پھر جا۔ مگر شہزادی نے کچھ پرواہ نہ کی اور دوڑ کے چڑیا کا پنجرہ اٹھا لیا۔ پھر کہنے لگی۔ اب تو

تھی۔ پرویز نے اس سے اُن تینوں چیزوں کے ملنے کا پتہ پوچھا پیر مرد نے اسے سمجھایا کہ اس خیال سے درگذرو۔ وہاں بڑے بڑے خطرات ہیں۔ ابھی چند روز گذرے ہیں کہ تمہاری ہی شکل وضع کا ایک نوجوان انہی چیزوں کی تلاش میں یہاں آیا تھا۔ میں نے اسے بھی بہت سمجھایا تھا مگر اُس نے کچھ نہ مانا اور آخر راستے میں ہلاک ہوا۔ دیکھو اپنی جوانی پر رحم کرو۔ اور یہیں سے لوٹ جاؤ۔ پرویز نے جواب دیا اے نیک مرد؟ وہ میرا ہی بھائی ہے۔ مگر مجھے معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کیسے مر گیا۔ درویش نے جواب دیا دوسروں کی طرح وہ بھی سیاہ پتھر بن گیا ہے۔ اگر میرے کہنے پر عمل نہ کرو گے تو تمہارا بھی یہی حال ہوگا۔ پرویز نے درویش کا اس نصیحت کیلئے شکریہ ادا کر کے اپنے ارادے پر استقلال ظاہر کیا۔ آخر درویش نے اسے اسی تھیلی میں سے ایک گیند نکال کے دیا اور مناسب ہدایات دیکر الوداع کہی۔ شہزادہ گھوڑے پر سوار ہو گیند کو آگے لڑھکا اس پہاڑ کی طرف روانہ ہوا۔ جہاں پر اسے اس بولنے والی چڑیا کا پنجرہ ملنے کی اُمید تھی۔ جب پہاڑ کے نیچے پہنچا۔ گیند کے ٹھہرتے ہی وہ بھی گھوڑے سے اُتر کمال جرأت کے ساتھ اوپر چڑھنے لگا۔ مگر چند قدم ہی چلا ہوگا کہ وہی دارو گیر کا غل مچنا شروع ہوگیا۔ اور ایک طرف سے کان میں آواز آئی۔ ارے او بدذات ٹھہر جا۔ میں تجھے تیری گستاخی کی سزا دیتا ہوں۔ جب پرویز نے ایسی گالی سنی غصّے میں بھر گیا اور تلوار کھینچ کر پیچھے پھرا کہ گالی دینے والے کا سر اُتار دے۔ مگر کسی کو وہاں نہ پا کر فوراً سیاہ پتھر بن گیا۔ شہزادی پرویز کو بیس روز تک تو مالا کے دانے ٹھیک معلوم ہوتے رہے۔ مگر اکیسویں روز آپس میں بالکل چپکے ہوئے ہوئے نظر آئے۔ یہ دیکھ کر وہ پھر بال نوچنے اور سر پیٹنے لگ گئی۔ اور سوچنے لگی کہ اب میرا جینا بیکار ہے۔ جہاں دونو بھائی گئے۔ وہاں مجھے بھی چلنا چاہیے۔ خیر یا تخت نصیب ہوگا یا تختہ۔ یہ خیال کر کے اس نے دوسرے دن مردانہ لباس پہن لیا اور اپنے نوکروں چاکروں کو ہدایت دیکر کہ میں کہیں تھوڑے روز کے لئے جاتی ہوں۔ گھوڑے پر سوار ہو روانہ ہوئی۔ اور اکیسویں دن ٹھیک اسی وقت اس درویش کو جا لیا۔ پھر گھوڑے سے اُتر اس درویش کے پاس جا بیٹھی اور بڑی عاجزی سے التجا کی کہ بابا! گانے والا درخت۔ سنہری پانی اور بولتی چڑیا کہاں سے ملیگی۔ درویش نے

کہ اس میں سے خون کے قطرے نکل رہے ہیں۔ فوراً دونوں پیٹنے لگ گئے اور رو رو کر کہنے لگے کہ اس بڑھیا بدذات کا برا ہو جس نے ان چیزوں کا ذکر کرکے ہمارے بھائی کی جان لی۔ اگر وہ چیزیں اب میرے ہاتھ لگ بھی جائیں تو میں انہیں لیکے کیا کرونگی؟ مگر پرویز نے کہا کہ نہیں ا میں جاکے ان چیزوں کو تمہارے لئے لاؤنگا اور جاکے دریافت کرونگا کہ بھائی اپنی موت مرا ہے یا کسی نے اسے قتل کیا ہے۔ مؤخر الذکر حالت میں مجھے اپنے بھائی کا انتقام لینا بھی ضروری ہے۔ پریزاد نے ہر چند اسے سمجھایا اور باز رکھنے کی کوشش کی۔ مگر پرویز نے اسکی ایک نہ سنی اور دوسرے دن تیاری کرکے رخصت ہونے لگا۔ پریزاد نے وقت رخصت کوئی ایسی چیز مانگی جس سے اسکی خیریت کا حال معلوم ہوتا رہے۔ شہزادے نے موتیوں کی مالا گلے سے اتار کے اسے دیدی اور کہنے لگا۔ جب تک اس مالا کے دانے جدا جدا رہیں مجھے بخیریت سمجھنے میں تامل نہ کرنا۔ دوسری حالت میں سمجھ لینا کہ میں ہو چکا۔ غرض پرویز وہاں سے روانہ ہو گیا اور طے منازل کے بعد اکیسویں دن اسی بوڑھے سے ملا جس سے بہمن کی بھیڑ ہوئی تھی

تصویر شہزادہ پرویز کی گھوڑے پر سوار ہو کر راہ محظور طے کرنے کی



پتھر ہی نظر آتے تھے اور ابھی چار یا پانچ قدم بھی نہیں چڑھا تھا کہ یار و اطراف سے دار و گیر کا غل مچنے لگا
مگر بہمن نے آواز کے سوائے کسی شکل کو وہاں نہ پایا۔ کبھی اسے آواز آتی "یہ احمق کون ہے۔
اور کدھر جا رہا ہے اسے پکڑ لو" کبھی سنتا "اسے پکڑ کے کبھی قتل کر دینگے" کبھی تلوار یا ڈھال کے
کڑکنے کی آواز سنائی دیتی اسکے ہوش باختہ ہو گئے کبھی سنتا "اے نابکار! ذرا ٹھہر تو جا۔
میں آتا ہوں" کبھی ہلکی سی آواز سنی "اسے کچھ نہ کہو۔ یہ اچھا شکار ہے اسے جانے دو۔ یہ وہ
آدمی ہے جو بولتی چڑیا کو لائیگا" شہزادہ ان لغو بات کو سنکر ذرا نہ ٹھہرا اور بدستور تیزی کے ساتھ
پہاڑ پر چڑھتا گیا۔ مگر جب آوازیں اور بھی قریب آنے لگیں تو وہ خائف ہو گیا۔ پاؤں کانپنے لگے
اور درویش کی ساری ہدایات بھول گیا۔ منہ پھیر کے دیکھا اور منہ کا پھیرنا ہی تھا کہ سیاہ پتھر بنکے
وہیں رہ گیا۔ شہزادی پریزاد ہمیشہ قرولی کو دیکھتی رہتی اور اسے چمکدار پا کے اطمینان رکھتی۔
مگر اکتیسویں روز جب شہزادہ بہمن پتھر بنگیا۔ اسے قرولی کو میان سے نکالنا چاہا تو وہ نکل نہ سکی
گویا زنگ خوردہ ہو رہی ہے۔ پھر پرویز نے زور سے اسے باہر نکالا تو دو تو کیا دیکھتے ہیں
تصویر اُس پہاڑ کی جس پر لوگ سیاہ پتھر بنے ہوئے کھڑے تھے مع تصویر شہزادہ بہمن کے



آیا ہوں۔ اُمید ہے کہ آپکو اُس کا پتہ معلوم ہوگا۔ مگر میرا خیال غلط نہیں۔ تو آپ مجھے بھی اُسکے پتے سے اطلاع دیں
یہ سُنکر درویش کا رنگ فق ہو گیا۔ کچھ جواب نہ دیکر سر نیچا کر لیا۔ شہزادہ پھر بولا۔ آپنے کچھ جواب نہ دیا۔ اگر آپکو
پتہ نہ ہو تو مجھے ایسا ہی کہدیں تاکہ میں کسی واقفکار سے پوچھوں۔ درویش بولا جس مکان کی بابت تم نے پوچھا
میں اُس سے خوب آگاہ ہوں مگر تمہاری اس خدمت سے مجھے تمہارے ساتھ ایک محبت ہو گئی ہے اسلئے میں
نہیں چاہتا کہ تمہیں اُس مکان کا پتہ بتاؤں۔ شہزادے نے پوچھا آخر وہ کیوں؟ درویش نے جواب دیا کہ راہ میں
بیشمار خطرات ہیں۔ تمہارے سوا یہاں اور بھی کئی آدمی اُس مکان کا پتہ پوچھتے آئے۔ اور میں انہیں بتانا نہ چاہتا
تھا مگر اُنکے اصرار پر بتانا ہی پڑا۔ اب تم یقیناً جان لو کہ وہ سب راستے میں ہی ہلاک ہو گئے ہیں کیونکہ اُن
میں سے کوئی بھی واپس نہیں آیا۔ اگر تمہیں اپنی جان عزیز ہے تو میری نصیحت پر عمل کرو اور یہیں
سے لوٹ جاؤ۔ شہزادے نے درویش کا شکریہ ادا کیا اور بولا مجھے خطرات کی کوئی پرواہ نہیں۔ جو
شخص مجھپر حملہ کریگا۔ میں اُسے اپنی تلوار کا شکار بناؤنگا۔ درویش نے جواب دیا مگر حملہ آور تمہیں دکھائی
نہ دینگے پھر تم اپنی حفاظت کیسے کر سکوگے۔ شہزادہ بولا کوئی پرواہ نہیں آپ مجھے راستہ بتا دیں۔
درویش نے جب شہزادہ بہمن کو اپنے ارادے میں مستقل پایا۔ تھیلی میں سے ایک گیند نکال کر
اُسے عطا کیا اور کہنے لگا کہ جب تم سوار ہو اسے اپنے آگے لڑھکا دینا اور جہاں یہ جا کے
ٹھہرے وہیں تم نے بھی گھوڑے سے اُتر پڑنا۔ گھوڑے کو بلا شک وہیں چھوڑ دینا۔ اور جب تک
تم واپس نہ آؤگے وہ اسی جگہ کھڑا رہیگا۔ اسی جگہ سے تم ایک پہاڑ پر چڑھنے کا راستہ پاؤگے
پیدل ہی اوپر چڑھ جانا۔ اوپر جاکر تمہیں راستے کے دونو طرف بڑے بڑے سیاہ پتھر دکھائی دینگے
اور چاروں طرف سے مہیب آوازیں آئینگی۔ اور جنسے تمہیں غصہ اور ڈر آئیگا۔ مگر خبردار اپنے
پیچھے ہرگز ہرگز مت دیکھنا۔ اگر تم نے ذرا بھی ادھر اُدھر منہ کیا۔ تو یاد رکھنا تم بھی ویسے ہی سیاہ
پتھر بنجاؤگے۔ بہرکیف جب تم پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ جاؤ تو وہاں تمہیں بولتی چڑیا کا پنجرہ لٹکا ہوا
ملیگا اُس سے گانیوالے درخت اور سنہری پانی کا بھی پتہ پوچھ لینا۔ جب تم اُن تینوں چیزوں
کو پاؤگے پھر کچھ خوف کی بات نہیں۔ اطمینان سے واپس آؤ۔ غرض شہزادہ اُس گیند کو لڑھکاتا
ہوا آگے بڑھا اور ایک پہاڑ کے نیچے پہنچکر اُس گیند کے ساتھ ہی ٹھہر گیا۔ پھر گھوڑے سے
اُتر کر لگام ٹہنے سے باندھا اور آپ اوپر چڑھنا شروع کیا۔ جہانتک اُسکی نظر کام کرتی تھی سیاہ

دنیا کر کے وہاں بیٹھا ہوا یادِ خدا میں مشغول تھا۔ شہزادہ فوراً اسی کے پاس آ کھڑا ہوا۔ اسکو پہچانا وہی آدمی تھا۔ جو آج اُسنے دیکھا تھا اور گھوڑے سے اُتر کر سلام کہی۔ درویش نے جواب سلام کا دیکر کچھ بات کہی مگر شہزادے کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ شہزادے نے درویش کی مونچھیں دیکھیں کہ اسقدر بڑھ گئی ہوئی ہیں کہ اسکی کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ پھر اُسنے گھوڑے کو درخت سے باندھکر مقراض نکال کر کہا۔ شاہ صاحب آپ کی مونچھیں اسقدر بڑھی ہیں کہ میں آپ کا ارشاد نہیں سمجھ سکا۔ حکم ہو تو خط بناؤں۔ درویش نے اشارہ کیا کہ ہاں! میں بھی خوش ہونگا۔ یہ سنکر شہزادے نے فوراً زاید بال کاٹ دیئے۔ اور بولا۔ اب آپ بالکل نوجوان معلوم ہوتے ہیں۔ اگر میرے پاس آئینہ ہوتا تو آپ کو دکھا بھی دیتا۔ درویش مسکرایا اور بولا۔ میں تمہاری اس خدمت سے نہایت خوش ہوا ہوں۔ اب میرے لائق کوئی خدمت بیان کرو میں اُسے شوق سے بجا لاؤنگا شہزادہ بولا حضرت میں بہت دور سے بولتی چڑیا۔ گانیوالے درخت اور سنہری پانی کی تلاش میں

تصویر پیر مرد کی جو سمراور مہیب شکل تھا مع تصویر شہزادہ بہمن کے



کے منصوبے سوچ رہی تھی - بھائی اُسکی یہ حالت دیکھکر بڑے متردد ہوئے - آخر بہمن نے پوچھا . .
بہن! آج خلاف معمول تمہیں اُداس کیوں دیکھتا ہوں - خیر تو ہے - پریزاد نے جوابدیا - ہاں . .
خیر ہی ہے - بہمن نے جوابدیا تمہیں خیر تو نہیں دکھائی دیتی - اور جب تک تم اصل حال سے . .
ہمیں اطلاع نہ دوگی ہم یہاں سے نہیں جائینگے - پریزاد نے جب دیکھا کہ دونو بھائی بیقرار ہو رہے . .
ہیں تو مجبوراً بڑھیا کے آنیکا سارا حال اُنہیں سُناکے کہنے لگی - میں چاہتی ہوں کہ جس طرح ہوسکے . .
اپنے باغ اور محل میں یہ تینوں عجائبات بھی بہم پہنچاؤں اگر تم سے ہوسکے تو اُنکے حاصل کرنیکی کوشش کرو
یہ سُنکر بہمن نے اُنکا پتہ نشان پوچھا اور کہنے لگا میں کل صبح ہی روانہ ہوجاؤنگا تو کچھ فکر نہ کرو - پرویز
نے جب دیکھا کہ بڑا بھائی آمادہ سفر ہے - بولا - آپ ہم سب سے بڑے ہیں اور آپکا گھر میں رہنا نہایت
ضروری ہے اسلیئے میں اُدھر جاؤنگا اور ہمشیرہ کے پاس رہیئے - بہمن نے جوابدیا - مجھے تمہاری جرأت
سے ایسی ہی اُمید ہے - مگر فی الحال یہی مناسب ہے کہ میں ہی جاؤں تم گھر میں رہو - غرض دوسرے
دن وہ گھوڑے پر سوار ہوا اپنے بھائی پرویز کے پاس رخصت لینے آیا - اُسوقت پریزاد کو بہن کی جدائی
ناگوار معلوم ہوئی اور رو رو کے کہنے لگی - بھائی تم ہم سے جُدا نہ ہو - مجھے اِن تینوں چیزوں کے نہ پانیکا
اسقدر رنج نہ ہوگا جسقدر تم سے جُدا ہونیکا ہوگا - بہمن نے جواب دیا اب تو میں مصمم ارادہ کرچکا ہوں تم
تم اطمینان رکھو - میں جلدی آجاؤنگا - پریزاد نے کہا - اور نہیں تو کسی طرح تمہاری خیریت کا حال
ہی معلوم ہوجاتا - یہ بھی غنیمت تھا - یہ سُنکر بہمن نے اپنی کمر سے ایک کرولی نکال کے پریزاد کو دیدی
اور کہا جس وقت میرا حال دیکھنا منظور ہو اس کرولی کو دیکھ لیا کرنا - اگر صاف اور چمکدار نظر آئے
تو مجھے زندہ و سلامت سمجھنا - اور اگر خون ٹپک رہا ہو تو سمجھنا کہ میں ہوچکا اور میرے حق میں دعائے
خیر کرنا - یہ کہکر اُنہیں الوداع کہی اور گھوڑے کی باگ اُدھر موڑی - جدھر پریزاد نے اُسے پتہ دیا
تھا - غرض بیس دن تک مارا مارا راستہ طے کرکے اکیسویں دن اُسنے ایک پیرمرد کو ایک درخت کے
نیچے بیٹھے دیکھا - پاس ہی ایک جھونپڑی بھی تھی جسکے سبب سے وہ سرما اور گرما کی تکلیف سے
اپنا بچاؤ کرسکتا تھا اُسکی شکل بڑی وحشتناک تھی اور داڑھی مونچھیں اسقدر گھنی تھیں کہ اُسکا مُنہ
بھی دکھائی نہ دیتا تھا - داڑھی مونچھوں پر پڑ رہی تھی اور ناخن بہت بڑھ گئے تھے - اُسکے
سر پہ ایک لمبی سی ٹوپی تھی اور بدن پر چٹائی لپیٹے ہوئے تھا - وہ ایک درویش تھا جو مدت سے ترک

ہوئی اور شہزادی سے کہنے لگی جس شخص نے تمہارا محل اور باغ بنایا ہے وہ فن تعمیر کا پورا ماہر معلوم ہوتا ہے۔ شہزادی نے یہ سنکر اُسے اپنے پاس تخت پر بٹھالیا اور کہنے لگی۔ زہے نصیب! کہ آپ جیسی زاہدہ کے مجھے دیدار ہوگئے۔ آپ نے ایسی راہ اختیار کی ہے جسکے لئے ہر شخص کو آرزو ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ کی زبان فیض ترجمان سے نصیحت کی باتیں سُنکر فائدہ اُٹھاؤں۔ اتنے میں خواصوں نے دسترخوان بچھادیا۔ اور طرح طرح کے لذیذ کھانے بڑھیا کے آگے رکھدئے اور بولی اے مقدس اماں۔ آپ کو جس چیز کی اشتہا ہو شوق سے نوش فرمایئے۔ بڑھیا نے جواب دیا اگرچہ ایسی لذیذ چیزوں کے کھانیکی مجھے عادت نہیں ہے۔ تاہم تم ایسی فیاضی کے ہاتھوں سے خدا دے تو نہ لینا کفران نعمت ہے پھر دونو نے اپنی اپنی اشتہا کے بموجب کھانا کھایا۔ اور بڑھیا نے شہزادے کو کئی نصیحتیں بتائیں۔ آخر شہزادی نے پوچھا اے اماں جان! آپکی رائے میں یہ باغ اور محل کیسا ہے؟ اسمیں کوئی اور چیز تو نہیں چاہیئے بڑھیا نے جواب دیا۔ بیٹی! باغ اور محل کی آراستگی میں تو کوئی شبہ نہیں بلکہ ہر ایک قرینہ بہت عمدگی سے پایا جاتا ہے مگر تین چیزوں کی کمی دکھائی دیتی ہے اگر وہ بھی اسمیں ہوں تو بلا شبہ تمہارے باغ اور محل کو لوگ بے نظیر کہیں۔ شہزادی نے بڑے اشتیاق سے پوچھا اور وہ تین چیزیں کونسی ہیں بڑھیا بولی۔ ایک تو گانیوالی چڑیا ہے جسے بلبل ہزار داستاں بھی کہتے ہیں اور وہ نایاب ہے اور جس وقت وہ خوش آواز سے وہ گاتی ہے بڑے بڑے خوش الحان پرندے اسکی راگنیاں سُننے کیلئے جمع ہوتی ہیں۔ دوسرا گانیوالا درخت ہے کہ جب ہوا چلتی ہے تو خود بخود اسکے پتوں میں راگ ورنگ کی آواز نکلنے لگتی ہے تیسرا سنہری پانی ہے کہ اگر اسکا ایک قطرہ بھی کسی بڑے برتن میں ڈالدیا جائے تو وہ برتن فوراً بھر جاتا ہے اور اگر کسی بڑے حوض میں ڈالدیا جاوے تو حوض بھر کر خود بخود فوارے کی طرح اُچھلنے لگتا ہے۔ مگر کیا مجال کہ ایک قطرہ بھی تو باہر گرے۔ شہزادی یہ سُنکر مجسم اشتیاق بنگئی اور بڑھیا کو قسم دیکے پوچھا کہ یہ چیزیں کہاں سے ملینگی؟ اگر آپ کو پتہ ہو تو مجھے ضرور بتادیں میں اُنکے حاصل کرنے میں ہر ایک سعی کرونگی۔ بڑھیا بولی یہ چیزیں صدود ہند کے علاوہ اور کہیں نہ ملینگی۔ آپ کے مکان سے فلاں سمت بیس دن کی راہ پر جو شخص پہلے پہل ملے اُس سے اِن تینوں چیزونکا پتہ ملیگا۔ یہ کہکر اُس عابدہ نے شہزادی سے رخصت لی اور چلتی پھرتی نظر آئی۔ مگر شہزادی اُن تینوں عجائبات کے دھیان میں ایسی محو ہوئی کہ اُسکے بھائی شکار گاہ سے لوٹے بھی مگر اُسے کچھ خبر نہ ہوئی وہ اُنکے حصول

ہونے پر شہادت دیتا۔ مگر شاہی حکم سے نافرمانی کرنیکی کسیکو مجال نہ تھی البتہ ہر شخص اُسپر رحم کھاکر اُسکی مخلصی
کیلئے دعا مانگتا۔ اودہر تو ملکہ کی یہ حالت تھی اودہر اُسکے تینوں بچے کمال نازونعمت میں پرورش پاتے تھے اور جوں
جوں بڑھتے جاتے اُنکی محبت بھی میاں بی بی کے دلمیں بڑھتی جاتی۔ داروغہ نے بڑی محبت سے بڑے کا نام بہمن
اور چھوٹے کا نام پرویز اور لڑکی کا نام پریزاد رکھا۔ جب یہ تینوں تربیت کے قابل ہوئے اُنکی تعلیم وتربیت کے
لئے معلم اور اُستاد رکھے گئے اور تھوڑے عرصے میں تینوں نے اسقدر مہارت پیدا کرلی کہ اُستاد بھی اُنکی قابلیت پر
حیران ہوتے تھے علوم رسمی میں کمالیت بہم پہنچا لینے کے بعد انہوں نے شہسواری تیراندازی اور دوسرے
فنون سپہگری میں بھی حیرت انگیز ترقی حاصل کی۔ اسکے علاوہ پریزاد نے گانا بجانا بھی سیکھا۔ داروغہ کو انہیں
دیکھ دیکھ کر کمال مسرت ہوتی تھی اور وہ انہیں خرم ومسرور رکھنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا تھا جب
وہ جوان ہوگئے۔ اتفاقاً داروغہ کی بی بی بیمار ہوکر چل بسی اور داروغہ نے اُنکی رہائش کیلئے شہر سے
تھوڑی دور پر ایک زمین مول لیکر ایک محل نہایت خوبصورت اور عالیشان بنوایا جسکے ساتھ ہی ایک
خوبصورت باغ بھی لگوایا۔ باغ کی تیاری میں اُسنے خود بھی بہت محنت کی قسم قسم کے میوہ دار اور پھولدار
درخت ترتیب کے ساتھ لگائے۔ باغ کیساتھ ہی لگا ہوا ایک وسیع رمنا بھی تیار کرایا جسکے چاروں طرف
دیوار بنائی اور اندر ہر قسم کے جانور لا رکھے تاکہ وہ تینوں بھائی بہن وقتاً فوقتاً شکار کھیل کر اپنی
طبیعت بہلایا کریں۔ جب محل مع باغ اور رمنا ہر طرح سے آراستہ ہوگئے۔ داروغہ نے بادشاہ سے وہاں
جا رہنے کی اجازت طلب کی جو اُسے بڑی آسانی سے مل گئی۔ پھر وہ اُن تینوں کو ساتھ لیکے وہاں آ رہا
اندازاً چھ مہینے اُس نے محل میں بسر کئے کہ وہ بھی چل بسا۔ اور اتنی فرصت نہ پائی کہ اُن لڑکوں سے اُنکے
حسب ونسب کا پتہ بتا جاتا۔ البتہ اُنہیں باہم اتفاق سے رہنے کی وصیت کرگیا۔ اُسکی وفات کے بعد تینوں
نے جو داروغہ کو اپنا حقیقی باپ تصور کرتے تھے نہایت جزع فزع کی اور بڑی شان وشوکت کیساتھ اُسکا جنازہ
نکالا۔ پھر داروغہ کی وصیت کے بموجب تینوں بڑی محبت اور اتفاق سے رہنے سہنے لگے حتی کہ جو کام کرتے تینوں
ایکدوسرے کی صلاح سے کرتے۔ ایکدن شہزادہ بہمن اور پرویز شکار کیلئے رمنے میں گئے ہوئے تھے کہ شہزادی
پریزاد کے پاس ایک عابدہ اور زاہدہ بڑھیا کا گذر ہوا اور اُسنے شہزادی سے درخواست کی اگر
اجازت ہو تو آپکے باغمیں نماز پڑھ لوں۔ شہزادی نے بخوشی اجازت دی۔ اور جب وہ فارغ
ہوئی۔ خواصیں شہزادی کا حکم پاکر اُسے تمام باغ اور مکانوں کا سیر کرا لائیں۔ بڑھیا بہت خوش

ارادہ ترک کردیا اُدھر ملکہ کی دو نو بدذات بہنوں نے لڑکے کو پٹاری میں بند کر نہر میں بہا دیا جو محل شاہی کے
نیچے سے بہہ رہی تھی - اتفاق سے وہ پٹاری بہتے بہتے شاہی باغ میں جا پہنچی - اتنے میں داروغہ
باغات کی نظر اُس پر پڑ گئی - جو وہاں ٹہل رہا تھا - اُسنے مالی کو حکمدیا - کہ نہر میں سے وہ پٹاری نکال لا
مالی دوڑ کے اُسے نکال لایا اور داروغہ کے سامنے رکھدی - داروغہ نے اُسے کھولکر دیکھا - کہ
ایک خوبصورت تازہ مولود اُسمیں پڑا ہے - چونکہ اُسکے کوئی اولاد نہ تھی - اور بارگاہ الٰہی میں شب و روز
دست بدعا رہتا تھا - اسلئے فوراً اُس بچے کو اُٹھا کے اپنی عورت کے پاس لیگیا - اور اپنی بی بی سے
کہنے لگا کہ خدا نے اپنی رحمت سے یہ بچہ مجھے دیا ہے - ابھی ایک دائی کو بلوا کے اسے دودھ پلوا
اور اسے اپنا شکمی بیٹا سمجھ - غرض داروغہ کی عورت اُسکی پرورش کرنے لگی - اگرچہ داروغہ نے
اُس پٹاری کو ملکہ کے محل کیطرف سے آتے دیکھا تھا - مگر اُسنے زیادہ تفتیش کرنا مناسب نہ سمجھا
دوسرے برس وہ ملکہ ایک اور شہزادہ جنی - اُسکی بدذات بہنوں نے ازراہ حسد اُس بچے کیساتھ بھی
پہلے والا سلوک کیا اور ظاہر کیا کہ اب کے ملکہ نے بلی کا بچہ جنا ہے - حسن اتفاق سے وہ لڑکا بھی داروغہ
کے ہاتھ آیا اور اُسنے اپنی عورت کو دیکر تاکید کی کہ اسے بھی محبت کیساتھ پرورش کر - بادشاہ کو اس خبر سے اور
بھی غصہ آیا اور ملکہ کے ہلاک کرنیکا قصد کیا - مگر وزیر نے پھر آہستہ سے بازرکھا - تیسری دفعہ ملکہ نے
لڑکی جنی - وہ بیگناہ بھی اپنے دو بھائیوں کی طرح پانی میں بہا دیگئی - اور قدرت خدا سے اُسے بھی داروغہ
ہی نے پایا - مگر ملکہ کی بہنوں نے ظاہر کیا کہ اب کے ملکہ نے چھچھوندر جنی ہے - اب تو بادشاہ میں ضبط
کی طاقت نہ رہی - اور بولا - اب کے میں اسے ضرور مروا ڈالونگا - ورنہ یہ تو میرے محل کو جانوروں سے بھر دیگی
مگر وزیر اعظم اور دوسرے ارکین دربار ملکہ کے شفیع ہوئے کہ جو شخص قضا و قدر میں دخل نہ رکھتا ہو وہ محض بیقصور
ہے - اُسکا قتل شرع میں روا نہیں - آپ کوئی اور سزا اسے دے سکتے ہیں - البتہ یہ نہ ہو کہ آپکو بعد میں پچھتانا پڑے
اور میری رائے میں تو اسکے پاس جانا چھوڑ کر کچھ خیرات کیجئے - بادشاہ نے جوابدیا - اچھا میں اسکے قتل سے
درگذرا مگر سزا اُسے ضرور ملنی چاہیئے - اسلئے ایک لوہے کے پنجرے میں بند کرکے اُسے جامع مسجد کے
دروازے پر رکھوا دو - اور حکم دیدو کہ جو شخص نماز پڑھنے اندر جائے تو پہلے ملکہ کے منہ پر تھوک کر اندر قدم رکھے
اور جو شخص اس حکم کی تعمیل نہ کریگا اُسے بھی یہی سزا دیجائیگی - ناچار وزیر بادشاہ کا حکم بجا لایا اور جو لوگ نماز
کے لئے آتے اُسکے منہ پر تھوکتے وہ صبر و شکر کرکے رہ جاتی - مگر جو شخص بے سبب قصور کو سنتا اُسکے بے قصور

مرادیں پاکر خوش ہوئیں۔ مگر اسکے خلاف بڑی اور منجھلی بہنیں چھوٹی کا جاہ و جلال دیکھ نہ سکیں اور انکو
سے وزرات جلا کرتی تھی مگر دیر تک انہیں اپنا انتقام لینے کا کوئی موقع نہ ملا۔ ایک دن دونوں حمام میں
اکٹھی ہوئیں اور بڑی نے منجھلی سے کہا کہ بھلا اس چھوٹی کمو تی میں ایسے کیا لعل لگے ہوئے ہیں کہ بادشاہ نے
اُسے ملکہ بنا لیا۔ منجھلی نے جواب دیا۔ کہ میں خود حیران ہوں وہ پسند رہا تو اس قابل نہ تھی اور میری رائے
میں تو تم ہزار درجے بڑھ کر اس سے حسین ہو۔ بڑی نے جواب میں یوں زبان کھولی۔ کہ اور بھی خوش ہوتی
اگر بادشاہ مجھے انتخاب کرتا۔ غرض بادشاہ کی ناقدر شناسی کے سبب ہم دونو کو کمال رنج آرہا ہے پہلے
کوئی تدبیر کرنا چاہئے جس سے اس پسند رہا سے بدلہ لیکر دل کا بخار نکال سکیں۔ اور وہ بادشاہ کی
نظروں سے گر جائے۔ پھر وہ دونو اسی فکر میں رہنے لگیں مگر اسے ان دونو سے ویسی ہی محبت تھی۔
اتفاقاً کئی مہینے کے بعد ملکہ حاملہ ہو گئی۔ بادشاہ کو بہت خوشی ہوئی اور اسنے ملک میں اظہار مسرت
کا حکم دیا۔ جب یہ خبر ملکہ کی دو بہنوں کو پہنچی۔ انہوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی ٹھان لی
اور دونو ملکہ یعنی بہن کو مبارکباد دینے گئیں۔ اثنائے گفتگو میں ملکہ سے درخواست کی۔ کہ جب
وضع حمل کا وقت قریب آئے ہم چاہتے ہیں کہ خود حاضر ہو کے تمہاری خدمت کریں اور چالیس دن
تک تمہارے پاس رہیں۔ ملکہ نے انکا شکریہ ادا کیا۔ اور کہا تمسے بڑھکر میرا قصد اور کونسا ہوگا
مگر بادشاہ کی اجازت کے بغیر میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ بہتر ہے کہ تم اپنے خاوندوں کی معرفت بادشاہ
سے اپنے یہاں رہنے کی اجازت لو۔ میرے خیال میں بادشاہ ضرور تمہیں اجازت دیگا۔ غرض
دونوں نے اسکی صلاح مان کر اپنے اپنے خاوندوں کی معرفت بادشاہ سے اجازت مانگی۔ بادشاہ نے فرمایا
کل جواب ملیگا اور جب وہ گھر آیا۔ خلوت میں ملکہ سے اس بارے میں پوچھا۔ ملکہ نے انکی سفارش
کی۔ کہ بہرحال بہنیں ہیں۔ غیروں کی نسبت انکا بوقت وضع حمل میرے پاس ہونا بہت بہتر ہے چنانچہ اگلی
دن بادشاہ نے ملکہ کی بہنوں کو انکے خاوندوں کی معرفت ملکہ کے پاس رہنے کی اجازت دی اور وہ
رہنے سہنے لگیں۔ جب وضع حمل کا وقت آیا۔ ملکہ نے ایک خوبصورت شہزادہ جنا۔ مگر اسکی دونو خالہ
بہنوں نے اسے کہیں غائب کر کے ایک کتے کا مردہ پلا رکھ دیا اور محل میں مشہور کر دیا۔ کہ ملکہ کتا جنی ہے
جب یہ خبر بادشاہ کو پہنچی اسنے بڑا غصہ آیا اور ارادہ کیا کہ ملکہ کو مروا ڈالے۔ مگر وزیر نے اسے منع کیا
کہ یہ اسکی تقصیر نہیں [illegible] خلاف ہے اور ملکہ بیچاری [illegible] قتل کیا [illegible]۔ غرض بادشاہ نے اسکے قتل کا

پر شہزادی پریزاد اور شہزادگان بہمن و پرویز کی داستان سنانی شروع کی اور بولی :-

شہزادی پریزاد اور شہزادگان بہمن و پرویز کی داستان

خداوند! اگلے زمانے میں ملک فارس کا ایک شہزادہ خسرو شاہ نامی بسا اوقات راتکو بھیس بدلکر رعایا کے حالات دریافت کرنیکے لئے پھرا کرتا۔ جب اسکا باپ مرگیا وہ تخت پر بیٹھا اور رسومات عزاداری کے اختتام پر اپنے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کیا اور اپنی عادات قدیم کے بموجب سر شام وزیر اعظم کو ہمراہ لے تبدیل لباس کر شہر کے کوچوں میں گشت کرنے لگا اتفاقاً اسکا گذر ایک ایسی گلی میں ہوگیا۔ جہاں ایک گھر سے عورتوں کے زور زور سے باتیں کرنیکی آواز آرہی تھی کیخسرو شاہ نے کہ اب اسکا یہی کام تھا دروازے کی درز سے جھانک کر دیکھا کہ تین عورتیں ایک دالان میں کھانا کھا کر باتیں کر رہی ہیں۔ پھر انکی باتوں پر کان لگا دئے اسے معلوم ہوگیا کہ وہ تینوں سگی بہنیں ہیں۔ پھر پہلی بہن بولی۔ میری آرزو ہے کہ میرا بیاہ بادشاہ کے نانبائی سے ہو تاکہ لذیذ روٹی کھاتے تم دونوکو ترسایا کروں۔ منجھلی نے اسکے جواب میں اپنی کتخدائی کے لئے شاہی باورچی کو پسند کیا۔ تاکہ تمام اچھے کھانے اسے میسر آسکیں۔ مگر تیسری جو سب سے چھوٹی تھی اسنے سب سے بڑی آرزو کا اظہار کیا۔ کہ میں یہاں کے بادشاہ سے شادی کرانیکی آرزومند ہوں تاکہ اس سے ایک خوبصورت شہزادی جنوں۔ بادشاہ تینوں بہنوں کی خواہشوں کو سنکر مسکرایا اور وزیر کو حکم دیا کہ اس گھر کو اچھی طرح سے یاد رکھنا اور صبح جب میں اجلاس پر جاؤں۔ ان تینوں بہنوں کو میرے سامنے حاضر کرنا۔ قصۂ مختصر وزیر نے اگلے دن اجلاس کیوقت ان تینوں بہنوں کو دربار میں لا حاضر کیا۔ کیخسرو شاہ نے پوچھا۔ کل شام کے وقت تم آپس میں کیا باتیں کر رہی تھیں۔ میں بھی انہیں سننا چاہتا ہوں۔ مگر خیال رکھنا کہ انہیں سر مو فرق نہ آنے پائے۔ یہ سنکر تینوں بہنیں مارے شرم کے خاموش ہوگئیں اور کچھ جواب نہ دے سکیں۔ تھوڑی دیر بعد عذر معذرت کرنے لگیں مگر بادشاہ نے انہیں تسلی دیکر فرمایا۔ تم مت ڈرو۔ مجھ سے بلا تامل اپنی اپنی آرزو کا اظہار کرو۔ تاکہ میں انہیں پورا کروں۔ آخر انہوں نے اپنی آرزوؤں کا اظہار کر دیا۔ بادشاہ نے فوراً اپنے نانبائی اور باورچی کو بلوا کر بڑی اور منجھلی کو علی الترتیب انکے عقد میں دیدیا اور آپ دھوم دھام کیساتھ چھوٹی سے نکاح پڑھالیا۔ چونکہ سلطنت سے باقیوں کی نسبت کچھ منہ لگتی تھی اگرچہ ان سب کو لازم تھا کہ اپنی اپنی منہ مانگی

اور اوپر اوپر ہی چھپ گئے اور جب وہ محل کے پاس پہنچا دربانوں نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی۔ آخر شبر تخت کے پاس بڑے نخوت اور غرور سے جا کھڑا ہوا۔ اتفاق سے شہزادہ کسی کام کے لئے پیچھے رہ گیا تھا تمام ارکین دربار اور حاضرین کی بھی بڑی گت ہوئی۔ ہر ایک اس خوفناک شکل کو دیکھ سر پر پاؤں رکھ کے بھاگا۔ اور جہاں پناہ لی چھپ رہا۔ شبر کو دیکھ کر بادشاہ کے اوسان خطا ہو گئے اور جب شبر نے کہا۔ کہ میں حاضر ہوں۔ تو نے بلایا تھا۔ اب بتا مجھ سے کیا مطلب ہے تو بادشاہ نے انگوٹھی پر ہاتھ رکھ کے وہاں سے بھاگ جانا چاہا۔ اسکی یہ بداخلاقی دیکھکر شبر جل بھن گیا کہ میں اتنی شفقت اٹھا کر اسے ملنے آیا اور یہ مجھے دیکھکر بھاگتا ہے فوراً اپنا آہنی حربہ اٹھایا اور بادشاہ کے سر پر دے مارا کہ دماغ پاش پاش ہو گیا اور وہ ٹھنڈا ہو کے گر پڑا۔ پھر شبر چاہتا تھا کہ وزیر اعظم کو بھی اپنا شکار بنالے۔ مگر شہزادہ احمد پہنچ گیا اور شبر کو وزیر اعظم کے مارنے سے منع کیا کہ یہ تو میرا خیر خواہ تھا۔ اسے مت مارو۔ یہ اشارہ پاکر شبر نے وزیر اعظم کو چھوڑ دیا اور باقی کے تمام حاضرین کو ایک سرے سے دوسرے تک اپنی آہنی لاٹھی کا شکار بنایا۔ جو بھاگ سکا وہ بھاگ کے بچ گیا۔ پھر شبر نے وزیر اعظم کو حکم دیا کہ فلاں ساحرہ کو بھی حاضر کر جو میرے بہنوئی کی دشمن تھی۔ تاکہ اسے بھی اسکی بدخوئی کا نتیجہ دکھاؤں۔ غرض وزیر اعظم نے فوراً اسے پکڑ بلوایا اور شبر نے ایک ہی ہاتھ میں اس مردار کی ہڈی اور پسلیاں بھی ایک کر دیں۔ اسکے بعد شبر نے سارے شہر کے باشندوں کو قتل کرنا چاہا مگر شہزادے نے اسے روکا۔ آخر شبر نے شہزادے کو شاہانہ پوشاک پہنائی اور ہندوستان کے تخت پر بٹھا کے تمام سلطنت میں منادی کرادی کہ جو شخص شہزادہ احمد کی مخالفت کریگا فوراً جان سے مارا جائیگا مگر تمام وضیع و شریف اسکے تخت سلطنت پر جلوس فرمانے سے نہایت خوش ہوئے اور اسکی درازی عمر کے لئے دعا مانگنے لگے۔ اسکے بعد شبر نے پری بانو کو بھی وہیں بلا لیا۔ اور ہندوستان کی ملکہ بنا کے آپ وہاں سے رخصت ہو گیا۔ سلطان احمد نے شہزادہ علی کو ایک متصلہ صوبے کا گورنر کرکے بھیج دیا اور شہزادہ حسین کی خدمت میں ایک سردار کو تمام واقع کی اطلاع دینے کیلئے بھیجا اور کہلا بھیجا کہ آپ کو جس ولایت کی خواہش ہو مجھے اطلاع دیں تاکہ اسجگہ کی سند حکومت لکھ کے آپ کو بھیج دوں مگر شہزادہ حسین نے جسے اب فقیری کا چسکا لگ گیا تھا حکومت لینے سے انکار کر دیا۔ صرف سلطان احمد کا شکریہ ادا کر بھیجا۔ اور خود بقیہ عمر گوشہ تنہائی میں بسر کر دی۔ یہ حکایت ختم کر کے اگلے دن شہرزاد نے دنیازاد سے کہنے



تصویر شبر اور پری بانو کی مع تصویر شہزادہ احمد اور پری بانو کے

ساتھ سارا حال پری نے اپنے بھائی کو بتا دیا اور دوسرے دن علی الصبح دونو بادشاہ کے دربار کو روانہ ہوئے۔ راستے میں شہر کے باشندے شبر کی ہیبتناک شکل کو دیکھ کر بھاگنے لگے

حسب معمول آ رہا۔ بادشاہ نے یہی فرمائش کر دی۔ شہزادہ نے خیال کیا اب میں ایسا آدمی کہاں سے
تلاش کرونگا۔ لیکن جیسے ہو سکا بادشاہ سے رخصت ہو کر پری کے پاس آیا اور اسے بھی اس
فرمائش سے آگاہ کر کے کہنے لگا۔ یقیناً یہ پہلی دونو فرمائشوں سے کڑی ہے۔ پری بانو نے کہا
اندیشہ نہ کرو۔ تم بڑی جرأت کیساتھ شیروں کے چشمے سے پانی لے آئے تو یہ کونسی بات ہے۔
اس وضع کا آدمی دنیا میں صرف میرا بھائی شبر ہی ہے اور میں اُسے بلائے دیتی ہوں۔ وہ
بہت شجاع اور دلیر ہے اور اُسکی ہمیشہ سے یہی خواہش رہی ہے کہ میں کچھ اس سے فرمائش
کروں۔ مگر تم اُسے دیکھ کے ڈرنا مت۔ شہزادے نے جواب دیا جو تمہارا عزیز ہے وہ میرا بھی عزیز ہے
تو خواہ اسکی کیسی وضع ہو مگر کیوں ڈرونگا؟ بلکہ مجھے خوشی ہوگی۔ پھر پری بانو نے سونے کی انگیٹھی
منگائی اور ایک طلائی صندوقچے سے کچھ خوشبوئیاں نکالکر اسمیں ڈالدیں۔ جب اس انگیٹھی سے
گہرا دھواں نکلا۔ پری بولی میرا بھائی آ گیا ہے ہوشیار ہو جاؤ۔ شہزادے نے سر اٹھا کے دیکھا تو
فی الواقع شبر اسی وضع اور قطع کا تھا جسکی سلطان نے فرمائش کی تھی وہ بڑے تمکنت اور
رعب کیساتھ کھڑا ہوا تھا مگر اسکی آنکھیں چھوٹی چھوٹی اور اندر کو گھسی ہوئی تھیں اور اسکا سر
جسپر اسنے تاج پہن رکھا تھا آگے اور پیچھے سے چپٹا ہوا تھا۔ شہزادہ دیکھکر استقلال سے
بیٹھا رہا۔ شبر نے اسے آگے بڑھ کے بغور دیکھا اور پری بانو سے پوچھا۔ یہ تم نے اپنے پہلو
میں کسے بٹھا رکھا ہے۔ بانو نے جواب دیا یہ میرا شوہر ہے۔ اسکا نام شہزادہ احمد ہے اور بادشاہ
ہندوستان کا شہزادہ ہے۔ بھائی بیشک میں اپنی شادی میں اسلئے تمہیں نہ بلا سکی کہ تم ان دنوں
ایک بڑی لڑائی میں مشغول تھے۔ اب خدا کے فضل سے تم نے فتح پائی ہے تو میں نے تمہیں بلایا ہے
یہ سنکر شبر نے بڑی مہربانی سے شہزادے کی طرف دیکھا اور کہنے لگا بہن! انکی کوئی ایسی خدمت
بتاؤ ہے جو میں اس شہزادے کی بجا لاؤں۔ پری نے جواب دیا۔ اس شہزادے کا باپ تمہارے دیکھنے
کا آرزومند ہے۔ تم مہربانی کر کے اسکے ساتھ جاؤ۔ شبر نے جواب دیا میں اسیوقت تیار ہوں
مگر پری نے کہا کہ بھائی! تم اسوقت تھکے ہوئے آئے ہو آج آرام کرو۔ شام کو میں تمہیں
شہزادے کا حال سناؤنگی اور کل صبح اسکے ساتھ جانا۔ غرض شبر نے وہاں رہنا منظور کر لیا
اور جب شام ہوئی تو مفسد وزیر ساحرہ اور بادشاہ کے حسد کا جو انہیں شہزادہ احمد سے

اور ایک چھلیا جیسے میں تمہیں دونگی اپنے پاس رکھنا۔ پھر جب تم قلعے کے آہنی دروازے کے پاس پہنچو۔ اس گیند کو لڑھکا دینا۔ یہ خود بخود اس چشمے کی طرف تمہاری رہنمائی کریگا اور وہاں جاکر ٹھہر جائے۔ وہاں تم ان شیروں کو پاؤگے۔ جو سوتے اور جو جاگتے ہونگے اور جاگتے والے تمہیں دیکھکر سوتے ہوؤں کو جگا دینگے۔ پھر سب کے سب ملکر غل مچائینگے اور غرائینگے مگر تم ڈرو مت۔ فوراً آگے بڑھکر گوشت کا ایک ایک ٹکڑا انکے آگے ڈال دیجیو۔ وہ تو اس کھانے میں لگ جائینگے اور تم نے فوراً چھلیا کو پانی سے بھر لینا۔ مگر وہاں سے بہت جلد لوٹ آنا وہ شیر تم سے کچھ تعرض نہ کرینگے۔ اگلے دن شہزادے نے اسیطرح کیا جیسے کہ اس پری نے سمجھایا تھا اور پھر کے چاروں ٹکڑوں کو قلعے میں جاکر شیروں کے سامنے ڈالدئے۔ پھر خود بہت جلد چھلیا کو پانی سے بھر لوٹ پڑا اور جب قلعے سے نکل آیا۔ شیروں نے بھی اسکا تعاقب کیا اسنے فوراً تلوار کھینچ لی۔ یہ دیکھکر ان چاروں میں سے ایک تو دم ہلاتا ہوا واپس چلا گیا اور باقیوں نے شہر کے دروازے تک شہزادے کا پیچھا کیا۔ لیکن جب دیکھا کہ وہ شہر میں گھس گیا ہے تو وہ بھی واپس چلے گئے۔ شہر کے لوگ ان شیروں کو دیکھکر بہت ڈرے۔ مگر انھوں نے شہر کے کسی باشندے کو نقصان نہیں پہنچایا۔ پھر شہزادہ دربار میں حاضر ہوکر آداب بجا لایا اور چھلیا پانی کی پیش کی۔ کہ یہ وہی پانی ہے جسکی آپنے فرمایش کی تھی۔ بادشاہ نے فرط محبت سے شہزادے کا ہاتھ پکڑ کر اسے مسند پر بٹھا لیا اور بڑا ممنون ہوا۔ چونکہ ساحرہ کی زبانی اس چشمے کی خطرناکی کا حال سن چکا تھا۔ اسلئے شہزادے سے کمال متعجب ہوکر پوچھا۔ تم وہاں تک کیونکر گئے۔ اور شیروں سے کیونکر بچے؟ مفصل بیان کرو۔ جب شہزادے نے قلعے میں جانے اور شیروں کو دھوکا دیکر پانی لانیکی حکایت بیان کی تو بادشاہ کو اسکی جرأت سے اور بھی خوف آیا۔ پھر بہت جلد اسے رخصت کر دیا اور ساحرہ کو بلا کر مفصل حال سنایا۔ وہ بھی حیران ہوئی۔ مگر کہنے لگی اب اگر شہزادہ آئے تو یہ فرمایش کیجئے گا کہ میرے پاس ایک ایسے آدمی کو لا دو جسکا قد و قامت ایک گز سے بڑا نہ ہو مگر داڑھی بیس گز لمبی ہو۔ اور جسنے اسے اس انداز سے رکھا ہو کہ زمین سے نہ لگے اسکے کندھے پر بیس من کی چھڑ آہنی رکھی ہو۔ جسے وہ ایک معمولی سی لکڑی کیطرح ہلائے۔ یقیناً وہ اسکی بجا آوری سے تنگ ہوکر آپ ہی یہاں کا آنا چھوڑ دیگا۔ غرض اگلے دن جب شہزادہ

جِنّوں کا توں تہ کر دیا اور شہزادہ اُسے مٹھی میں دبا بادشاہ کے پاس لایا۔ پہلے تو بادشاہ نے بھی اُسے بے حقیقت سمجھا۔ مگر جب اُسے ایستادہ کیا تو وہ بھی متعجب ہو گیا اور ایسے نادر تحفہ کیلئے شہزادے کا شکریہ ادا کیا اور بولا۔ پری بانو کا بھی میری طرف سے شکریہ ادا کرنا۔ پھر اہلکاروں کو حکم دیا کہ یہ خیمہ بڑی احتیاط کیساتھ خزانے میں رکھا جائے۔ مگر اب اُسے پہلے سے بھی زیادہ خوف ہوگیا کہ پری بانو حقیقت میں شہزادے پر بہت مہربان ہے اور ذرا اگر اُسکی خاطر مجھے مروانہ ڈالے یہ سوچکر پھر ساحرہ کو بلوایا اور مشورت طلب کی۔ وہ بولی۔ اب تو شہزادے سے شیروں کے چشمے کا پانی طلب کرو۔ غرض دوسرے دن شام کے وقت جب شہزادہ اُسے ملنے کے لئے آیا۔ اور آداب بجا لاکر بیٹھ گیا۔ بادشاہ نے کہا میں تمہارے خیمے سے کمال خوش ہوں۔ اور ایسی ایک بھی چیز میرے خزانے میں نہیں ہے لیکن اگر شیروں کے چشمے کا پانی بھی لادو جس سے ہر ایک بیماری کو آرام ہوتا ہے تو میں تمہارا ممنون ہونگا۔ او میں نے سُنا ہے کہ وہ تمہاری عورت کے پاس بہت ہے۔ شہزادے نے دلمیں سوچا کہ خیمہ تو اُسنے دیدیا۔ خدا جانے اس پانی کے لئے خفا ہو یا دیدے۔ کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ ہاں مانگونگا سہی۔ اگر اُسنے دیدیا تو فبہا ورنہ میرا کیا بس ہے۔ غرض اگلے دن وہ بادشاہ سے رخصت ہو کے پری کے پاس آیا اور کہا خیمے کے لئے سلطان تمہارا شکر گذار ہے۔ اور اب تھوڑا سا پانی شیروں کے چشمے کا بھی مانگتا ہے۔ اگر تمہارے پاس ہو تو مجھے دیدو ورنہ اُسکا ذکر ہی جانے دو۔ پری نے جواب دیا مجھے معلوم ہوا۔ بادشاہ تمہارا امتحان لے رہا ہے۔ اور جو کچھ اُسکو وہ بڑھیا سکھاتی ہے وہی تمہیں کہہ دیتا ہے۔ مگر خیر! میں اُسکی یہ فرمائش بھی پوری کر دونگی۔ لیکن اُسکے لئے جان جوکھوں میں ڈالنی پڑیگی۔ فلاں قلعے کے میدان میں وہ چشمہ ہے جسکی حفاظت کے لئے چاروں طرف چار شیر بیٹھے ہیں اور نوبت بہ نوبت دو جاگتے ہیں اور دو سو رہتے ہیں۔ کسی کو اُس پانی تک نہیں پہنچنے دیتے۔ تاہم میں تمہیں اُسکے پہنچنے کی بھی تدبیر بتا دونگی یہ کہکر پری بانو نے سوئی دھاگا بہت سے سُوت کے گیند تیار کئے اور ایک گیند شہزادے کو دیکے بولی۔ اسے احتیاط سے اپنے پاس رکھ لو۔ آج تمہیں ایک بھیڑ بھی ذبح کر دونگی اُسکے چار ٹکڑے کر لینے اور کل صبح چاروں ایک گھوڑے پہ لاد کر دوسرے گھوڑے پر خود سوار ہو جانا

پڑتا ہے۔ اور اسپر کسقدر خرچ آتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے اسوقت لیکر پہنچا دو۔ شہزادہ احمد نے کہا
بہت اچھا۔ اگر کوئی ایسا خیمہ پری بانو کے خزانہ میں ہوا تو میں ضرور مانگونگا اور اغلب ہے وہ اُنکا
شکر گذار ہونگی۔ مگر میں نہیں کہہ سکتا کہ اُسکے ہاں ایسا خیمہ ہو۔ بادشاہ بولا۔ اگر تم ایسا خیمہ نہ لا سکو تو پھر
یہاں آنے کی تکلیف نہ اُٹھانا۔ میں نہیں ملونگا۔ یہ سنکر شہزادہ بہت رنجیدہ ہوا اور صرف دو روز
بادشاہ کے پاس رہکر واپس روانہ ہوا۔ حالانکہ پہلے وہ معمولاً چار روز رہا کرتا تھا۔ اور جب وہ پری
بانو کے پاس آیا سخت اداس ہو رہا تھا۔ پری بانو نے اداسی کی وجہ پوچھی شہزادہ نے باپ کی
درخواست گوش گذار کر دی۔ پری نے جواب دیا معلوم ہوتا ہے۔ بادشاہ کا وقت آپہنچا۔ شہزادہ کہنے
لگا خدا خدا کیجئے۔ ابھی تک میں اُنہیں صحیح و سلامت چھوڑ کے آیا ہوں۔ اُنکی ابھی عمر ہی کیا ہے۔
خدا اُنہیں صدسی و سال سلامت رکھے۔ مگر مجھے اتنی حیرانی ضرور ہے کہ اُنسے یہاں کا حال
کسنے جا کہا۔ حالانکہ میں نے ذکر تک درمیان نہیں آنے دیا۔ پری نے جوابدیا شاید تمہیں اُس بڑھیا کا
خیال ہوگا جسے تم بیمار سمجھکر اُٹھا لائے تھے اور جسنے تمہیں ٹوکا تھا۔ وہ اصل میں بیمار نہ تھی۔
بادشاہ کی جاسوس تھی یہ سب کانٹے اُسی کے بوئے ہوئے ہیں اور کسی آدمزاد کا کیا مقدور ہے کہ
یہاں پاؤں تو رکھ سکے۔ شہزادہ احمد نے پری کا شکریہ ادا کیا۔ اور بولا۔ اگر آپکے ہاں ایسا کوئی خیمہ
ہو تو مجھے عنایت فرمائیے۔ تاکہ اپنے باپ سے سرخرو ہوں۔ پری نے جوابدیا۔ ایسی معمولی سی چیز
کیلئے آپ اتنے کیوں متردد ہوتے ہیں۔ ابھی منگائے دیتی ہوں۔ یہ کہہ کے ایک خواص کو جو اُسکی
منہ چڑھی تھی آواز دی۔ اور جب وہ آئی تو اُسے حکم دیا۔ فلاں خیمہ جلد لاکر شہزادے کو دیدے
جب خواص نے حکم کی تعمیل کر دی۔ تو شہزادہ اُس خیمے کو مٹھی میں لیکر ہنسا۔ گویا سمجھا کہ بانو
اُس سے تمسخر کرتی ہے۔ پری نے جوابدیا۔ کیا تمہیں یہ خیال ہے کہ میں تم سے ہنسی کرتی ہوں
نہیں۔ بلکہ یہی وہ خیمہ ہے جسکے لئے تمہارے باپ نے فرمائش کی ہے۔ پھر ایک اور خواص کو
حکم دیا کہ اُسے گاڑ کے شہزادے کو دکھا دے۔ خواص نے وہ خیمہ شہزادے کے ہاتھ سے
لیلیا اور محل سے دور میدان میں لیجا کے گاڑ دیا۔ شہزادہ اُسکی عظمت و شان دیکھکر ہکا بکا
رہ گیا اور اُسے یقین ہو گیا کہ بادشاہ اسمیں دو فوجوں کے ساتھ بے خلل و غش آرام کر سکتا ہے
پھر معذرت کی کہ مجھے اسکا حال معلوم نہ تھا اسلئے میرا تعجب بیوجہ نہ تھا۔ پھر خواص نے اُسکے

کوئی آفت پر پاکرے جسکا تدارک بہت دشوار ہو جائیگا - البتہ میں آپ کو ایک صلاح دیتی ہوں - اگر آپ مجھ پر اعتماد کر کے اسپر عمل کریں اُس سے سانپ بھی مرجائیگا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے گی حضور کو خوب معلوم ہے کہ جو کام پریاں اور جن ایکساعت میں کرسکتے ہیں بنی آدم سے سالوں بلکہ صدیوں میں بھی نہیں ہوسکتے - اور حضور کو سیر و شکار کے وقت اکثر خیموں کی ضرورت پڑتی ہے جسکے لیے ہر دفعہ آپکو بہت کچھ صرف کرنا پڑتا ہے سو اب حضور امتحان کیلئے شہزادہ سے فرمایش کریں کہ ایک خیمہ وسیع کہیں سے ایسا لاوے جسمیں آپ کا تمام لاؤ لشکر بخوبی آرام کرسکے اور ایسا ہلکا ہو جسے ایک آدمی ہاتھ میں اٹھاکے جہاں چاہے وہاں لیجاسکے - جب شہزادہ اس فرمایش کو بجا لاوے تو میں آپکو اور بہت سی مفید صلاحیں دونگی - اس حیلے سے جنات کی بنی ہوئی تمام عجائب چیزیں آپکے خزانے میں آجاینگی اور جب شہزادہ کسی فرمایش کو پورا نہ کرسکیگا تو پھر شرم کے مارے آیندہ کے لیے یہاں کا آنا ہی چھوڑ دیگا اور آپ اُسکے مکر و شر سے محفوظ رہینگے اور آپکو اُسکے قید کرنے کی حاجت نہ پڑیگی - بادشاہ نے اس صلاح کا ذکر اپنے وزیر سے کیا اُسنے بھی اُسے پسند کیا - اگلے دن جب شہزادہ احمد بادشاہ کی ملاقات کیلئے حاضر ہوا اور سلسلہ گفتگو شروع ہوا موقع پاکر بادشاہ بولا - بیٹا احمد تم خوب جانتے ہو کہ ایک مدت تک تمہاری جدائی نے مجھے کیسا بیقرار کیا تھا - اور جب تم خود بخود آگئے تو مجھے کیسی خوشی ہوئی - مگر جب تم نے اپنا ٹھکانہ مجھ پر ظاہر نہ کرنا چاہا تو میں نے بھی اصرار نہ کیا لیکن اب مجھے یہ دریافت کر کے کہ تمہاری شادی ایک پری سے ہو چکی ہے اسقدر خوشی ہوئی ہے کہ بیان سے باہر ہے - مگر میں کچھ اور حال پوچھنا نہیں چاہتا - ہاں اب یہ ضرور دریافت کرونگا کہ اگر میں تم سے کسی چیز کے لیئے فرمایش کروں تو کیا تم پری سے کہکے لادو گے شہزادے نے جواب دیا میں وعدہ تو نہیں کرسکتا - البتہ مانگنے کی کوشش کرونگا اور دینا نہ دینا پری کا اختیار ہے - یہ سنکر بادشاہ نے فرمایا - بہت خوب - مگر میں تو خیال کرتا تھا کہ وہ تمہیں بہت پیار کرتی ہوگی اور ایسی حالت میں جو کچھ تم اُس سے مانگوگے تمہیں دینے سے دریغ نہ کریگی - شہزادہ احمد نے جواب دیا - آپ فرمائیں تو سہی کہ آپ کو کیا چیز درکار ہے - بادشاہ بولا مجھے ایک ایسا خیمہ چاہیے جسمیں میں اور میرے اراکین دربار اور ساری فوج آرام کیساتھ رہ سکیں - اور اُسے ایک ہی آدمی اٹھاکے لیچلے - تم جانتے ہو سیر و شکار کیوقت مجھے کسقدر انتظام خیمہ و خرگاہ کا کرنا

اطلاع دی۔ بادشاہ نے اُسے اندر بلا لیا۔ اور جب وہ بادشاہ کے سامنے افسردہ خاطر ہوئی۔ بادشاہ نے سمجھا۔ شاید آج بھی بے نیل مرام آئی ہے۔ اسلئے پوچھا۔ کہو کیا کر آئی؟ ساحرہ نے یوں حال سنایا۔ کہ شہزادے کے باہر آنیسے پیشتر میں نے اُس ٹیکرے پر پہنچکر اپنے تئیں مکر سے نہایت بیمار بنا لیا تھا۔ جب شہزادہ آیا اُسے میری حالت پر بڑا رحم آیا اور مجھے ایک تہ خانے میں لیجا کر ایک پری کے سپرد کر دیا۔ جسکی خوبصورتی کا بیان نہیں ہو سکتا اور کسی آدمزاد کا مقدور نہیں کہ اُسے نظر بھر کے دیکھ بھی سکے۔ پھر اُسے تاکید کی کہ میرا علاج خبر گیری سے کیا جائے۔ پری نے مجھے اپنی خواصوں کو سونپ دیا۔ میں نے جہاں تک ہو سکا دریافت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اُنکا آپس میں کیا تعلق ہے اور مجھے معلوم ہوا کہ دونوں آپس میں زن و شوہر کیطرح رہتے ہیں۔ غرض خواصیں مجھے بازوؤں سے پکڑ کر ایک کمرے میں لیگئیں جسکی آراستگی بیان سے باہر ہے اور پھر ایک نے مجھے کوئی عرق پلایا جسکے پینے سے میرا تپ جاتا رہا۔ اور سارے محل کی سیر کر کے پری سے رخصت ہو کر میں واپس آئی۔ یہ کہکر بولی شاہا حضور شہزادہ احمد اور پری بانو کی مواصلت کا حال سنکر خوش ہونگے اور پری کی دولت و حشمت کو اپنے لئے مبارک تصور کرینگے۔ مگر میرا خیال ہے کہ پری کی حمایت سے شہزادہ آپکے حضور میں کچھ گستاخی نہ کر بیٹھے۔ کیونکہ استقامت کا خیال بہت بُرا ہوتا ہے اور بالفرض اگر شہزادہ احمد سعادتمند بھی ہو تو کیا ممکن نہیں ہو سکتا کہ پری کی ترغیب سے حضور کو کچھ نقصانات پہنچائے۔ کیونکہ وہ اُس پری پر ایسا فریفتہ ہو رہا ہے کہ کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ بہرحال آپکو غافل نہ رہنا چاہئے۔ یہ سنکر بادشاہ نے ساحرہ کا شکریہ ادا کیا اور اُسے بہت کچھ انعام دیکے رخصت کیا۔ پھر اپنے اُس حاسد وزیر کو بلا کر ساحرہ کے بتلائے ہوئے حال سے آگاہی دی اور پوچھا کہ اپنی دارالسلطنت کو شہزادہ احمد سے محفوظ رکھنے کیلئے اب کیا کیا جائے۔ اُس نے مشورہ دیا کہ شہزادے کا قید کر لیا جانا مناسب ہے۔ مگر بادشاہ خاموش ہو رہا اور اگلے دن پھر ساحرہ کو بلوا کے پوچھا کہ تو شہزادے کے قید کئے جانے کو کیا سمجھتی ہے۔ ساحرہ نے جواب دیا۔ سخت نامناسب۔ وجہ یہ ہے کہ اگر آپ شہزادے کو قید کرینگے تو اُسکے ساتھیوں کو بھی ضرور بندی کا حکم فرمانا ہوگا۔ مگر وہ عالم جنات میں سے ہیں۔ فوراً چھوٹ کر پری کے پاس چلے جائینگے۔ اور اُسے خبر دینگے۔ وہ پری جب اپنے شوہر کی قید کی خبر سنے گی۔ تو ممکن ہے کہ آپ پر غضب ناک ہو کر

دو خواصوں کو فوراً حکم دیا۔ کہ اسے لیجا کر کسی مکان میں رکھو۔ اور علاج و خبرگیری سے غافل نہ رہو
جب خواصیں بڑھیا کو لیگئیں۔ پری بولی۔ شہزادے تمہاری رحمدلی پر تو میں خوش ہوں مگر مجھے
اندیشہ ہے کہ تم سے فریب نہ کھیلا گیا ہو۔ یہ بڑھیا بیمار نہیں معلوم ہوتی۔ بہرکیف احتیاط رکھو
شہزادے نے پری کا شکریہ ادا کیا۔ اور بولا جب میں ہر ایک سے نیکی کرتا ہوں تو میں نہیں جانتا
کون مجھ سے فریب کھیلنے کا ارادہ کریگا۔ آپ اطمینان رکھیں۔ غرض وہ اپنے ہمراہیوں کیساتھ
شہر کی طرف چلا اور اپنے خائف باپ کی خدمت میں حاضر ہوکر آداب بجا لایا۔ ادھر خواصوں نے بڑھیا
کو لیجا کر ایک خوبصورت مکان میں ایک نفیس پلنگ پر لٹا دیا۔ جو ساٹن کی توشک اور کمخواب کے لحاف
سے آراستہ تھا۔ پھر ایک خواص پاس بیٹھی۔ اور دوسری چینی کے پیالے میں کوئی عرق ڈال
لائی۔ اور کہنے لگی۔ یہ پانی شیروں کے چشمہ کا ہے۔ اسکے پینے سے کسی طرح کی بیماری کا نام بھی
نہیں رہتا۔ لو اسے پی جاؤ۔ تمہیں فوراً آرام آجائیگا۔ ساحرہ وہ پیالہ لیکے فوراً عرق چڑھا گئی اور
پھر لیٹ رہی۔ خواصوں نے لحاف اڑھا دیا۔ ساحرہ کا یہ مکر شہزادہ احمد کی جائے رہائش کا معلوم
کرنا تھا اور جب اسے اسکا پتہ لگ گیا۔ سوچی کہ اب کیوں لیٹ رہی ہوں۔ تھوڑی دیر بعد اٹھ بیٹھی
اور خواصوں سے بولی۔ میں اب بالکل اچھی ہوں۔ اور تمہاری بی بی کا شکریہ ادا کرکے رخصت
ہونا چاہتی ہوں۔ ذرا اسے خبر کردو۔ تو بڑی مہربانی ہوگی۔ کیونکہ مجھے اپنے کام پر بھی تو جانا ہے
یہ سنکر خواصیں اسے ہر ایک مکان دکھاتے ہوئے پری بانو کے پاس بارہ دری میں لے آئیں
وہ اسوقت ایک مرصع تخت پر جلوہ فرما ہو رہی تھی۔ جادوگرنی اسکی شان و شوکت اور رعب داب
دیکھکر حیران رہگئی۔ منہ سے بات تک نہ نکل سکی۔ اسلئے فوراً شہزادی کے قدموں پر گر پڑی۔
پری بانو نے جوابدیا۔ اے نیک بڑھیا! اتنی جلدی کی کیا ضرورت ہے۔ میرے مکانوں کی سیر
کر اور کھانا کھاکے جانا۔ غرض خواصوں نے بڑھیا کو ہر ایک مکان کی سیر کرائی۔ اور کھانا کھلا
اسی دروازے کے باہر چھوڑ آئیں۔ جہاں سے شہزادہ اسے ساتھ لایا تھا۔ ساحرہ آگے
بڑھی۔ اور جب معلوم کیا کہ خواصیں اندر چلی گئی ہونگی مڑ کے اس جگہ کو پہچاننا چاہا۔ تاکہ بعد میں
کام آئے۔ مگر کیا دیکھتی ہے۔ کہ دروازہ کا کچھ بھی پتہ نہیں۔ ناچار شہر میں آئی اور مخفی
دروازوں کے راستے چور دروازے پر پہنچا۔ ایک خواجہ سرا کی معرفت بادشاہ کو اپنے آنیکی

طاقت سے باہر معلوم ہوتا تھا۔ اُسکے غائب ہونے سے ساحرہ نے خیال کیا کہ یا تو اُدھر کوئی بڑا غار ہے یا کوئی بڑا تہ خانہ جس میں جنات بود و باش رکھتے ہیں۔ یہ سوچکر وہ گھات سے باہر نکلی جہاں شہزادہ غائب ہوا تھا۔ وہاں گھوم گھام کے بہت کچھ دیکھا۔ مگر نہ غار کا نشان نظر آیا اور نہ کوئی تہ خانہ دکھائی پڑا۔ اصل میں جب تک پری بانو کی مرضی نہ ہوتی وہ دروازہ کسی آدمزاد کو دکھائی نہ دے سکتا تھا۔ غرض وہ مایوس ہوکر واپس لوٹی اور بادشاہ سے سارا حال بیان کرکے کچھ مہلت طلب کی۔ بادشاہ نے کہا میں ابھی پتہ لانے کو نہیں کہتا جب ہوسکے مجھے خبر دینا اور میں ہر وقت تمہارا منتظر رہونگا۔ یہ کہکر ہیرے کا ایک ٹکڑا اُسے انعام دیا اور کہا فی الحال یہ لو اور جب تم کام کر آؤگی پھر بہت کچھ انعام دونگا۔ غرض وہ گھر چلی گئی اور جب مہینہ ختم ہوچکا یہ خیال کرکے کہ کل شہزادہ آئیگا علی الصبح اس ٹیکرے پر جا پہنچی۔ اتنے میں شہزادہ بھی اپنے ہمراہی سواروں سمیت آہنی دروازے سے باہر نکلا۔ پہلے تو اُسنے بڑھیا کو دیکھکر خیال کیا کہ پتھر کا کوئی ٹکڑا گر پڑا ہے۔ مگر جب قریب آیا تو ایک بوڑھیا کو گدڑی اوڑھے پایا۔ ساحرہ اُسے دیکھکر ایسے درد سے رونے چلانے لگی۔ گویا اُسے سخت تکلیف پہنچی ہے شہزادے کو بڑا رحم آیا اور آگے بڑھکر کمال توجہ سے اُسکا حال پوچھا۔ مکار بڑھیا نے جب دیکھا کہ جادو چلگیا ہے بڑی رقت سے کہنے لگی کہ میں اپنے گھر سے کہ شہر میں ہے کسی کام کے لئے فلاں جگہ کو جاتی تھی کہ یہاں پہنچتے ہی سخت بخار نے آدبایا۔ لرزہ بھی شروع ہوگیا اور مجبور ہوکر آگے قدم بڑھانے سے رہ گئی ناچار یہیں گر پڑی۔ اب حیران ہوں کہ تنہا کہاں جاؤں اور کیا کروں۔ شہزادہ بولا۔ افسوس! کوئی جگہ نزدیک نہیں ہے کہ تجھے وہاں پہنچا دوں مگر ہاں! البتہ ایک مکان قریب ہے۔ تو ذرا کوشش کرے تو بہتر ہے کہ تو آ یہ سنکر بڑھیا اُسکے قریب بولی۔ حضور والا میں تو ایسی کمزور ہوگئی ہوں کہ قدم تک بھی اٹھایا نہیں جاتا۔ یہ سنکر شہزادے نے ایک ہمراہی سوار کو حکم دیا کہ بڑھیا کو اپنے ساتھ گھوڑے پر سوار کرالے۔ اُس سوار نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ شہزادہ فوراً واپس محل میں آیا۔ اور پری بانو کو پکار کر کہنے لگا کہ اس بیکس بڑھیا کی خبرگیری رکھنا۔ مجھ پر احسان ہوگا۔ پری بانو نے اگرچہ معلوم کرلیا کہ بڑھیا کون ہے۔ اور اسکا کیا مقصد ہے۔ مگر شہزادے کی خاطر

دن شہزادے سے تُنے چلنے کیلئے کوئی تیاری نہ کی۔ تو پری بانو نے خود کہا۔ تم کیوں باپ کی
ملاقات کے لئے ابھی تک نہیں گئے۔ حالانکہ ہم نے خود کہہ دیا تھا۔ اب میرے پوچھنے کی
ضرورت نہ سمجھا کرو۔ اور خود بخود ہر ماہ کی پہلی کو اپنے باپ کو ملنے کے لئے چلے جایا کرو۔
غرض شہزادے نے تیاری کرکے اُدھر کا راستہ لیا۔ اور حسب معمول محل میں باپ کے پاس
حاضر ہوا اور آداب بجالایا۔ پھر تو اُسکا یہی معمول ہوگیا کہ ہر ماہ کی پہلی کو باپ کی خدمت
میں جاتا اور تین دن وہاں رہ کر چوتھے روز واپس چلا آتا۔ مگر سواری کا تجمل ہر بار کے
سابقہ زیادہ ہوتا۔ اسکی یہ حالت بادشاہ کے منہ چڑھے وزیر کو نہ بھائی۔ چوپڑے دیکھے
سا تنگدل اور بخیل شخص تھا۔ اور ایکدن موقعہ پاکر وہ بادشاہ سے کہنے لگا۔ شہزادے کا
کچھ پتہ نہیں لگتا کہ اُسے یہ دولت اور رتبہ کہاں سے ملگیا ہے۔ نہ معلوم کہاں رہتا ہے
آپ کو اسکے حال سے غافل نہ رہنا چاہیے۔ اسکی جمعیت اور شوکت ہر دفعہ ترقی پر ہے ایسا
نہ ہو کہ موقع پاکر آپ کو مار ڈالے اور خود تخت پر بیٹھ جائے۔ کیونکہ شہزادی نورالنہار کا خیال
ابھی تک اُسنے بھولا معلوم نہیں ہوتا۔ بلکہ میری رائے میں وہ اپنی مایوسی کا انتقام لینے کی
تیاریاں کر رہا ہے۔ سادہ لوح بادشاہ پر مفسد وزیر کا جادو چل گیا۔ اور وہ سوچنے لگا
کہ وزیر کہتا تو سچ ہے۔ غرض یہ سوچکر شہزادہ احمد کا پتہ دریافت کرنے کے درپے ہوا۔ اور
ایکدن شہزادہ احمد جبکہ آیا ہوا تھا وزیر اعظم کی اطلاع کے بغیر خود بخود اُس جادوگرنی کو بلایا
کہ میں تیری ایک ہی بات کا تجربہ کرکے اپنے علم میں نہایت ماہر پاچکا ہوں۔ اسلیئے اب تجھ سے
میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ شہزادہ احمد کے پتہ سے اطلاع دے کہ وہ کہاں رہتا ہے۔ مگر
خبردار کسی دوسرے کان تک اسکی بھنک نہ پہنچ سکے۔ شہزادہ آج یہیں ہے اور کل صبح کو رخصت
لئے بے اطلاع تھوڑی دور پہنچکر غائب ہو جائیگا۔ آج تو اسکی راہ میں جا بیٹھ اور پھر مجھے آکے
پتہ دینا کہ وہ کدھر اور کہاں جاتا ہے۔ یہ سنکر جادوگرنی وہاں سے رخصت ہوئی اور اگلے دن
کچھ رات رہتے ہی وہاں جاکے بیٹھ رہی۔ جہاں شہزادے کو اپنا تیر ملا تھا۔ تھوڑی دیر کے
بعد شہزادہ بھی آگیا اور اپنے آدمیوں سمیت شکستہ کی پہاڑی طرف اُتر گیا اور تھوڑی دور چلکر
نظروں سے غائب ہوگیا۔ وہ جگہ ایسی پست و بلند تھی کہ بظاہر وہاں جاتا کسی آدم زاد کی

انکی وردی بھی اعلٰے درجے کی تھی۔ اُسکی اردل میں دئے اور اُسکی سواری کے لئے اصطبل خاص سے ایک خوبصورت برق رفتار اور مرصع کار گھوڑا منگوایا۔ پھر گلے لگاکے رخصت کیا۔ شہزادہ احمد وہاں سے چلکر بہت جلد اپنے باپ کی دارالسلطنت میں آگیا۔ شہر کے رہنے والے اور ارکین دربار اُسے دیکھکر نہایت مسرور ہوئے۔ عوام نے اپنا اپنا کام چھوڑ دیا اور اُسکی سواری کے ساتھ ہوکر دربار کیطرف روانہ ہوپڑے۔ شہزادے نے دربار عام کا رخ کیا اور بادشاہ کے حضور میں پہنچکر قدمبوس ہوا۔ بادشاہ نے اُسے سینے سے لگاکر بہت پیار کیا اور بولا۔ واہ بابا۔ تمنے ہمیں خوب کتوئیں جھنکائے۔ تمہیں تلاش کرتے اور تمہارے انتظار میں ہماری حالت بھی خراب ہوگئی۔ الحمد للہ کہ اب تم نے دیدار سے ہمیں مسرور کیا۔ مگر اتنے تک تم کہاں تھے اور کس طرح سے رہے۔ شہزادہ احمد جواب میں کہنے لگا جبدن بھائی علی کی شادی ہولی ہے۔ میں کمال مایوس ہوکر اپنے تیر کی تلاش کرنے کیلئے گھر سے نکل کھڑا ہوا تھا اور چلتے چلتے اُس پرے پہاڑ کی ایک چوٹی پر پاکر مجھے کمال حیرت ہولی مگر پھر میں جلدی ہی ایک ایسی جگہ پہنچگیا۔ جہاں میرے دن خوب راحت و آرام سے بسر ہوتے ہیں۔ بس اس سے زیادہ میں کچھ اور عرض نہیں کرسکتا۔ بادشاہ نے کہا اچھا یہی غنیمت ہے کہ تم ہمارے قریب ہی تو رہتے ہو۔ غرض شہزادہ وہاں صرف تین دنتک ٹھہرا اور چوتھے دن واپسی کیلئے اجازت مانگی۔ بادشاہ نے جواب دیا تم بخوشی جاسکتے ہو مگر ہمیں زیادہ انتظار نہ دکھانا جلد جلد ملتے رہنا۔ شہزادہ بولا میں اسقدر حاضر ہوا کرونگا کہ حضور میری حاضر باشی سے تنگ آجائینگے یہ سنکر بادشاہ کہنے لگا۔ لیکن اگر تم جلد نہ آسکو اور ہمیں تمہاری خیریت کی خبر پوچھنا ہو تو کیسے پتہ لگے۔ شہزادے نے جواب دیا۔ اسطرف سے آپ اطمینان رکھیں میں ہرگز دیر نہ کیا کرونگا۔ غرض بادشاہ نے اُسے بڑی خوشی سے رخصت کیا اور وہ ایک گھڑی میں پری بانو کے مکان پر پہنچگیا۔ پری اُسے دیکھکر اور وعدہ وفا پاکر بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی۔ کہ اب تم بلا پوچھے ہر ماہ کی پہلی کو چار دنکے لئے اپنے باپ کی ملاقات کو آیا کرو۔ میں تمہیں بخوشی اجازت دیتی ہوں۔ شہزادے نے اُسکا شکریہ ادا کیا۔ غرض وہ دونو پھر بڑی عیش و عشرت سے رہنے سہنے لگے۔ اور جب مہینہ پورا ہوگیا۔ اگلے

اسلئے میں ایک آدھ دن کے واسطے اُسسے مل آؤں تو کیا ہرج ہے - ورنہ محبت کی پوچھتی ہو تو میرا کلیجہ چیر کے دیکھ سکتی ہو - خدا شاہد ہے کہ مجھے تم سے پہلی سی ہی محبت ہے اور میں خود ایکدم کے لئے تم سے جُدا ہونا نہیں چاہتا لیکن کبھی کبھی ماں باپ کی محبت دل میں جوش آ ہی جاتی ہے - غرض اسطرح کی گفتگو سے پری کی دلجمعی ہوئی اور قرینے سے اُسے معلوم ہؤا کہ شہزادہ اپنے بیان میں سچا ہے - اسلئے اُسے اجازت دیدی - مگر تاکید کی کہ وہ جلد لوٹ آئے - اب اسکے باپ کا حال سنو - جب نورالنہار اور علی کی شادی ہو چکی وہ اُسدن سے حسین اور احمد کو نہ دیکھکر بڑا پریشان ہؤا اور نہایت غمگین رہا کرتا - چنانچہ ایکدن اراکین دربار سے دونو کا حال پوچھا - وزیر اعظم نے جواب دیا کہ حسین تو گوشہ نشین ہو گیا ہے اور احمد کا اُسیدن سے کوئی پتہ نہیں جسدن شہزادی نورالنہار کی شادی ہوئی تھی - یہ سنکر بادشاہ نے اپنی تمام مملکت میں فرمان جاری کئے کہ جہاں کہیں شہزادہ احمد ملے اُسے بڑے اعزاز کے ساتھ دربار کیطرف روانہ کر دیا جائے - مگر ناکامی رہی اور کوئی سراغ نہ ملا - آخر وزیر اعظم کی صلاح سے وہاں کی ایک مشہور جادوگر عورت کو بلوایا گیا اور بادشاہ نے اُسسے فرمائش کی کہ اپنے جادو کے زور سے شہزادہ احمد کا حال دریافت کرے اگر مجھے صحیح صحیح پتہ دیگی تو میں تمہیں بہت سا انعام دونگا جادوگرنی نے جواب دیا کہ ایکدن کی مہلت ملے تو میں کوشش کر کے سارا حال دریافت کر دونگی بادشاہ نے اجازت دی اور تیسرے دن اُس عورت نے آ کے جواب دیا حضور! مجھے اپنے علم سے دریافت ہؤا ہے کہ شاہزادہ زندہ و سلامت ہے - اور عنقریب ہی آپ کو ملیگا - لیکن فی الحال اس سے زیادہ میں کچھ نہیں بتا سکتی - بادشاہ کو سنکر قدرے اطمینان ہؤا اور ملنے کی اُمید پڑی - اب دوسری طرف کا حال سنئے - جب پری بانو نے شہزادہ احمد کو گھر جانیکی اجازت دی اور جلد لوٹ آنیکی تاکید کی - تو شہزادے نے جواب میں کہا میں خود ایک منٹ کے لئے بھی تم سے جُدا ہونا نہیں چاہتا - مگر دل سے مجبور ہوں یہ والد کی یاد میں بیقرار ہو رہا ہے - تاہم آپ تسلی رکھیں میں بہت جلد واپس آ جاؤنگا - مگر خیال رکھنا اپنے باپ سے یہاں کا کچھ بھی ذکر نہ کرنا - شہزادے نے اسے بھی تسلیم کیا - اور پھر وہاں سے چلنے کی تیاریاں کرنے لگا - پری بانو نے بیس سوار جنکے گھوڑوں کا ساز و سامان نہایت بیش قیمت تھا - اور

تم میرے شوہر اور سر کے تاج ہو۔ اور میں تمہاری ہوں۔ یہی ایجاب و قبول اصلی نکاح ہے اور باقی رسوم سب فضول ہیں۔ اسکے بعد دونوں نے خاصہ نوش کیا۔ اور جب اس سے فراغت ہو چکی۔ پری بانو شہزادے کو محل خاص میں لیگئی اُسکی آراستگی اور سامان کی قیمتی چیزیں ہر طرف جواہرات کے ڈھیر پڑے پاکر شہزادہ حیران ہو گیا اور اُنکی حد سے بڑھکر تعریف کرنے لگا۔ پری نے جواب دیا۔ ابھی یہ کیا مکان ہے۔ تم میرے باپ کے مکانات دیکھوگے تو اور بھی خوش ہوگے۔ انہی باتوں میں شام ہو گئی۔ پری بانو نے رات کا کھانا ایک اور سُتھرے محل میں کھلوایا۔ جس میں سینکڑوں عنبری شمعیں جواہر نگار شمعدانوں میں جل رہی تھیں اور باقی سامان کچھ قیمت کا نہ تھا۔ کئی گروہ حسین عورتوں کے گانے بجانے کیلئے موجود تھے۔ پھر دونوں نے ایک جا بیٹھ کے کھانا کھایا۔ پری بانو نے اپنے ہاتھ سے اچھے اچھے کھانے چُن چُنکر شاہزادے کے سامنے رکھتی جاتی۔ اور جن کھانوں کو احمد نے کبھی دیکھا تک نہ تھا۔ اُنکی ترکیب بھی بیان کرتی جاتی۔ جب کھانے سے فراغت پائی۔ شراب کا دور شروع ہوا۔ ساتھ ہی گانے بجانے ہونے لگے۔ شہزادہ احمد ایک ایک تاثیر سست ہوا جاتا تھا۔ آخر دونوں نے آرام کیا۔ اور صبح اُٹھکر پری بانو اُسے اپنے باغ میں لیگئی جسکی آراستگی دیکھکر خود شہزادہ احمد کے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہ ہر چیز میں ایک نیا لطف اور نیا ہی قرینہ پاتا تھا۔ غرض اسی عیش و عشرت میں اُسے کچھ مہینے گذر گئے اور اس عرصے میں اُسے پری بانو کے ساتھ ایسی دلچسپی ہو گئی کہ وہ ایکدم بھی اُسکے بغیر نہ گذار سکتا تھا۔ پری بانو بھی اُسکی عاشق زار تھی اور ہر وقت اُسکی خاطرداری ملحوظ رکھتی رہتی کہ شہزادہ احمد کو تمام متعلقین کی یاد بھی فراموش ہو گئی صرف کبھی کبھی اپنے باپ کا خیال آجاتا تھا۔ آخر ایکدن وہ پری بانو سے بھی اُسکا ذکر درمیان میں لے آیا اور چند روز کیلئے باپ کو دیکھ آنے کی اجازت مانگی۔ مگر اُسنے سمجھا کہ شاید شہزادہ اس بہانے یہاں سے کھسکنا چاہتا ہے اُسے بڑا رنج آیا اور کہنے لگی۔ پہلے تم نے مجھسے کیا اقرار کیا تھا؟ اور اب اسکے خلاف کرنے لگے ہو۔ معلوم ہوتا ہے۔ میری محبت تمہارے دل میں نہیں رہی۔ بجالیکہ میں تمہیں ویسا ہی پیار کرتی ہوں۔ احمد نے جواب دیا آپ نے ہرگز میرا دلی مطلب نہیں سمجھا۔ میں تو صرف یہ کہتا تھا کہ میرے باپ کو بڑھاپے میں میری جدائی۔ گمشدگی کا کمال رنج ہوا ہوگا

اور معشوقہ نور النہار سے بھی آگاہ ہوں اور یہ بھی مجھے معلوم ہے کہ تم تین بھائی ہو جن میں سے ہر ایک نور النہار کو محبت کرتا تھا۔ پھر تم تینوں نے بادشاہ کے کہنے کے بموجب دور دراز کا سفر کر کے تین تحفے بہم پہنچائے۔ اور تم نے سمرقندی سیب چالیس ہزار اشرفی کو خرید کیا جسکا باعث میں تھی۔ اسیطرح شہزادہ حسین نے قالین اور علی نے دوربین خریدی غرض تم اُن سے جان لگے کہ میں تمہیں بخوبی جانتی ہوں۔ اب تم سچ سچ بتادو کہ نور النہار اچھی ہے یا میں؟ ہم دونوں میں سے کس کے ساتھ شادی کرنے کو تمہارا جی چاہتا ہے۔ محض تمہیں یہاں لانے کے لئے جب تم نے میدان میں تیر اندازی کی تھی مجھے خیال تھا کہ تمہارا تیر شہزادہ حسین کے تیر سے بھی پیچھے رہیگا جیسے تمہارے تیر کو ہوا سے پکڑا اور نظروں سے غائب ہو کر وہاں تو ڈالدیا۔ جہاں سے تمہیں ابھی ابھی ملا ہے۔ شہزادہ احمد یہ باتیں سنکر کمال خوش ہوا اور یہ سوچکر کہ نور النہار اب مل چکی۔ یہ پری بالو حسن وجمال اور شان وشوکت میں اس سے کسی طرح بھی کم نہیں۔ بولا مجھے کمال آرزو ہے کہ عمر بھر تمہاری غلامی میں رہوں۔ مگر خیال ہے تو یہی کہ میں آدمزاد ہوں اور یہی جان سکتا ہوں۔ امید نہیں کہ تمہارے بزرگ اس مواصلت کو پسند کریں۔ پری بالو نے جواب دیا۔ توبہ توبہ! غلامی کی بھی آپ نے ایک ہی کہی۔ صاحب! آپ میری جان ودل کے مالک ہیں۔ اور بزرگوں کے ناخوش ہونیکا اندیشہ بھی دل میں نہ لائیے۔ اس بارے میں مجھے ماں باپ کی طرف سے اجازت ہے کہ جسکے ساتھ چاہوں شادی کروں۔ کیونکہ ہمارے ہاں ایسا ہی دستور ہے کہ بالغ ہونے کے بعد ہم لوگ جسکے ساتھ چاہیں اپنی پسند پر شادی کرسکتے ہیں۔ اس طرح سے ساری عمر آرام سے کٹتی ہے۔ اگر شادی بیاہ کا معاملہ ماں باپ کی پسند پر چھوڑ دیا جائے تو اس سے کئی خرابیاں نکلنے کا اندیشہ ہوتا ہے جب پری بالو سب مراتب سمجھا چکی۔ شہزادے نے شکریہ ادا کرنے کے لئے اسکے دامن کو چومنا چاہا۔ مگر پری نے دامن کی جگہ اپنا ہاتھ آگے کردیا جسے شہزادے نے بڑی محبت سے بوسہ دیا۔ پری یہ دیکھکر مسکرائی اور بولی۔ اب اس ہاتھ کی شرم تمہارے ہی ہاتھ ہے۔ بیوفائی نہ کرنا اور نہ مجھے بھی تم سے بیوفائی ہوگی۔ احمد نے کہا تم میری بیگم ہو۔ اور میں تمہیں اپنے تئیں دیا [illegible] میری بانو نے کہا

تصویر شہزادہ احمد اور پری بانو کی بارہ دری میں بیٹھنے کی



سجا الے - مگر اس بی بی نے خود ہی سبقت کرکے شہزادے کو کمال الفت اور شیریں زبانی
کے ساتھ خوش آمدید کہی - اور بولی - شہزادہ احمد آپ اچھے تو ہیں - شہزادہ متعجب ہوا کہ یہ
عورت میرے نام سے کیونکر آگاہ ہے؟ بظاہر شکریہ ادا کرکے بولا - میں خوش ہوں کہ اس
تنہائی میں جبکہ میں اداس سا ہو گیا تھا آپ نے مجھے اپنے دولت خانے پر آنے کیلئے خوش
آمدید کہا - مگر مجھے حیرت ہے کہ آپ کو میرا نام کیسے معلوم ہو گیا - وہ بی بی کہنے لگی ذرا بارہ دری
تک تشریف لے چلیے تو آپ کو سب کچھ بتا دیتی ہوں - یہ کہکر شہزادے کو ساتھ لیا اور بارہ دری
کی طرف لیگئی - بارہ دری کا گنبد سنہری اور لاجوردی نقش و نگار سے آراستہ تھا - شہزادہ
اسے دیکھکر بہت حیران ہوا اور سوچنے لگا کہ روئے زمین پر ایسے ایسے مکانات بھی موجود ہیں
پھر اس عورت نے کہا - میں تمہیں بخوبی جانتی ہوں گو تم مجھ سے آگاہ نہیں ہو - میں ایک بڑے
جن کی بیٹی ہوں جو اپنی قوم میں ممتاز درجہ رکھتی ہو - اور میرا نام پری بانو ہے - میں تمہارے باپ

تصویر حسین و علی و احمد کے تیر و کمان لیکر میدان میں جانے اور تیر لگانے اور بادشاہ کے آنیکی

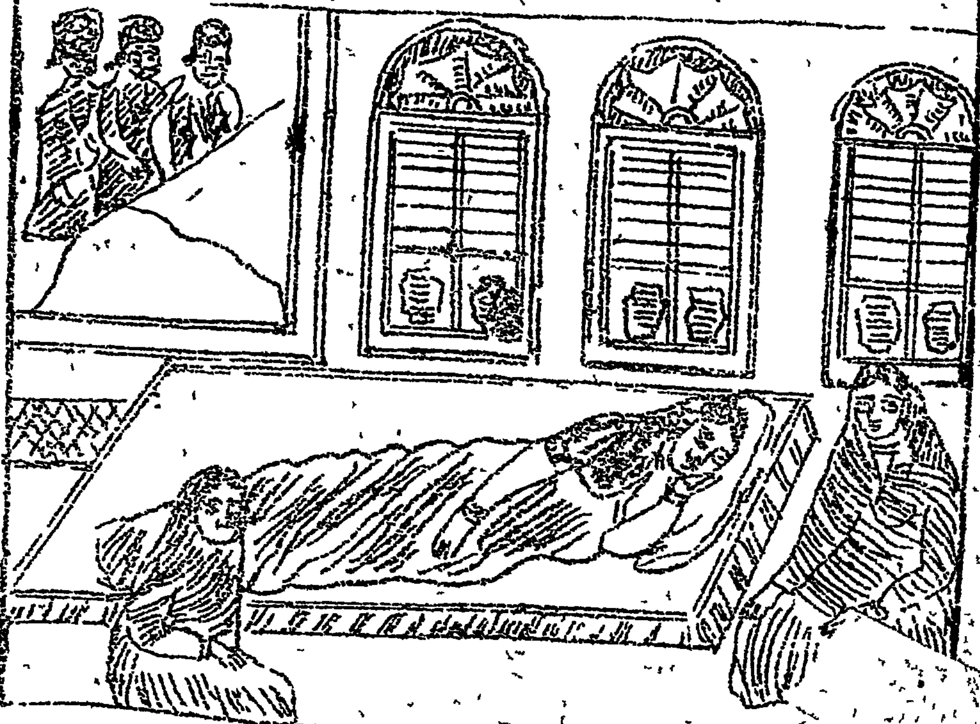


تھی۔ اور فقیرانہ لباس پہن گوشہ نشین ہوگیا۔ شہزادہ احمد کو بھی بڑی غیرت ہوئی اور وہ ہمیشہ اپنے تیر کا جویاں رہتا۔ ایکدن وہ تن تنہا بڑھا چلا جاتا تھا۔ کہ اپنے تیر کو پہاڑ کے باریک ٹیلے پر گرا پایا۔ وہ حیران ہوکر سوچنے لگا کہ تیر کا اسقدر دور جا گرنا محالات سے ہے پھر یہ پتھر میں چھپا ہوا ہے اسلیئے یہ اسرار سے خالی نہیں۔ یہ سوچکر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اور تھوڑی دور پر اسے ایک بلند عمارت میں ایک خوبصورت آہنی دروازہ دکھائی دیا۔ وہ تیر کو اٹھا با اشتیاق اندر بڑھا چلا گیا۔ اسکا خیال تھا کہ اندر تاریکی چھائی ہوگی۔ مگر دہلیز کے اندر قدم رکھتے ہی وہ باہر کی سی روشنی دیکھکر حیران رہ گیا۔ پھر پچاس ساٹھ قدم کے فاصلے پر ایک عالیشان محل دکھائی دیا۔ جسکے دروازے پر ایک پری پیکر حسینہ خواصوں کے حلقے میں کھڑی تھی۔ گویا اسی کے استقبال کو آئی ہے۔ اسکا لباس اور زیور ہیرے اور موتیوں کے سے تھے اور اس محل کی مالک معلوم ہوتی تھی۔ احمد جیسے تیار ہوا اسکو پکارکر کہا

انکے پہنچتے ہی خواصیں اور خواجہ سرا اڑ گئے۔ کہ یہ تینوں یہاں کیسے آگئے۔ اور تعرض ہونا چاہا۔ مگر تینوں کو پہچانکر حیران ہوئے۔ پھر شہزادہ احمد نے اٹھکر نورالنہار کو اپنا سیب سونگھایا۔ شہزادی نے فوراً آنکھیں کھولدیں۔ اور پلنگ سے اٹھکے پوشاک مانگی۔ گویا سوتے اٹھی ہے۔ اسے خواصوں نے بتایا کہ یہ تمہارے عم زاد بھائی ابھی ابھی آئے ہیں۔ اور شہزادہ احمد نے کوئی چیز سونگھا کے تمہیں تندرست کیا ہے۔ ورنہ ہم تو تمہاری زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھی تھیں۔ نورالنہار نے سب کا شکریہ ادا کیا۔ اور شہزادوں کو بھی اس کی صحت یابی سے کمال خوشی ہوئی۔ آخر شہزادی سے وداع ہو کر تینوں بھائی اپنے باپ کے پاس گئے اور آداب بجا لاکر اپنے اپنے تحفے پیش کرکے انکے خواص بیان کردئے۔ ساتھ ہی شہزادی کی بیماری پر اطلاع پانے اور پھر اسقدر جلد آکر اسے تندرست کرنے پر بھی اطلاع دی۔ بادشاہ حیص بیص میں پڑ گیا کہ کسے ترجیح دے اور کسے مایوس کرے کیونکہ اگر دوربین نہ ہوتی تو انکو بیماری کا پتہ کیسے لگتا۔ پھر اگر غالیچہ نہ ہوتا تو وہ اس تیزی سے کیسے پہنچ سکتے آبھی گئے۔ مگر سیب نہ ہوتا تو شہزادی اچھی کیسے ہوسکتی۔ یہ سوچکر بولا میرے نزدیک تم سب امتحان میں برابر رہے ہو۔ اسلئے ان تحائف کی بدولت میں کسی ایک کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ اب ایک اور تدبیر کیجائیگی۔ کل فلاں میدان میں تمہاری تیر اندازی کا امتحان لیا جائیگا اور جسکا تیر دور جا پڑیگا شہزادی نورالنہار اسی کی ہوگی۔ غرض اگلے دن وقت مقررہ پر تینوں شہزادے تیر و کمان لیکر میدان میں جا پہنچے۔ بادشاہ بھی لاؤ لشکر کو ساتھ لیکے آگیا اور تینوں نے اکٹھے تیر چلائے۔ شہزادہ حسین کا تیر شہزادہ علی سے تھوڑی دور ورے گر پڑا۔ مگر شہزادہ احمد کا تیر کسی کو نظر نہ آیا۔ باوجودیکہ بہت ڈھونڈا نہ ملا۔ اسلئے لوگوں نے سمجھا کہ یا تو وہ اسقدر دور گیا ہے کہ دکھائی نہیں دیتا۔ یا شہزادہ احمد کے ہاتھ ہی میں رہا ہے۔ غرض بادشاہ نے چند روز کے بعد بلا تردد نورالنہار کی شادی شہزادہ علی کے ساتھ بڑی دھوم دھام سے کردی جس کا تیر حسین سے تھوڑی دور آگے پڑا تھا۔ مگر بارے رشک کے شہزادہ حسین اس میں شامل نہ ہوا۔ اسلئے کہ نورالنہار کی محبت اسکے دل میں باقیوں سے بہت بڑھی ہوئی

لگے۔ مگر کوئی فیصلہ نہ کر سکے۔ کہ تینوں میں سے بہتر تحفہ کس کا ہے۔ پھر ان تینوں چیزوں کے امتحان کی ٹھہری۔ سب سے پہلے شہزادہ علی کی دوربین کی باری آئی۔ شہزادہ حسین نے اسے حسب ہدایت آنکھوں سے مقابل کر کے شہزادی نورالنہار کا تصور کیا۔ مگر کیا دیکھتا ہے کہ وہ بستر مرگ پر پڑی ہے اور گھڑی ساعت کا نقشہ بند ہو رہا ہے۔ خواصیں اور خواجہ سرا رو رہے ہیں اور بادشاہ اداس بیٹھا ہے۔ اسکے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اور بولا۔ افسوس ہماری محنت اکارت گئی۔ میں نے نورالنہار کو اسوقت بستر مرگ پر پڑے دیکھا ہے اور امید نہیں کہ وہ بچ سکے۔ پھر شہزادہ علی اور اسکے بعد شہزادہ احمد نے بھی وہی حالت پائی۔ آخر شہزادہ احمد نے کہا۔ میرے پاس جو سیب ہے۔ یہی موقعہ تو اسکی آزمائش کا ہے۔ اسکے علاوہ آپ کے غالیچے کا بھی ابھی تجربہ ہو جائیگا۔ غرض تینوں بھائی فوراً غالیچہ پر بیٹھکر نورالنہار کے کمرے میں پہنچ گئے اور نوکروں کو جلدی آنے کی ہدایت کرتے گئے۔

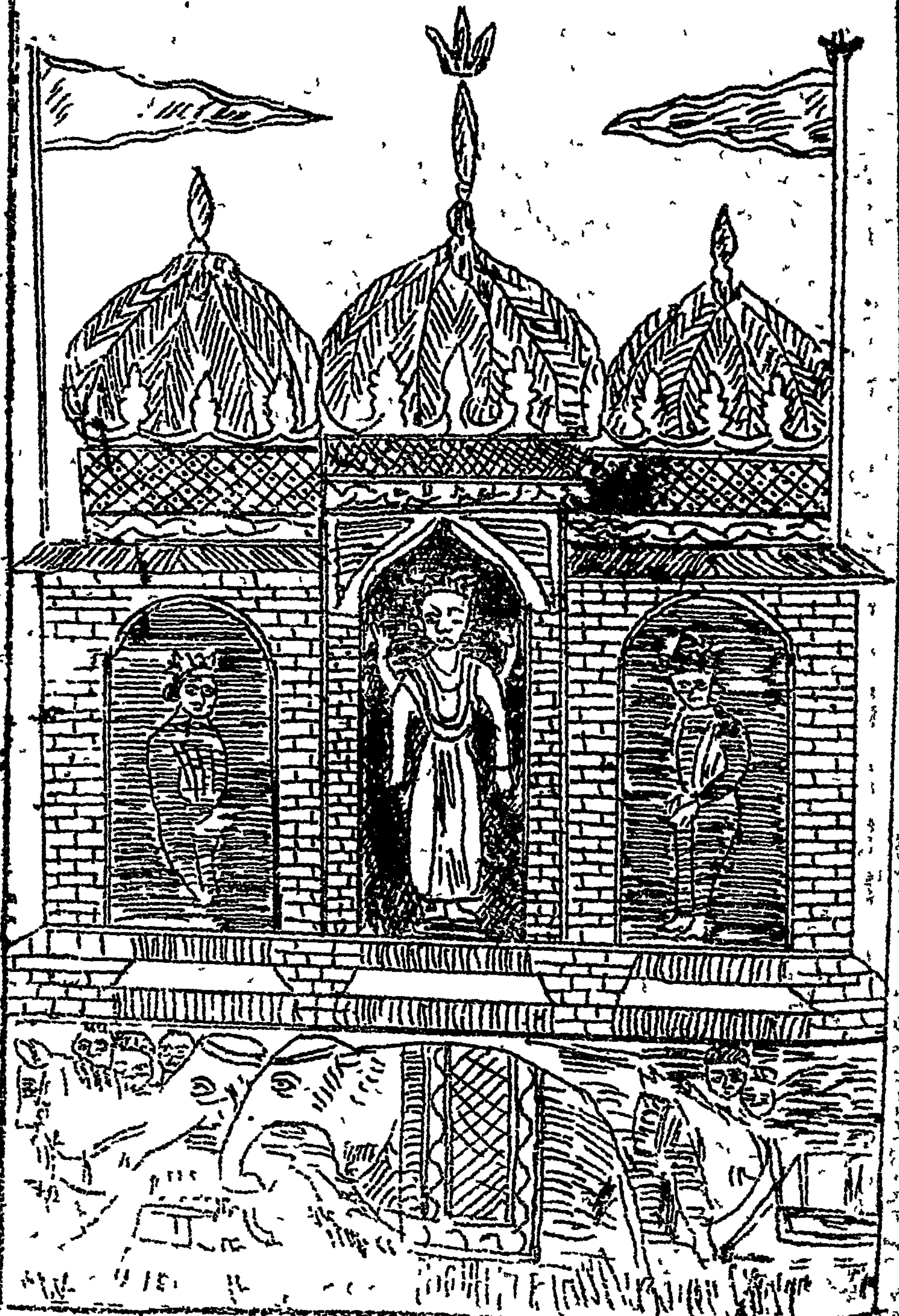
تصویر نورالنہار کی جو قریب المرگ پلنگ پر پڑی ہے اور خواصیں گرد و پیش ہیں اور شہزادے دیکھتے



شیراز اور اسکے گردونواح کی سیر کی۔ آخر ایک قافلے کیساتھ ہندوستان کو لوٹا اور اسی سرائے
میں آکر دم لیا۔ جہاں شہزادہ حسین اسکا منتظر بیٹھا تھا اور دونو بھائی شہزادہ احمد کا انتظار
کرنے لگے۔ اب شہزادہ احمد کی داستان سنو۔ اُسنے سمرقند کا رُخ کیا تھا اور وہاں پہنچکر ایک
سرائے میں جا ٹھہرا۔ جہاں مُلک مُلک کے سوداگر جمع تھے۔ سمرقند کی فضا اُسے بہت بھلی
معلوم ہوئی اور خوب سستا کر ایکدن اُسنے بزازے کا رُخ کیا۔ اور پھر پھرا کے ایک دوکان پر
بیٹھا ہی تھا۔ کہ ایک دلال ہاتھ میں ایک مصنوعی سیب لیئے آگیا۔ اور شہزادے کو بڑا آدمی
سمجھکر بولا۔ چالیس ہزار اشرفیاں اسکی کچھ بھی قیمت نہیں۔ اگر درکار ہو تو لے لیجیے۔ ایسی
چیزیں بار بار ہاتھ میں نہیں آیا کرتیں۔ احمد نے پوچھا چالیس ہزار اشرفیوں کا اسمیں کیا بڑا
فائدہ ہے۔ ذرا تفصیل تو بیان کرو۔ دلال بولا۔ صاحب! یہ ایک نادر تحفہ ہے۔ اسے ایکدفعہ
سونگھ لینے سے کوئی شخص خواہ کیسا ہی بیمار کیوں نہ ہو۔ ایسا تندرست ہو جاتا ہے۔ گویا کبھی
بیمار ہوا ہی نہ تھا۔ اسکا بنانے والا یہاں کا ایک حاذق حکیم تھا جسنے ہزاروں جڑی بوٹیاں
ملا کے بڑی محنت کیساتھ برسوں میں اسے تیار کیا تھا اور اپنی ساری دولت اسی پر صرف کر دی تھی
یہاں کے بہت لوگ اُسے اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ اس نے ہزاروں مریضوں کو فقط اسکے
سونگھانے سے ہی اچھا کر دیا تھا مگر قضا کار وہ خود ایسی جگہ بیمار ہوکے مر گیا جہاں یہ سیب نہ
پہنچ سکتا تھا۔ اب اسکی بیوہ نے ناچار ہوکر اسے بیچنے کو نکالا ہے۔ شہزادہ احمد نے جواب دیا
اگر اسکے خواص یہی ہیں تو میں خریدنے کو تیار ہوں۔ مگر تجربہ شرط ہے یہ سنکر ایک آدمی
بولا۔ میرا ایک دوست اب جاں بلب اور زندگی سے مایوس ہو رہا ہے۔ اسپر چلکے تجربہ کر لو۔
شہزادہ احمد نے کہا ہاں! یہ ٹھیک ہوگا۔ پھر دلال، شہزادہ اور وہ شخص اس مریض کے
گھر کو روانہ ہوئے اور وہاں پہنچکر مریض کو وہ سیب سونگھایا وہ فوراً تازہ بتازہ ہو گیا شہزادہ جو
یہ معجزہ دیکھکر حیران رہ گیا اور فوراً چالیس ہزار اشرفیاں دیکر سیب کو مول لے لیا۔ پھر اسے احتیاط
اپنے پاس رکھکر سمرقند کی سیر کی آخر ایک قافلے کیساتھ ہندوستان کو واپس ہوا۔ اور ایکسال
کی مدت کے بعد اسی کاروانسرائے میں اپنے بھائیوں سے آملا۔ جہاں سے تینوں بھائی جدا ہوئے
تھے۔ پھر تینوں بھائی آپس میں بغلگیر ہوکر باہم اپنے اپنے سیر و سفر اور سستے بیانے کر شاکر

رکھ اسی سرائے کا ارادہ کیا۔ جہاں سے تینوں بھائی جدا ہوئے تھے۔ یہ خیال دل میں لاتے ہی وہ
اسی سرائے میں تھا۔ غرض جب قرار دادہ دن کا انتظار کرنے لگا۔ اب شہزادہ علی کا حال
سنئے۔ وہ ایک قافلے کے ہمراہ ایران کو روانہ ہوا اور پورے تیار مہینے تک منزلیں مار کر شیراز
میں پہنچا۔ اور ایک کاروان سرا میں اتر کر اپنے تئیں جوہری قرار دیا۔ دوسرے دن جیسا اسکے
ہمراہی اپنا اپنا اسباب فروخت کرنے کے لئے بازار کو گئے۔ وہ بھی شہر کے بڑے بازار کو
روانہ ہوا۔ جس کی ایک ایک دوکان میں لاکھوں کروڑوں کا سامان بھرا پڑا تھا۔ دلال ہر ایک
چیز کا نمونہ دکھلاتے پھرتے تھے۔ از انجملہ ایک دلال ہاتھی دانت کی ایک گز لمبی دوربین لئے
پھر رہا تھا۔ شہزادہ علی نے اسے بلا کر قیمت پوچھی۔ دلال نے جواب دیا۔ مالک کا حکم چالیس
ہزار اشرفیوں سے کوڑی کم لینے کا نہیں ہے۔ شہزادہ بولا۔ کیا تو مجھ سے تمسخر کرتا ہے۔
[illegible] کہ ہاتھی دانت کے ایک ٹکڑے کا مول چالیس ہزار اشرفی بتاتا ہے۔ دلال
[illegible]کی جھجک سے جواب دیا۔ حضرت! آپ نے اسکا وصف تو پوچھا ہی نہیں۔ ورنہ ہرگز ایسے
الفاظ زبان سے نکالنے کی تکلیف نہ اٹھاتے۔ شہزادہ کچھ شرمندہ سا ہو گیا۔ اور پوچھا۔
اچھا تو اس کا وصف بھی بیان کر دو۔ دلال نے جواب دیا۔ اس سے جس چیز کے دیکھنے کا ارادہ
کیا جائے۔ خواہ وہ ہزار کوس کے فاصلے پر پڑی ہو۔ وہ اسطرح دکھائی دیتی ہے گویا پاس پڑی
ہے۔ شہزادہ علی کو اعتبار نہ آیا اور اسکا تجربہ کرنا چاہا۔ دلال نے ترکیب بتا کر کہا آپ اسے
آنکھوں پر لگا کر جسے دیکھنا منظور ہو اسکا دیکھنا منظور ہو اسکا دھیان کریں۔ شہزادے نے
اپنے باپ کو دیکھنے کا ارادہ کر کے دوربین کو آنکھوں کے مقابل کیا۔ تو نظر کیا دیکھتا ہے کہ
بادشاہ تخت پر بیٹھا خلق خدا کا انصاف کر رہا ہے۔ پھر شہزادی نورالنہار کو دیکھنا چاہا اور وہ اپنے
محل میں خواصوں کے جھرمٹ کے درمیان بیٹھی دکھائی دی۔ گویا وہ اسکے پاس ہی بیٹھی ہے
اس عجیب چیز کو پا کر شہزادہ سوچنے لگا کہ اگر میں دس سال میں گھومتا رہا تو اس سے اچھا
تحفہ ہاتھ آنا محال ہے۔ یقیناً بادشاہ بھی اسے پسند کریگا اور نورالنہار میرے ساتھ بیاہ
دیگا۔ غرض دلال کو ساتھ لیجا کر چالیس ہزار اشرفیاں گن دیں۔ اور دوربین لیکے اپنے
قبضے میں پا کی۔ جب اسکا حقیقی مقصد پورا ہو گیا اور اسے کوئی چنتا نہ رہی۔ پھر وہی [illegible]

سے بنی تھی جس کی صفائی ایسی اعلیٰ درجہ کی تھی کہ بیچ میں سے منہ دکھائی دیتا تھا صبح و شام وہاں مرد و زن زائرین کا مجمع لگا رہتا۔ اور ہر روز لاکھوں کا چڑھاوا چڑھ جاتا تا۔ اس مندر میں ہر سال ایک بھاری میلہ بھی لگا کرتا تھا جس میں اطراف ہند سے لاکھوں زائرین آتے اور کئی کئی ہفتے تک وہاں رہتے تھے جنکے آنے سے لشن گرمہ کی رونق بہت بڑھ جاتی تھی۔ اس مندر کے ایک طرف تھوڑی سی دور پر نو درجہ کی ایک عالیشان عمارت سنگ مرمر کے چالیس پایوں پر نہایت خوبصورتی کے ساتھ کھڑی تھی جس میں بادشاہ ارکین دربار کیساتھ ہفتہ میں ایکدفعہ جلوس کیا کرتا اور خلقت کا انصاف دیا کرتا۔ اس عمارت کی اندرونی آرائش و زیبائش دیکھکر شہزادہ حسین اپنے باپ کے گھر کو بھی بھول گیا۔ اسکے بیرونی اطراف میں مختلف چرندوں پرندوں اور درندوں کی تصاویر ایسی خوبصورتی کیساتھ کھینچی گئی تھی کہ ناواقفوں کو اصلی اور نقلی میں دھوکا ہو جاتا تا۔ مندر کے باقی اطراف میں جو عمارات بنی تھی اُن میں سے بعض متحرک مکان کہلاتی تھیں۔ وہ کلدار چوبی عمارتیں تھیں۔ اور لوگ کلوں کے ذریعہ انہیں جہاں چاہتے لیجاتے شہزادہ حسین نے وہاں اکبڑ ہاتھیوں کا گروہ بھی دیکھا جنپر زر دوزی جھولیں لٹک رہی تھیں اور سونڈوں پر مختلف رنگوں سے نقش و نگار ہو رہے تھے۔ اُن ہاتھیوں پر نقارچی بیٹھے بجا رہے تھے۔ پھر ایک بڑے ہاتھی کا تماشہ دیکھکر تو شہزادہ حسین ہکا بکا ہی رہ گیا۔ وہ ایک شہتیر کے سرے پر چاروں پاؤں جمائے کھڑا تھا شہتیر کے وسط میں نیچے کی طرف آٹھ گز بلند تپائی رکھی تھی اور ایک طرف ہاتھی کے وزن کے برابر آہنی بوجھ رکھا تھا۔ غرض وہ شہتیر ڈھینکلی کیطرح رکھا تھا۔ اسلئے وہ ہاتھی کبھی تو زور کرکے اوپر اٹھ جاتا اور پھر نیچے آتا تھا۔ اور حرکت کی حالت میں بڑی مستی سے ناچ کرنے لگتا تھا۔ کبھی سونڈ سے سُریلی آواز بھی نکال دیتا۔ گویا گا رہا ہے۔ ایک اور ہاتھی چاروں پاؤں کو چار تپائیوں پر رکھے جن کے نیچے چرخ اور پہیے لگے رہتے تھے۔ سونڈ سے بانسری بجاتا دکھائی دیا۔ اس ہاتھی کو لوگ جدہر چاہتے کھینچے لئے پھرتے تھے۔ سارا یہ تماشا محض بادشاہ کے لئے ہوتا تھا۔ غرض جب لشن گرمہ کی سیاحت سے وہ خوب سیر ہو لیا اور وہیں بھی تھوڑے دن رہ گئے۔ ایک روز اُس تالین کو سرائے کے پچھواڑے جا بچھایا۔ اور غلام کو اپنے ساتھ بٹھا اسباب اپنے اوپر


تصویر پرستش گڑھ کے بتخانے اور وہاں کے عجائبات کی

ایک روپے کو بھی لینا پسند نہ کریگا۔ مگر تم چالیس ہزار اشرفیاں بتا رہے ہو۔ دلال بولا۔ ہاں صاحب ایسی بات ہے۔ شہزادے نے پوچھا۔ اسکی کوئی خاص بات ہوگی۔ دلال نے جواب دیا آپ اسپر بیٹھ کر جہاں کا ارادہ کریں۔ پل بھر میں آپ کو وہیں پہنچا دیگا۔ شہزادے نے سوچا۔ اس سے اچھا تحفہ اور کیا ہوگا۔ یقیناً بادشاہ اسے دل سے پسند کریگا۔ پھر اس دلال سے کہا۔ اگر فی الواقعہ اس کا یہی خواص ہے تو اس قیمت کو گراں نہیں ہے۔ اور میں اسے خریدنا چاہتا ہوں۔ دلال بولا۔ آپ آزما کیوں نہ لیں۔ چلیئے فیصلہ ہوگیا۔ یہ کہکر دوکان کے پچھواڑے میں آبیٹھے اور دلال نے غالیچہ زمین پر بچھا شہزادے کو اسپر بٹھایا۔ اور آپ بھی بیٹھا۔ شہزادے نے اس سرائے میں پہنچنے کا ارادہ کیا۔ جہاں وہ اترا ہوا تھا اور ایک منٹ میں وہاں پہنچگیا شہزادہ کمال مسرور ہوا اور دلال کو وہیں چالیس ہزار اشرفیاں گن دیں۔ اس کے بعد اسی سرائے کو لوٹنے کا ارادہ کیا۔ جہاں سے تینوں بھائی جدا ہوئے تھے۔ مگر پھر سوچا کہ مجھے وہاں اکیلا رہنا پڑیگا۔ اسلئے سال کے خاتمے تک یہیں سیر کیا چاہیئے۔ اب میرے لئے وہاں پہنچنا بہت ہی آسان ہے۔ یہ کہکر اس نے بشن گڑھ اور اسکے گرد و نواح کی خوب سیر کی۔ وہاں کے بادشاہ کا معمول تھا کہ ہفتے میں ایک دن صرف غیر ملکی تاجروں کے مقدمات ہی سنا کرتا۔ شہزادہ حسین بھی اس دن دربار میں جا بیٹھا۔ مگر وہ اپنا حال کسی سے ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ تاہم اس کی خوش خلقی اور خوش بیانی نے دربار میں دوسرے تاجروں سے اسے متمیز کر رکھا تھا۔ بادشاہ ہمیشہ اس سے مخاطب ہوتا اور ہندوستان کے حالات پوچھا کرتا اور دیر تک دونوں آپس میں مختلف معاملات پر بات چیت کرتے رہتے۔ علاوہ ازیں شہزادے نے وہاں کے مندروں کی خوب سیر کی۔ ایک مندر ساری تانبے پیتل کا بنا ہوا تھا۔ اسکا اندرون دس گز مربع تھا۔ اندر اس میں ایک مورتی انسان کے برابر رکھی تھی جس کی آنکھیں لعل بدخشاں کی تھیں اور وہ مورتی ایسے انداز سے رکھی ہوئی تھی کہ ہر ایک دیکھنے والے کو اپنی ہی طرف متوجہ نظر آتی تھی۔ ایک دوسرا مندر ایک وسیع باغ میں بنا ہوا تھا جسکے ہر چہار طرف پختہ دیوار کھنچی ہوئی تھی۔ اسکا طول ساٹھ گز عرض بیس گز اور بلندی پچاس گز تھی۔ اندر بیشمار چھوٹی بڑی مورتیاں نہایت قرینے سے رکھی تھیں اور ساری عمارت سنگ مرمر سرخ

سرائے دیکھ کر اتر پڑے۔ رات کا کھانا وہیں کھایا اور صبح کو یہ قرار دیکر اپنی اپنی راہ لی کہ ہم ایک برس سے زیادہ سفر نہ کرنا چاہیئے۔ اور پھر بعد سفر یہیں آ کے ملنا چاہیئے۔ اور یہاں سے تینوں ملکے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونگے۔ قضا کار کوئی بھائی اگر پہلے پہنچے تو وہ باقیوں کا انتظار کرے۔ شہزادہ حسین تھے جو ہمیشہ بشن گڑھ کی تعریف سنا کرتا تھا اور اسکے دیکھنے کا کمال اشتیاق رکھتا تھا۔ ایک قافلے کے ہمراہ اُدھر کی راہ لی۔ تین ماہ تک جہاز میں سفر کیا۔ اور پھر خشکی کا راستہ طے کرتے مختلف شہروں کو دیکھتا بشن گڑھ میں پہنچا جس کی وسعت اس وقت زبان زد خلائق تھی اور ایک سرائے میں جو سوداگروں کے لئے مخصوص تھی اُترکر شہر کے حالات دریافت کئے۔ معلوم ہوا کہ یہاں ایک بازار ہے جس میں دُنیا بھر کے عجائبات ملتے ہیں۔ شہزادہ حسین نے رات وہیں بسر کی اور اگلے دن صبح ہی اُٹھکر اس بازار کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہاں پہنچا۔ اسکے طول و عرض کو دیکھکر متحیر رہ گیا۔ ہر ایک دوکان بکمال لطافت و خوبی سے بنی ہوئی تھی اور ہر ایک کے سامنے سائبان اس انداز سے لگایا گیا کہ دھوپ کا بچاؤ ہے اور اندر اندھیرا نہ ہونے پائے۔ پھر ایک ایک دوکان کے مال کا اندازہ کیا۔ اور اس ایک شہر کے عجائبات اُسے اپنے باپ کی بادشاہی کی دولت بھی ہیچ معلوم ہوئی۔ کوئی دوکان تو نفیس سوتی کپڑوں کی تھی کیسی ہیں زمین سے چھت تک گرم مال ہی بھرا ہوا تھا کہیں ریشمی کپڑے دُنیا بھر کی ساخت کے ملتے تھے۔ کہیں ہر قسم کے ادنیٰ سے اعلیٰ تک قالین رکھے رہتے تھے۔ کوئی دوکان سونے چاندی کے ظروف اور زیورات سے اٹی تھی اور جیسا کہ [illegible] وہاں سے برہمنوں کو دیکھا۔ تو اُس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ ہر ایک [illegible] سا بادشاہ بنا پھرتا تھا۔ اُنکے پاس زر و جواہرات کی کچھ قدر نہ تھی۔ بلکہ اُنکے [illegible] کرکے گنتے تھے اور ریشمی کپڑے پہنے پھرتے تھے اور ہر ایک بازار [illegible] پھولوں کی خوشبو سے [illegible] ڈھیروں کے ڈھیر پڑے تھے۔ شہزادہ حسین نے کسی جگہ بیٹھنے کے [illegible] ہوتا تھا پھر وہاں ڈھیروں [illegible] ایک تاجر نے اُس کا عندیہ دریافت کرکے بڑی محبت سے اپنی دوکان پر بٹھایا۔ اسی [illegible] پھر وہاں ایک دلال آ گیا۔ جو ایک قالین چار گز مربع کا بیچنے کو پھر رہا تھا اور کہتا جاتا تھا [illegible] [illegible] شہزادہ [illegible] اسے بلاکر پوچھا۔ ایسا [illegible]

پھر بادشاہ بنگال کو بھی اطلاع دی اور اُنہوں نے بھی کمال مسرت کے ساتھ اس پیوند کو منظور کر لیا بلکہ بہت سا جہیز بیٹی کے لئے اور کئی نادر تحفے شاہ ایران اور شہزادہ فیروز کے لئے روانہ کئے اگلے دن صبح کے وقت حسب معمول شہرزاد نے شہزادہ احمد اور پری بانو کی حکایت یوں بیان کرنی شروع کی :۔

شہزادہ احمد اور پری بانو کی داستان

اگلے وقتوں کی بات ہے۔ ہندوستان میں ایک بادشاہ کے تین بیٹے تھے حسین، علی، احمد اور ایک بھتیجی نورالنہار۔ جس کے باپ نے مرتے وقت اسکی پرورش اپنے بھائی کے سپرد کی تھی۔ بادشاہ نے اس لڑکی کی تعلیم و تربیت میں بڑی محبت سے کام لیا اور اعلیٰ سے اعلیٰ انتظام کیا۔ تھوڑے سے ہی دنوں میں وہ بڑی لائق لڑکی بن گئی۔ بادشاہ کا ارادہ تھا کہ جوان ہونے پر کسی لائق شہزادے کے ساتھ نورالنہار کا بیاہ کیا جائیگا۔ مگر اُسے یہ معلوم کر کے کہ اسکے تینوں شہزادے بھی نورالنہار سے محبت رکھتے ہیں بڑا فکر ہوا اور سوچنے لگا۔ کہ اگر نورالنہار کا بیاہ کسی غیر سے کر دیا تو تینوں لڑکے ناراض ہو جائینگے اور انہیں سے ہی ایک کیساتھ شادی کر دی تو باقی دو کا منہ بیدھانہ رہیگا۔ مگر میں کسی کو بھی ناراض کرنا نہیں چاہتا۔ کوئی ایسی تدبیر کرنا چاہئیے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی کو بھی آنچ نہ آئے آخر سوچ سوچکر ایک بات نکال ہی لی اور اپنے تینوں شہزادوں کو بلا کر کہنے لگا بیٹے سنا ہے تم شہزادی نورالنہار سے محبت رکھتے ہو۔ مگر یہ ناممکن ہے کہ تم تینوں کے ساتھ اُسکا بیاہ ہو اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ تم میں سے کسی کو ناراضی کا موقع ملے۔ اسلئے میں نے ایک تدبیر نکالی ہے جس سے کسی کو شکایت کا موقع نہ رہیگا اور وہ یہ ہے کہ تم تینوں علیحدہ علیحدہ ملکوں کا سفر کرو اور ایک نادر تحفہ میرے لئے لاؤ۔ جسکا تحفہ تم تینوں سے اچھا ہوگا شہزادی کا بیاہ اُسی کے ساتھ کیا جائیگا۔ سب نے اسکو دل سے منظور کیا اور سامان سفر درست کر خزانہ شاہی سے زر کثیر لے وہاں سے چل پڑے اور کئی دن تک اکٹھے ہی چلے گئے۔ کئی منزل کے بعد جب وہ ایک ایسی جگہ پر پہنچے جہاں سے جدا جدا راستے مختلف ممالک کو جاتے تھے۔ وہاں ایک اچھی سی

ہم سے - بادشاہ بڑا خوش ہوا اور فیروز شاہ کا شکریہ ادا کرنے لگا کہ تم نے تو بس مسیحائی
کر دکھادی ہے - اسکے جواب میں جو مناسب تھا فیروز شاہ نے بھی جواب دیا۔ پھر پوچھا یہ شہزادی کا
بھائی تم تک کیسے پہنچی - اس سے اسکا مطلب کل کے گھوڑے کے حالات دریافت کرنے کا تھا
مگر بادشاہ اسکا مطلب نہ سمجھا اور شہزادی کا حال جیسا اسکی زبانی سنا تھا۔ کہہ دیا۔ آخر
میں یہ بھی کہا کہ شہزادی کے پاس ایک لکڑی کا گھوڑا پڑا ہوا تھا اسے اٹھا کے میں نے اپنے خزانے
میں رکھوا دیا۔ فیروز شاہ نے معلوم کر لیا کہ بادشاہ کو گھوڑے کے خواص کا پتہ نہیں ہے
سوچکر بولا معلوم ہوتا ہے شہزادی کو اس جادو کے گھوڑے سے اترتے وقت دھونی
نہیں دی گئی جبھی تو وہ آسیب زدہ ہو گئی ہے اور اگر چہ میں نے اسے تندرست کر دیا ہے
مگر کامل صحت جبھی ہوگی کہ آپ میدان میں لشکر سمیت جمع ہو کے اس جادو کے گھوڑے کو
منگائیے تاکہ پھر اس پر شہزادی کو سوار کر کے دھونی دی جائے - امید ہے کہ پھر شہزادی
کبھی بیمار نہ ہوگی۔ بادشاہ نے اہلکاروں کو حکیم کے حکم کی تعمیل کا ارشاد کیا۔ اور اگلے
دن شہر کے باہر میدان میں کل کا گھوڑا لایا گیا اور تمام لاؤ لشکر وہاں جمع ہوئے۔ شہر کے
باشندے بھی تماشا دیکھنے آ گئے۔ بادشاہ نے اپنے خیمے میں اجلاس فرمایا۔ حکیم نے سب
کو منع کر دیا کہ کوئی شخص اس گھوڑے کے قریب نہ جائے۔ اتنے میں شہزادی بھی خواصوں سمیت
وہاں آ گئی۔ حکیم نے اسے خود سوار کرایا اور چاروں طرف آگ کے الاؤ روشن کر کے انہیں
منقلیاں بھر بھر کر خوشبوئیاں ڈالنے لگا جن کے انہیں سے اسقدر دھواں نکلا جس نے گھوڑے
سمیت شہزادی اور فیروز کو عوام کی نگاہوں سے پوشیدہ کر دیا۔ فیروز اسی وقت کے انتظار
میں تھا۔ فوراً اچک کر گھوڑے پر بیٹھ گیا۔ اور اسکی گردن کے پیچ کو مروڑا۔ گھوڑا تیر کی طرح
آسمان کی طرف اڑا۔ فیروز نے اوپر جا کر بلند آواز سے پکارا کہ اے بادشاہ تو نے اس
شہزادی کو اپنے عقد میں لانا چاہا تھا۔ مگر اب تجھے معلوم کرنا چاہیئے کہ یہ شہزادہ فارس کی
سنگین ہے جو آئے اپنے ہمراہ لئے جاتا ہے۔ بادشاہ اور سب حاضرین اس بات کو سنکر
بڑے متعجب ہوئے اور فیروز شاہ اسی دن شیراز میں جا پہنچا تو اسکا باپ اپنے بیٹے اور بہو
کو دیکھ کر کمال خوش ہوا۔ اور کئی روز کے بعد دونوں کی شادی بڑی دھوم دھام سے کر دی

اگرچہ دیکھنے میں نوجوان نظر آتا ہے۔ مگر اسکی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے فن میں بڑا ماہر ہے۔ حکم ہو تو حاضر کروں۔ بادشاہ نے فرمایا۔ ہاں تو اُسے آنے دو۔ داروغہ فیروز کو بادشاہ کے پاس لیگیا۔ بادشاہ نے شہزادی کا سب حال جو اُسے معلوم تھا بیان کر دیا۔ اور کہا کہ وہ کسی کو نزدیک نہیں آنے دیتی۔ تم کوئی ایسی دوا تجویز کرو کہ دور سے ہی اُسے کھلادی جائے۔ پھر بادشاہ نے فیروز کو ایک پاس کے مکان میں لیجا کر دور سے شہزادی کو دکھایا۔ فیروز نے سُنا کہ وہ فراقیہ اشعار دردناک لہجے میں گا رہی ہے۔ اور بغور دیکھکر پہچان لیا کہ وہ جنون اُسکا محض فریب ہے۔ بادشاہ سے کہنے لگا میں نے دیکھا اور غور کیا۔ شہزادی کا میں علاج کرونگا۔ اور انشاءاللہ اُسے شفا ہو جائیگی۔ مگر پہلے اُسکی زبان سے بھی کچھ حال سُننا ضرور ہے پھر دوا کرنا آسان ہو جائیگی۔ بادشاہ نے فوراً خواجہ سرا کو حکم دیا کہ شہزادی کے پاس اس حکیم کو لیجاؤ۔ غرض خواجہ سرا نے شہزادی کے مکان کا دروازہ کھولا۔ اور فیروز کو اندر بھیجکر آپ باہر ہی کھڑا ہو رہا۔ شہزادی حسب معمول فیروز کو بھی حکیم تصور کر کے گالیاں دینے اور بکواس کرنے لگی۔ مگر فیروز شاہ نے بہ ملائمت کہا۔ دیکھو! ہوش کرو۔ میں ہوں فیروز شاہ شہزادہ فارس۔ میں حکیم نہیں۔ صرف تیری ہی تلاش کے لئے یہ حالت بنا رکھی ہے۔ شہزادی نے اپنے مطلوب کی آواز پہچانی اور ہوش میں آکر بغور دیکھنے لگی۔ پھر شہزادہ فیروز کو پہچانکر بڑی خوش ہوئی اور دونوں نے ایک دوسرے کو مختصر طور پر اپنی سرگذشت سے آگاہ کیا۔ آخر فیروز شاہ نے پوچھا۔ تمہیں اُس کل کے گھوڑے کا بھی پتہ ہے کہ بادشاہ نے اُس ہندی کو قتل کرنے کے بعد اُسے کہاں رکھا ہے۔ شہزادی بولی مجھے اُسکا کچھ پتہ نہیں۔ پھر فیروز شاہ نے اُسے سمجھایا کہ اب تو اچھی بن جا۔ تاکہ بادشاہ کو میری تدبیر پر اعتقاد آجائے۔ پھر میں اُسسے جو کچھ کہونگا۔ مان لیگا۔ غرض فیروز شاہ وہاں سے اُٹھکر بادشاہ کے پاس آیا۔ اور کچھ دوائی تجویز کر کے خواجہ سرا کے ہاتھ بھیجی اور کہنے لگا کل تک خدا چاہے تو شہزادی کو بہت فائدہ ہو جائیگا اور بہتری ہوگی۔ وہ دوائی دو تین مرتبہ دی گئی۔ اور شہزادی اگلے دن ہوش وحواس میں آکر باتیں کرنے لگی۔ حمام کیا اور کپڑے

اور حکیموں کو بلا کر علاج میں مصروف ہوا۔ مگر اُسے کچھ افاقہ نہ ہوا۔ آخر جب ہوش آئی
سوچنے لگی۔ شہزادہ فیروز کے سوا اور کسی سے میری شادی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اب
کوئی حیلہ کرنا چاہیئے۔ یہ سوچ کر اپنے تئیں دیوانہ بنا لیا اور بادشاہ کو ہزاروں گالیاں دیں
اور دیوانوں کی طرح جو اُس کے پاس جاتا۔ اُس پر حملہ کر بیٹھتی۔ بادشاہ نہایت مغموم ہوا
اور باہر آ کر خاصوں کو حکم دیا۔ کہ مجھے منٹ منٹ کے بعد شہزادی کے حال سے خبر دیتے رہو
پھر طبیبوں اور سیانوں کو حکم دیا کہ جس طرح ہو سکے۔ شہزادی کو راضی کرو۔ میں بہت بڑا
سلوک اسکے عوض میں کرونگا۔ غرض سب نے اپنا اپنا زور لگایا۔ دوائیں دیں۔ فصد
کھلوائے۔ تعویذ پلوائے۔ دھونیاں دیں۔ مگر شہزادی کو خبر تک نہ ہوئی۔ سچ ہے
سوتے کا جگانا آسان ہے مگر جاگے کو جگانا بہت مشکل۔ فیروز شاہ بھی درویشانہ
لباس میں پھرتے پھراتے کشمیر کے کسی شہر میں جا پہنچا اور وہاں کے باشندوں سے سُنا
کہ بادشاہ کشمیر شہزادی فرنگ کے ساتھ شادی کا ارادہ رکھتا ہے۔ مگر وہ دیوانگی سے
ایسی بیمار ہے کہ کسی طرح سے بھی اچھی نہیں ہوتی۔ فیروز شاہ یہ سنتے ہی سمجھ گیا کہ
شہزادی کو کیا مرض ہے؟ فوراً وہاں سے کوچ بول دیا اور دو منزلہ سہ منزلہ طے کرتا
بہت جلد دارالریاست میں آ پہنچا۔ پھر ایک سرائے میں ٹھہر کر لوگوں سے شہزادی کا
حال دریافت کرتا رہا۔ مگر بہت کوشش کرنے پر بھی وہ اس بندی کا پتہ نہ نکال سکا۔
غرض اگلے دن فیروز شاہ نے فقیرانہ لباس اتار کر کشمیری حکیموں کا بھیس بدل لیا
اور گلی کوچوں میں پھرتے پھرتے شاہی محل کے نیچے بھی جا نکلا اور دروازے پر جا کر
داروغہ سے عرض کی کہ میں بہت دور سے شہزادی کے علاج کو آیا ہوں۔ بادشاہ سے
اجازت لے دو۔ تو اپنی حکمت کا کرشمہ دکھاؤں۔ داروغہ نے ہنس دیا۔ اور بولا اے
نوجوان! تو اپنا منہ تو دیکھ۔ یہاں بڑے بڑے حاذق حکما آئے اور کسی کی دال نہ گلی
تو تو کیا بنا لیگا۔ فیروز نے جواب دیا۔ میاں تم سے کچھ مانگنے تو آیا ہی نہیں۔ صرف قسمت
آزمائی مطلوب ہے۔ داروغہ کو اسکی مفلسی پر رحم آیا اور اسے اپنے مکان میں
ٹھہرا کر بادشاہ سے عرض کی کہ ایک حکیم دور سے شہزادی کے علاج کے لئے آیا ہے

تصویر بادشاہ کشمیر کی مع لشکر جنگل میں آنے اور ہندیکو قتل کرکے شہزادیکو لیجانیکی



رحم آگیا۔ فوراً سواروں کو حکم دیا کہ ہندی کو اُسکے اعمال کی پاداش میں تلوار کے گھاٹ اُتار دو۔ سواروں نے حکم کی تعمیل کی اور شہزادی ایک سے چھوٹ کر دوسرے کے بس میں پڑی۔ پھر بادشاہ اُسے اپنے ہمراہ دارالسلطنت میں لایا۔ اور اُسکے رہنے کے لئے ایک بڑا محل مقرر کیا۔ بہت سے خواجہ سرا اور خواصیں بھی خدمت کے لئے دئے اور شہزادی کو آرام کرنے کے لئے کہکر آپ چلا گیا اور دو تین دن کے بعد شہزادی کے ساتھ شادی کا ارادہ کرکے تیاری کا حکم دیا۔ چاروں طرف نوبتیں بجنے لگیں۔ اور تمام قلمرو میں یہ خبر مشہور ہوگئی۔ مگر شہزادی بادشاہ کے نیک سلوک کو ابھی تک مہربانی پر محمول کر رہی تھی۔ جب اُسکے کان میں یہ خبر پہنچی کہ بادشاہ اُسکے ساتھ شادی کرنے کا خواستگار ہے اور اُسکے لئے زور شور سے تیاریاں ہو رہی ہیں۔ فوراً بیہوش ہوکے گر پڑی۔ گویا سانپ سونگھ گیا ہے۔ خواصوں نے بادشاہ سے عرض کی وہ فوراً آیا

کی زبانی شہزادی کے ہندی کے ساتھ چلے جانیکی خبر سنکر بہت گھبرایا۔ اور فرط غم سے
اسکی حالت نازک ہو گئی۔ فوراً بادشاہ کو بھی یہ خبر پہنچائی گئی اور وہ اپنے لشکر سمیت
راستے ہی سے لوٹ گیا۔ مگر شہزادہ وہاں دیر تک بیہوش پڑا رہا۔ جب ہوش آئی
داروغہ اسکے پاؤں پر گر پڑا کہ قصور میرا ہے مگر نادانستگی میں سرزد ہوگیا۔ اس لیے
معافی کا طلبگار ہوں۔ شہزادے نے جواب دیا۔ نہیں تیرا قصور نہیں۔ یہ میری غفلت
تھی۔ اب تو جلد میرے لئے ایک فقیرانہ لباس حاضر کر۔ اس مکان کے قریب ہی ایک فقیر
رہتا تھا۔ داروغہ نے فوراً جیسے ہو سکا اس سے ایک جوڑا اور بیشانہ لباس کا لاکر فقیر کو
کو دیدیا۔ پھر وزیر شاہ نے وہ قیمتی لباس بدلکر جواہرات کی ڈبیہ کمر میں باندھ وہاں سے چل نکلا
اور ایک جنگل کی راہ لیکر دل میں ٹھان لیا کہ جب تک شہزادی نہ ملیگی گھر نہ آؤنگا۔ ادھر
ہندی دو تین گھڑی کے عرصہ میں دارالریاست کشمیر سے متصل ایک جنگل کے درمیان جا اترا
اسے بھوک لگی ہوئی تھی اور قیاس کیا۔ کہ شہزادی بھی بھوکی ہوگی۔ اسلیے جنگل سے کچھ
میوے توڑ لایا اور کچھ آپ کھائے کچھ شہزادی کو کھلائے۔ پھر دونوں نے چشمے سے پانی
پیا جو اسکے پاس سے بہ رہا تھا۔ شہزادی اپنے تئیں اسکے قابو میں پاکر سخت پریشان تھی
تاہم وہ بالکل بے بس ہو رہی تھی۔ آخر جب کھانا کھا چکے وہ ہندی کاریگر شہزادی سے حرف
مطلب زبان پر لایا۔ مگر شہزادی نے انکار کر دیا۔ اور بڑی حقارت سے اس زشت رو کے
منہ پر تھوک دیا۔ ہندی جل بھن گیا اور شہزادی کو مارنے لگا۔ شہزادی نے زور زور کر
غل مچا دیا۔ اتفاق سے کشمیر کا بادشاہ اسی انواع میں شکار کھیلنے کے لیے آیا ہوا تھا
جب اسنے ایک عورت کے چلانے کی آواز سنی لشکر سمیت فوراً اسکی مدد کو پہنچا اور ہندی
سے پوچھا تو کون ہے اور یہ بی بی تیری کیا لگتی ہے اور کیوں روتی ہے۔ ہندی نے بڑی
ترش روئی سے جواب دیا۔ میری جورو ہے اور میں اسے لیجانا چاہتا ہوں۔ مگر یہ دور دور
کے اپنے میکے کی طرف جاتی ہے۔ شہزادی یہ سنکر بولی حضور! یہ شخص بالکل بکواس کر رہا
ہے اور سراسر طوفان تول رہا ہے۔ میرا خاوند نہیں بلکہ ایک جادوگر ہے جو مجھے شہر آ
رازن کے محل سے جادو کے گھوڑے پر بٹھا کر بھگا لایا ہے۔ بادشاہ کو شہزادی کی باتوں پر

پہن دیا۔ اور فیروز شاہ گھوڑے پر سوار ہو کر شیراز کی طرف روانہ ہوا۔ جب بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا۔ بادشاہ کو اسکے دیکھنے سے نہایت مسرت ہوئی اور گلے لگا کر حال پوچھا۔ فیروز نے اپنی مصیبت اور شہزادی بنگال کی شفقت کی داستان ایسے درد سے بیان کی کہ بادشاہ کا دل بھر آیا۔ پھر کہنے لگا۔ میں شہزادی سے شادی کا اقرار کر کے اسے ساتھ لے آیا ہوں۔ اور فلاں گاؤں کے شاہی محل میں لا کے اتار رکھا ہے۔ تاکہ لوازم استقبال ادا کر کے اسے محل میں لایا جائے۔ بادشاہ نے جواب دیا۔ بہت اچھا۔ میں خود اس کے استقبال کو چلتا ہوں۔ اور آج ہی اسے محل میں لا کر اسکے ساتھ تمہاری شادی کر دی جائیگی اسکے بعد بادشاہ نے سواری کے تیار کرنے اور شادیانے بجنے کا حکم دیا۔ نوبت پر چوٹ پڑی اور شہزادہ فیروز کی واپسی کا گھر گھر پتہ لگ گیا۔ پھر اس ہندوستانی کاریگر کو بلوایا گیا۔ بادشاہ اس سے مخاطب ہو کر بولا۔ سنو نالائق! تم ہو گردن مارنے کے قابل۔ مگر میں از راہ ترحم تمہیں چھوڑتا ہوں۔ اپنا گھوڑا لو اور ابھی میری ولایت سے نکل جاؤ۔ ورنہ میں بری طرح سے پیش آؤنگا۔ ہندی نے قید خانے سے نکلتے ہی سن لیا تھا کہ شہزادہ آگیا ہے۔ اور اسی گھوڑے پر اپنے ساتھ ہی ایک شہزادی کو بھی لایا ہے۔ پھر اسے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس وقت وہ شہزادی فلاں گاؤں کے شاہی محل میں ہے اور بادشاہ خود اسکے لانے کے لئے تیاری کر رہا ہے۔ وقت کو غنیمت جانکر ہندی شیراز سے دوڑا۔ اور اس گاؤں میں آ کے دم لیا۔ پھر داروغہ محل شاہی سے ملکر کہنے لگا۔ بادشاہ نے شہزادی کو مجھے لانے کے لئے بھیجا ہے۔ تم اندر چلکے اسے میرے آنیکی خبر دیدو۔ داروغہ نے بھی ہندی کی روانگی کی خبر سن لی تھی۔ اسلئے اسے اسکی بات پر اعتبار آگیا اور اسے بھی اندر لیجا کے شہزادی سے بولا۔ بادشاہ نے اس آدمی کو آپکے لانے کے لئے بھیجا ہے۔ اس لئے آپ اسکے ساتھ شیراز کو چلی جائیں۔ شہزادی خوشی خوشی تیار ہو گئی۔ پھر ہندی نے اسے اس گھوڑے پر سوار کرایا اور آپ بھی اسکے پیچھے بیٹھ گیا اور پیچ مروڑ کر گھوڑے کو آسمان پر لے اڑا۔ عین اسیوقت بادشاہ بھی خدم و حشم سمیت اس محل کے قریب میں آ پہنچا۔ فیروز نے آگے بڑھکر شہزادی کو بادشاہ کے آنے کی خبر دینی چاہی مگر داروغہ

شہزادی بولی۔ تم ایک علیحدہ محل لیکر اس میں شہزادوں کے قابل سب سامان مہیا کرو۔ اور جو کچھ درکار ہو مجھ سے لو۔ پھر تو کوئی عذر نہ ہوگا۔ فیروز نے جواب دیا۔ میں تمہارا آگے ہی کمال شکر گذار ہوں۔ اب اور بوجھ اٹھا نہیں سکتا۔ اسلئے آپ مجھے اجازت ہی دیں کہ ایکدفعہ اپنے باپ کو مل آؤں۔ مبادا میری جدائی میں اسنے خودکشی نہ کر لی ہو۔ شہزادی نے سوچا اسکا کیا اعتبار ہے۔ اپنے ملک میں جاکے آئے نہ آئے۔ اور وطن کی محبت اسے یہاں آنے سے مانع ہو۔ اس لئے اگر چند روز اور یہاں ٹھہر جائے تو اسکا دل لگ جائیگا اور پھر وہ خواہ مخواہ یہاں آئیگا۔ غرض اس تجویز کا فیروز شاہ سے ذکر کیا۔ فیروز نے بھی وہاں چند روز اور رہنا بخوشی منظور کر لیا۔ غرض وہ دنکو سیر و شکار میں مشغول رہتا اور رات ناچ و رنگ دیکھکر وقت گذارتا۔ کئی دن سیطرح سے گذر گئے۔ اس عرصے میں فیروز شاہ جی وہاں ایسا لگا کہ وہ ماں باپ اور خویش و اقربا سب کو بھول گیا۔ مگر پھر یکایک ایکدن وطن کی محبت نے دل میں جوش مارا۔ فوراً شہزادی سے التجا کی کہ مجھے ایکدفعہ اپنے گھر ہو آنے کی اجازت دیجیئے۔ میں بہت جلد آپ کی خدمت میں لوٹ آؤنگا اور اگر اسکا اعتبار نہ ہو تو تم بھی میرے ساتھ چلو۔ شہزادی نے جواب دیا۔ البتہ آخری شرط مجھے بھی منظور ہے۔ یہ فیصلہ کر کے اگلے دن تڑکے جبکہ خواصیں اور خواجہ سرا خواب غفلت میں پڑے تھے۔ دونو محل کی چھت پر آئے اور فیروز شاہ نے گھوڑے کا منہ ملک فارس کی دار السلطنت شیراز کی طرف کیا۔ پھر شہزادی کو اسپر سوار کرا کے خود بھی اسپر چڑھ بیٹھا اور گردن کے پیچ کو گھمایا اس پیچ کے گھومتے ہی گھوڑا آسمان کو دوڑا اور اڑھائی ساعت کے عرصے میں شیراز کے سر پر جا منڈلایا۔ فیروز شاہ نے اپنے وقت کو پہچانا اور دوسرا پیچ مروڑ کر شیراز کے قریب ایک گاؤں میں جا اترا۔ جہاں بادشاہ وقتاً فوقتاً سیر و شکار کے لئے جایا کرتا تھا اور اسلئے وہاں ہی ایک شاہی محل بنا ہوا تھا۔ فیروز نے شہزادی کو اسی محل میں جا اتارا۔ اور اس سے کہنے لگا میں آپکو یہاں اسلئے چھوڑتا ہوں کہ بادشاہ کو جاکر پہلے آپ کے آنے کی اطلاع دے آؤں تاکہ وہ آپ کو تجمل کے ساتھ استقبال کر کے دار السلطنت میں لیجائے۔ پھر اس محل کے داروغہ سے کہا۔ کہ شہزادی کو تکلف کے ساتھ کھانا کھلا اور میرے لئے ایک تیز رفتاری گھوڑا تیار کر کیونکہ شیراز جانا ہے اور ابھی وہاں سے لوٹ آؤنگا۔ غرض داروغہ نے خاصہ دسترخوان پر

اور پڑھنے میں کوئی عذر نہیں ہے۔ بادشاہ نے امتحان کے لئے مجھے یہی حکم دیا۔ اور بیٹھتے فوراً اسپر سوار ہوا اس پیچ کو گھمایا جس سے گھوڑا اوپر اٹھتا تھا۔ ایک گھڑی بھر میں زمین نظروں سے غائب ہوگئی اور پہاڑ بھی کسے ڈھیلے نظر آنے لگے۔ اسوقت بیچ نیچے اترنا چاہا۔ اس لئے اسی پہلے پیچ کو الٹا گھمایا۔ مگر کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر جد و جہد کرتے مجھے دوسرا پیچ بھی ملگیا جس کے گھمانے سے گھوڑا نیچے اترنے لگا۔ حتیٰ کہ آدھی رات کے وقت آپ کے مکان کی چھت پر آلگا اور میں زینے سے اترا اور خواجہ سراؤں اور خواصوں سے گذرکر آپ کو آجگایا۔ پھر آپ نے جو عنایت میرے حال پر فرمائی میں اسکا شکریہ نہیں ادا کرسکتا اور اسکے عوض میں جان و دل کے سوا میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے۔ شہزادی یہ سنکر نہایت مسرور ہوئی اور بہت سے سوال کئے۔ جن کا فیروزشاہ نے مناسب جواب دیکے اسکی تسلی کی۔ اتنے میں دسترخوان چنا گیا۔ اور خواصوں نے خاصے کی اطلاع دی۔ شہزادی نے فیروزشاہ کا ہاتھ پکڑ دسترخوان پر بٹھا لیا۔ اور آپ بھی ساتھ ہی بیٹھکر بڑی محبت کے ساتھ اُسے اچھے اچھے کھانے کھلانے لگی۔ جب کھانے سے فراغت پائی دونوں ایک پُر تکلف دالان میں جس کے سامنے ایک پائیں باغ رنگا رنگ کے پھولوں۔ پودوں اور درختوں سے ہرا بھرا تھا۔ ایک زردوزی مسند پر جا بیٹھے باغ میں میوہ دار درخت پر قسم قسم کے پرندے میٹھی میٹھی بولیاں بولکر سننے والوں کا جی لبھا رہے تھے اور نہریں جاری تھیں۔ غرض ایک دلکش سماں چھایا ہوا۔ اس باغ اور مکان کی تیاری دیکھ فیروزشاہ کہنے لگا۔ میں تو سمجھتا تھا۔ کہ ایران کے شاہی محلوں کا ثانی دنیا بھر میں نہ ہوگا۔ مگر آپ کے محل دیکھکر مجھے وہ ہیچ دکھائی دے رہے ہیں شہزادی نے جواب دیا۔ ابھی تم نے میرے باپ کے محل تو دیکھے ہی نہیں۔ جنکے سامنے یہ محل کچھ بھی نہیں۔ انہیں دیکھکر یقیناً تم بڑے محظوظ ہوگے اور ضرور ہے کہ تم میرے باپ کی ملاقات کرو۔ وہ تمہیں دیکھکر بہت خوش ہوگا۔ مگر فیروزشاہ چپکا ہو رہا۔ ایکدن پھر شہزادی یہی ذکر درمیان میں لائی۔ اسکا مطلب یہ تھا کہ فیروزشاہ کو دیکھکر بادشاہ بڑا خوش ہوگا اور اس سے میری شادی کردیگا۔ مگر فیروز نے جواب دیا کہ ظاہری طور سے بغیر بادشاہ سے ملے مجھے مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ مبادا آپ مجھے نظر حقارت سے دیکھیں ۔

اور ایک کمرے میں اسکے آرام کا انتظام کریں۔ خواصوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ اور
فیروز شاہ کچھ کھا پی کے اس کمرے میں سو رہا۔ سچ یہ ہے کہ فیروز کی محبت شہزادی
کے دل میں بھی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ خواصیں فیروز شاہ کی طرف سے فراغت پاکر شہزادی
کے پاس آئیں اور اُسے اطلاع دی کہ شہزادہ کھانا کھا کے سو گیا ہے۔ بعض نے جو شہزادی
کی بہت منہ چڑھی تھیں۔ فیروز کے حسن وجمال کی تعریف کرکے یہ بھی کہا کہ اگر اس جوان
کی شادی آپ سے ہو جائے تو کیا ہی اچھا ہو۔ شہزادی بظاہر بہت خفا ہوئی۔ اور بولی
بکو مت۔ جاؤ جاکے سو رہو۔ اور مجھے بھی آرام کرنے دو۔ غرض جب صبح ہوئی۔ شہزادی
اُٹھکے بھی دیر تک اپنا بناؤ سنگار کرنے میں مصروف رہی۔ اور جب فارغ ہوئی۔ فیروز شاہ
کو کہلا بھیجا۔ کہ آپ آنے کی تکلیف نہ کیجیئے گا۔ میں خود حاضر ہوتی ہوں۔ خواصوں نے فیروز شاہ
کو شہزادی کا پیغام پہنچا دیا۔ وہ خود آنے کو تیار بیٹھا تھا۔ مگر یہ سُنکر رک گیا۔ غرض
تھوڑی دیر کے بعد شہزادی بنگالہ خود اپنے محل سے فیروز کے محل میں آکر خیریت پوچھنے
لگی۔ اور دونو ایکدوسرے کو دیکھکر کمال خوش ہوئے۔ فیروز نے معذرت کی کہ بیتنے آپکو بیوقت
آکے بے آرام کیا تھا۔ اسکے لیئے معافی مانگتا ہوں۔ شہزادی نے جواب دیا کہ مجھے اسکا ذرا بھی ملال
نہیں۔ بلکہ تمہیں دیکھکے مجھے کمال خوشی ہوئی ہے۔ اب تم اپنا حال سناؤ۔ کہ میری خوابگاہ تک
کیسے پہنچے۔ فیروز بولا کل جشن نوروزی تھا۔ اور ملک فارس کے کاریگر میرے باپ کی خدمت میں
طرح طرح کے عجائبات لیکر انعام لینے کے لیئے حاضر تھے کہ ایک ہندوستانی کاریگر بھی پہنچا۔
اور اُس نے ایک گھوڑا پیش کرکے عرض کی کہ یہ صرف کل کے زور سے اُڑتا ہے۔ میرے باپ نے
چاہا کہ جو قیمت وہ مانگے اُسے ادا کر دے۔ مگر ہندوستانی کاریگر نے کسی قیمت پر اُسے بیچنا نہ چاہا
سوائے اسکے کہ بادشاہ شہزادی کی شادی اُس کے ساتھ کر دے۔ ارکان دولت کو اس کی
درخواست پر رنج آیا اور میں بھی اس تحقیر کے لیئے غصہ میں بھر گیا۔ مگر بادشاہ کا اشتیاق بہ جز
کمال پاکر میں نے خیال کیا کہ اس گھوڑے کے عوض میں بادشاہ اسکی درخواست کو کبھی رد نہ کریگا۔
اسلیئے میں نے عرض کی کہ جب تک کسی دوسرے کو اسکے کل پرزوں سے آگاہی نہ ہو یہ کوئی اتنی
چیز نہیں۔ ہندوستانی نے جواب دیا۔ نہیں بلکہ ہر شخص اسپر سوار ہو سکتا ہے اور اسکے کل اور

تھے - اُس نے اندازہ کیا کہ شاید یہ محل کسی شہزادی کا ہے جسکی حفاظت کے لیئے یہ سب خواجہ سرا یہاں پڑے ہیں - پھر دبے پاؤں آگے بڑھا ایک دروازے پر ایک باریک ریشمی پردہ لٹکا ہوا دیکھا اور اسے اس آہستگی سے اٹھا کر اندر گیا کہ کوئی شخص اُسکی آہٹ کو نہ پا سکا - اُس دوسرے دالان میں چار خوبصورت خواصیں اپنے اپنے بستروں پر پڑی تھیں - پھر اور آگے بڑھ کر اگلے کمرے میں گیا تو اسکی آرائش دیکھکر حیران رہ گیا - وہاں ایک نازنین ایک جڑاؤ چھپرکھٹ پر خواب ناز میں سو رہی تھی - شہزادے کے دل میں اسکی محبت پیدا ہو گئی اور پلنگ کے پاس ایک کرسی پر بیٹھ کے آہستہ سے اسے جگایا - شہزادی اپنے پلنگ کے پاس ایک اجنبی مرد نامحرم کو پاکر ڈر گئی - مگر فیروزشاہ نے آداب بجا لاکر عرض کی - آپ گھبرائیے مت - میں ملک ایران کا شہزادہ ہوں صبحکو اپنے باپ کے ساتھ جشن نوروزی منا رہا تھا اور اسوقت اپنے تئیں ایک اجنبی ملک میں پاتا ہوں - اگر آپ کی عنایت میرے شامل حال نہ ہوئی تو ضرور میری جان جائیگی - اُمید ہے کہ آپ غریب نوازی کی راہ سے میرے ساتھ ایسا سلوک روا نہ رکھینگی - وہ شہزادی شاہ بنگال کی بیٹی تھی - اسکی اور بھی بہنیں تھیں مگر اسکے باپ نے یہ محل خاص اُسی کے رہنے کو دے رکھا تھا - شہزادی نے فیروزشاہ کی سرگذشت سنکر اسے تسلی دی کہ اے شہزادے جس طرح تم اپنے باپ کے ہاں رہتے تھے اُسی شان و شوکت سے اطمینان رکھو کہ یہاں بھی رہوگے - بلکہ تمہیں وہ مقدور حاصل ہوگا کہ تم خود بھی حیران ہوگے - فیروزشاہ نے اسکا شکریہ ادا کیا - پھر شہزادی نے پوچھا کہ اب تم بتاؤ - کہ تمہارا یہاں آنا کیونکر ہوا - اور اپنے دارالسلطنت کو چھوڑے کتنا عرصہ ہوگیا ہے - نیز چوکی پہروں سے گذر کر میری خوابگاہ تک تم کیسے پہنچے - اب رات بہت ہو چکی اور خواصیں بھی پاس ہیں - مگر تم کو بھی بھوک لگی ہوئی معلوم ہوتی ہے - تاہم بہتر ہے تمہارے لیئے کھانے کا انتظام ہو جائیگا اور تمہیں علیحدہ کمرہ آرام کے لیئے مل جائیگا اسوقت تمہارا حال بھی سنونگی شہزادی ابھی اپنی بات کو ختم نہ کر چکی تھی کہ خواصیں جاگ اٹھیں اور ایک اجنبی کو شہزادی کے پاس کھڑا دیکھ کر حیران ہوئیں کہ یہ جوان چوکی پہروں اور ہم سے گذر کر شہزادی کے پاس کیسے جا پہنچا - شہزادی نے خواصوں کو متفکر دیکھ کے حکم دیا - کہ جلد مہمان کے لیئے کھانا تیار کریں -

کوئی حادثہ واقعہ ہو جائے تو میں بری الذمہ ہوں۔ بادشاہ کو یہ دیکھکر بڑا فکر ہوا اور بولا۔ تو نے پہلے ہی اسے کیوں نہ بتادیا۔ ہندوستانی نے جواب دیا۔ آپ بھی دیکھتے ہی تھے۔ کہ اس نے مجھے بات کرنے کی تو فرصت نہیں دی۔ پھر بتا کس وقت دیتا۔ مگر ایک امید پڑتی ہے کہ شاید جب بہت دور ہو جائے۔ اسوقت اتفاقاً شہزادے کو دوسرا پیچ ہاتھ آجائے اور آسکے پیچھے سے وہ زمین پر اتر آئے۔ بادشاہ کہنے لگا۔ بالفرض اگر وہ گھوڑا شہزادے کو کسی پہاڑ یا ندی نالے میں اتر آئے؟ ہندوستانی نے جواب دیا۔ اس سے آپ اطمینان رکھیں پہاڑ پہ تو شہزادہ اتر لیگا نہیں۔ اور دریا میں اسے گھوڑا ڈوبنے نہیں دیتا۔ خواہ کیسا ہی چوڑا پاٹ کیوں نہ ہو۔ وہ تیر کر اسے باہر لیجائیگا۔ بادشاہ بڑا غمگین ہوا اور حکم دیا کہ ایک مہینے کی تمہیں مہلت دیتا ہوں۔ اگر شہزادہ اسوقت تک نہ آیا تو تیری جان لونگا۔ یہ کہکر حکم دیا کہ اس ہندوستانی کو جیل میں بہ حفاظت رکھا جائے۔ غرض نوروز کی خوشی بیدل بہ غم والم ہو گئی۔ اب فیروز شاہ کا حال سنو وہ بدستور ہوا میں اڑتا چلا جاتا تھا۔ حتی کہ ایک پہاڑ پر ہی کے دھیلے نظر آنے لگ گئے۔ اس نے چاہا کہ اب زمین پہ اترنا چاہئے فوراً اسی پیچ کو الٹا گھمایا مگر کچھ اثر نہ ہوا۔ وہ بڑا گھبرایا کہ واپسی کی کل کا پہلے ہی کیوں نہ پتہ لیلیا۔ اب ضرور جان مصیبت میں جائیگی۔ پھر مایوس ہو کر سر اور گردن کو ٹٹولا۔ آخر ڈھونڈنے ڈھونڈتے داہنی کان کے پیچھے ایک پیچ نظر آگیا۔ گھمایا تو فوراً اسی تیزی سے گھوڑے نے اترنا شروع کیا۔ جس سے وہ اوپر کو چڑھا تھا۔ آخر آدھی رات کے وقت گھوڑے کے پاؤں زمین سے لگے فیروز شاہ جو دن بھر کی بھوک پیاس سے سخت ماندہ ہو رہا تھا فوراً نیچے اترا۔ اور دیکھنے لگا کہ میں کہاں ہوں۔ آخر اسے معلوم ہوا۔ کہ میں ایک بڑے محل کی چھت پر کھڑا ہوں۔ اسکے بعد اسے نیچے اترنے کے لئے زینے کی تلاش ہوئی۔ اور تجسس سے اس نے زینہ بھی پا لیا جسکا ایک کپاٹ اتفاق سے کھلا رہ گیا تھا۔ شہزادے نے سوچا۔ نیچے کو چلتا ہوں مگر معلوم نہیں کہ کسی دوست سے مقابلہ پڑیگا یا دشمن سے تاہم جو ہوگا دیکھا جائیگا۔ مجھے پہنتا دیکھکر کوئی بھی کچھ پرواہ نہ کریگا۔ جب تک کہ میرا حال نہ دریافت کرے۔ یہ سوچکر نیچے اترا۔ اور اپنے تئیں ایک بڑے دالان میں پایا جس میں چاروں طرف خواجہ سرا دولا بتاں لگائے پڑے

ہو گیا اور ارکین دربار بڑے خفا ہوئے مگر بادشاہ کے ادب کا خیال کر کے چپ ہو رہے ۔ البتہ شہزادہ فیروز شاہ اس ہتک کو برداشت نہ کر سکا اور بادشاہ سے کہنے لگا حضور! اگر آپ اس ہندوستانی کی درخواست منظور کر لینگے تو ہمارے خاندان کی بڑی بدنامی ہوگی ۔ بادشاہ نے جواب دیا لیکن ایسی عجیب چیز بھی تو پھر نہیں ملیگی ۔ ولیعہد نے جب یہ سمجھا کہ بادشاہ ہندوستانی کی منہ مانگی قیمت دینے کو راضی ہے تو بولا ۔ اچھا! ذرا مجھے بھی تو امتحان کر لینے دیجئے ۔ پھر لینا نہ لینا آپ کا اختیار ہے ۔ ہندوستانی نے جواب دیا ۔ بہت خوب ۔ آپ بھی آزما لیں فیروز شاہ فوراً گھوڑے پر سوار ہو گیا اور گردن کے پیچ کو مروڑ دیا ۔ گھوڑا فوراً آسمان کی طرف اڑا اور تھوڑی ہی دیر میں سب کی نظروں سے غائب ہو گیا ۔ تب ہندوستانی بولا ۔ خداوند! شہزادے نے بڑی جلدی کی اور مجھے فرصت نہ دی ۔ کہ اُسے سب حال کھول اور پیچوں کا بتاؤں ۔ کہ وہ کس پیچ سے اوپر جاتا اور کس سے واپس آتا ہے ۔ فقط ایک ہی کل کو دیکھ کر وہ سوار ہو گیا ۔ مگر اس سے وہ واپس نہیں آسکیگا ۔ اسلئے اگر شہزادے پر

تصویر فیروز شاہ کے کل کے گھوڑے پر چڑھنے اور اُسکے آسمان کیطرف اڑنے کی



تھا۔ نوروز کا جشن منانے کے لئے اپنے شہر سے باہر گیا۔ امرائے دربار نے حاضر ہو کر نذریں
پیش کیں اور تحفے گذارے۔ کاریگر بھی اپنی اپنی اعلیٰ کاریگریوں کے نمونے لائے۔ اور سب
نے حسب حیثیت انعام پائے۔ ان میں ایک ہندوستانی کاریگر بھی تھا جس نے حاضر ہو کر آداب
بجا لانے کے بعد ایک کل کا گھوڑا پیش کیا۔ اور عرض کی کہ غلام نے اسکو بہت بڑی محنت اور
کاریگری کے ساتھ ایک عرصہ میں خاص حضور کے لئے تیار کیا ہے۔ یقین ہے کہ آجتک ایسا
نادر تحفہ کسی نے بھی حضور کی خدمت میں پیش نہ کیا ہوگا۔ بادشاہ نے جواب دیا اس میں کاریگری
کی کیا بات ہے۔ لکڑی کا گھوڑا ہے۔ اور اسپر چاندی سونے کے نقش و نگار کیئے گئے ہیں یہ
کوئی بڑی بات نہیں۔ یہاں کے کاریگر بھی تو ایسی کاریگری دکھا سکتے ہیں ہندوستانی بولا۔
نہیں صاحب اپنے اس میں وہ صنعت رکھی ہے کہ میرے سوا دوسرے کی طاقت نہیں کہ اسکی
کیفیت بھی دریافت کر سکے۔ اس گھوڑے میں ایسی کل ہے کہ اگر اسپر چڑھ کر اسے گھما یا جائے
تو یہ آسمان کی طرف لے اڑتا ہے اور ایک دوسرے پیچ کے مروڑنے سے پھر واپس آجاتا ہے
اگر ارشاد ہو تو میں ابھی اسپر سوار ہو کے بھی حضور کو دکھا سکتا ہوں۔ بادشاہ یہ سنکر بڑا مشتاق
ہوا کہ اسکا تماشا دیکھے۔ پھر اسے سوار ہونیکی اجازت دی۔ وہ ہندوستانی اچک کر جھٹ زین
میں جا بیٹھا۔ اور بادشاہ سے پوچھا۔ کدھر جانے کا حکم ہوتا ہے۔ جواب ملا وہ سامنا پہاڑ اگرچہ
زیادہ دور نہیں صرف ڈیڑھ کوس کے فاصلے پر ہی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تو وہاں جا کر
اسکے نیچے جو درخت کھجور کا لگا ہوا ہے۔ اس سے ایک پتہ توڑ لائے۔ یہ سنتے ہی اس کاریگر
نے گھوڑے کی گردن کے پاس سے ایک پیچ مروڑا اور فوراً آسمان کیطرف اڑا۔ ارکان حکومت
اور بادشاہ اس امر کو دیکھکر واہ واہ کرنے لگے۔ اور پاؤ گھڑی بھی نہ گذری تھی کہ وہ ہندوستانی
ہاتھ میں کھجور کی شاخ لیکر آتا دکھائی دیا اور طرفۃ العین میں گھوڑے کو زمین پر کھڑا کر کے
وہ شاخ بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دی۔ بادشاہ نے پوچھا۔ اس گھوڑے کی کیا قیمت
ہے ہندوستانی سوداگر نے جواب دیا۔ میں اسے بیچنا نہیں چاہتا۔ ہاں ایک شرط اور پوری
کر دیں تو یہ مفت میں حاضر ہے۔ بادشاہ نے پوچھا وہ کیا شرط ہے۔ ہندوستانی کاریگر بولا۔
گستاخی معاف۔ اگر حضور شہزادی کو میرے عقد میں دیدیں تو یہ گھوڑا حاضر ہے۔ بادشاہ نے یہ

احکام کی بھی تعمیل قبل از اجلاس کردی کہ جب خلیفہ نے دربار میں اس لڑکے کو بھی اپنے ساتھ تخت پر بٹھالیا۔ پھر فریقین مقدمہ حاضر ہوئے۔ خلیفہ نے فرمایا۔ تم اپنے اپنے دلایل اس لڑکے کے سامنے بیان کرو۔ یہی تمہارا فیصلہ کریگا۔ غرض مدعی اور مدعا علیہ دونوں نے اپنا اپنا حال اس لڑکے کو سنا دیا اور تاجر بغدادی انکار کرنے کے بعد قسم کھانے پر مستعد ہوگیا۔ وہ لڑکا بولا ابھی حلف کی ضرورت نہیں پہلے اس مٹھلیا کو لاؤ۔ چنانچہ مٹھلیا حاضر کیگئی۔ خلیفہ نے خود اس کا روغن چکھا اور ان دو روغن فروشوں کو بھی چکھایا جو اسی مطلب کے لئے پہلے سے بلوائے گئے ہوئے تھے۔ سب نے رائے اسی پر قرار دی کہ روغن کا ذائقہ نہیں بگڑا۔ اور یہ اسی سال کا بنا ہوا ہے۔ تو لڑکا بولا تم جھوٹ کہتے ہو۔ علی خواجہ تو سات برس ہوئے اس مٹھلیا کو تاجر بغدادی کے پاس چھوڑ گیا تھا۔ اس برس کا روغن اس میں کہاں سے آگیا؟ روغن فروش بولے اسکا تو ہمیں کوئی علم نہیں ہے۔ ہاں! ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ روغن جو اس مٹھلیا میں ہے اسی سال کا ہے۔ آخر تاجر بغدادی نے اپنے قصور کا اقرار کیا۔ پھر وہ لڑکا خلیفہ سے کہنے لگا حضور! کل ہم نے اس مقدمے کی نقل کی تھی مگر ہمیں سزا دینے کا مقدور نہ تھا۔ اب آپ اس مجرم کو مناسب سزا دیجئے اور علی خواجہ کی ایکہزار اشرفیاں اس سے دلوا دیجئے۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ تاجر بغدادی کو پھانسی پر لٹکایا جائے اور علی خواجہ کی اشرفیاں جہاں مجرم کے نکال کے اسے دیجائیں۔ پھر اس لڑکے کو خلیفہ نے گلے لگایا۔ خلعت اور ایکہزار اشرفیاں انعام دیں۔ اور باعزاز اسکے گھر پہنچا دیا۔ نیز قاضی شہر کو شرمندہ کیا۔ اگلے دن شہرزاد نے دنیازاد کے کہنے پر کل کے گھوڑے کا قصہ سنانا شروع کیا اور بولی:۔

کل کے گھوڑے کی حکایت

حضور! یہ تو آپ جانتے ہی ہیں۔ کہ پارسی لوگ نوروز کے دن مدت ہا مدت سے جشن کرتے ہیں۔ یہ لوگ اسدن ناچ تماشے دیکھتے اور نوادرات تحفتہً بڑے بڑے آدمیونکی خدمت میں پیش کرتے ہیں بلکہ دور دور کے کاریگر اپنی مصنوعات بادشاہ وقت کی خدمت میں پیش کرکے انعام پاتے ہیں۔ ایکدفعہ کا ذکر ہے کہ فارس کا بادشاہ جو دادودہش میں شہرہ آفاق

روغن زیت کب تک اچھا رہتا ہے - وہ بولے اگر بڑی احتیاط سے رکھا جائے تو تین سال تک
بعد اس کا رنگ و مزہ متغیر ہو جاتا ہے بلکہ پھر اسے پھینک دیا جاتا ہے - پھر فرضی قاضی نے
ان فرضی روغن فروشوں سے کہا - اس مٹکیا کے روغن کو چکھ کر بتاؤ کہ کتنا پرانا روغن ہے
فرضی روغن فروشوں نے مٹکیا سے تھوڑا سا روغن زیت کو نکال کر چکھا اور بولے یہ تو بہت
اچھا ہے اور اسی سال کا معلوم ہوتا ہے وہ فرضی قاضی بولا - تم جھوٹ کہتے ہو - علی خواجہ کو
سات برس ہوئے کہ اس مٹکیا میں روغن تاجر کے گھر رکھ گیا تھا اور تم اس روغن کو ایک
سال کا بتاتے ہو - وہ فرضی روغن فروش بولے - صاحب! اسکی بابت ہمیں کچھ خبر نہیں مگر بلاشبہ
یہ روغن اسی سال کا ہے - چنانچہ تاجر بغدادی بھی اس سے انکار نہیں کریگا - اگر اسے چکھنے
کے لئے آپ حکم دیں - فرضی قاضی نے فرضی تاجر بغدادی کو چکھ کر رائے دینے کا حکم دیا - اور
اسنے بھی اقرار کیا کہ یہ بالکل بالکل تازہ ہے - یہ سنکر فرضی قاضی نے حکم دیا کہ درحقیقت یہ تاجر
خائن ہے اور اس نے پھانسی پانے کے قابل جرم کیا ہے - یہ سنکر سب لڑکے تالیاں بجانے
لگے اور اچھلنے کودنے لگے اور اسی لڑکے کو جسے فرضی قاضی نے مجرم قرار دیا تھا سزا دینے
کے واسطے لیگئے - خلیفہ لڑکے کے فیصلہ پر بڑا خوش ہوا اور وزیر جعفر سے فرمایا کہ اس لڑکے کو
پہچان رکھو - کل اسے میرے پاس دربار میں حاضر کرو اور قاضی کو بھی حکم دیجیو کہ آکے فیصلہ
کرنے کا سبق اس لڑکے سے لے - نیز علی خواجہ کو کہلا بھیجو کہ اس مٹکیا کو ہمراہ لیتا آئے - اور
شہر کے دو روغن فروش بھی قبل از اجلاس دربار میں حاضر رہیں - یہ حکم دیکر خلیفہ اپنے محل کو
چلا گیا اور وزیر اپنے گھر آیا - جب صبح ہوئی وزیر اس محلے میں گیا - جہاں رات لڑکوں نے
قاضی کی نقل کی تھی اور سکول کے معلم سے پوچھا کہ آپکے شاگرد کہاں ہیں - اسنے جواب دیا
ابھی تک مکتب میں نہیں آئے - پھر آدمی بھیجکر ان سب لڑکوں اور انکے ماں باپ کو بلایا
جب سب آگئے وزیر نے لڑکوں سے پوچھا رات تم میں سے قاضی کون بنا تھا - بڑا لڑکا کہنے
لگا میں بنا تھا - وزیر نے اسے کہا میرے ساتھ چل تجھے خلیفہ نے یاد فرمایا ہے - یہ سنکر
اس لڑکے کی ماں ڈر گئی مگر وزیر نے اسے تسلی دی - کہ میں ایک گھڑی لیجاتا ہوں - یہ سنکر
اسنے بیٹے کو صاف ستھرے کپڑے پہنائے اور وزیر کے ساتھ روانہ کیا - وزیر نے

کو علی خواجہ اور دوسرے کو تاجر بغدادی بناکر اس لڑکے کے روبرو لیگئے جو قاضی بن کے بڑے شکوہ سے بیٹھا تھا - اس قاضی نے مدعی کا دعویٰ سنکر تاجر سے پوچھا کہ تو اسکی اشرفیاں نہیں دیتا - تاجر بغدادی جھٹ حلف اٹھانے پر تیار ہو گیا - کہ میں نے اسکی اشرفیاں کو دیکھا تک نہیں - مگر وہ قاضی بولا قبل اسکے تو حلف اٹھائے - میں اس ٹھلیا کو دیکھنا چاہتا ہوں جس میں وہ روغن بھرا تھا - فرضی مدعی جھٹ ایک ٹھلیا اٹھا لایا اور فرضی قاضی



تصویر لڑکوں کے قاضی بنکر فیصلہ کرنے اور خلیفہ ہارون رشید کی خفیہ مخبری کی

نے مدعی و مدعا علیہ دونوں سے پوچھا - کیا ٹھیک یہی وہ ٹھلیا ہے - دونوں نے کہا - ہاں صاحب یہی وہ ٹھلیا ہے - پھر قاضی نے اسے لیلیا اور تھوڑا سا روغن نکالکر چکھا اور کہنے لگا اسکا مزہ تو بہت اچھا ہے - میں تو سمجھتا تھا کہ سات سال کے بعد بگڑ گیا ہوگا - پھر فرضی قاضی نے حکم دیا کہ باہر سے دو روغن فروشوں کو بلا لاؤ - وہ لڑکے اپنے گروہ میں سے دو لڑکوں کو روغن فروش قرار دیکر فرضی قاضی کے پاس لیگئے - قاضی نے پوچھا کہ

تاجر صاف مکر گیا اور گرج کر بولا یہ بھی ایک ہی ہوئی - نیکی کا بدلہ بدی اسی کو کہتے ہیں - آپ نے جہاں اور جیسے اسکو رکھا - وہیں سے آپ اٹھا لیگئے - اب مجھ پر ایسی تہمت لگاتے ہو کیا آپ نے اسوقت مجھ سے اشرفیوں کی بابت کہا تھا - اسوقت تو صرف روغن کی بابت ذکر کیا تھا - اور وہ موجود ہے - یہ سنکر علی خواجہ نے گڑگڑا کر التجا کی کہ بھائی میری وہی تمام پونجی ہے - میرے حال پر رحم کرو - اور میری اشرفیاں مجھے موڑ دو - مگر تاجر بغدادی نے جھڑک کر کہا - تم بڑے ایماندار آدمی ہو - دیکھو پھر مجھے ایسی بات کہی تو میں بری طرح پیش آؤنگا - فوراً اٹھو اور یہاں پھر کبھی نہ آنا - علی خواجہ روتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا - اسمیں محلے کے لوگ بھی آ جمع ہوئے اور علی خواجہ کی کہانی سنکر بعض اُسے قابل رحم سمجھتے تھے - کوئی کوئی اُسے مفتری بھی قرار دیتا تھا - مگر بہت جلد یہ خبر شہر بھر میں مشہور ہو گئی - آخر علی خواجہ نے تنگ ہو کر قاضی شہر کے پاس نالش کی - قاضی نے پوچھا - تیرا کوئی گواہ بھی ہے - علی خواجہ نے جواب دیا - خدا کے سوا اور کوئی میرا گواہ نہیں - نہ ہی میں نے اپنے دوست پر یہ دیانتی کا جب کیا تھا - پھر قاضی نے تاجر بغدادی کو قسم دی اُسنے فوراً حلف اٹھا لیا کہ مجھے علی خواجہ کی اشرفیوں کا کچھ بھی علم نہیں ہے - قاضی نے علی خواجہ کا استغاثہ خارج کر کے تاجر بغدادی کو بری کر دیا - اگلے دن علی خواجہ نے خلیفہ کے دربار میں اپیل کی - خلیفہ نے حکم دیا کہ مدعی اور مدعا علیہ کل حاضر ہوں - جب آپ اس مقدمے کو فیصل کرونگا - اُسدن جمعہ تھا اور خلیفہ حسب معمول شام کیوقت بھیس بدلکر شہر کی سیر کے لئے نکلا - راستے میں ایک جگہ لڑکوں کے کھیلنے کا شور و غل سنا اور دور سے دیکھا کہ دس بارہ لڑکے چاندنی میں کھیل رہے ہیں - خلیفہ کھڑا ہو کر انکا کھیل دیکھنے لگا - چنانچہ ایک لڑکے نے جو نہایت خوبصورت تھا - دوسروں سے کہا - کہ آؤ - ہم تم مل کے قاضی کا کھیل کھیلیں - میں قاضی بنتا ہوں - تم میں سے ایک لڑکا علی خواجہ اور دوسرا تاجر بغدادی بنکر میرے پاس مقدمہ لائیں - میں اسکا فیصلہ کرونگا - خلیفہ اُن دونوں کا نام سنکر حیران ہوا کیونکہ ابھی آج ہی اس مقدمے کی بابت اُس کے پاس ایک عرضی آ چکی تھی - سوچنے لگا - کہ یہ ایسا مشہور مقدمہ ہے جسے شہر کا بچہ بچہ جانتا ہے - غرض وہ لڑکے اپنے میں سے ایک

عورت روغن زیت کی بڑی شایق تھی۔ بولی۔ میرا جی روغن زیت کا بڑا خواہشمند ہے۔ تاجر بولا ہاں اسمجھے یاد آگیا۔ علی خواجہ سات برس ہوئے مکہ کو جاتے وقت میرے گدام میں روغن زیت کی مٹھلیا امانت چھوڑ گیا تھا۔ اور اسکا آج تک واپس نہ آنا مجھے شک میں ڈالتا ہے۔ کہ کہیں راستے ہی میں تمام نہ ہوگیا ہو۔ اور اسکا روغن بگڑ نہ گیا ہو۔ تو اسمیں سے تھوڑا سا نکالکر تم کھا سکتی ہو۔ ذرا مجھے ہی ایک رکابی اور دیا لادو تاکہ میں تھوڑا سا اسمیں سے نکال لاؤں۔ اسکی بی بی بڑی ایماندار اور صاحب دیانت عورت تھی اسنے منع کیا کہ امانت میں خیانت کرنی ٹھیک نہیں۔ مگر اسنے ایک نہ سنی اور خود رکابی اور دیا لیکر گدام کیطرف روانہ ہوا اور کوٹھڑی ہی میں جاکر مٹھلیا کا منہ کھولا وہ روغن سڑکے متعفن ہوگیا تھا تاہم سوداگر نے اسے پلیٹ ہی لیا۔ اتفاقاً اسمیں ایک اشرفی بھی نکل آئی۔ اشرفی کو دیکھتے ہی تاجر نے کسی دوسرے برتن میں سارا روغن الٹ دیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ نیچے بری اشرفیاں ہی بھری ہیں۔ روغن صرف دھوکا دینے کے لیئے اوپر اوپر ہی ڈالا ہوا ہے۔ اسوقت تو اسنے سب کچھ مٹھلیا میں ڈالدیا۔ اور عورت کو آکے کہدیا۔ کہ فی الواقع روغن سڑ گیا ہے۔ مگر رات بھر اسے نیند نہ آئی۔ وہ سوچتا تھا کہ کب دن چڑھے۔ اور میں علی خواجہ کی اشرفیوں کو اپنے قبضہ میں لاؤں جب صبح ہوئی سورج نکلا وہ بازار گیا۔ اور تازہ روغن زیت لاکر اشرفیوں سمیت اگلا روغن نکال اسکی جگہ نیا بھر دیا اور مٹھلیا کا منہ جوں کا توں بند کر وہیں رکھدیا۔ اتفاقاً ایک ہی مہینہ بعد علی خواجہ بھی بغداد میں آیا اور اپنے اس دوست کو ملنے گیا۔ تاجر بغدادی اس سے بظاہر نہایت خوش ہوا۔ پھر علی خواجہ نے اپنی امانت مانگی۔ سوداگر بولا۔ صاحب مجھے کیا معلوم؟ آپ نے اسے کہاں رکھا تھا وہ چابی لیجیے اور جہاں مٹھلیا رکھی تھی وہیں سے لے لیجیے۔ علی خواجہ خوشی خوشی چابی سے مٹھلیا کو نکال لایا اور اپنے دوست کا شکریہ ادا کیا۔ مگر جب گھر جاکے اسے کھولا اور اسمیں اشرفیوں کا نشان بھی نہ پایا الٹے پاؤں واپس آکے اپنے دوست سے کہنے لگا۔ بھائی مجھے خدا کی قسم ہے کہ میں نے حج جاتے وقت اس مٹھلیا میں ایکہزار اشرفیاں رکھی تھیں مگر اسوقت اس میں سے مجھے ایک بھی نہیں ملی۔ اسکا کیا سبب ہے۔ اگر آپنے کسی ضرورت پر انہیں صرف کیا ہے تو کوئی حرج نہیں۔ جب پاس ہوں دیدینا

سے بہت سی دولت بار کر لایا۔ پھر اپنے بیٹے کو بھی اس غار سے اطلاع دیدی اور دونو
نے عمر بھر اس دولت کے سبب بڑی عیش و عشرت سے بسر کی۔ اگلے دن شہرزاد بولی۔

علی خواجہ اور تاجر بغدادی کی حکایت

خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں علی خواجہ نامی ایک شخص رہا کرتا تھا۔ اسکے نہ کوئی جورو
تھی اور نہ لڑکا۔ ایکدفعہ علی خواجہ نے متواتر تین رات خواب میں کسی بزرگ کو حج کے
لئے نصیحت کرتے دیکھا۔ علی خواجہ نے یہ خواب دیکھ اپنا گھر بار اور مال اسباب بیچ ڈالا۔
اور ایک قافلے کے ساتھ چلنے کی ٹھان لی۔ مگر جانے سے پہلے زاد راہ کے لئے روپیہ الگ
کرکے ایک ہزار اشرفیاں ایک ٹھلیا میں بند کرادیں سے روغن زیتون بھر اپنے ایک قدیمی
دوست کے ہاں امانت رکھدیں۔ کہ میں یہ روغن کی ٹھلیا کو آکے لیلونگا۔ وہ شخص جو اکری
پیشہ تھا اس نے اپنے گدام کی چابی علی خواجہ کو دی کہ آپ ہی جاکے اسے کسی جگہ رکھ آؤ۔
میں ہاتھ نہیں لگانا چاہتا۔ غرض علی خواجہ نے ٹھلیا کو اسکے گدام میں ایک محفوظ جگہ پر
رکھ چابی اُسے واپس لادی اور کچھ اسباب تجارت اونٹوں پر لادکر قافلے کے ساتھ مکے کیطرف
روانہ ہوا۔ جب فرائض حج سے فراغت پالی۔ اسباب تجارت نکال کے ایک دوکان پر بیٹھ گیا
ایکدن دو سوداگر اسکی دوکان کے سامنے سے گذرے اور آپس میں کہنے لگے۔ کہ اگر یہ
شخص اپنے اسباب کو لیکر مصر میں جائے تو یقیناً بڑا نفع پائے۔ علی خواجہ پہلے سے مصر کی
سیر کا خواہشمند تھا۔ بغداد کا خیال چھوڑ کے مصر کی طرف روانہ ہوا۔ اور قاہرہ میں پہنچکر اپنا
اسباب منافع کثیر پر فروخت کیا اور وہاں کی سیر دل کھولکر کی۔ پھر وہاں کا اسباب تجارت
خرید کر دمشق کا رخ کیا۔ راہ میں روشلیم اور اسکی مسجد کی زیارت کی۔ پھر دمشق میں پہنچا
اور اسکی زرخیزی و سرسبزی دیکھکر بغداد کی کیفیت بھول گیا۔ دمشق سے حلب موصل شیراز
کی سیر کے لئے نکل گیا اور وہاں سے سات برس کے بعد بغداد میں پہنچا۔ اب تاجر بغدادی
کی سنئے۔ اس عرصہ میں نہ تو اُسے علی خواجہ کی یاد آئی۔ نہ اسکی امانت کا خیال کیا ایک دن
شام کے وقت وہ اپنی بی بی کے ساتھ بیٹھا کھانا کھارہا تھا کہ روغن زیت کا ذکر چھڑا۔ اسکی

تصویر مرجینا کی تلوار ہاتھ میں لیکر ناچنے گانے اور عبداللہ کے طبلہ بجانیکی



اسکے کپڑے کھولے تو ایک پشمی قمیض چھپی ہوئی پائی ۔ اُسنے مرجینا کو گلے لگاکر آزاد کیا اور اپنے بیٹے سے کہنے لگا ۔ تم میرے سعادتمند بیٹے ہو ۔ اسلئے میں تمہیں اذن دیتا ہوں کہ تم مرجینا کو اپنے نکاح میں لیلو ۔ اُسنے کئی دفعہ بڑی عقلمندی کیساتھ ہماری جان بچائی ہے ۔ پھر خواجہ حسن کو باغ میں گڑھا کھود کر دفن کر دیا ۔ کئی روز کے بعد مرجینا اور علی بابا کے بیٹے کا آپس میں نکاح ہوگیا ۔ اور وہ لوگ بڑے امن و چین سے رہنے سہنے لگے اور مدتوں اس واقعہ کی خبر تک نہ ہوئی ۔ علی بابا نے ٹھگوں کے ڈر سے اس غار کا جانا موقوف کر دیا ۔ مگر ایکدن اتفاق سے اسکا گذر اودھر ہوگیا اور اسی راز سے اسکا دروازہ کھولکر اندر گیا دیکھا کہ سب سامان جوں کا توں رکھا پڑا ہے ۔ اُسے یقین ہوا کہ اب کوئی ڈاکو باقی نہیں رہے ۔ اسلئے وہ کئی دفعہ وہاں

کھانے کی وجہ معلوم ہوئی۔ غرض وہ دسترخوان پر کھانا لگا کے چلی گئی اور تیاری کرنے لگی کہ خواجہ حسن کا کام ختم کرکے اپنے آقا کو اسکے فریب سے محفوظ رکھے۔ جب علی بابا اور اسکے مہمان کھانے سے فراغت پاچکے۔ عبداللہ نے خبر دی کہ میوے بیچل مرجینا نے دسترخوان بڑھاکر میووں کی تشتریاں چن دیں۔ اور پھر ایک چوکی پر شراب کی بوتل اور تین گلاس لیجا رکھے اور آپ عبداللہ سمیت کھانا کھانے کے بہانے باہر چلی آئی۔ خواجہ حسن نے سوچا اب موقع ہے کہ میں علی بابا سے اپنا بدلہ لوں۔ مگر جب تک نوکر کھانا کھانے میں مصروف نہ ہولیں میں اپنے کام کو اچھی طرح سے نہیں کرسکتا۔ اسوقت علی بابا کا بیٹا میرا مانع آئیگا تو اسے بھی موت کے گھاٹ اتار کر باغ کے راستے باہر نکل جاؤنگا۔ اسکے اس عندیئے کو مرجینا نے بھی اسکی چتونوں سے تاڑ لیا اور کمرے میں جاکر جلد ہی جلدی ناچنے والیوں کا بھیس بدلا اور عبداللہ کو کہنے لگی۔ کہ اپنا طبلہ پکڑو اور چلو اپنے آقا کے مہمان کو گا بجا کر خوش کریں۔ غرض وہ دونوں نے وہاں آکے سب کو سلام کیا اور اجازت گانے بجانے کی حاصل کی۔ خواجہ حسن تو بڑا گھبراتا تھا۔ مگر علی بابا نے جواب دیا۔ ایسا گاؤ کہ ہمارا دوست خواجہ حسن خوش ہوجائے پھر عبداللہ نے طبلہ بجایا اور مرجینا نے ایک خنجر نکال کر گانا اور ناچنا شروع کیا کبھی تو وہ خنجر کو بغل میں داب لیتی کبھی پیٹ پر رکھتی۔ غرض اس نے خنجر کے ناچ کا ایسا پارٹ مزیدار کیا کہ سب خوش ہوگئے۔ پھر عبداللہ سے طبلہ لیکر ایک ہاتھ سے اسے پکڑا اور دوسرے میں خنجر پکڑ کر نٹنیوں کے معمول کے مطابق علی بابا سے انعام لینے کے لیے آگے بڑھی۔ علی بابا نے ایک اشرفی اسکے طبلے میں ڈالدی۔ پھر علی بابا کے لڑکے نے بھی اسیطرح ایک اشرفی دی دیکھکر خواجہ حسن بھی جلدی ہی اشرفی نکالنے میں مصروف ہوگیا۔ مرجینا نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھ کر فوراً خنجر اسکے پیٹ میں گھسیڑ دیا کہ خواجہ حسن تڑپ تڑپ کر چند منٹ میں سرد ہوگیا علی بابا اور اسکا بیٹا یہ دیکھکر مرجینا پر ناراض ہوئے۔ مگر وہ بولی۔ آپ خفا نہ ہوں۔ پہلے اس شخص کو غور سے دیکھ لیں۔ کہ کیا یہ وہی تیلی نہیں ہے جو اسدن فریب سے آپکی جان لینے لگا تھا۔ آج بھی اسکا نمک نہ کھانیکی یہی وجہ تھی۔ کہ یہ شخص موقعہ پاکر آپ کو قتل کرا چاہتا تھا۔ ذرا اسکے کپڑے کھولئے۔ تو آپ کو میری بات کا یقین ہوجائیگا۔ غرض علی بابا نے خوجے جو

دوسرے دن حسب معمول علی بابا کا لڑکا اور خواجہ حسن سیر کے لئے نکلے بوقت مراجعت علی بابا کا لڑکا اُسے اپنے باپ کے کوچے میں لے آیا۔ جب گھر کے دروازے پر پہنچے اُسنے خواجہ حسن کو وہیں ٹھہرا دیا اور آپ دروازہ کھلوایا۔ پھر خواجہ حسن سے کہنے لگا۔ یہ گھر میرے باپ کا ہے جب سے اُسنے میرے ساتھ تمہاری محبت کا حال سُنا ہے۔ تمہارے دیکھنے کا مشتاق ہے۔ اگر اندر چل کے اُس سے ملاقات کیجئے تو میری کمال خوشی کا موجب ہوگا۔ اگرچہ خواجہ حسن خدا سے اسی موقعہ کا طلبگار رہتا مگر اسوقت اُسنے اندر جانے سے تامّل کیا۔ اور چاہا کہ کوئی بہانہ بنا کر چلا جائے۔ مگر علی بابا کا لڑکا اُسے منت و سماجت کرکے اندر لے ہی گیا۔ خواجہ حسن علی بابا کو دیکھتے ہی کمال شگفتگی کے ساتھ ملا۔ علی بابا نے بھی بڑے تپاک سے ملاقات کی اور خیریت مزاج پوچھی۔ پھر کہنے لگا میں اپنے بیٹے سے تمہاری عنایات کا ذکر سن کر تمہارے دیدار کا کمال اشتیاق رکھتا تھا۔ الحمد للہ کہ آج خدا نے میری آرزو کو پورا کیا۔ خواجہ حسن نے بھی علی بابا کے ساتھ اختلاط و محبت کی باتیں کیں اور تھوڑی دیر کے بعد رخصت مانگی۔ علی بابا نے جواب دیا۔ صاحب! آپ اب کہاں جائینگے۔ میں نے تو تمہاری دعوت کی ہے۔ میرے لئے مہربانی کھانا کھاکے جانا۔ اگرچہ وہ آپکے قابل نہیں ہے۔ تاہم میری خاطر سے تھوڑا سا نوش فرمالیجئے گا۔ خواجہ حسن نے کہا۔ میں آپکی عنایات کا ازحد مشکور ہوں۔ مگر ایک امر ایسا ہے۔ جس سے میں زیادہ دیر تک نہ تو ٹھہر سکتا ہوں اور نہ کھانا کھا سکتا ہوں۔ مجھے دیر سے ایک ایسی بیماری لگ گئی ہے کہ میں نمک بالکل نہیں کھاتا اور آپکے ہاں بے نمک کھانا ہوگا نہیں۔ اسلئے مجھے معاف ہی رکھئے۔ علی بابا نے جواب دیا۔ خیر! تو یہ ایک معمولی بات ہے۔ میں ابھی جاکے باورچی کو منع کئے دیتا ہوں۔ یہ کہکر علی بابا باورچیخانہ میں گیا اور مرجینا سے کہا کہ کچھ کھانا بے نمک پکا ہو۔ وہ بولی۔ بے نمک کھانا کون کھائیگا۔ علی بابا نے جواب دیا۔ کوئی ہو۔ تجھے اس سے کیا؟ مرجینا نے کہا بہت اچھا۔ مرجینا سوچ میں پڑ گئی کہ وہ آدمی ہے کون؟ جو نمک نہیں کھاتا۔ ذرا میں بھی تو چلکے دیکھوں۔ غرض کھانا تیار کرکے ساتھ عبداللہ کو لیا۔ اور دیکھتے ہی خواجہ حسن کو پہچانا پھر بغور دیکھکر معلوم کیا کہ اُسکے کپڑوں میں ایک خنجر بھی چھپا ہوا ہے۔ اب اُسے بے نمک کھانا

غلام عبداللہ نے اپنے پچھواڑے کے باغ میں ایک بڑا سا گڑھا کھودا اور ان لاشوں کو بھی بمع توپ دیا۔ ہتھیار اور کپڑے ذخیرے میں رکھے۔ پھر اپنے غلام کے ہاتھ ایک ایک دو دو کرکے کپڑے بیچ چھوڑے اور ہتھیار بازار میں بکوا دئیے اور اپنی حالت ایسی بنائی رکھتا کہ کسی کو اسکے تمول پر شک نہ گذرے
غرض ڈاکوؤں کا سردار وہاں سے بھاگ کر اسی جنگل میں چلا گیا اور سوچنے لگا کہ کسی طرح اکیلے ہی علی بابا کی جان لینی چاہیئے ورنہ وہ سب دولت لیجائیگا۔ یہ سوچکر دوسرے دن شہر کی ایک کاروانسرا میں جا اترا اور اہل کاروانسرا سے شہر کے کسی تازہ واقعہ کی کیفیت پوچھی انہوں نے اس عرصے میں جو باتیں ہوئی تھیں سب سنا دیں۔ مگر علی بابا کا ذکر بھی نہ کیا۔ اس ڈاکو کا خیال تھا کہ اسقدر مُردوں کے اسکے گھر سے نکلنے کی وجہ کوتوال نے ضرور پوچھی ہوگی اور اب تک انکے عوض میں علی بابا کو پھانسی پر لٹکا دیا ہوگا۔ مگر یہ معلوم کرکے کہ علی بابا کا نام بھی کسی کو معلوم نہیں ہوا۔ ڈاکوؤں کا سردار اسکی ہوشیاری پر عش عش کر اٹھا اور ڈرا کہ ایسے ہوشیار شخص کے ہاتھ سے اپنی جان کا بھی خوف ہے۔ باوجود اس خیال کے اسنے انتقام کی ٹھان لی۔ اور چوک میں ایک دوکان کرائے پر لیکر اس غار سے قیمتی اسباب از قسم پارچات وہاں لا رکھا۔ اتفاق سے یہ دوکان قاسم کی دوکان کے سامنے واقع تھی۔ جس میں اب علی بابا کا بیٹا بیٹھتا تھا۔ ڈاکوؤں کے سردار نے اپنا نام خواجہ حسن مشہور کیا اور ارد گرد کے دوکانداروں سے راہ و رسم پیدا کرکے ہر ایک کے ساتھ اخلاق سے پیش آنے لگا خصوصاً علی بابا کے بیٹے کا تو وہ نہایت ہی عزیز دوست بنگیا اور اکثر اسی کے پاس نشست و برخاست رکھنے لگا۔ کئی دن بعد اس نے علی بابا کو جو اپنے بیٹے کو ملنے جایا کرتا تھا۔ پہچانا۔ اور اسکے لڑکے سے پوچھا۔ یہ کون ہے۔ اسنے جواب دیا میرا باپ ہے۔ خواجہ حسن پھر تو اس سے اور بھی محبت ظاہر کرنے لگا۔ تاکہ کوئی موقع انکے گھر میں داخل ہونے کا حاصل کرے۔ کئی دفعہ تحفے بھی دئیے اور با تکلف کھانے پکوا کر اسکی دعوت کیا کرتا۔ علی بابا کے بیٹے نے بھی ایکدن اسکی دعوت کرنی چاہی۔ مگر چونکہ اسکا مکان مختصر اور تنگ سا تھا اسلیئے اپنے باپ سے ذکر کیا۔ اسکے باپ نے جواب دیا۔ بہت اچھا۔ کل جمعے کا دن ہے تم اسے بے اطلاع دئیے ٹہلتے ہوئے میرے گھر لے آؤ۔ میں مرجینا کو دعوت کا سامان مہیا رکھنے کا حکم دے دونگا

سردار سمجھ کر بولے کیا وقت آگیا ہے۔ مرجینا نے جواب دیا نہیں۔ ابھی نہیں۔ وہ جس کپّے کے پاس جاتی یہی آواز سنتی اور سب کو ایک ہی جواب دیتی جاتی۔ آخر اُس تیسویں کپّے سے تیل لیا اور آکے چراغ جلایا۔ اُس نے سمجھ لیا تھا۔ کہ یہ تاجر ٹھگ ہے۔ اور میرے آقا کو دھوکے سے قتل کرنا چاہتا ہے۔ اسلئے چولہے پر ایک بڑی دیگ رکھکر اُس کپّے میں سے تیل نکال گرم کرنے لگی۔ جب تیل خوب جلتا بلتا ہوگیا تو دیگ میں سے ایک ایک لوٹا بھر کے ہر ایک کپّے میں ڈالدیا۔ جس سے وہ سینتیس جوان وہیں جل کے مُردہ ہوگئے۔ اس مہم سے کامیابی فراغت حاصل کر کے پھر وہ باورچیخانہ میں آکر لیٹ رہی اور انتظار کرنے لگی کہ دیکھوں اب انکا سردار کیا کرتا ہے۔ ایک گھنٹہ گذرا ہوگا کہ ڈاکوؤں کا سردار جاگا اور اپنے کمرے کے دروازے کو کھولکر چاروں طرف دیکھا۔ کہ اندھیرا چھایا ہوا ہے۔ پھر اپنے آدمیوں کو آوازدی۔ مگر کوئی جواب نہ ملا۔ سمجھا سو گئے ہوں۔ اسلئے خود باہر نکل کے اصطبل میں گیا۔ اور جس کپّے کے پاس جاکے اُسے ہلایا۔ اُسمیں سے جلے ہوئے مُردے کی بدبو کی بھبک نکلتی۔ جب سب ساتھیوں کا کام تمام پایا۔ پچھواڑے کی دوکان پھاند کر نکل گیا۔ مرجینا نے دیر تک اُسکا انتظار کیا۔ سمجھی کہ اب نہیں آئیگا۔ غرض پھر بیفکر ہو کے سو رہی۔ جب صبح ہوئی علی بابا حمام گیا۔ اور واپس آکے اُن کپّوں کو وہیں رکھے پایا۔ مرجینا سے پوچھا کیا وہ سوداگر ابھی تک نہیں گیا۔ مرجینا نے جوابدیا۔ خدا آپ کو صد و سی سال تک زندہ و سلامت رکھے ذرا میرے ساتھ آیئے۔ علی بابا اُسکے ساتھ اصطبل میں گیا۔ مرجینا باہر سے دروازہ بند کرکے اُسے ایک کپّے کے پاس لیگئی اور بولی۔ ڈریئے مت۔ اب یہ مرچکا ہے۔ علی بابا نے پوچھا اسے کس نے مارا۔ وہ بولی سب کپّوں کا معائنہ کرلیں۔ پھر میں سارا حال عرض کرونگی۔ غرض علی بابا نے سینتیس ہتھیار بند جوانوں کو کپّوں میں مُردہ پاکے بڑی حیرانی ظاہر کی۔ پھر مرجینا نے سب حال بیان کیا اور بولی۔ مجھے کئی دن سے شُبہے پڑ رہے تھے۔ مگر پہلے سے آپ کو اطلاع نہ دی تھی۔ علی بابا نے اُسکا شکریہ ادا کیا اور بولا میری جان محض تیری ہی بدولت بچی ہے۔ اب جو تو کہے میں تیرے ساتھ ویسی سلوک کرنیکو تیار ہوں۔ مرجینا بولی پہلے ان مُردوں کو ٹھکانے لگا دیجئے دن نکلا آتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ لینے کے دینے پڑ جائیں۔ پھر علی بابا اور اُسکے

پر پہنچکر دستک دی - علی بابا عین اسیوقت کھانا کھاکے چہل قدمی کر رہا تھا - دستک سنکر خود آگے آیا - سردار قزاقاں نے اُس سے صاحب سلامت کی اور بولا میرا گھر فلاں گاؤں میں ہے اور میں دیہات سے تیل لاکر شہر میں بیچا کرتا ہوں - آج راستے میں بڑی دیر ہوگئی - اسلئے دیسے یہاں پہنچا ہوں اب فکر ہے کہ رات کہاں بسر کروں - اسلئے آپ سے التجا کرتا ہوں کہ اگر اپنی حویلی کے میدان میں آج رات خچروں سمیت بسر کرنے کی اجازت دیں تو بڑا مشکور ہونگا علی بابا نے اُسکی درخواست منظور کی اور ایک مکان خالی کرادیا کہ یہاں رات بسر کرو - پھر ایک غلام کو خچروں کے دانہ پانی کی نگرانی کے لئے حکم دیا - اور مرجینا لونڈی سے کہا - ایک مہمان آیا ہے اُسکے لئے جلد کھانا لا - اور پلنگ پر بچھونے بچھا رکھ - جب ڈاکوؤں کے سردار نے پیپے اتارنے سے فراغت پائی تو علی بابا نے اُسکی بڑی خاطر کی - پھر اسکے اور وہی مرجینا کو بلاکے حکم دیا - کہ ہمارے مہمان کی خبر رکھنا اور میں علی الصبح ہی حمام کرونگا - کپڑوں کا ایک نیا جوڑہ نکال کے عبداللہ غلام کو دیدینا - پانی بھی گرم رہے اور فجر کے پینے کے لئے شوربا بھی رات کو ہی تیار کر رکھنا - یہ کہکر علی بابا تو سو رہا اور وہ سردار اصطبل کی طرف گیا خچروں کا دانہ کھاس دیکھکر ہر ایک پیپے کے نزدیک جاکر آہستہ سے کہا - خبردار رہنا آدھی رات کے بعد میں آواز دونگا تو تم پیپوں کو پھاڑ کر نکل آنا - اسکے بعد وہ خوابگاہ میں آیا - مرجینا روشنی لئے اُس کے ہمراہ تھی اُس نے پوچھا کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو فرما دیجیے - اُس ٹھگ نے جواب دیا نہیں - کوئی ضرورت نہیں - تم اب جاکے اپنا کام دیکھو - یہ سنکر مرجینا تو چلی آئی اور ٹھگ چراغ گل کرکے سوچنے لگا کہ ایک نیند سوکے اُٹھونگا تو اپنے آدمیوں کو آواز دونگا - اِدھر مرجینا نے کپڑوں کا جوڑا نکال عبداللہ کو دیدیا اور خود شوربا چولہے پر چڑھاکر لیٹ گئی - تھوڑی دیر کے بعد اُسے شوربا دیکھنے کے لئے چراغ کی ضرورت پڑی - مگر اتفاق سے سب چراغ گل ہوگئے تھے اور گھر میں تیل بھی نہ تھا - عبداللہ سے پوچھا - اب کیا کیا جائے - وہ بولا - تیل کا فکر کیوں کرتی ہو - گھر میں اڑتیس پیپے تیل کے بھرے پڑے ہیں - اصطبل میں ذرا جاکے دیکھو تو - اور جتنا تیل درکار ہو وہاں سے لے آؤ - یہ سنکر مرجینا نے عبداللہ کا شکریہ ادا کیا - اور اصطبل میں تیل لینے گئی - پیپوں میں چھپے ہوئے جوانوں کو جب مرجینا کے پاؤں کی آہٹ آئی - اپنا

خزانے کیطرف مڑ گئے۔ اور جب سب ساتھی اکٹھے ہو چکے اُس شخص کو جو پہلے دعویٰ کر کے
گیا تھا۔ اور پھر ناکام آیا تھا سب کے سامنے سزا دی گئی۔ سردار نے پھر کہا۔ جو شخص مجھے
میرے چور کا پتہ بتائیگا۔ میں اُسکے ساتھ نیک سلوک کرونگا۔ یہ سُنکر ایک دوسرا ڈاکو اُٹھ کے
اور بولا۔ اے سردار! میں تیرے چور کا پتہ لاتا ہوں۔ یہ کہا اور فوراً وہاں سے چلکر مصطفیٰ
کی دوکان پر آیا اور اُسے کئی اشرفیاں دیکر پہلے ڈاکو کی طرح علی بابا کے بھائی کے گھر لیگیا۔
اور اُسکے دروازے پر سُرخی سے نشان کر کے جنگل کو لوٹ گیا۔ سردار کو جاکے خبر دی۔ کہ
میں پتہ لے آیا ہوں۔ چلئے آپ کو بھی دشمن کا گھر دکھادوں مگر جینا اب ہر وقت چوکنی رہتی
تھی۔ آج اُسنے دروازے پہ سُرخ نشان دیکھکر سارے محلے کے دروازوں پر ویسے ہی
نشان دیدئے۔ اور چپکی ہو رہی۔ غرض وہ ڈاکو بڑی بہادری سے اپنے سردار اور کئی ساتھیوں
کو ہمراہ لایا۔ مگر اس محلے میں آکے کیا دیکھتا ہے کہ ہر گھر کے دروازے پر ویسے ہی سُرخ
نشان ہو رہے ہیں۔ یہ دیکھکر اُسکا رنگ زرد ہو گیا اور شرمندہ ہو کر لوٹ آیا۔ سردار نے
واپس آکر اُسے بھی وہی سزا دی جو پہلے کو دی تھی۔ آخر یہ سوچکر کہ آدمیوں سے یہ کام نہ ہوگا
خود مصطفیٰ کے پاس آیا اور اُسے کئی اشرفیاں دیکر قاسم کا مکان دکھانے پر راضی کر لیا۔ مصطفیٰ
اُسکے ساتھ آیا اور اُسنے وہ مکان دکھا دیا۔ ڈاکوؤں کے سردار نے اُس مکان پر ظاہری نشان
کوئی نہ کیا۔ البتہ اُسکے نقشے کو ذہن میں بٹھا کر جنگل کی طرف لوٹ گیا اور اپنے ساتھیوں سے بولا
میں اُس مکان کو خوب پہچان آیا ہوں۔ اب تم کہیں سے انیس خچر لاؤ اور اڑتیس کپّے۔ جن
میں سے ایک تیل سے بھرا ہوا اور باقی کے سینتیس خالی ہوں۔ غرض سب سامان مہیا کر لیا گیا
اور اگلے دن شام کے وقت ہر ایک خالی کپّے میں ایک ایک جوان مسلح ہو کر بیٹھ گیا۔ پھر دو دو
کپّے ایک ایک خچر پر بار کئے اور تیلیوں کی شکل بناکر وہ سردار قزاقان علی بابا کے بھائی کے
مکان کیطرف روانہ ہوا۔ جس میں اب علی بابا نے آکے سکونت اختیار کر لی تھی۔ سردار نے سب
کو سمجھا دیا تھا۔ کہ ہم اپنے چور کے مکان میں جاکے رات بسر کرینگے اور آدھی رات کے بعد جب
میں تمہیں اشارہ کروں۔ کپّوں کو پھاڑ کے فوراً باہر آجانا اور اپنے چور کو قتل کر کے جسقدر دولت
وہ ہماری لیگیا ہے۔ ہم اُن خچروں پہ لاد کر لائینگے۔ غرض علی بابا کے مکان کے دروازے

مجھے اُس مکان کا پتہ بتا دو یا چلکے دکھا دو۔ تو میں تمہارا بڑا مشکور ہونگا۔ مصطفےٰ نے جواب دیا ایک عورت یہاں سے میری آنکھوں پر رومال باندھ کے لیگئی تھی۔ اور پھر یہیں آنکھوں پر رومال باندھ چھوڑ گئی۔ ایسی حالت میں میں تمہیں کیسے اُس مکان کا پتہ بتا سکتا ہوں۔ ٹھگ نے کہا میں تمہاری آنکھ پر پٹی باندھ دیتا ہوں اور تم اٹکل سے اسی طرف چلو جدھر وہ تمہیں لیگئی تھی۔ میں تمہارے ساتھ ساتھ رہونگا۔ شاید اسی طرح سے اُس مکان کا پتہ ملجائے اور تمہاری اس مہربانی کے عوض ایک اشرفی تمہیں اور دونگا۔ یہ کہکر ایک اور اشرفی جیب سے نکال اسکے ہاتھ پر رکھدی۔ مصطفےٰ نے لالچ میں آکر آنکھوں پر پٹی باندھلی اور اپنی یاد داشت کے بھروسے قاسم کے مکان کیطرف ڈاکو کو لیچلا۔ اور ٹھیک وہیں پہنچکر ٹھہر گیا کہ یہیں وہ عورت مجھے لائی تھی۔ ٹھگ نے اس دروازے پر چاک کا نشان کر دیا اور مصطفےٰ کی آنکھیں کھول ڈالیں۔ پھر اس سے مکان کے مالک کا نام پوچھا۔ مصطفےٰ نے جواب دیا۔ میں اس محلے کے لوگوں سے واقف نہیں اسلئے اس مکان کے مالک کا نام نہیں بتا سکتا۔ ٹھگ نے سمجھا کہ مصطفےٰ سے اور حال نہیں معلوم ہوگا۔ ناچار اس کا شکریہ ادا کرکے وہاں سے رخصت ہوا اور سیدھا جنگل میں اپنے سردار کے پاس آیا۔ مرجینا اتفاق سے اسوقت کسی کام کے لئے باہر گئی ہوئی تھی۔ جب لوٹ آئی اپنے دروازے پر چاک کا نشان دیکھ کان کھڑے ہو گئے۔ اور سوچنے لگی کہ یہ کام ضرور کسی دشمن کا ہے۔ یہ سوچکر محلے کے سب دروازوں پر ویسے ہی نشان بنا دئے اور کسی کو اس راز سے اطلاع نہ دی۔ ادھر وہ ڈاکو جب اپنے جتھے میں پہنچا۔ اُن سے سارا حال بیان کیا۔ اُسکے ساتھی سردار سمیت ایک ایک کرکے شہر میں آئے۔ اور جب وہ ڈاکو اپنے سردار کو مکان کی شناخت کرانے گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ سامنے محلے کے دروازوں پر ویسے ہی کھریا کے نشان بنے ہوئے ہیں۔ جیسا اپنے مطلوبہ گھر کے کر گیا تھا۔ اسے بڑی حیرت ہوئی۔ اور اپنے سواروں کے ساتھ اسے سخت شرمندگی اٹھانی پڑی۔ آخر معذرت کرکے وہاں سے وہ لوٹ گئے۔ وہ پہلا ڈاکو جو اپنے سردار کو اپنے دشمن کا مکان دکھانے آیا تھا۔ حیران تھا کہ دروازوں پر ویسا ہی نشان کیسے بنگیا۔ آخر وہ چوک میں آئے۔ اور راستے میں اُنسے جو ساتھی ملتا گیا۔ ہر ایک کو بات بتاتے گئے کہ یہیں ناکامی ہوئی ہے۔ تم سب لوٹ چلو۔ غرض سب کے سب پھر

خوشبوئیاں لگا جنازے میں رکھدیا۔ اتنے میں علی بابا بھی آپہونچا اور دونوں نے ملکر جنازے
کو قبرستان میں لیجانے کی تیاری کی۔ مرجینا جاکے ایک امام مسجد کو بلا لائی۔ اور جب وہ
آگیا چار ہمسایوں نے جنازے کو کندھوں پہ اٹھایا۔ پھر قبرستان میں لیجاکر نماز جنازہ
ادا کی۔ اور علی بابا اور چاروں ہمسائے جنازے کو دفن کرکے واپس آگئے۔ قاسم کی
بی بی اور مرجینا رو پیٹ رہی تھیں آخر علی بابا نے چالیس روز تک اپنے بھائی کا ماتم کیا
محلے کی عورتیں آئیں اور تسلی کی باتیں کرکے چلی جاتیں۔ مگر علی بابا۔ بیوہ قاسم۔ مرجینا اور
علی بابا کی بیٹی کے سوا اصلی راز کا کسی کو پتہ نہ تھا۔ غرض جب ایام عدت گذر گئے۔ قاسم
کی بیوہ نے علی بابا کے ساتھ نکاح کرلیا۔ علی بابا کا ایک بیٹا بھی تھا جو امور تجارت میں آگاہ
ہوگیا دوکان اسکے سپرد کردی۔ اور سب لوگ آرام سے رہنے سہنے لگے۔ اب ان قزاقوں کا
حال سنئے جب وہ ایکدن اسی غار میں حسب معمول آئے۔ پہلے ہی قاسم کی لاش کو تلاش کیا۔
مگر وہاں اسکا کچھ نشان نہ تھا۔ علاوہ ازیں دیکھا کہ خزانہ بھی بہت سا خالی ہوگیا ہوا ہے
انکا سردار بولا۔ اگر ابھی اسکا تدارک نہ ہوا تو انجام میں سخت قباحت نکلے گی۔ اور ہماری
پشت ہا پشت کی جمع کی ہوئی دولت مفت میں ہاتھ سے نکل جائیگی۔ بلا شبہ علاوہ اس مقتول
کے اور شخص بھی ہمارے اسرار سے آگاہ ہے جو اس لاش اور ہماری بہت سی اشرفیوں کو
بھی لیگیا ہے۔ اب مناسب یہ ہے کہ ہم میں سے ایک ہوشیار آدمی شہر میں جاکر اس کا
کھوج نکالے اور پھر اسے ٹھکانے لگا دیا جائے۔ ورنہ خیر نہیں دکھائی دیتی۔ یہ سنکر ان
میں سے ایک نے کہا۔ میں جاکے پتہ نکالتا ہوں ورنہ اسی تلاش میں جان دونگا۔ غرض
جب اندھیرا چھا گیا وہ ڈاکو شہر میں آیا۔ اور علی الصبح چوک بازار میں آکر ادھر ادھر دیکھنے
لگا۔ سوائے مصطفے درزی کے اور سب دوکانیں بند تھیں۔ ٹھگ نے اسی پیر مرد سے
جاکے صاحب سلامت کی۔ اور بولا۔ ابھی اندھیرا ہے۔ آپ اسوقت سینے کا کام کیسے
کرسکتے ہیں؟ مصطفے نے جواب دیا۔ میری بینائی ایسی تیز ہے کہ تھوڑے ہی دن ہوئے
سینے ایک اندھیرے مکان میں ایک مردے کا کفن سیا ہے۔ ٹھگ کو کھٹک گئی کہ ہو نہ ہو
بھید کھلنے کا یہی رستہ ہے فوراً ایک اشرفی نکال اسکے ہاتھ پر رکھدی۔ اور بولا۔ اگر

کرنے کی کوشش کرو اور تمہاری بی بی کو اطلاع دیکر بھی ابھی تمہاری مدد کیلئے آتا ہوں۔ غرض وہ اپنی بھاوج کے پاس گیا اور اُسے سب کیفیت سے اطلاع دیکر بولا۔ اب جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ مگر خیریت اسی میں ہے کہ اس راز کو محفوظ رکھا جائے۔ مرضی الٰہی سے کوئی چارہ نہیں۔ صبر و شکر کرکے ایام عدت گذارو اور اسکے بعد مجھ سے نکاح پڑھوا لینا۔ میری بی بی تمہارا حسد نہ کریگی اور تم بھی آرام سے رہو گی۔ قاسم کی بیوہ نے رو رو کے کہا۔ اب مجھے تمہاری مرضی کے خلاف کام کرنیکی ضرورت نہیں۔ اور جو تم فرماؤ گے وہی کرونگی۔ کیا مجال ہے۔ کہ یہ راز کسی پہ آشکارا ہو سکے۔ یہ کہکے وہ تو رونے پیٹنے لگ گئی اور علی بابا نے باہر آکے مرجینا کو اپنے بھائی کے کفن دفن کی مشورت دے گھر کا راستہ لیا۔ اس کے چلے جانے کے بعد مرجینا فوراً عطار کی دوکان پر گئی اور اس سے وہ دوا مانگی جو بیمار کو نزع کے وقت دیا کرتے ہیں۔ عطار نے پوچھا تیرے گھر میں کون ایسا بیمار ہے۔ مرجینا بولی میرا آقا کئی روز سے نہ کچھ کھاتا پیتا ہے نہ بولتا ہے۔ اگلے دن وہ پھر اسی عطار کے پاس جاکر وہ دوا مانگنے لگی جو آخر وقت میں بیمار کو دیا کرتے ہیں۔ اور آہ کھینچکے بولی۔ خدا جانے میرے آقا کو یہ دوا کھانی نصیب بھی ہوگی یا نہیں۔ اُدھر علی بابا اپنے گھر میں انتظار ہو رہا تھا کہ جس وقت قاسم کے گھر میں سے رونے پیٹنے کی آواز آئی وہ جاکے شریک ماتم ہوا۔ تیسرے مرجینا ایک بڈھے درزی مصطفےٰ نامی کی دوکان پر گئی۔ جسکا پیشہ کفن دوزی ہی تھا۔ ایک اشرفی اُسکے ہاتھ میں جاکے رکھدی اور کہنے لگی۔ تم سے ایک کام ہے۔ تشریف لیکر میرے گھر تک آنکھوں پر پٹی باندھواکے چلو۔ مصطفےٰ نے اس طرح جانے میں عذر کیا۔ مرجینا نے ایک اشرفی اور اُسکے ہاتھ میں رکھدی اور بہت کچھ منت سماجت کی۔ جسکو درزی لالچ میں آکر راضی ہوگیا۔ مرجینا نے اُسکی آنکھوں پر رومال باندھ لیا اور اُس کا ہاتھ پکڑ ایک اندھیرے مکان میں جہاں قاسم کی لاش اُس نے ترتیب سے رکھدی تھی لاکے بٹھا دیا۔ اور آنکھوں سے رومال کھولکر بولی تم اس لاش کے مطابق کفن سی دو۔ ایک اشرفی تمہیں اور انعام ملیگی۔ غرض مصطفےٰ نے جلد اندھیرے ہی میں کفن تیار کردیا اور تیسری اشرفی لے رومال آنکھوں پر بندھواکے مرجینا کے ساتھ دوکان پر آیا۔ مرجینا نے پانی گرم کرکے قاسم کی لاش کو غسل دیا۔ اور کفن پہنا

کہ یہ شخص آیا کہاں سے؟ مگر انہیں کچھ پتہ نہ ملا۔ آخر قاسم کی لاش چار ٹکڑے کرکے دو دائنے اور دو بائیں طرف غار کے رکھدئے۔ تاکہ دوسروں کے لئے عبرت ہو۔ پھر وہ دروازہ بند کرکے اور گھوڑوں پر سوار ہو جدہر سے آئے تھے اُدہر ہی چلے گئے۔ اُدہر جب شام بھی ہوگئی اور قاسم گھر نہ آیا تو اُسکی بی بی دوڑی دوڑی علی بابا کے پاس آئی کہ بھائی! قاسم ابھی تک نہیں آیا۔ تمہیں تو اُس جنگل کا پتہ ہوگا ہی۔ کوئی اُسپر حادثہ نہ گذر جائے۔ علی بابا نے بظاہر حاسد بھاوج کی تسلی کی۔ کہ قاسم نہایت ہوشیار شخص ہے۔ وہ شہر کے باہر باہر سے آتا ہوگا۔ اسلئے اُسے دیر ہوگئی ہے تم اطمینان رکھو۔ مگر دلمیں سمجھ لیا کہ کچھ نہ کچھ واردات ضرور گذری ہے۔ غرض وہ گھر آئی اور قاسم کا انتظار کرنے لگی۔ جب رات آدھی سے بھی زیادہ گذر گئی تو وہ بڑی پریشان ہوئی۔ مگر چلا بھی نہ سکتی تھی مبادا راز ظاہر نہ ہو جائے آخر سوچنے لگی کہ اگر میں علی بابا پر حسد نہ کرتی تو کیوں اس مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا۔ یہ سب شامت اعمال کا وبال ہے جو مجھ پر پڑا ہے۔ خیر! خدا خدا کرکے وہ رات کٹی۔ جب صبح ہوئی وہ پھر اپنے دیور کے پاس گئی کہ خدا کے لئے اپنے بھائی کی کچھ خبر لاؤ۔ وہ ابھی تک کیوں نہیں آیا۔ علی بابا بھاوج کو تسلی دیکر اپنے گدھے لیکر اُس جنگل کی طرف روانہ ہوا۔ اور جب اُس غار کے قریب پہنچا۔ خون کے نشان دیکھکر گھبرایا اور خچروں کا بھی وہاں کوئی نشان نہ پایا۔ اسلئے اُس نے سمجھ لیا کہ قاسم مر چکا۔ غرض اُسنے دروازہ کھولا اور اندر کی طرف دیکھا کہ قاسم کی لاش کے چار ٹکڑے کیئے دونو طرف رکھے پڑے ہیں۔ اُسے خوف تو بڑا آیا۔ مگر کیا کر سکتا تھا۔ بھائی کی لاش باندھ کر ایک گدھے پر رکھی اور اوپر لکڑیاں لاد کر اُسے چھپا دیا۔ پھر باقیوں پر اشرفیوں کی تھیلیاں لادیں اُنہیں بھی لکڑیوں سے چھپا کر اور دروازہ بند کر بڑی احتیاط اور ہوشیاری سے شہر کا راستہ لیا۔ جب گھر پہنچا وہ گدھے جنپر اشرفیاں بار تھیں اندر لیجا کر بی بی سے کہا کہ احتیاط سے اشرفیاں اُتار کر اندر رکھ لیں اور میں ابھی آتا ہوں۔ مگر اُسے قاسم کی لاش لانیکی بابت کچھ نہ کہا۔ پھر اُس گدھے کو جسپر قاسم کی لاش کے ٹکڑے تھے اُسکے گھر لیگیا اور دروازے پر دستک دی۔ قاسم کی لونڈی مرجینا نے دروازہ کھولا۔ علی بابا گدھے کو اندر لیگیا اور قاسم کی لاش اُتار کر مرجینا سے کہا کہ تم اسے دفن

کہ ایسی لاکھوں اشرفیاں تمہارے پاس ہیں۔ اور اسنے میری بی بی سے اپنے تمام راز دریں پایا
ہے جسے تمہاری عورت مانگ کے لیگئی تھی۔ علی بابا نے سوچا کہ اچھا اس سے راز چھپانا ٹھیک
نہیں ورنہ مفت میں عناد بڑھے گا۔ ناچار اسنے اس غار کا پورا پورا پتہ بتادیا کہ میں وہاں
سے لایا ہوں۔ قاسم بولا کہ جب تک اس کے کھولنے اور بند کرنے کے منتر سے آگاہ نہ کروگے
ٹھیک نہ ہوگا۔ ورنہ میں ابھی کوتوال سے جاکے کہتا ہوں۔ وہ تمہاری اشرفیاں بھی لے لیگا
اور تم مفت میں ذلیل ہوگے۔ وہ علیحدہ رہا۔ آخر علی بابا نے اپنے بھائی کو دروازہ بھی بتادیا
قاسم دوسرے علی الصبح خچر لیکے علی بابا کے بتلائے ہوئے پتہ پر روانہ ہوا اور جہاں اسنے بتایا
تھا۔ کھڑا ہوکے آواز دی پٹ کھل اے سمسم۔ فوراً ایک دروازہ کھل گیا اور قاسم اندر چلا گیا
اسکے اندر قدم رکھتے ہی حسب معمول وہ دروازہ بند ہوگیا۔ پھر اسنے اس خزانہ کو چاروں
طرف دیکھا۔ اور بڑا خوش رہا۔ آخر خچروں پر لادنے کیلیے کئی تھیلیاں دروازے کے پاس
رکھیں اور دروازے کے کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ اتفاق سے اسے وہ الفاظ بھول
گئے اور وہ ہر ایک دوسرے غلے کا نام لیکے پکارنے لگا مگر دروازہ نہ کھلنا تھا نہ کھلا۔ قسمت
سے اسے سمسم کا لفظ ایسا فراموش ہوا کہ بڑا حیران رہ گیا۔ کبھی آگے جاتا تھا کبھی پیچھے ہٹتا
اسی حیص بیص میں وہ گھبرا گئی اور وہ جان سے مایوس ہوکے دروازے کے پاس ہی بیٹھ
گیا۔ اتنے میں گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز کان میں آئی۔ سمجھا کہ قزاق آگئے سننے سے اسکو
غش آگیا۔ وہ فی الواقع وہی قزاق تھے جن کا اسے خیال تھا۔ انھوں نے خچروں کو دور سے
دیکھا اور حیران ہوئے۔ مگر چونکہ وہ پریشان پھر رہے تھے اسلیے ڈاکوؤں نے انکی پرواہ
نہ کی نہ ہی انکا تعاقب کیا۔ بلکہ گھوڑوں سے اتر دروازہ غار کی طرف بڑھے۔ سردار نے
وہی منتر پڑھا۔ دروازہ فوراً کھل گیا۔ قاسم بے تحاشا اٹھ کے وہاں سے بھاگا کہ جان بچاکے
نکل جائے مگر اسکے دھکے سے سردار گر پڑا۔ یہ دیکھ ایک سوار نے تلوار کا ایک ہاتھ قاسم پر
مارا۔ اور دو ٹکڑے کرکے اسے پھینک دیا۔ پھر وہ اندر گئے اور ان تھیلیوں کو ٹھکانے پر
رکھا۔ جنھیں قاسم باہر لانے کے واسطے دروازے کے پاس لا رکھا تھا اور گھبراہٹ میں
پہلے نقصان پر کچھ توجہ نہ کی جو علی بابا انہیں پہنچا گیا تھا۔ اسکے بعد سب کے سب سوچنے لگے

گدھوں کو بھی اندر ہی لے گیا اور باہر کا دروازہ بند کر کے اوپر سے لکڑیاں اتاریں - اور اشرفیوں کی تھیلیاں اٹھا کے بی بی کے پاس لایا - وہ اشرفیوں کو دیکھ کر حیران سی ہو گئی اور سمجھا کہ علی بابا انہیں کہیں سے چرا کر لایا ہے جس سے ملامت کر کے کہنے لگی - تجھے چوری کرنے کی کیا ضرورت آپڑی تھی - کیا خدا کو ہمارا دینا منظور نہیں ہے - علی بابا بولا اطمینان رکھو - میں چور نہیں ہوں - پھر اشرفیاں اسکے سامنے ڈھیر کر کے انکے پانے کا سارا حال سنا دیا - پھر تو وہ نہایت خوش ہوئی - اور بڑے چاؤ سے انہیں گننے لگی مگر علی بابا نے کہا - تم انہیں کب تک گنو گی - میں ایک گڑھا کھود کے انہیں گاڑے دیتا ہوں - اسکی بی بی نے جواب دیا - مگر میں اندازہ لگانا چاہتی ہوں - علی بابا نے کہا جاؤ کسی سے ترازو مانگ لاؤ - مگر خبردار کسی کے کان میں بھنک نہ پڑ جائے - پھر وہ قاسم کے گھر ترازو مانگنے گئی - قاسم آپ گھر میں نہ تھا - چاہے اسکی بی بی سے ترازو مانگا - وہ بولی چھوٹا چاہیے یا بڑا - علی بابا کی بی بی نے کہا - چھوٹا - قاسم کی عورت نظر بچا کے اپنے ترازو کے پلڑے کے نیچے موم لگا لائی - تاکہ دریافت کرے کہ علی بابا کی بی بی کیا چیز تولیگی - غرض اپنے گھر آکے اشرفیوں کو تولا - علی بابا اسوقت گڑھا کھود رہا تھا - آخر دونوں نے ملکے انہیں گاڑ دیا اور جلدی میں کچھ خیال نہ کر کے علی بابا کی عورت قاسم کے گھر ترازو دے آئی - اتفاق سے ایک اشرفی ایک پلڑے کے نیچے لگی رہ گئی تھی - قاسم کی جورو ترازو میں اشرفی لگی ہوئی دیکھ کر مارے حسد کے جل بھن گئی اور جب اسکا خاوند شام کو گھر آیا تو کہنے لگی - تو بھی اپنے تئیں بڑا آدمی سمجھتا ہوگا - مگر تیرا بھائی تجھ سے زیادہ امیر ہے اسکی بی بی نے اشرفیوں کو تو لکر رکھا اور تو سیدھے گن کر رکھتا آیا ہے - قاسم نے پوچھا کیسے کیونکر معلوم ہوا - اسنے ترازو دینے اور اشرفی پانے کا سارا حال سنا دیا اور وہ اشرفی بھی اسے دکھائی - جسپر کسی قدیم بادشاہ کے عہد کا سکہ تھا - قاسم بھی ایسے حسد کے مارے رات بھر نہ سویا - اور صبح ہوتے ہی علی بابا کے پاس آکر کہنے لگا - بھائی ظاہر تو تم بڑے مسکین دکھائی دیتے ہو - مگر مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے پاس دولت کا کوئی انتہا نہیں - علی بابا انجان سا بنکے کہنے لگا - میں آپکا مطلب نہیں سمجھا - قاسم نے جھٹ وہ اشرفی نکال کے دکھا دی

تو علی بابا درخت سے نیچے اتر آیا۔ اور وہیں پہنچکر جہاں ٹھگوں کے سردار نے کھڑے ہوکے دروازہ کھولا تھا۔ بولا۔ کھل جا اسم سم۔ اور دروازہ فوراً کھل گیا اور علی بابا کے اندر جاتے ہی خود بخود بند ہوگیا۔ علی بابا اس مکان کی ساخت کو دیکھکر حیرت زدہ ہو رہا تھا کہ اتنا بڑا کمرہ پہاڑ کو کیسے کھود کر بنایا گیا ہوگا۔ لیکن چھت اسکی قد آدم کے برابر تھی۔ اور پہاڑ کی چوٹی سے روشندانوں کے راستے سے روشنی آرہی تھی سامنے وہاں بیشمار اسباب اور ہر قسم کے مال کی گٹھریاں پڑی تھیں اور تکئے اوپر کمخواب اور ریشمی چکن کے تھان ڈھیر کے ڈھیر پڑے تھے روپے اشرفیوں کے بھی مانو ڈھیر لگے ہوئے تھے اور بہت سی چمڑے کی تھیلیاں بھری پڑی تھیں۔ یہ دیکھکر وہ باہر آنے لگا۔ دروازہ بند پاکر وہی پہلی سی آواز دی۔ دروازہ فوراً کھل گیا۔ اور علی بابا نے اشرفیوں کی بہت سی تھیلیاں باہر لا رکھیں۔ پھر بند ہوجا اسم سم کہکے دروازہ بند کردیا۔ اور اپنے گدھوں کو اکٹھا کر لایا۔ اور ان پر وہ اشرفیاں لادکر اوپر لکڑیاں رکھ لیں تاکہ کسی شخص کو کسی قسم کا شبہ نہ ہوسکے۔ غرض علی بابا نے گدھوں کو آگے رکھ شہر کی راہ لی اور جب گھر پہنچا۔

تصویر علی بابا کے گدھوں پر اشرفیاں لادکر جنگل سے اپنے گھر کی طرف جانیکی



ایک چھوٹے سے مکان میں رہتے اور علی بابا ہر روز جنگل سے سوکھی لکڑیاں گدھوں پر لا دکے شہر میں لاتا اور انہیں بیچکر اپنا اور اپنے متعلقین کا پیٹ پالتا۔ ایکدن وہ حسب معمول لکڑیاں کاٹ کے گدھوں پر لادنے کو تھا۔ کہ اسے دُور سے ایک غبار اپنی طرف آتے دکھائی دیا۔ جب اُسنے غور سے دیکھا تو وہ بہت سے سوار تھے۔ سوچنے لگا۔ شاید یہ لوگ ڈاکو ہوں اور میرے گدھے چھین لیں۔ چاہتا تھا کہ بھاگ جائے۔ مگر سوار قریب آگئے تھے۔ اسلئے اُس نے گدھوں کو ایک طرف ہانک دیا۔ اور آپ ایک بلند اور گنجان درخت پر چڑھکر اُسکے پتوں میں ایسی جگہ چھپ کے بیٹھ رہا۔ کہ وہ آنے والوں کی ہر ایک حرکت کا دھیان رکھے مگر اسے کوئی نہ دیکھ سکے۔ وہ درخت ایک پہاڑ کے بیچ متصل واقع ہوا تھا۔ وہ سوار بھی اُسی پہاڑ کے نیچے ٹھہر گئے۔ علی بابا نے دیکھا تو وہ چالیس ڈاکو تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ ابھی کسی قافلے کو لوٹ کے لائے ہیں اور مال غنیمت کسی محفوظ جگہ میں رکھنا چاہتے ہیں۔ اُسکا یہ خیال غلط نہ تھا اور وہ لوگ فوراً گھوڑوں سے اتر پڑے۔ لگامیں اُتار لیں اور اُنہیں باگ ڈور سے باندھکر خرجیاں جو سونے اور چاندی سے بھری تھیں کندھوں پر رکھ لیں۔ علی بابا نے دیکھا کہ اُنکا سردار سب کے آگے اپنے بوجھ کو کندھے پر رکھے اُسی درخت کے نیچے آیا اور کانٹوں و جھاڑیوں میں سے ہوتا ہوا ایک جگہ جا کھڑا ہوا۔ اور بولا "کھل جا اے سمسم" یہ کہتے ہی پہاڑ میں ایک دروازہ کھل گیا جسکا پہلے کوئی نشان نہ دکھائی دیتا تھا۔ اور سب ٹھگ اندر چلے گئے۔ پھر وہ سردار بھی اندر گیا۔ اور وہ دروازہ خودبخود بند ہو گیا۔ بڑی دیر تک وہ قزاق اُسی غار میں بیٹھے رہے۔ علی بابا بھی درخت پر بیٹھا سوچ رہا تھا کہ ایک گھوڑے پر سوار ہو۔ باقیوں کی لگامیں لے اور گدھوں کو آگے رکھ گھر کی راہ لوں یا ابھی دیکھوں۔ کہ یہ لوگ باہر نکل کے کیا کرتے ہیں کہ اتنے میں پھر وہ دروازہ کھل گیا۔ اور چالیسوں ٹھگ باہر نکلے۔ اُنکا سردار سب کے آگے تھا۔ جب وہ نکل چکے۔ علی بابا نے پھر سُنا کہ ٹھگوں کا سردار کہہ رہا ہے "بند ہو جا اے سمسم" اور دروازہ بند ہو گیا۔ ان دو فقروں کو اُسنے خوب غور سے یاد کر لیا۔ اور جب وہ قزاق سب اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو جدھر سے آئے تھے۔ اُدھر ہی چلے گئے۔

شہزادی کو بلوایا۔ خواجہیں اُسے پردے پر دست سے درویش کے سامنے لے آئیں اور درویش نے وہ بال حسب ہدایت آگ پر رکھکر شہزادی کی ناک میں دھونی دی۔ مجذوم فوراً چلا اٹھا اور فوراً شہزادی بھلی چنگی ہوگئی۔ جب ہوش میں آئی پوچھنے لگی۔ یہاں مجھے کون لایا ہے؟ بادشاہ نے خوش ہو کر شہزادی کو پیار کیا اور پھر نیک مرد کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور سرداروں سے پوچھا کہ اس درویش کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے مناسب ہے بالاتفاق بادشاہ کو رائے دی۔ کہ شہزادی کو اس کے حوالے کر دیا جائے۔ تھوڑے عرصے کے بعد وہاں کا وزیر اعظم مر گیا۔ بادشاہ نے اسی درویش کو اپنا وزیر بنا لیا اور پھر بادشاہ بھی مر گیا اور وہی درویش وہاں کا بادشاہ مقرر ہوا اور ایکدن وہ اراکین دربار کیساتھ شہر میں جارہا تھا کہ ہجوم میں اپنے دشمن کو دیکھا۔ اور وزیر کے کان میں کہا کہ فلاں آدمی کو بلا کر میرے پاس لے آؤ۔ غرض وزیر اسے بادشاہ کے پاس لایا۔ وہ نیک مرد اسے دیکھکر بولا۔ پیارے دوست! میں تمہیں دیکھکر کمال خوش ہوا ہوں۔ پھر اسے ایک ہزار اشرفی اور بیس گٹھڑی کپڑے کی انعام میں دیکر سپاہیوں کو حکم دیا کہ اسکے گھر پہنچا دو۔ حاسد نے بھی اپنے محسن کو پہچانا۔ اور کمال شرمندگی سے اپنے گناہ کے لئے معافی طلب کی۔ پھر ہمیشہ کے لئے وہ اسکا دوست بنگیا۔ سچ ہے نفرت کو نفرت سے نہیں بلکہ محبت سے جیت سکتے ہیں۔ یہ حکایت سنا کر شہزادے نے علی بابا اور چالیس ٹھگوں کا قصہ شروع کیا۔ جو علی بابا کی بیحد عقیل لونڈی کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔

علی بابا اور چالیس ٹھگوں کی حکایت

فارس کے شہر میں دو بھائی قاسم اور علی بابا نامی رہتے تھے۔ باپ کے مرجانے کے بعد انہیں بہت تھوڑا ترکہ ملا۔ جسے انہوں نے جلدی میں ہی خرچ کر ڈالا۔ اگرچہ قاسم کی شادی ایک مالدار تاجر کی لڑکی سے ہوگئی جو اپنے سسر کے مرجانے کے بعد اسکی تمام جائداد اور ایک بھری دوکان کا مالک بنا۔ مگر علی بابا کی بیوی ایسا غریب باپ کی بیٹی تھی۔ اسلئے دوسرے جوڑے کا گذارہ بیحد مشکل کے ساتھ ہی ہوتا تھا وہ تو

تصویر حاسد کی محسود کو کنوئیں میں گرانے کی اور پریوں کے جمع ہونیکی



باتوں کو خوب یاد کر لیا۔ اور جب صبح ہوئی اپنے تئیں کنوئیں کی منڈیر پر سویا ہوا پایا۔ اُس نے خیال کیا۔ کہ کنوئیں میں پریاں رہتی ہیں اور یہ سب کام اُنہیں کا ہے۔ اتنے میں سب فقیر اُسے ڈھونڈتے ہوئے وہاں آگئے اور اُسے دیکھکر کمال خوشی ہوئی۔ اُس نے ساری سرگذشت سُنا دی۔ پھر اپنے حجرے میں گیا۔ تھوڑی دیر وہ سیاہ بلی بھی آگئی۔ نیک مرد نے اُسے پکڑ لیا۔ اور اُسکی دُم سے سات سفید بال اُکھاڑ کر اپنے پاس حفاظت سے رکھ لئے۔ جب دن چڑھا۔ اُس شہر کا بادشاہ اُسکی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی بیٹی کے علاج کے لئے گڑگڑانے لگا۔ اور بولا۔ اے خدا کے ولی۔ آپ کو میرے آنے کا حال بذریعہ کشف معلوم ہو گیا ہوگا۔ اگر میری بیٹی کو شفا ہو جائے تو گویا میں بھی اُٹھونگا نیک مرد بولا۔ لڑکی کو یہاں بلوا لیجئے تو انشاء اللہ شفا ہو جائیگی۔ بادشاہ نے فی الفور

فقیروں کو انہیں لیا دیا۔ وقتاً فوقتاً مجلسیں منعقد کراتا اور بزرگوں کے عرس کرتا یہ خبر سارے شہر میں مشہور ہو گئی اور رفتہ رفتہ اسکی شہرت کا آوازہ دور دور تک پہنچا۔ اس حاسد نے بھی سنا اور اسے اسقدر صدمہ پہنچا کہ اسنے فوراً اُسے اذیت دینے کی ٹھان لی اور خانقاہ میں جاکے اس سے ملاقات کی۔ وہ نیک مرد اپنے قدیمی ہمسایہ کو دیکھکر کھل گیا اور نہایت تواضع سے پیش آیا۔ حاسد نے کمال راہ سے مقصود کے سامنے بہت سی باتیں بنائیں اور کہنے لگا مجھے ایک امر درپیش ہے۔ اگر آپ خلوت میں میری بات سن لیں تو آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ وہ اسکے ساتھ ہو لیا اور حاسد نے باتوں ہی باتوں میں اسے کنوئیں کے پاس لا کھڑا کیا۔ پھر اس نیک مرد کو اٹھاکے اس کنوئیں میں پھینک دیا۔ اور وہاں سے چھپکے بھاگ گیا۔ یہ سوچکر کہ چلو روز روز کے فکروں سے نجات ملی۔ اس کنوئیں میں پریاں رہتی تھیں۔ جب انھوں نے اس نیک مرد کو کنوئیں میں گرتے دیکھا تو ہاتھوں ہاتھ تھامکے تہ پر بیٹھا دیا۔ اسنے سوچا میرے اس گرنے میں بھی کوئی مصلحت ہوگی چپ چاروں طرف دیکھا۔ مگر کچھ دکھائی نہ دیا۔ البتہ تھوڑی دیر کے بعد ایک آواز سنی کوئی شخص دوسرے سے مخاطب ہو رہا تھا۔ تم اس بزرگ کو جانتے ہو۔ جواب آیا نہیں۔ پھر پہلی ہی آواز نے کہا۔ یہ انسان کمال صاحب مروت اور معتبر ہے۔ اپنا شہر چھوڑکے یہاں آرہا تھا۔ کہ ہمسایہ کے شر و فساد سے نجات پائے۔ یہاں خدا نے اسے برابر تبہ دیا۔ حاسد اسے بھی نہ دیکھ سکا اور زیادہ حسد کے مارے یہاں آیا۔ پھر دھوکا دیکر اس کنوئیں میں گرا دیا۔ اگر ہماری مدد وقت پر نہ پہنچتی تو یہ ہلاک ہو ہی چکا تھا۔ لیکن خیر اسمیں بھی کچھ بہتری ہی تھی۔ کل یہاں کا بادشاہ اسکے پاس آکے اپنی بیٹی کو چنگا کرنے کی التجا کریگا۔ اور ہمیں میمون جن کا بیٹا توتم عاشق ہے۔ اسی سبب سے وہ ہمیشہ بیمار رہا کرتی ہے اور مجھے اسکے علاج معلوم ہے۔ وہ عمل بہت آسان ہے اس درویش کے گھر میں ایک سیاہ بلی رہتی ہے جسکی دُم پر ایک درم کے برابر سفید داغ ہے اگر یہ شخص اس سفیدی میں سے سات بال اکھاڑ کر اپنے پاس رکھلے اور بروقت ضرورت انکی دھونی شہزادی کے ناک میں دے تو توتم پھر عمر بھر میں شہزادی کو تکلیف دینے کا خیال تک نہ کرے۔ درویش نے ان سب

کی ایک پوٹلی سی گانٹھ آگئی - وہ اُسے اور مُہور کو لیکر دوڑا دوڑا میرے پاس آیا کہ جس مُہور کا آپ نے بارہا ذکر کیا تھا - دیکھئے وہ یہی تو نہیں - میں نے اُس میں سے مُہوریں نکالتے وقت یہ گانٹھ پائی ہے - میں نے دونوں چیزوں کو پہچانا اور سعدی سے اشارہ کیا کہ دیکھئے خدا تعالیٰ نے مجھے آپ کے سامنے کیسا سرخرو کیا ہے - پھر میں نے اُس مُہور کو اپنی بی بی کے پاس پہچاننے کے لئے بھیجا - اُس نے بھی اُسے پہچان لیا - سعدی یہ حال دیکھکر بولا - اب میں قائل ہو گیا ہوں کہ دولت سے دولت نہیں بڑھ سکتی - جب تک خدا کا فضل اور قسمت شامل حال نہ ہو - پھر وہ دونوں دوست مجھ سے وداع ہو کر اپنے گھر گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ میں دغا باز نہیں ہوں - خلیفہ نے یہ سُنکر خواجہ حسن سے کہا - میں پہلے ہی تمہارے محلّہ داروں کی زبانی تمہاری تعریف سن چکا ہوں اور وہ ہیرا جسکی بدولت تم دولتمند ہوئے ہو - اس وقت میرے خزانے میں موجود ہے - تم کسی دن سعدی کو یہاں بُلا لانا - تاکہ وہ آکے اُسے اپنی آنکھوں دیکھ جائے - پھر خزانچی کو حکم ہوا - کہ وہ اس سرگذشت کو لکھ کر اُس ہیرے کے ساتھ رکھے - پھر خلیفہ نے تینوں کو رخصت کیا - اور وہ آداب بجا لاکے اپنے اپنے مکانوں کو گئے - ملکہ شہرزاد نے چاہا کہ اگلا قصّہ بھی بیان کرے - لیکن دن نکلنے کو تھا اسلئے بادشاہ نے فرمایا - دوسری حکایت کل سنوں گا ؏

حاسد و محسود کی داستان

اگلے دن فجر کے تڑکے حسبِ معمول دنیا زاد نے شہرزاد کو جگا کر نئی حکایت بیان کرنے کی فرمائش کی - وہ بولی کسی بڑے شہر میں دو شخص ایک ہی محلّے میں رہتے تھے بلکہ اُنکے گھر بھی بالکل متصل واقع ہوئے تھے - مگر اُن میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ کمال درجے کی عداوت تھی - محسود نے چاہا کہ اُس گھر ہی کو چھوڑ دے اور دور جا بسے تاکہ یہ حسد تو نہ رہے حتیٰ کہ اپنے گھر اور گھر کا سب ساز و سامان فروخت کرکے دوسرے شہر میں رہائش اختیار کر لی - اور جو مکان اُس نے رہنے کے لئے مول لیا - اُس میں ایک اندھا کنواں اور ایک نفیس باغ بھی تھا - وہ نیک مرد فقیر ہو گیا اور اُس مکان میں بہت سے حجرے تعمیر کرا کے بہت سے

سویرے جب صبح ہوئی۔ ایک نفیس کشتی پر سوار کرکے انہیں اپنے دیہاتی گھر کی سیر کیلئے لیگیا۔
جس کے ساتھ ایک نہایت خوشنما پائیں باغ بھی تھا۔ باغ میں ہر قسم کے میوہ دار درخت
پکے ہوئے اثمار سے لدے ہوئے تھے اور سنگین نہروں میں پانی بہہ رہا تھا۔ پرند بولیاں بول
رہے تھے۔ اور پھولوں کی خوشبو سے دماغ معطر ہوا جاتا تھا۔ غرض انہیں گھر اور باغ کی
خوب سیر کرائی۔ وہ دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے اور تہنیت کرنے لگے۔ خدا تمہیں یہ باغ اور گھر مبارک
کرے۔ آخر انہیں ایک مختصر بنگلے میں جو نفیس اور زردوزی مسندوں اور گاؤ تکیوں سے
آراستہ اور ایک بڑے درخت کے سایہ تلے بنا ہوا تھا۔ لیجا کے کھانا کھلایا۔ اسی اثنا میں
میرے وہ لڑکے جنہیں چند روز پہلے ایک مصلح کی زیر نگرانی تبدیل آب و ہوا کے لئے بھیجا ہوا
تھا۔ چڑیوں کے گھونسلے ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس درخت کے نیچے آ اترے۔ اور اوپر
نگاہ کی۔ تو ایک بڑا گھونسلا بنا پایا نیچے اتار لایا۔ اور جب میرے لڑکوں نے اسے پگڑی کا سا
بنا دیکھا فوراً دوڑتے ہوئے میرے پاس لے آئے۔ میں نے اپنی پگڑی کو بیک نگاہ پہچان لیا۔
جو چیل جھپٹ مار کے لے اڑی تھی۔ پھر ان دونوں دوستوں کیطرف اشارہ کیا کہ آپ بھی دیکھئے یہ
وہی پگڑی ہے جسکا کل ذکر ہو رہا تھا۔ سعد بولا میں تو نہیں پہچان سکتا۔ مگر سعدی نے کہا اگر
اس میں ایکسو نوے اشرفیاں ہوئیں تو یقیناً وہی پگڑی ہوگی۔ میں نے کہا۔ بیشک یہ وہی ہے۔
پھر اسے نکال لیکے ہاتھ میں لیا تو بوجھل معلوم ہوئی۔ اور کھولا تو سعدی کی تھیلی جوں کی توں نکل
آئی۔ میں نے اسکے سامنے اشرفیاں ڈالدیں اور پوچھا دیکھ لو اور پہچان لو۔ سعدی بولا اب مجھے
آدھا یقین آیا ہے۔ کیا ممکن نہیں کہ تمہاری دولت کا آدھا میری دوسری اشرفیاں ہوں
اور آدھا سعد کا پیسہ۔ میں تو چپ ہو رہا۔ مگر ان دونوں کے درمیان بحث ہونے لگی پھر کھانا کھانیکے
بعد ہم تینوں سو رہے اور شام کے وقت جاگ کر گھوڑوں پر سوار ہو شہر میں آگئے راہ میں سب
خدمتگار پیچھے رہ گئے اور دانہ گھوڑوں کو دینے کو نہ تھا۔ جو غلام ہمارے ساتھ تھا۔ اسی کو دانے
کی تلاش کے لئے بازار بھیجا۔ مگر تمام دوکانیں بھی بند ہوگئیں تھیں۔ آخر وہ غلام کہیں سے
ایک مسھور بھوسی کی لے آیا۔ اس اقرار پر کہ کل مسھور واپس کر دیا جائیگا۔ پھر وہی غلام مسھور
میں سے بھوسی نکال نکال کر گھوڑوں کے آگے ڈالنے لگا اور اندھیرے میں اسکے ہاتھ کپڑے

کیوں جھگڑتے ہو۔ خواہ مینے جھوٹ کہا یا سچ۔ اب یہ بھی سن لو کہ مجھے یہ دولت کیسے ملی۔ آیندہ جو آپ کی مرضی ہے۔ ماننا یا انکار کر دینا۔ پھر مینے اُنہیں پیسے کے ماہی گیر کو دینے اُسکے عوض میں ایک مچھلی لینے۔ اور مچھلی کے پیٹ میں سے ہیرے کے نکلنے۔ پھر یہودی جواہری کے ہاتھ اسکو بیچکر کارخانے بنانے کی تمام سرگذشت ابتدا سے انتہا تک سناوی۔ سعدی بولا۔ اے خواجہ جس طرح پگڑی کو چیل کے لیجانے اور بھوس کے مٹکے کو بیچ دینے کا واقعہ فرضی ہے۔ ویسا ہی مچھلی کے پیٹ سے اتنے بڑے ہیرے کا نکلنا محال ہے۔ میں ہرگز اعتبار نہیں کر سکتا۔ اور مجھے یقین ہے کہ یہ سب فراغت تمہیں میری ہی اشرفیوں کی بدولت میسر ہوئی ہے۔ یہ کہکے وہ اُٹھے اور رخصت ہونے لگے۔ مگر میں اُنکے سامنے کھڑا ہوگیا کہ آجکی رات غریب خانے پر ہی بسر کرو۔ تو ذرہ نوازی سے بعید نہ ہوگا۔ غرض اصرار کے بعد اُنہوں نے میری بات مان لی۔ مینے شب کا کھانا تیار کرایا اور بڑے تکلف سے اُنہیں دعوت کھلائی۔ دسترخوان انواع و اقسام کے کھانوں سے ایک گلزار بن رہا تھا۔ اور شمعوں نے رات کو دن بنا رکھا تھا۔ غرض کھانا کھا کر ہم لوگ

تصویر حسن حبال کی مع سعد و سعدی کے اس مکان پر تکلف میں آنیکی جہاں طرح طرح کے کھانے دسترخوان پر چنے اور عورت و مرد ناچنے اور قسم قسم کے تماشے ہو رہے تھے



محل تیار کرادیا۔ جسے آپ نے کل ملاحظہ فرمایا تھا۔ اُسے سازو سامان سے آراستہ کر کے اپنی حیثیت بھی درست کی۔ مگر اپنے آبائی پیشے کو چھوڑنے پر میرا جی راضی نہ ہوا۔ اسلئے شہر کے تمام کاریگروں کو ملازم رکھکر رسن سازی کا کام اپنے ہاتھ میں کر لیا۔ غرض آپ کی مہربانی سے اسوقت نہ صرف سارے بغداد میں بلکہ تمام ملک میں جملہ رسن سازی کے کارخانے میرے ہی ہیں۔ جہاں میرے گماشتے کام کرتے ہیں اور صدر دفتر میرا اس بڑے مکان میں ہے۔ اسطرح سے بنے کثیر دولت پیدا کی ہے اور اب امیرانہ بسر اوقات کرتا ہوں۔ ایک مدت کے بعد پھر اتفاق ہوا تو دوستوں کو میری یاد آئی اور میرے اُس پُرانے گھر میں آئے۔ مگر وہاں مجھے نہ پاکر حیران ہوکے محلے داروں سے میرا پتہ پوچھا۔ اور آخر انہیں معلوم ہوا کہ حسن رسن ساز اب بڑا دولتمند کارخانہ دار ہے۔ اور اب اسے خواجہ حسن حبال (رسن ساز) کہتے ہیں۔ اور فلاں محلے میں اسکی ایک عالیشان حویلی ہے۔ پھر وہ دو تو میرا پتہ پوچھتے ہوئے میرے ہی گھر کے سامنے آکھڑے ہوئے۔ مگر سعدی کو یقین تھا کہ یہ سب کارخانہ اسکی اشرفیوں کی بدولت بنا ہے۔ مگر سعد بولا۔ نہیں حسن جھوٹا نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ سب تمول اُسے میرے پیسے کی بدولت حاصل ہوا ہے۔ پھر اندازہ لگا کر یہی مکان حسن رسن ساز کا ہوگا دروازے پر دستک دی۔ میرے دربان نے دروازہ کھولدیا۔ سعدی کثرت حشم و شاگرد پیشہ دیکھ کے پوچھنے لگا۔ کیا خواجہ حسن حبال کا یہی مکان ہے۔ میرے غلام نے جوابدیا۔ ہاں حضور! اندر چلیے۔ وہ بھی سامنے دیوانخانے میں تشریف رکھتے ہیں۔ غرض وہ میری طرف آئے۔ بینے انہیں دور سے ہی دیکھ لیا اور اُٹھ کے انکی پیشوائی کے لئے دوڑا۔ اور بڑے ادب سے انہیں مسند صدر پر بٹھانا چاہا۔ مگر پہلے تو وہ انکار کرتے رہے آخر میرے اصرار پر مان لیا۔ بینے کہا۔ میرے معزز دوستو۔ میں وہی حسن رسن ساز ہوں جسپر آپ نے بارہا مہربانیاں کی ہیں۔ میں آپ کے احسانوں کو کیسے بھول سکتا ہوں۔ غرض وہ بیٹھ گئے اور میں بھی انکے سامنے بیٹھ گیا۔ پھر سعدی بولا میں تمہیں اس حال میں دیکھکر بڑا خوش ہوا ہوں۔ خدا نے حسب دلخواہ تمہیں فراغت بخشی ہے اور غالباً یہ سب اُنہی میری اشرفیوں کی بدولت ہوگی۔ مگر دو دفعہ پہلے تم نے میرے سامنے جھوٹ کیوں بولا تھا۔ سعد نے اس گفتگو پر سنتا پیچ و تاب کھایا اور بولا۔ افسوس ہے تم خواجہ حسن کو ایسا کہتے ہو۔ وہ جھوٹا نہیں۔ بینے کہا۔ صاحبو! تم

شور و غل کرنے کی وجہ بتاؤں۔ جب وہ اندر گئی۔ تو میری بی بی نے وہ ٹکڑا اُسے دکھلایا۔ چوہری کی بی بی ہر قسم کے پتھروں کو پہچانتی تھی۔ وہ بھی اُس ٹکڑے کو دیکھکر حیران رہگئی۔ میری بی بی نے اُسکے پانے کا بھی سب حال بیان کر دیا۔ چوہری کی بی بی کہنے لگی۔ یہ بہت اچھا شیشہ ہے۔ میرے پاس بھی ایک ایسا ہی ٹکڑا ہے اور میں اُسے وقتاً فوقتاً دیکھا بھی کرتی ہوں۔ تم اگر بیچدو تو میں خرید لونگی۔ مگر اور کسی کو نہ دکھا یو۔ پھر وہ فوراً اپنے خاوند کی دوکان پر گئی اور اُسے جاکے اطلاع دی۔ اُسنے کہا کہ تو ابھی جا۔ اور جس قیمت پر ملے لے آ۔ چوہری کی بی بی اُلٹے پاؤں ہمارے گھر آئی اور میری بی بی سے کہنے لگی۔ بیس اشرفیاں ہیں اِس شیشے کے ٹکڑے کی تجھے دیتی ہوں۔ میری بی بی خاموش ہو رہی۔ اتنے میں میں بھی جا پہنچا اور دونوں کو باتیں کرتے دیکھکر وہاں ٹھہر گیا۔ میری بی بی مجھے ٹھہرا دیکھ کر مجھ سے مخاطب ہوئی۔ کہ بھائی اس شیشے کے ٹکڑے کی بیس اشرفیاں دیتی ہے تمہاری کیا صلاح ہے میں نے سعد کی بات کو یاد کیا۔ یہودن نے میری سکوت سے جانا۔ کہ اِس قیمت پر میں راضی نہیں ہوا۔ فوراً بولی۔ اچھا میں پچاس اشرفیاں دیتی ہوں۔ میں حیران ہوا کہ وہ اِس تیزی سے بیس سے پچاس تک بڑھ گئی ہے۔ اسکی کیا وجہ ہے۔ شاید یہ کوئی بڑی بیش قیمت چیز ہے اسلیئے میں چپ ہو رہا۔ وہ بولی۔ اچھا سو اشرفی لیلو۔ میں نے کہا بی بی تم سو کہتی ہو میں تو اسے لاکھ اشرفی سے کم نہ بیچونگا۔ غرض یہودن بڑھتے بڑھتے پچاس ہزار اشرفی تک پہنچی۔ مگر میں نے نہ مانا۔ آخر وہ بولی۔ اچھا تو میرے خاوند کو بھی ایک نظر دیکھ لینے دو۔ میں نے کہا۔ کیا حرج ہے۔ جب رات ہوئی۔ یہودی میرے گھر آیا اور وہ شیشے کا ٹکڑا جسے میں اب تک یہی سمجھ رہا تھا۔ غور سے دیکھ دیکھ کر بولا۔ گوہر تو اچھا ہے۔ مگر تم قیمت زیادہ کہتے ہو۔ ستر ہزار اشرفیاں لیلو۔ میں نے کہا میں ایک ہی دفعہ اسکی قیمت کہہ چکا ہوں۔ منظور ہو تو خرید لو۔ ورنہ اپنا کام دیکھو۔ آخر وہ راضی ہو گیا۔ اور فوراً دو ہزار اشرفیاں میرے سامنے گن کے رکھدیں۔ کہ انہیں بیعانہ سمجھو۔ اور باقی کل دوکان پر سے لادونگا اور ہیرا لیجاؤں گا۔ غرض سودا ہو گیا اور اگلے دن وہ باقی اٹھانوے ہزار اشرفیاں بھی لے آیا اور میں نے اُسے ہیرا دیدیا۔ اب میں نے چاہا کہ کسی طرح سعد اور سعدی کا شکریہ ادا کروں۔ پھر اُس روپے سے ایک وسیع قطعہ زمین خرید کر اسپر وہ عالیشان

پہلی دفعہ جال ڈالکے میرا خاوند جو مچھلیاں پکڑیگا وہ سب تجھے لا دونگی - اور امید ہے کہ میرا خاوند بھی اس اقرار کو قبول کریگا - جب اس عورت نے وہ پیسہ اپنے خاوند کو جا کر دیا - اور اپنے وعدہ کا ذکر کیا - وہ بولا تو نے بہت اچھا کیا - کہ ایسا اقرار کر آئی ہو - پھر وہ اپنے جال کی مرمت کرکے دو گھڑی کے تڑکے دریا کی طرف گیا اور جال پانی میں ڈالا - پہلی دفعہ جو مچھلی نکلی اسے علیحدہ رکھ کے پھر کئی دفعہ جال ڈالا - مگر سب کی سب اس پہلی سے چھوٹیاں نکلیں - جب ماہی گیر اپنے گھر آیا - سب سامان وہاں رکھکر وہ مچھلی لئے میرے پاس آیا - کہنے حسن! تمہاری قسمت میں یہی مچھلی تھی - مینے کہا یہ کیا حقیقت رکھتا ہے کہ میں آپ سے اسکا عوض لوں - مگر جب اسنے اصرار کیا - لے لیتے وہ مچھلی لیکر اپنی بی بی کو دیدی اور اسسے سعد کی بات کا ذکر کیا کہ وہ کہتا تھا - کہ تم اس پیسے کی بدولت مالا مال ہو جاؤ گے - میری بی بی نے اس مچھلی کو لیکر بچوں کے لئے پکانے کا ارادہ کیا اور جب صاف کرنے لگی ہیرے کا ایک بڑا سا ٹکڑہ اسکے پیٹ سے نکلا - جسے اس نے معمولی شیشے کا ٹکڑہ تصور کرکے چھوٹے لڑکے کو دیدیا اور اسکی چمک دمک دیکھکر بہت خوش ہوا - پھر باقی بچوں نے بھی اسے دیکھ لیا - جب شام ہوئی سب کے سب دسترخوان پر بیٹھے اور اس ہیرے کو بڑے لڑکے نے اپنے پاس رکھ لیا مگر کھانے سے فارغ ہو کر پھر وہی غل مچانے لگے - مینے وجہ پوچھی - تو لڑکوں نے مجھے وہ ہیرا دکھا دیا - میں اس وقت اسکی قیمت سے کاہے کو واقف تھا - مگر اس کی چمک مجھے بھی بھلی معلوم ہوئی - مینے بی بی سے پوچھا تو نے اسے کہاں سے لیا وہ کہنے لگی صبح والی مچھلی کے پیٹ سے نکلا تھا - آخر چراغ کو بجھا دیا گیا - تو اسکی روشنی اسقدر تیز تھی کہ چراغ کی کچھ حاجت نہ رہی - مینے سوچا - چلو سعد کے پیسے کی بدولت تیل کا خرچ ہی چھٹا - لڑکے اور بھی شور مچانے لگے - کہ سارے محلے کو معلوم ہو گیا - پھر مینے سب کو گھڑکی دی - تو وہ خاموش ہو کے سو رہے - ہم نے بھی آرام کیا اور فجر کو اٹھ کے اپنے کام میں لگ گیا - میرے ہمسایہ میں ایک یہودی جواہری رہتا تھا - اسکی بی بی رات کی بے آرامی کا شکوہ کرنے میری بی بی کے پاس آئی - جو لڑکوں کے شور و غل سے انہیں ہوئی تھی - میری بی بی نے فوراً اس سے کہا - آپ جس کام کے لئے آئی ہیں - میں جانتی ہوں - لیکن امید ہے کہ آپ میرے بچوں کا قصور معاف کر دینگی - اگر آپ اندر تشریف لے آئیں تو میں آپ کو نکلے

کر دیتے تو کیوں ایسا ہوتا۔ ناچار ہم چپ ہو رہے کہ ہمسائے سُنکر ہماری بیوقوفی پر ہنسینگے مگر میں اپنے دل میں سخت پریشان تھا کہ سعدی اب کیا کہیگا اور میں اُسے کیا جواب دونگا پہلے ہی وہ میری بات پر یاور نہ کرتا تھا۔ اب تو وہ ضرور ہی مجھے فیلسوف تصوّر کریگا۔ غرض کئی دن اُن دس اشرفیوں سے اچھے گذر گئے۔ آخر ایک روز وہ دونو دوست میری حالت کو دیکھنے کے لئے پھر آئے۔ میں نے چاہا کہ چپ رہوں۔ مگر اُنہوں نے مجھے آہی لیا پھر مجھ سے سلام علیک کر کے خیریت پوچھی۔ میں نے شرمندگی کے مارے نظر نیچی کر لی۔ وہ میری وہی شکستہ حالت کو دیکھکر حیران ہوئے اور وجہ پوچھی۔ میں نے اُن اشرفیوں کو کھونے کا بھی حال سُنا دیا۔ سعدی کہنے لگا خیر! اب مجھے قسمت پر کچھ کچھ اعتبار آگیا ہے۔ وہ اشرفیاں میں نے فقط دوستانہ طور پر تمہیں دی تھیں۔ اب تم کچھ فکر نہ کرو۔ پھر سعد نے تانبے کا ایک پیسہ نکال کے مجھے دیا۔ اور کہنے لگا۔ تم دیکھو گے تانبے کا یہ ٹکڑہ خدا کے فضل سے تمہارے لئے کیسا مبارک ثابت ہوتا ہے۔ سعدی نے قہقہ مار کر کہا تانبے کا یہ ٹکڑا حسن کو کیسے نفع دیگا۔ سعد مجھ سے بولا۔ تم اِسے اپنے پاس رکھو اور سعدی کو ہنسنے دو۔ دیکھو تو پردہ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ میں نے وہ پیسہ لیلیا اور بے پروائی کیساتھ اپنی جیب میں رکھ لیا۔ پھر وہ دونو دوست رخصت ہو گئے اور میں اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ رات کو جب سونے لگا اور کپڑے اُتار رہا تھا کہ وہ پیسہ جیب میں سے گر پڑا۔ میں نے اُسے اُٹھا کے بڑے استغنا کے ساتھ ایک طاقچے پر رکھدیا۔ اتفاقاً اُسی رات میرے ایک ہمسایہ ماہیگیر کو اپنے جال کی مرمت کے لئے ایک پیسے کی ضرورت پڑی تاکہ اُس سے سُوت خرید لائے۔ اور جال درست کر کے مچھلیاں پکڑے اُسنے اپنی عورت کو پیسہ کے لئے بھیجا۔ مگر وہ پہلے اور گھروں میں گئی۔ اتفاق سے اُسے کہیں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ پھر وہ میرے گھر آئی۔ اور میری بی بی کو آواز دی اور کہنے لگی۔ میرے خاوند کو جال کی مرمت کے لئے ایک پیسہ کی اسوقت ضرورت آپڑی ہے۔ ہمارے ہمسایہ کے گھروں میں ہو آئی ہوں۔ مگر کسی نے بھی حامی نہ بھری۔ میں نے وہی پیسہ اپنی بی بی کو دیدیا کہ جاکے اُس کو دے آئے۔ غرض وہ بڑی خوش ہوئی اور میری بی بی سے کہنے لگی۔ میں اقرار کرتی ہوں کہ

مجھ سے پوچھا - بھائی حسن! تمہارا کیا حال ہے - ان دوسو اشرفیوں سے تمہارے کاروبار میں کسقدر ترقی ہوئی ہے؟ میں نے جواب دیا - صاحب! کیا بتاؤں بدبختی عجیب چیز ہے - پھر میں نے چیل کی پگڑی لیجانے کا سارا واقعہ اُسے سُنا دیا - سعدی کو اعتبار نہ آیا اور وہ بولا اے حسن! کیا ہمیں دھوکا دینا چاہتا ہے - مجھے معلوم ہے اکثر آدمی جنہیں یکایک کہیں سے کثیر دولت بے محنت ہاتھ آجاتی ہے اور اُسے عیاشی میں صرف کرکے حاجت کے بہانے بناتے ہیں - تم بھی اُن میں سے ایک ہوگے - میں نے جواب دیا حاشا وکلا - میں جھوٹ نہیں بولتا - آپ کسی اور سے پوچھ سکتے ہیں - کہ مجھ پر یہ حادثہ گذرا ہے یا نہیں - سعدی بولا - مگر چیلیں تو صرف وہی چیزیں لیجاتی ہیں جو اُنکے کھانے کی ہوں - پگڑی کو چیل کیا کریگی - یہ سُنکر سعد بولا - یہ ضروری نہیں ہے - بسا اوقات اتفاق ہوا ہے کہ وہ بے مصرف کی اشیا بھی اپنے گھونسلوں میں لے گھستی ہیں - سعدی کو پھر کسیقدر اعتبار آگیا - اور دوسو اشرفیاں مجھ کو دیکے کہنے لگا - لو - اب انہیں احتیاط سے رکھنا - میں نے اُسکا شکریہ ادا کیا اور دعائیں دیں - پھر وہ دونوں دوست چلے گئے اور میں گھر آیا - اتفاق سے بی بی بچوں میں سے اُسوقت گھر میں کوئی نہ تھا - میں نے تھیلی سے دس اشرفیاں نکالیں اور باقی کی ایکسو نوے ایک کپڑے میں مضبوط باندھ کر مٹی کے ایک بڑے مٹکے میں رکھدیں جس میں گندم کی بھوسی بھری تھی - مگر اپنی بی بی کو اس کی خبر نہ دی - پھر میں بازار میں سن لینے کے لئے چلا گیا - میرے پیچھے ایک آدمی سر دھونے کی مٹی بیچتا آیا - میری بی بی نے اُسے خریدنا چاہا - مگر پلے پیسہ نہ تھا - اسلئے اُسنے خیال کیا کہ وہ بھوسی کا مٹکا دیکے مٹی لے لینی چاہیئے - مٹی والا بھی راضی ہوگیا اور مٹی دیکے مٹکے سمیت بھوسی اُٹھا لیگیا - تھوڑی دیر بعد میں بھی سن لیکے آگیا اور تکان کے باعث ایک چارپائی پر لیٹ گیا - یکایک میری نگاہ اُس جگہ پر پڑی - جہاں وہ بھوسی کا مٹکا پڑا تھا - مگر وہ جگہ خالی پا کر مجھے بڑی بے چینی ہوئی اور میں نے اپنی بی بی سے پوچھا وہ مٹکا کہاں ہے - وہ بولی - اُسے تو میں نے فروخت کر دیا - میں چلایا - اے کمبخت! تو نے ہمیں ہلاک کرکے اُس گلا فروش کو مالا مال کر دیا - پھر اُن دونو دوستوں کے آنے اور اشرفیاں دینے کا سارا واقعہ اُسے سُنا دیا اور کہنے لگی واہ تم بھی عجیب آدمی ہو کہ اپنا قصور میرے گلے مڑھتے ہو - اگر تم مجھے پہلے مطلع

تصویر سعدی اور سعد کی حسن حبال کے گھر آنیکی اور اُس سے ہمکلام ہونے کی



زمین پر گر پڑی۔ چیل نے اُسے گوشت تصور کیا۔ اور جھپٹا مار کے لے بھاگی اڑی۔ میں نے بہتیرا غل مچایا۔ مگر وہ نظروں سے غائب ہی ہوگئی۔ آخر حیران ہو کے میں گھر آیا۔ اور دل میں شرمندہ تھا کہ سعدی کو کیا جواب دونگا۔ وہ اُسے ضرور میرا فریب سمجھے گا غرض اُسی حالت میں جب گھر آیا۔ میری پریشانی کو میرے ہمسایوں اور میری بی بی نے دیکھا۔ اور وجہ پوچھی۔ ہر چند میں نے اپنے نقصان مایہ و دیگر شماتت ہمسایہ کے خیال سے بات کو چھپانا چاہا۔ مگر آخر معاملہ ظاہر کرنا ہی پڑا۔ اور کسی کو میرے پاس اشرفیاں ہونے کا اعتبار نہ آیا۔ صرف میری بی بی نے سخت افسوس کیا آخر باقیماندہ دس اشرفیوں سے میں نے کئی روز بسر کیئے اور پھر ویسے کا ویسا ہی ہوگیا چھ مہینے پھر اسی افلاس میں گذر گئے اور وہ دونو دوست یہ دیکھنے کے لئے کہ کسقدر میری پونجی بڑھی ہے پھر میرے گھر آئے سعد نے دور سے ہی مجھے دیکھ لیا اور سعدی سے کہنے لگا۔ میں تو اسکی پہلی وہی حالت پاتا ہوں۔ البتہ پگڑی کچھ اچھی ہے۔ پھر وہ دونو آگے بڑھے اور سعد

قسمت اور تقدیر کا معتقد ہے سعدی دولتمند ہے اور سعد مفلس۔ مگر دونوں میں کمال درجہ کی دوستی ہے البتہ اس مسئلے پر ضرور ہر روز بحث رہا کرتی تھی۔ ایکدن سعدی نے کہا۔ آؤ تجربہ کر دیکھیں اور کسی مزدور پیشہ ور کو کچھ نقدی دیجائے جس سے وہ مکرر ایکدن دولتمند بن جائیگا۔ اسوقت تم قسمت اور تدبیر کو مان لوگے۔ یہ فیصلہ کرکے دونو میری جگہ آگئے۔ میں اسوقت رسی بٹنے میں مصروف تھا جو کئی پشتوں سے میرا پیشہ چلا آتا تھا۔ میرے لباس اور گھر کی حیثیت کو دیکھ سعد بولا۔ اس سے اچھا آدمی تجربہ کے لئے تمہیں نہ ملیگا۔ اسے کچھ اشرفیاں دیدو۔ میں اسے مدت سے جانتا ہوں سعدی نے جواب دیا بہت اچھا۔ مگر پہلے ہمیں اسکے حالات تو پوچھ لینے چاہئیں اور دونو بھلے بھلے میری طرف متوجہ ہوئے۔ مینے سلام کہی۔ انہوں نے میرا نام پوچھا مینے جواب دیا۔ مجھے حسن رسن ساز کہتے ہیں۔ سعدی بولا۔ پیشہ ور کو پیشہ ہی کافی ہوتا ہے۔ میں تو سمجھتا تھا تم بڑے خوشحال ہوگئے۔ مینے جواب دیا۔ خوشحالی کی تو کچھ نہ پوچھئے۔ صبح سے شام تک رسی بٹتا ہوں اور بدشواری اپنا اور بی بی اور پانچ ننھے بچوں کا پیٹ پالتا ہوں۔ مگر اتنی بات البتہ شکر کے قابل ہے کہ خدا نے مجھے کسی کا محتاج نہیں بنایا۔ یہ سنکر سعدی بولا۔ مجھے تمہارا حال معلوم ہوا۔ یہ لو دوسو اشرفیوں کی تھیلی ہے۔ ان سے تم اپنی بسر اوقات اچھی طرح سے کر سکتا ہے۔ بلکہ دولتمند ہو جائیگا۔ مینے شکریہ ادا کیا اور جواب دیا کہ یک بیک دولتمند ہونا محال ہے۔ البتہ رفتہ رفتہ آپ کی مہربانی سے ہو سکتا ہوں۔ یہ سنکر اس نے مجھے صادق القول سمجھا۔ اور بولا یہ اشرفیاں میں تجھے بند دیتا ہوں۔ تم اپنا کاروبار کرو اور خدا تمہیں برکت دیگا۔ مگر خیال رکھنا انہیں ضایع کرنیکی کوشش نہ کرنا میں اور میرا دوست سعد تمہیں دولتمند پاکر بہت خوش ہونگے۔ مینے شکریہ ادا کیا اور تھیلی لیکے جیب میں رکھ لی۔ پھر وہ دونو دوست رخصت ہوگئے۔ اب میں اس فکر میں ہوا کہ انہیں کہاں رکھوں۔ گھر میں کوئی محفوظ جگہ نہیں۔ نہ ہی کوئی صندوق ہے ناچار پگڑی میں باندھ رکھنے کی صلاح کی۔ چنانچہ تھیلی کو اندر لے آیا اور اس میں سے دس اشرفیاں نکالکر الگ کرلیں باقی کی ایکسو نوے پگڑی میں رسی سے خوب کس کر باندھ لیں۔ پھر بازار گیا کچھ سن خرید کیا اور واپس آتے وقت تھوڑا سا گوشت بھی لیکر چلا آتا تھا کہ راستے میں ایک چیل نے جھپٹا مارا کہ گوشت چھین لے مگر مینے بچا لیا۔ وہ پھر لپکی۔ اسی کو دیکھا تو میں میری پگڑی

یہ سنکر وہ بی بی اندر گئی۔ اور ایک بوتل لاکے مجھے دیدی جس میں پانی بھرا ہوا تھا۔ اور کہنے لگی۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ امین اسوقت گھر میں نہیں مگر تھوڑی دیر بعد آئیگی۔ لہذا تم فوراً گھر میں جاؤ اور جب آئے فوراً اُسکے مُنہ پر یہ پانی چھڑک دینا۔ پھر تم جس جانور کی شکل میں اُسکو لانا چاہو گے فوراً وہی شکل اختیار کرلیگی۔ غرض اس ہدایت کو پاکر میں گھر آیا اور امین کے انتظار میں بیٹھا۔ چند منٹ کے بعد وہ بھی آگئی اور مجھے دیکھکے کانپنے لگی۔ چاہتی تھی کہ بھاگ جائے۔ مگر مینے فوراً اُسپر پانی چھڑک کر کہا کہ یہ شکل چھوڑ کے اچھی گھوڑی بن جا۔ اور یہ وہی گھوڑی ہے جسے آپ نے کل دیکھا تھا۔ پھر مینے اُسے اصطبل میں لیجاکے رسّی سے خوب باندھکر مارا۔ اور معمول ٹھہرا لیا کہ ہر روز اُسے خوب چکر دیکر اچھی طرح چابک سے اُسکی خبر لیا کرونگا۔ امیر المؤمنین اُمید ہے کہ آپ میری اس حرکت سے ناخوش نہ ہونگے۔ بلکہ ایسی ناشکر گذار عورت کے حق میں کوئی زیادہ سزا تجویز کرینگے۔ خلیفہ نے فرمایا حقیقت میں تمہارا قصہ بڑا عجیب ہے۔ مگر یہ سزا بہت سخت ہے۔ تاہم میں تمہیں مجبور نہیں کرسکتا کہ تم پھر اسے اسکی اصلی صورت میں لے آؤ۔ کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ ملعون تمہارے ساتھ کوئی اور بدسلوکی نہ کر بیٹھے۔ پھر خلیفہ خواجہ حسن رسن ساز کیطرف مخاطب ہوکر بولا۔ کل فلاں محلے میں تمہارا عالیشان محل دیکھکر مجھے حیرت ہوئی تھی اور لوگوں سے پوچھنے سے معلوم ہوا کہ تم یکایک تھوڑی عرصے میں دولتمند بلکہ امیر کبیر بن گئے ہو۔ اب مجھ سے ٹھیک ٹھیک بیان کرو کہ تم یکایک اسقدر مالدار کیونکر ہو گئے مگر دل میں بالکل کسی اندیشہ کو راہ نہ دو۔ مجھے فقط تمہارا حال دریافت کرنا ہے۔ مال سے کوئی مواخذہ نہیں۔ خواجہ نے اپنا قصہ یوں بیان کرنا شروع کیا۔

قصہ خواجہ حسن رسن ساز کا

امیر المؤمنین! پہلے میرے دو دوستوں کا حال سن لیجئے جو زندہ و سلامت اور میرے اظہار کے گواہ ہیں۔ ایک کا نام سعد ہے اور دوسرے کو سعدی بولتے ہیں۔ سعدی کا اعتقاد تھا۔ کہ کوئی شخص تدبیر اور راس المال کے بغیر خوشحال نہیں ہوسکتا۔ مگر سعد

الگ کر کے رکھدیا۔ اور نانبائی ہکا بکا رہ گیا۔ وہ عورت بھی متحیر ہوئی اور کھوٹا درہم بدل کے چلی گئی۔ نانبائی نے تمام بازار میں میری اس شناخت کا غل مچادیا۔ پھر تو لوگوں کا تانتا بندھ گیا۔ لوگ آتے اور کھرے درہموں میں کھوٹے ملا کر میرے سامنے رکھدیتے میں بھی ذرا انہیں الگ الگ کر دیتا۔ اُسدن شام تک میرا امتحان ہی ہوتا رہا۔ اور بہت جلد یہ خبر سارے شہر میں مشہور ہوگئی۔ نانبائی کو بھی میرا پاس زیادہ ہوگیا۔ اُس کے ہمسائے کہتے کہ بھائی! یہ کتا کیا ہے تمہیں تو ایک صراف مفت میں ملگیا ہے اُس کے کئی روز بعد میری شہرت سنکر ایک اور عورت وہاں سے روٹیاں لینے آئی۔ اور اچھا اچھے درہموں میں ایک درہم کھوٹا ملا دیا۔ میرے آقا نے وہ درہم میرے سامنے پرکھنے کے لئے رکھدئے اور میں نے فوراً کھوٹے درہم پر پاؤں رکھدیا۔ وہ عورت مانگئی کہ واقعی یہ ٹھیک ہے۔ مجھے بھی اس کتے کا صرف امتحان مطلوب تھا۔ آخر وہ بدلکر روٹیاں لیں اور نانبائی کی نظر بچا کر مجھے ساتھ آنیکا اشارہ کر کے چل کھڑی ہوئی۔ میں نے بھی سمجھ لیا اور اُسکے پیچھے پیچھے ہولیا۔ آخر وہ عورت مجھے اپنے گھر لیگئی اور جب میں اندر گیا اُس نے باہر کا دروازہ بند کرلیا۔ پھر مجھے ایک کمرے میں جہاں ایک نوجوان حسینہ کارچوبی کپڑے پہنے مسند پر بڑی تمکنت سے بیٹھی تھی لیگئی اور اُس سے کہنے لگی۔ بیٹی! یہی وہ کتا ہے جو کھوٹے درہموں کو پرکھتا ہے۔ میں نے آج اُسکا امتحان بھی کرلیا اور اسے پورا صراف پایا۔ ذرا تم بھی تو دیکھو کہ کون ہے۔ وہ بغور میری طرف دیکھ کے بولی۔ اماں! ابھی تیرا بھی بھید کھل جاتا ہے۔ پھر پانی کا ایک گلاس لیکر اُسپر کچھ پڑھا اور مجھپر چھڑک کر بولی۔ اگر تو پیدائش سے ہی کتا ہے تو خیر! ورنہ فوراً اپنی اصلی صورت پر آجا۔ اُسکے یہ کہتے ہی میں آدمی بنگیا اور کمال مسرت کے ساتھ شکریہ ادا کرنے کے لئے اُس نازنین کے قدموں پر گر پڑا اور اُس بڑھیا کا بھی شکریہ ادا کیا جو مجھے اپنے ساتھ لائی تھی۔ پھر میں نے اپنا اور اپنی بی بی کی بدسلوکی کا سارا حال اُس حسینہ سے کہدیا وہ بڑے غصے میں آئی اور بولی۔ میں اسکو بھی کچھ سزا دینی ضروری سمجھتی ہوں ورنہ تمہارے لئے بہت اندیشہ ہے۔ میں نے جواب دیا۔ آپ مالک ہیں جو چاہیں کریں۔ میں فوراً حکم کی تعمیل کرونگا

امین کے کان کھڑے ہوگئے۔ اُسنے سمجھ لیا۔ کہ مینے اُسکی کرتوت دیکھ لی ہے فوراً آنکھیں سرخ کرلیں۔ گویا آگ کے شعلے نکلتے تھے۔ پھر پانی کا ایک گلاس لیکر اسپر کچھ پڑھا جسے میں نہ سمجھ سکتا تھا۔ آخر اُس میں سے تھوڑا سا پانی لیکر مجھ پر چھڑک دیا۔ اور بولی جا اے ملعون! فوراً کتا بن جا۔ اُسکے یہ کہتے ہی مینے جامہ انسانی کی جگہ اپنے تئیں فوراً حیوانی صورت میں پایا اور سخت بیقراری محسوس کی۔ میری بی بی نہیں۔ بلکہ میری دشمن نے یہ دیکھ باہر کا دروازہ بھیڑ لیا۔ اور ایک لاٹھی اُٹھا کے مجھے مارنے لگی۔ بعد مارا اور اسقدر پیٹا کہ میں بے دم ہوگیا۔ آخر جس طرح ہوسکا میں فوراً باہر نکلا اگرچہ لاٹھی کی مار سے اب نجات مل گئی۔ مگر مجھے اجنبی سمجھکر گلی کے کتوں نے آگھیرا اور اگر میں دم دبا کے بھاگ نہ جاتا تو میری بوٹی بوٹی ہوا ہی چلی تھی۔ غرض میں ایک نانبائی کی دوکان میں گھس گیا اور اُسنے باقی کتوں کو مار کر مجھے بچایا۔ آخر رات مینے وہیں بسر کی۔ اور اگلے دن جب دوکاندار منڈی سے گوشت لیکے آیا تو میں دوکان ہی میں پڑا مہربان ہوگیا اور فوراً ایک بڑا سا لوتھڑا اُٹھا کے میرے سامنے پھینکدیا مینے دُم ہلا کے وہ گوشت کھایا اور پھر دُم ہلا کے اُسکا شکریہ ادا کیا۔ میری یہ ادا اُسے بھلی معلوم ہوئی اور اُس نے مجھے اپنے پاس ہی رکھ لیا۔ جب شام کو وہ دوکان بند کرکے گھر چلا تو مجھے بھی ساتھ ہی لیلیا اور میرے رہنے کے لئے ایک اچھی سی جگہ مقرر کی۔ غرض وہ مجھپر نہایت شفقت فرمانے لگا۔ اسکی مہربانی کے عوض میں میں بھی اُس سے کمال اُلفت رکھتا تھا۔ جب وہ باہر نکلتا فوراً اُسکے ساتھ ہولیتا۔ اگر قضا کار میں اُسکے ساتھ نہ ہوتا تو وہ فوراً مجھے آواز دیتا جسکے سُنتے ہی میں دُم ہلاتا ہوا دوڑا جاتا تھا۔ ایک مدت تک اسیطرح اُس کے پاس رہا۔ ایکدن کی بات ہے کہ کوئی بڑھیا اُس نانبائی کی دوکان پر روٹیاں لینے آئی اور درہموں میں ایک کھوٹا درہم بھی ملا کے دینے لگی۔ نانبائی نے وہ درہم فوراً لوٹا دیا۔ مگر بڑھیا اصرار کرنے لگی۔ کہ نہیں یہ بھی کھرا ہے۔ میرے نانبائی نے جوابدیا۔ اچھا آؤ۔ میرے کتے کو دکھاؤ۔ دیکھو تو وہ کیا کہتا ہے۔ یہ کہکے وہ سب درہم میرے سامنے ڈھیر کردئے۔ اور بولا کہ انمیں سے کھوٹا درہم نکال دو۔ مینے فوراً وہی درہم پاؤں سے

شرم کرتی ہے اور پھر کھانا کھائیگی یا پہلے کھا چکی ہے۔ مگر جب کئی روز متواتر گذر گئے اور اس کے معمول میں فرق نہ آیا تو میں نے حیرانی سے اسے ٹوکنا شروع کیا۔ مگر وہ خاموشی میں بات کو ٹال دیا کرتی۔ ایک رات کی بات ہے ہم دونوں ایک ہی بستر پر سوتے تھے کہ نیم شب کے وقت وہ چپکے سے اٹھی۔ چونکہ مجھے سوتا سمجھتی ہے اور کپڑے بدل باہر کو روانہ ہوئی۔ میں بھی بظاہر تو سو رہا تھا مگر جاگ رہا تھا۔ کہ دیکھوں کدھر کو جاتی ہے آخر اسنے باہر کا دروازہ کھول کے گلی میں قدم رکھا میں بھی فوراً اٹھ کے پیچھے ہو لیا۔ اور وہ ایک قبرستان میں جو ہمارے مکان کے متصل ہی واقع تھا۔ جاکے ایک غول بیابانی کے پاس بیٹھ گئی۔ میں یہ نظارہ دیکھ کے جل بھن گیا۔ مگر اپنے تئیں سنبھالکر ایک دیوار کے پیچھے چھپ گیا۔ جہاں سے میں انہیں دیکھ سکتا تھا۔ مگر انکی نظر مجھ پر نہ پڑ سکتی تھی۔ خیر! آخرکار ان دونوں ملعونوں نے ایک قبر سے مُردہ نکالا جو اسیدن دفن کیا گیا تھا۔ اور اسکا گوشت نوچ نوچکر بڑے مزے سے کھانے لگے۔ اس اثنا میں وہ باتیں بھی کرتے جاتے تھے۔ مگر دور ہونیکے سبب میں وہ باتیں نہ سُن سکا۔ بہرکیف مارے غم وغصے کے میں کھڑا کانپ رہا تھا اور میں نے سمجھ لیا کہ اسکے کھانا نہ کھانیکی یہی وجہ تھی۔ آخر دونو نے گوشت کھا کے مُردے کی ہڈیاں قبر میں پھینک اوپر مٹی ڈالنی شروع کی۔ اور میں چپکے سے واپس آکے بستر پر لیٹ رہا۔ تھوڑی دیر بعد وہ غول کی بچی بھی میرے پہلو میں آکے لیٹ رہی۔ مگر اب مارے کراہت کے مجھے نیند نہ آتی تھی اور خدا خدا کرکے رات بسر کی۔ جب دن نکلا میں فوراً اٹھا کپڑے بدلے اور سیر کو نکل گیا۔ مگر راستہ بھر یہی خیال سر میں چکر لگا رہا تھا کہ اپنی بی بی سے مُردار خوری کی عادت کیسے چھڑاؤں۔ جس کا نام امین تھا۔ غرض اسی خیال میں اسوقت گھر واپس ہوا۔ جب کھانا تیار ہو رہا تھا آتے ہی میں نے دسترخوان بچھانے کا حکم دیا۔ نوکر نے فوراً ہر قسم کے لذیذ کھانے سامنے لا رکھے۔ مگر امین نے وہی کردنی نکال لی مجھے بڑا غصہ آیا۔ اور بے اختیار ہو کر بول اٹھا۔ صاحب میں آپ کے طریق خورش پر حیران ہو رہا ہوں۔ اور نہیں جانتا کہ آپ زندہ کیسے رہ سکتی ہیں۔ مہربانی کرکے اگر آپ کو کوئی کھانا پسند نہ آتا ہو تو باورچی کو کہہ کے اپنی پسند کے موافق تیار کرا لیا کریں۔ کیا وہ کوئی بھی ایسا کھانا تیار نہیں کر سکتا جو مُردے کے گوشت سے اچھا نہ ہو۔ یہ سنتے ہی اب

اس بے رحمی کی کیا وجہ ہے۔ کل میں نے لوگوں سے پوچھا بھی چاہا مگر سوائے اسکے اور کچھ پتہ نہ لگا کہ تم ہر روز اس اوباش کے ساتھ اسی طرح سے پیش آتے ہو۔ اب مفصل طور پر مجھے اپنا ٹھیک ٹھیک حال سُنا دو۔ اور مجھے مواخذے سے مت ڈرو۔ میں نے معاف کیا۔ یہ سنکر سیدی نعمان خلیفہ کا شکریہ بجالایا۔

قصہ سیدی نعمان اور اُسکی گھوڑی کا

حضور مجھے بزرگوں سے اسقدر ترکہ ملا تھا کہ اگر میں چاہتا تو امیرانہ اپنی عمر اُس سے بسر کرتا مگر جوانی دیوانی مشہور ہوتی ہے۔ ایکدن شادی کا خیال آگیا اور چند روز بعد ایک حسینہ سے بیاہ بھی ہوگیا۔ لیکن اگلے دن جب ہم دونو پہلی دفعہ دسترخوان پر بیٹھے۔ مجھے اُس کی عادات نہایت عجیب معلوم ہوئیں۔ میں نے حسب دستور سب سے پہلے چمچے سے پلاؤ کھانا شروع کیا۔ مگر میری بی بی جیب سے کان کریدنی نکالکر ایک ایک دانہ کھونگنے لگی۔ میں نے سمجھا شاید مجھہ سے

تصویر امینہ کی قبرستان میں پہنچکر ہمراہ غول بیابانی کے مُردے کو قبر سے نکالکر گوشت کھانا



اور مدد و زر دو شترہ دیدہ ہوشت ۔ الا مصرعہ اسوقت مجھ پر صادق آرہا ہے ۔ میں نے سخت اصرار کر کے
اُسے خدا کی قسم دلائی ۔ وہ بولا عجیب آدمی ہو ۔ میں جب تمہارے ساتھ نیکی کر چکا ہوں تو اب
بدی کیسے کروں ۔ میں نے جواب دیا ۔ کہ تم بری الذمہ ہو ۔ فقط تجربہ کرنا چاہتا ہوں ۔ کیونکہ مجھے
یقین نہیں ہے کہ ایک چیز کے دو خواص ہو سکتے ہیں ۔ وہ بولا اے تم ایسا ہی خیال کرو ورنہ
یاد رکھو سخت پریشان ہونا پڑیگا ۔ میں نے کہا جہاں آپ نے اتنا احسان کیا ہے ۔ ایک یہ بھی مان
لیجئے آپ کا تو کچھ نہ بگڑیگا ۔ غرض بیچارے نے مجبور ہو کر تھوڑا سا مرہم میری داہنی آنکھ
پر بھی لگا دیا ۔ اور جب میں نے آنکھ کھولنے کی کوشش کی تو دنیا تاریک ہو رہی تھی اور اسوقت
سے آج تک میرے لئے شب و روز برابر ہیں ۔ یہ دیکھکر میں نے اُس درویش کو بیشمار گالیاں دیں
وہ بولا اسمیں میرا کیا قصور ہے میں نے تو تمہیں سمجھا دیا تھا ۔ مگر یہ تمہاری حرص کا نتیجہ ہے کہ
دنیا بھر کے خزانوں سے محروم ہو گئے ہو ۔ میں نے کہا بھلے آدمی ! خدا کے لئے یہ سب اونٹ لیجاؤ
اور مجھے چون کا تول بتاؤ کاش ! آپ مجھے اس خزانے کا پتہ ہی نہ بتاتے ۔ مگر اُسنے جواب دیا
اب کچھ نہیں ہو سکتا اور اونٹ آگے ہنکا کے بصرے کی راہ لی ۔ میں نے کہا مجھے ساتھ ہی لیچلو ۔ مگر
اب وہ میری طرف سے گویا بہرہ بنگیا تھا ۔ ناچار اُسی بے آب و گیاہ جنگل میں میں اکیلا دن اور
رات تڑپتا رہا ۔ اگلے دن ایک قافلہ بغداد آنے والا تھا ۔ اُنہوں نے مجھ پر رحم کیا ۔ اور مجھے یہاں
لے آئے ۔ میں نے یہاں پہنچکر اپنے تئیں کسی کام کے قابل گداگری شروع کی ۔ اور خدا سے عہد
کیا ۔ کہ اس لالچی نفس کی سزا یہی ہے کہ جو کوئی مجھ پر ترس کھائے وہ میرے سر پر ایک دھول
بھی لگاتا جائے ۔ یہی وجہ ہے کہ کل مجھے آپ کے حضور میں گستاخی کا مرتکب ہونا پڑا ۔ خلیفہ
بولا ۔ بابا عبداللہ ! تمہارا گناہ تو فی الواقع بہت بڑا ہے مگر اسکے لئے عابدوں اور زاہدوں
سے دعا کے واسطے التجا کرو ۔ اور اب بھیک مانگنے کے لئے شہر میں مت جایا کرو بیت المال
سے تمہارا وظیفہ چار درہم روزانہ مقرر کیا جاتا ہے ۔ بابا عبداللہ خلیفہ کا شکریہ بجا لایا ۔
اب ماویان کو بیرحمی سے مارنیوالے نوجوان کی باری آئی ۔ خلیفہ نے پہلے اسکا نام پوچھا ۔ اُسنے
کہا حضور ! مجھے سیدی نعمان کہتے ہیں ۔ خلیفہ نے پوچھا کہ کل تم اپنی گھوڑی کو بڑی بُری طرح
سے مار رہے تھے ۔ میں نے اکثر سواروں کو دیکھا ہے ۔ مگر تم سا بیرحم مجھے کوئی دکھائی نہیں دیا

لئے اسقدر اونٹوں کی خبر گیری بہت مشکل ہے آدھے اور مجھے دیدو۔ اُس خدا کے بندے نے کچھ بھی چون وچرا نہ کی۔ اور کہنے لگا۔ تم کہتے تو ٹھیک ہو۔ اچھا لیجاؤ۔ یہ سنکر میں نے بیس اونٹ اور لئے اور اپنا راستہ پکڑا۔ تھوڑی دُور جاکر پھر خیال آیا۔ اس بھلے مانس نے تو کچھ چون وچرا نہ کی۔ میں نے غلطی کی۔ اگر سب کے سب مانگ لیتا تو وہ باقی کے اونٹ بھی مجھے بخشدیتا۔ یہ سوچکر میں اُسکے پیچھے اُلٹا دوڑا اور چلانا شروع کیا فقیر صاحب! ذرا ٹھہر جائیے وہ بیچارہ پھر رُک گیا۔ اور بولا۔ کہو۔ اب کیا کہتے ہو۔ میں نے کہا۔ مجھے رہ رہ کے آپکی عبادت کا خیال آتا ہے۔ کہ اگر آپ دولت اور اونٹوں کی خبر گیری میں مصروف ہوگئے تو آپ کا بہت ہرج ہوگا۔ علاوہ ازیں مجھے بھی اسکا گناہ ہوگا۔ کہ میں نے کیوں آپ کو اس طرف سے باز نہیں رکھا۔ اسلئے اگر مناسب سمجھیں تو باقی کے بیس اونٹ بھی مجھے دے جائیں۔ اُسنے جواب دیا۔ بہت اچھا لیجاؤ۔ اور آپ دامن جھاڑ کے اُٹھ کھڑا ہوا۔ سچ تو یہ ہے کہ لالچ سے اسوقت میری آنکھیں اندھی ہو رہی تھیں۔ میں نے ان اسّی اونٹوں پر بھی صبر نہ کیا۔ جنپر لدی ہوئی دولت میری ہفتاد پشت کے لئے کافی ہوسکتی تھی۔ اور چاہا کہ اُس ڈبیا کو بھی درویش سے لیلوں۔ مگر اب کے جب میں نے اُس درویش سے ڈبیا کے لئے سوال کیا۔ اُسنے صاف انکار کردیا۔ میں نے خیال کیا کہ اگر آرام سے نہ دیگا تو میں جبرًا اس سے لینے کی کوشش کرونگا۔ اس کے دل میں بھی کھٹک گئی اور پھر فورًا خود بخود وہ ڈبیا مجھے دیکے بولا۔ اچھا تو اس کے خواص بھی سن لو۔ میں نے اسکا شکریہ ادا کیا کہ ہاں یہ تو آپکی بڑی مہربانی ہوگی۔ وہ بولا۔ اگر اسے داہنی پلک پر لگایا جائے تو دُنیا کے تمام پوشیدہ خزانے نظر آنے لگتے ہیں۔ مگر بائیں آنکھ پر لگانے سے دونوں آنکھیں اندھی ہوجاتی ہیں۔ میں نے کہا آپ ہی اسے اچھی طرح استعمال کرسکتے ہیں ذرا مجھے ایکبار تجربہ تو کر دیکھئے۔ یہ سُنکر اُسنے تھوڑا سا مرہم میری داہیں پر لگا دیا اور جب میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو بیشمار دفینے اور خزانے نظر آنے لگے۔ جیسا کہ اُسنے کہا تھا پھر میرے دل میں خیال آیا کہ بائیں آنکھ پر بھی لگوا کے دیکھوں تو۔ اسکا کوئی اور فائدہ نہ ہو جسے یہ درویش چھپانا چاہتا ہے۔ یہ سوچکر میں نے فورًا بائیں آنکھ بھی بند کرلی۔ کہ ذرا اسپر بھی لگادو۔ وہ بولا۔ اس کا خواص پہلے تمہیں بتا چکا ہوں۔ دیکھو عمر بھر کے لئے پشیمان رہوگے۔ شامت اعمال سر پر سوار تھی

سے بھی لادلاؤ۔ تو اُسکا ایک کونہ بھی خالی نہ ہوگا۔ میں اُسکے جھانسے میں آگیا اور فوراً
میں صورت بنا کر اُس سے کہا کہ آپ کو تو پتہ ہوگا ہی۔ اگر مجھے وہاں لیچلیں تو ایک اونٹ
آپ کی نذر کر دونگا۔ اُس نے جواب دیا۔ ایک اونٹ پر تو میں راضی نہیں ہو سکتا۔ آدھے
دینے کرو تو چل سکتا ہوں۔ مینے سوچا کیا حرج ہے۔ آخر مینے منظور کر لیا۔ اور اونٹوں کو
ہانک کے اُدہر لیچلا جس طرف وہ فقیر روانہ ہوا تھا۔ تھوڑی دور پر دو پہاڑ دکھائی دئے
جو نصف دائرہ کی شکل میں کھڑے تھے۔ اور راستہ پُر از نشیب و فراز کا تھا۔ ہم بے فکری سے
ساتھ چلے جاتے تھے۔ کیونکہ ہمیں دیکھنے والا کوئی آدمی نہ تھا۔ آخر ایک جگہ پہنچکر فقیر نے
اشارہ کیا۔ کہ اونٹوں کو یہیں بٹھا دو۔ اور تم میرے ساتھ آؤ۔ بغرض تھوڑی دور پہنچکر
اس نے جیب سے ایک ٹکڑا چقماق اور کچھ روئی نکالا اور لکڑیاں جمع کرکے آگ جلائی۔ اسکے
بعد خوشبو آگ پر ڈال کچھ کلام پڑھا جسے میں نہ سمجھ سکتا تھا۔ تھوڑی ایک دھواں سا اُٹھا اور
بلندی پر جاکے پھٹ گیا۔ پھر اُس دھوئیں میں سے ایک محل دکھائی دیا جسمیں ایک دروازہ
لگا ہوا اور کھلا پڑا تھا۔ نیز ہمارے قدموں سے اُسی دروازے تک ایک راستہ بنگیا۔ پھر
ہم دونوں اونٹوں سمیت اُس مکان میں پہنچے۔ اندر جاکے میری آنکھیں کھل گئیں۔ چاروں طرف
جواہرات اور اشرفیوں کے ڈھیر پڑے تھے۔ مینے اپنے اونٹوں کی بوریوں میں اشرفیاں
بھرنی شروع کیں۔ مگر وہ فقیر صرف جواہرات چُن چُن کر بوریوں میں ڈال رہا تھا۔ آخر اُس کے
سمجھانے پر مینے بھی جواہرات اکٹھے کرنے شروع کئے۔ جب اسّی کے اسّی اونٹ جواہرات اور
سونے سے لد چکے۔ ہم باہر آگئے۔ مگر وہ فقیر اندر گیا اور ایک چوبی ڈبیا جسمیں کوئی مرہم بھرا
تھا۔ ایک صندوق میں سے نکال کے لے آیا۔ اور نیچے آکر پھر کوئی افسون ایسا پڑھا۔ کہ
راستہ مٹ گیا۔ دروازے کا نشان تک نہ رہا۔ اور آخر وہ محل بھی نظروں سے غائب ہوگیا
اسکے بعد ہم نے برابر برابر اونٹ بانٹ لئے۔ اور اپنی اپنی راہ لی۔ تھوڑی دور جاکر مجھے خیال
آیا۔ یہ فقیر آدمی ہے۔ اسقدر اونٹوں کو کیا کریگا۔ اسلئے مینے اپنے اونٹوں کو وہیں ٹھہرا دیا
اور دوڑ کر اُسے آواز دی کہ ذرا ٹھہر جاؤ۔ وہ ٹھہر گیا۔ تو مینے اُس سے کہا۔ تم اتنی دولت
کیا کروگے۔ علاوہ ازیں فقیر آدمی ہو۔ خدا کی یاد میں ہرج اور دقت واقع ہوگی۔ لیکن ہمارے

میں کاہل سرزد ہو گئی تھی۔ پھر بولا:۔
خداوندا! میں اسی بغداد کا رہنے والا ہوں۔ جب میرے والدین چل بسے مجھے اسقدر ترکہ ملا۔ کہ اگر میں اُسے کفایت سے صرف کرتا تو عمر بھر کے لئے کافی تھا۔ مگر اسکا بہت سا حصہ عیاشیوں میں صرف کر دیا۔ جو کچھ باقی رہا اس سے تجارت شروع کی۔ حتیٰ کہ میرے پاس اسّی اونٹ جمع ہو گئے۔ اُن کے کرائے سے مجھے خاصی آمدن آجاتی تھی۔ ایک دفعہ میں بصرے سے تاجروں کا اسباب جہاز پر پہنچا کر خالی اونٹ لئے چلا آتا تھا کہ راہ میں ایک جنگل آگیا۔ میں اُسے اچھی چراگاہ سمجھ کر وہاں ستانے کے لئے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور اونٹوں کو چرنے کے لئے چھوڑ دیا۔ اتنے میں ایک فقیر بھی میرے پاس آبیٹھا جو بصرے کو جا رہا تھا۔ میں نے پوچھا کہاں جاؤ گے۔ جواب میں اس نے بھی یہی سوال دوہرا دیا۔ آخر دونوں نے ایک دوسرے کے ارادے سے آگاہی پائی۔ پھر ہم نے اپنا اپنا کھانا نکال کے کھایا اور ادھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے آخر وہ فقیر بولا۔ اس

تصویر بابا عبداللہ کی اونٹوں سمیت جنگل میں آنا اور ایک ماہ وضع سے گفتگو کرنیکی



سامنے والے پہاڑ پر ایک بڑا خزانہ دفن ہے۔ اگر تم وہاں سے اپنے اسّی اونٹ اشرفیوں

اندھے فقیر نے اشرفی جیب میں ڈال پھر دعائیں دیں اور دونو آگے بڑھے - مگر چند قدم چلکر
خلیفہ ٹھہر گیا اور وزیر سے کہنے لگا - میں اسکی وجہ پوچھنا چاہتا ہوں - تم جا کے اسے کہہ آؤ
کہ کل دربار میں ظہر کے وقت حاضر ہو - وزیر مڑا اور اس اندھے کو پہلے کچھ خیرات دیکر اسے
آہستہ سے ایک دھول ماری - پھر کہنے لگا - جس نے تجھے اشرفی دی ہے وہ خلیفہ ہارون
الرشید تھا - اور وہ تجھے حکم دیتا ہے کہ کل ظہر کے وقت تو دربار میں حاضر ہو - پھر دونو شہر کی
طرف آئے اور دیکھا کہ میدان میں ایک نوجوان ایک بیش قیمت مادیان پر سوار اسے ایڑیوں
اور چابکوں سے اسقدر پیٹ رہا ہے کہ غریب جانور کے منہ سے کف اور لہو بہہ رہا ہے
خلیفہ کو بڑا رحم آیا اور تماشائیوں سے جو وہاں کھڑے تھے اسکا سبب پوچھا - مگر انہوں
نے جواب دیا - کہ ہم خود آگاہ نہیں - البتہ اس نوجوان کو ہر روز یہاں اس جانور کے ساتھ ایسی
ہی بیرحمی کا برتاؤ کرتے دیکھتے ہیں - غرض وزیر کو حکم ہوا کہ جا کے اس نوجوان کو بھی کل ظہر کے
وقت دربار میں آنے کے لیے حکم دے آ - اور میں آگے چلتا ہوں - وزیر نے حکم کی تعمیل کی
اور پھر دونو کا گذر ایک کوچے میں سے ہوا - جہاں وہ آگے بھی کئی دفعہ آ چکے تھے - مگر اب کے ایک
نئی عالیشان عمارت دیکھ کے خلیفہ سوچنے لگا - کہ شاید یہ محل کسی بڑے سردار کا ہوگا - وزیر
سے پوچھا - مگر اس نے لاعلمی ظاہر کی - آخر محلے والوں سے پوچھا گیا - وہ بولے - خواجہ حسن رسن
ساز کہتے ہیں - پہلے یہ رسیاں بنایا کرتا تھا اور بڑی مشکل سے روزی کماتا تھا - مگر خدا معلوم
تھوڑے ہی دنوں میں اسقدر دولت اسے کہاں سے مل گئی - جس سے اس نے اتنا بڑا محل
بنوا لیا ہے اور بڑے عیش سے دن کاٹتا ہے - خلیفہ نے وزیر سے کہا - دو کے ساتھ اسے
بھی کل ظہر کے وقت دربار میں حاضر ہونے کا حکم دے آ - میں اسکی عجیب سرگذشت سننا
چاہتا ہوں - اگلے دن جب ظہر کا وقت آیا خلیفہ نے تخت پر جلوس فرمایا - اور وزیر نے تینوں
کو سامنے لا حاضر کیا - خلیفہ نے پہلے اندھے فقیر سے اسکا نام پوچھا - اس نے جواب دیا مجھے بابا
عبداللہ کہتے ہیں - خلیفہ بولا جب میں نے تجھے اشرفی دی تھی تو نے کیوں اسے اس وقت
تک قبول نہ کیا - جب تک ایک دھول نہ کھا لی - اس عہد کی وجہ مجھ سے مفصل طور پر بیان
کرو - بابا عبداللہ نے زمین بوس ہو کر پہلے اس گستاخی کے لئے معافی مانگی جو اس سے نادانستگی

الف لیلہ جلد چہارم

خلیفہ ہارون الرشید اور بابا عبداللہ نابینا کی حکایت

شہزادی بولی۔ ایکدن خلیفہ ہارون الرشید مکدّر سا بیٹھا تھا۔ کہ وزیر جعفر بھی آگیا اور آداب عرض کرکے کدورت کی وجہ پوچھی۔ جواب ملا کہ کبھی کبھی خودبخود ایسی ہی حالت ہو جاتی ہے تم کوئی ایسی تجویز کرو کہ میرا تردد رفع ہو۔ وزیر نے عرض کی۔ کہ آج کا دن آپ نے بھیس بدلکر رعایا کا نیک و بد دیکھنے کے لئے مقرر کیا ہوا ہے۔ میرے خیال میں اپنے معمول پر عمل کرنے سے آپ کو تفکرات سے نجات مل جائیگی۔ خلیفہ نے اسے تسلیم کیا۔ اور فرمایا۔ جاؤ۔ تم بھی بھیس بدل آؤ اور مسرور بھی پردیسی تاجر بنکے تیار رہو نگا۔ غرض وقت مقررہ پر وہ تو باغ کے چور دروازے سے نکلکر شہر کی فصیل کے گرد گھومنے لگے اور جب ایک چکر پورا ہوگیا۔ دریا کے پار جانے کا ارادہ کیا۔ راستے میں دریا کے پل پر ایک اندھے فقیر نے خلیفہ سے سوال کیا۔ اور خلیفہ نے جیب سے ایک اشرفی نکال اُس کے ہاتھ پر رکھدی۔ اندھے نے خلیفہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور لاکھوں دعائیں دیکر التجا کرنے لگا کہ اے کریم النفس آدمی اچھا! تو نے مجھے خیرات دیکے ممنون کیا ہے۔ میرے سر پر ایک دھول مار کے بھی ممنون کئے جا۔ کیونکہ میں اسی کا مستحق ہوں۔ یہ کہکر ہاتھ چھوڑ دیا۔ اور دامن پکڑ لیا۔ تاکہ وہ دھول مارے بغیر نہ جاسکے۔ خلیفہ نے حیران ہوکر کہا بھلے آدمی! میں تمہیں کیوں ماروں؟ اس سے خیرات کا ثواب زائل ہو جاتا ہے۔ اور چاہتا تھا کہ دامن چھوڑا کر چلا جائے۔ مگر فقیر نے پھر التماس کی کہ اگر تم دھول نہیں مارنا چاہتے تو یہ لو اپنی خیرات! میں اسے نہیں لے سکتا۔ کیونکہ میں نے اپنے عہد کو توڑنا نہیں چاہا جیسے خدا سے کیا تھا۔ ناچار خلیفہ نے بغیر کسی کے ایک دھول اسکے سر پر جڑ دی۔ اور

اور اُس کی پیش قبض اُس کے سینے میں ڈبو دی - فوراً وہ ناپاک ساحرہ بے دم ہو کے گر پڑا - شہزادی چلائی اور الہ دین سے کہنے لگی - اے شہزادے آپ نے یہ کیا کیا ؟ اور کیوں اس نیک بی بی کو بیگناہ قتل کر دیا - الہ دین نے جواب دیا - آپ کو اس نالایق نے دھوکا دیا - یہ فاطمہ نیک زن نہیں - بلکہ اُس ساحر افریقی کا چھوٹا بھائی تھا - جو آپ کو محل سمیت افریقہ لے گیا تھا - اب یہ مجھ سے اپنے بھائی کا انتقام لینے آیا تھا - اور نیک زن فاطمہ کو قتل کر کے اُس کا بھیس بدل لیا تھا - مگر جن نے وقت پر مجھے اطلاع دیدی - رُخ کے انڈے کی فرمایش بھی شرارت ہی تھی - اُس کا مطلب تھا کہ ہم دونو محل سمیت ٹکڑے ٹکڑے ہو کے ہلاک ہو جائیں - پھر اس کا مُنہ کھول کے شہزادی کو دکھلا دیا اور اسے تسلی ہوئی - اس کے بعد افریقی کی لاش کو باہر پھینکوا دیا اور پھر امن وامان سے رہنے سہنے لگا - پھر شاہ چین کے بعد وہی ملک چین کا حکمران ہوا - اور کئی سال تک حکمرانی کر کے جان جہاں آفرین کو سپرد کر دی ؂

الف لیلہ تیسری جلد

تمام ہوئی

تصویر الہ دین کی افریقی کے بھائی کو قتل کرنے کی جو زن صالحہ کے بھیس میں تھا



بہانہ کرکے پڑ گیا۔ شہزادی نے فوراً خواصوں سے کہا کہ فاطمہ نیک زن کو بلا لاؤ۔ خواصیں
اُدھر گئیں۔ اور الہ دین نے پوچھا کہ وہ نیک زن کب سے یہاں رہتی ہے۔ شہزادی
نے اُس کے رکھنے اور بارہ دری کو دیکھکر رُخ کا انڈا لٹکانے کی تمام داستان کہہ سنائی
اتنے میں جعلی فاطمہ بھی آگئی۔ الہ دین اُٹھکر تعظیم بجالایا۔ اور بولا۔ اے مادر مہربان
میں آپکو یہاں دیکھکر کمال مسرور ہوا ہوں۔ اور آپکا یہاں موجود ہونا میرے حق
میں مفید ثابت ہوا ہے۔ اس وقت میں دردِ سر سے لاچار ہو رہا ہوں۔ اگر آپ مہربانی
کرکے دم کردیں تو میں بڑا مشکور رہونگا۔ الہ دین نے یہ کہہ کر سر کو آگے کیا۔ اور
جعلی فاطمہ بھی آگے بڑھی۔ اور فوراً پیش قبض پر ہاتھ ڈالا جو وہ پہلے سے چھپا لائی تھی
الہ دین نے بھی دیکھ لیا۔ اور قبل اسکے کہ جادوگر وار کرے۔ فوراً اُس کے ہاتھ کو پکڑ لیا

پہاڑ کی چوٹی پر ہوتا ہے اور جس نے تمہارا محل تعمیر کیا ہے اسکے لئے اُس انڈے کا لانا کچھ بھی مشکل نہیں۔ غرض شہزادی نے اُس کی ہدایت کو یاد رکھا۔ کہ جب الہ دین آئیگا۔ اُس سے فرمایش کرونگی۔ الہ دین کو چند دن شکار کے لئے گئے ہو گئے تھے۔ اُسکی غیبت میں افریقی کے بھائی نے سب سامان لیس کر لیا اور جب تیسرے دن الہ دین محل میں پہنچا۔ پہلے شہزادی کے کمرے میں گیا اور اُسے کچھ متفکر پاکر کدورت کی وجہ پوچھی۔ شہزادی نے جوابدیا بری بارہ دری میں اور تو کوئی نقص نہیں۔ ایک انڈا رُخ کا بھی اگر لٹکا دیا جائے تو اُس کی زینت اور بھی بڑھ جائیگی۔ الہ دین نے جوابدیا یہ تو معمولی بات ہے۔ تم اطمینان رکھو پھر الہ دین بارہ دری میں آیا۔ اور چراغ کو جسے وہ اب سینے میں رکھتا تھا نکال کے رگڑا۔ جن فوراً حاضر ہوا۔ اور پوچھا کیا حکم ہے۔ الہ دین نے کہا۔ میں تجھے حکم دیتا ہوں۔ کہ اس بارہ دری کے برج میں رُخ جانور کا ایک انڈا بہت جلد لٹکا دے۔ الہ دین کے یہ کہتے ہی جن ایسا چلایا کہ سارا مکان کانپ اُٹھا الہ دین بھی قریب تھا کہ ڈر سے گر پڑے کہ جن بڑے غصے سے بولا۔ اے کمبخت! میں اور میرے ہمراہی تیرے ہر ایک حکم کو جو تو نے کیا فوراً بجا لائے۔ مگر بجائے اسکے کہ تو ہمارا شکر گذار ہوتا اُسکا یہ صلہ دیتا ہے کہ ہمیں اپنے مالک کو اپنے پاس لانے اور بارہ دری کے گنبد میں لٹکانے کو کہتا ہے۔ اسکے عوض میں یہ چاہیے تو یہ تھا کہ تو اور تیری بی بی اس محل سمیت فوراً ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نیست و نابود ہو جاتے مگر میں جانتا ہوں۔ یہ درخواست تیری نہیں ہے۔ اسلئے تجھے اب کے بخشے دیتا ہوں۔ بلکہ اُس افریقی کے بھائی کی ہے جسے تو نے مارا تھا اور وہ اب فاطمہ نیک زن کے بھیس میں تیرے گھر کے اندر چھپا بیٹھا ہے۔ اُسی نے تیری بی بی کو یہ پٹی پڑھائی ہے اور اُس سے اُس کی غرض یہ ہے کہ تم سب تباہ ہو جاؤ۔ وہ اصلی فاطمہ کو قتل کرکے اسکی لاش حوض میں پھینک آیا ہے اور اب تمہارے درپے ہوا ہے۔ اس سے خبردار رہو۔ ورنہ جان پر بن جائیگی۔ جن یہ کہکر غائب ہو گیا۔ الہ دین حیران رہ گیا۔ اور جب [illegible] ہوش آئی اُسی وقت اُس [illegible] آکر فاطمہ نیک زن کو [illegible] اصلی تھا۔ اسلئے اُس نے فوراً [illegible] لیا اور شہزادی کے کمرے میں آکر [illegible]

شہزادی نے اُسے خدا رسیدہ سمجھ کے جواب دیا۔ اے نیک بی بی میں چاہتی ہوں کہ آپ یہاں رہ کے مجھے خدا کی راہ بتائیں۔ وہ جادوگر جو خدا سے یہی دعا مانگ رہا تھا فوراً سر جھکا کے بیٹھ گیا اور وہیں رہنے پر رضامندی ظاہر کی۔ مگر بظاہر کہا کہ یہاں رہنے پر میری عبادت اور نماز کا ہرج ہوگا۔ شہزادی نے جواب دیا۔ نہیں۔ اس محل میں بہت سے حجرے بالکل خالی پڑے ہیں۔ اُن میں سے ایک کو پسند کر کے وہیں اپنا عبادتخانہ بنا لیجیئے گا۔ غالباً پھر کوئی ہرج نہ ہوگا۔ جعلی فاطمہ نے پھر حجت کی کہ میں ایک تارک الدنیا عورت ہوں اور ایسی بڑی شہزادی کی مصاحب بنکے رہنا مجھے زیب نہیں دے سکتا۔ تاہم آپ کے حکم کی تعمیل بھی ضروری ہے اسلیئے چار و ناچار مجھے آپ کی مرضی کرنی پڑی ہے۔ یہ سنکر شہزادی بڑی خوش ہوئی۔ اور اُسکے جعلی فاطمہ کو خالی حجروں کی طرف لیگئی کہ اُن میں سے جسے چاہیں اپنی عبادت کے لئے منتخب کرلیں۔ اُس دغاباز نے ایک کمرہ پسند کرلیا۔ پھر شہزادی اُسے بارہ دری میں لے آئی اور چاہا کہ اپنے ساتھ کھانا کھلائے۔ مگر ساحر ڈرا کہ کہیں شہزادی کے سامنے کھانا کھانے وقت سارا راز ظاہر نہ ہو جائے۔ اسلیئے عذر کیا کہ میں تو روٹی کے سوکھے ٹکڑوں اور سوکھے میووں کے سوا کچھ نہیں کھایا کرتی اور وہ بھی اپنے حجرے میں بھوک کے وقت کھا لیا کرونگی۔ غرض شہزادی نے سوکھے ٹکڑے اور سوکھے میوے اس حجرے میں بھجوا دیئے اور اُس سے فرمایش کی کہ کھانا کھا کے جلد لوٹ آنا۔ غرض جعلی فاطمہ اُس حجرے میں آئی اور خواجہ سرا سے جو اُسکی خدمت کے لئے مقرر ہوا تھا کہا۔ کہ جب شہزادی کھانے سے فراغت حاصل کرلے مجھے خبر دیجیو۔ اُس نے اُسے بھی ٹالدیا۔ تھوڑی دیر کے بعد خواجہ سرا نے آکے عرض کی۔ کہ شہزادی کھانا کھا چکی ہے۔ جعلی فاطمہ بڑے تصنع سے بارہ دری کو روانہ ہوئی۔ جب وہاں پہنچی تو شہزادی بولی۔ مجھے آپ جیسی پارسا بی بی کے پاس رہنے میں کمال مسرت ہے۔ انہی باتوں میں شہزادی نے اُسے بارہ دری کی سیر کرائی۔ جعلی فاطمہ نے جواب دیا۔ فی الواقع یہ بارہ دری دنیا میں بے نظیر ہے۔ مگر اس میں ایک کمی ہے اگر اس کے درمیان میں رخ جانور کا انڈا بھی لٹکا دیا جائے تو پھر تو یہی زیبایش ہو جائے۔ یہ سنکر شہزادی نے پوچھا وہ جانور کیسا ہوتا ہے اور کہاں رہتا ہے۔ جعلی فاطمہ نے جواب دیا۔ وہ ایک بہت بڑا جانور ہے اور صرف اکاس

کہ بی بی فاطمہ وظیفہ پڑھ رہی ہے۔ غرض الہ دین کے محل کے قریب پہنچکر اسقدر بھیڑ بھاڑ اسکے پیچھے ہوئی کہ لوگوں کا شور شہزادی بدرالبدور کے کان میں بھی پہونچا۔ اُس نے ایک

تصویر جعلی فاطمہ کی متصل محل الہ دین کے اور خلقت اللہ کا اژدہام



خواص کو فرمایا کہ جلد جاکے پتہ لا۔ کہ یہ شور کیسا ہے؟ خواص نے حقیقت حال دریافت کرکے شہزادی سے عرض کی۔ کہ اُس نیک زن فاطمہ کے گرد ایک خلقت جمع ہے اُسی کا شور آپکے کانوں تک پہنچا ہوگا۔ شہزادی دیر سے اُسکی صفات سُنکر اُسکے دیدار کی مشتاق ہو رہی تھی فوراً ایک خواجہ سرا کو بھیجکر اُس نقلی فاطمہ کو محل میں بلوایا۔ خواجہ سرا کو دیکھکر بھیڑ ہٹ گئی۔ جعلی فاطمہ اپنے نشانے کو تیر بہدف پاکر بڑی خوش ہوئی۔ خواجہ سرا نے جھک کر سلام کیا اور عرض کیا کہ اے بزرگ بی بی! ہماری شہزادی آپ کے دیدار کا اشتیاق رکھتی ہے۔ اگر تکلیف نہ ہو تو میرے ساتھ محل میں چلو۔ جعلی فاطمہ بظاہر بہت بے پرواہی کے ساتھ خواجہ سرا کے ساتھ محل میں داخل ہوئی اور بارہ دری میں پہنچکر شہزادی کو بہت دعائیں دیں۔ پھر دنیا کی مذمت کرکے عبادت کرنیکی نصیحت کی

شخص سے بی بی فاطمہ کا پتہ پوچھا۔ نیز دریافت کیا کہ وہ کیسی بی بی ہے اور اسکی کرامتیں کیا کیا ہیں۔ اُس شخص نے جواب دیا۔ معلوم ہوتا ہے تم یہاں تازہ وارد ہو۔ وہ بی بی اعجوبہ روزگار ہے۔ اُسنے اپنی تمام عمر زہد میں بسر کر دی ہے۔ دن کے وقت وہ روزہ رکھتی ہے۔ اور رات کو نماز میں گذار دیتی ہے۔ اِس سے اُسے بہت سی کرامتیں حاصل ہو گئی ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے۔ کہ وہ بی بی جس کسی کو چھولیتی ہے۔ اُسے خواہ کیسا ہی دردِ سر کیوں نہ ہو۔ فوراً رفع ہو جاتا ہے۔ مگر وہ ہفتہ میں صرف دو دفعہ پیر اور جمعے کے سوا گھر سے باہر نہیں نکلتی۔ غرض ساحر نے دوسرے دن اُس کا پتہ ڈھونڈھ ہی نکالا۔ اور پھر اُسی قہوہ خانے میں لوٹ آیا۔ آدھی رات تک وہیں بسر کی اور پھر فاطمہ کے عبادتخانے میں پہنچ باہر والے دروازے کو کسی حکمت سے کھول اندر گیا۔ اُسوقت فاطمہ اپنے حجرے کے سامنے پلنگ پر بوریا بچھائے چاندنی میں غافل سو رہی تھی۔ یہ دیکھکر جادوگر نے ایک ہاتھ میں پیش قبض لیلی اور دوسرے سے اُسے جگایا۔ وہ بیچاری ننگی پیش قبض دیکھ کر ڈر گئی اور اُٹھکے کانپنے لگی۔ افریقی بھائی بولا میں چاہتا ہوں کہ تمہارا ہی ہم شکل بنجاؤں۔ اسلئے تمہارے چہرے پر جو جو نشان ہیں۔ میرے چہرے پر ویسے ہی بنا دو۔ یہ سُنکر فاطمہ نے اندر سے ایک روغن نکالا۔ اور اُس موذی کے مُنہ پر ملکر اپنے چہرے کے ہمشکل بنا دیا۔ پھر اپنے سر کا منڈاسا جادوگر کے سر پہ رکھدیا اور اُسے برقعہ اُڑھاکے سب باتیں تعلیم کیں۔ کہ شہر میں اُسے کیونکر لوگوں سے برتاؤ کرنا ہوگا۔ پھر ایک مالا ایک تسبیح اور ایک عصا دیکر کہنے لگی۔ اب دیکھ لو مجھ میں اور تم میں کوئی فرق نہیں رہا۔ ساحر نے آئینے میں اپنی شکل دیکھ کر جب اطمینان کر لیا تو فوراً بیچاری فاطمہ کا گلا گھونٹ کے اُسے مار ڈالا۔ اور لاش کو پانی کے حوض میں پھینک صبح کے وقت گھر سے نکلا۔ شہر کے لوگ چاروں طرف سے اُسکے گرد آ جمع ہوئے۔ کوئی اُسکا دست بوس ہوتا اور کوئی اُسکے دامن کو سر پر رکھتا۔ بعض لوگ اُسکے سامنے آکے کھڑے ہو جاتے۔ تاکہ وہ اپنے ہاتھ سے چھو کر اُنکے درد رفع کرے۔ مگر وہ تسبیح ہاتھ میں لئے زیر لب کچھ بڑبڑاتا جا رہا تھا تاکہ لوگ

چراغ کو اُس سے بدلنے اور پھر یکایک اپنے تئیں افریقہ میں پا کر پریشان ہونے اور ایک خواص کی زبانی حقیقت حال دریافت کرنے کا سارا تذکرہ لفظ بلفظ بیان کر دیا۔ اور بولی۔ کہ شہزادہ اسمیں بالکل بے قصور ہے غلطی میری اپنی ہی تھی۔ پھر الہ دین کے وہاں پہونچنے۔ اور افریقی کو مار کر چراغ واپس لینے اور اچانک چین میں پہنچنے کی کہانی سنائی۔ اس کے بعد الہ دین نے بارہ دری کا دروازہ کھولا۔ اور بادشاہ کو گلے لگا کر سعادت کی کہ جینے تیر جو غصہ ظاہر کیا تھا۔ اُسے معاف کر دینا۔ کیونکہ ماں باپ اپنے بچوں پر غصے ہی ہوا کرتے ہیں۔ الہ دین بولا۔ حضور سے مجھے کچھ شکایت نہیں۔ یہ سب شرارت اس بدذات افریقی کی ہی تھی۔ جو ایک دفعہ پہلے بھی میری جان پر حملہ کر چکا ہے۔ اُسوقت بھی حافظ حقیقی نے مجھے اس کے ہاتھ سے بچایا تھا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس ملعون کی لاش کو میدان میں پھینک دیا جائے۔ تاکہ کتے اور چیلیں اسکا گوشت نوچ نوچ کر کھائیں۔ فوراً حکم کی تعمیل کی اور بادشاہ اپنے محل کو واپس گیا۔ شہر میں چاروں طرف شادیانے بجنے اور عیش و نشاط کے جلسے ہونے لگے۔ گویا تن مردہ میں دوبارہ جان پڑ گئی۔ اب ایک اور تازہ واردات کا ذکر سنو۔ اس افریقی کا ایک بھائی بھی تھا جو سحر و رمل و نجوم وغیرہ علوم میں اپنے بھائی کا ہم پلہ تھا۔ اور دونو بھائی کبھی ایک جگہ نہ رہتے تھے۔ صرف سال بھر کے بعد اپنے علوم کے ذریعہ ایک دوسرے کی خیریت اور جائے قیام کا پتہ نکال لیتے تھے۔ حسب معمول اسکے بھی اس نے افریقی کا حال دریافت کرنا چاہا تو اُسے معلوم ہوا کہ دارالسلطنت چین میں جو ایک شخص نے جو پہلے بہت غریب تھا اور اب شہزادی کا خاوند ہے۔ اُسے زہر پلا کے مار ڈالا ہے۔ اُسے بہت رنج ہوا۔ اور چاہا کہ بھائی کے قاتل سے بدلہ لے۔ یہ ارادہ کر کے دارالسلطنت چین کی طرف قدم اٹھایا اور آخر ایک مدت کے سفر کے بعد چین میں آ پہنچا اور ایک کھرا بہ پیسکے رات کی رات بسر کی۔ صبح کو شہر کی سیر کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ اور ایک قہوہ خانے میں چین کی ایک خدا رسیدہ عورت بی بی فاطمہ کا تذکرہ سنا جس کی کرامتیں اسوقت زبان زد خلائق ہو رہی تھیں۔ افریقی کے بھائی نے سوچا۔ ممکن ہے اس عورت سے اپنا مطلب نکل سکے۔ یہ خیال کر کے ایک

جاتی۔ جب کھانے سے فراغت پا چکے۔ شہزادی بولی۔ اگر آپ کو گانا اچھا لگے تو میں گا کے سناؤں لیکن میں اکیلی ہوں۔ اسلئے آؤ باتیں ہی کریں۔ افریقی اب تو پھول کے کپّا بنگیا پھر شہزادی نے ایک گلاس شراب کا بھرکے افریقی کو دیا اور ایک آپ پی کر کہنے لگی۔ فی الوقع اس سے اچھی شراب آج تک میرے دیکھنے میں نہیں آئی۔ اسیطرح دَور چلنے لگا اور دونو نے تین تین گلاس لئے آخر وہ گلاس جس میں سفوف تھا۔ کنیز سے بھروا کے شہزادی بولی آؤ اب ایک دوسرے کے جام صحت پئیں۔ افریقی نے پوچھا وہ کیسے؟ شہزادی نے جواب دیا ہمارے ہاں رسم ہے کہ جب وہ شخص باہم محبت رکھتے ہوں۔ اور اپنے ہاتھ سے جام شراب ایک دوسرے کو دیا کرتے ہیں۔ یہ کہتے وہ گلاس افریقی کے پیش کیا اور وہ کمبخت یہ کہکر آپ کی ہر ایک رسم میں ایک لطافت ہے جو ہمارے ہاں نہیں پائی جاتی۔ غٹ غٹ اُس گلاس کو چڑھا گیا۔ اور فوراً چت گر پڑا۔ شہزادی نے جب دیکھا کہ وار پورا پڑا۔ ایک خواص کی معرفت الہ دین کو بلوایا۔ الہ دین کو اپنی تدبیر کی کامیابی پر بڑی خوشی ہوئی۔ شہزادی کو مبارکباد دی اور کہنے لگا آپ ایک ذرا دوسرے کمرے میں جائیں تو میں آپ کو چین میں لیجانیکی تدبیر کروں۔ شہزادی فوراً دوسرے کمرے میں چلی گئی اور الہ دین نے اس کمرے کا دروازہ بند کرکے ساحر کے سینے پر سے کپڑوں میں لپٹا ہوا وہ چراغ نکالا۔ اور اُسے رگڑ کے جن کو بلایا۔ جن فوراً حاضر ہوا۔ اور بولا کیا حکم ہے۔ الہ دین نے کہا۔ اس محل کو فوراً وہیں لیچلو۔ جہاں سے اُسے لائے تھے۔ غرض اُسی وقت محل چین میں آپہونچا۔ الہ دین نے شہزادی کو گلے لگا لیا۔ اور بولی آج بھی خوشی ہماری کل ہوگی۔ غرض دونو سو رہے۔ جب صبح ہوئی۔ بادشاہ نے جاگ کر حسب معمول اُدھر دیکھا اور اُس محل کو اپنی جگہ دیکھکر ہکّا بکّا رہ گیا فوراً محل سے اُتر گھوڑے پر سوار ہو کر الہ دین کے ہاں پہنچا۔ الہ دین نے بھی بادشاہ کو دیکھ لیا۔ اور فوراً استقبال کے لئے آگے آیا۔ اور چاہا کہ بادشاہ کو سہارا دیکر گھوڑے پر سے اُتارے۔ مگر بادشاہ نے بڑی رکھائی سے جواب دیا۔ جب تک میں اپنی بیٹی کو نہ دیکھ لونگا۔ میں تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔ غرض الہ دین اُسے چپ چاپ شہزادی کے کمرے میں لیگیا۔ بادشاہ نے اپنی بیٹی کو گلے لگا کر مسرّت ظاہر کی۔ اور پوچھا کہ تم ایکا یک محل سمیت کیسے غائب ہوگئی تھیں۔ شہزادی نے جواب میں پرانے

اور فوراً اگر پڑیگا۔ اسکے بعد ہم واپس چلنے کی مناسب تجویز کرینگے۔ اسلئے اگر تم اپنے باپ کو ملنے کی آرزومند ہو۔ میرے جان وہاں کی خبر چاہتی ہو۔ تو میری ہدایات پر قرار واقعی کوتاہی نہ ہونے پائے۔ شہزادی نے جواب دیا۔ ایسا ہی ہوگا جو تم نے کہا ہے۔ پھر الہ دین جلد ہی سے آیا تھا۔ اُدھر ہی چلدیا۔ شہزادی نے اُٹھکر حمام کیا اور پوشاک بدل خوشبوئیاں لگا بناؤ سنگار کرکے افریقی کے انتظار میں بیٹھی۔ حالانکہ جب سے وہ باپ اور شوہر سے جدا ہوئی تھی۔ کپڑے بدلنے تو کجا منہ پر پانی تک نہ ڈالا تھا۔ اور افریقی کو کبھی آنکھ اُٹھا کے بھی نہیں دیکھا تھا۔ غرض ساحر افریقی اپنے معمولی وقت پر آیا۔ شہزادی نے آگے بڑھ کے کشادہ پیشانی سے اسکا استقبال کیا اور ہاتھ پکڑ اپنے پاس مسند پر بٹھا لیا افریقی یہ غیر معمولی مدارات دیکھ کر پھولا نہ سمایا۔ مگر اسے جرأت نہ پڑتی تھی کہ شہزادی کے برابر بیٹھے۔ مگر شہزادی نے اسے اپنے ساتھ بے تکلف کرنے کیلئے یوں تمہید اُٹھائی کہ آج مجھے مسرور دیکھکر آپ حیران ہونگے۔ لیکن بات یہ ہے کہ پہلے سارا رنج وغم مجھے اپنے شوہر اور باپ کی جدائی کا تھا۔ اب میں نے سمجھ لیا ہے کہ میرے باپ نے الہ دین کو زندہ نہیں چھوڑا ہوگا تو مفت میں کُھل کُھل کے کیوں مروں۔ اسلئے آج جی چاہتا ہے کہ آج ہم تم دونوں ملکے کھانا کھائیں اور شراب پئیں۔ اگر اچھی سی شراب مل سکے۔ افریقی نے جوابدیا۔ یہ میری خوش قسمتی ہے۔ مگر شراب شہر میں اچھی نہ مل سکیگی۔ میرے اپنے گھر میں سات برس کی پرانی شراب ہے۔ کہئے تو وہ لے آؤں۔ شہزادی بولی۔ مجھے تمہاری جدائی ایک لمحے کے لئے بھی گوارا نہیں۔ کسی دوسرے آدمی کو بھیجدو۔ وہ لے آئیگا۔ افریقی بولا۔ دوسرا وہاں سے نہیں لا سکتا۔ میں خود ہی جاتا ہوں اور اسکے اس کام کی وجہ یہ بھی کہ اس گھر میں اسکا سب سامان سحر و رمل کھلا پڑا تھا۔ وہ دوسرے کو اپنے راز سے واقف نہیں بنانا چاہتا تھا۔ غرض شہزادی نے اجازت دی۔ اور وہ دوڑا گیا۔ شہزادی نے وقت کو غنیمت سمجھ وہ سفوف ایک گلاس میں ڈال کنیز کو سمجھا دیا۔ کہ اسے علیحدہ رکھے۔ اور جس وقت میں کہوں۔ بھر کے مجھے دیدے۔ اتنے میں افریقی بھی شراب لئے آپہنچا اور دونو کھانے پر بیٹھے۔ شہزادی اچھے اچھے کھانے اپنے ہاتھ سے اُٹھا کے افریقی کے آگے رکھتی

ایکدن باتوں باتوں میں اُسنے مجھے اس چراغ کا تذکرہ بھی سُنا دیا تھا۔ الہ دین بولا۔ خیر گذشت آنچہ گذشت۔ اب مجھے یہ بتاؤ۔ کہ وہ موذی اس چراغ کو رکھتا کہاں ہے؟ جب تک وہ چراغ ہاتھ نہ آئے۔ ہمارا چھٹکارا محال ہے۔ شہزادی نے جواب دیا کہ افریقی اس چراغ کو بڑی حفاظت کے ساتھ لپیٹ کے اپنے سینے پر باندھے رکھتا ہے۔ اور ایک منٹ کیلئے بھی اپنے سے جدا نہیں ہونے دیتا۔ الہ دین نے کہا۔ خیر! دیکھا جاویگا۔ مگر اب میں یہاں سے جاتا ہوں۔ اور کسی دوسرے لباس میں آؤنگا۔ تم نے دیکھکر مجھے حیران نہ ہونا۔ ہاں! کسی کو چور دروازے پر متعین کردو۔ تاکہ جب میں آؤں۔ فوراً دروازہ کھولدے۔ غرض شہزادی نے ایک کنیز کو چور دروازے کا پہرہ سپرد کرکے حکم دیا۔ کہ الہ دین کے آتے ہی فوراً دروازے کھول دیجیو۔ اور اُسے وداع کیا۔ الہ دین نے محل سے نکلتے ہی ایک دہقان کو دیکھا۔ جو اپنے کسی کام کو جارہا تھا۔ کچھ روپے اسکے پیش کئے اور کہا کہ اپنے کپڑے مجھے دیدو۔ اور میرے تم لے لو۔ دہقان نے اس تبادلے کو بدل پسند کیا۔ پھر دونوں نے اپنی اپنی راہ لی اور الہ دین بڑھے بازار میں ایک پنساری کی دوکان پر آکر پوچھنے لگا۔ فلاں سفوف آپکے ہاں ہوگا پنساری بولا۔ ہے تو سہی۔ مگر اسکی قیمت تم نہ دیسکوگے۔ الہ دین نے جیب سے اشرفیاں نکال کے دکھائیں تو اُسے اطمینان ہوا۔ اور سفوف کی ایک پڑیہ دیکر ایک اشرفی لے لی۔ الہ دین پڑیہ لیکے چور دروازے کی راہ فوراً شہزادی کے کمرے میں آیا۔ اور بولا۔ اس ظالم کا کنٹک پاک کرنیکی تدبیر تو میں کر آیا ہوں۔ مگر اب تھوڑی سی جرأت آپ کو بھی کرنے پڑیگی ذرا اُٹھ کے یہ کپڑے بدل لو۔ اور بناؤ سنگار کرکے بیٹھو۔ جس وقت وہ موذی آئے بلا تامل اُس سے اختلاط ربط کی باتیں شروع کردیں۔ جب وہ ریجھ جائے۔ تم نے کہنا۔ کہ آج میرا جی تمہارے ساتھ کھانا کھانے اور شراب پینے کو چاہتا ہے۔ کہیں سے اچھی شراب لے آؤ تو خوب ہے۔ وہ فوراً تم سے اجازت لیکے چلا جائیگا۔ اُسکے جانے پر یہ پڑیہ اُسنے آپکے گلاس میں ڈالدینا اور اس گلاس کو علیحدہ رکھدینا۔ ایک کنیز کو جو شراب پلانے پر متعین ہو سمجھا دینا۔ کہ اس گلاس کو ڈالکر تمہیں دیدے جب تم اشارہ کرو۔ پھر وہ گلاس تم پینے کے وقت اُس نالایق کو دینا۔ وہ بڑی خوشی سے چڑھا جائیگا

تجھے میرے محل کا پتہ معلوم ہے۔ اور کیا تو اسے پھر واپس لا سکتا ہے۔ جن نے جواب دیا۔ محل تو آپ کا افریقہ میں ہے۔ مگر اسے واپس لانا چراغ کے موکلوں کا کام ہے۔ ہاں البتہ تو آپ کو وہاں پہنچا ضرور سکتا ہوں۔ الہ دین بولا۔ اچھا یہی سہی۔ مجھے جلد وہاں پہنچا دے یہ سنکر جن نے الہ دین کا ہاتھ پکڑا اور فوراً افریقہ میں اسی محل کے قریب جا کھڑا کیا۔ باوجودیکہ تاریکی چھا رہی تھی۔ مگر الہ دین نے باسانی اپنے محل کو پہچان لیا۔ اور اب اسے محل کے یہاں پہنچ جانے کی وجہ کا بھی خیال آگیا۔ سوچا۔ ہو نہ ہو چراغ ہاتھ سے جاتا رہا ہے اور چھیننے والا بھی وہی افریقی ہے۔ جو میرا مصنوعی چچا بن کے ہلاک کر دینا چاہتا تھا۔ غرض محل کے پاس ہی ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا۔ پھر فوراً بیفکری سے سو رہا۔ جب صبح ہوئی۔ اور چڑیوں کے چہچہانے کی آواز کان میں آئی۔ وہ آنکھیں ملتا اٹھ کھڑا ہوا۔ اور ایسی جگہ جا بیٹھا۔ جہاں سے اسکے محل کا اندرونی حصہ بخوبی دکھائی دیتا تھا۔ پھر شہزادی کی خوابگاہ کے نیچے جا بیٹھا۔ کہ جب وہ جاگے گی مجھے دیکھکر اندر بلا لیگی۔ شہزادی جب سے کہ وہ محل افریقہ میں آیا تھا۔ رات بھر اپنے تئیں اس ساحر سے بچانے کے لئے جاگا کرتی۔ اور صبح کے وقت ذرا آنکھ لگا لیتی۔ اس لئے وہ دیر سے اٹھا کرتی تھی۔ الہ دین کو بہت انتظار کرنا پڑا۔ غرض جب وہ جاگی اور کپڑے پہننے لگی۔ ایک لونڈی کی نظر الہ دین پر پڑ گئی۔ اسنے فوراً شہزادی کو خبر دی۔ شہزادی دوڑی آئی۔ اور الہ دین کو پہچان کر بڑی مسرور ہوئی۔ الہ دین نے اسے سلام کیا۔ شہزادی نے خواصوں سے فرمایا کہ الہ دین کو چور دروازے سے میرے پاس لاؤ۔ وہ دوڑی گئیں۔ اور الہ دین کو ساتھ لے آئیں۔ غرض وہ دونوں میاں بی بی گلے ملے اور رو رو کے فرقت کی داستان باہم سنانے لگے۔ آخر الہ دین نے پوچھا۔ شہزادی کیا سچ بتانا۔ بارہ دری میں فلاں طاقچے پر جو ایک پرانا چراغ رکھا تھا اسے تم نے کیا کیا۔ شہزادی نے جواب دیا وہی تو خرابی کا باعث بنا ہے۔ پھر اسے ساری سرگذشت نئے چراغ سے پرانے کو بدلنے کی سنا دی۔ الہ دین نے پوچھا پھر تمہیں اس چراغ کا کیسے پتہ ملا۔ شہزادی نے جواب دیا۔ وہ چراغ جس نے لیا تھا۔ وہی اس محل کو بھی یہاں لے آیا اور مجھ سے مواصلت کا آرزومند ہوا۔ لیکن آج تک میں اس سے ایسی وحشت سے پیش آتی رہی ہوں کہ اسے یہاں ٹھہرنے کی کبھی جرأت نہیں پڑی

اطلاع بھی دے بیٹھے - بادشاہ بولا کمبخت! کیا تجھے ابھی تک اپنا قصور معلوم نہیں ہوا - تو ادھر الہ دین آگے بڑھا - تو بادشاہ نے فرمایا - ذرا اپنے محل کو دیکھ کہاں ہے - الہ دین نے خوب غور سے نگاہ اُدھر کی تو چٹیل میدان کے سوا کچھ دکھائی نہ دیا - وہ حیران تھا کہ محل کہاں گیا - بولا یہ میرا قصور نہیں ہے - بادشاہ نے کہا مجھے تیرے محل کا کوئی افسوس نہیں - میں تو اپنی لڑکی کے فکر میں ہوں - بتا شہزادی کہاں ہے؟ اگر تجھے زندگی منظور ہے - تو جلد اُسے ڈھونڈ کے لا - ورنہ اسکے عوض میں تیری جان لونگا - الہ دین نے جواب دیا - مجھے چالیس دن کی مہلت ملے - اگر میں اس عرصے میں شہزادی کو نہ لا سکا - تو اپنا سر آپ کاٹ کے تخت کے نیچے ڈالدونگا - بادشاہ نے اجازت دی اور الہ دین با حال پریشاں دربار سے روانہ ہوا - تین دن تک خراب وخستہ شہر میں پھرا کیا - جہاں کہیں جاتا - لوگوں سے پوچھتا - تم نے کہیں میرا محل تو نہیں دیکھا - مگر اکثر اُسے دیوانہ سمجھ کر ٹھٹھے مارتے - اور کئی لوگ اُس کی بیکسی کو دیکھکر کڑھنے بھی لگ گئے - غرض کسی نے دیا تو کھالیا - ورنہ بھوکا ہی سارا دن پھرا کرتا اور رات جہاں آجاتی وہیں پڑ رہتا - آخر چوتھے دن مجبور ہو کر وہاں سے نکلا اور ایک جنگل کی طرف منہ کر لیا - کئی دن کے بعد جب پاؤں میں چھالے پڑ گئے اور بھوک و تکان سے چور ہو گیا - تو سوچنے لگا کہ شہزادی تو اب مل چکی پھر زندگی سے کیا حاصل؟ اس سے تو یہی بہتر ہے کہ کہیں ڈوب مروں - مگر خود کشی اُسکے مذہب میں حرام تھی - اسلئے سوچا کہ پہلے درگاہ صمدیت میں دعا مانگنی چاہیے - دیکھیں تو کارساز مطلق کیا کرتا ہے - غرض شام کے وقت ایک دریا کے کنارے جا کر وضو کرنے لگا - اتفاق سے کنارہ اونچا تھا اور پانی نیچا تھا جونہی وہ پانی لینے کو جھکا پاؤں پھسل گیا - اور وہ دھڑام سے پانی میں گر پڑا - اور قریب تھا کہ ڈوب جائے - اتنے میں ہاتھ ایک چٹان پر پڑ گیا - اور وہ معلق لٹک رہا تھا - پتھر پر ہاتھ پڑتے ہی اُس چھلے کو رگڑ پہنچی - جو ساحر افریقی نے اُس تہ خانے میں جاتے وقت اسکی انگلی میں پہنا دیا تھا اور جس کی بدولت اُس تاریک قبر سے اُس کی جان بچی تھی - چھلے کو رگڑ پہنچتے ہی وہی چھلے والا جن پھر حاضر ہوا - اور بولا - میں اور دوسرے موکل اُس شخص کے تابع فرمان ہیں جسکے ہاتھ میں یہ چھلا ہے - فرمایئے کیا حکم ہے - الہ دین نے بولا - پہلے مجھے ڈوبنے سے بچا - جن نے اُسے اُٹھا کے باہر رکھ دیا - اور آپ ہاتھ باندھ کے سامنے کھڑا ہو گیا - الہ دین نے پوچھا کیا

اور بولا۔ اور وہ غدار الہ دین اسوقت کہاں ہے یقین اسکا سر کاٹے بغیر نہ رہونگا تم جاکے سپاہیوں کو حکم دو کہ فوراً الہ دین کو گرفتار کر لائیں۔ جہاں اسے پائیں اور خبردار! ابھی یہ بات باہر نہ نکلنے پائے وزیر جو اس موقعہ کا دیر سے منتظر تھا دوڑا گیا اور پتہ لیکے الہ دین کے پیچھے سواروں کی ایک کمپنی دوڑادی جنہوں نے الہ دین کو چھ سات کوس پہ واپس آتا ہوا پایا۔ سواروں کا افسر آگے بڑھا اور آداب بجا لاکر عرض کی ہمیں حکم ہوا ہے کہ آپ کو زنجیروں میں باندھ کر دربار میں حاضر کریں۔ تو ہمیں کمال ندامت ہے مگر ہم بالکل بے قصور ہیں۔ الہ دین حیران ہوا کہ آخر اسکی وجہ کیا ہے۔ پھر بولا۔ آخر کوئی قصور تو تمہیں معلوم ہوگا۔ افسر نے جواب دیا۔ اس کی بابت ہمیں کچھ بھی پتہ نہیں غرض اُسے فوراً ایک زنجیر سے مضبوط باندھ لیا اور دربار کی طرف لیچلے۔ جب شہر میں پہنچے۔ خلقت نے جو اُسے داد و دہش کے سبب نہایت عزیز رکھتی تھی۔ ہجوم کرکے اُسے چھڑا لینا چاہا مگر سپاہیوں کے افسر نے التجا کی۔ اسمیں ہمارا قصور نہیں۔ مگر لوگوں نے کچھ نہ مانا۔ اور پتھر پھینکے دوڑے۔ اسلئے سپاہی الہ دین کو چھپا کر شہر کے باہر باہر دربار کی طرف لیچلے۔ اور اندر پہنچکر دروازہ بند کر لیا۔ تھوڑی ہی دیر میں یہ خبر سارے شہر میں مشہور ہوگئی۔ کہ بادشاہ خفا ہوکر الہ دین کو مروا دینا چاہتا ہے۔ اور لوگ جوق در جوق دربار کے گرد جمع ہونے لگے۔ الہ دین جب بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا۔ اس نے بڑے غصے سے جلاد کو فرمایا کہ فوراً اس نابکار کی گردن اڑا دے۔ اتنے میں وزیر بھی آگیا وہ شہر والوں کا ہجوم دیکھ آیا تھا جو شاہی دروازہ توڑ کر اندر گھسنے کے لئے تیار تھے۔ جب بادشاہ کا یہ حکم سُنا۔ عرض کی آپ کیا کرنے لگے ہیں۔ الہ دین کا قتل فی الحال موقوف کیجئے ورنہ مفسد دروازہ توڑ کر اندر آیا ہی چاہتے ہیں۔ ایسا نہ ہو حضور کے دشمنوں پر کوئی آنچ آجائے۔ اتنے میں بہت سے شہر والے فصیلوں پر چڑھ چلے تھے۔ وزیر نے اُنکی طرف بھی اشارہ کیا۔ بادشاہ نے جلاد کو حکم دیا۔ کہ وہ تلوار میان میں کرے۔ اور ایک افسر سے کہا۔ کہ لوگوں میں منادی کردو کہ بادشاہ نے الہ دین کا قصور معاف کر دیا ہے۔ جلاد نے الہ دین کو فوراً چھوڑ دیا اور افسر نے منادی کردی۔ یہ سُنکر عوام الناس کو بڑی خوشی ہوئی اور وہ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ الہ دین نے جب اپنے تئیں آزاد پایا۔ زمین بوس ہوکر بادشاہ سے یہ پوچھا۔ جیسے حضور نے میری جان بخشی ہے۔ کیا یہ بتائی گئی کہ میرے قصور سے

تصویر موکلوں کی محل الہ دین کو مع اس ساحر افریقی کے اٹھا لیجانیکی



پڑا محل کیا ہوا۔ اس کے گر پڑنے کا بھی کوئی نشان نہیں دکھائی دیتا۔ زمین میں کچھ نہیں دھنسا۔ ورنہ کچھ تو باہر رہتا اور نہیں تو گڑھا ہی نظر آتا۔ مگر یہاں تو سفید زمین کے سوا اور کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ آخر وزیر کو بلوایا۔ وہ بیچارہ دوڑا آیا۔ اور جلدی میں اُس نے الہ دین کے محل کا کچھ خیال نہ کیا۔ بادشاہ نے پوچھا۔ تم نے بھی کچھ دیکھا۔ وزیر نے جواب دیا حضور کا اس سے کیا مطلب ہے بادشاہ بولا۔ الہ دین کا محل کیا ہوا؟ ذرا جاکے دیکھو تو؟ وزیر نے نگاہ دوڑائی۔ مگر ناکام رہا۔ آخر نیچے جاکے بھی صاف زمین پائی۔ اور واپس آکے بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا۔ حضور! میں نہ کہتا تھا کہ یہ سب کام جادو کا ہے۔ مگر حضور کو اعتبار نہ آتا تھا۔ اب تو آپ کو یقین آگیا ہوگا۔ کہ میری رائے غلط نہ تھی۔ بادشاہ یہ سنکر غصے میں بھر گیا

کنیز فوراً نیچے اُتر گئی اور ہنستے ہوئے واپس آئی۔ کہ حضور! ایک دیوانہ نئے چراغوں کو پرانے چراغوں سے بدلتا ہے اور لڑکے اُس کے اس کام پر تالیاں بجا رہے ہیں۔ دوسری کنیز بولی۔ ہمارے محل میں بھی ایک پرانا چراغ فلاں طاقچے پر پڑا ہے۔ حکم ہو تو اسے بدلوا لاؤں۔ یہ وہی الہ دین والا عجیب و غریب چراغ تھا اور وہ جب گھر سے باہر جاتا تھا تو احتیاط سے کسی بلند طاقچے میں رکھ جاتا۔ مگر پہیلی کو کیا خبر تھی کہ پانی میں شست ہے۔ اصل میں یہ الہ دین کی اپنی غلطی تھی۔ اُسے چاہیے تھا۔ کہ ایک دم کے لئے بھی اپنے سے چراغ کو جُدا نہ کرتا۔ مگر تقدیر کا لکھا کبھی نہیں ٹلتا۔ ناچار شہزادی نے ہنسکر ایک خواجہ سرا سے فرمایا۔ کہ فلاں کمرے میں بلند طاقچے پر جو پرانا چراغ رکھا ہوا ہے۔ اُسے بیچ آؤ محل کے نیچے ایک دیوانہ نئے چراغ لئے پھرتا ہے۔ اس سے وہ چراغ بدلوا لاؤ۔ خواجہ سرا نے اس طاقچے سے وہ چراغ لیا۔ اور محل کے نیچے آکر افریقی کو آواز دی۔ افریقی اسے بشارت سمجھکر دوڑا آیا۔ اور خواجہ سرا کے ہاتھ سے چراغ لے اُلٹ پلٹ کر دیکھا۔ جب یقین ہو گیا کہ یہی وہ چراغ ہے جسکے لئے اس نے دو دفعہ مشقت اُٹھائی ہے تو اُسے کمال مسرت ہوئی۔ ذرا اُسے جیب میں رکھا۔ اور خواجہ سرا سے کہا۔ جو نسا چراغ تو چاہے لیلے۔ خواجہ سرا نے ایک چراغ چن لیا۔ اور افریقی یہ جا وہ جا ہو گیا۔ جب لڑکوں کی زد سے دُور نکل گیا۔ فوراً وہ چراغوں کی بھری ٹوکری پھینکدی۔ اور ایک گاؤں میں جا دم لیا۔ اور اپنے مکان میں ساز و سامان چھوڑنے کا بھی افسوس نہ کیا۔ جب رات آدھی گذر گئی اور دُنیا میں سناٹا چھا گیا۔ افریقی نے وہ چراغ جیب سے نکالا اور بڑی نرمی سے رگڑا۔ فوراً وہی جن جو چراغ کا موکل تھا حاضر ہوا اور بولا۔ میں اس شخص کا تابع فرمان ہوں جس کے ہاتھ میں یہ چراغ ہے۔ ساحر نے فرمایا۔ میری آرزو ہے کہ تو فلاں محل کو جسے تو نے ہی اس چراغ کے موکلوں سے بنوایا تھا۔ تمام اسباب سمیت جُوں کا تُوں اور مجھے اُٹھا کے ملک افریقہ میں لیچلے۔ جن نے فوراً دوسرے موکلوں کی مدد سے ساحر اور الہ دین کے محل کو اُٹھا کے افریقی کے شہر میں جا رکھا۔ اب شاہ چین کا حال سُنئے۔ جب وہ صبح کے وقت جاگا۔ اور حسب معمول الہ دین کے محل کیطرف نگاہ کی۔ وہاں چٹیل میدان پا کر پریشان ہو گیا۔ پھر آنکھیں مل کے دیکھا تو بھی کچھ نہ دکھائی۔ حیران تھا کہ یا

جلا کرتا۔ جو قیمت تو مانگیگا وہی دونگا۔ یہ کہکر گھر آیا اور اگلے دن کی انتظار میں گھڑیاں گننے لگا۔ جب خدا خدا کرکے دن نکلا ٹھٹھیرے کی دوکان پر جا بیٹھا۔ اور اُس سے تانبے کے بارہ چراغ بنواکے اُٹھا لیا۔ پھر اُنہیں ایک ٹوکرے میں ڈالکر آواز سے کہنے لگا "نئے چراغ پُرانے چراغوں سے بدلتا ہوں" جو شخص اُسکی یہ انوکھی ہانک سُنتا۔ اُسے دیوانہ سمجھکر ہنس دیتا۔ لڑکوں نے بھی اس مشغلے کو دلچسپ سمجھا اور تالیاں بجاتے اُسکے پیچھے ہو لیے۔ مگر افریقی نے اُنکی کوئی پرواہ نہ کی۔ آخر الہ دین کے محل کے نیچے آ نکلا۔ وہاں بھی وہی آواز لگایا۔ اتفاق سے شہزادی بدر البدور بارہ دری میں بیٹھی۔ آنے جانیوالوں کی سیر دیکھ رہی تھی۔ افریقی کی بے تکی ہانک اور لڑکوں کا غل سُنکر ایک کنیز کو بھیجا۔ کہ جاکے دیکھ آ۔ محل کے نیچے کیسا ہنگامہ مچ رہا ہے

تصویر افریقی کی گرد محل الہ دین کے چراغ بیچنے اور لڑکوں کے شور و غل مچانے کی اور شہزادی کا کھڑکی سے دیکھنا



باشان وشکوہ زندگی بسر کر رہا ہے۔ بلکہ شہزادی چین کا شوہر بنا ہوا ہے۔ اُسکا چہرہ مارے حسد کے زرد ہوگیا اور اُسنے دلپر ایسا رنج محسوس کیا جس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ پھر غصے میں آکر بول اُٹھا۔ افسوس! وہ درزی کا ذلیل چھوکرا جسے میں سمجھتا تھا کہ مر کھپ چکا ہوگا اُس چراغ کی بدولت یوں عیش کرے۔ اور میری تمام عمر کی مشقت یوں ضایع ہو۔ اب چل کے یا تو اُسے مار ڈالنا چاہیے یا جیسے بنے چراغ لے لوں۔ غرض وہ سامان سفر تیار کر کے بارادہ چین چل پڑا اور ایک مدت کے بعد بخیریت وہاں پہنچ گیا۔ پہلا دن تو سرائے میں کاٹا۔ اور پھر ایک مکان کرایہ پر لیلیا۔ اُس نے دن ضایع کرنے مناسب نہ سمجھکر الہ دین کے حالات دریافت کرنے کی کوشش کی۔ اور ایک قہوہ خانے میں جا بیٹھا۔ وہاں اتفاق سے چند شخص الہ دین کے محل کا ہی ذکر کر رہے تھے۔ افریقی نے پوچھا آپ کس محل کی باتیں کرتے ہیں۔ جواب میں ایک آدمی بولا۔ معلوم ہوتا ہے تم یہاں تازہ وارد ہو۔ جبھی الہ دین اور اُسکا محل تم نے نہیں دیکھا۔ افریقی بولا واقعی ایسا حال ہے غرض اُنھوں نے الہ دین اور اُسکے محل کا پورا پتہ بتا کے کہا کہ اُسکا محل دنیا بھر میں بے نظیر ہے اور جب سے اُسکی شادی شہزادی کے ساتھ ہوئی ہے لوگ اُسے شہزادے کے نام سے پکارتے ہیں۔ افریقی چائے سے فراغت پاکر اسیوقت الہ دین کے محل کو گیا اور اُسے غور سے دیکھکر جان لیا کہ یہ جادو ہی کا بنا ہوا ہے اور محض اُس چراغ کی بدولت۔ غرض واپس آکے قہوہ خانے کے مالک سے کہنے لگا۔ مکان تو مینے دیکھ لیا۔ اب مکین کی بھی زیارت کیا چاہتا ہوں۔ وہ کیسے ہوگی۔ جواب ملا کہ آج تیسرے دن کا الہ دین آٹھ روز کے لئے شکار کو گیا ہوا ہے۔ پانچ دن کے بعد آئیگا تو تم اُسے آسانی سے دیکھ سکوگے۔ کیونکہ اگر وہ یہاں رہے تو روز سیر و سیاحت کے لئے بازار میں نکلا کرتا ہے۔ افریقی نے کچھ سوچکر اپنے مکان کا راستہ لیا۔ اور دروازہ بند کر کے بذریعہ رمل دریافت کرنے لگا کہ چراغ کہاں ہے۔ معلوم ہوا کہ محل ہی میں ہے۔ اُسے بڑا اطمینان ہوا کہ بے اختیار پکار اُٹھا۔ وہ مارا۔ فوراً ٹھٹھیار کی دوکان پر گیا کہ مجھے تانبے کے بارہ چراغ چاہئیں۔ اُسنے جواب دیا کل بنا دونگا۔ افریقی بولا۔ بہت اچھا۔ کل ہی سہی۔ مگر اُنپر خوب

اور الہ دین کو گلے لگا کر پیار کیا کہ بیٹے تمہارے اکثر کام ایسے دیکھے ہیں جو طاقت بشری سے باہر ہیں - واقعی ہیں تم عجیب شخص ہو - الہ دین نے سر جھکا لیا اور بولا - میں کس لائق ہوں - یہ سب حضور کا ہی حسن ظن ہے - غرض بادشاہ وہیں سے رخصت ہو کر اپنے محل میں آیا - اور وزیر سے الہ دین کی عجیب و غریب کارروائی کا ذکر کیا - وزیر نے دل میں سمجھ لیا کہ یہ سب جادو کے کام ہیں - بولا حضور! مجھے تو سحر کا کارخانہ ہی دکھائی دیتا ہے - بادشاہ بولا - شاید تمہیں اپنے بیٹے کی شادی ابھی تک نہیں بھولی - اور اسلئے الہ دین سے حسد رکھتے ہو - یہ سُنکر وزیر چُپ ہو رہا - اور پھر کچھ نہ بولا - بلکہ دل میں عہد کر لیا کہ الہ دین کے معاملے میں بادشاہ کو اُسکے اپنے ہی خیال پر رہنے دیگا - پھر بادشاہ نے معمول ٹھہرا لیا کہ ہر صبح اُٹھکے پہلے اُس محل کو دیکھ لیا کرتا - جو اسکی خوابگاہ کے عین بالمقابل واقع تھا اور دن بھر اُسے تسلی رہتی - الہ دین بھی ہفتے میں ایک دفعہ سیر و سیاحت کے لئے باہر نکلا کرتا - اور دو غلام اُسکے ساتھ ہو لیتے - جو مُٹھی بھر بھر کے اشرفیاں اور روپے ارد گرد پھینکتے جاتے - اسلئے اُسکی سواری کے ساتھ بھیڑ لگی رہتی - ہفتے کے باقی دن وہ امرا اور وزرا سے ملنے اور دعوتیں کھانے کھلانے میں مصروف رہتا - اس کی جود و سخا کے سبب عوام میں اُسکی ہر دلعزیزی بہت بڑھ گئی تھی - اور لوگ کثرت محبت کے سبب سے اُسکی قسم بھی نہ کھاتے تھے - ایکدفعہ کسی بادشاہ نے شاہ چین پر چڑھائی کی - الہ دین نے بھی سُنا - فوراً بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر التجا کی - کہ اس غنیم کو میں شکست دینا چاہتا ہوں - اگر حضور کی اجازت ہو - بادشاہ نے اُسکی درخواست کو منظور کر کے اُسے سپہ سالار بنا دیا - الہ دین نے فوراً کوچ بولدیا - اور دشمن کو راستے ہی میں جا لیا - وہ ایک تو تھکے ہوئے تھے دوسرے الہ دین نے حسن تدبیر سے کام لیا - اسلئے غنیم کو اس طرح مُنہ کی کھانی پڑی کہ گرد و نواح کے ملکوں میں الہ دین کی بہادری کی دھوم مچگئی - بادشاہ بھی بہت خوش ہوا اور الہ دین کی شجاعت بھی اُسکے دل میں نقش ہو گئی اب ساحر افریقی کا حال سنو - وہ جب مایوس ہو کے اپنے ملک کو لوٹ گیا - اُس نے یہ بھی یقین کر لیا تھا - کہ الہ دین اُسی تاریک غار میں بے آب و دانہ تڑپ کے مر گیا ہو گا - کئی سال کے بعد یکایک اُسکے دل میں خیال آیا - کہ آو رمل کے ذریعہ الہ دین کا پتہ دریافت کریں کہ میرے آنے کے بعد وہ کتنے دن بعد مرا - مگر یہ نتیجہ نکلا کہ الہ دین زندہ و سلامت

دروازہ کیوں سادہ رکھا گیا ہے - الہ دین بولا حضور! دانستہ اسے اس حالت میں رکھا گیا تھا اسلئے کہ حضور سے تمنا اسکی درستی کی آرزو تھی - بادشاہ نے فرمایا بہت اچھا - جسقدر جواہرات درکار ہوں ہمارے خزانے سے لئے جاویں - پھر شہر کے کاریگر سناروں اور جوہریوں کو بلانے کا حکم دیا - اور آپ کھانے کے کمرے میں آگیا - شہزادی بھی وہیں آگئی اور وہ اس شادی سے بڑی مسرور دکھائی دیتی تھی - غرض سب کے سب اپنے رتبوں کے مطابق دسترخوان پر بیٹھ گئے اور بادشاہ نے الہ دین کو اپنے ساتھ شریک کیا - جب فراغت پا چکے - بادشاہ نے کھانوں کی بہت تعریف کی اور کہنے لگا کہ میں نے عمر بھر میں ایسے لذیذ کھانے نہیں کھائے - پھر ناچ دیکھا اور گانا سنا - اتنے میں شہر کے سنار اور جواہری بھی آگئے - بادشاہ نے انہیں وہ دری کا دروازہ دکھا کے حکم دیا کہ اسے بھی دوسروں کی طرح مرصع کر دو اور جسقدر مصالح درکار ہو ہمارے خزانے سے لیلو - جب میں محل میں جاتا ہوں تم نے وہیں آجانا - اور جواہرات چن لانا غرض سنار اور جوہری اگلے دن بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے - بادشاہ نے اپنے خزانے کے تمام جواہرات بمعہ الہ دین کے جواہرات کے انکے سامنے ڈھیر کر دئے - وہ لیکے الہ دین کے محل میں آئے اور دروازے کو ایک مہینے میں مکمل کر دینے کا وعدہ کیا لیکن مہینہ گذر گیا - تمام جواہرات بھی صرف ہو گئے اور دروازہ آدھا بھی نہ ختم ہوا - آخر الہ دین نے انہیں حکم دیا کہ تم سب یہ جواہرات بادشاہ کے پاس اٹھا لیجاؤ - میں آپ ہی اسکا بندوبست کرونگا - غرض انہوں نے جواہرات اٹھا لئے اور بادشاہ کے پاس لیگئے ادہر الہ دین نے چراغ نکالکر رگڑا - اور جن نے حاضر ہو کر کہا فرمائیے کیا حکم ہے - الہ دین نے اسے حکم دیا کہ اب چوبیواں دروازہ بھی مرصع کر دو - جن فوراً غائب ہو گیا - اور الہ دین آپ بھی ادہر ادہر ٹل گیا - چند منٹ کے بعد آکے دیکھا تو دروازہ باقیوں کی طرح جواہرات سے تیار ہو رہا تھا - اتنے میں بادشاہ بھی بے اطلاع وہیں پہنچ گیا - الہ دین گھبرا کر استقبال کے لئے اٹھا - مگر بادشاہ نے اسے مسند پر ہی آلیا اور شکوہ کرنے لگا کہ تم نے میرے کاریگروں کو کیوں واپس کر دیا ہے - دروازہ جو بدنما معلوم ہوتا ہے اسے تو ٹھیک ہو لینے دیتے - جواب میں الہ دین نے سر جھکا کر کہا حضور کے اقبال سے اب وہ نامکمل نہیں رہا - اور بادشاہ کو دکھایا - بادشاہ حیران ہو گیا

شہزادی نے بھی مناسب جواب دیا اور الہ دین اُسے بارہ دری میں لیگیا جہاں سونے اور کافوری شمعیں جل رہے تھے اور دسترخوان بچھ رہا تھا۔ جسپر لذیذ اور نفیس شاہانہ کھانے چنے رکھے تھے برتن سب کے سب سنہری اور روپہری تھے اور سب سامان نہایت بیش قیمت تھا۔ شہزادی بارہ دری کو دیکھکر بُت بنگئی۔ اور بولی میں تو اپنے باپ کے محل کو ہی دُنیا میں بے نظیر سمجھے بیٹھی تھی۔ مگر یہاں آکر وہ سب کچھ ہیچ معلوم ہوتا ہے۔ الہ دین نے کچھ جواب نہ دیا اور اُسے لیجاکر صدر میں مسند پر بٹھایا۔ آپ بھی دوسری طرف بیٹھ گیا۔ اور ماں کو بھی ایک طرف بٹھالیا۔ گائینیں گانے بجانے لگیں۔ شہزادی بولی۔ میں نے عمر بھر میں ایسا گانا نہیں سُنا۔ مگر وہ نہ جانتی تھی کہ گانے والی پریاں ہیں۔ پھر ناچ کی محفل آجمی اور سب کے بعد حسب دستور شہزادی اور الہ دین اچھی طرح ناچے۔ پھر وہ تو خوابگاہ میں چلے گئے۔ غرض رات اچھی طرح کٹی اور صبح ہوتے ہی الہ دین کپڑے پہن برق صبا رفتار پر سوار ہو شاہی محل کیطرف روانہ ہوا۔ بادشاہ نے اُسے تخت پر بٹھالیا۔ اور خاصہ چُننے کا حکم دیا۔ مگر الہ دین نے معذرت کی کہ اسوقت میں حضور کو ساتھ لیجانے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ آپ اپنے امراء دربار کیساتھ آج میرے غریب خانہ پر قدم رنجہ فرمائیں اور وہیں کھانا کھائیں۔ شہزادی کی بھی یہی آرزو ہے۔ بادشاہ نے اُس کی دعوت کو قبول کیا۔ اور سیدھا الہ دین کے محل کیطرف روانہ ہوا۔ وزیر امیر اور مصاحب ساتھ ہو لئے۔ اور جب الہ دین کے محل میں داخل ہوا۔ اُسکی صنعت دیکھکر قدم قدم پر حیران ہوتا تھا۔ آخر بارہ دری کی مشاق کاری نے اُسے بالکل ہی بُت بنادیا۔ اور وزیر سے کہنے لگا۔ یقیناً ایسا نفیس محل میری سلطنت میں کہیں نہ ملیگا۔ وزیر بولا۔ حضور ابھی پرسوں اسکا کچھ بھی نام و نشان نہ تھا۔ ایک ہی رات میں اسقدر عظیم الشان محل کا بنجانا واقعی حیرت میں ڈالنے والا ہے۔ پھر تیئیں دروازے مرصع بجواہرات اور چوبیسواں سادہ دیکھکر تعجب کیا کہ ایسی نفیس بارہ دری میں ایک دروازہ کیونکر رہ گیا۔ وزیر نے جواب دیا۔ شاید الہ دین کے پاس سامان ہوگا اور فرصت نہ ملی ہوگی۔ فرصت پانے پر پھر بنوائیگا۔ اتنے میں الہ دین بھی آگیا جو پہلے کسی کام کے لئے وہاں سے غیر حاضر تھا۔ بادشاہ نے فرمایا۔ الہ دین! تمہارے محل اور خصوصاً بارہ دری بنیظیر ہونے میں تو کوئی شک نہیں۔ مگر میں حیران ہوں کہ یہ ایک

الٹا سمجھ جائے کہ شہزادی بدر البدور اس پر سے گذر کر اپنے محل میں آگئے۔ جن نے جواب دیا۔ اچھا لیجئے۔ غرض تھوڑی سی دیر میں قالین بھی بچھ گیا۔ پھر جن نے الہ دین کو اسکے اصلی گھر میں پہنچا دیا اور آپ جدھر سے آیا تھا ادھر ہی چلا گیا۔ محل شاہی کے دربانوں نے جب شاہی محل کے دروازے کھولے۔ میدان میں سفید زمین کی جگہ ایک عالیشان محل بنا پایا جسکی آب و تاب سے آنکھیں چوندھیا رہی تھیں وہ حیران رہ گئے اور فوراً سارے محل میں خبر ہوگئی خصوصاً وہ بڑا قالین دیکھکر ہر ایک کو حیرانی ہوئی جب وزیر اعظم دربار دولت پر آیا وہ بھی اس نئے محل کو دیکھکر متحیر ہوا اور جلد جلد جاکے بادشاہ سے یہ خبر کہی۔ پھر بولا مجھے تو یہ سب جادو کا کام معلوم ہوتا ہے بادشاہ نے جواب دیا۔ نہیں یہ الہ دین کا محل ہے۔ کل اسنے مجھ سے اجازت لی تھی اور رات بھر میں ہی بہت سی دولت صرف کرکے یہ محل بنوا دیا ہے وہ ہر روز دولت کے زور سے ایک نہ ایک کام ایسا کرتا ہے کہ ہمیں حیرت میں ڈالدیتا ہے لیکن حسد کے سبب سے تم اسے جادو کہہ دیتے ہو ادھر الہ دین نے ماں سے کہا کہ تم بھی پوشاک بدل لو اور ان خواجوں اور کنیزوں کو ساتھ لیکے شاہی محل کی طرف روانہ ہوئی۔ الہ دین بھی چراغ ساتھ لے اسی شان و شوکت کے ساتھ تیار ہوا جس سے کل دربار میں گیا تھا۔ اور اسی طرح وہ روز پیش کرتا جاتا تھا۔ جب الہ دین کی ماں شاہی محل کے دروازے پر پہونچی۔ چوبداروں نے بادشاہ کو اطلاع دی۔ بادشاہ نے سازندوں کو اشارہ کیا فوراً باجے بجنے لگے۔ خواجہ سراؤں کا سردار استقبال کے لئے آگے بڑھا اور الہ دین کی ماں کو شہزادی کے کمرے کی طرف لیگیا۔ شہزادی بھی لب فرش تک استقبال کے لئے آئی اور اسکے گلے ملی۔ پھر الہ دین کی ماں نے جوڑوں اور زیورات کی کشتیاں سامنے رکھدیں۔ خواجوں نے جوڑے اور زیور عروس کو پہنا دئے۔ اتنے میں بادشاہ بھی وہاں آگیا اور سب سامان دیکھکر اسے بہت خوشی ہوئی۔ آخر وہ دلہن شام کے وقت اپنے باپ سے روانہ ہوئی اور الہ دین کی ماں کیساتھ بڑے طمطراق سے نئے محل کو روانہ ہوئی۔ عوام الناس شہزادی کے جلوس کو دیکھنے کے لئے دونو طرف جمع تھے اور ہر چیز کو دیکھ دیکھ کر تصویر حیرت بن رہے تھے۔ آخر جب شہزادی الہ دین کے محل میں پہنچی الہ دین استقبال کے لئے آگے آیا اور خیریت مزاج پوچھکر بولا کہ

وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے ٭ کبھی ہم انکو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

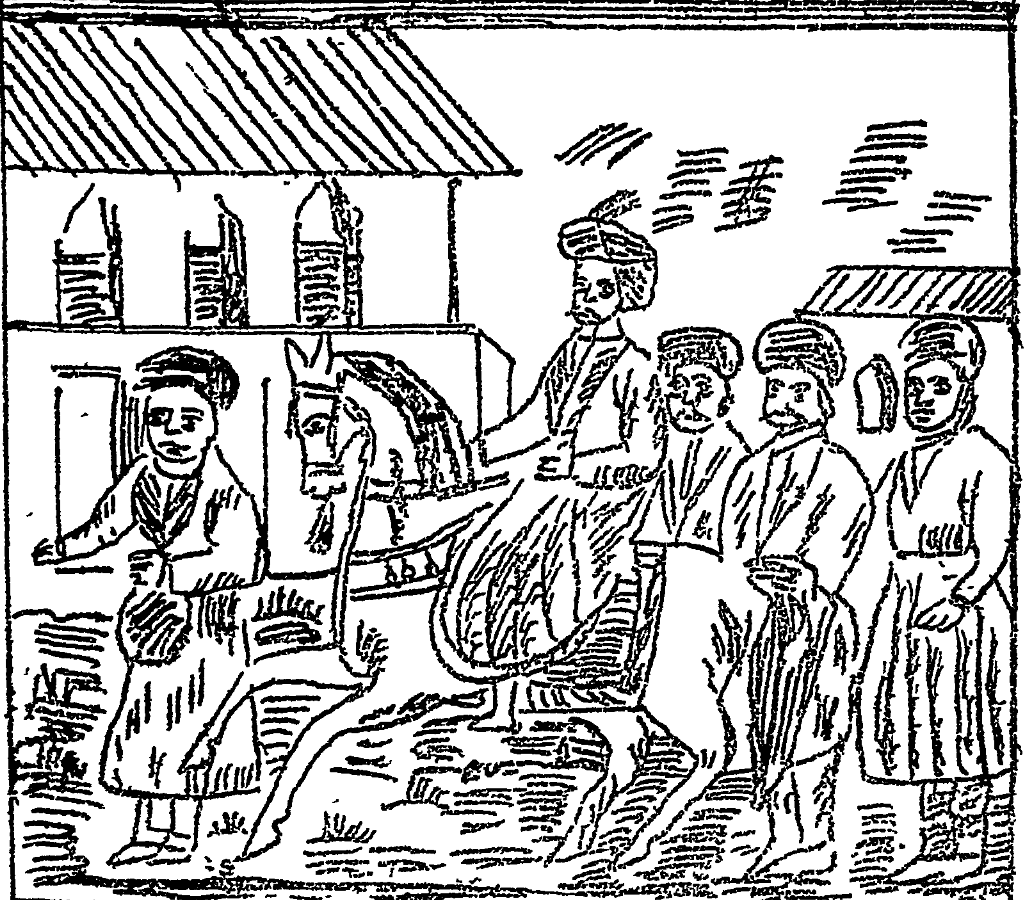
بائیں باغ۔ دوسرے پہلو میں باورچیخانہ۔ توشے خانہ اور ذرا پرے کر کے اصطبل ہو۔ علاوہ ازیں سب مکان شاہانہ لباس سے آراستہ پیراستہ ہونے چاہئیں۔ محل میں لونڈی غلام۔ باغ میں مالی اور خادم۔ باورچیخانہ میں اعلےٰ درجہ کے کارگیر باورچی توشے خانہ میں روپے اشرفیاں اور اصطبل میں گھوڑے اور اُنکے خادم ایسے ہوں۔ کہ بادشاہوں کے ہاں بھی نہ مل سکیں غرض سب کچھ بہت جلد تیار کر کے مجھے اطلاع دے۔ الہ دین جس وقت یہ حکم دے چکا۔ شام کے سات بج چکے تھے پھر وہ کھانا کھا کے سو گیا صبح کے وقت جب جاگا۔ جن نے حاضر ہو کے اطلاع دی کہ حکم کی تعمیل ہو گئی اور محل تیار ہے۔ الہ دین نے کہا اچھا چلو۔ جن نے اُسکا ہاتھ پکڑا اور فوراً ہی محل میں جا کھڑا کیا الہ دین نے بڑے غور سے ہر ایک چیز کا ملاحظہ کیا اور اپنے خیال سے بڑھکر ساز و سامان و نوکر چاکر پا کے بڑا خوش ہوا۔ پھر جن سے بولا ایک بات مجھے یاد نہ رہی تھی اسے اب پورا کر دو۔ ایک بڑا قالین درکار ہے جو اس محل کے دروازے سے شاہی محل کے دروازے

تصویر الہ دین کے محل کی جو تمام دنیا کے محلات پر فوقیت رکھتا تھا



سامان تو روئے زمین کے شہنشاہوں کو بھی نصیب نہیں اسے کہاں سے میسر آیا۔ غرض الہ دین نے شہزادی کی مواصلت کا بڑا اشتیاق ظاہر کیا۔ اور بولا۔ میری بھی پیدائش اسی شہر کی ہے۔ بادشاہ نے جواب دیا اطمینان رکھو۔ میں ضرور اپنا وعدہ پورا کرونگا۔ یہ کہہ کے سازندوں کو اشارہ کیا۔ فوراً شادیانے بجنے لگے۔ پھر بادشاہ الہ دین کو محل میں لیگیا۔ جہاں دعوت کا سب سامان مہیا تھا بادشاہ نے الہ دین کو اپنے ساتھ کھانے پر بٹھایا۔ وزراء اور امراء اپنے اپنے مرتبوں پر بیٹھے۔ اس اثنا میں بادشاہ اور الہ دین کی جو گفتگو ہوئی۔ اس سے بادشاہ کو بڑی خوشی ہوئی کہ الہ دین ہر طرح سے ہوشیار ہے۔ جب کھانے سے فراغت ہوئی۔ قاضی القضاۃ کو بلوایا اور الہ دین کیساتھ شہزادی کا نکاح پڑھا گیا۔ چاروں طرف سے مبارک سلامت کا غل مچگیا اور سب چھوٹے بڑے اس شادی سے بڑے خوش ہوئے۔ ہر ایک کو رتبے کے مطابق خلعت اور انعام ملے اور مساکین پر بہت سی خیرات لگیئی۔ جب وداع کا وقت آیا۔ بادشاہ نے الہ دین سے کہا اگر آج یہیں رہ جاؤ تو میری مسرت کا موجب ہوگا۔ الہ دین نے جواب دیا میں آپکا مشکور ہوں۔ مگر آج اجازت ہی دیجیئے اور میں ہر روز بلاناغہ حضور کے درشن سے مستفید ہونا چاہتا ہوں اسلیئے اگر مجھے محل شاہی کے قریب ہی کچھ جگہ عنایت ہو تو وہاں شہزادی کے لیئے ایک عالیشان محل تعمیر کرا دیا جائے۔ بادشاہ نے بخندہ پیشانی فرمایا۔ میرے محل کے سامنے ایک بڑا وسیع میدان ہے۔ اس میں جہاں چاہو۔ تم اپنا محل تعمیر کراسکتے ہو۔ پھر الہ دین رخصت ہوکے اپنے گھر آیا اور راستے میں اسقدر خیرات کی۔ کہ لوگ نہال ہوگئے ہر طرف سے واہ واہ اور مبارکباد کی صدائیں بلند ہورہی تھیں۔ غرض وہ گھر پہنچکر سیدھا اپنے حجرے میں داخل ہوا اور چراغ کو نکال کے رگڑا۔ جن فوراً حاضر ہوا۔ الہ دین نے اسے حکم دیا کہ فلاں میدان میں جو شاہی محل کے سامنے واقع ہے ایک عالیشان محل بہت اچھا اور جسقدر جلد ہوسکے تیار کرو تاکہ شہزادی بدر البدور اس میں آرہے۔ یہ تیری مرضی پر منحصر ہے کہ اسکا نقشہ اور مصالح کیسا ہو مگر اس کے اوپر ایک بڑی بارہ دری گنبد دار ہونی ضرور ہے جسکی چار دیواری سونے چاندی کی بنی ہو۔ ہر طرف چھ چھ دروازے ہوں۔ اور ہر دروازے کی درزوں میں ہیرے اور جواہرات جڑے ہوں۔ سوائے ایک کے کہ اسے سادہ ہی رہنے دینا ہے۔ محل کے سامنے دیوانخانہ ایک طرف

تصویر الہ دین کی گھوڑے مرصع کار پر لباس شاہانہ پہنکر سوار ہونے اور ہمراہیوں سمیت دربار شاہی کیطرف روانہ ہونیکی اور غلاموں کا اشرفیاں لٹانا



سب کے سب خوش تھے کہ شہزادی بدرالبدور کے لائق اس سے اچھا جوڑا اور کوئی نہیں
الہ دین جب دربار کے قریب پہنچا۔ اہل دربار اور وزیر اعظم پیشوائی کے لئے آئے۔ اس
نے چاہا کہ وہیں گھوڑے سے اُترکر کھڑا ہو۔ مگر سرداروں نے اُسے منع کیا۔ اور لب
فرش تک سوار رہتے ہی بنی۔ اندر جاکے گھوڑے سے اُتارا اور ارکین دربار کے درمیان
میں سے چودہ شخص باندھے کمر پٹکے تخت تک لیگئے۔ الہ دین نے چاہا کہ بادشاہ کی
قدمبوسی کے لئے جھکے۔ مگر بادشاہ نے اُسے بازو سے پکڑ تخت پر بٹھالیا اور نہایت
خوش ہوکر خیریت پوچھنے لگا۔ بادشاہ اُسکے سازوسامان کو دیکھ دیکھکر متحیر تھا کہ الہی یہ کیا

ساتھ ہی لیٹا گیا۔ شہزادی اُس سب خزانے کو دیکھ کے حیرت میں پڑ گئی۔ اُدھر الہ دین کی ماں نے کہا۔ بیٹا! مبارک ہو جن کسی نے تمہارے تحفہ کو دیکھا۔ پسند کیا۔ بادشاہ نے بھی کمال خوشی سے اُسے قبول کیا اور اب تمہیں دیکھنا چاہتا ہے۔ تاکہ شہزادی کا ہاتھ تیرے ہاتھ میں پکڑا دے۔ اب تو دیر نہ کر۔ الہ دین یہ مژدہ سنکر پھر پھولا نہ سمایا۔ فوراً جو بنی جاکر چراغ رگڑا۔ جب جن آحاضر ہوا تو اُسے حکم دیا۔ کہ میں حمام کیا چاہتا ہوں۔ تو میرے قد و قامت کے مناسب فوراً ایک شاہانہ جوڑا لے آ۔ جن نے فوراً الہ دین کا ہاتھ پکڑا۔ اور سنگ مرمر کے ایک نفیس حمام میں جا کھڑا کیا۔ الہ دین خوب مل مل کے نہایا اور بدن پر خوشبو ئیاں ملیں حمام سے باہر نکلا تو کشتی میں ایک بیش قیمت شاہانہ لباس رکھا دیکھا۔ جن کی مدد سے اُسے پہن گھر آیا اور اپنے بدن کو پہلے سے سفید اور خوبصورت نیز ہلکا پھلکا پاکے بہت خوش ہوا۔ پھر جن نے پوچھا کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو ارشاد فرماویں۔ الہ دین نے کہا۔ ہاں! ایک ایسا گھوڑا چاہیئے جیسا شاہی اصطبل میں بھی کوئی نہ مل سکے اور اُسکا سامان ایک کروڑ روپے کا ہو۔ بارہ غلام جو میرے دائیں بائیں چلیں۔ اور جن کا لباس زرّیں ہو۔ بیس اور غلام جو میرے آگے چلیں۔ چھ خواصیں اعلےٰ لباس پہنے جو میری ماں کے ساتھ ہونگی دو کنیزیں اور دو نفیس جوڑے ملکہ اور شہزادی کے لئے اور ایک نفیس جوڑا میری ماں کے لئے اور دس توڑے اشرفیوں کے۔ یہ چیزیں لیکے جسقدر جلد ہو سکے آ۔ جن فوراً غائب ہو گیا اور تھوڑی دیر کے بعد سب مطلوبہ سامان لا کے سامنے رکھدیا الہ دین کا غریبانہ مکان جگمگانے لگا۔ پھر الہ دین نے ایک غلام کو اطلاع دینے کے لئے بھیجا۔ کہ میں آرہا ہوں غلام جواب لایا کہ بادشاہ انتظار میں بیٹھا ہے۔ جلد تشریف لیچلیئے۔ الہ دین اگرچہ اسسے پہلے عمر بھر میں کبھی بھی گھوڑے پر سوار نہ ہوا تھا۔ تاہم اسوقت وہ شہسواروں کی طرح گھوڑے کو دوڑاتا کودا تا لیچلا۔ غلام آگے اور دائیں بائیں ہو لئے اور مٹھی بھر بھر کے اشرفیاں پھینکنے لگے خلقت دو نو طرف ٹھٹ کے ٹھٹ اکٹھی ہو گئی۔ اور چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ کہ ایسا سخی ہمنے عمر بھر میں کبھی نہیں دیکھا۔ خدا جانے یہ جوان کہاں کا رہنے والا ہے اور جن لوگوں نے اسے آوارگی میں دیکھا تھا وہ بھی پہچان نہ سکے غرضکہ

اُسے سُنا دے - میں جواب کا انتظار کرونگا - الہ دین کی ماں نے گھر کی راہ لی اور اپنے بیٹے کی
حماقت پر ہنستی جاتی تھی کہ ناحق میرا وقت بھی ضایع کیا - اب وہ فرمایشوں کو پورا کریگا -
تو جانیگا - جب گھر پہونچی - الہ دین سے بولی - کیوں بیٹا! میں نے کہا تھا کہ شہزادی کا خیال
ترک کردے - اب اُسکے باپ نے ایک اتنے بڑے حق مہر کی فرمایش کی ہے کہ تجھ سے ساری
عمر میں بھی پوری نہ ہوسکیگی - یہ کہہ کے دربار کا سارا واقعہ سُنا دیا - الہ دین بولا - واہ!
یہ تو کچھ بھی نہیں - تم ذرا ٹھہرو - ابھی یہ فرمایش پوری ہوئی جاتی ہے - تم ذرا بازار سے کھانا
تو لے آؤ مجھے بھوک لگ رہی ہے - غرض وہ تو بازار کو گئی اور الہ دین نے چراغ رگڑا -
جن فوراً حاضر ہوا - اور بولا - کیا حکم ہے - میں اُس شخص کا تابعدار ہوں جسکے ہاتھ میں یہ
چراغ ہے - الہ دین نے وہ فرمایش پوری کرانے کا حکم دیا - جو بادشاہ نے کی تھی - جن فوراً
چلا گیا اور تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ سب سامان لیئے آموجود ہوا - پھر کہنے لگا کوئی اور حکم
ہو تو ارشاد فرماویں - الہ دین نے کہا - فی الحال اور کوئی حکم نہیں ہے - غرض وہ رخصت ہوگیا
اور جب الہ دین کی ماں واپس آئی - وہ سامان دیکھ کر حیران رہ گئی - الہ دین نے کہا - اب تم
یہ فرمایشات بادشاہ کی خدمت میں پہنچا آؤ - پھر آکے کھانا کھا لینا - غرض بڑھیا دربار کو چلی
راستے میں لوگ اُسے دیکھ دیکھ کے حیران ہوتے تھے - جب دیوانخانے کے قریب پہنچی -
اہلکاروں نے بادشاہ کو خبر دی - اُسنے حکم دیا کہ فوراً میرے سامنے حاضر کیجائے - الہ دین کی
ماں آگے بڑھ کر زمین بوس ہوئی - اور وہ سب سامان نذر گذران کر بولی - الہ دین نے عرض کیا
کہ اگرچہ یہ تحفہ مختصر شہزادی کے قابل نہیں - تاہم امیدوار ہوں - کہ اسے قبول فرما کر مجھے
سرفراز کیا جائے - بادشاہ حیران رہ گیا - اور وزیر سے پوچھا - کیا جو شخص ایسا تحفہ دیسکتا ہے
وہ تمہارے نزدیک شہزادی بدرالبدور کا دولہا بننے کے قابل ہے یا نہیں - وزیر نے
حسد کے سبب سے چاہا - کہ بادشاہ کو اس ارادے سے باز رکھے - مگر بادشاہ نے اُسکی ایک
نہ سُنی اور تحفہ قبول کرکے الہ دین کی ماں سے کہنے لگا - اب تم اپنے بیٹے کو دربار میں بلا لاؤ -
ہمیں اُسکے دیدار کا کمال اشتیاق رکھتا ہوں - اور کہدیں - کہ جس امر کا میں نے وعدہ کیا تھا -
اُسے ایفا کرونگا - الہ دین کی ماں یہ سُنکر دوڑی گئی اور بادشاہ اُٹھ کے گھر گیا وہ تحفہ بھی

کہ آپ بادشاہ سے کہکر ہمارا نکاح منسوخ کرا دیجیئے۔ کمال احسان ہوگا۔ ورنہ شہزادی مجھ سے زیادہ مصیبت میں پڑیگی۔ وزیر فوراً بادشاہ کے پاس گیا اور عرض کی کہ مجھے غلام زادے کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ شہزادی فی الواقع سچ کہتی ہے اور غلام کے نزدیک مناسب یہ ہے کہ دونوں میں تفریق کر دیجائے۔ تاکہ دونوں کی جان سلامت رہے۔ بادشاہ نے بھی اسپر رضامندی ظاہر کی۔ اور فی الفور تمام قلمرو میں شادی کے رسومات منسوخ ہونے اور امورات شادی بند کرنے کا حکم دیا۔ یہ خبر سنکر رعایا متردد ہوگئی۔ مگر اصلی وجہ الہ دین کے سوا کوئی نہ جانتا تھا۔ لوگوں نے سنا تو یہ سُنا کہ وزیر زادہ محل شاہی سے نکالا گیا ہے۔ الہ دین کو بھی جھٹ خبر پہنچ گئی۔ کہ شادی منسوخ ہوگئی۔ جب اسے اطمینان آیا۔ غرض تین مہینے بھی گذر گئے۔ اور الہ دین کی ماں حسب وعدہ دربار میں حاضر ہوئی۔ بادشاہ نے اُسے پہچان لیا۔ اور وزیر کو حکم دیا کہ اس بڑھیا کو بلالا۔ وزیر اسے بادشاہ کے پاس لیگیا اور اُسنے جاتے ہی درخواست دوہرائی۔ بادشاہ فکر میں پڑگیا کہ اب کیسے صاف جواب دوں۔ جبکہ ایکبار اقرار کر چکا ہوں۔ مگر یہ بھی مشکل ہے کہ اپنی بیٹی ایک ایسے شخص کو دیدونگا جسکا مجھے کچھ نام ونشان بھی معلوم نہیں۔ پھر وزیر سے صلاح کی۔ وہ بولا حضور نے بہت بیجا سوچا۔ لیکن الہ دین کو روکنا تو کچھ بھی مشکل نہیں آپ اسکی ماں کی زبانی کہلا بھیجیں کہ میری بیٹی کا حق مہر بہت بڑا ہے۔ اگر تجھ سے سرانجام ہوسکے تو میں پنا وعدہ ایفا کرنے کو تیار ہوں۔ ورنہ تو بھی نام نہ لیجیو اور جو بات بڑی ہو اُسکے سرانجام کے لئے ارشاد فرما دیجئے۔ آپ ہی چپ ہو رہیگا۔ بادشاہ کو یہ رائے پسند آئی اور الہ دین کی ماں سے کہنے لگا کہ بڑھیا مجھے اپنا لڑکی کی شادی تمہارے بیٹے سے کرنا منظور ہے مگر اسکا حق مہر بہت بڑا ہے۔ اگر تمہارا لڑکا یہ پہنچا سکے تو میں وعدہ پورا کرنے کو آمادہ ہوں اور حق مہر یہ ہے کہ چالیس سونے کے خوانچے ویسے ہی جواہرات سے بھرے ہوں جیسے تم نے آگے گذرانے تھے۔ اور ہر خوانچے کو ایک حبشی غلام کمسن اٹھائے ہو جسکے ساتھ ایک کمسن سفید رو غلام ہو۔ اور ان غلاموں کے لباس بیش قیمت جواہرات سے مرصع ہوں اگر تمہارا بیٹا یہ حق مہر میرے پاس بھیجدے تو میری لڑکی بیاہ لیجا سکتا ہے۔ یہ پیغام جاکے

حکمات اطلاع بیان کیے۔ اُسے حکم دیا۔ کہ آج پھر اُن دونوں کو پلنگ سمیت میرے پاس اُٹھا لائیے۔ جن سر جھکا کر غائب ہوگیا۔ اور جب سونے کا وقت آیا۔ شہزادی اور وزیرزادے دونوں پلنگ سمیت لائے الہ دین کے کمرے میں رکھ دیا۔ الہ دین نے حکم دیا کہ وزیرزادے کو پھر اسی پاخانے میں بند کردو۔ اور قبل از صبح وہاں سے نکال پلنگ سمیت حجلہ عروسی میں چھوڑ آنا۔ جن نے فوراً غریب کو اُٹھایا اور اس دوزخ میں جا کے قید کردیا۔ الہ دین بدستور درمیان میں ننگی تلوار رکھ کے شہزادی کے پلنگ پر لیٹ گیا۔ جب صبح قریب ہوئی۔ جن وزیر زادے کو پانگ سے نکال لایا اور پلنگ پر لٹا فوراً وہیں پہنچا دیا۔ جہاں سے اُسے لایا تھا اُدھر بدرالبدور بھی بادشاہ کی خبر پوچھنے آ گیا۔ وزیرزادہ فوراً کود کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ آج بدرالبدور کی حالت کل سے بھی خراب دکھائی دیتی تھی۔ بادشاہ نے بڑی ملائمت سے پوچھا۔ کہو بیٹی! رات کیسی گذری۔ مگر شہزادی نے کچھ جواب نہ دیا۔ اور بالکل پہلی جیسی ہی تھی۔ بادشاہ نے سمجھا۔ لڑکی پر کوئی سخت حادثہ گذرا ہے۔ فوراً تلوار کھینچ لی اور غصے میں آکر بولا۔ کمبخت! جلد بتا۔ کہ رات تیرا کیا حال رہا۔ ورنہ ابھی مار ڈالوں گا۔ بدرالبدور ڈر گئی اور رو رو کر بادشاہ سے دونو راتوں کا مفصل حال بیان کردیا۔ نیز کہا کہ اگر آپ کو اس پر اعتبار نہ آئے تو میرے شوہر سے پوچھ لیجئے۔ بادشاہ نے جواب دیا بیٹے تیری شادی رنج دینے کے لئے نہیں کی تھی۔ خیر! اب میں جا کے وزیرزادے سے بھی پوچھتا ہوں۔ اور اُمید ہے کہ اب ایسا واقعہ نہیں ہوگا۔ غرض بادشاہ اپنے کمرے میں آیا اور وزیر کو بلا بھیجا۔ وہ دوڑا آیا۔ اور عرض کی۔ کیا حکم ہے۔ بادشاہ نے کہا۔ تم نے اپنے بیٹے کو دیکھا ہے اور اس سے کچھ حال سنا؟ وزیر نے جواب دیا۔ ابھی تک تو وہ مجھے نہیں ملا۔ پھر بادشاہ نے اُسے شہزادی کا سارا حال سنا دیا۔ اور کہا کہ مجھے اس پر اعتبار ہے۔ مگر تمہارے لڑکے سے اسکی تصدیق چاہتا ہوں۔ تم جا کے اس سے پوچھو۔ تو وہ کیا کہتا ہے۔ غرض وزیر گھر آیا اور اپنے لڑکے کو بلوا کے تاکید کی۔ خبردار! گذشتہ دو راتوں میں تم پر جو کچھ گذرا ہو۔ فوراً بیان کردو۔ ذرا نہ چھپائیو۔ وزیرزادے نے جواب دیا۔ واقع میں شہزادی جو کچھ کہتی ہے وہ سچ ہے۔ اگر دو چار راتیں اور مجھ پر ایسی گذر گئیں۔ ضرور میں تو مر جاؤنگا۔ بہتر یہی ہے

دونو مر جاتے تو تعجب نہ ہوتا غرض جس وقت جن اُنکے پلنگ کو حجلۂ عروسی میں چھوڑ کے باہر نکلا تو رگاً بادشاہ شہزادی کو دیکھنے کے لئے وہاں آگیا۔ دروازے پر پہنچ روز بخت کہا وزیر زادہ فوراً دوسرے کمرے کو نکل گیا اور بادشاہ اندر آیا۔ بیٹی سے رات کی کیفیت دریافت کی۔ مگر مارے خوف کے ابتک وہ زرد ہو رہی تھی۔ کچھ جواب نہ دے سکی۔ بادشاہ نے سمجھا شاید شرم کے سبب سے نہیں بولتی۔ اسلئے وہ ملکہ کے پاس گیا اور اُس سے شہزادی کا حال کہا۔ ملکہ نے کہا۔ تین ورتک عروسوں کا حال ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ آپ تسلی رکھیں۔ میں جاکے ساری کیفیت دریافت کرتی ہوں۔ یہ کہکر وہ شہزادی کے پاس گئی اور اُسے مشوش و سہمگیں پاکے نہایت حیران ہوئی۔ پھر چمکار کر اور پیار کر کے پوچھا۔ بیٹی! خیر تو ہے مجھے رات کی کیفیت تو سناؤ۔ خدانخواستہ کوئی خواب بد تو نہیں دیکھا۔ چہرہ اُترا ہوا سا کیوں ہے جب ملکہ نے بہت اصرار کیا۔ شہزادی نے شب کی واردات لفظ بلفظ سنا دی۔ ملکہ بولی۔ تم نے اچھا کیا۔ کہ باپ سے یہ راز نہیں کہا۔ خبردار! کسی اور سے بھی کہیو۔ ورنہ لوگ تجھے دیوانہ سمجھینگے۔ شہزادی نے جواب دیا۔ میں اپنے ہوش وحواس میں ہوں۔ اگر آپ کو میری بات کا یقین نہ آیا ہو۔ تو میرے شوہر سے بھی دریافت کرلیں۔ ملکہ نے کہا اچھا میں اُس سے بھی پوچھوں گی۔ اور اگر اُس نے بھی یہی کہا۔ تو میں تمہاری بات پر باور کرونگی۔ اُٹھو میں تم اُٹھکر منہ ہاتھ دھو ڈالو۔ اور فکر و وہم دور کردو۔ گو یہ امر نہایت عجیب ہے مگر تجھے تو خواب جان پڑتا ہے اور خواب وخیال کا اعتبار؟ غرض وہ شہزادی کو اُٹھا۔ اُس کا منہ ہاتھ دھلا بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور عرض کیا لڑکی نے رات کو ایک ہولناک خواب دیکھا ہے۔ اُسی کے اثر سے وہ سہمی ہوئی ہے۔ یہ سُنکر بادشاہ تو چلا گیا۔ اور ملکہ نے وزیر زادے کو بلوا کے پوچھا کیا تم نے بھی رات کو وہ خواب دیکھا ہے جو بدر البدور بتاتی ہے؟ وزیر زادے نے مناسب نہ سمجھا کہ ملکہ کو راز پر مطلع کرے۔ اسلئے اُس نے صاف انکار کر دیا کہ مجھے تو کوئی خواب نظر نہیں آیا۔ اور اپنے تئیں ایسا خوش وخرم ظاہر کیا۔ کہ ملکہ کو اعتبار آگیا۔ الہ دین کو اپنے چراغ کے موکل کی بدولت ان سب باتوں سے اطلاع ملگئی۔ اور یہ بھی پتہ لگا کہ آج رات پھر دو نو میاں بی بی حجلۂ عروسی میں بسر کرینگے۔ فوراً چراغ رگڑا۔ اور جب جن نے حاضر ہو کر

تصویر جن کی پلنگ وزیرزادہ کو مع شہزادی خفتہ کے اُٹھا لانے کی



ہوئی اُدھر حبیب الدین نے شہزادی کو اکیلے پاکر بولا اے پیاری نازنین! آپ بیتر ود
شہ موں۔ میں نے بضرورت اس امر کو کیا ہے کیونکہ بادشاہ نے پہلے تمہاری شادی میرے
ساتھ کرنے کا وعدہ کیا تھا اور اب تمہیں بیاہ دیا وزیرزادے سے۔ وہ میرا رقیب ہے۔
اسلئے میں تمہیں اس سے بچانا چاہتا ہوں۔ پھر اُسی پلنگ پر لیٹ گیا اور اپنے درمیان ننگی تلوار
رکھ لی۔ شہزادی کی رات بھی نہایت سہم میں بسر ہوئی۔ مگر الہ دین خوب لمبی تان کے سویا۔
جب صبح قریب ہوئی۔ جن خود بخود حاضر ہوا اور بولا۔ اب مجھے کیا حکم ہوتا ہے الہ دین نے
جواب دیا وزیرزادے کو قید سے نکال لا اور اس پلنگ سمیت دونوں کو وہیں پہنچا دے جہاں
سے لایا تھا۔ جہاں سے چشم زدن میں جن نے اُسکی بھی تعمیل کی اور غائب ہوگیا۔ دولہا و
دلہن کے لئے اُس جن کا دیکھنا بھی ایک بھاری مصیبت سے کم نہیں تھا۔ اور اگر خوف سے

بھی نہ لیا اور دوڑی دوڑی گھر پہونچی - الہ دین نے پوچھا - اماں! خیر تو ہے - بوڑھیا نے جواب دیا - بادشاہ تو بڑا جھوٹا نکلا - تجھ سے کیا وعدہ کیا تھا؟ اور اب میں بازار سے سنکے آئی ہوں - کہ شہزادی کی شادی وزیر کے لڑکے سے ہونیوالی ہے - اب اس وقت وہ حمام کو جائیگی اور نکاح شاید رات کو پڑھا جائے - الہ دین کو بڑی غیرت محسوس ہوئی اور سوچنے لگا - اگر کوئی دوسرا شخص بدرالبدور کو بیاہ لیگیا - تو میرے لئے ڈوب مرنے کی جگہ ہوگی - پھر سوچ سوچکر چراغ کو یاد کیا کہ اُسے وقت وہی کام آئیگا - پھر ماں سے بولا - کوئی پرواہ نہیں - تم تسلی رکھو - وزیرزادے کی کیا مجال ہے کہ شہزادی کو لیجا سکے - اُسنے بھی سمجھ لیا کہ الہ دین کا کیا ارادہ ہے - غرض وہ کھانے پکانے میں مشغول ہوگئی - اور الہ دین نے اپنے حجرے میں جا چراغ کو نکالکر رگڑا - معمول کے موافق جن نے حاضر ہوکر عرض کی - کیا حکم ہوتا ہے؟ الہ دین بولا - میں نے اس ملک کے بادشاہ سے اُسکی لڑکی کے لئے درخواست کی تھی - جسے اُسنے منظور کرکے تین مہینے کی مہلت طلب کی تھی - مگر اب دو مہینے ہی گذرے ہیں کہ سنتا ہوں - وہ شہزادی کا نکاح وزیرزادے سے پڑھایا چاہتا ہے - چنانچہ آج رات نکاح پڑھا جائیگا میں تمہیں اس چراغ کے نام پر جس کے تم مؤکل ہو - تمہیں حکم دیتا ہوں - کہ جس وقت دونوں میاں بی بی زفاف کے کمرے میں اکٹھے ہوں - فوراً پلنگ سمیت اُنہیں یہاں اُٹھالانا باقی حکم پھر دیا جائیگا - جن تسلیم لاکر پھر غائب ہوگیا - الہ دین بھی حجرے سے نکل کھانا کھانے لگا اور دیر تک باتیں کرکے سونے کے لئے پھر اپنے حجرے میں چلا گیا - لیکن نیند نہ آئی کیونکہ اُسے شہزادی کا انتظار تھا - اِدھر جب رسوماتِ نکاح سے فراغت ہوچکی - ایک خواجہ سرا وزیرزادے کو حجلہ عروسی میں لیگیا اور وہ ابھی لیٹا ہی تھا کہ خواصیں شہزادی کو لئے آگئیں اور اُسی پلنگ پر لٹاکر جسپر وزیرزادہ لیٹا ہوا تھا فوراً باہر نکل گئیں - اُس چراغ کا مؤکل جن بھی اسی کی انتظار کر رہا تھا - فوراً اُسنے پلنگ کو اُٹھایا اور الہ دین کے پاس لار کھا - الہ دین نے جن کو حکم دیا کہ وزیرزادے کو لیجاکے پاخانے میں قید کردے - اور صبح سے پہلے اُسے یہاں لے آنا - جن نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور وزیرزادے کو ایک سڑے ہوئے پاخانے میں لیجاکے قید کردیا - جہاں بیچارے کی رات سخت مصیبت میں بسر

تیرا کیا مقصد ہے؟ الہ دین کی ماں پھر زمین بوس ہوئی اور عرض کیا کہ میں سب کے روبرو عرض نہیں کر سکتی۔ بادشاہ نے خلوت کا حکم دیا اور جب دربار میں صرف بادشاہ اور وزیر ہی رہ گئے اُس نے آہستہ سے عرض کی۔ کہ میرا لڑکا شہزادی بدرالبدور پر عاشق ہو گیا ہے اُسکے لیے پیغام لائی ہوں ورنہ وہ ضرور مر جائیگا۔ بادشاہ نے یہ سُنکر ناراضی کی کوئی علامت نہ ظاہر کی۔ مگر پوچھنے لگا اس رومال میں کیا ہے۔ بڑھیا نے جواہرات کی قاب سامنے رکھدی بادشاہ نے جب رومال کو کھولا ہکا بکا رہ گیا اور بے اختیار کہہ اُٹھا۔ خدا نے ایسے ایسے جواہرات بھی دنیا میں بنائے ہیں۔ پھر وزیر کو بُلایا کہ تو نے کبھی اس رقم کے جواہرات بھی ملاحظہ کیئے ہیں۔ وزیر بولا۔ حاشا وکلا۔ دیکھنا تو کجا سُننے تک بھی نہیں۔ یہ سُنکر بادشاہ بولا بھلا جو شخص یہ تحفہ گذار سکے۔ کیا وہ اس قابل ہو سکتا ہے کہ شہزادی بدرالبدور اُسکے عقد میں دیدی جائے۔ یہ سُنکر وزیر پر گویا بجلی گر پڑی۔ اسلیئے کہ وہ شہزادی کا ناطہ اپنے بیٹے کے لئے مانگنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ سوچ سوچکر کان میں کہنے لگا۔ حضور! یہ ناچیز تحفہ شاہزادی کے سامنے کیا حیثیت رکھتا ہے۔ اگر حضور مجھے تین ماہ کی مُہلت عطا فرماویں۔ تو میرا بیٹا اس سے اچھا تحفہ گذران سکیگا۔ بادشاہ نے وزیر کی خاطر سے یہ درخواست قبول کی اور الہ دین کی ماں سے فرمایا۔ بوڑھیا! اب تم اپنے گھر جاؤ اور اپنے لڑکے سے کہو کہ بادشاہ نے اُسکی درخواست قبول کرلی ہے۔ مگر فی الحال سامان جہیز تیار نہیں اور وہ کم از کم تین ماہ میں تیار ہوگا۔ اس لئے پھر تم نے تین ماہ کے بعد آنا۔ الہ دین کی ماں خوش ہو کر گھر آئی اور یہ مژدہ الہ دین کو سُنایا اور اُسکی باچھیں کھل گئیں۔ اور اپنی ماں کا شکریہ بجالایا۔ مگر تین مہینے کی مُدت اُسے بہت طویل دکھائی دیتی تھی۔ غرض گھڑیاں گنتے جب اُسے دو مہینے گذر گئے۔ ایکدن شام کے وقت اُس کی ماں بازار سے کچھ سودا لینے گئی۔ دیکھا کہ چاروں طرف روشنی ہو رہی ہے اور سوار و پیادے اِدھر سے اُدھر جاتے ہیں۔ اُسنے حیران ہو کر دوکاندار سے پوچھا کہ آج اس چہل پہل کا کیا باعث ہے۔ اُسنے جواب دیا کیا تمہیں خبر نہیں؟ کہ شہزادی بدرالبدور کی شادی وزیر کے لڑکے سے ہونیوالی ہے اور اب وہ حمام کو جائیگی۔ اس لئے امرا دربار اُسکے جلوس کے ہمراہ جانے کیلئے محل شاہی کی طرف جا رہے ہیں۔ بوڑھیا نے سودا

مگر دروازہ بند تھا۔ لوگوں سے معلوم ہوا کہ دو روز کی چھٹی ہے۔ بیچاری پھر لوٹ آئی اور الہ دین کو حقیقت حال بتا دی۔ وہ بڑا حیران ہوا۔ مگر امر مجبوری تھا۔ وہ کیا کر سکتا تھا۔ خیر! تیسرے دن وہ پھر دربار میں حاضر ہوئی۔ مگر آج اُسے ناکام لوٹنا پڑا۔ اور اس طرح کئی دن تک جاتی اور ناکام واپس آجاتی۔ ایکدن بادشاہ کو بھی خیال آگیا۔ اُس نے وزیر سے فرمایا۔ میں اُس بڑھیا کو بہت دنوں سے دیکھ رہا ہوں۔ روز آتی ہے اور واپس چلی جاتی ہے۔ پوچھو تو اسکا کیا مقصد ہے۔ وزیر نے جواب دیا۔ حضور! عورتیں اکثر نکمی نکمی سی باتوں پر خفا ہو کر نالشیں کر دیا کرتی ہیں اسکی بھی کوئی ایسی ہی درخواست ہوگی۔ بادشاہ نے فرمایا۔ نہیں تم اُسے میرے پاس بلاؤ۔ غرض وزیر نے عرض بیگی کو حکم دیا کہ اس عورت کو بلا لا۔ الہ دین کی ماں آگے بڑھی اور جھک کر بادشاہ کے پا انداز کو بوسہ دیا۔ بادشاہ نے فرمایا۔ بڑھیا! میں تجھے کئی روز سے یہاں دیکھتا ہوں۔ تو آتی ہے اور بے کچھ عرض کئے چلی جاتی ہے۔ اس سے

تصویر ۹ الہ دین کی کشتی جواہرات کی لیکر دربار شاہی میں آنیکی



لایا تھا محض شاہانِ عظام ہی کے قابل ہیں جنہیں آپ آجتک شیشے کے ٹکڑے تصور کرتی رہی ہیں۔ ذرا اُنہیں میرے پاس تو لے آنا۔ میں صاف کرکے ایک برتن میں لگا دیتا ہوں۔ بوڑھیا بیچاری فوراً وہ جواہرات اور ایک نفیس قاب چاندی کی لے آئی۔ الہ دین نے جب اُنہیں ترتیب کے ساتھ رکھا۔ پھر تو سارا مکان جگمگا اُٹھا۔ بڑھیا بولی۔ اگرچہ یہ ٹکڑے کانچ کے ہوں۔ مگر مجھے اُمید نہیں کہ تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکو۔ مجھے ڈر ہے کہ مینے جرأت کرکے پیغام عرض بھی کر دیا۔ تو بادشاہ خفا ہو کر مجھے اور تمہیں دونوں کو نہ مروا ڈالے۔ الہ دین بولا۔ تم گھبراؤ نہیں باتیں بناؤگی بادشاہ کی جاؤگی۔ میرا دل جو شہادت دے رہا ہے کہ میں ضرور کامیاب ہونگا۔ جوہریوں کی دوکانوں سے مجھے تجربہ ہوا ہے کہ یہ جواہرات بالکل نایاب ہیں بوڑھیا بولی۔ خیر! یہ بھی سہی۔ لیکن اگر بادشاہ نے پوچھا۔ تم کہاں رہتی ہو اور تمہارے پاس کس قدر دولت ہے تو میں کیا جواب دونگی۔ الہ دین نے جواب دیا کیا تمہیں میرے چراغ کی یاد بھول گئی۔ بادشاہ پوچھیگا تو میں آپ ہی جواب دے لونگا۔ یہ سُنکر الہ دین کی ماں کو تسلی ہوئی۔ اور اقرار کیا۔ کہ اچھا کل جاؤنگی الہ دین نے سمجھایا کہ خبردار! کسی سے راز نہ کہنا اور بادشاہ سے بھی تنہائی میں درخواست کرنا۔ غرض اگلے دن الہ دین کی ماں کپڑے بدل کر اس قاب کو ایک سفید ریشمی رومال میں باندھا۔ اور دربار کی طرف روانہ ہوئی۔ جب بادشاہ کے سامنے پہنچی۔ دیکھا کہ فریادی کھڑے ہیں۔ دربار اراکین سے بھرا ہوا ہے اور بادشاہ نفسِ نفیس ہر شخص کی فریاد کو سُن رہے ہیں۔ وہ بھی دیوانخانے کے ہال میں جاکے کھڑی ہوگئی۔ جب سب مقدمے فیصل ہو چکے۔ بادشاہ اُٹھکے محل کو چلا گیا۔ وزیر بھی ساتھ ہی گیا۔ الہ دین کی ماں بیچاری اپنا سا منہ لیکے لوٹ آئی۔ الہ دین نے دور سے اُسے آتے ہوئے دیکھ کر معلوم کر لیا کہ مقصد پورا نہیں ہوا۔ پوچھا کیوں خیر تو ہے؟ اسکی ماں بولی ہاں! خیر ہی ہے آج ابھی تک مجھے عرض حال کا موقعہ نہ مل سکا۔ مینے بادشاہ کو اچھی طرح دیکھا وہ ہر ایک شخص کی بابت سُنکر اُسے شگفتہ روئی سے جواب دیتا ہے۔ دربار میں بھی مجھے کسی نے نہیں روکا۔ بلکہ بادشاہ نے مجھے کئی بار دیکھا بھی ہے۔ چونکہ آج مقدمات بہت تھے اسلئے اُسے فرصت نہیں مل سکی کل پھر جاؤنگی۔ الہ دین کو تسلی ہوئی۔ کہ کام بن جائیگا۔ غرض اگلے دن وہ پھر دربار کو گئی

تصویر شہزادی بدر البدور کی مع خواصوں اور خواجہ سراؤں کی اور الہ دین چھپ کر دیکھ رہا ہے



زندگی مطلوب ہے تو بادشاہ کے پاس میرے لئے اس لڑکی کا پیغام بھیجو۔ یا آپ لیکے جاؤ۔ بڑھیا بولی بیٹا! توبہ توبہ! ایسی بات منہ سے سوچکر نکال۔ جھونپڑی میں سونا اور محلوں کے خواب۔ کیا تمہاری عقل زائل ہوگئی ہے یا تم نہیں جانتے کہ بادشاہ اپنی لڑکیاں بادشاہوں ہی کو دیا کرتے ہیں اور تو ایک ادنے درزی کا بیٹا ہے جس کی اوقات کچھ بھی نہیں اور جو بدر البدور کے باپ کی ادنے رعایا تھے۔ الہ دین نے جواب دیا۔ اماں! خواہ کچھ ہو۔ مگر تمہیں پیغام لیکے جانا ضرور پڑیگا۔ ورنہ میری زندگی سے ہاتھ دھو رکھو۔ الہ دین کی ماں بہت پریشان ہوئی۔ اور بولی بیٹا کچھ ہوش کی دوا کرو۔ بات وہ کرنا چاہئے جس سے اپنی ذلت نہ ہو۔ اور پھر مجھ میں جرأت کہاں ہے۔ کہ بادشاہ کے سامنے جاکے کلام بھی کرسکوں۔ سوائے اسکے ایسے عالیجاہ شہنشاہ کی خدمت میں جانے کے لئے بہت بڑے ہدیئے کی بھی ضرورت ہے۔ اور ہمارے گھر کی جائداد اسقدر بھی نہیں کہ بیچکر مہینہ بھر پیٹ ہی بھر سکے۔ الہ دین بولا۔ اماں جان! ایسی بات نہیں ہے۔ یہ جواہرات جنہیں میں اُس خزانے سے

الہ دین نے جواب دیا۔ بارہ ایسی قابیں اور ایک بڑی سینی دے چکا ہوں۔ اور اُسنے فی قاب
ایک اشرفی اور سینی کی دس اشرفیاں دی ہیں۔ سنار کو جو بڑا متدین شخص تھا یہ سُنکر بڑا غصہ
آیا اور بولا۔ میں کہتا تھا نہ کہ وہ بڑا بے ایمان آدمی ہے۔ یہ قاب بہتر اشرفیوں سے کم کی
نہیں۔ پھر اُسے تولا اور بہتر اشرفیاں اُسکے سامنے ڈھیر کر دیں۔ الہ دین حیران رہ گیا۔
سنار نے کہا اگر تمہیں کوئی شک ہو تو کسی اور کو دکھا لو۔ اگر کچھ بھی فرق نکلا تو میں اس سے
دو چند جرمانہ ادا کر دونگا۔ مگر صراف کو اطلاع نہ دیجیو۔ الہ دین نے سنار کا شکریہ ادا کیا۔ اور
اشرفیاں اُٹھا کے گھر آگیا۔ پھر باقی کی اشیاء بھی اُسی کے ہاتھ فروخت کیں۔ غرض کئی برس
تک وہ انہی کی قیمت پر بسر کرتا رہا۔ گو اگر وہ چاہتے تو ایک منٹ میں دولتمند ہو سکتے تھے۔
اس عرصہ میں الہ دین جوہریوں کی دوکانپر جاتا۔ اُنکی گفتگو پر دھیان رکھتا اور جواہرات
کی طرف نظر رکھتا۔ آخر اُسے معلوم ہو گیا کہ یہ سے ماں جو شیشے کے ٹکڑے سے سمجھے گئے ہیں
وہ نایاب جواہر ہیں۔ اور اُنکی قیمت کو یہاں کوئی جوہری نہیں پہچان سکتا۔ جسدن اُسے یہ
سمجھ آئی۔ اُسکے کئی روز بعد اتفاقاً بازار میں منادی سنائی دی۔ کہ کل کوئی شخص اپنی دوکان
نہ کھولے اور نہ باہر نکلے۔ شہزادی بدر البدور حمام میں جائیگی۔ الہ دین بڑا مشتاق ہوا۔
کہ شہزادی کو کسی طرح سے دیکھے۔ یہ سوچکر اُسنے ایک مکان حمام کے قریب تلاش کر رکھا۔
جسکی درازوں سے وہ ایک نظر شہزادی کے منہ پر ڈال سکتا تھا۔ اور اگلے دن قبل اسکے
کہ شہزادی وہاں پہنچے۔ الہ دین جا کے چھپ رہا۔ تھوڑی دیر بعد شہزادی بھی آگئی۔ الہ دین
اُس کی صورت کو دیکھتے ہی متوالا ہو گیا۔ جب شہزادی واپس چلی گئی۔ وہ بھی گھر آکے
لیٹ رہا۔ ماں نے پوچھا۔ بیٹا! کہو کیا حال ہے؟ مگر الہ دین نے کوئی جواب نہ دیا اُدھر وہ
کھانا پکانے میں مشغول ہو گئی۔ جب کھانا پکا چکی بیٹے کو کہا کہ کھالے۔ مگر پہلے تو وہ چاہتا تھا
آخر بڑے اصرار کے بعد دو چار نوالے زہر مار کر لئے۔ کھانا کھانے کے درمیان اُسکی ماں
نے کئی دفعہ سبب پوچھا۔ مگر الہ دین نے کچھ نہ بتایا۔ اور ساری رات تڑپتا رہا۔ جب صبح ہوئی
بڑھیا چرخہ کاتنے کو اُٹھی۔ تو الہ دین نے بھی پاس بیٹھ کے اپنی رام کہانی سنا دی۔ کہ اماں جان!
میں نے بدر البدور شہزادی کو دیکھ لیا ہے اور اسی وقت سے اُسپر مر رہا ہوں اگر تمہیں میری

الہ دین وہ اشرفی لیکے نان بائی کی دوکان پر آیا اور کچھ روٹیاں اور ترکاری لیکے گھر کو روانہ ہوا۔ اُسکے چلے جانے کے بعد صراف کے جی میں آئی کہ میں نے ناحق ایک اشرفی دی۔ ایسے گوشے کو تو اس سے بھی کم میں پرچایا جا سکتا تھا۔ یہ سوچکر وہ اس کے پیچھے روانہ ہوا تاکہ کچھ پیسے واپس لے آئے۔ مگر الہ دین دُور جاچکا تھا۔ شام کو الہ دین کی ماں بقیہ اشرفی کا غلّہ لے آئی اور چند دن اُنھوں نے اِس طرح سے بسر کئے۔ جب پلے کچھ نہ رہا تو دوسرے تابے بھی یہودی کو جا دئے۔ اور ایک اشرفی اسکی قیمت لیکر کئی دن اور گذارے۔ غرض اسی طرح بارہ قابیں فروخت کر دیں۔ اب سینی کی باری آئی۔ مگر چونکہ وہ اسقدر بوجھل تھی۔ کہ الہ دین اُسے بغل میں مار کر نہ لیجا سکتا تھا۔ اسلئے صراف کو گھر بُلا لے گیا اور اُسے سینی دکھائی۔ صرّاف نے فوراً دس اشرفیاں گن کے اسکے ہاتھ پہ رکھدیں اور سینی اُٹھا کے لیگیا۔ دونو ماں بیٹوں نے کئی دن ان اشرفیوں سے کاٹے اور جب بالکل مفلس ہو چکے۔ الہ دین نے پھر چراغ نکالا۔ بڑھیا اس وقت کسی کام سے لئے گھر سے غیر حاضر تھی۔ الہ دین نے اُسے بڑی نرمی سے رگڑا اور وہی پہلا جن بڑے تحمل سے سامنے آکے بولا۔ میں حاضر ہوں۔ جو حکم ہو بجا لاؤں۔ الہ دین بولا مجھے بھوک لگی ہے۔ کچھ کھانے کو لا۔ جن فوراً غائب ہو گیا اور پھر ایک دومنٹ کے بعد وہی پہلا سا دسترخوان لا کے رکھدیا۔ جب بڑھیا آئی سمجھ لیا کہ اسی چراغ کی برکت ہے۔ غرض دو دن تک اُس کھانے سے پیٹ بھرا۔ اور تیسرے دن پھر الہ دین ایک قاب لیکے بازار چلا۔ راہ میں ایک سنار کی دوکان تھی۔ اُسنے اُسے بُلایا اور کہنے لگا بھیا بیٹے تمہیں کئی دفعہ فلاں صراف کی دوکان پر کچھ چیز لیجاتے ہوئے دیکھا ہے معلوم ہوتا ہے کچھ چیز تم اسکے پاس بیچنے کو لیجاتے ہو۔ لیکن کیا تمہیں معلوم نہیں کہ وہ بڑا دغاباز اور بے ایمان شخص ہے۔ آج بھی بغل میں تمہاری کوئی ویسی ہی چیز معلوم ہوتی ہے ذرا مجھے بھی تو دکھاتے جاؤ۔ اگر میرے کام کی ہوئی تو میں ہی بہت خوشی سے خریدکر تمہیں پوری پوری قیمت دیدونگا۔ ورنہ کسی ایماندار شخص کے پاس لیجاکے سودا کرا دونگا۔ الہ دین نے وہ قاب دامن سے نکال اُسکے سامنے رکھدی۔ سنار نے دیکھتے ہی پرکھ لیا۔ کہ قاب کی چاندی نہایت ہی نفیس ہے۔ پوچھا۔ ایسی قاب تم نے کوئی آگے بھی اس صراف کے پاس فروخت کی ہے۔

افریقی اس قدر دور دراز سے اسکے لئے آیا تھا معلوم ہوتا ہے اُسے اسکے خواص معلوم ہونگے خدا نے اس ملعون سے چھینا کر یہ چراغ مجھے دیا ہے - بھلا اب میں اُسے اپنے سے جدا کیسے کردوں - اسکی ماں نے جواب دیا - خیر اگر تم انہیں اپنے سے علیحدہ کرنا نہیں چاہتے تو میری نگاہوں سے دور رکھو - الہ دین نے کہا - البتہ یہ ہو سکتا ہے - غرض اس قاب کے کھانے کو دو تین برابر دو روز تک کھایا اور تیسرے دن الہ دین ایک قاب کپڑے میں لپیٹ کر بازار لیگیا تاکہ اُسے بیچکر کھانا لائے - اتفاقاً ایک صرّاف سے دوچار ہوگیا جو نقرئی ظروف کی خرید و فروخت کیا کرتا تھا الہ دین نے اُسے ایک کنارے لیجاکے قاب دکھائی اور کہا - کہ میں اسے بیچنا چاہتا ہوں - صرّاف بڑا دغاباز اور چالاک آدمی تھا ؟ جب اُسنے پرکھا - کہ قاب کو اعلٰے درجہ کی چاندی لگی ہوئی ہے - بولا کیا لوگے ؟ الہ دین نے جواب دیا جو دوگے لے لونگا - صرّاف نے جھٹ ایک اشرفی نکال کے اسکی ہتھیلی پر رکھدی - حالانکہ وہ ستّر اشرفی سے بھی زیادہ قیمتی تھی -

تصویر الہ دین اور صرّاف کی باہم بات چیت کرنے اور قاب نقرئی بیچنے کی -



شاید کھانے کو کچھ مل جائے۔ اُسکی ماں یہ سنکر فوراً چراغ اُٹھا لائی۔ اور بولی۔ یہ بہت زنگ آلود ہو رہا ہے۔ ذرا اسے صاف کر دوں۔ پھر ریت اور پانی لیکر اُسے خوب سے مانجھنے لگی۔ ابھی ایک ہی رگڑ اُس نے دیا تھا کہ فوراً ایک بدشکل جن آ نمودار ہوا۔ اور بولا۔ میں اور دوسرے جن اُس شخص کے تابعدار ہیں جسکے ہاتھ میں یہ چراغ ہو۔ اے بڑھیا! بتا تو کیا چاہتی ہے میں حاضر ہوں۔ الہ دین کی ماں نے ایسی شکل کبھی کاہے کو دیکھی تھی۔ فوراً غش کھا کے گر پڑی مگر الہ دین جو ایکدفعہ ایسی ہی شکل آگے بھی دیکھ چکا تھا سنبھلا رہا۔ اور اُس نے ماں کے ہاتھ سے چراغ لیکر جن کو حکم دیا۔ میں بھوکا ہوں۔ کچھ کھانے کو لا۔ جن فوراً غائب ہو گیا۔ اور لحظہ بھر بعد سر پر ایک بڑی سینی اُٹھائے آموجود ہوا۔ جس میں چھ سفید روٹیاں اور بارہ قابیں لذیذ کھانوں سے بھری رکھی تھیں۔ شراب کی دو بوتلیں اور چاندی کے گلاس بھی ساتھ ہی چنے تھے۔ غرض سینی کو دالان میں رکھ کے وہ غائب ہو گیا۔ الہ دین نے ماں کے منہ پر پانی چھڑکا۔ اُسنے آنکھیں کھولدیں۔ الہ دین بولا اب مت ڈرو۔ اُٹھو اور کھانا کھاؤ۔ الہ دین کی ماں اُس سامان کو دیکھکر حیران رہ گئی۔ الہ دین بولا پہلے تم کھانا کھالو۔ پھر میں اسکا حال بیان کرونگا۔ غرض دونوں ماں بیٹوں نے خوب شکم سیر ہو کر وہ کھانے کھائے جو انہوں نے پہلے عمر بھر میں بھی نہ دیکھے تھے اور جو باقی بچ رہا۔ اُسے اگلے دن کے لئے رکھ چھوڑا۔ الہ دین کی ماں اُن برتنوں کو دیکھ کر حیران تھی کہ کیسے چمکدار ہیں۔ خدا جانے کاہے کے بنے ہوئے ہیں۔ جب فراغت پا چکے تو الہ دین نے جن کا آنا اور اُس سے کھانا منگانے کا حال مفصل سنایا۔ وہ حیران ہوئی کہ شریر جن یہاں کیسے آسکا۔ الہ دین نے جواب دیا۔ یہ اور تھا اور جسے میں نے گڑھے میں دیکھا تھا۔ وہ دوسرا تھا۔ وہ تو اس چھلے کا تابع تھا اور یہ اس چراغ کا موکل ہے۔ بڑھیا بولی۔ بیٹا اس چراغ کو یا تو بیچ ڈالو ورنہ کسی کو دیدو اور اس چھلے کو بھی اُتار کر پھینکدو۔ ہم جنوں سے دوستی نہیں رکھنا چاہتے جیسا کہ ہمارے نبی صلعم کا فرمان ہے۔ الہ دین بولا۔ واہ! اماں جان! ان دونوں چیزوں سے ہمیں بہت فائدے ہونگے۔ ایسی کام کی چیزوں کو میں کیسے اپنے سے جدا کر دوں۔ ابھی میں تم کو سنا چکا ہوں کہ چھلے نے ہی میری جان بچائی۔ اور چراغ نے کھانا دیا۔ اسکے ایسے ہی خواص تھے جبھی تو وہ

چراغ مجھ سے لے لو۔ اور مجھے اس قید سے رہا کرو۔ مگر وہاں کون تھا جو اس کی آواز پر کان دیتا
غرض وہ نہایت مایوس ہو کر اسی باغ کو پھر جانا چاہتا تھا۔ جہاں سے اُسنے میوے توڑے
تھے۔ مگر اُدھر کا دروازہ بھی بند پایا۔ بلکہ کوئی نشان تک نہ رہا۔ وہ تو جادو کے زور سے بند
ہو چکا تھا۔ غرض وہ بڑا گھبرا گیا اور دو دن تک ایڑیاں رگڑتا رہا۔ تیسرے دن بدرگاہ
مجیب الدعوات دعا مانگنے کے لئے ہاتھ اُٹھائے۔ اور اُسی اثناء میں اتفاق سے اُس چھلے
کو رگڑ پہنچ گئی جو اسکی اُنگلی میں پہنا ہوا تھا فوراً ایک قوی ہیکل جن پیدا ہوا۔ اور بولا۔
میں اُس شخص کے تابع ہوں جس شخص کے ہاتھ میں یہ چھلا ہے۔ الہ دین پہلے تو ڈر گیا۔ مگر
پھر بولا۔ اگر تجھ میں طاقت ہے تو مجھے اس گڑھے سے نکال۔ تا مہ کہتے ہی وہ باہر تھا الہ دین
حیران رہ گیا کہ میں اس گڑھے سے باہر کیسے آسکا۔ پھر اُس راستے کو پہچانا۔ جہاں سے وہ
آیا تھا۔ مگر گڑھے کا نشان تھا۔ تین دن کی بھوک پیاس اور بیقراری سے چونکہ وہ سخت
کمزور ہو رہا تھا۔ اسلئے بڑی مشکل سے اپنے گھر پہنچا اور جاتے ہی بیہوش ہو کے گر پڑا۔
اُسکی ماں کو بڑا فکر گیا اور اسکے ہوش میں لانے کی تدابیر کرنے لگی۔ آخر غشی رفع ہوئی۔ اور
اُسنے کچھ کھانے کو مانگا۔ مگر اُسکی ماں نے ہدایت کی کہ تھوڑا سا کھا کے سو رہو۔ پھر مجھ سے
باتیں کرنا۔ الہ دین نے چند نوالوں سے اشتہا کو رفع کیا اور پھر ماں سے اپنے مصنوعی چچا کی سخت
شکایت کی۔ کہ وہ تو مجھے مار ہی چکا تھا مگر قسمت نے بچا لیا۔ وہ میرا چچا نہیں تھا۔ کوئی ظالم
بیرحم فریب دینا چاہتا تھا۔ الحمد للہ کہ خدا نے بڑی آفت سے بچا لیا۔ یہ کہکر ساری سرگذشت
سنا دی۔ اُسکی ماں نے جب ساحر کے فریب کا حال سُنا۔ اُسے لاکھوں صلواتیں سنائیں۔ پھر
ان میووں کو لیکے ایک طرف رکھ دیا۔ کیونکہ اُنکی قدر سے کوئی بھی آگاہ نہ تھا۔ لیکن جیا نہ صبرا
ہوا اور اُنکی چمک سے اندر باہر روشنی ہو گئی وہ کہنے لگے۔ کہ خیر اتنا ہی بچ گیا۔ اتنی تکلیف کا
یہی معاوضہ سہی۔ غرض پھر دونو سو رہے۔ الہ دین نہایت تھکا ہوا تھا۔ اسلئے اُسے بہت
جلد نہایت گہری نیند آگئی۔ اور صبح کے وقت جب وہ جاگا۔ بھوک سے بدحال ہو رہا تھا ماں
سے کچھ کھانے کو مانگا۔ وہ بولی۔ بیٹا! آج تو ایک ٹکڑہ بھی نہیں رہا۔ ذرا ٹھہرو۔ تو کچھ سوت
کات کے بیچ آؤنگی۔ اور کھانے کو لے آؤنگی۔ الہ دین نے کہا۔ نہیں۔ آج وہ چراغ بیچ آؤ

بچھا کر جیب میں رکھ لیا۔ اور اُلٹے پاؤں باغ میں آکر درختوں سے پھل توڑنے لگا۔ وہ نہایت چمکدار اور رنگوں سے انواع و اقسام کے تھے اور نہایت خوشنما معلوم ہوتے تھے۔ اُس نے خیال کیا کہ یہ بھی اُسی قسم کے میوے ہیں جو اُسنے اپنے شہر میں پکتے پائے تھے۔ مگر حقیقت میں وہ بیش قیمت الماس و جواہر تھے۔ غرض جسقدر اُسکی جیبوں اور آستینوں میں آسکے بھر لیے اور زیادہ لالچ نہ کرکے وہاں سے چل پڑا۔ جب گڑھے میں پہنچا۔ آواز دی۔ چچا جان! میں آگیا ہوں میرا ہاتھ پکڑ لیجئے تاکہ میں اوپر آجاؤں۔ ساحر بولا بہت اچھا۔ مگر وہ چراغ پہلے مجھے دیدے۔ الہ دین نے جواب دیا۔ چراغ باہر آکے نکال دونگا اسوقت نہیں نکال سکتا۔ اور فی الواقعہ وہ سچا تھا چراغ ان میووں کے نیچے دبا ہوا تھا جو اُس نے باغ میں سے توڑے تھے۔ نیز وہ ہانپ رہا تھا اور چاہتا تھا کہ جلد وہاں سے نکلے۔ افریقی کہنے لگا۔ نہیں چراغ پہلے دو۔ اور الہ دین نے کہا۔ میں کیسے نکالوں۔ غرض وہ دونوں میں تکرار ہو پڑی اور ساحر کو ایسا غصہ آیا کہ جلتی آگ میں تھوڑی خوشبو جو الکر سمت بیرجی کیساتھ کچھ ایسے الفاظ پڑھے۔ جنکی تاثیر سے وہ پتھر گڑھے کے مُنہ پر آگیا اور زمین جوں کی توں ہوگئی۔ ساحر افریقی اصل میں افریقہ کا باشندہ تھا اور اُسکے شہر میں سحر و ساحری کا بڑا چرچا رہتا تھا۔ اُسنے بھی چالیس سال تک اس علم کی تعلیم پائی تھی۔ اور پوری مہارت بہم پہنچائی تھی۔ نجوم۔ رمل اور حاضرات میں بھی اُسے کافی درک تھا۔ آخر ایکدفعہ اُسے اپنے علوم کے ذریعے سے معلوم ہوا۔ کہ ملک چین کے درمیان کسی تہ خانے کے اندر ایک چراغ جل رہا ہے۔ جس کے کئی موکل تابع ہیں۔ اُسے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ وہ آپ اُس چراغ کو تہ خانے سے نہیں نکال سکتا غرض وہ چین میں آیا اور اب اُسے ایسے آدمی کی تلاش ہوئی جسکے ذریعے وہ اُس چراغ کو نکلوالے۔ اور پھرتے پھرتے الہ دین کو اپنے مطلب کا پاکر اُسے اپنا بھتیجا بنایا۔ اور چاہتا تھا کہ چراغ اُسکے ہاتھ سے لیکے اُسے وہیں زندہ درگور کردے تاکہ اُسکا راز ظاہر نہ ہونے پائے۔ کہ اتفاق سے وہ چراغ نہ لے سکا اور الہ دین کو غصے میں آکر زندہ درگور کردیا۔ پھر بخوف گرفتاری اُسیدن چین سے افریقہ کو روانہ ہوگیا اور تشویش میں وہ چھلا لینا بھی بھول گیا جو اُسنے الہ دین کو اندر جاتے وقت پہنایا تھا۔ الہ دین کو اپنے مصنوعی چچا کی بدسلوکی سے بڑی حیرت ہوئی اور وہ اپنے تئیں اندھیرے میں پاکر چیخنے چلانے لگا۔ پھر بہت سی آوازیں دیں کہ چچا جان! اچھا

کو نہ چھو جائے۔ ورنہ تم مرجاؤ گے۔ تینوں دالان گذر کے تمہیں ایک باغ ملیگا جس میں نہایت خوشنما میوہ دار درخت لگے ہوئے ہیں۔ مگر تم نے سیدھے بڑھے چلے جانا۔ آخر میں ایک شہ نشین دکھائی دیگا۔ جس میں پچاس تقاپ کا زینہ ہے۔ پھر شاہ نشین کی چھت پر جاکر تمہیں ایک طاقچہ ملیگا۔ جس میں ایک چراغ جل رہا ہے۔ اس چراغ کو اٹھا کے گل کر دینا۔ اور روغنی کا بتی پھینک کے جیب میں رکھ لینا۔ تمہارے کپڑے بالکل محفوظ رہینگے۔ واپس آتے ہوئے ان درختوں کے جسقدر پھل چاہو توڑ لانے۔ جب جادوگر نے اسے سب مراتب سمجھا دئے اور اس نے سمجھ لئے الہ دین فوراً دلیری کے ساتھ اس گڑھے میں کود پڑا اور فوراً دروازہ کھول سیڑھیاں اتر دالان میں پہنچا اور حسب ہدایت کپڑے سمیٹ بڑی احتیاط سے آگے بڑھا پھر تینوں دالان طے کرکے باغ میں پہنچا اور وہاں سے سیدھا شاہ نشین میں آیا۔ اسکے بعد ذرا ستا کر فوراً زینے پر چڑھ کے طاقچے کے پاس آکھڑا ہوا۔ جہاں وہ چراغ جل رہا تھا۔ فوراً اسے

تصویر الہ دین کے زینے پر چڑھنے اور چراغ کو طاقچے سے اٹھانے کی



رکھو۔ غرض الہ دین نے لکڑیاں اکٹھی کیں اور افریقی آگ لے آیا اور لکڑیاں جلا کر انسے اپنی فتیلہ کو روشن کیا۔ پھر اس فتیلے پر کچھ خوشبو ہیاں ڈالکر منتر پڑھنے لگا۔ ایک لحظے کے بعد زمین ہلی اور انکے پاؤں کے پاس ایک مربع سنگین سل برآمد ہوئی۔ جسپر لوہے کا کڑا لگا ہوا تھا یہ نظارہ دیکھ کر الہ دین کا دل ہل گیا۔ اور وہ ڈر کر بھاگنا چاہتا تھا کہ افریقی نے جھٹ ایک چپیڑ اسکے منہ پر جڑدی۔ وہ چُپ چاپ بیٹھ گیا اور بولا۔ چچا میرا کیا قصور آپنے دیکھا ہے کہ مجھے یہ سزا دی ہے؟ ساحر بولا۔ میاں! میں تمہارے باپ کی بجائے ہوں۔ اگر کبھی تمہیں تنبیہاً مار بھی دیا تو تم غصہ نہ کیا کرو۔ میں تو تمہاری ہی بہتری چاہتا ہوں۔ پھر اسے بہت پیار کیا اور کہنے لگا کہ جو میں کہا کروں۔ تم فوراً اسپر عمل کیا کرو۔ میں تمہیں بڑا آدمی بناؤنگا جب دیکھا کہ الہ دین کی تسلی ہوئی۔ اسے کہنے لگا۔ تم نے دیکھ ہی لیا کہ میرے پڑھنے کی تاثیر سے پتھر نکل آیا ہے۔ اب تم یقیناً سمجھو کہ اس کے نیچے ایک بڑا خزانہ مدفون ہے۔ جو محض تمہارے ہی لئے رکھا ہے وہ ایک دن میں تمہیں شاہان روئے زمین سے بڑھکر دولتمند بنا دونگا۔ اب تو پتھر کو اٹھا اور بے جھجک اندر چلا جا۔ مگر اندر جانے اور آنے میں دیر نہ لگے۔ الہ دین نے جواب دیا۔ چچا جان! جس طرح کہوگے میں حاضر ہوں۔ افریقی بہت خوش ہوا۔ اور الہ دین کو گلے لگا کے شاباش دی۔ پھر اسکی انگلی میں ایک چھلا پہنا کر بولا کہ اس پتھر کو کنڈے سے پکڑ کر اٹھالو۔ الہ دین نے جواب دیا۔ چچا جان! پتھر بھاری ہے مجھ اکیلے سے کیسے اٹھایا جائیگا۔ افریقی نے جواب دیا۔ اپنے باپ دادا کا نام لیکے تم اسے تنکے کی طرح اٹھا کر پرے پھینک سکتے ہو۔ غرض الہ دین نے اس پتھر کو اٹھا کے پرے رکھدیا۔ نیچے سے ایک چھوٹا سا گڑھا نمودار ہوا۔ جس کے ایک طرف ایک چھوٹا سا دروازہ لگا ہوا تھا۔ افریقی کہنے لگا۔ وہ دیکھ سامنے جو دروازہ دکھائی دیتا ہے اسے کھولدینا نیچے ایک زینہ دکھائی دیگا۔ اور اس سے اتر کر تجھے ایک وسیع مکان ملیگا۔ جس میں پہلے تین دالان آئینگے۔ اور ہر ایک دالان میں دو طرف چار چار سی دیگیں سونے اور چاندی سے بھری دکھائی دینگی۔ مگر خبردار! انہیں ہاتھ بھی نہ لگے۔ پہلے دالان میں پہنچکر قبا کا دامن کمر کے باندھ لینا اور آگے بلا توقف چلے جانا۔ مگر خیال رکھنا کہ کپڑا اس مکان کی کسی دیوار

سے اپنے لیے ایک جوڑا پسند کیا جسکی قیمت افریقی نے فوراً ادا کردی - الہ دین بڑا خوش ہوا۔ پھر ساحر اسے چوک میں لیگیا اور بڑی بڑی دکانیں دکھاکے بولا - اگر تم بھی بڑے آدمی بننا چاہتے ہو تو یہاں روز آکے کاروبار دیکھا کرو۔ پھر اسے ایک بڑی سرائے دکھائی - اسکے بعد شاہی محل اور دوسری عمارتوں کی سیر کراتا اس سرائے میں لے آیا جہاں وہ خود اترا ہوا تھا اور اپنے واقف کار سوداگروں سے الہ دین کو ملایا - پھر شام کا کھانا سب نے کھایا - اور جب اندھیرا ہو چلا - الہ دین نے گھر جانے کی اجازت مانگی - افریقی اسے خود گھر چھوڑنے آیا - الہ دین کی ماں اسے نئی پوشاک پہنے دیکھ کے خوش ہوئی اور افریقی کا شکریہ ادا کیا - ساحر بولا کل جمعے کا دن ہے سب دوکانیں بند ہونگی - اسلئے کل تمہیں باغوں کی سیر کراؤں گا - تم تیار رہنا - پرسوں انشاءاللہ تمہارے لئے دوکان کا بھی بندوبست ہو جائیگا - یہ کہہ کے وہ تو سرائے کو چلا گیا اور الہ دین نے رات بڑی مشکل سے کاٹی - وہ چاہتا تھا کہ کب صبح ہو اور وہ چچا کے ساتھ باغوں کی سیر کرے - غرض دن نکلا اور افریقی نے دروازے پہ دستک دی - الہ دین فوراً نیا لباس پہنا باہر نکل آیا - اور افریقی کے ساتھ ہو لیا - افریقی اسے نئے نئے باغ اور نئی نئی عمارتوں کی سیر کراتا ہوا شہر سے بہت دور نکل گیا - حتیٰ کہ الہ دین تھک گیا - یہ دیکھ کر افریقی ایک باغ میں ایک چشمے کے کنارے ستانے کے لئے بیٹھ گیا - کیونکہ ابھی اسے فاصلے پر جانا تھا - اور کمر سے کچھ کلچے اور کچھ میوے نکالکر الہ دین کو دئے - کچھ آپ کھائے - اور پانی پی کے اسے نصیحتیں کرنے لگا کہ لڑکوں میں کھیلنا اچھا نہیں - جب ناشتے سے فراغت ہو چکی - الہ دین کو دم دلاسا دیکے آگے بڑھا - حتیٰ کہ باغوں کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا - اور جنگل پہاڑ دکھائی دینے لگے - الہ دین نے پوچھا چچا جان اور کہاں تک جاؤگے - افریقی نے جواب دیا - میں تمہیں ایک اور عجیب و غریب باغ دکھایا چاہتا ہوں جسے دیکھکر تم خود حیران ہو جاؤگے - پھر طرح طرح کی کہانیاں سنانے لگا - حتیٰ کہ وہ ایک میدان میں پہنچگیا جو دو پہاڑوں کے درمیان واقع تھا - افریقی بولا - اب ہم منزل مقصود پہ آپہنچے - یہیں وہ باغ ہے جسکی سیر سے تم بڑے محظوظ ہوگے - میں آگ سے ۲ ... اور تو میرے آنے تک یہاں سے سوکھی لکڑیاں چن

تصویر ساحر افریقی کی الہ دین کے گھر آنیکی اور الہ دین کی ماں سے بات کرنے کی



اُسے کچھ ہوش نہیں آتی میں دن بھر چرخہ کاتتی کے اسکا پیٹ بھرتی ہوں - اور یہ کھیلتا رہتا ہے افریقی بولا - بیٹا! کیا یہ سچ ہے؟ مگر الہ دین کچھ نہ بولا - آخر افریقی نے کہا - یہ تو ٹھیک نہیں - اگر تمہارا جی ایک پیشے سے متنفر ہے تو دوسرا اختیار کر لینا چاہیے - مگر بیکاری اچھی چیز نہیں ہے اور اگر تم با فراغت بسر کرنا چاہو تو میں تمہیں بزازی کی دوکان کھلوا دوں - الہ دین بجا خوش ہوا اور اشارے سے رضامندی ظاہر کی - افریقی بولا - اچھا کل تمہیں نئی پوشاک بنوا دونگا - اُسے پہنکے تم میرے ساتھ بزازے میں چلنا - وہاں سوداگروں سے ملاقات کراکے تمہیں دوکان کرائے پہ لے دونگا - الہ دین کی ماں نے سمجھا کہ افریقی ایک متمول شخص ہے اُس نے الہ دین کا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں پکڑوا دیا - اور کہنے لگی تم جو چاہو - اسے سکھاؤ - پھر افریقی کے سامنے کھانے چن دئے اور تینوں نے ملکے کھانا کھایا - جب فراغت ہوئی وہ رخصت ہوا - دوسرے دن پھر آیا اور الہ دین کو ایک سوداگر کی دوکان پر لیگیا جو سلے سلائے کپڑے بیچتا تھا - الہ دین نے وہاں

میرا سلام کہنا اور اُسے پیغام دینا۔ کہ اگر کل مجھے فرصت ملی تو ضرور اُنکا نیاز حاصل کرونگا۔ الہ دین دوڑتا ہُوا اپنی ماں کے پاس آیا اور پوچھنے لگا۔ اماں! میرا کوئی چچا بھی ہے؟ اُسکی ماں نے کہا۔ ایک تھا تو۔ مگر اُسے مرے مُدت ہو چکی ہے۔ کیوں۔ تم نے آج یہ سوال کیوں کیا ہے؟ وہ بولا ابھی ابھی مجھے ایک آدمی ملا تھا وہ کہتا تھا۔ کہ میں تمہارا چچا ہوں۔ اور ابا کے مرنے کی خبر سُنکر رونے لگ گیا۔ پھر مجھے کچھ پیسے دئے۔ یہ دیکھو۔ اور آپ کو سلام کہا ہے۔ نیز پیغام دیگیا ہے کہ کل اگر فرصت ملی تو ضرور آؤنگا۔ اگلے دن صبح کے وقت وہ افریقی الہ دین کو بازار میں ملا اور اُسے دو اشرفیاں دیکے کہنے لگا۔ گھر جاکے انہیں ماں کو دے آؤ۔ اور کہو کہ میں شام کو گھر میں ہی آکے کھانا کھاؤنگا۔ پھر الہ دین سے اُسکے گھر کا پتہ پوچھ کے چلا گیا۔ اور الہ دین نے ماں سے اُسکا پیغام آکہا۔ بُڑھیا بڑی خوش ہوئی اور بازار سے سب سامان لاکے اچھے اچھے کھانے پکانے لگی جب شام ہوگئی۔ الہ دین سے کہا جاکے اپنے چچا کو ساتھ لے آ وہ گھر کو ڈھونڈ رہا ہوگا۔ الہ دین جب دروازے سے باہر نکلا۔ دیکھا تو افریقی سامنے سے آرہا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں میوے اور شراب کی بوتلیں تھیں۔ الہ دین اُسے خوش خوش اپنے ساتھ گھر لایا۔ افریقی نے جھک کر بڑھیا کو سلام کیا۔ اور پوچھا کہ میرا بھائی دالان میں کہاں پر بیٹھا کرتا تھا۔ بڑھیا نے اسکی نشستگاہ بتائی۔ ساحر نے اُس کے کئی دفعہ بوسہ دیا۔ اور بولا۔ میں کیسا بدنصیب ہوں۔ کہ اتنی دور سے چلکر بھی تمہارا دیدار نہ ہو سکا۔ پھر ایک مناسب جگہ پر بیٹھکر الہ دین کی ماں سے باتیں کرنے لگا اور بولا بھابی جان! مجھے چالیس برس اس شہر کو چھوڑے ہوگئے ہیں میں نے بہت ملکوں کی سیر کی آخر افریقہ میں رہنا پسند کیا تاہم اپنے وطن کی یاد نہ بھولی۔ خصوصاً بھائی کا چہرہ ہر وقت سامنے رہتا تھا۔ آخر محبت نے جوش کیا اور میں اُسکے ملنے کیلئے آیا تھا کہ ناگاہ اُسکے مرنے کی خبر سُنکر جی بیٹھ گیا۔ مگر الہ دین کی صورت دیکھکر کچھ اطمینان آیا ہے۔ اس ذکر سے الہ دین کی ماں کا جی بھر آیا اور آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ یہ دیکھکر افریقی نے بات کا رُخ بدل دیا اور الہ دین کی طرف مخاطب ہو کے بولا۔ بیٹا تمہارا کیا نام ہے۔ وہ بولا۔ الہ دین۔ افریقی نے پوچھا۔ تم کیا کام کرتے ہو۔ الہ دین نے شرمندگی سے سر جھکا لیا مگر اُس کی ماں بولی۔ یہ بڑا مجہول اور نکما لڑکا ہے۔ اسکا باپ اسی کے فکر میں مرا ہے۔ مگر

قصہ الہ دین اور عجیب و غریب چراغ کا

خداوند ملک چین کے کسی شہر میں مصطفیٰ نامی ایک درزی رہا کرتا تھا جس کی کمائی بہت تھوڑی تھی جس سے بمشکل گذارا کرتا۔ اس کے ایک لڑکا بھی تھا۔ الہ دین نامی۔ بڑا کھلنڈرا۔ اور معمول سارا سارا دن نکمّے لڑکوں کے ساتھ کھیلتا رہتا۔ باپ نے ہر چند کوشش کی کہ وہ کچھ سیکھے مگر ناکام رہا۔ آخر اسے اپنے پاس دوکان پر بٹھایا کہ خیاطی ہی سکھا دے۔ مگر باپ ذرا ادھر ادھر ہوتا اور وہ بھاگ جاتا۔ پھر رات تک کوئی خبر نہ ملتی۔ غرض اس نے باپ کو بہت تنگ کیا۔ اور سینا بھی نہ سیکھ سکا۔ بیچارے مصطفیٰ کو بڑا فکر تھا کہ وہ کس طرح اپنا پیٹ پالیگا اور اس غم میں وہ بیمار پڑ گیا۔ حتیٰ کہ مرض دن بدن ترقی پکڑنے لگی اور آخر کار بیچارہ چل بسا۔ الہ دین کی ماں نے سوچا کہ دوکان کا کام الہ دین سے نہیں ہو سکیگا۔ ناچار سارا اسباب فروخت کر دیا۔ اور خود روئی کاتنا شروع کر دیا جس سے بمشکل اپنا اور اپنے بیٹے کا پیٹ بھرتی۔ مگر الہ دین کو کوئی فکر نہ تھا۔ اسکی ماں اگر اسے کسی کام کے لئے کہتی تھی تو وہ آنکھیں دکھا کے بھاگ جاتا۔ غرض وہ بیچاری بھی اسکے ہاتھوں سخت نالاں تھی۔ حتیٰ کہ الہ دین چودہ برس کا ہو گیا۔ اور ایکدن حسب معمول ذلیل لڑکوں میں کھیل رہا تھا۔ کہ کوئی شخص اسے غور سے دیکھنے لگا۔ اور بولا۔ غالباً یہ لڑکا میرے اس کام کا ہے جس کے لئے میں دنیا میں گھوم رہا ہوں۔ یہ شخص افریقہ کا رہنے والا اور افریقی ساحر کے نام سے مشہور تھا۔ علاوہ جادو کے فن رمل اور قیافہ میں بھی پوری پوری مہارت رکھتا تھا۔ غرض اس نے غائبانہ طور پر الہ دین کے متعلق لوگوں سے بہت کچھ پوچھ گچھ کر ایکدن جب اسے اکیلا پایا۔ کہنے لگا۔ میاں! کیا تم مصطفیٰ درزی کے لڑکے ہو؟ الہ دین بولا۔ ہاں مگر اسے تو مرے ایک عرصہ ہو چکا ہے۔ یہ سنکر ساحر نے اسے گلے لگا لیا اور رو رو کے ٹھنڈی سانسیں بھرنے لگا۔ الہ دین نے پوچھا تم روتے کیوں ہو؟ افریقی بولا۔ کیا بتاؤں مرحوم میرا بڑا بھائی تھا اور میں تمہارا چچا ہوں۔ میں مدت سے سفر میں رہا ہوں۔ اب اسے دیکھنے کے ارادے سے آیا تھا کہ تم نے یہ خبر سنائی۔ گویا میری کی کرائی محنت پر پانی پھر گیا ہے۔ روؤں نہ تو کیا کروں۔ مگر خدا تمہیں زندہ سلامت رکھے۔ تمہاری شکل تمہارے باپ سے کچھ ملتی جلتی ہے۔ اور اسلئے تمہیں دیکھ کر مجھے بہت تسلی ہوئی ہے۔ پھر اسے مٹھی بھر پیسے دئے اور کہا۔ کہ اپنی ماں سے

زبیدہ خلیفہ اور اُس کے ہمراہی بھی دروازے پر آ پہنچے مسرور نے دروازہ کھولا اور سب کو اندر داخل کیا۔ مگر جب اُنھوں نے ابوالحسن اور نزہت دونوں کی لاشوں کو مکھوں پایا۔ حیران رہ گئے کہ یہ کیا بات ہوئی؟ زبیدہ بولی۔ حضرت! میری نزہت خاوند کی جدائی میں آ گئی ہی نیم مردہ ہو رہی تھی کہ آپ کے مسرور کی تفتیش نے اُسے اور فکر میں ڈالدیا اور وہ بیچاری بھی چل بسی۔ خلیفہ نے جواب دیا۔ نہیں بی بی۔ یہ بات نہیں ہے بلکہ ابوالحسن پیچھے مرا ہے۔ اسی طرح دائی اور مسرور میں بھی یہ بحث ہو رہی تھی۔ آخر ناچار ہو کر خلیفہ دونوں لاشوں کے درمیان آ بیٹھا۔ اور بولا بخدا میں اُسے ایک ہزار اشرفی نقد اُسوقت دونگا جو یہ بتا دے کہ ان دونوں میں سے پہلے کون مرا ہے؟ جواب میں ابوالحسن کی لاش سے آواز آئی۔ حضرت! پہلے میں مرا تھا۔ ایک ہزار اشرفی دلوایئے۔ اور کفن پرے پھینکا خلیفہ کے قدموں پہ جا پڑا۔ نزہت نے بھی کپڑا اُتار اپنے تئیں زبیدہ کے سامنے گرا دیا۔ وہ چونک پڑی کہ مردے کہاں چمٹ گئے۔ مگر جب خوف مٹ گیا نزہت سے بولی۔ ارے کمبخت! تجھے یہ کیا سوجھی تھی۔ کہ ہم سب کو پریشان کیا میں تمہارے لئے آج امیرالمومنین سے لڑتی آئی ہوں۔ خلیفہ کو بھی خوشی ہوئی اور وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ابوالحسن! یہ کیا شرارت تھی؟ کیا تم اپنا عوض مجھ سے لیا چاہتے تھے؟ کہ سارے محل کے آدمیوں کو پریشان کیا ابوالحسن بولا۔ خداوندا! سچ تو یہ ہے کہ جب میں عالم تجرد میں تھا تو مزے سے گذرتی تھی جب سے حضور نے میری شادی کر دی ہے جنجال میں پڑ گیا ہوں۔ طرح طرح کے خرچ ہی دم نہیں لینے دیتے۔ حتی کہ میرے سر پر بہت کچھ قرض بھی چڑھ گیا ہے۔ ساہوکار تقاضے پہ تقاضا کر کے تنگ کر رہے تھے۔ مجھے اور کوئی نہ سوجھ سکی۔ ناچار یہ حیلہ سوچنا پڑا اور حضور کے اقبال سے اس میں ہمیں کامیابی بھی اچھی ہو گئی۔ اب اُمیدوار ہیں کہ گستاخی معاف ہو۔ غرض ابوالحسن کی صاف گوئی پر خوش ہو کر دونوں نے اُسکا قصور معاف کر دیا اور ایک ہزار اشرفیاں اُسیوقت وہیں منگا دیں۔ پھر ابوالحسن اور نزہت خلیفہ اور زبیدہ کی فیاضیوں کی بدولت عمر بھر ہنسی خوشی عیش اُڑاتے رہے۔ یہ داستان سُنا کر شہرزاد کہنے لگی حضور! کل میں آپ کو اس سے بھی دلچسپ کہانی شاہزادہ علاءالدین اور عجیب وغریب چراغ۔ قصہ بڑا ہی دلکش ہے۔ غرض دوسری شب کو شہرزاد نے کہنا شروع کیا:۔

پھوٹ پھوٹ کے رونے لگ گئی - دائی بھی رونے میں اُسکی شریک بنی اور کہنے لگی بہن تو جانتی بھی کہ تمہارے - ماتم داری میں شریک ہوں - مگر بھی کیا کروں! بیگم میرے انتظار میں ہو گی - اسکے بعد ابوالحسن کے مُنہ سے کپڑا اُٹھایا اور اُسے دعا دی کہ خدا تجھ پر رحم کرے - پھر مُنہ ڈھانپ کے اپنا راستہ لیا جو وہ آنکھوں سے اوجھل ہو گئی ابوالحسن پھر اُٹھ بیٹھا - اور کہنے لگا - خیال رکھنا - اب خلیفہ اور زبیدہ دونو خود آئینگے - غرض دائی نے جا کے زبیدہ سے کہا - بی بی! یہ کلمہ جھوٹ بکتا ہے - نزہت چنگی بھلی بیٹھی ہے بیچارہ ابوالحسن ہی چل بسا ہے - پھر اُس بوڑھیا اور مسرور میں جھگڑا چل پڑی - اور دونو گالیوں پر اُتر آئے - بوڑھیا کہتی تھی تو جھوٹا ہے اور مسرور اُسے جھوٹی بتاتا تھا غرض زبیدہ سخت کھسیانی ہو کر رو پڑی اور بولی حضرت! آپ دیکھتے ہیں آپ کا غلام میری دائی کو کیسے گالیاں دے رہا ہے مگر آپ خاموش ہیں - مجھے یہ بات ہرگز پسند نہیں ہے - خلیفہ حیران تھا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے - غرض وہ سوچ سوچکر بولا - بی بی! اس معاملے میں کسی کا بھی اعتبار نہیں - آؤ ہم آپ ابوالحسن کے گھر چلیں - تاکہ اصل حقیقت معلوم ہو اب اسکے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے - زبیدہ نے بھی اس پسندیدگی کا اظہار کیا اور دونو لونڈی غلاموں کو ساتھ لیکر ابوالحسن کے گھر کو روانہ ہوا - راستے میں مسرور اور دائی میں پھر جھگڑا ہونے لگ گیا اور زبیدہ نے اپنی دائی کی طرفداری میں مسرور کو بہت سخت سست کہا - مسرور بولا - یہ خفگی کی بات نہیں - بلکہ آپ کی دائی مجھ سے شرط باندھ لے - اگر میں سچا ہوا تو میں بازی لیجاؤنگا ورنہ وہ - غرض ایک ایک تھان کمخواب کی بازی بدی گئی اور مکان جس میں ابوالحسن رہتا تھا خلیفہ کے محل کے عین بالمقابل تھا - ابوالحسن نے دراز سے جہاں تک کے دیکھا تو سارا ہی شاہی محل اُنکی طرف اُمنڈا چلا آتا ہے - سمجھ لیا کہ اب اپنی آنکھوں دیکھنے آئے ہیں - اور نزہت سے بولا اری اُٹھ! جلدی کر - وہ بیچاری گھبرا گئی کہ اب پردہ فاش ہو جائیگا - مگر ابوالحسن نے اُسے تسلی دی کہ فوراً اپنا تھان لپیٹ کے جا میں بھی مُردہ بنجاتا ہوں اور دیکھ تو کیا تماشہ بنتا ہے - غرض وہ دونو پاس پاس لیٹ گئے اور اپنے اپنے کفن بھی لپیٹ لئے - اتنے میں

واپس آکے تھان اُٹھا لیا اور بی بی سے کہنے لگا۔ اب تم اُٹھ بیٹھو۔ مسرور گیا۔ مگر زبیدہ بھی ایک چیز ہے وہ اُسکا کہنا نہ مانے گی اور اپنا کوئی مخبر بھیجے گی۔ ذرا باہر کی طرف خیال رکھو جب کوئی آتا نظر آئے مجھے بتا دینا۔ جب مسرور محل میں پہنچا۔ قہقہہ مار کے ہنسا اور تالی بجائی یعنی خلیفہ سچا ہے۔ اُسکی اس حرکت سے زبیدہ کو بڑا غصہ آیا اور بولی۔ اسے سیاہ رو! سچ بتا۔ کون مرا ہے؟ مسرور نے جواب دیا۔ نزہت۔ اور ابو الحسن اُسکے سرہانے بیٹھا رو رہا ہے میں آنکھوں دیکھ کے آیا ہوں۔ خلیفہ اُچھل پڑا۔ کہ لو۔ باری مینے جیت لی۔ اب وہ باغ میرا ہے زبیدہ بولی۔ اس دھاندلی کی شرط نہیں۔ یہ غلام نہایت شریر ہے اور مجھے اسپر اعتبار نہیں مسرور نے قسم کھائی کہ میں آنکھوں دیکھ کر آیا ہوں۔ زبیدہ بولی ذرا ٹھہر تو جا۔ ابھی تیری خبر لے لیتی ہوں۔ یہ کہہ کے پھنک دی۔ سب خواصیں آگئیں۔ زبیدہ نے اُن سے پوچھا۔ بھلا یہاں روتا ہوا کون آیا تھا۔ سبھوں نے کہا۔ نزہت آئی تھی اور حضور نے ہزار اشرفیاں اور ایک تھان کمخواب کا دلوایا تھا۔ زبیدہ بولی۔ حضرت! اب اس مسرور کے مُنہ میں مسور دیجئے۔ خلیفہ نے فرمایا مستورات کو جس کسی نے ناقص العقل کہا تھا۔ اُسنے غلط نہیں کہا۔ زبیدہ بولی بے ادبی معاف۔ مسرور جس کے کہنے پر آپنے مجھے ناقص العقل کہہ دیا۔ آپ کا سازشی ہے۔ مجھے بھی اجازت ہو کہ میں اپنے کسی مخبر کو بھیجکے تصدیق کر لوں۔ خلیفہ نے فرمایا بہت بہتر۔ زبیدہ نے یہ سُنکر اپنی دائی کو بلایا۔ اور اُسے تاکید کی کہ فوراً جاکے خبر لا۔ ابو الحسن مرا ہے یا نزہت؟ وہ بڑھیا لاٹھی ٹیکتی نزہت کے گھر کو روانہ ہوئی۔ نزہت نے جو اُسی کے انتظار میں دروازے پر بیٹھی تھی۔ ابو الحسن کو اشارہ کر دیا کہ بڑھیا آرہی ہے۔ وہ فوراً زبیدہ خاتون والا تھان اوڑھ کے لیٹ گیا اور نزہت اُسکے سرہانے آنسو بہانے لگی۔ اتنے میں بڑھیا اندر آگئی اور نزہت کو روتے دیکھکر بولی۔ سچی ہے اس بالحول مسرور نے تو گھر میں ایک آفت مچا دی ہے۔ جاکے خلیفہ سے کہتا ہے کہ ابو الحسن زندہ ہے اور تمہارے دشمنوں کا جنازہ پڑا ہے۔ اسی بات پر خلیفہ اور ہماری بی بی میں جھگڑا ہو گیا ہے اس لئے بیگم نے مجھے تصدیق کے لئے بھیجا ہے۔ مگر میں یہاں اُس روسیاہ کے قول کے بالکل خلاف پا رہی ہوں۔ نزہت بولی۔ اماں جان! ایکا شک وہی ہوتا جو مسرور نے کہا ہے پھر وہ

تصویر میت نزہت الارواح کی اور ابوالحسن اسکے سرہانے بیٹھا رو رہا ہے



اچھی عورت تھی - مگر مشیت ایزدی سے کوئی چارہ نہیں - روح افزا میری بہن تھی اور مجھے بھی اسکے مرجانے کا سخت رنج ہے مگر عورتوں کو خدا نے عجیب مخلوق بنایا ہے تحقیقات کئے بغیر ہی ایک بات پر اڑ بیٹھتی ہیں - پھر دنیا خواہ ادھر سے اودھر ہو جائے - مگر انکی مرغ کی ٹانگ ایک ہی رہتی ہے - زبیدہ خاتون کو اصرار ہے کہ نزہت جیتی ہے اور خدانخواستہ تم مر گئے ہو - اگرچہ میں نے بھی گواہی دی - مگر وہ خلیفہ کو ہی جھٹلا رہی ہے - ابوالحسن بولا - خدا تعالیٰ خلیفہ کو ہمیشہ تک زندہ و سلامت رکھے - اس مصیبت کے وقت انہوں نے مجھے بڑی مدد دی ہے - میں تو چاہتا تھا کہ خود حاضر ہوں مگر کیا کروں - لاش کو اکیلا چھوڑ کے نہیں جا سکتا - مسرور نے کہا اگر مجھے ضروری جانا نہ ہوتا تو میں بھی تمہارے پاس ہی ٹھہرتا مگر اب جاکے میں انہیں سارا حال بتاؤنگا - تمہارے جانے کی چنداں ضرورت نہیں - یہ کہکر مسرور رخصت ہوا - ابوالحسن دروازے تک اسے رخصت کرنے گیا - اور جب وہ دور نکل گیا -

اگرچہ نزہت تمہاری بہت پیاری لونڈی تھی۔ تاہم حکم خدا سے کچھ چارہ نہیں۔ صبر کرو۔ فوراً زبیدہ کے کان کھڑے ہو گئے کہ خلیفہ صاحب کیا فرماتے ہیں! سوچی۔ ضرور انہیں دھوکا ہوا۔ پھر بولی۔ صاحب نزہت تو جیتی جاگتی ہے۔ اسکا میاں ابوالحسن چل بسا۔ خلیفہ نے مسرور کی طرف دیکھا۔ اور بولا۔ زبیدہ نے جو کچھ کہا۔ تو سنتا ہے؟ مسرور نے کہا میں بھی حیران ہو رہا ہوں۔ کہ بیگم صاحبہ نے نزہت کی جگہ ابوالحسن کا مرنا کیوں ظاہر کیا ہے؟ خلیفہ نے فرمایا بی بی! تم ابوالحسن کے لئے مت فکر کرو۔ وہ تو بالکل چنگا بھلا ہے۔ ابھی دربار میں نزہت کے لئے روتا ہوا آیا تھا اور میں نے اسے ہزار اشرفیاں اور ایک تھان کمخواب کا نزہت کی تجہیز و تکفین کے لئے وزیر سے دلوایا۔ میری بات پر اعتبار نہ ہو تو یہ مسرور سامنے کھڑا ہے۔ اس سے پوچھ لو۔ زبیدہ نے جواب دیا۔ آپ کی خوش طبعی کی عادت ہر وقت ساتھ رہتی ہے۔ مگر یہ خوش طبعی کا موقعہ نہیں۔ فی الواقع مجھے ابوالحسن کے مرنے کا افسوس ہے اور آپ کو بھی اپنے ایک ندیم صاحب کے مرنے کا افسوس ہونا چاہیے۔ مگر میں حیران ہوں کہ آپ نزہت کے لئے میرے سامنے افسوس کر رہے ہیں۔ خلیفہ نے جواب دیا۔ واللہ میں خوش طبعی نہیں کرتا۔ زبیدہ نے کہا میں کیسے مان لوں۔ ابھی ان آنکھوں نزہت کے بھیجے کپڑے اور کھلے بال دیکھ چکی ہوں اور ہزار اشرفی اور ایک تھان کمخواب کا تکفین کیلئے اپنے خزانچی سے دلوا چکی ہوں۔ بلکہ میں خود آپ کو پیغام بھیجا ہی چاہتی تھی۔ کہ آپ تشریف ہی لے آئے۔ غرض دیر تک دونوں میں مباحثہ ہوتا رہا تا آنکہ شرط بدھی گئی۔ خلیفہ نے کہا اگر تم سچی نکلی تو فلاں محل تم نے لیا۔ اور زبیدہ بولی۔ آپ سچے نکلے تو فلاں باغ میں آپکی نذر کر دوں گی۔ غرض خلیفہ نے مسرور کو فرمایا۔ تو جا اور فوراً پھر آ۔ کہ کون مرا ہے۔ غرض مسرور ابوالحسن کے گھر آیا۔ ابوالحسن نے دور سے ہی مسرور کو دیکھ کر سمجھ لیا کہ زبیدہ اور خلیفہ میں چل گئی ہو گی۔ اور آنحضرت تصدیق کے لئے آ رہے ہیں۔ فوراً نزہت کو لٹا کر اسپر وہ تھان ڈالدیا۔ جو خلیفہ کی درگاہ سے تکفین کے لئے ملا تھا اور اپنے تئیں سخت اندوہناک بنا لیا۔ اتنے میں مسرور بھی آ گیا اور دروازہ میں نزہت کا جنازہ رکھا ہوا دیکھ کے خوش ہوا کہ خلیفہ سچا ہے۔ جب قریب پہنچا۔ ابوالحسن نے اٹھ کے تعظیم دی۔ اور رو بیٹھا۔ گویا وہ بی بی کے غم میں سخت بدحال ہو رہا ہے۔ مسرور نے اسے تسلی دی کہ واقعی [illegible]

کیفیت بھی تم بیان کرنے دی۔ نزہت نے جواب دیا۔ اچھا تو کہو میں سنتی ہوں۔ ابوالحسن بولا۔ چلے میں دالان میں لیٹ کر اپنے تئیں مردہ بناتا ہوں۔ تم مجھے سفید کپڑے کا کفن پہنا دینا۔ اور ایک بندھی ہوئی دستار میرے سر پر رکھ دینا۔ پھر تجہیز و تکفین کی تمام تیاری کرکے رونے لگ جانا۔ اور کپڑے پھاڑ بال کھول زبیدہ خاتون کی خدمت میں جاکے کہنا ابوالحسن مرگیا اُمید ہے کہ وہ تمہیں بہت کچھ دیگا۔ نزہت کو بھی یہ تدبیر پسند آئی۔ اور کہنے لگی تو اب دیر نہ کر۔ چنانچہ ابوالحسن فوراً چادر اوڑھ لیٹ گیا۔ نزہت نے بھی حسب ہدایت سوانگ اُتارنے میں کسر نہ اٹھا رکھی۔ روتی پیٹتی بال نوچتی اور کپڑے پھاڑتی فوراً زبیدہ کی خدمت میں گئی۔ زبیدہ اسکی ہیئت کذائی دیکھ کر پریشان ہوگئی اور پوچھا۔ نزہت خیر تو ہے؟ نزہت نے جواب دیا۔ بیگم! خیر کیا؟ میں تو لٹ گئی۔ ابوالحسن مجھے کہیں کا نہ چھوڑ کے عالم بقا کو سدھار گیا ہے اسکی اطلاع حضور کی خدمت میں دینے آئی ہوں۔ زبیدہ خاتون کا دل بھر آیا۔ بہت افسوس ظاہر کرکے اُسے ایکہزار اشرفی اور ایک تھان بھاری کمخواب کا دیکر ہدایت کی کہ یہ چیزیں مرنے والے کا جنازہ نکالنے میں کام آئینگی۔ نزہت کے دل میں ٹھنڈک پڑ گئی اور وہ اشرفیاں اور تھان لیکے گھر آئی۔ ابوالحسن نے دور سے ہی دیکھ لیا تھا کہ وہ کامیاب آرہی ہے فوراً کفن اُتار آپ اُٹھ بیٹھا اور اپنی جگہ نزہت کو لٹا اشرفیاں اور تھان کنارے کر خلیفہ کی خدمت میں جا دھمکا۔ جب وہ خلیفہ کے سامنے حاضر ہوا کثرت گریہ سے اسکا بُرا حال ہو رہا تھا خلیفہ نے پوچھا۔ ابوالحسن! تمہارا یہ کیا حال ہو رہا ہے۔ خیریت تو ہے؟ ابوالحسن نے رو رو کر جواب دیا امیرالمومنین! نزہت مجھے ہمیشہ کے لئے داغ مفارقت دیگئی۔ اُسیکے مرنے کی خبر حضور میں کرنے آیا ہوں۔ خلیفہ نے بہت افسوس کیا۔ اہل دربار متاسف ہوگئے۔ آخر خلیفہ نے اُسے ایکہزار اشرفی اور ایک بھاری تھان کمخواب کا دیکر رخصت کیا کہ فوراً جاکے تجہیز و تکفین کرو۔ ابوالحسن نے فوراً گھر کو قدم اُٹھایا۔ اور جب وہ محل کے اندر پہنچا۔ اسکی باچھیں کھل رہی تھیں۔ فوراً اسکے نزہت کو اُٹھایا اور اشرفیاں دکھائیں۔ ادھر تو یہ اپنے حیلے کی کامیابی پر خوش ہو رہے تھے اُدھر خلیفہ اور زبیدہ کمال رنج میں تھے۔ آخر دربار کے کام سے فراغت حاصل کرکے جب خلیفہ محل میں گیا تو زبیدہ کو اندوہناک پاکر نزہت کی تعریف کرنے لگا۔ اور بولا۔ بی بی اما

سنایا۔ کہ خلیفہ نے اب مجھے اپنا مصاحب بنالیا ہے۔ اسکی ماں بھی بڑی خوش ہوئی۔ غرض اسدن سے ابوالحسن خلیفہ کی خدمت میں حاضر رہ کر اسے اپنی بذلہ گوئی سے خوش کرتا رہا۔ ایکدن خلیفہ اسے زبیدہ کے پاس لیگیا اور اسکی کیفیت زبیدہ کو بھی سنائی۔ زبیدہ نے بھی بڑی مسرت ظاہر کی۔ اسکے بعد وہ وقتاً فوقتاً خلیفہ کے ساتھ زبیدہ کی خدمت میں بھی جایا کرتا تھا۔ اور اسی اثنا میں زبیدہ کی ایک خوبصورت لونڈی نزہت پر اسکی آنکھ پڑ گئی نزہت بھی اسے محبت کی نظر سے دیکھنے لگی۔ ایکدن زبیدہ نے دونو کو نظارہ بازی کرتے دیکھ لیا۔ اور وہ خلیفہ سے کہنے لگی۔ معلوم ہوتا ہے۔ یہ دونو ایک دوسرے کو چاہتے ہیں آپ کی رائے ہو تو انکا نکاح پڑھا دیا جائے۔ خلیفہ نے جواب دیا۔ ازیں چہ بہتر۔ ہم نے ابوالحسن سے ایکدفعہ ایک خوبصورت بی بی کا وعدہ بھی کیا تھا۔ انکی آرزو پوری ہو جائیگی۔ اور میرا وعدہ۔ غرض ابوالحسن اور نزہت کی شادی ہوگئی۔ اور نزہت کو خلیفہ و زبیدہ دونو کی طرف سے بڑا بھاری جہیز ملا۔ کیونکہ وہ دونو کی منظور نظر تھی۔ اور ابوالحسن اسے اس محل میں لے آیا۔ جو اسے خلیفہ نے عطا فرمایا تھا۔ پھر سب محل والوں کی دعوت کی۔ غرض دونو میاں بی بی بڑی محبت سے رہنے سہنے لگے۔ مگر دونو کی طبیعت میں سخاوت حد درجے کی تھی۔ ساتھ ہی امیرانہ مزاج رکھتے تھے۔ اسلئے کچھ دنتک تو وہ اچھی طرح رہے۔ آخر ہاتھ خالی ہوگیا اور ایک ہی سال میں افلاس نے آدبایا۔ ابوالحسن نے عہد کر رکھا تھا کہ خلیفہ سے کچھ نہ مانگیگا۔ اور اپنی جدی دولت ماں کو دیدی تھی۔ اسلئے کسی سے کچھ نہ مانگ سکتا تھا۔ اور نزہت بھی غیرت کے سبب زبیدہ کے سامنے دست سوال دراز کرنے میں عار تصور کرتی تھی۔ غرض دونو نے ملکے صلاح کی کہ آؤ اب کوئی حیلہ کریں۔ حیلے کے بغیر کام نہ چلیگا ابوالحسن بولا۔ مگر ہم دونو ملکے کریں۔ مجھے اسوقت ایک چال سوجھ گئی ہے جو کبھی پٹ نہ پڑیگی۔ بتاؤ۔ تم میری مدد کروگی۔ نزہت بولی۔ واہ! اور میں کس مرض کی دوا ہوں۔ تم بتاؤ تو سہی وہ کیا بات ہے۔ ابوالحسن بولا وہ یہ ہے کہ ہم تم دونو مریں۔ نزہت بولی۔ لاحول ولا تم بھی کیسے آدمی ہو؟ میاں تم چاہو تو شوق سے مرو۔ میں کیوں جان عزیز کو مفت میں ضائع کروں۔ ابوالحسن نے کہا۔ آخر تو عورت ہی نکلی نہ؟ کہ مرنے کا نام سنکر ہی گھبرا گئی۔ اور مجھے

امر واقعہ تھا۔ خواب نہیں تھا۔ اور محض خلیفہ کی خوش طبعی سے ہوا۔ پھر بولا سبحان اللہ اب مجھے

تصویر ابوالحسن کی برہنہ ہو کر خوجوں و خواجہ سراؤں کے ہمراہ ناچنے اور گانیکی



معلوم ہوا کہ حضور ہی میری فضیحت اور مصیبت کا باعث ہیں۔ خلیفہ نے فرمایا تو سچ کہتا ہے۔ مگر ابوالحسن! اطمینان رکھ۔ میں اسکی قرار واقعی تلافی کر دونگا۔ آج سے تو میرا بھائی ہوا۔ پھر مسرور کو حکم دیا۔ کہ ایک خلعت بیش بہا ابوالحسن کو پہنا دے۔ جب وہ خلعت پہنا چکا۔ ابوالحسن نے پوچھا۔ حضرت! بھلا۔ آپ کو میرے دیوانہ بنانے میں کیا لطف آیا؟ خلیفہ نے فرمایا۔ اسمیں میرا کوئی قصور نہیں۔ یہ تو محض ایک اتفاق کی بات ہوگئی۔ ابوالحسن بولا۔ مگر آپکی مہربانیاں مجھے دیر تک نہ بھولینگی۔ اب میں چاہتا ہوں۔ کہ حضور مجھے ہمیشہ اپنی خدمت میں رہنے کی اجازت دیں۔ خلیفہ بڑا خوش ہوا۔ اور ہزار اشرفی اسکا مشاہرہ مقرر کرکے اسے اپنا مصاحب خاص بنا لیا۔ پھر ایک عالیشان محل اسکے رہنے کو عنایت کیا۔ یہ حکم دیکر خلیفہ دربار کو چلا گیا اور ابوالحسن اپنی ماں کے پاس آیا۔ اسے ساری سرگذشت سنا کر مژدہ

ابوالحسن کو دونوں بازوؤں سے پکڑ اٹھایا۔ اور بارہ دری کے تخت پر لیجا کے بٹھا دیا۔ فوراً راگ رنگ شروع ہوگیا اور کان پڑی آواز بھی سنائی نہ دیتی تھی۔ وہ حیران تھا کہ سچ مچ میں ہوں کون؟ پھر کوکب الصبح کو اشارے سے پاس بلایا۔ گانا بجانا موقوف ہوگیا اور کوکب آگے آئی۔ ابوالحسن نے اس سے پوچھا۔ تم ہی سچ کہو۔ میں کون ہوں۔ کوکب نے جواب دیا۔ حضور ہی فرمائیں۔ کہ آپ کون ہیں؟ اگر آپ امیرالمومنین نہیں۔ تعجب۔ آپ اتنی جلدی ہم سب کو بھول گئے ہ

ہم ایسے ہوگئے اللہ اکبر ہے تیری قدرت ع ہمارا نام سنکر ہاتھ وہ کانوں پہ دھرتے ہیں پھر اسنے وہ سب باتیں یاد دلوائیں جو اس دن ابوالحسن نے کی تھیں۔ اور کہا۔ کہ اب آپ اٹھکے نماز پڑھ لیجئے۔ وقت تنگ ہو رہا ہے۔ دوسری لونڈیوں اور خواجہ سراؤں نے بھی اسکی تائید کی۔ ابوالحسن غصے سے چلا اٹھا۔ مکارو! تم سب شیطان ہو۔ ایسا خواب دیکھکر آگے ہی میں کافی مصائب جھیل چکا ہوں۔ اگر اعتبار نہ ہو تو یہ دیکھو۔ میری پیٹھ کے داغ۔ جن میں ابھی تک درد ہو رہا ہے۔ کوکب نے جواب دیا۔ حضور آپ کے دشمنوں کا حال خراب ہیں ہوا ہوگا۔ یہ تکرار تو آپ یہیں سو رہے ہیں۔ ابوالحسن اب پھر تذبذب میں پڑگیا کہ شاید یہی سچ کہتی ہو۔ اور ایک خواص کو کہا۔ کہ میرا کان کاٹے۔ تاکہ مجھے معلوم ہو کہ میں بیداری میں ہوں یا سو رہا ہوں۔ وہ خواص آگے بڑھی اور ایسے زور سے ابوالحسن کے کان گوش کو کاٹ کھایا۔ کہ مارے درد کے وہ چلا اٹھا۔ اسکے چلاتے ہی پھر سب ساز بجنے لگے۔ اور ایک غوغا سا مچگیا۔ ابوالحسن نے یہ حال دیکھ اپنے کپڑے اتار کے پھینک دئے فقط ایک پائجامہ ہی پہنے رہا۔ اور ان سب کے ساتھ شریک ہوکر ناچنے اور تالیاں بجانے لگا کبھی اتنا جھک کر دوہرا ہو جاتا کبھی اُچھلتا اور کبھی بیٹھ جاتا۔ غرض کوئی حالت مسخرے پن کی اٹھا نہ رکھی خلیفہ یہ حال دیکھ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہوگیا۔ آخر پکار کر بولا۔ ابوالحسن! کیا تو مجھے ہنسا ہنسا کے مار ہی ڈالیگا۔ فوراً چاروں طرف خاموشی چھاگئی۔ ابوالحسن اس آواز کی طرف متوجہ ہوا۔ اور دیکھا کہ خلیفہ ہارون الرشید سامنے بیٹھے ہیں۔ اور آنحضرت ہی سوداگر موصلی کے لباس میں تھے۔ تب اسے یقین آیا۔ کہ میں جاگتا ہوں سوتا نہیں۔ اور جو کچھ مجھ پہ گذر رہا ہے۔

آنکھ کھولکر پھر اپنے تئیں وہیں پایا۔ جہاں ایک ماہ قبل شراب پی تھی۔ وہ حیران رہ گیا اور گذشتہ کیفیت کو یاد کرکے کانپ اُٹھا۔ کہ اب پھر وہی پنجرہ اور وہی کوڑوں کی مار سہنی پڑیگی۔ یہ موصلی سوداگر بڑا ہی شریر معلوم ہوتا ہے۔ اُسدن بھی دیوانخانے کا دروازہ کھلا چھوڑ گیا تھا۔ اور آج پھر معلوم ہوتا ہے کہ اُسے دروازہ بند کرنا یاد نہیں رہا اور شیطان اندر گھس کے مجھکو بہکا رہا ہے۔ یہ سوچکر پھر آنکھیں بند کرلیں کہ نہ باتیں ہونگی نہ بلائیں آئینگی۔ چلو چپ چاپ پڑے رہو شیطان آپ ہی جھک مارکے چلا جائیگا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ مگر اُن لونڈیوں نے سونے نہ دیا جو پلنگ کے پاس کھڑی تھیں۔ راحت جان جسے وہ اگلی صحبت میں بھی دیکھ چکا تھا اُسکے قریب آبیٹھی۔ اور بولی۔ امیر المومنین یہ سونے کا وقت نہیں ہے۔ اُٹھئے نماز پڑھئے اور دربار میں جلوس فرمایئے۔ اراکین دربار انتظار میں بیٹھے ہیں مگر ابوالحسن نے اُسے بڑے غصے سے ایک گھڑکی دی۔ اُو شیطان۔ دور ہو۔ امیر المومنین کسے کہہ رہی ہو؟ میں امیر المومنین نہیں ہوں۔ راحت جان بظاہر ڈرتے ڈرتے بولی۔ حضور کو شاید کوئی خواب بد دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ ورنہ اسقدر جلد حضور اپنی کنیز کو نہ بھول جاتے۔ جناب آپ ہی امیر المومنین ہیں۔ نائب رسول خدا جنکا آج ایک دنیا مان رہی ہے۔ اگر آپ اپنی آنکھیں اچھی طرح کھولیں تو آپ کا شک دور ہوجائیگا۔ کہ کل آپنے یہیں آرام فرمایا تھا اور اسکے بعد آپ کہیں بھی تشریف نہیں لیگئے۔ غرض اُسکی لوڈ لوپوں میں آکر ابوالحسن نے آنکھ کھولدی اور بستر سے اُٹھ بیٹھا۔ اتنے میں دوسری خواصیں بھی پلنگ کے پاس آگئیں۔ جنہیں اُسنے ایک ہی نگاہ میں پہچان لیا۔ راحت جان پھر بولی۔ امیر المومنین! نماز کا وقت ہاتھ سے نکلا جارہا ہے۔ ابوالحسن نے جواب دیا۔ پھر وہی بکواس۔ امیر المومنین کون ہے؟ میں تو غریب ابوالحسن ہوں۔ راحت جان بولی۔ واہ! یہ بھی ایک ہی ہوئی۔ حضور! ہم بھلا ابوالحسن کو کیا جانیں؟ آخر اُسنے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ اور بولا۔ عجیب جادو ہے۔ وہی بارہ دری۔ وہی ساز و سامان اور وہی خواصیں پریرو۔ جنہیں پہلے ایکدفعہ دیکھکر قفس میں قید کاٹ چکا ہوں۔ اب خدا ہی خیر رکھے۔ خلیفہ اُسکی یہ باتیں سُنکر بے اختیار ہوگیا۔ مگر ضبط ہوگیا۔ آخر ابوالحسن پھر لیٹ گیا۔ اور آنکھیں بند کرلیں۔ مگر راحت جان نے اُسے سونے نہ دیا۔ ایک اور خواص کو ساتھ لیکر

تاہم سو رہنگے۔ خلیفہ نے اُسے پی کے خالی کر دیا۔ پھر آپ ایک گلاس بھر کے اُس میں سفوف بیہوشی ملا دیا

تصویر مسرور کی ابوالحسن کو کاندھے پر رکھکر لیجانے کی اور خلیفہ بھی ہمراہ ہے



اور ابوالحسن کی طرف کرکے بولا۔ اب تم بھی مجھ سے یہ گلاس لو اور اُس پی پی کی یاد میں پی جاؤ جسے تم نے خواب میں دیکھا تھا۔ ابوالحسن مسکرا کر غٹاغٹ کرکے چڑھا گیا اور پیتے ہی بے سُدھ ہو کے گر پڑا۔ خلیفہ نے مسرور کو اشارہ کیا۔ کہ اُسے اُٹھا کے چوتھی بارہ دری میں لیچلے۔ غلام نے فوراً اُسے کندھے پر اُٹھا لیا۔ اور خلیفہ دیوانخانے کا دروازہ بند کرکے آگے ہو لیا۔ اور اپنی خوابگاہ میں پہنچکر خواجہ سراؤں کو حکم دیا کہ ابوالحسن کے کپڑے اُتار کر اسے میرے کپڑے پہنا دو۔ غرض رات گذر گئی۔ اور قبل اسکے کہ ابوالحسن بیدار ہو۔ خلیفہ چھپ کے وہاں ایسی جگہ آ بیٹھا جہاں سے اُسے ابوالحسن نہ دیکھ سکے۔ مگر وہ ابوالحسن کی ہر ایک حرکت پر نگاہ رکھ سکے۔ جب ابوالحسن بیدار ہوا

تم مجھے بھول گئے معلوم ہوتا ہے - اسی عرصے میں آپ کو کوئی ناگہانی صدمہ برداشت کرنا پڑا ہے - مگر مجھے بھی تو درد دل بتاؤ - جو کچھ میری بساط میں ہوگا - تمہاری مدد سے دریغ نہ کرونگا ابوالحسن نے جواب دیا بس دو تو تم کیا کرو گے - ایکدفعہ تو تمہاری ہی بدولت دیوانہ بنکر مار کھا چکا ہوں - دوسری دفعہ پھر دیوانہ بنانے کی صلاح ہو گی - مگر اب میں قابو نہیں آؤنگا مہربانی کر کے چلے جاؤ - اور مجھے مت ستاؤ - خلیفہ فوراً اسکے گلے لپٹ گیا - اور بولا - اسقدر خفگی جانے دو - اب میں تمہیں چھوڑ کر کہیں نہ جاؤں گا - میں بڑا خوش قسمت ہوں - کہ دوبارہ تم سے ملاقات ہوئی - اور میں تو آج ضرور ہی تمہاری دعوت کھاؤں گا - کیونکہ میں چاہتا ہوں - کہ ہم ایکدفعہ پھر مل کے شراب پئیں - ابوالحسن بولا - تمہارے سبب سے ایکدفعہ میں کافی تکلیف اٹھا چکا ہوں - اب معاف ہی رکھو - خلیفہ نے اسے دوبارہ گلے لگایا اور بولا - ابوالحسن! میرے اچھے دوست بتاؤ - میرے سبب سے تمہیں کیا تکلیف پہنچی ہے - تاکہ میں اسکی تلافی کی کوشش کروں - اور ہو سکے تو تمہاری مدد بھی کروں - ابوالحسن یہ سنکر نرم ہو گیا اور خلیفہ کو اپنے پاس بٹھا کے آغاز سے انجام تک سب حال سنا دیا - چونکہ خلیفہ سب کچھ جانتا تھا اسلئے اسے بے اختیار ہنسی آگئی - ابوالحسن بڑا خفا ہوا - اور بولا - واہ بھئی واہ!! میں سمجھا تھا - تمہیں میرا حال سنکر افسوس ہوگا - مگر تم ہو کہ الٹے ہنس رہے ہو - اگر تمہیں اعتبار نہ ہو تو میری پیٹھ پہ کوڑوں کے نشان دیکھ لو - یہ کہکر کرتہ اٹھایا - خلیفہ نے بڑا افسوس ظاہر کیا اور ابوالحسن کو تسلی دیکے پھر اسے گلے لگایا - کہ اب مجھے معاف کرو - دوبارہ میں دروازہ کھلا نہ چھوڑ جاؤنگا ابوالحسن کو کوئی چارہ نہ رہا - اور چار و ناچار وہ خلیفہ کو اپنے گھر لایا - اور حسب دستور دسترخوان بچھا کر مہمان کے ساتھ کھانا کھایا - پھر شراب پی کر آدھی رات تک باتیں کرتے رہے - آخر خلیفہ نے پوچھا - ابوالحسن! تم کسی پر آجتک عاشق بھی ہوئے ہو یا نہیں؟ ابوالحسن نے جواب دیا بالکل نہیں - پھر خلیفہ نے پوچھا تو تمہاری طبیعت کس چیز پر راغب ہے ابوالحسن بولا - میں دوستوں سے اختلاط کرنے اور اچھی شراب پینے کا بڑا مشتاق ہوں اور نہ اس بی بی کو عقد میں لانا چاہتا ہوں جسنے خواب میں مجھے شراب پلایا اور گانا سنایا تھا - یہ کہکر اس نے ایک گلاس لیا اور شراب سے لبالب کر کے خلیفہ کو دیا کہ یہ آخری گلاس ہے پھر

ماں اسکے پاس آئی اور پوچھنے لگی - بیٹا! اب کیا حال ہے - ابو الحسن کو اب پچھلی باتیں فراموش ہو چکی تھیں اور وہ سمجھنے لگ گیا تھا کہ ممکن ہے مجھے خواب آیا ہو - اسلئے اُس نے آداب عرض کر کے جواب دیا - کہ اب میں اچھا ہوں - اور وہ خیال جو یک بیک دماغ میں چھا گیا تھا - اب فراموش ہو گیا ہے - اب میں وہی آپ کا تابعدار اور پیارا بیٹا ابو الحسن ہی ہوں - اُس کی حالت میں نمایاں تبدیلی پا کر اسکی ماں نے داروغہ سے اُسکے گھر لے جانیکی اجازت مانگی - جو اسے بآسانی مل گئی - غرض ابو الحسن گھر آیا - ماں نے اُسے کہا - معلوم ہوتا ہے - کہ وہ مسافر دیوانخانے کا دروازہ کھلا چھوڑ گیا ہوگا اور شیطان نے اندر گھس کر تمہیں بہکا دیا کیونکہ جب میں آئی تھی دیوانخانے کا دروازہ کھلا پڑا تھا - یہ بات ابو الحسن کے جی میں لگی اور کہنے لگا - فی الواقع آپ کا یہ خیال صحیح ہے - غرض وہ گھر میں کئی دن تک پڑا رہا - اور جب ہوش آئی - حسب معمول پل پر جا بیٹھا - اور رات کے لئے نیا مسافر لا کر صبح اسے وداع کر دیتا اتنے میں اگلے مہینے کی پہلی تاریخ آ گئی - آج خلیفہ پھر موصلی سوداگر کے بھیس میں آ رہا تھا اور ساتھ بھی وہی غلام تھا - ابو الحسن نے دور سے اسکی شکل دیکھکر پہچانا کہ وہی سوداگر ہے - اگر کمبخت دیوانخانے کا دروازہ نہ کھول جاتا تو مجھے اسقدر مصائب میں کیوں مبتلا ہونا پڑتا - اسکا بدن کانپ اٹھا اور منہ دوسری طرف کر کے ایک آڑ میں ہو گیا - تاکہ وہ مجھے دیکھ نہ لیں مگر آج خلیفہ ادھر آیا ہی ابو الحسن کی تلاش میں تھا - کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ جو تکلیف ابو الحسن کو اٹھانی پڑی ہے اُسکی تلافی بھی ضروری ہے غرض خلیفہ نے بھی اُسے دور سے ہی دیکھ لیا اور پاس جا کھڑا ہوا - پھر صاحب سلامت کی مگر ابو الحسن نے بڑی روکھاوٹ سے منہ پھیر لیا اور کہنے لگا - مجھے تم سے کوئی کام نہیں - اپنا راہ لو - اور چلے جاؤ - خلیفہ بولا - کیا تم نے مجھے نہیں پہچانا - ابھی تو ایک مہینہ ہی گذرتا ہے - جب میں نے آپ کے ہاں رات بھر بڑے امن چین سے کاٹی تھی - اور میں اب تک اُس صحبت کو یاد کرتا ہوں - واللہ تم بڑے خوش مذاق آدمی ہو - اور میں نے تو عمر بھر میں ایسا آدمی ہرگز نہیں دیکھا - ابو الحسن نے پھر روکھے سے جواب دیا - بھائی میں تمہیں نہیں جانتا - جاؤ اپنا کام کرو - خلیفہ نے سوچا شاید وہ اپنے عہد کے سبب بے اتفاقی سے پیش آ رہا ہے - یہ سوچکے بولا - کیا اسقدر جلد

کل اپنے غلام کے ہاتھ مجھ کو ایک ہزار اشرفی کا ایک توڑا بھیجا تھا۔ تم کو ایسے رحیم آقا کے لئے دعائے خیر کرنی چاہیئے۔ اب ابوالحسن کو تو پورا یقین ہوگیا۔ اسلئے کہ وزیر جعفر نے اسکے حکم سے ہزار اشرفیاں اس کی ماں کو پہنچائی تھیں۔ اور بولا۔ بڑھی مکارہ! اب اگر تو نے پھر مجھے اپنا بیٹا بتایا اور امیر المومنین کر کے خطاب نہ کیا۔ تو یاد رکھنا بری طرح سے تیری خبر لونگا۔ کیونکہ یہ سب باتیں جو تو بتا رہی ہے میرے ہی حکم سے کل انکی تعمیل ہوئی تھی۔ یہ کہکر لاٹھی سے اپنی ماں کو مارنے لگا۔ وہ ضعیفہ رونے چلانے لگ گئی۔ ہمسایہ اور محلے کے لوگ دوڑے آئے۔ جنہیں دیکھکر ابوالحسن ٹھہر گیا۔ لوگوں نے لاٹھی اسکے ہاتھ سے چھین لی۔ اور ابوالحسن کو ملامت کرنے لگے۔ کہ واہ! یہ خوب سعادتمندی ہے۔ تمہیں شرم بھی نہیں آتی۔ کہ کوئی بیٹا اپنی ماں کو بھی مارا کرتا ہے۔ ابوالحسن کی آنکھیں پھر لال ہوگئیں اور وہ بولا۔ بے حیاؤ۔ ابوالحسن کون ہے۔ میں تو امیر المومنین ہوں۔ اسکے آنکھیں نکالنے سے سب لوگ ڈر گئے کہ کہیں ہمیں بھی نہ مار بیٹھے جیسے اپنی ماں کو مار رہا ہے اور اسے سمجھانے لگے۔ کیا تو اس گھر میں جو فلاں محلے میں واقع ہے نہیں رہتا۔ اور اس بڑھیا کا بیٹا نہیں ہے؟ ابوالحسن نے پھر غصے سے پکارا۔ بدذاتو! میں کیا جانوں تم کون بلا ہو۔ اور یہ بڑھیا کیا چیز ہے۔ میں اسکا بیٹا نہیں بلکہ امیر المومنین ہوں۔ یہ سنکر لوگوں نے سمجھ لیا کہ ابوالحسن دیوانہ ہوگیا۔ فوراً داروغہ جیل کو اطلاع دی۔ داروغے نے آتے ہی سزا شروع کی۔ تین کوڑے اسکی پیٹھ پر جمادئیے۔ ابوالحسن چپ رہگیا اور کچھ نہ بولا۔ پھر وہ اسے جیل میں لے گیا اور ایک پنجرے میں لیجاکر بند کردیا۔ جہاں اسے ہر روز پچاس کوڑے کھانے پڑتے۔ دو ہی تین روز میں اسکی پیٹھ کا چمڑا ادھڑ گیا اور حواس بجا ہوئے تو سوچنے لگا۔ کہ اگر فی الواقع میں امیر المومنین بنگیا ہوتا اور وہ سب نظارہ خواب وخیال ہوتا تو صبح کے وقت جب میں جاگا تھا اپنے تئیں اپنے قدیم گھر میں کیوں پاتا۔ مگر اسے پھر خیال آتا تھا کہ دونوں کو سزا اور اپنی ماں کو ہزار اشرفیاں میں نے اپنے ہوش وحواس میں بھجوائی ہیں اور میری ماں ان دونوں واقعات کی تصدیق کرتی ہے۔ اب ان دونوں میں سے کونسی بات کو سچ مانوں۔ غرض جب چار ہی پانچ روز میں اسکا چہرہ اتر گیا اور وہ سخت خفیف ہوگیا۔ ایکدن اسکی ماں

کیا میں تیرا بیٹا ہوں۔ یا امیر المومنین۔ بوڑھیا بولی۔ بیٹا! خدا کے لئے ہوش کر۔ اور ایسے الفاظ منہ سے نہ نکال۔ لوگ دیوانہ اور سڑی بتا کے تالیاں پیٹینگے۔ ابو الحسن بولا۔ بوڑھیا تیری ہی ہوش ٹھکانے نہیں ہیں۔ میں ہی تو نائب الرسول ہوں۔ اس کی ماں کہنے لگی۔ افسوس! تیرے حواس برجا نہیں رہے یا شیطان نے تجھے حلول کر لیا ہے۔ ورنہ کوئی ناگوار خواب دیکھ کر جاگے ہو کہ اب میری فرزندیت سے بھی انکاری ہو رہے ہو۔ پھر اسے بہت سی باتیں یاد دلانے کی کوشش کی۔ جنہیں سنکر ابو الحسن پھر گڑبڑ میں پڑ گیا۔ اور کہنے لگا یہ تو میں جانتا ہوں کہ میں ہی ابو الحسن ہوں۔ مگر میرے دماغ میں خلافت کی باتیں کیوں سما رہی ہیں۔ بوڑھیا نے سوچا شاید اسے دماغ کا کوئی عارضہ لاحق ہو گیا ہے۔ اسلئے وہ ہنس پڑی اور پوچھا۔ رات تو نے کوئی خواب تو نہیں دیکھا؟ ابو الحسن نے یہ سنکر ماں کو ایک ایسی گھرکی بتائی کہ بیچاری سہم گئی اور ڈرتے ڈرتے بولی۔ برخوردار! خدا کے لئے اپنی زبان بند کر۔ تو نہیں جانتا۔ کل ہمارے محلے کے موذن اور اسکے چاروں مشیروں کا کیا حال ہوا جو اہل محلہ کو ڈرایا کرتے تھے۔ کوتوال نے موذن کو چار سو دُرّے اور باقی چاروں کو سو سو دُرّے لگوا کر پہلے شہر میں تشہیر کیا۔ پھر بڑی ذلت سے شہر بدر کر دیا۔ مجھے خوف ہے کہ تیرا بھی یہی حال نہ ہو۔ غریب بوڑھیا کو کیا خبر تھی کہ یہ دھمکی دیوانے کے لئے ہی بن جائیگی۔ اور ابو الحسن پہلے سے بھی زیادہ جوش میں آ جائیگا۔ جونہی اسنے یہ واقعہ ابو الحسن کو ڈرانے کے لئے سنایا ہے اور بھی یقین ہو گیا کہ میں جھوٹ نہیں کہتا اور بولا۔ چڑیل بوڑھیا اب تو تجھے ضرور ہی یقین کرنا ہو گا۔ کہ میں امیر المومنین ہوں۔ تیرا بیٹا ابو الحسن نہیں۔ کیونکہ کل میرے ہی حکم سے موذن اور اسکے مشیروں کو یہ سزا دی گئی تھی مگر ابو الحسن کی ماں اسے کچھ بھی نہ سمجھ سکی۔ اور بولی۔ بیٹا! خدا تم پر رحم کرے۔ لوگ تمہاری باتوں کو سنکر کیا کہینگے۔ پھر تو ابو الحسن کے غصے کی کچھ انتہا نہ رہی۔ فوراً اٹھا اور ایک لکڑی لیکر ماں کے گرد ہو گیا۔ کہ سچ بتا! میں کون ہوں۔ ضعیفہ نے اسے پیار کیا۔ اور کہا تو میرا بیٹا ہے۔ جسے میں نے بڑی مشکلوں سے پال پوس کر اتنا بڑا کیا ہے۔ اور اب وہ مجھے ہی مارنا چاہتا ہے۔ ادھر غلطی سے اب اپنا خطاب اتنا بڑا بنا لیا ہے کہ امیر المومنین بننا چاہتا ہے۔ جو خاص خطاب خلیفہ ہارون الرشید کا ہے۔ جس کے ہم سب تابعدار ہیں۔ اور فرمانبردار رعایا۔ اور جس نے ابھی

سازوں سے محل میں کان پڑی آواز بھی سنائی نہ دیتی تھی۔ اُسنے دستک دیکے گانے بند کئے اور ایک خواص کو جو اُس کے قریب کھڑی تھی۔ بلا کے پوچھا۔ تیرا کیا نام ہے۔ اُس نے عرض کی حضور مجھے سلک مروارید کہتے ہیں۔ ابو الحسن نے جواب دیا۔ تیرے دانت موتیوں سے بدرجہا بڑھ کر ہیں اسلئے تیرا نام بھی اُس سے اچھا ہونا چاہیئے تھا۔ پھر اُس کے ہاتھ سے شراب کا ایک گلاس مانگا اور چڑھا گیا۔ اُس کے بعد دوسری کو بلایا۔ وہ آگے آئی تو اُسے کچھ عرصہ دیکھے اس کا نام دریافت کیا۔ وہ بولی حضور مجھے کوکب الصبح کے نام سے پکارتے ہیں۔ ابو الحسن بولا۔ مگر تیری آنکھ تو صبح کے ستارے سے زیادہ روشن ہے۔ اسلئے نام بھی اچھا ہونا چاہیئے تھا۔ پھر ایک گلاس اُسکے ہاتھ سے لیا۔ اسی طرح دوسری تیسری اور آخر ساتوں کے ہاتھ سے بھی ایک ایک گلاس لے کے چڑھا گیا۔ جب خوب نشہ جم گیا۔ سلک مروارید حسب الحکم خلیفہ ہارون الرشید کے پھر آگے آئی اور عرض کیا۔ کہ میرے ہاتھ سے ایک گلاس اور لیجئے اور بس۔ پھر میں آپ کو ایک اور گانا سناؤنگی۔ جو میں نے آج ہی تصنیف کیا تھا۔ اور ابھی تک کسی کو نہیں سنایا۔ اس گلاس میں اُسنے سفوف بیہوشی ملا رکھا تھا۔ اور ابو الحسن بلا تامل اُسے بھی لیکے ڈکار گیا۔ فوراً آنکھیں بند ہونے لگیں اور ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے خلیفہ فوراً نیچے اُترا۔ اور شاہی پوشاک اُسکے بدن سے اُتروا کر اُسکے اصلی کپڑے پہنوا کر مسرور کو حکم دیا۔ کہ جہاں سے اِسے لائے تھے وہاں چھوڑ آؤ مگر دیوانخانے کا دروازہ کھلا چھوڑ آنا۔ مسرور نے حکم کی تعمیل کی۔ اور اُسے اُسکے بستر پر لٹا کر فوراً لوٹ گیا۔ پھر خلیفہ نے اپنے مشیروں سے کہا۔ کہ یہ شخص خدا سے ایکدن کے لئے خلیفہ بننے کی دعا مانگتا تھا۔ تاکہ اپنے محلے کے موذن اور اُسکے چار مشیروں کو جنکے ہاتھ سے اُسکے محلے والے نالاں تھے سزا دے۔ اسلئے اُسکی آرزو کو میں نے اُسکے ہی ہاتھ سے پورا کرایا ہے۔ غرض ابو الحسن رات بھر بیہوش پڑا رہا۔ جب صبح ہوئی۔ اُسکی آنکھ کھلی اپنے تئیں اُسی قدیمی گھر میں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ سلک مروارید اور مہتاب سب کو پکارنے لگا۔ مگر بجائے اُن سب کے اُس کی ماں دوڑی آئی اور وہ متحیر ہو کر پوچھنے لگی۔ بیٹا! یہ آج تم کو کیا ہو گیا ہے۔ ابو الحسن نے ماں کی طرف بڑے غرور سے نگاہ کی۔ اور بولا۔ اے نیکبخت! تو کسے اپنا فرزند کہہ رہی۔ بوڑھیا نے جواب دیا تجھے۔ اور کسے کہتا ہے۔ ابو الحسن بولا۔ نامعقول! کیا بکواس کر رہی ہے اور کیسی بے لحاظ ہے



اور تھوڑا سا شربت اور افشردہ لیکے خود پیا۔ اور باقی کے لئے سب کو حکم دیا کہ جسے جو چیز اچھی لگے وہ پی جائے۔ پھر اُنکے نام پوچھے اور اُنکے ناموں پر بھی ایک ایک لطیفہ کرتے مسرور ہوتے ساتھ چھٹے مکان میں گیا۔ اب دن ختم ہوکر شام ہو چکی تھی۔ ابو الحسن اُس مکان کی آرائش کو دیکھکر بحیرت ہوگیا۔ یہ کمرہ پہلے کمروں سے بڑھکر آراستہ اور بیش قیمت اسباب سے سجا ہوا تھا۔ سات کافوری شمعیں جل رہی تھیں۔ ساتھ ہی طائفے گانے ناچنے والیوں کے تھے اور سات ہی نہایت ماہ جبین خواصیں سنہری تھالوں میں گزک کا اسباب یعنی شیرینی سموسے کلیجے وغیرہ لئے کھڑی تھیں۔ ایک طرف سات نقرئی صراحیاں بھی نہایت نفیس شراب سے بھری رکھی تھیں جنکے پاس سات ہی بلور کے گلاس پڑے دکھائی دئے۔ ابو الحسن یہاں آکے مسند پر بیٹھ گیا۔ اور اُن ساتوں خواصوں کو پاس بلاکر چاہا کہ باتیں کرے۔ مگر

اسے پائوں میں پہنکر پاخانے میں جایا کرتے ہیں۔ غرض ابوالحسن پاخانے میں گیا۔ اور جب فراغت پاکر باہر نکلا۔ مسرور اُسے کھانا کھانے کے کمرے میں لیگیا۔ آگے دسترخوان مرتب تھا اور اُس کے بیٹھتے ہی گانے والیاں آگئیں۔ اُدھر اُس نے نوالہ اٹھایا۔ اُدھر گانا شروع ہوگیا۔ جسے سُنکر اُسکی روح وجد کرنے لگی۔ اور وہ پھر حیرت میں پڑگیا۔ کہ آیا یہ فی الواقع بیداری ہے یا میں ابھی تک خواب میں ہوں۔ مگر آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔ کان سن رہے ہیں۔ خواب میں کیسے ہوسکتی ہیں۔ وہاں کی ہر ایک چیز اُس کے لئے حیرت انگیز تھی۔ سات خواصیں نہایت خوبصورت جوان ہم عمر اپنے اپنے ساز لئے کمال سلیقے سے گا بجا رہی تھیں۔ ساتھ ہی جھاڑ لٹک رہے تھے۔ اور ساتھ ہی انگیٹھیاں روشن تھیں۔ جن میں طرح طرح کی خوشبوئیاں جلائی جاتی تھیں۔ جنکی خوشبو سے کمرہ مہک رہا تھا۔ سات اور خواصیں ہاتھوں میں جڑاؤ مورچھل لئے ابوالحسن کے گرد کھڑی تھیں ابوالحسن اس آخری جماعت کے حسن وجمال پر فریفتہ ہوگیا۔ اور مسکرا کر اُن سے بولا۔ کہ تم میں سے باری باری ایک مورچھل جھلنے کے لئے کھڑی رہے۔ اور باقی کی دسترخوان پر داہنے بائیں بیٹھ جائیں اُنھوں نے حکم کی تعمیل کی۔ پھر اسنے ہر ایک کا نام پوچھا۔ پہلی نے زمرد گردن دوسری نے مرجان لب تیسری نے مہتاب۔ چوتھی نے خورشید بتایا۔ پانچویں نے نزہت العین چھٹی نے فرحت جان اور ساتویں نے سعدی اپنا اپنا نام بتایا اور ابوالحسن نے ہر ایک کے نام پر ایک ایک لطیفہ کہا۔ خلیفہ بھی اُس کی باتوں کو دیکھکر خوش ہوتا تھا۔ جب کھانے سے فراغت پالی۔ اٹھ اور مسرور اُسے دوسرے مکان کی طرف لیگیا۔ وہاں بھی سات قندیلیں لٹک رہی تھیں اور آرایش میں پہلے مکان سے بڑھکر تھا۔ درمیان میں دسترخوان بچھا تھا جسپر سات ہی سونیکی رکابیوں میں مختلف قسم سے خشک وتر میوے چنے تھے۔ سات ہی گانے والیاں تھیں اور سات ہی دوسری خواصیں۔ جنکی خوبصورتی چاند کو بھی شرمندہ کرتی تھی۔ ابوالحسن نے انھیں بھی اپنے ہمراہ دسترخوان پر بٹھالیا۔ اور اُن کے نام دریافت کرکے ایک ایک لطیفہ اُنکے لئے بھی کہا۔ جب میوے کھا کر سیری ہوگئی مسرور کے ہمراہ پھر تیسرے مکان میں گیا۔ یہاں علاوہ اور معمولی ساز وسامان کے سات خواصیں شربت اور افشردے لئے کھڑی پائیں۔

ہی پوچھا۔ تمہیں کچھ کہنا ہے۔ اُسنے عرض کی کہ اُمرائے خلافت اور سردارانِ لشکر کورنش بجا لانے کے لئے کھڑے ہیں حکم ہو تو حاضر ہوں۔ ابو الحسن نے اجازت دی اور وہ اندر آکر آداب بجا لائے۔ پھر اپنی اپنی کرسیوں پر جا بیٹھے۔ پھر وزیر نے امورات سلطنت کے متعلق کاغذات پیش کرنے چاہے مگر ابو الحسن نے پہلے کوتوال کو بلایا اور اُسے حکم دیا کہ فلاں محلے میں جا۔ اور وہاں کے مؤذن کو چار سو دُرّے لگوا۔ چار اور آدمی اُسکے مشیر ہیں اُنہیں بھی ایک ایک سو دُرّے لگیں۔ اُسکے بعد اُنہیں اونٹوں پر سوار کرکے سارے شہر میں تشہیر کر کہ یہ سزا اُن شخصوں کی ہے۔ جو اپنے اہلِ محلہ کو ستاتے ہیں۔ جب یہ کام ہو لے اُنہیں شہر بدر کر کے فوراً مجھے اطلاع دے۔ غرض کوتوال تسلیم بجا لاکر گیا اور حکم کی تعمیل کی۔ خلیفہ نے بھی اسے جائز رکھا۔ اِس عرصے میں وزیر نے بھی اپنے کاموں سے فراغت پائی۔ پھر کوتوال حاضر ہوا اور عرض کی کہ حضور کے حکم کی تعمیل کر آیا ہوں۔ ابو الحسن بہت خوش ہوا۔ پھر وزیر سے فرمایا۔ کہ فلاں محلے میں ایک بڑھیا رہتی ہے۔ ابو الحسن کی والدہ وہاں اُسے سب چھوٹے بڑے جانتے ہیں۔ ایکہزار اشرفی اُسے بھجوا دے۔ وزیر نے فوراً غلام کے ہاتھ ہزار اشرفی کا توڑا بھجوا دیا۔ اور جب غلام نے بڑھیا کو وہ توڑا جاکے دیا۔ بڑی خوش ہوئی اور دل سے کہنے لگی۔ کہ شاید خلیفہ کو میرے حالِ زار کا پتہ لگ گیا ہوگا۔ غرض وزیر نے عرض کی کہ غلام ایکہزار اشرفی ابو الحسن کی والدہ کو دے آیا ہے۔ اور وہ اُس پر حضور کی شکر گذار ہے۔ ابو الحسن نے بھی خوشنودی ظاہر کی۔ غرض جب اُمورِ سلطنت سے فارغ ہو لیا۔ اہلِ دربار رخصت ہوئے۔ فقط وزیر جعفر خواجہ سرا اور مسرور رہا ابو الحسن دربار میں رہ گئے اور ابو الحسن دو لوگوں کی مدد سے تخت سے اُتر کر محل میں آیا۔ راستے میں اُسے حاجت محسوس ہوئی۔ فوراً مہتر نے شاہی پاخانے کا دروازہ کھولدیا۔ جو سنگ مرمر کا بنا ہوا تھا۔ اور جس میں بیش قیمت قالین کا فرش بچھ رہا تھا۔ پھر داروغہ نے زر لفت کا جوتہ پیش کیا۔ جسے خلیفہ پہن کر پاخانے کے اندر جایا کرتا تھا۔ مگر ابو الحسن نے بجائے اُسکے کہ اُن جوتوں کو پاؤں میں پہنتا۔ کرتے کی آستینوں میں رکھ لیا۔ اسپر سب کو ہنسی آگئی۔ مگر خلیفہ کے خوف سے سب پی گئے۔ البتہ خلیفہ مارے ہنسی کے لوٹ گیا۔ مگر پھر وزیر نے عرض کی۔ کہ

اور پشت تکیے پر جا لگی۔ اوپر خلیفہ بھی اس عالم مسرت کو دیکھ رہا تھا اور چاہتا تھا کہ ہنس پڑے مگر بڑی مشکل سے ضبط کیا۔ کہ کہیں ابوالحسن کے کان میں آواز نہ پڑ جائے۔ آخر بہت دیر تک ہنس ہنس کر جب چپ ہوا تو ایک حبشی بچے کو سامنے بلایا۔ اور اس سے پوچھا سچ کہو میں کون ہوں؟ اس نے کہا آپ امیر المومنین اور نائب الرسول ہیں۔ ابوالحسن بولا۔ تو بڑا جھوٹا ہے جبھی تیری صورت سیاہ کتے کی سی ہو گئی ہے۔ پھر خواص کو آگے بلایا اور اپنا ہاتھ بڑھا کر بولا میری انگلی کے پور کو اپنے دانت سے کاٹ تاکہ مجھے معلوم ہو کہ میں سوتا ہوں یا جاگتا۔ خواص نے جو خلیفہ کی موجودگی سے آگاہ تھی بڑی سنجیدگی کے ساتھ آہستہ سے اسکی انگلی دانتوں میں دبالی۔ ابوالحسن کو جب درد معلوم ہوا فوراً انگلی کھینچ لی۔ اور بولا اٹھا۔ کہ ایک ہی رات میں اے خدا! میں خلیفہ کیسے بن گیا۔ بڑے تعجب کی بات ہے۔ پھر اس خواص سے پوچھا۔ تجھے خدا کی قسم ہے۔ سچ سچ بتا میں کون ہوں؟ وہ جواب میں بولی آپ امیر المومنین ہیں۔ اور ہم سب آپ کی لونڈی غلام ہیں۔ اسمیں کچھ بھی شبہ نہیں ہے۔ یہ سنکر ابوالحسن نے اٹھنے کا قصد کیا۔ تو فوراً ایک خواجہ سرا نے دوڑ کر اسکا ہاتھ تھام لیا اور سہارا دیکر اسے اٹھایا۔ سارے محل میں سلام و دعا کی آوازوں کا غل مچ گیا۔ اور ہر طرف سے یہی آواز آنے لگی۔ کہ خدا تعالیٰ یہ دن آپ کا بخیر و خوبی بسر کرے۔ ابوالحسن کی حیرت دم بدم بڑھ رہی تھی۔ کہ الٰہی! یہ کیا بات ہے۔ کل تک تو میں ابوالحسن تھا۔ میرے قیاس میں کچھ نہیں آتا کہ یکایک آج خلیفہ کیسے بن گیا؟ پھر خواجہ سراؤں نے اسے پوشاک پہنائی اور سب صفیں باندھ کر دروازے تک کھڑے ہو گئے۔ اسکے بعد مسرور آگے آگے ہو لیا۔ اور ابوالحسن کو تخت کی طرف لایا۔ تخت کے پاس جا کے وہ کھڑا ہو گیا۔ اور دو جلیل القدر سرداروں نے اسے سہارا دیکر اوپر چڑھایا۔ اُس کے تخت پر اجلاس فرماتے ہی آداب و تسلیم کی آوازیں دربار میں بلند ہوئیں۔ جنھیں سنکر وہ بہت خوش ہوا۔ اور نگاہ نظر کی تو مابعد سردار دو طرفہ قرینے سے بیٹھے ہوئے تھے۔ وزیر اعظم آگے بڑھا اور مجرا کر آداب بجا لانے کے بعد دعا دی کہ امیر المومنین پر خدا کا سایہ رہے۔ دشمن پامال اور دوست خوشحال ہوں۔ ابوالحسن کو اب جا کے پورا یقین ہوا کہ فی الواقع میں خلیفہ بن گیا ہوں۔ اور خدا تعالیٰ نے بے محنت ہی مجھے یہ رتبہ بخشدیا ہے۔ غرض حکمرانی شروع کی پہلے وزیر سے

امیر المومنین - یہ وقت حضرت کی بیداری کا ہے - اُٹھکے وضو کیجیے اور نماز پڑھ لیجیے - پھر دربار میں بھی جانا ہوگا - آفتاب نکلا ہی چاہتا ہے - اب تو ابوالحسن تحمّل نہ کرسکا اور دل ہی دل میں کہنے لگا سوتا آدمی آوازیں نہیں سنا کرتا - مقرر یہ بیداری ہے - اور حق تعالیٰ نے اپنے مہر و کرم سے مجھے سلطنت عطا فرمائی ہے - یہ سوچکر اُٹھ بیٹھا - اتنے میں ایک صغیر سال خواص اُسکے روبرو حاضر ہوکے زمیں بوس ہوئے اور گانے والوں نے بانسری بجاکے سلامی دی - ان باجوں کی آواز نے ابوالحسن کو ایسا مست کردیا کہ وہ پھر تذبذب میں پڑگیا اور آنکھوں پر ہاتھ رکھکر غور کرنے لگا کہ یہ سب کچھ جو میں دیکھ رہا اور سن رہا ہوں خواب و خیال ہے یا امر واقعہ - یہ سجا سجایا شاہی مکان یہ حسین خواجہ سرا اور اُنکے زرق برق کے لباس - ایسی شکیل خواصیں اور اُنکے زیور و لباس - یہ دلفریب باجے جو میں دیکھتا اور سنتا ہوں کہاں سے آئے - میں تو اپنے معمولی غریبانہ دیوانخانے میں سویا تھا - وہاں یہ کچھ تو نہ تھا اتنے میں خواجہ سرا مسرور پھر آیا اور بولا - امیر المومنین! آج حضور نے نماز صبح بھی نہیں پڑھی طبیعت تو صحیح ہے - ارکان دولت منتظر ہیں - دربار میں تشریف لیچلیے اور امور سلطنت کو دیکھیے - کیونکہ اجلاس کا وقت ہوچکا ہے - مسرور کی باتوں سے ابوالحسن کو یقین ہوگیا - کہ نہیں - میں سوتا نہیں جاگ رہا ہوں - مگر پھر سوچنے لگا - ہر شخص مجھے امیر المومنین کہہ رہا ہے - یہ رتبہ مجھے کیسے ملا - اور بولا - ارے یہ باتیں کس سے کیں - اور امیر المومنین کسے کہتا ہے - میں تو تجھے نہیں پہچانتا شاید کسی اور کے دھوکے سے تو مجھے پکار رہا ہے - مسرور نے جواب میں عرض کی - خداوند! آپ یہ کیا ارشاد فرماتے ہیں - کیا اس سے آپ کا مقصود غلام کی آزمایش کرنا ہے - امیر المومنین آپ کے سوا اسوقت اور کون ہوسکتا ہے آپ ہی تو نائب رسول اور مشرق سے مغرب کے مسلمانوں کے بادشاہ ہیں - زمین سے آسمان تک آپ ہی کی مدح کے راگ گائے جاتے ہیں - اور یہ فدوی خاص الخاص خانہ زاد برسوں سے اسی دولت کا خدمتگذار اور تابعدار ہے - وہ اپنے خداوند کو کیسے بھول سکتا ہے؟ امیدوار ہوں کہ فدوی پر وہی پہلی سی نظر عنایت رہے - معلوم ہوتا ہے حضور نے کوئی خواب پریشان دیکھا ہے جسکے سبب ایسے ارشاد ہورہے ہیں - مسرور کی یہ تقریر سنکر ابوالحسن قہقہہ مار کر ہنس پڑا - یہاں تک کہ ہنستے ہنستے اُسکے پیٹ میں بل پڑگئے

لیجا کر اُسے سونگھا دیا۔ ابو الحسن کو فوراً چھینک آئی اور آنکھیں کھولنے چاہا۔ کہ تھوکے کہ ایک خواص نے جلد اُسے سونیکے اُگلدان میں لیلیا۔ تاکہ فرش پر نہ گرے۔ ابو الحسن نے پھر سر تکئے پر رکھ مکان کو چاروں طرف سے دیکھا۔ اور اُسے اجنبی پاکر نہایت متحیر ہوا۔ اسکی آرائش اور زیبائش کا کیا ہی کہنا تھا۔ پھر سامنے کھڑی ہوئیں حسین خواصوں کی طرف نظر جا پڑی۔ وہ اور بھی متحیر ہوا۔ اور سوچنے لگا۔ الٰہی میں خواب میں ہوں یا بیداری میں۔ مگر شاید رات کو اُس سوداگر سے خلیفہ بننے کا ذکر کیا تھا۔ وہی خیالات دماغ میں چکر لگا رہے ہیں۔ اسی حیص بیص میں پھر اُس نے آنکھیں بند کر لیں اور سونیکا قصد کیا۔ کہ ایک خواجہ سرا نے آگے بڑھ کے عرض کی۔ امیر المومنین! یہ سونیکا وقت نہیں ہے۔ اُٹھکے نماز پڑھیے۔ آفتاب نکلنے والا ہے ابو الحسن کو اور بھی حیرانی ہوئی۔ مگر اس نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ خواجہ سرا پھر پکارا۔

تصویر خلیفہ کے محل کی جسکو ابو الحسن کمال حیرت سے دیکھتا ہے مع تصویر خواصوں کے



خوش مذاق دوست پر ہنسنا انسانیت سے بعید ہے۔ خیر اب رات بہت گذر گئی۔ آؤ آپ سو رہیں۔ ابوالحسن بولا۔ بہت اچھا۔ مگر یہ تھوڑی سی شراب جو باقی رہ گئی ہے۔ اُسے تو ختم کر لیں۔ نیز تم جب صبح کے وقت جانے لگو تو دروازے بند کر کے جانا۔ کھلا نہ رہے۔
پھر خلیفہ نے ایک گلاس بھر کے پہلے آپ پیا اور دوسرا بھر کے اُس میں بیہوشی کی کچھ دوائی ملائی۔ اور ابوالحسن کو دیکر کہنے لگا۔ یہ آخری گلاس ہے تم مجھ سے لو۔ ابوالحسن بلا تامل اُسے لیکر چڑھا گیا اور سفوف نے اس جلدی سے اثر کیا۔ کہ ابوالحسن گلاس کو بمشکل زمین پر رکھ سکا۔ اور فوراً اُسکا سر زانوں میں جا لگا۔ خلیفہ نے فوراً مسرور کو اشارہ کیا کہ اِسے اٹھالے چلو۔ اور اس گھر کو یاد رکھو۔ جب میں کہوں۔ یہیں واپس چھوڑ جانا۔ مسرور نے فوراً ابوالحسن کو کندھے پر رکھا اور خلیفہ کے ساتھ ہو لیا۔ پھر وہ دونو چور دروازے سے محل کی خوابگاہ میں پہنچے اور خواجہ سراؤں و خواصوں کو جنکی اُسوقت باری تھی۔ انتظار میں پایا۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ اس شخص کو میرے والے شب خوابی کے کپڑے پہنا کر پلنگ پر لٹادو۔ اور خبردار! کوئی شخص اپنے فرائض سے غافل نہ ہو۔ جب یہ صبح جاگے تو جو کام اور خدمت میرے جاگنے پر بجا لائے جاتے ہیں وہی اسکے جاگنے پر بجا لائے جائیں۔ غرض اسے ہر طرح سے میرا قائممقام تصور کرو اور میری طرح اسے بھی امیرالمومنین کہنا۔ سب نے سر تسلیم خم کیا۔ خلیفہ یہ ہدایات دیکر باہر آیا اور وزیر جعفر کو اُسیوقت بلوا کر بولا۔ کہ کل ایک شخص جو اسوقت میرے پلنگ پر سوتا ہے۔ میرا لباس پہنکر تخت سلطنت پر بیٹھیگا۔ اُسے میرا قائم مقام سمجھکر تم سب ارکان دربار آداب شاہی بجا لانا اور اُس کے احکام کی تعمیل کرنا۔ جو انعام کسی کو دلائے میرے خزانے سے دئے جائیں۔ مسرور کو بھی ہدایت کی۔ کہ صبح کے وقت نماز کے لیے جیسے مجھے جگایا کرتے ہو اُسے بھی جگانا۔ غرض مجھ میں اور اس میں کچھ فرق نہ تصور ہو۔ یہ ہدایات دیکر خلیفہ اور جگہ جاکے سو رہا۔ اور علی الصبح ابوالحسن کے جاگنے سے پہلے آپ اٹھ کر ایک ایسی جگہ بیٹھ گیا جہاں سے اُسے تو سب کچھ دکھائی دے رہا تھا مگر اسے کوئی نہ دیکھ سکتا تھا۔ غرض صبح ہوئی اور خواصیں اپنے رتبے پر کھڑی ہو کر اسکے احکام کا انتظار کرنے لگیں۔ اتنے میں مسرور خواجہ سرا شیخ کا ایک ٹکڑا سرکے میں ڈبو یا ہوا لایا۔ اور ابوالحسن کی ناک کے پاس لیجا

ہو تم ہی وداع کر دونگا۔ خلیفہ نے بھی اُس کا اس انوکھے عہد پر مسرت ظاہر کی۔ اور کہا مجھے تمہاری خوش رفتاری پر رشک آتا ہے اور تم بڑے خوش مذاق آدمی ہو۔ انہی باتوں میں رات بہت آگئی اور خلیفہ بولا۔ میں دن بھر سفر میں رہا ہوں۔ صبح کو پھر دور تک جانا ہے۔ اسلیے میں اب سونا چاہتا ہوں۔ تم بھی سو رہو۔ مگر تمہارے جاگنے سے پہلے یہاں سے چلا جاؤنگا اور قبل اسکے ہم سو رہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری اس عنایت کے عوض میں میں بھی تمہاری کوئی خدمت بجا لاؤں۔ کوئی آرزو ہو تو بتا دو۔ ابوالحسن نے اُسپر خلیفہ کا شکریہ ادا کیا جسے وہ سوداگر موصلی سمجھتا تھا۔ کہ یہی آپ کی بڑی بندہ نوازی تھی۔ کہ میرے غریب خانہ پر آکر نان ونمک جو آپ کے غلاموں کے بھی قابل نہ تھا تناول کرکے مجھے سرفراز کیا۔ البتہ ایک بات سے مجھے ہمیشہ تکلیف رہتی ہے۔ ہمارے محلے کا مؤذن نہایت ترشرو اور ریاکار بڑھا ہے۔ چار اسکے اور ساتھی ہیں۔ یہ پانچوں ہر روز باہم محلہ داروں کو ایذا دینے کی نئی نئی تدبیر سوچا کرتے ہیں اور سب لوگ انکے ہاتھ سے نالاں ہیں۔ بلکہ مجھے بھی بارہا ان کے ہاتھ سے تکلیف پہنچی ہے۔ لطف یہ کہ انکا ڈر سب کے دل پر چھایا ہوا ہے اور کسی شخص کو انکی شکایت کی جرأت نہیں پڑتی اور خلیفہ نے پوچھا۔ پھر تم نے اسکا علاج کیا تجویز کیا؟ ابوالحسن نے جواب دیا۔ میں تو ہر وقت خدا سے دعا مانگتا رہتا ہوں۔ کہ صرف ایکدن کے لیئے مجھے خلافت کا تخت مل جائے۔ خلیفہ نے پوچھا بالفرض اگر ایسا ہو۔ تو تم کیا علاج کرو۔ ابوالحسن بولا۔ سو سو دُرّے اُن چاروں نالائقوں کو اور پورے چار سو صرف مؤذن کو لگواؤں۔ تاکہ آیندہ کے لیئے اُنہیں عبرت ہو۔ خلیفہ کو یہ سُنکر فوراً ایک خوش طبعی سوجھ گئی۔ اور چاہا کہ ابوالحسن ہی کے ہاتھ سے یہ کام پورا کرائے۔ یہ سوچکر بولا۔ میری بھی یہی رائے ہے مگر خدا کی قدرت سے بعید نہیں۔ اگر ایکدن کے لئے تمہیں ایسے اختیارات مل جائیں اور تعجب ہی کیا ہے۔ اگر خلیفہ کو تمہاری قابلیت کا علم ہو جائے۔ اور وہی ایک دن کے لیئے تمہیں اپنا قائم مقام کردے۔ پھر تم اُن موذیوں کو حسب دلخواہ سزا دے سکو گے۔ کاش! میرا کچھ اختیار ہوتا تو میں اس بارے میں تمہاری مدد کرتا۔ ابوالحسن بولا۔ تم مجھ پر تمسخر کر رہے ہو اور مجھے شیخ چلی سمجھتے ہو گے۔ خلیفہ بولا۔ حاشا وکلا۔ ہرگز نہیں۔ تمہارے جیسے

میں کبھی ملجاتا تو نظر بچا کے کترا جاتے اور دیکھ لیتے پر ٹھہرانے کی کوشش کرتا تو بہانے بنانے لگتے اور ایسی طوطا چشمی سے بڑا افسردہ ہوا اور دل میں پچھتانے لگا اور جن لوگوں کے لیے مینے اپنی ساری جائداد تباہ کرلی یہ اُنکا حال ہے۔ غرض ایکدن اسیحالت میں ماں کے پاس گیا۔ وہ کہنے لگی میں تو آگے سے جانتی تھی۔ کہ تیرا ایکدن یہی حال ہوگا۔ اب بتا تکلیف میں کون کام آتا ہے۔ ابوالحسن ماں سے یہ جواب پاکر اپنے چند معتمد رفیقوں کے پاس گیا۔ اور اُنسے کچھ روپیہ اودھار مانگا۔ مگر سب نے نہایت بیمروتی سے جواب دیا۔ ابوالحسن مایوس ہوکر پھر ماں کے پاس آیا اور آخر عہد کیا کہ آیندہ کسی بغدادی سے راہ و رسم نہ کرونگا۔ پھر بقیہ جائداد بیچکر سرمایہ جمع کیا۔ کیونکہ اُسے مہمانوں کے ساتھ کھانے کی عادت ہوگئی تھی۔ اسلیے ہر روز چار گھڑی دن سے بغداد کے پل پر چلا جاتا اور کسی تازہ وارد مسافر کو گھر لے آتا۔ رات کا کھانا اُسکے ساتھ کھاتا صبح اُسے وداع کر دیتا۔ اور کہدیتا۔ کہ مہربانی کرکے پھر یہاں مت آنا۔ ایکدن حسب معمول وہ پل پر بیٹھا ہوا تھا کہ خلیفہ ہارون الرشید سے مڈبھیڑ ہوا۔ خلیفہ نے اُسوقت موصلی سوداگر کا بھیس بدلا ہوا تھا اور خواجہ سرا مسرور بھی اُسی لباس میں اُسکے ساتھ تھا۔ خلیفہ کا دستور تھا کہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کی شام کو رعایا کا نیک و بد دریافت کرنے کے لئے کوئی بھیس بدلکر شہر میں نکلا کرتا تھا آج بھی وہ اس مقصد کے لیے موصلی سوداگر کے لباس میں بغداد کو آرہا تھا۔ ابوالحسن نے سلام علیک کہی اور رات کی دعوت کا ذکر زبان پر لایا۔ خلیفہ نے ردِ دعوت خلاف دستور سمجھکر اُسکی بات مان لی۔ غرض ابوالحسن اُن دونو کو اپنے ہمراہ گھر لایا اور دیوانخانے میں مسند پر بٹھاکر دسترخوان سامنے لا رکھا۔ ابوالحسن کی ماں اُس کی خاطر خود کھانے پکایا کرتی تھی اور بڑے لذیذ کھانے تیار کرتی تھی۔ خلیفہ نے بڑے شوق سے سیر ہوکر کھایا۔ پھر میوے آئے وہ بھی چکھے۔ آخر میں دو نو مہمان اور میزبان نے ایک دوسرے کے جام صحت پیے اور لطف و مذاق کا دور چلنے لگا۔ خلیفہ ابوالحسن کی باتوں سے بہت خوش ہوا اور اُسکا نام معہ حسب و نسب کے دریافت کیا۔ ابوالحسن نے اپنی ساری داستان سُنادی۔ اسی میں دوستوں کی بیوفائی اور اپنے عہد کا بھی ذکر کیا کہ مینے اہل بغداد سے ملاقات ترک کرکے ارادہ کیا ہوا ہے کہ ہر روز ایک تازہ وارد مسافر کو رات بھر کے لیے گھر میں لا رکھونگا۔ اور صبح

گذرا تھا جب میں زخمی پڑا کراہ رہا تھا وہ میری آواز سنکر اندر آ گیا۔ اور میرے زخموں سے نڈھال پاکر اپنے اونٹ پر سوار کر کے گھر لے گیا۔ وہاں جنگل کی بوٹیاں پیس کر میرے زخموں پر چھڑکیں۔ جس سے مجھے بہت جلد شفا ہو گئی۔ آخر میں اِدھر آ رہا تھا کہ راستے میں غنیم کی فوج دیکھی اور اُنکا عندیہ معلوم کر کے میں نے اپنے تئیں سب گاؤں والوں پر ظاہر کر دیا۔ اور اُنہیں آپ کی مدد پر اکسایا۔ اور اُنسے اعانت طلب کی۔ وہ بیچارے فوراً میرے جھنڈے کے گرد جمع ہو گئے اور اُنکی مدد اور آپ کے اقبال سے میں نے اُس غنیم کا قلع قمع کر دیا۔ یہ سُنکر بادشاہ نے اُسکا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ جن شہزادوں نے تمہارے ساتھ ایسی بدسلوکی کی تھی۔ میں اُنہیں قتل کرانا چاہتا ہوں۔ خداداد نے جواب دیا۔ حضور! اگرچہ وہ اِسی سزا کے سزاوار ہیں۔ مگر آخر آپ کے بیٹے اور میرے بھائی ہیں۔ میں نے اُنہیں دل سے معاف کیا۔ آپ بھی اب بخشدیں۔ غرض بہت ہی اصرار کے بعد بادشاہ نے اُن کی جان بخشی کی اور حکم دیا۔ کہ جیل سے اُنہیں نکالا جائے۔ غرض وزیر اُنہیں شہزادہ خداداد کے سامنے لایا۔ اُسنے ایک ایک کی زنجیریں کٹوا کر اُنہیں گلے لگایا اور بڑا خوش ہوا۔ عوام اُسکا یہ سلوک سُنکر بڑے خوش ہوئے۔ پھر بادشاہ نے اُسے اپنا ولیعہد مقرر کیا اور جراح کو خلعت بیش بہا اور بہت سی دولت عطا کر کے رخصت کیا۔ یہ حکایت بیان کر کے شہرزاد بولی۔ اگر آپ قصۂ سوتے جاگتے کا سُنینگے تو اور بھی خوش ہونگے۔ غرض اگلے دن معمولی وقت پر دنیازاد نے اپنی بہن کو جگایا۔ اور بادشاہ نے سُنانے کی اجازت دی اور شہرزاد بولی۔

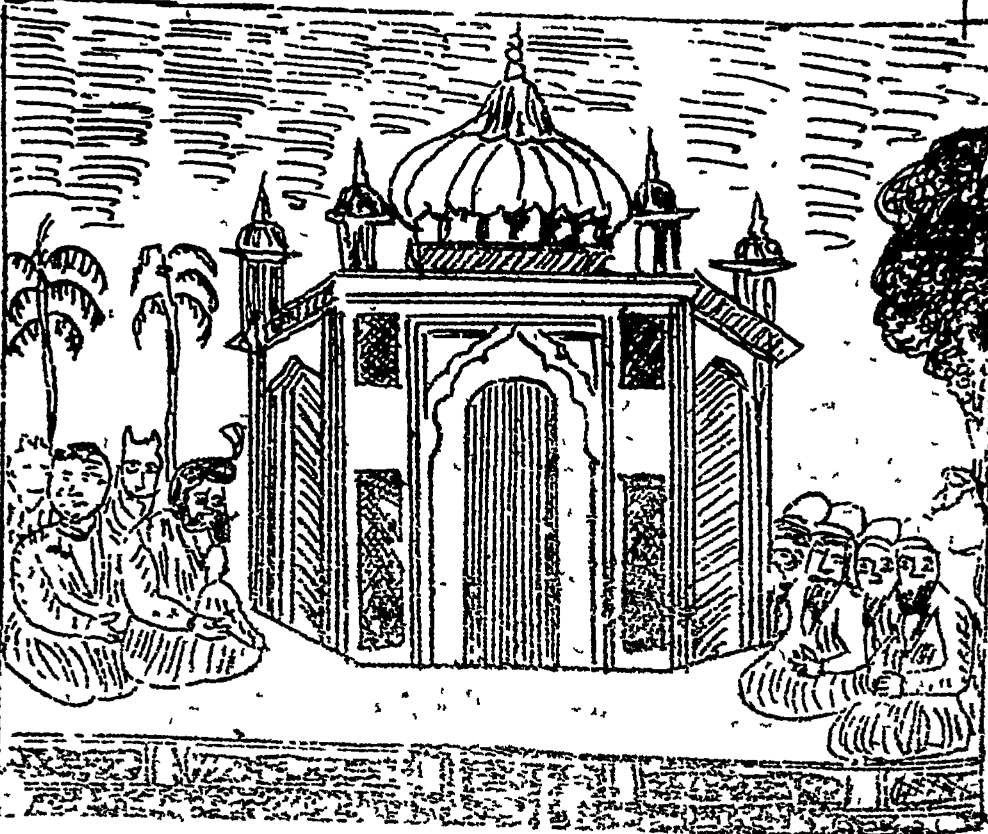
خلیفہ ہارون الرشید اور سوتے جاگتے کی داستان

جہاں پناہ! خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے کی بات ہے کہ بغداد میں ایک بڑا سوداگر رہا کرتا تھا اُسکے صرف ایک ہی بیٹا تھا۔ ابوالحسن۔ جب وہ مر گیا۔ ابوالحسن اُسکی دولت کثیر کا مالک بنا اور گلچھرے اُڑانے لگا۔ اپنے دوستوں کو بھی اِسقدر دیا کہ وہ مالدار ہو گئے۔ مگر اُسکا خزانہ کم ہونے لگا۔ آخر اُسنے باقی ماندہ دولت کے دو حصے کئے۔ ایک سے حویلیاں اور جائداد خریدی اور دوسری بصورت نقد رکھکر روزمرہ کے اخراجات اُس سے کیا کرتا۔ تاکہ اُسکے اسراف میں کچھ بھی کمی نہ ہوئی حتیٰ کہ ایک سال کے بعد زر نقد کی طرف سے وہ بالکل کنگال ہو گیا صرف کچھ جائداد رہی۔ دوستوں نے بھی جب ڈھلتی چھاؤں دیکھی تو کنارہ کر گئے۔ بلکہ اگر وہ راستے

قتل کا سب سامان تیار ہوا۔ اسیوقت خبر ملی کہ ایک غنیم شہر ہیرن کی طرف چڑھا چلا آرہا ہے
بادشاہ بہت گھبرایا اور افسوس کیا کہ اگر آج ضداداد ہوتا تو اس آنیوالے کا ناک میں دم کر کے
پسپا کرتا۔ بہرحال ہیرن کی فوج بھی تیار ہو کر فصیل سے باہر نکلی اور آنیوالے لشکر کا نا کہ
روک لیا۔ مگر ساتھ ہی بھاگ جانے کی بھی تیاری کر لی۔ القصہ دونو فوجیں آمنے سامنے آگئیں
اور میدان کارزار گرم ہوا اور قریب تھا کہ ہیرن کی فوج تہ تیغ ہو جائے۔ اتنے میں دوسری
طرف سے ایک فوج سواروں کی دکھائی دی۔ دونو لشکروں کی نگاہیں ادھر ہی جم گئیں اور
چند منٹ کے لئے لڑائی رک گئی۔ آخر اس نئی آنیوالی فوج نے غنیم کے لشکر پر اس جوش و خروش
کے ساتھ حملہ کیا کہ انہیں بھاگتے راہ نہ ملی۔ اور سب کے سب وہیں ڈھیر ہوئے۔ بادشاہ ہیرن
اس غیبی مدد پر شکر بجالایا اور قاصدوں کو سرلشکر کا نام دریافت کرنے کے لئے بھیجا معلوم
ہوا کہ شہزادہ ضداداد اس فوج کی کمان کر رہا ہے۔ بادشاہ پھر سجدہ شکر بجالایا۔ غرض باپ
بیٹا آمنے سامنے ہوئے۔ باپ نے ضداداد کو گلے لگایا۔ منٹوں میں یہ خبر سارے لشکر اور پھر
سارے شہر میں اڑ گئی۔ محل میں تو خوشی کا عالم مچ گیا۔ اور شہر کے باشندے کمال مسرور نظر
آتے تھے۔ بادشاہ کہنے لگا مجھے تمہاری تمام جوانمردیوں کا حال معلوم ہو چکا ہے۔ خصوصاً
اپنے کمبخت بھائیوں کو قید سے چھڑانے اور پھر اس کے عوض میں انہوں نے جو بدسلوکی کی۔
شہزادی دریابار نے مجھے سب کچھ سنا دیا تھا۔ وہ یہیں آگئی ہے اور تمہارے خون کا قصاص
لینے کو کہتی ہے۔ بلکہ آج تمہارے بھائی مارے ہی گئے ہوتے۔ اگر وہ آفت نہ آجاتی جسے
تم نے اپنی جوانمردی سے ٹالا ہے۔ یہ سنکر شہزادہ پہلے اپنی ماں کے پاس گیا وہ بہت خوش
ہوئی اور اسے گلے لگایا۔ پھر شہزادی کے پاس اس نے بھی سجدہ شکر ادا کیا۔ بادشاہ نے غنیم
کا سر کٹوا کر سارے شہر میں پھرایا کہ لوگ دوہرے جشن منائیں۔ غرض گھر گھر رنگ رلیاں ہونے
لگ گئیں۔ ازاں بعد شہزادی اور ملکہ فیروز نے حاضر ہو کر بادشاہ کو فتح پر مبارکباد دی۔ شہزادہ
ضداداد بھی وہاں تھا اور سب کے سب پھر گلے ملے اور دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے
مگر شہزادی ملکہ اور بادشاہ کو کمال تعجب اس بات کا تھا کہ ضداداد خیمے سے کیسے غائب ہو گیا
آخر استفسار پر ضداداد نے جواب دیا۔ صبح کے وقت ایک شتر سوار دہقان میرے خیمے کے پاس

سب کے آگے آگے تھا۔ آئے۔ اور مقبرے کا تین دفعہ طواف کرکے بولے۔ اے عزیز! اگر ہماری دعا سے تمہیں رہائی مل سکے تو ہم بجان و دل حاضر ہیں۔ یہ کہکر وہ بھی چلے گئے۔ پھر پچاس پریاں سفید یابوؤں پر سوار جنکے زین مرصع تھے سروں پر جواہرات کی ٹوکریاں لئے اسیطرح پھریں اور جو سب سے چھوٹی تھی۔ سامنے آکے بولی اے شہزادے! اگر ہمارا حسن تمہارے کام آئے تو ہم حاضر ہیں۔ پھر یہ گروہ بھی چلا گیا۔ آخر بادشاہ اور اسکے ہمراہی تین دفعہ شہزادے کی تصویر کے گرد گھومے پھر بادشاہ آنکھوں میں آنسو بھر کے بولا! میرے نور چشم! تیرے بغیر یہ آنکھیں بے نور ہو رہی ہیں انہیں جلد روشن کر اور روتے ہوئے محل کو چلے گئے۔ دروازہ مقبرے کا بند کیا گیا۔ اسکے بعد بادشاہ نے ہفتے میں ایکدن وہاں جاکر ماتم کرنے کا معمول بنالیا۔ کئی مہینے اسیطرح گذر گئے۔ ایکدن قیدی شہزادوں کا خیال آگیا اور وزیر کو حکم دیا کہ خداداد کے قصاص میں سب کے سر قلم کردے۔ غرض انکے

تصویر خداداد کے مقبرے کی اور سواروں اور فقیروں اور بادشاہ کا گریہ و ماتم کرنا



قید خانے میں لیجا کے بند کرو۔ چنانچہ حکم کی تعمیل ہوئی۔ پھر بادشاہ نے ایک مہینے کے لئے دربار کو بند کرنے کا حکم دیکر وزیر کو ساتھ لیا اور ملکہ فیروز کے محل میں آیا۔ پھر وزیر کو حکم دیا کہ تو سرائے میں جاکر شہزادی دریا بار اور جراح کو عزت کیساتھ میرے پاس لے آ۔ غرض وزیر بہت سی فوج اور اُمرائے دربار کو ساتھ لیکر سرائے کی طرف چلا اور شہزادی کو ملکہ بادشاہ کی طرف سے سب مراتب سمجھائے۔ پھر اُسے اور جراح کو سوار کراکے بڑی عزت کے ساتھ واپس آیا۔ راستے میں لوگ شہزادی کی سواری دیکھنے کیلئے جمع ہوگئے اور باہم چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ اب شہزادہ خداداد کا کچھ پتہ ملیگا۔ آخر سواری محل کے دروازے پر پہنچی اور شہزادی بادشاہ کو دیکھتے ہی نیچے اُتر آئی۔ پھر بادشاہ کے قدمبوس ہوئی۔ بادشاہ اُسے ملکہ فیروز کے پاس لیگیا۔ پھر تینوں ایک دوسرے کے گلے لگ کے خوب روئے۔ جب دل ہلکے ہوئے۔ شہزادی نے عرض کی۔ اُمید وار ہوں کہ جن لوگوں نے میرے شوہر کیے قصور مارا ہے اُنسے اسکا عوض لیا جائے۔ بادشاہ نے اُسے تسلی دی کہ مجھے خود اس بات کا خیال ہے۔ پھر بولا۔ اگرچہ مجھے اپنے پیارے بیٹے کی لاش نہیں ملی لیکن اُسکا ایک مقبرہ بنوانا ضروری ہے۔ اور وزیر کو حکم دیا کہ جلد شہزادہ خداداد کا ایک عالیشان مقبرہ تیار کرائے۔ غرض وزیر نے شہر میں ایک اچھی جگہ منتخب کرکے وہاں پر شہزادے کا شاندار مقبرہ تیار کرادیا اور اُسکے اندر خداداد کی سنگین تصویر ترشوا کے رکھی جب بادشاہ کو تیاری کی اطلاع ملی اُسنے ماتم کرنے اور قرآن خوانی کے لئے ایک خاص دن مقرر کیا۔ اور حکم دیا کہ اُسدن تمام اراکین دولت عساکر سلطانیہ اور محلوں کی لونڈی غلام مقبرے پر حاضر ہوں۔ غرض وہ دن آیا اور شاہی ملازموں کے علاوہ شہر کے باشندے بھی کیا مرد کیا عورت جوق در جوق مقبرے پر حاضر ہوئے پہلے بادشاہ اراکین دولت کیساتھ مقبرے میں داخل ہوا اور فرش مکلّف پر بیٹھ گیا۔ پھر سواروں کا ایک رسالہ آیا جنکی آنکھیں نیم باز تھیں اور سر جھکے ہوئے تھے۔ دو دفعہ اس رسالے نے مقبرے کا طواف کیا اور تیسری دفعہ سامنے آکر کھڑا ہو کر پکارنے لگا۔ اے شہزادے اگر ہمارے قوت بازو سے تمہاری رہائی ممکن ہوتی تو ہم حاضر ہیں۔ لیکن حکم خدا سے مجبور۔ یہ کہکر وہ جدھر سے آئے تھے چلے گئے۔ اُنکے بعد ایک سو گوشہ نشین مردانِ خدا جن میں سے ایک کے سر پر بھاری کتاب رکھی تھی اور

جرّاح نے سمجھایا - تمہارا جانا خالی از خطرات نہیں ہے - ممکن ہے تمہاری خبر پاکر تمہارے دیور تمہیں مروا دیں - پھر کیا ہوگا - مناسب یہ ہے کہ پہلے میں جا کے ملکہ کو خبر دیتا ہوں - پھر وہ آپ ہی تمہارے بلوانے کا بندوبست کر دیگی - یہ کہکر جرّاح شہر کیطرف چلا گیا - اثناء راہ میں اُسے ملکہ فیروز کی سواری ملی جو اونٹ پر سوار ایک مسجد کی طرف جا رہی تھی اور اُسکے ساتھ خواصوں اور سپاہیوں کی ایک کثیر تعداد اردلی میں تھی - جرّاح کو اس اتفاق پر کمال مسرت ہوئی اور ملکہ کی سواری کے ساتھ مسجد تک ہو لیا - جب ملکہ مسجد میں پہنچی - پہلے اُس نے اپنے بیٹے کی سلامتی کے لئے دعا مانگی سب لوگ بھی دعا میں اُسکے شریک ہوئے - پھر اپنے ہاتھ سے غربا اور محتاجوں کو اشرفیاں تقسیم کیں - کیونکہ بادشاہ نے نذر مانی ہوئی تھی کہ خداداد کے آنے تک اُسکی والدہ اپنے ہاتھ سے خیرات تقسیم کیا کریگی - اتنے میں جرّاح نے ایک غلام سے کہا - میں ملکہ سے ایک راز کی بات کہنا چاہتا ہوں اور وہ راز اُسکے مطلب کا ہی ہے - غلام نے جواب دیا - چپکے سے محل تک لگا چل غرض وہاں سے فارغ ہوکر ملکہ محل کو روانہ ہوئی - جرّاح بھی سایہ کی طرح ساتھ تھا - اور جب وہ محل میں پہنچی - غلام نے جھک کر عرض کی - ایک اجنبی آپ سے تنہائی میں کچھ کہنا چاہتا ہے ملکہ نے اجازت دی اور غلام جرّاح کو اُسکے سامنے لیگیا - جرّاح جھک کے آداب بجا لایا اور شہزادی دریابار کی زبانی سُنا ہوا سارا حال خداداد کا عرض کیا - وہ سنتے ہی غش کھا کے گر پڑی خواصوں نے گلاب چھڑکا اور پنکھا کیا جب ہوش آیا - جرّاح سے بولی - اب تم جا کے شہزادی کی بیوی اور بادشاہ کی طرف سے تسلّی کر دو - عنقریب ہم خود وہاں آتے ہیں - یہ کہکر جرّاح کو رخصت کیا اور آپ بیٹے کی یاد میں رونے لگی - اتنے میں بادشاہ بھی آگیا اور ملکہ کو گریاں دیکھکر سبب پوچھا اُس نے جو کچھ جرّاح کی زبانی خداداد کے ساتھ اُسکے بھائیوں کے سلوک کی بات سُنا تھا - سب سُنا دیا - اور کہنے لگی کہ آپ کی بیوہ بہو اب سرائے میں داورسی کے لئے ٹھہری ہوئی ہے - بادشاہ اپنے بیٹوں سے کمال ناراض ہوا اور غضب میں بھرا ہوا دربار میں آیا - سب لوگ ڈر گئے - پھر وزیر اعظم کو حکم دیا کہ اُنچاسوں شہزادوں کو جس حالت میں ہوں گرفتار کر لائے - مگر خبردار کوئی نکل نہ جائے - غرض وزیر اعظم نے فوج لیکر شہزادوں کا مکان گھیر لیا اور اُنہیں کشاں کشاں بادشاہ کی خدمت میں لے آیا - مگر بغیر اسکے کہ بادشاہ اُنکا مُنہ دیکھے - فوراً حکم دیا کہ اُنہیں خونی

دیکھکر نہایت خوش ہوا اور اتنی دیر کی وجہ پوچھی - لیکن بجائے اسکے وہ صحیح صحیح واقعہ بیان کرتے - انھوں نے یہی کہکر بات ٹال دی کہ ہاں! ہم تو دور تک سیر و شکار کرتے نکل گئے تھے پادشاہ بھی چپ ہو رہا - اب خداداد کا حال سنو - شہزادی دریا بار جب صبح کے وقت جاگی خداداد کو ہزاروں زخموں سے گھایل اور خون میں ڈوبا ہوا پایا - پہلے تو سمجھی کہ وہ مر چکا اور رونے پیٹنے لگی - مگر پھر جب نتھنوں سے ذرا ذرا سانس آتے دیکھا تو اُسے اطمینان ہوا اور خداداد کے بھائیوں کو بلانے کی آرزو کی - مگر وہاں کوئی ہوتا تو آتا - اُسنے سمجھ لیا کہ یہ سب شرارت انہی بدذاتوں کی ہے - پھر خیمے کے دروازے بند کر قریب کے ایک گاؤں سے کسی جراح کو بلانے گئی اور بعد از منت جب جراح کو وہاں لائی خیمے کا دروازہ کھلا پایا شہزادے کی لاش کا بھی کچھ پتہ نہ تھا وہ بے اختیار دھاڑیں مار مار کر رونے لگی - اور اُسے یقین ہو گیا کہ کوئی جنگلی جانور شہزادے کی لاش کو لیگیا - اُسکا رونا سنکر جراح کو بھی رحم آگیا اور وہ اُسے دلاسا دیکر اپنے ساتھ شہر کو لے آیا - ایک علیحدہ مکان اُسکے رہنے کو مقرر کیا اور دو لونڈیاں خدمتگاری کے لئے لادیں کبھی کبھی خود بھی حاضر ہوتا اور بڑی عزت سے پیش آتا - ایکدن پوچھنے لگا - بی بی! اگر آپ مجھے اپنی حالت سے اطلاع دیدیں تو میں آپکی رفع تکلیف کی تدابیر کروں - جواب میں شہزادی نے سب حال سنا دیا - جراح بولا - اگر آپ چاہیں تو آپ کے خاوند کا بدلہ لینے کے لئے بادشاہ ہیرن کے پاس داد خواہی کیجائے وہ بڑا منصف مزاج ہے - یقیناً تمہارا انتقام لیگا - شاہزادی نے رضامندی ظاہر کی - پھر جراح نے دو اونٹ لئے اور شہر ہیرن پہنچکر ایک سرائے میں اُترے - مالک سرائے سے شہر کی تازہ خبر پوچھی - اُسنے جواب دیا کہ ہمارے بادشاہ کا ایک لڑکا تھا - بڑا جوانمرد اور عاقل صاحب تدبیر - کئی روز سے وہ گم ہے اُسکی ماں نے اُسے بہت تلاش کیا - مگر کچھ پتہ نہیں ملا - نام اُسکا شہزادہ خداداد تھا - اگرچہ بادشاہ کے انچاس لڑکے اور بھی ہیں مگر کوئی اُسکی گرد کو بھی نہیں پہنچتا - اسی سبب سے نہ صرف اُسکے گم ہونے کا ماں باپ کو ہی افسوس ہے - بلکہ شہر کا ہر ایک باشندہ افسوسناک ہو رہا ہے - جراح نے یہ سب خبر شہزادی کو جا سنائی - اُسنے چاہا کہ خود خداداد کی ماں کے پاس جاکے - مگر

کہنے لگا۔ قاہرہ میں میرا دوست ہے۔ اُس سے میں نے ایک کنیز کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ تجھے وہاں لیجا کر اُس دوست کی نذر کرونگا۔ غرض جہاز کا لنگر اُٹھا دیا اور چل پڑا۔ اور جلد ایک چھوٹے سے بندر میں جا پہنچا۔ وہاں سے اُسنے کئی اونٹ غلام اور خیمے خرید کر خشکی کا راستہ اختیار کیا۔ اور کئی منزل بآرام چلکر آخر کل اس حبشی سے مڈبھیڑ ہوگئی جس کی تلوار نے سب کو موت کے گھاٹ اُتارا وہ لاشیں تو اُسکا من بھاتا کھاجا بنیں اور اسباب سمیت مجھے یہاں محل میں لا رکھا۔ پھر مجھے کہنے لگا کہ کل تک تجھے مہلت ہے سوچ سمجھ کر اپنے تئیں مجھے سپرد کردے۔ ورنہ پھر میں دوسری طرح سے اپنا مقصد پورا کرونگا۔ غرض رات تو علیحدہ کمرے میں سو رہا۔ صبح اُٹھکے مسافروں کی تلاش کے لئے دور نکل گیا اور خالی ہاتھ پھرا آتا تھا کہ تم ملگئے اور کمال جرأت سے اُسے کیفر کردار کو پہنچا دیا۔ جب وہ شہزادی اپنا قصہ ختم کر چکی۔ خداداد نے تسلی دی اور کہنے لگا کہ یہ نوجوان شاہ ہیرن کے شہزادے ہیں۔ تم ان میں سے جسے چاہو۔ اسکے ساتھ شادی کر لو۔ یقین ہے کہ بڑے آرام سے رہوگی اور اگر تم اُن سے راضی نہیں تو جس نے تمہیں نجات دلائی ہے اُسے قبول کرلو۔ شہزادی نے خداداد کی زوجیت پر پسندیدگی ظاہر کی اور دونوں کا نکاح بڑی دھوم سے وہیں پڑھا گیا۔ اگلے دن سب لوگ ہیرن کو روانہ ہوئے۔ اور جب شہر ایک منزل کے فاصلے پر رہ گیا سب نے وہیں ڈیرے ڈالدئے۔ رات کا کھانا کھا چکنے کے بعد شراب کا دور چلا اور نشے میں خداداد بول اُٹھا۔ بھائیو! اب تک میں نے اپنے تئیں تم سے چھپائے رکھا تھا مگر اب ظاہر کردینا ہی مناسب سمجھتا ہوں۔ میں بھی تمہارا ہی بھائی ہوں۔ ملکہ فیروزہ کا بیٹا اور شہزادہ سمیر کا پروردہ۔ یہ سُنکر شہزادے بظاہر مسرور ہوئے اور مبارکباد کہی۔ مگر باطن میں انہیں ایسی رشک پیدا ہوئی کہ غریب خداداد کے جانی دشمن بنگئے اور سوچنے لگے کہ بادشاہ اسے غریب الوطن سمجھکر اسکی وہ قدر کرتا ہے کہ ہم پہ اسے حکمران بنا رکھا ہے۔ تو اپنا بیٹا جان کر اسکی کیا نہ قدردانی کریگا۔ آؤ راہ ہی میں اسکا چلتا دھندا کریں۔ خداداد اپنی شہزادی کے ساتھ خلوت میں چلا گیا تھا۔ جب اسکے ناسپاس برادران یوسف نے معلوم کرلیا کہ وہ سو گیا ہے۔ خیمے میں گھس گئے اور تلواروں سے اسکے پُرزے پُرزے کردئے بلکہ اپنی دانست میں اُسے قتل کرکے ہیرن کی راہ لی۔ دوسرے دن جب بادشاہ کی خدمت میں باریاب ہوئے۔ وہ انہیں

ہے جن کا سر لشکر مرصع تاج سر پر رکھے ۔ بیش قیمت لباس پہنے بڑی تمکنت سے ایک عربی گھوڑے پر سوار ہے ۔ وہ ایک خوبصورت اور نوجوان شہزادہ معلوم ہوتا تھا۔ جب انہوں نے مجھے یکہ و تنہا پایا۔ ایک سوار میرے پاس آکے میرا حال پوچھنے لگا ۔ مگر رونے کے سوائے میں اسے کوئی جواب نہ دے سکی۔ آخر اسنے خود ہی ٹوٹے ہوئے تختوں سے جو بہ کر وہاں آگئے تھے۔ انداز لگایا کہ کوئی جہاز ٹوٹ گیا ہے اور میں اسپر سوار تھی۔ کسی تختے پر بہ کر یہاں آگئی ہوں ۔ اتنے میں باقی افسر بھی میرے پاس آگئے اور مجھے تسلی دیکے میرا حال پوچھنے لگے ۔ مگر مینے ایک ہی رونا ایسا شروع کیا کہ انہیں کچھ بھی جواب نہ دیا۔ آخر شہزادہ خود میرے پاس آیا۔ اور سب افسر ایک طرف ہوگئے ۔ وہ آپ بڑی مہربانی سے میرا حال پوچھنے لگا میںنے آغاز سے اب تک اپنی کہانی سنا دی۔ اسنے بڑا افسوس کیا پھر مجھے اپنے ساتھ اپنے گھر لیگئے اور اپنی ماں کو سونپ کر میرا حال سنا دیا۔ اسنے بھی بہت افسوس کیا اور ہر وقت میری دلجوئی مد نظر رکھتی - شہزادہ اصل میں مجھ پر عاشق ہوگیا تھا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ میں بھی اسسے محبت کرتی تھی ۔ ایکدن ملکہ نے مجھ سے بھی اسکا ذکر کیا۔ اور مینے گردن جھکا لی ۔ ملکہ نے الخاموشی نیم رضا سمجھ کر اسکے ساتھ میرا بیاہ کر دیا۔ میری بدبختی پر غور کرو کہ اسنے ابھی تک بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ بلکہ عین شادی کی رات کو یکایک ہمسائے کا ایک غنیم میرے شوہر پر چڑھ آیا اور کشت و خون ہونے لگا۔ ہمارے بہت سے آدمی مارے گئے ۔ آخر اسنے ارادہ کیا کہ ہم دونو کو پکڑ لے ۔ مگر موقع پاکر میرا شوہر اور میں دریا کیطرف بھاگ گئے ۔ اتفاقاً وہاں ایک چھوٹی سی کشتی ملگئی۔ فوراً اسپر سوار ہو اسے کھولا اور راہ خدا پر چھوڑ دیا ۔ مگر تھوڑی دور چلکر دریا کا بہاؤ اسے بہا لیچلا۔ ہم دونو مجبور تھے ۔ آخر تیسرے دن ایک جہاز اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ اور جب وہ قریب پہنچگیا۔ اسمیں سے پانچ آدمی ننگی تلواریں لئے نکلے معلوم ہوا کہ وہ بحری قزاق تھے ۔ آخر انہوں نے ہمیں پکڑ لیا اور اپنے جہاز پر لیگئے ۔ پھر جب میرے منہ سے برقعہ اٹھایا۔ سب کے سب مجھ پر عاشق ہوگئے اور ہر ایک مجھے اپنے حصے میں لانا چاہتا تھا۔ اسی بات پر انمیں تلوار چل گئی۔ سب کے سب مارے گئے ۔ صرف ایک بچ رہا ۔ وہ میرے شوہر کو دیکھکر پوچھنے لگا۔ یہ تیرا کیا لگتا ہے ۔ مینے کہا خاوند ہے ۔ اس سفاک نے فوراً بیچارے شہزادے کو اٹھایا اور پانی میں پھینک دیا۔ میں منع کرتی رہی ۔ ناچار مینے بھی کود پڑنے کا ارادہ کیا ۔ مگر اسنے مجھے پکڑ لیا۔ اور

جب تک تمہارا شوہر نہ ملے تو آرام رہ سکوگی۔ غرض رات وہیں بسر کی اور اگلے دن فجر ہوتے ہی میرا باپ اس عورت اور بچے کو ہمراہ لیکے روانہ ہوا۔ اتنے میں اہل لشکر بھی ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہیں آگئے اور میرے والد کے ہمراہ ایک خوبصورت عورت کو دیکھکر متحیر ہوئے۔ میرے باپ نے انہیں سارا واقعہ سنا دیا۔ یہ سنکر ایک افسر نے عورت کو اور دوسرے نے لڑکے کو اپنے پیچھے بٹھا لیا اور شہر کو چل پڑے۔ جب میرا باپ محل میں پہنچا دونوں کی رہایش کے لئے ایک جدا محل مقرر کیا اور انہیں ہر طرح کی ضروریات بہم پہنچا دیں لڑکے کی بھی تعلیم و تربیت کا اعلےٰ انتظام کر دیا۔ غرض اسی حالت میں ایک مدت گذر گئی۔ آخر جب اس نے شوہر کی کوئی خبر نہ سنی تو میرے باپ پر ڈورے ڈالنے لگے اور اپنے ناز و ادا کا فریفتہ کر کے اس سے نکاح پڑھوا لیا۔ چند سال بعد وہ لڑکا بھی خوبصورت جوان نکلا اور علوم و فنون میں مہارت تامہ حاصل کر لی۔ میرے والد اور ارکین دولت سب نے اسے پسند کیا اور قرار پایا کہ میرا بیاہ اسکے ساتھ کر دیا جائے اور بادشاہ کے بعد وہی وارث تخت و تاج بنے۔ مگر میرے باپ نے ایک شرط پیش کی کہ میری بیٹی کے سوا اور کسی سے شادی نہ کرنا۔ لیکن اس جوان نے اسے منظور نہ کیا۔ اسلئے میرا عقد ملتوی ہو گیا اور وہ جوان میرے باپ کا دشمن بن گیا۔ حتیٰ کہ ایکدن اسے غفلت میں پا کر مار دیا اور میرے مارنے کے لئے محل میں آیا۔ مگر وزیر نے از راہ نمک حلالی مجھے فوراً وہاں سے نکال کر اپنے ایک دوست کے ہاں لا رکھا اور پھر ایک جہاز میں مجھے اور میری غلام کو سوار کرا کے ایک اور بادشاہ کی طرف روانہ ہوا جو میرے باپ کا دوست تھا یہ خیال کہ اسکی مدد سے اس نمک حرام سے میرے باپ کا انتقام لے۔ مگر بدقسمتی شامل حال تھی راستہ میں طوفان آگیا اور طوفان بھی ایسا کہ جہاز کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے وزیر اور سب جہاز والے ڈوب گئے۔ صرف میں مصیبتیں دیکھنے کے لئے بچ رہی اور ایک تختہ میرے ہاتھ آگیا۔ جان بڑی عزیز ہوتی ہے۔ جیتے اسے پکڑ لیا اور کنارے آلگی۔ جب ہوش آئی۔ اپنے تئیں یکہ تنہا پا کر بہت پریشان ہوئی۔ اور چاہا کہ پھر دریا میں جا کے ڈوب مروں کہ اتنے میں بہت سے آدمیوں اور گھوڑوں کی آواز یکبارگی سننے میں آئی۔ دیکھوں تو ایک مسلح لشکر میری طرف آ رہا

تصویر حبشی کی اور بادشاہ کا تیر چلانا اور ملکہ کا جگر دوز ہو کر حبشی کو واصل جہنم کرنا



سمجھا اور فوراً کمان میں تیر جوڑ کر اس زور سے چھوڑا کہ وہ حبشی گردنی کھاکے گرا اور گرنے کے ساتھ ہی جان دیدی۔ جب وہ واصل جہنم ہوگیا۔ میرا باپ فوراً اندر گیا۔ اور اُس بی بی کے بند کھولکر اُس سے حال دریافت کیا۔ اُسنے جواب دیا۔ یہاں سے قریب ایک قوم غول بیابانی کی بسی رہتی ہے۔ اُسکے بادشاہ سے میری شادی ہوئی تھی۔ اور یہ حبشی جسے ابھی آپنے ہلاک کیا ہے۔ میرے شوہر کا مصاحب اور مجھ پر عاشق تھا۔ ایک دن موقعہ پاکر مجھے اور میرے بچے کو وہاں سے نکال لایا اور یہاں لا رکھا۔ ہر روز مجھسے ارادۂ بد کا قصد کرتا تھا۔ مگر آجتک جس طرح ہوسکا مینے اپنے تئیں بچایا۔ آخر مجبور ہوکے جواب دیدیا تو مایوس ہوکے یہ مجھے قتل کردینا چاہتا تھا۔ کہ خدانے میرے بچانے کے لیئے آپکو بھیجدیا۔ میرے باپنے اُسے تسلی دی۔ اور کہا کہ صبحکو میں تمہیں اپنے شہر میں لیچلونگا۔ وہاں

سے مار ڈالا - میں عصمت اور حرمت بچا کے بھاگی جاتی تھی کہ راستے میں اس مردم خور زنگی کے
ہاتھ چڑھ گئی - یہ سنکر سب شہزادوں نے اصرار کیا - کہ وہ بی بی اپنا سارا حال سنائے اور اسے
تسلی دی کہ بی بی! اب تمہیں انشاء اللہ کوئی تکلیف نہ ہوگی - تسلی رکھو - یہ سنکر وہ بولی - مصر کے
ملک میں دریا پار ایک مشہور شہر ہے - میرا باپ وہیں کا حکمران تھا - مگر لاولدی کے سبب وہ
ہمیشہ دلگیر رہا کرتا تھا - اور خدا سے ایک فرزند کی دعا مانگتا رہا - آخر ایک مدت دراز کے بعد میں
اسکے گھر میں پیدا ہوئی - اور میرے باپ نے مجھے آداب سلطنت اور قوانین شہریاری میں اچھی طرح
سے تعلیم و تربیت دلائی - اسی خیال سے کہ اسکے بعد میں ہی اس کے تخت کی وارث بنوں گی قضا کا
ایک دن وہ شکار کے لئے نکلا اور جنگل میں ایک گورخر کے پیچھے گھوڑا ڈالا - شام ہوگئی مگر گورخر
ہاتھ نہ آیا اور لشکر بہت دور رہ گیا - آخر میرا باپ گھوڑے سے اتر ایک راہ پر ہو بیٹھا - کہ شاید
گورخر تھک کر پھر اسیطرف آجائے - تو اسوقت میں اسے مار لونگا - اتنے میں یکایک اس کی نظر
ایک روشنی پر جا پڑی - سوچا - شاید آبادی قریب ہی ہے - رات وہیں بسر کرنا چاہیئے - مگر کچھ
آگے بڑھا تو کیا دیکھتا ہے کہ جنگل میں ایک جھونپڑی کے درمیان سے روشنی کی شعاعیں نکل رہی
ہیں - ایک ایک دیو ہیکل دراز قد حبشی بیٹھا ہے - سامنے شراب کے مٹکے بھرے ہیں - اور کباب
آگ پر بھون بھون کے کھا رہا ہے - اسی جھونپڑے میں ایک طرف اسے ایک خوبصورت عورت
بھی دکھائی دی جس کے ہاتھ پاؤں رسیوں سے جکڑے تھے اور سامنے ایک چھوٹا سا بچہ بیٹھا
اس کے منہ کی طرف تک رہا تھا - میرے باپ کو بڑا رحم آیا - اور ارادہ کیا - کہ تلوار سے اس
زنگی کا سر اتار دے - مگر موقع ٹھیک نہ تھا - ناچار انتظار میں بیٹھا کہ حبشی کب مست ہوکے
گرے اور میں اسکی خبر لوں اتنے میں وہ سیاہ رو سارے مٹکے خالی کرکے اور کباب چکھ کر
اس بی بی کی طرف متوجہ ہوا - اور بولا - دیکھ ظالم! میں تجھ سے کسقدر محبت رکھتا ہوں مگر تو مجھے اپنا
دشمن سمجھتی ہے - کیوں نہیں اپنا جان کے تو بھلا مجھے پیار کرلی؟ یہ سنکر اس بی بی کا چہرہ
تمتما اٹھا اور وہ بڑے غصے سے چلائی - ابے اے غول بیابانی! تو مجھ پر چاہے جسقدر ظلم کرے
مگر تو اپنی مراد کو ہرگز نہیں پہنچ سکیگا - وہ دیو ان باتوں سے غصے میں بھر گیا اور تلوار نکال کر
چاہتا تھا کہ اس مظلومہ کے دو ٹکڑے کر ڈالے - میرے باپ نے وقت کو ضائع کرنا مناسب نہ

نکال کر دروازہ کھول دو اور بے کھٹکے اوپر چلے آؤ۔ غرض خداداد نے کنجیوں کا گچھا نکالا اور دروازے کھولکر اُس دالان میں گیا۔ جہاں وہ بی بی تھی۔ خداداد کو دیکھکر وہ استقبال کے لئے دوڑی اور اپنے تئیں اُس کے قدموں پر گرا دیا مگر خداداد نے اُسے فوراً اُٹھایا اور باہم بیٹھکر باتیں کرنے لگے۔ کہ یکایک آہ و بکا کی آواز کان میں آئی۔ خداداد نے پوچھا یہ کون سو رہا ہے۔ اُس بی بی نے اشارے سے بتایا کہ اُس نیچلے تہ خانہ میں بہت سے آدمی بند ہیں۔ جنہیں اس حبشی نے اپنی خوراک کے لئے ذخیرہ رکھا ہوا تھا۔ اسوقت وہ ہر روز اُن میں سے ایک کو نکال کر کباب بناکے کھا جاتا تھا۔ اِس لئے اُن میں غوغا مچ رہا ہے۔ کہ آج خدا جانے کس کی باری ہے۔ یہ سنکر خداداد نے فوراً تہ خانے کا دروازہ کھلوا وہ اور بھی چیخنے چلّانے لگ گئے۔ مگر خداداد نے اُنہیں تسلّی دی کہ اب وہ ملعون میرے ہاتھ سے مارا گیا ہے تم اطمینان رکھو اور باہر آؤ۔ پھر دونوں نے ملکے اُن سب کی زنجیریں اُتاریں اور اُنہیں باہر نکال کر ہوا میں لائے۔ روشنی میں خداداد کی نظر اپنے گمشدہ بھائیوں پر پڑگئی۔ اور اُنہیں پاکر وہ بہت خوش ہوا۔ ہر ایک کو گلے لگا کے باقی قیدیوں سے الگ کیا اور یہ دیکھکر اُسے اور بھی مسرّت ہوئی کہ اُن میں سے کسی کا نقصان بھی نہیں ہوا تھا وہ بی بی بھی یہ حال دیکھکر بہت خوش ہوئی۔ پھر خداداد نے اُس مکان کے سامان سے سب قیدیوں کی دعوت کی اور ہر ایک کو برابر برابر حصّہ دیکر وداع کرنے لگا۔ مگر وہ حیران تھا کہ اس لق و دق جنگل سے وہ پیدل کیسے نکل سکینگے۔ لیکن سب نے کہا ہمارے ساتھ ہمارے اونٹ بھی تھے۔ جو ممکن ہے کہ اصطبل میں ہونگے۔ غرض وہ اصطبل میں گئے اور سب کے اونٹوں کو بحفاظت بند ہا پایا۔ شہزادوں کے اُنچاس گھوڑے بھی وہیں موجود تھے اور اُن مویشیوں کی خدمت پر کئی حبشی غلام متعین تھے۔ اُنہوں نے اسیروں کو جب چھوٹا ہوا پایا۔ سمجھے کہ دیو مارا گیا۔ اسلئے بھی توڑ کر وہ بھی جنگل کو بھاگے مگر کسی نے اُنکا تعاقب نہ کیا۔ اسکے بعد اسیروں کے شہزادوں کے سوا باقی سب لوگوں نے اپنی اپنی راہ لی۔ اور خداداد اُس بی بی سے مخاطب ہوکر بولا۔ بہتا ہے۔ بتلیئے۔ اب آپ کو کہاں پہنچایا جائے۔ اور آپ کا وطن کونسا ہے۔ اُس نے جواب دیا۔ میرا وطن مصر ہے اور میرا باپ وہاں کا حکمران تھا۔ مگر بے خبری میں ایک ظالم نے

اُسکی صورت دیکھکر ڈرا اور دُعا مانگی - الٰہی! تو ہی ہے جو مجھے اس دیو پر فتح بخشے - پھر تلوار نکال بڑی دلاوری سے حبشی کا انتظار کرنے لگا جب وہ قریب آیا - شہزادے کو نہایت ضعیف

تصویر شہزادہ خداداد کی حبشی مردم خوار سے لڑنے اور شہزادی کی کھڑکی سے دیکھنے کی



سمجھکر زندہ پکڑ لینا چاہتا تھا - کہ خداداد نے فوراً تلوار کا ایک ہاتھ دیا جو اس کی ران پر پڑا وہ بھی تلملا اُٹھا اور جواب میں تیغ کا وار کیا - خداداد اگر اپنی چستی سے اُس وار کو خالی نہ دیتا تو گھوڑے سمیت کھیرے کی طرح چر گیا ہوتا - مگر اُسنے بڑی پھرتی سے اس مردم خور زنگی کو حیران کر دیا - پھر فوراً تلوار کا ایک وار اس شان سے اپنے حریف پر کیا - کہ تیغ سمیت اُسکا دہنا ہاتھ کٹ کے زمین پر جا رہا - شہزادے نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور دوسرے ہاتھ میں اُسکا سر بھٹے سا اڑا کر پرے پھینک دیا - وہ بی بی کھڑکی سے یہ حال دیکھ رہی تھی - جب حبشی کی لاش کو زمین پر لوٹتے دیکھا تو اچھل پڑی اور پکار کر شاباش دی - پھر کہنے لگی اس مردود کی جیب سے کنجیاں

سے شکار کے لئے ایکدن کی چھٹی مانگی۔ وہ غریب انکے ارادے سے واقف نہ تھا۔ اس لئے فوراً منظور کر لیا۔ اور شہزادے شہر سے باہر چلے گئے۔ تین دن گذر گئے۔ انکے آنیکا کوئی پتہ نہ ملا۔ خداداد کو بڑا فکر ہوا۔ اتفاق سے بادشاہ بھی پوچھ بیٹھا۔ کہ شہزادے کئی دن سے دیکھنے میں نہیں آئے۔ خداداد نے جواب دیا۔ حضور! پرسوں مجھ سے ایکدن کی چھٹی لیکر شکار کھیلنے گئے تھے۔ مگر میں خود حیران ہوں کہ کیوں ابھی تک واپس نہیں لوٹے۔ بادشاہ بڑا خفا ہوا۔ اور بولا۔ اگر تم ان کے ساتھ چلے جاتے تو کیا تمہارے پاؤں کی مہندی اتر جاتی اب تمہارے حق میں یہی بہتر ہے کہ اسیوقت جاؤ اور جہاں سے ملیں ڈھونڈ کے لاؤ۔ خداداد بادل غمگیں وہاں سے نکلا۔ اور گھوڑے پر سوار ہو کر جنگل کی طرف روانہ ہوا۔ یہ ارادہ کرکے کہ اگر شہزادے نہ ملے تو میں بھی شہر میں قدم نہ رکھوں گا۔ غرض صحرا بصحرا پھرتے پھرتے اسکا گذر اتفاق سے ایک سبزہ زار کے قریب ہو گیا۔ جو ایک چٹیل میدان کے درمیان واقع تھا اسے بڑی حیرانی ہوئی۔ پھر غور سے دیکھا تو وہاں ایک محل سنگ سیاہ کا بنا ہوا بھی پایا۔ خداداد آگے بڑھکر محل کے پاس گیا۔ اور محل کی ایک کھڑکی میں ایک حسینہ کو پریشان حال دیکھکر اور بھی حیران ہوا۔ خداداد کو محل کے پاس کھڑا پاکر وہ حسینہ بولی۔ اے جوان یہ جگہ نہایت خوفناک ہے۔ خدا کے لئے یہاں سے جلد بھاگ جا۔ ورنہ ابھی ایک ظالم ہاتھ تجھے شکار کر لیگا مالک اس مکان کا ایک مردم خوار دیو ہیکل حبشی ہے۔ جو اجل رسیدہ اسے ملجاتا ہے اسے وہ اپنا لقمہ بنا لیتا ہے۔ یہ سنکر خداداد بولا۔ بی بی! تم کہاں کی رہنے والی ہو اور کون ہو؟ جواب میں وہ عورت بولی۔ میں مصر کے ایک جلیل القدر خاندان سے ہوں۔ بغداد کو جا رہی تھی۔ اتفاقاً ادھر سے گذر ہو گیا۔ اور اس غول بیابانی نے ہمیں دیکھ لیا۔ میرے سب نوکروں کو مار ڈالا۔ اور مجھے قید کر کے مجھ سے وصال کا آرزومند ہے۔ مگر اس وقت تک میں نے اپنے تئیں اس ناپاک کے ہاتھ سے بچائے رکھا ہے۔ اگر آج اسکا کہنا نہ مانونگی۔ تو یقیناً مجھے ہلاک کر ڈالیگا۔ مگر تم تو ابھی یہاں کھڑے ہو۔ بھاگو! بھاگو! دیکھو!!! وہ ظالم آ رہا ہوگا۔ جانپر بنجائیگی۔ تو کیا فائدہ ہوگا ابھی وہ بی بی انہی باتوں میں تھی کہ وہ حبشی بھی آ نمودار ہوا وہ ایک غول بیابانی تھا۔ نہایت جسیم اور ہیبتناک صورت۔ ایک قوی ترکی گھوڑی پر سوار بھاری تیغا کمر میں لٹکائے چلا آتا تھا۔ خداداد

حتیٰ کہ اٹھارھویں سال میں اُسے حسن و جمال اور قوت و کمال کا شہرہ چار سُو میں پھیل گیا۔ ایکدن اُسنے سنا کہ اُسکے باپ کے کسی دشمن ملک ہیرن پر حملہ آور ہو کر اُسے قبضے میں لانا چاہتے ہیں فوراً اپنی ماں کے پاس گیا اور عرض کی۔ کہ اگر آپ مجھے اجازت دیں۔ تو جا کر اپنے باپ کے دشمنوں کا قلع قمع کروں۔ ماں نے جواب دیا۔ اگرچہ بیٹے تمہاری جُدائی گوارا نہیں ہے۔ تاہم ایسے موقع پر تمہارا جانا ہی ضروری ہے۔ لیکن شہزادہ سمیر نے اجازت نہ دی۔ ناچار وہ کسی دن کے بعد شکار کے بہانے ایک عربی گھوڑا۔ جوہر دار تلوار اور ترکش و کمان لیکر ملک ہیرن کو چل پڑا۔ اور وہاں پہنچکر بادشاہ کی خدمت میں اپنے تئیں پیش کیا۔ بادشاہ اُس کے قد و قامت اور حسن و جمال کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور حسب و نسب کا حال پوچھا۔ خداداد نے جواب دیا حضور میرا گھر قاہرہ میں ہے۔ وہاں کے ایک امیر کبیر کا لڑکا ہوں۔ بشوق سیاحت گھومتا گھومتا آپ کے شہر میں آگیا ہوں۔ اور ملازمت کا امیدوار ہوں۔ بادشاہ نے فوج میں ایک معزز مرتبہ عطا فرمایا۔ اور شہزادے نے فوج کا چارج لیکر ہر شخص سے ایسا اچھا سلوک کیا۔ کہ سپاہی لوگ اُس کے گردیدہ ہو گئے۔ پھر آہستہ آہستہ فوج کو آئین فوج کی تعلیم دیکر آراستہ پیراستہ کر دیا۔ حتیٰ کہ اردگرد کے بادشاہ ملک ہیرن کی فوج کی تیاری سنکر اپنے ارادوں سے باز رہے۔ پھر تو بادشاہ کے دل میں اسکی عزت اور بھی بڑھ گئی۔ اور اُسے سپہ سالاری کا عہدہ عطا کر کے اپنے معزز مصاحبوں میں شریک کر لیا۔ اُسکے علاوہ دونو نئی سے نئی عنایت کرتا حتیٰ کہ شہزادے بھی اُس سے رشک کھانے لگ گئے۔ ایکدن بادشاہ نے اُسکی قابلیت سے مسرور ہو کر شہزادوں کو تعلیم و تربیت کے لئے اُسکے سپرد کیا۔ شہزادے حسد سے جلکر کباب ہو گئے اور آپسمیں صلاح کر لی کہ اس اجنبی کو یہاں سے ذلیل کرا کے نکلوائیں۔ عجب بات ہے۔ ایک نے کہا آؤ! اسے کسی دن موقع پاکر قتل کروا لیں مگر دوسرا بولا۔ نہیں۔ اس طرح سے ہم بادشاہ کے مورد الزام بنینگے۔ بہتر یہ ہے کہ ایکدن اس سے شکار کی اجازت لیکر کسی دور دراز شہر میں جاویں اور پھر دیر تک وہاں سے نہ لوٹیں بادشاہ کو جب ہماری جُدائی ناگوار گذریگی۔ وہ آپ ہی خفا ہو کر اسے نکلوا دیگا یا مروا ڈالیگا۔ پھر ہم واپس آجاینگے۔ یہ سنکر سب نے اتفاق رائے ظاہر کیا۔ اور اگلے دن انہوں نے خداداد

زندگی بسر کرتا رہا۔ شہرزادے نے یہ حکایت ختم کرکے دینازاد کے کہنے پر خداداد اور دریابار کی داستان سنانی شروع کی ٭

شہزادہ خداداد اور شہزادی دریابار کی داستان

جناب عالی! شہر ہیرن کا ایک شہریار ملک و مال کی طرف سے مرفہ الحال مگر اولاد کی طرف سے سخت مایوس تھا۔ اگرچہ اُس کے محل میں پچاس بی بیاں تھیں۔ لیکن بیٹا یا بیٹی کسی سے نہ ہوئی تھی وہ ہمیشہ دست بدعا رہتا۔ آخر ایک رات خواب میں دیکھا کہ کوئی مرد بزرگ کہہ رہا ہے۔ اے بادشاہ تیری دعا قبول ہوئی۔ صبح کو اٹھکے جب نماز سے فراغت پالے۔ پائیں باغ کے مالی سے ایک انار منگا کے اسکے پچاس دانے کھا لیجیو۔ انشاءاللہ تو اپنے مقصد کو پہنچیگا۔ بادشاہ یہ خواب دیکھ کے بڑا مسرور ہوا۔ اور حسب ہدایت نماز پڑھ کے ایک انار منگایا۔ پھر اُن کے پچاس دانے کھا لیے اور باری باری سے رات کو اپنی بی بیوں کے پاس جانے لگا۔ قدرت خدا سے سب کی سب حاملہ ہوگئیں۔ مگر ایک کو جس کا نام فیروزہ تھا حمل کا کوئی نشان ظاہر نہ ہوا۔ بادشاہ نے سمجھا وہ بانجھ ہے اور پرلے درجے کی منحوس۔ اسلئے اُسے قتل کرا دینا چاہیئے۔ مگر وزیر نے سمجھا سمجھا کر بادشاہ کو اُس کے قتل سے باز رکھا۔ بادشاہ نے کہا اچھا اگر تم اُس کے قتل کے خلاف ہو تو کم از کم اُسے شہر سے ضرور نکال دو۔ وزیر نے رائے دی۔ ہاں! یہ ٹھیک ہے اسے اپنے بھتیجے شہزادہ سمیر کے پاس بھیج دیجیئے۔ بادشاہ نے وزیر کی رائے پر عمل کرکے فیروزہ کو شہزادہ سمیر کے شہر میں بھیج دیا۔ اور لکھا۔ کہ جب اس کا حمل ظاہر ہو یا اُسکے کوئی بچہ پیدا ہو تو ہمیں فوراً اطلاع دینا۔ غرض فیروزہ کے ہاں پورے مہینوں کے بعد ایک چاند سا بیٹا جنی۔ شہزادہ سمیر نے فوراً بادشاہ کو مژدہ سنایا اور مبارکباد کہلا بھیجی۔ اس کے جواب میں بادشاہ نے مسرت ظاہر کی اور لکھا۔ کہ باقی بیگمات کے ہاں بھی خدا تعالےٰ نے بیٹے عنایت کئے ہیں۔ تم اُس لڑکے کا نام خداداد رکھو اور اسکی رسومات کیلئے جو کچھ درکار ہو لکھو۔ یہاں سے بھیج دیا جائے۔ غرض شہزادہ سمیر نے خداداد کی تربیت میں بڑی کوشش کی۔ اور جب وہ چلنے پھرنے لگا۔ لائق فائق استاد نوکر رکھ کر اسے ہر علم و فن کی تعلیم دلائی

شہزادہ زین سے بولا - اب تم اپنے گھر کو چلے جاؤ - وہیں تہ خانہ میں تم نویں تصویر پاؤ گے - غرض
شہزادہ زین رخصت ہو کر پھر بصرے میں آیا - مگر وزیر زادی کے فراق میں اُسے سب کچھ بھولا ہوا
تھا - ارکین دربار اُسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور ماں نے بھی بلائیں لیں - پھر اس نے
ماں سے سارا قصہ سُنا دیا - ماں نے جواب دیا - اب چلو اس تہ خانہ کو دیکھیں - شاہِ جنات
نے جو وعدہ کیا تھا امید ہے اُسے ضرور پورا کیا ہوگا - شہزادہ زین اگرچہ وزیر زادی کے خیال میں
اُس تصویر کی یاد بھلا بیٹھا تھا مگر ماں کے کہنے سُننے سے آخر اس تہ خانے میں اترا اور نویں پیلپائے
پر بجائے کسی الماس کی تصویر کے اسی بی بی کو بیٹھے پایا جسے وہ شاہِ جنات کے پیش کر آیا تھا - اُسے
پہچان کر وہ بڑا حیران ہوا - کہ یہ یہاں کیسے آگئی - وزیر زادی اُسے ششدر پاکر بولی معلوم ہوتا ہے
آپ یہاں مجھ سے کسی اچھی چیز کے پانے کیلئے آئے تھے اور اب اُسے نہ پاکر آپ حیران ہو رہے ہیں
شہزادہ بولا - خدا گواہ ہے - میری پیاری! کہ تمہارے فراق میں جس طرح میرے یہ دن گذرے
ہیں - میں تو ہرگز نہ چاہتا تھا کہ تمہیں شاہِ جنات کے پیش کروں - مگر میرا ساتھی مجھے ڈراتا تھا
کہ اگر میں شاہِ جنات کا وعدہ پورا نہیں کرونگا تو وہ مجھے مار ڈالیگا - ناچار جبراً و قہراً تمہیں
بادشاہ کو دے آیا - اب یہاں تمہیں پاکر گویا مجھے نعمت غیر مترقبہ مل گئی ہے - جس کے لئے
میں اپنے تئیں نہایت خوش پاکر حیران ہو رہا ہوں اور تم مجھے ان جیسی ہزار ہا تصویروں سے
بڑھ کر ہو - اتنے میں رعد کی سی آواز سنائی دی اور تہ خانہ لرزنے لگا - شہزادے کی والدہ ڈر گئی
اتنے میں شاہِ جنات آدمی کی شکل میں آ حاضر ہوا اور ملکہ کو مخاطب کرکے بولا ملکہ میں تمہارے بیٹے
کو بہت محبت کرتا ہوں اور جب مجھے معلوم ہوا کہ وہ اس نازنین کو محبت کرتا ہے - نیز یہ بھی اسیر
عاشق ہے اور وہ محض وعدہ ایفائی کے لئے اسے مجھے دے آیا ہے تو میں نے اسے یہاں پہنچنے
سے پہلے اس بی بی کو یہاں پہنچا دیا - اب یہ بی بی اسے مبارک ہو - اور زین! سُنو تم نے اگر
کوئی اور بی بی کرکے اسے آزردہ کیا - تو آپ جان سے ہاتھ دھو گے بلکہ ہر طرح سے اس کی
خاطرداری منظور رکھو - یہ کہکر الماس کی نویں تصویر بھی اُسے عنایت کی اور جدھر سے آیا
تھا اُدھر ہی غائب ہو گیا - پھر تہ خانہ سے باہر نکلکر مکرر دونو کا نکاح پڑھا گیا اور سارے ملک
میں وزیر زادی کے ملکہ بصرہ ہونے کی منادی کیگئی - یہ جوڑا دیر تک عیش و عشرت میں

کرینگے تو وہ کبھی آپ کا سوال رد نہ کریگا - غرض زین کو ساتھ لیکے موذن وزیر کے گھر گیا اور وزیر نے شہزادے کی عالی خاندانی کا حال سنکر اپنی لڑکی کی شادی اس سے کرنا منظور کر لیا پھر لڑکی کو اجازت دی - کہ ایکدفعہ برقعہ اتار کر شہزادے کے سامنے آجائے - جب وزیرزادی لباس فاخرہ پہنکر آئی اور شہزادے کے سامنے سے نقاب اٹھایا - شاہزادہ ہزار جان سے اسیر فریفتہ ہوگیا - آئینہ دکھایا - تو اس میں بھی وزیرزادی کی صورت جوں کی توں دکھائی دی - اب تو اسکی نیت بگڑ گئی اور دل میں ارادہ کر لیا کہ جو ہو سو ہو - میں اسے اپنے عقد میں لاؤنگا - جب ہر طرح سے تسلی ہوگئی وزیر نے قاضی اور گواہوں کو بلوا کے دونوں کا نکاح پڑھوا دیا اور تین دن تک شہزادے کو اپنے گھر مہمان رکھ کے بڑے تکلف سے دعوت دی اور لاکھوں کا جہیز دیکے چوتھے دن رخصت کیا - پھر مبارک نے کہا اب یہاں رہنا فضول ہے قاہرہ چلو اور جو اقرار تم شاہ جنات سے کر آئے ہو اسے پورا کرو - زین بولا - میں تو خود اس عروس پر عاشق ہوں - بادشاہ کو کیسے دونگا - مبارک بولا - زنہار اس خیال کو کبھی دل میں راہ نہ دو - ورنہ لینے کے دینے پڑجائینگے - زین نے دل سخت کرکے کہا - تو پھر تم اسے میری آنکھوں سے اوجھل کرلو - ورنہ میں مجبور رہونگا - مبارک نے مناسب انتظام جھٹ پٹ کردیا - اور سارا قافلہ قاہرے کی طرف چل پڑا اور وہاں سے راہ جزیرہ جنات کی لی - راستے میں وزیرزادی نے مبارک سے کہا - ابھی تک میرے شوہر کا ملک نہیں آیا؟ اور روز عقد کے بعد آجتک اپنے شوہر کی صورت بھی مجھے نظر نہیں آئی - اسکا کیا سبب ہے - مبارک نے اب بات کو چھپا رکھنا جائز نہ سمجھا - اور جواب دیا - بی بی! سچ تو یہ ہے کہ شہزادے نے اپنا نکاح تمہارے ساتھ پھرنے جانے کیلئے نہیں پڑھوایا تھا - بلکہ وہ تمہیں شاہِ جنات کے پیش کرنے کے لئے بغداد سے لایا ہے - جس سے اسنے ایسا وعدہ کیا تھا - اور اب تم اسے کبھی نہ دیکھ سکوگی - یہ کلام سنکر وزیرزادی بہت گھبرائی اور بولی - لوگو! میں بیکس ہوں مجھ پر رحم کرو - حشر کے دن خدا کو کیا جواب دوگے - یہ سنکر دونوں کو رحم تو آیا - مگر ع

کون سنتا ہے فغانِ درویش ٭ قہرِ درویش بجانِ درویش

اسی حالت میں وہ اسے کشاں کشاں شاہِ جنات کے پاس لیگئے - جسنے لڑکی کو پسند کیا اور

خلیفہ کو بھی یہ خبر پہنچ گئی۔ تو جانتے ہو اُسکے ساتھ ہمیں اور آپ کو بھی سنگسار کیا جائیگا۔ کہو کیوں تم نے اطلاع نہیں دی تھی۔ ایسے شخص سے ہمیں بچنا چاہئے اور کوتوال کو خبر دینی چاہئے۔ تاکہ کل کو ہم پر کوئی حرف نہ آسکے۔ سب نے اُسکی رائے کی تاکید کی۔ اور اُٹھ کے گھروں کو چلے گئے۔ موذن بھی گھر آیا اور دل میں صلاح کرنے لگا کہ کل جھگڑا ہوگا۔ دیکھوں تو بچہ جی کی سخاوت کہاں تک باقی ہے۔ اتفاقاً اُس کی شام والی تقریر میں سنکر بھی بیٹھا ہوا تھا۔ جب وہ مکان میں آیا۔ پانسو اشرفیاں اور کچھ تھان کپڑے کے لیکر موذن کے گھر گیا۔ دروازے پر دستک دی تو موذن نے بڑی کرخت آواز میں جواب دیا۔ یہاں تیرا کیا کام ہے؟ مبارک بولا میرا شہزادہ یہاں تازہ وارد مسافر ہے اور آپ اسکے محلے میں آکے ٹھہرا ہے۔ اُسے آپ کی نیک خصائل کا بڑا شکریہ اور خوشی ہوئی ہے اور مجھے یہ حقیر ہدیہ دیکر بھیجا ہے کہ میں آپ کی خدمت میں شوق دیدار کا اظہار کروں۔ یہ کہکر اشرفیوں کی تھیلی اور وہ ریشمی تھان موذن کے سامنے رکھدیئے۔ موذن کی جسنے عمر بھر میں کبھی اتنا مال نہ دیکھا تھا۔ آنکھیں کھل گئیں اور نہایت خوش ہو کر مبارک سے کہنے لگا۔ اپنے آقا کو میرا سلام نیاز پہونچا کر کہیو اور معذرت کیجیو کہ بدقسمتی کے سبب میں خدمت میں نہ حاضر ہو سکنے سے شرمندہ ہوں۔ انشاءاللہ کل فجر کو آؤنگا۔ جب صبح ہوئی۔ مراد نے نماز پڑھ کے نمازیوں سے کہا کہ کل جس شخص کا حال تم سے بیان کیا تھا۔ رات مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ ایک عالی خاندان شہزادہ ہے اسلئے ابھی اُس کی کوئی شکایت تم لوگوں کو کوتوال سے نہ کرنی چاہئے۔ سب نے کہا بہت اچھا غرض نمازیوں کو شہزادہ زین کی طرف سے صاف کر کے وہ گھر آیا اور بے تکلف لباس پہن کر سیدھا شہزادے کی ملاقات کے لئے گیا۔ زین نے اسکی بڑی خاطر داری کی۔ مراد خوش ہو گیا اور پوچھنے لگا آپکا بغداد میں آنے سے کیا مقصود ہے۔ شہزادے نے جواب دیا مجھے ایک پندرہ سالہ حسین اور صاحب عصمت لڑکی چاہئے۔ مراد نے سوچ سوچ کر جواب دیا۔ ایسی لڑکی کا بغداد میں ملنا اگرچہ محال ہے تاہم میں آپ کو ایک جگہ بتا دیتا ہوں۔ لڑکی کا باپ پہلے وزیر تھا اب وہ گوشہ نشین ہے۔ اُسنے اپنی لڑکی کو دینی علوم اور فرائض کی کامل طور پر تعلیم و تربیت دی ہے۔ یقیناً وہ لڑکی آپ کے حسب مراد ہوگی۔ اگر آپ اسکے لئے وزیر سے درخواست

اور وہ یہ ہے کہ اب تم یہاں سے جاؤ اور میرے لئے ایک پندرہ سالہ صاحب عصمت باکرہ نازنین تلاش کر لاؤ۔ لیکن خبردار کسیکے ساتھ کوئی اور ارادہ نہ کرنا۔ زین بولا۔ اور تو خیر اگر میں کیسے معلوم کر سکوں گا۔ کہ وہ صاحب عصمت بھی ہے۔ شاہ جنات مسکرا کر بولا۔ تم نے سچ کہا۔ یہ علم خدائے پاک نے بنی آدم کو نہیں دیا۔ بلکہ ہم لوگ بھی اس سے محروم ہیں۔ تاہم میں تمہیں ایک آئینہ دیتا ہوں۔ اسمیں سے جس لڑکی کی شکل جوں کی توں نظر آئے وہی پاک دامن ہوگی۔ غرض تم بہت آسانی کے ساتھ اسکے ذریعے سے پہچان کر سکو گے۔ لیکن خیال رکھنا۔ اگر تم نے وعدہ ایفائی نہ کی تو جان سے جاؤ گے۔ زین نے اقرار کو تازہ کیا۔ اور شاہ جنات سے آئینہ لیکر دونو رخصت ہوئے۔ جب ندی کے کنارے پر پہنچے۔ وہی ملاح دکھائی دیا کہ کشتی لئے تیار کھڑا ہے۔ دونو اُسکی کشتی پر سوار ہوکر پار اتر گئے اور آگے بڑھکر اپنے ساتھیوں کو ہمراہ لے قاہرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور وہاں پہنچکر زین نے چند روز آرام لیا اور پھر خدمت طلب کی۔ مبارک نے جواب دیا یہاں کیا حسین لڑکیوں کی کمی ہے۔ زین بولا۔ مگر مجھے کیا معلوم؟ کہ ایسی لڑکی کہاں سے ڈھونڈنی چاہیے۔ مبارک نے ایک بڑھیا دلالہ کو بلوایا اور اُسنے چند ہی روز کے اندر بیشمار پندرہ سالہ حسین و نازنین لڑکیاں حاضر کیں۔ مگر زین جسکی شکل آئینے میں سے دیکھتا۔ آئینہ مکدر ہو جاتا۔ ناچار دونو بغداد کی طرف روانہ ہوئے۔ اور ایک محلے میں ایک عالیشان حویلی کرائے پر لیکر امیرانہ بسر کرنے لگے۔ اُنکا دسترخوان ہر وقت بچھا رہتا۔ اور محتاج و مساکین پر جود و سخا کا دروازہ کھلا رکھتے۔ حتی کہ تھوڑے ہی دنوں میں بغداد بھر میں اُنکی سخاوت کی دھوم مچگئی۔ اتفاقاً اُس محلے میں مراد نامی ایک مؤذن بھی رہتا تھا۔ جو بڑے آدمیوں اور تونگروں کا سخت حاسد تھا۔ زین الاصنام کی سخاوت کا شہرہ اُسے ایک آنکھ نہ بھایا۔ اور سخت غمگین ہوکر اُسکی بیخکنی کی تجاویز سوچنے لگا۔ ایکدن نماز مغرب کے بعد محلے کی مسجد میں بیٹھکر محلہ داروں سے مخاطب ہوا۔ دوستو! آپنے سُنا ہے۔ کہ ہمارے محلہ میں ایک شخص نیا آکے بسا ہے۔ جسکے جود و سخا کی ہر شخص تعریف کرتا ہے۔ سُنتا ہوں کہ وہ ہر روز ہزاروں روپے یوں ہی صرف کر دیتا ہے۔ مگر مجھے اس میں کچھ گڑبڑ دکھائی دیتی ہے۔ ممکن ہے یہ شخص کوئی راہزن ہو۔ جو اس طرح سے اس آباد شہر میں ساکھ جما کر کسی بڑے آدمی کو لوٹنا چاہتا ہو۔ اگر

اٹھی۔ اور چاروں طرف سے ہولناک آوازیں آنے لگیں۔ طوفان دمبدم ترقی پر تھا۔ گویا قیامت آنیوالی ہے۔ زین گھبرا گیا۔ مبارک نے مسکرا کر کہا۔ شہزادے گھبراؤ نہیں۔ مطلع ابھی صاف ہوتا ہے۔ غرض وہ طوفان پھر گھٹنا شروع ہوا حتیٰ کہ آسمان حق پرستوں کے دل کی طرح صاف شفاف دکھائی دینے لگا۔ اور شاہِ جنات آدمی کی صورت میں نظر آیا۔ زین نے اسکی صورت دیکھتے ہی زمین پر سر جھکا دیا۔ شاہِ جنات مسکراتا ہوا آگے بڑھا۔ اور کہنے لگا۔ بیٹا! مجھے تمہارا مقصد معلوم ہے بلکہ خواب میں بھی مینے تمہیں اس تہ خانہ کا پتہ بتایا تھا اور اس نویں مورت کی عبارت بھی تمہارے باپ کے کہکر مینے ہی لکھوائی تھی۔ کیونکہ مینے تمہارے باپ سے اقرار کیا تھا کہ نویں تصویر تمہارے بیٹے کو دونگا۔ خاطر جمع رکھو۔ تم ضرور اپنے مطلب کو پہنچو گے۔ مگر پہلے میرا ایک کام کرنیکا وعدہ کرو اور قسم کھاؤ۔ زین نے جواب دیا۔ اگر وہ کام میرے بس کا ہوگا تو میں اسکے کرنیکا وعدہ کرتا اور قسم کھاتا ہوں۔ شاہِ جنات بولا ہاں! تم اسے آسانی انجام دے سکو گے

تصویر بادشاہ جنات کی آدمی کی شکل بنکر آنے کی



کی ایک کشتی آتی ہوئی دکھائی دی جسکا بادبان شبلی ساٹن کا تھا اور اسپر ایک نہایت عجیب شکل کا ملاح سوار تھا۔ کنارے پر پہنچکر اس ملاح نے باری باری دونوں کو کشتی پر سوار کیا اور چشم زدن میں دونوں کو پار لیجاکے اتار دیا۔ پھر کشتی غائب ہو گئی۔ مبارک بولا۔ اس وقت ہم جس زمین پر کھڑے ہیں یہ شاہ جنات کا جزیرہ ہے۔ اور دنیا کا کوئی قطعہ اسکی برابری نہیں کر سکتا۔ زین الاصنام وہاں کی سیر سے نہایت محظوظ ہوا۔ آخر دونو چلتے چلتے ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے شاہ جنات کا قلعہ دکھائی دیتا تھا جو بالکل زمرد کا بنا ہوا تھا اور اسکے ارد گرد ایک عمیق اور وسیع خندق کھدی ہوئی تھی۔ خندق کے بیرونی کنارے پر گنجان درخت کھڑے تھے اور اوپر سیب کا ایک خوبصورت پل لگا ہوا تھا۔ جس کے دونوں طرف چوکی پہرے کا خاص انتظام تھا۔ مبارک وہیں بیٹھ گیا اور زین سے کہنے لگا۔ اگر ہم ذرا بھی آگے بڑھیں تو پہرہ دار جن فوراً ہمارا خاتمہ کر دینگے۔ لیکن ہم شاہ جنات کو یہیں کیوں نہ بلوالیں جسکے پاس وہ نوین تصویر ہے جو تمہیں مطلوب ہے۔ یہ سنکر زین بھی اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ پھر مبارک نے چار بند زردوز جیبے کے اپنی تھیلی سے نکالے۔ ایک کمر میں لپیٹ لیا۔ اور دوسرا پشت پر ڈال لیا اور اسیطرح باقی کے دو زین نے اوڑھ لئے۔ اسکے بعد مبارک نے دو چادریں بچھائیں جس پر سنگ فرش کی جگہ قیمتی خوشبوئیاں مشک اور عنبر جیسی رکھیں اور دونو بیٹھ گئے۔ مبارک نے زین کو سمجھا دیا کہ شاہ جنات کو بلانے کے لئے اب میں افسون پڑھنا شروع کرونگا۔ اگر وہ ہمارے آنے سے ناخوش ہوا تو سخت ہیبناک شکل میں آئیگا۔ لیکن اگر اسنے ناراضی نہ ظاہر کی تو آدمی کی خوشنما شکل میں ظاہر ہوگا۔ تم اسے دیکھتے ہی تعظیم بجالانا۔ مگر دیکھنا۔ چادر سے ہرگز جدا نہ ہونا۔ ورنہ فوراً مارے جاؤگے۔ اس حالت میں ڈرنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ بلکہ اس کی خدمت میں عرض کرنا کہ اے شاہ جنات! میرا باپ جو قدیم سے آپ کا خادم تھا وہ مرگیا۔ امیدوار ہوں کہ جو عنایت اسپر تھی۔ اب مجھ پر مبذول ہو۔ وہ پوچھیگا کہ تم کس بات کی طرف اشارہ کرتے ہو۔ تم نے فوراً کہنا کہ وہ نوین تصویر الماس کی مجھے عنایت ہو۔ غرض مبارک افسون پڑھنے لگا۔ فوراً تاریکی چھا گئی۔ بجلی چمکنے لگی اور بادل کی گرج اس زور سے سنائی دی۔ کہ زین کانپ

ڈر و لگا - غرض مبارک نے اُسے ثابت قدم پاکر غلاموں کو سفر کی تیاری کا حکم دیا - اور
دوسرے دن نماز سے فراغت پاکر روانہ ہوئے - راستے میں عجائبات قدرت کا ملاحظہ
کرتے ایک دشوار گذار راستے میں پہنچے - مبارک نے باقی سب ہمراہیوں کو وہیں چھوڑ کر تاکید
کی کہ ہمارے آنے کے منتظر ہو - اور زین کو ساتھ لیکے پیدل آگے قدم بڑھایا اور بولا - اب
ہم اس جگہ کے قریب آگئے ہیں - لیکن آپ کسی امر عجیب کو دیکھکر ڈرئے گا نہیں - اتنے

تصویر کشتی کی مع ملاح عجیب کے اور مبارک اور زین کا اس پر سوار ہونا



میں وہ ایک دریا کے کنارے آپہنچے - وہاں ٹھیکر مبارک بولا - اب ہمارے لینے کے لئے
ایک کشتی آئیگی جسپر ایک عجیب و غریب شکل کا ملاح سوار ہوگا - تم اُسے دیکھکر نہ تو ڈریو
اور نہ اس سے کوئی کلام کریو - ورنہ ہم دو تو سمندر میں ڈوب جائینگے - زین نے کہا بہت
اچھا - پھر مبارک نے کچھ پڑھنا شروع کیا اور چند منٹ نہ گذرے ہونگے کہ دور سے صندل

ہو چکے ہیں۔ آپ کی عمر کیا ہوگی۔ زین نے جواب دیا۔ میری عمر بیس سال کی ہے۔ تم نے مجھے کیسے دیکھا تھا۔ مبارک نے کہا۔ مگر مجھے کیسے یقین ہو سکے جب تک کوئی خاص نشان نہ بتاؤ۔ زین نے اسکے جواب میں اس تہ خانہ کی حقیقت شادی رجبکی وصیت کے بموجب وہ قاہرہ میں آیا تھا۔ یہ سنکر مبارک نے دو زانو ہو بیٹھے ادب سے عرض کیا اور بولا۔ فی الواقع تم شاہ بصرہ کے فرزند ہو۔ اب مجھے یقین آگیا۔ مگر قبل اسکے کہ ہم منزل مقصود کے لئے روانہ ہوں آپ چند روز یہیں آرام کریں۔ آج میرے ہاں امرائے شہر کی دعوت تھی اور میں دعوت سے اٹھکے آیا تھا چلیئے وہاں چلکے پہلے کھانا کھا لیجئے۔ پھر اور باتیں ہونگی۔ یہ کہکر زین کو ہمراہ لیا اور صدر میں جا بٹھایا۔ آپ نہایت آداب سے اسکے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ حاضرین یہ عجیب بات دیکھکر باہم سرگوشیاں کرنے لگ گئے کہ یہ اجنبی نوجوان کون تھا جس کی خدمت میں مبارک غلاموں کی طرح کھڑا ہے۔ جب کھانے سے فراغت ہو چکی۔ مبارک نے اٹھکر جماعت کو مخاطب کیا۔ اور بولا میری خدمتگذاری پر جو اس اجنبی جوان کی نسبت مجھ سے ظاہر ہوئی ہے آپ حیران ہونگے۔ مگر جب آپ میری سرگذشت سنیگے آپ کا تعجب دور ہو جائیگا۔ یہ نوجوان شاہ بصرہ کا بیٹا ہے جسنے مجھے دام دیکے خرید کیا تھا اور قبل اسکے کہ میں آزاد ہوں وہ وفات پا گیا۔ اب میری جان و مال سب اسکی دولت ہے۔ کیونکہ یہی اس بادشاہ عالیجاہ کا وارث ہے۔ زین الصنم اس کے جواب میں اٹھکے بولا۔ اے مبارک! میں اس جماعت کو شاہد قرار دیکر تمہیں آجکی تاریخ سے آزاد کرتا ہوں۔ اور سوائے ایک خدمت کے جو میں تھوڑی دیر ہوئی تم پر ظاہر کر چکا ہوں۔ اور کچھ تم سے نہیں چاہتا۔ مبارک آداب بجالایا۔ پھر شراب آئی اور دور چلنے لگا۔ حتیٰ کہ شام پڑ گئی۔ مبارک نے ہر ایک مہمان کو اسکی حیثیت کے مطابق تحائف دیکر رخصت کیا۔ اگلے دن زین نے مبارک سے کہا۔ اب میرا تکان بالکل رفع ہو گیا ہے۔ اور میں یہاں سیر و تماشا کی غرض سے نہیں آیا۔ اسلئے آپ مہربانی کرکے آپ مجھے منزل مقصود پر لے چلیں۔ مبارک نے جواب دیا میں حاضر ہوں لیکن وہ راستہ خطرات مہیب سے بھرا ہوا ہے جو تمہیں برداشت کرنے پڑینگے ورنہ ادھر جانیکا نام بھی نہ لو۔ زین نے جواب دیا تم اطمینان رکھو میں ہر طرح سے تمہاری ہدایات پر عمل کرونگا اور خطرات سے نہیں

تصویر - نو پیلپاؤں کی جنپر تصویریں تھیں



اور فورًا - میں پھر ایکبار قاہرہ جانا چاہتا ہوں - اُمید ہے کہ آپ بھی اجازت دینگی - ملکہ نے بسرعت اجازت دی اور زین الاصنام سامان سفر درست کرکے قاہرہ کو روانہ ہوا - جب بخیریت وہاں پہنچگیا - دریافت کرنے پر معلوم ہوا - کہ مبارک اب اُسی شہر میں سب سے ایک بڑا امیر ہے غرض اُسکے مکان پر پہنچکر اندر اطلاع کرائی - مبارک نے اندر آنے کو کہلا بھیجا - اور غلام اُسے ساتھ لیگیا - زین الاصنام کو دیکھتے ہی مبارک نے بڑے تپاک سے استقبال کیا اور چوکی پر بٹھایا اور - آنے کی وجہ پوچھی - زین نے جواب دیا - کیا تم مجھے نہیں پہچان سکتے - میں شاہ بصرہ کا بیٹا ہوں - مبارک نے جواب دیا - بلاشبہ شاہ بصرہ نے مجھے خرید کیا تھا - مگر مجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ اُس کا کوئی بیٹا بھی تھا - مجھے اس سے جدا ہوئے بائیس سال

جاکے فوراً باپ کے خلوتخانے کو کھودنا شروع کیا۔ جب ایک گز بھر کھود چکا تو تھک کے بیٹھ گیا پھر ہمت کرکے اُٹھا۔ اور ایک کدال سنگ مرمر کی ایک چٹان پر جانے لگی۔ اُس نے پتھر کو وہاں سے سرکایا۔ جس کے نیچے ایک دروازہ دکھائی دیا۔ اُسنے قفل توڑکر دروازہ کھولا تو نیچے ایک زینہ نظر پڑا۔ وہ فوراً شمع جلاکر اندر اُتر گیا۔ جاکے کیا دیکھتا ہے کہ ایک وسیع دالان میں جسکی دیواریں چینی کی اور چھت بلور کی بنی ہوئی ہے۔ چار سیپ کی تپائیاں بچھی ہیں اور ہر تپائی کے دس دس خم سنگ سماق کے چنے ہیں۔ زین نے سمجھا۔ اُنھوں میں پرانی شراب ہوگی۔ مگر جب سرپوش اُٹھایا۔ اُن کو اشرفیوں سے بھرا ہوا پاکر اُسے بہت خوشی ہوئی۔ پھر ایک خم سے مٹھی بھر اشرفیاں نکال لیجاکر ماں کو دکھائیں۔ وہ بھی حیران ہوکر اُس کے ساتھ آئی اور اُن خموں کو اشرفیوں سے پُر دیکھکر کہنے لگی۔ بیٹا! خدانے یہ دولت تمہیں بہت محنت کے بعد دی ہے اسلیئے پہلے کی طرح ضائع نہ گنوا دینا۔ زین نے کہا۔ آپ اطمینان رکھیں اب میں بالکل سدھر گیا ہوں۔ اتنے میں ملکہ کی نظر ایک چھوٹے خم پر پڑی۔ وہ بھی سنگ سماق کا بنا ہوا تھا دونوں نے جاکر اُسکا سرپوش اُٹھایا۔ تو اُس میں سے ایک طلائی چابی نکلی۔ ملکہ نے کہا۔ مگر یہ کسی اور خزانے کی ہے۔ احتیاط سے یہیں کسی دروازے کا پتہ لگاؤ۔ غرض دونوں کھودنے لگے اور آخر تختہ بندی کا ایک دروازہ مقفل پا ہی لیا۔ جب اُسے کھولا۔ ایک اور وسیع مربع مکان دکھائی دیا۔ جس میں نو طلائی پیلپائے کھڑے تھے۔ آٹھ پر تو ایک ایک تصویر انسان کی ایک ایک ٹکڑے الماس سے ترشی ہوئی رکھی تھی۔ جنکی چمک سے سارا مکان روشن ہوتا تھا۔ مگر نواں پیلپایہ خالی تھا۔ صرف سفید ساٹن اُس پر منڈی ہوئی تھی۔ وہ حیران تھا کہ الٰہی! ایسی خوشنما اور بیش قیمت تصاویر میرے باپ کو کہاں سے ملیں۔ اور یہ نواں پیلپایہ کیوں خالی ہے۔ پھر اُس نے غور سے دیکھا تو اُس ساٹن پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔ بیٹا! یہ آٹھوں تصاویر اگرچہ نایاب اور بیش قیمت ہیں۔ مگر نویں اُن سے ہزاروں گنا خوبصورت اور بیش بہا ہے۔ اگر تو اُسے بھی لینا چاہتے تو قاہرہ میں جاکر میرے پرانے غلام مبارک کا پتہ پوچھ لینا۔ وہاں اُس کے نام سے بچہ بچہ آگاہ ہے۔ وہ تجھے میرا بیٹا جانکر ایسی جگہ لیجائیگا۔ جہاں سے وہ تصویر مل سکتی ہے۔ زین نے اپنی ماں کو یہ عبارت دکھائی

کلفتیں رفع ہو جائینگی۔ جب زین الاصنام جاگا۔ اس نے اپنی ماں سے خواب کا حال سنایا۔ وہ بولی۔ صرف خواب پر اعتماد کرکے میں تمہیں اتنے بڑے سفر کی رائے نہیں دے سکتی۔ خواب و خیال کا اعتبار ہی کیا۔ زین نے جواب دیا۔ اکثر خواب راست بھی تو ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں وہ بڈھا متبرک صورت معلوم ہوتا تھا۔ بہرحال مجھے یقین ہے کہ یہ خواب سچا ہوگا۔ اس لئے میں قاہرہ پہنچکر اپنی قسمت آزمائی کرنا چاہتا ہوں۔ اسکی ماں نے بہتیرا سمجھایا۔ مگر وہ مرغ کی ایک ٹانگ ہانکے گیا۔ آخر سلطنت اپنی ماں کے سپرد کرکے خود سامان سفر درست کیا اور قاہرہ کو روانہ ہوا۔ جب بہت سی دقتیں اٹھاکر وہاں پہنچا اور اجنبی ہونے کے سبب ایک مسجد کے دروازے پر رات بسر کرنے کے لئے سو رہا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ وہی مرد پیر پھر کچھ کہہ رہا ہے۔ سنا تو معلوم ہوا۔ وہ کہتا ہے۔ اے زین! مجھے فقط تیرا امتحان مطلوب تھا۔ اب میں تم پر بہت خوش ہوں۔ تم کل ہی یہاں سے واپس ہو جاؤ۔ تمہارا مقصد تمہیں اپنے دارالخلافت میں ہی حاصل ہو جائیگا اور اپنی عالی ہمت کے سبب سے تو اسقدر دولت پائیگا کہ کسی بادشاہ کو نصیب نہ ہوئی ہوگی۔ زین الاصنام جب جاگا۔ اپنے دل میں کہنے لگا۔ یہ بھی عجیب بوڑھا ہے۔ اگر میرا مقصد وہیں حاصل ہونا تھا تو مجھے یہاں آنے کی کیوں تکلیف دی۔ خیر! پھر بھی اچھا ہوا کہ میں نے ماں کے سوا اور کسی کو اس حال سے آگاہ نہیں کیا۔ ورنہ لوگ میری بیوقوفی پر قہقہے لگاتے۔ غرض وہاں سے وہ لوٹ کر پھر بصرہ میں آیا اور ماں سے قاہرہ والے خواب کا ذکر کیا۔ وہ بولی میں نہ کہتی تھی۔ مگر تم تسلی رکھو۔ اگر دولت قسمت میں ہوگی تو گھر بیٹھے ہی ملیگی۔ لیکن آگے کی طرح اسے فضول باتوں میں نہ گنوا دینا۔ زین نے عہد کیا کہ اب میں سنبھل کر برتونگا۔ غرض اسی رات پھر خواب میں وہی پیر مرد دکھائی دیا۔ اب کہ وہ کہہ رہا تھا۔ زین! وقت آپہنچا ہے کہ تو ایک بھاری خزانے کا مالک بنجائے۔ آ اٹھ۔ اور کل اپنے باپ کے خلوت خانہ کا فرش کھود۔ وہاں تمہیں وہ خزانہ ملیگا۔ زین خوش خوش اٹھ بیٹھا اور اپنی ماں سے یہ تیسرا خواب بھی سنا دیا۔ وہ بولی بالکل اللہ فریبی ہے۔ اور تم تو اسکی تہ بھی اصل نہیں سمجھتی۔ مگر زین نے کہا۔ تم کچھ سمجھو۔ میں تو اسے پتھر کی لکیر سمجھتا ہوں۔ اسلئے کہ دوسرے خواب میں اسنے مجھے کہا تھا کہ میں فقط تیری آزمائش کیا چاہتا ہوں۔ ماں نے بہتیرا سمجھایا بھی۔ کہ بیٹا! تو اپنے تئیں وقت میں مت ڈال۔ مگر زین نے ایک بھی نہ سنی اور

کا نہایت ہی محتاج تھا۔ اُسکی رعایا ہمیشہ دست بدعا رہتی۔ کہ ہمارے بادشاہ کو بھی خداتعالیٰ
چھوٹا چاند سا نورِ چشم عطا کرے۔ آخر بڑھاپے میں خداتعالیٰ نے اُسے ایک بیٹا دیا جس کا نام زین الصنم
رکھا گیا۔ بادشاہ نے شاہی نجومیوں سے اسکا زائچہ بنوایا۔ وہ سب بالاتفاق بولے۔ شہزادے
کی عمر تو بہت بڑی ہوگی۔ صاحب جرأت بھی ہوگا۔ مگر اسے خطرات ہولناک ہونے کا اندیشہ ہے
بادشاہ نے کہا کوئی پرواہ نہیں۔ میرا بیٹا صاحب جرأت تو ہوگا اور بادشاہوں کو خطرات اور
مصائب سے کب گریز ہوتا ہے۔ غرض نجومیوں کو بہت سا انعام ملا۔ اور جب شہزادہ تعلیم پانے
کے قابل ہوا۔ اس کے لئے بہت سے قابل اُستاد ملازم رکھے گئے اور وہ بہت چھوٹی سی عمر میں
ہر فن مولا ہوگیا۔ اتفاقاً ایک دن بادشاہ بیمار پڑ گیا حتیٰ کہ بیماری ترقی پانے لگی اور وہ
قریب المرگ ہوکر زندگی سے مایوس ہو بیٹھا اور بستر مرگ پر شہزادے کو بلا کر نصیحت کی کہ اوّل تو
خوشامدیوں کی خوشامد پر کان مت دینا۔ دوسرے بخشش میں اسراف سے کام نہ لینا۔ اور
تیسرے دور اندیشی کو کبھی ہاتھ سے نہ دینا۔ یہ کہکر وہ تو چل بسا اور شہزادہ اسکے ماتم میں بیٹھا
جب ماتم کے دن گذر گئے۔ خوشامدی صاحبوں نے آ پرا جمایا۔ اور زین الصنم کو انگلیوں پر نچانے
لگے اور اپنے باپ کی پہلی ہی نصیحت کو بہت جلد بھول گیا۔ پھر خزانہ شاہی کے منہ کھولکر
اُن لوگوں پر لٹانا شروع کیا۔ اور بالکل ناعاقبت اندیش بنگیا۔ مگر اس کی ماں جو نہایت عقلمند
عورت تھی۔ اُسے وقتاً فوقتاً سمجھاتی رہتی۔ لیکن اس پتھر پر کوئی جونک نہ لگتی تھی۔ آخر جب
تھوڑے ہی دنوں میں شاہی خزانہ خالی ہوگیا اور اسکی بدانتظامی کا چرچا اور گرد پھیلنے لگا
اُمورِ سلطنت میں ضعف آنا شروع ہوا۔ فوج گھر بیٹھ گئی اور چاروں طرف فتنہ اُٹھ کھڑا ہوا
تب شہزادے کی آنکھ خواب غفلت سے کھلی اور ہوشیار ہوکر نوجوان مصاحبوں کی ہمنشینی
ترک کردی۔ اُنکی جگہ تجربہ کار بوڑھے ملازم رکھے۔ اُنہوں نے جب اسکی غلطیوں پر اسے متنبہ
کیا تو وہ اپنے کئے پر بڑا نادم ہوا۔ چنانچہ دن رات اسی فکر میں رہنے لگا کہ تلافی مافات کیونکر
کرے۔ چنانچہ ایک رات اسی غم میں اسکی آنکھ لگ گئی۔ خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک پیر مرد
اُسے نصیحت کرتا ہے۔ اے زین الصنم! دنیا میں کوئی غم ایسا نہیں کہ اسکے بعد مسرت نہ ہو
اسلئے اگر تو اپنے رنج و غم کی مدد کرنا چاہتا ہے۔ تو قاہرہ کو جا۔ وہاں پہنچکر تیری ساری

تصویر دربار خلیفہ ہارون رشید میں غانم کی مع اپنی ماں اور بہن کے آنیکی



پاداش کی سزا دیتا ہوں۔ وہ ہمیشہ تمہارے مرتبہ پر رشک کیا کریگی اور قوت القلوب کو فرمایا۔ تمہیں غانم کے عقد میں جانے کی اجازت ہے۔ یہ کہکر قاضی اور گواہوں کو بلوایا اور ترتیب وار لگن میں دونوں کے عقد پڑھے گئے۔ پھر غانم کو ایک عالیشان محل رہنے کو عطا ہوا۔ اور ایک بیش قرار مشاہرہ اخراجات کے لئے مقرر ہوا۔ جب صبح ہوئی تو خلیفہ نے حکم دیا کہ شاہی مورخ اس سب داستان کو لکھکر خزانے میں رکھیں۔ تاکہ آیندہ والوں کے لئے عبرت ہو۔ یہ حکایت سناکر شہرزاد بولی۔ مگر یہ حکایت شہزادہ زین الصنم اور بادشاہ جن کے قصے سے زیادہ اچھی نہیں ہے۔ دنیازاد نے پوچھا وہ کیسے ہے۔ شہرزاد بولی کہ

شہزادہ زین الصنم اور ملک جن کا قصہ

خداوند نعمت! اگلے زمانے میں بصرے کا ایک بادشاہ مال و دولت سے مستغنی لیکن اولاد

میرا علاج بھی باقاعدہ کراتا رہا۔ مگر جب مایوس ہو گیا۔ مجھے یہاں بغداد میں بھیجنے کی صلاح کر کے ایک اونٹ کرائے کیا اور یہاں بھجوا دیا۔ چنانچہ ساربان کل مجھے بری حالت میں چھوڑ گیا تھا۔ لیکن اب میں تم لوگوں کو دیکھکر اپنے تئیں کافی صحیح البدن پاتا ہوں۔ جب غانم اپنا حال سنا چکا۔ قوت القلوب بھی زندان میں پڑنے اور پھر عجیب اتفاق سے معافی ولانے کا حال سنایا۔ پھر سب ملکر خدا تعالیٰ کا شکر بجالائے۔ جب آہستہ آہستہ غانم کو صحت کلی ہو گئی۔ ایکدن بقیہ کر کے قوت القلوب نے تینوں کو خلیفہ کے حضور میں حاضر کرنے کی صلاح کی اور دلال کو ہزار اشرفی دیکر کہا کہ ان تینوں کے لئے شاندار امیرانہ پوشاکیں سلوا لاؤ۔ جب سب کام لیس ہو چکا۔ قوت القلوب نے انکی صحت یابی کی خلیفہ کے حضور میں اطلاع دی۔ خلیفہ نے وزیر جعفر کو بہت سی سپاہ کے ساتھ دلال کے گھر بھیجا۔ کہ اعزاز و اکرام کے ساتھ غانم اور ان دونوں بیبیوں کو لیکر دربار میں حاضر کرے۔ غرض وزیر جعفر نے دلال کے گھر پہنچکر غانم سے معانقہ کیا۔ اور فرمایا کہ امیرالمومنین آپ کو یاد فرماتے ہیں۔ چلئے۔ یہ سنکر غانم ایک اچھے بہت عمدہ گھوڑے پر سوار ہوا۔ جسکا ساز و یراق بیش بہا موتیوں سے لگا تھا اور اس کی ماں وبہن دو اونٹوں پر چڑھ بیٹھیں۔ وزیر جعفر غانم کو تو شارع عام کی راہ سے دربار میں لیگیا اور وہ دو نو خواتین چور دروازے سے محل میں داخل ہوئیں۔ خلیفہ اس وقت تخت سلطنت پر جلوس فرما رہا تھا۔ غانم نے دربار میں پہنچکر تین دفعہ زمین خدمت کو بوسہ دیا اور پھر اٹھکر خلیفہ کی مدح میں فی البدیہہ یہ اشعار پڑھے حاضرین اسکی فصاحت و بلاغت کو ملاحظہ کر کے بہت خوش ہوئے۔ خلیفہ نے مسرور ہو کر فرمایا۔ کہ ہم تمہاری زبان سے قوت القلوب کے بچانے کا حال سننا چاہتے ہیں۔ غانم نے نہایت ہی شستگی سے سارا حال سنا دیا۔ خلیفہ بہت خوش ہوا اور غانم کو ایک بیش بہا خلعت عطا فرمایا جو بڑے بڑے امراء کے لئے مخصوص تھا۔ غانم نے شکریہ ادا کیا اور بولا والا جاہ میری آرزو ہے کہ اب بقیہ عمر حضور کے قدموں میں ہی گذار دوں۔ غرض یہاں سے فراغت پاکر خلیفہ محل میں آیا اور قوت القلوب نے دونو ماں بیٹیوں کو اسکے سامنے لا حاضر کیا۔ خلیفہ فتنہ کو دیکھتے ہی اسیر عاشق ہو گیا۔ اور بولا۔ جب میں نے تمہیں ذلیل کرایا تھا۔ اسی طرح اب تمہیں اپنے حقارمیں لا کر سرفراز کرتا ہوں اور زبیدہ کیجی جو اصلی باعث تمہاری خرابی کا ہے۔ پوری

بہن کے ملنے پھر غانم کو دیکھنے کی ساری کیفیت عرض کردی۔ خلیفہ بہت خوش ہوا۔ اور دل میں ارادہ کرلیا۔ کہ جیسے انہیں جس طرح سے نقصان پہنچایا۔ اسیطرح سے انہیں سرفراز کرکے اس داغ کو دھوڈالوں گا۔ اور بظاہر بولا۔ قوت القلوب! جاؤ اور جلد اس جوان کو اور ان دونوں معزز عورتوں کو میرے پاس لے آؤ۔ غرض اگلے دن قوت القلوب اس دلال کے ہاں گئی۔ اور غانم کا حال پوچھا۔ اسنے جواب دیا۔ وہ اچھا ہے اور تمہارا منتظر ہے۔ یہ سنکر وہ دلال کے ساتھ پہلے آپ غانم کے پاس گئی اور دونوں بی بیوں سے کہتی گئی۔ جب میں بلاؤں۔ تب آنا قوت القلوب کو دیکھ غانم کا کلیجہ دو ہاتھ کا ہوگیا۔ اور وہ بولا۔ قوت القلوب! اے نازنین! خلیفہ نے تمہیں یہاں آنے کی کیونکر اجازت دی؟ قوت القلوب نے جواب دیا۔ میں اب آزاد ہوں۔ اور خلیفہ نے وعدہ لیا ہے کہ مجھے تم سے بیاہ دیگا۔ مینے جب تمہاری بیگناہی ظاہر کردی وہ بہت خوش ہوا اور اب چاہتا ہے کہ تمہارے اقربا کے ساتھ خاص سلوک کرے۔ پھر اسکی ماں اور بہن سے جو بدسلوکی ہوئی تھی اسکا بھی حال کہدیا۔ وہ بہت رویا مگر قوت القلوب نے کہا۔ اب جو ہونا تھا ہوچکا۔ تم تسلی رکھو۔ تمہاری اور بہن بھی اتفاق سے یہیں ہیں۔ اور ابھی تم انہیں دیکھکر خوش ہوگے یہ کہکر ان دونوں بی بیوں کو بلوایا۔ وہ جلدی سے آئیں اور دیر تک غانم کے گلے لگ کے مسرت کے آنسو بہاتی رہیں۔ غانم بھی رویا۔ مگر دلال نے منع کیا کہ ابھی تمہاری طاقت بحال نہیں ہوئی۔ رونا تمہیں نقصان دیگا۔ یہ سنکر سب نے آنکھیں پونچھ ڈالیں اور غانم بولا۔ میں گھر سے نکلکر سارا دن چلتا رہا۔ حتیٰ کہ شام کے وقت ایک گاؤں میں جا پہنچا۔ بھوک سخت لگ رہی تھی اور تکان سے بدن چور چور ہورہا تھا۔ مگر نہ پلے کوئی پیسہ تھا اور نہ وہاں کوئی واقف تھا۔ ناچار رات بھوک پیاس میں ایک مسجد کے درمیان ہی کاٹی۔ صبح کے وقت ایسے تعجب کے برا حال ہورہا تھا۔ حتیٰ کہ منہ سے بولا تک نہ جاتا تھا۔ جب گاؤں والے نماز پڑھنے آئے میری یہ حالت دیکھکر ان میں سے ایک کو رحم آگیا۔ اس نے مجھ سے میرا پتہ ونشان پوچھا۔ مینے سوائے رونے کے کچھ جواب نہ دیا۔ اسنے سمجھا کہ بھوک کے مارے مجھ سے بولا نہیں جاتا۔ اسلئے دوڑکر وہ گھر سے کھانا لے آیا۔ مینے اسے سیر ہوکر کھایا۔ مگر پہلے دن کی تکان اور بھوک نے مجھے بیمار کردیا۔ حتیٰ کہ اس شریف آدمی نے مجھے اپنے گھر لیجاکر بڑی خاطر سے اپنے پاس رکھا اور

تصویر غانم بیمار کی اور دلال ور قوت القلوب کا حیرت سے غانم کو دیکھکر حال پوچھنا



اور نہ دوبارہ آواز سنی۔ چاروں طرف دیکھ کے بولا۔ اے نازنین تم کہاں ہو۔ میرے سامنے کیوں نہیں آتیں۔ دلال نے جواب دیا۔ معلوم ہوا۔ کہ غانم تم ہی ہو۔ خلیفہ نے تمہارا قصور معاف کردیا اور شادی بھی کرادی ہے۔ باقی حال تم قوت القلوب سے سنوگے۔ مگر پہلے ذرا بدن میں قوت آنے۔ ادھر قوت القلوب غانم کی ماں کے پاس گئی اور دونوں ماں بیٹیوں کو غانم کے آنے کی خوشخبری سنائی۔ مارے خوشی کے غانم کی ماں کو غش آگیا۔ اور لخلخہ سنگھانے سے جب ہوش میں آئی۔ ارادہ کیا کہ اپنی آنکھوں غانم کو دیکھ آئی۔ مگر دلال کی بی بی نے منع کردیا کہ ابھی وہ بہت کمزور ہو رہا ہے۔ مبادا فرطِ مسرت سے شادی مرگ ہو جائے۔ پھر قوت القلوب ان سے رخصت لیکر خلیفہ کے پاس گئی اور دلال نے دار الشفا سے دوائی لاکر غانم کو کھلائی۔ خلیفہ قوت القلوب کے منہ سے یہ خبر سنکر حیران ہوا کہ اتنی جلدی تم نے ان تینوں کا پتہ کیسے نکال لیا۔ قوت القلوب نے اس کے جواب میں دلال کو ملنے اور اسکے گھر جانے وہاں اتفاق سے غانم کی ماں اور اس کی

ہم تو ایسی مصیبت میں مبتلا ہیں کہ خدا دشمن کو بھی نصیب نہ کرے۔ یہ کہکر وہ دونو عورتیں پھوٹ پھوٹ کے رونے لگیں۔ قوت القلوب نے تسلی دی اور اُنکی سرگذشت پوچھی۔ غانم کی ماں نے جواب دیا۔ بی بی! خلیفہ کی ایک معشوقہ ہے۔ قوت القلوب نامی۔ وہی ہماری مصائب کا باعث ہوئی ہے۔ قوت القلوب کے کان اپنا نام سنکر کھڑے ہو گئے۔ پھر غانم کی ماں نے اپنا دردناک قصہ سنا دیا۔ اور آخر میں کہنے لگی۔ مگر اس سب مصیبت اور نقصان کو ہم دل سے بھلا کر خلیفہ کو معاف کر دیں۔ اگر ہمیں غانم زندہ مل جائے۔ قوت القلوب نے پھر دیر تک اپنے تئیں چھپانا پسند نہ کیا اور کہنے لگی۔ بی بی! غانم بیگناہ ہے اور میں وہی قوت القلوب ہوں جسکی بدولت آپ کی یہ حالت ہوئی ہے۔ لیکن میرے باعث سے آپ کو جو تکلیف یا نقصان پہنچا ہے۔ انشاءاللہ عنقریب اسکی کافی طور پر تلافی ہو جائیگی۔ میرے کہنے سے غانم نے خلیفہ کا قصور معاف کر دیا ہے اور منتظر اسکے آنے کا ہے۔ تاکہ میری خدمت کے عوض اسکے ساتھ میری شادی کر دے۔ اب آپ مجھے اپنی بہو سمجھیں۔ پھر دونو کو اس نے گلے لگایا اور تسلی دی کہ انشاءاللہ عنقریب غانم بھی آیا چاہتا ہے۔ اتنے میں دلال بھی گھر آ گیا اور قوت القلوب سے کہنے لگا۔ بی بی! ابھی ابھی ایک ساربان ایک بیمار نوجوان کو لیکر میرے دارالشفا کو آیا تھا میں نے اس نوجوان سے نام و پتہ پوچھنے کی بہتیری کوشش کی۔ مگر اس نے کچھ جواب نہیں دیا۔ صرف روو دیتا تھا۔ اُسکی حالت کو بہت کمزور پا کر میں یہیں لے آیا ہوں۔ اگر آپ اسے بھی دیکھنا چاہیں تو چلئے میں نے اُس کے کپڑے بدلوا کر کچھ کھانا کھلا دیا ہے۔ قوت القلوب نے کہا چلو اُسے بھی دیکھتی چلوں۔ غرض قوت القلوب نے اُس نئے مریض کی طرف بڑے غور سے دیکھ کر معلوم کر لیا۔ کہ دُرِ مقصود جس کی تلاش میں اُس نے سارا بغداد چھان مارا۔ یہی ہے۔ اور بے اختیار بول اُٹھی۔ اے غانم تیرا کیا حال ہے۔ غانم جس کی آنکھیں ابھی تک بند تھیں یہ آواز سنکر بول اُٹھا۔ پیاری قوت القلوب تم کہاں ہو؟ اور فوراً غش کھا گیا۔ پھر دلال اور قوت القلوب نے ملکر اُسپر گلاب چھڑکا اور شربت پلایا۔ جب کچھ ہوش آیا۔ دلال نے قوت القلوب کو اشارہ کر دیا کہ بی بی! تم ایک طرف ہو جاؤ۔ مبادا فرطِ مسرت سے اسے شادی مرگ ہو جائے قوت القلوب یہ سنکر پردے میں ہو گئی۔ اُدھر غانم نے جب آنکھ کھول کر قوت القلوب کو نہ پایا

اُس سے دو چند۔ اُسے انعام دیکر تیری شادی بھی اُسکے ساتھ کر دونگا۔ آج سے تو اپنے تئیں آزاد سمجھ لے۔ قوت القلوب بہت خوش ہوئی اور غانم کے اسباب کے صندوق اپنی تحویل میں لے لئے۔ اگلے دن خلیفہ نے تمام قلمرو میں فرمان جاری کر دیا کہ غانم ابن ایوب تاجر دمشق کا قصور معاف کیا گیا ہے۔ اُسے چاہئے کہ اپنے تئیں خلیفہ کے حضور میں حاضر کرکے اپنا اسباب سنبھال لے۔ مگر اس منادی کا کچھ بھی نتیجہ نہ نکلا۔ نہ تو غانم کی کوئی خبر ملی اور نہ ہی وہ خود آیا۔ ناچار قوت القلوب نے خلیفہ سے اجازت لیکر خود اُسکے ڈھونڈنے کا قصد کیا اور اشرفیوں کا توڑا لیکے روز خیرات کرنے کیلئے مسجدوں اور خیرات خانوں کی طرف جاتی ایکدن اتفاق سے اسکا گذر جوہریوں کے بازار میں ہوا۔ وہاں پر ایک دلال نہایت مشہور غریب پرور اور مخیر رہتا تھا وہ پردیسیوں کی مدد اور بیماروں کی تیمارداری دلی ہمدردی کے ساتھ کرتا تھا۔ اسی سبب سے دور دور کے محتاج اسکے پاس آتے رہتے تھے۔ متمول لوگ بھی اسکے پاس روپیہ پیسہ بھیجدیتے اور وہ بھی دیانتداری کے ساتھ مستحق لوگوں پر انہیں تقسیم کر دیا کرتا۔ قوت القلوب نے اس دلال کو اپنے پاس بلوایا اور ایک تھیلی اشرفیوں کی اُسے عطا کرکے بولی۔ اس زر کو مصیبت زدوں پر تقسیم کر دیجیو۔ دلال نے قوت القلوب کے لباس سے اندازہ لگایا کہ اسکا تعلق خلیفہ کے محل سے ہے۔ یہ سوچکر بولا۔ بی بی! ابھی کل ہی دو خستہ حال مگر شریف بی بیاں بڑی بری حالت میں میرے شفاخانے میں پہنچی ہیں۔ اگر یہ زر آپ خود چلکے اپنے ہاتھوں سے اُنپر تقسیم کر دیں تو بہت ہی اچھی بات ہوگی۔ میری بی بی نے اُنکی خبرگیری میں اُمید ہے کہ کوئی کسر نہ رکھی ہوگی۔ مگر اُنکے نام و نشان سے ابھی تک مجھے کوئی اطلاع نہیں ملی۔ قوت القلوب نے جواب دیا۔ بہت اچھا۔ چلو۔ غرض دلال کا غلام اُسے ساتھ لیکے گھر آیا اور اپنی بی بی کو اُسکے آنے کی خبر دی۔ وہ دوڑکے قدموں میں ہوئی قوت القلوب نے اسکا سر اُٹھاکے کہا۔ بی بی! میں تمہارے گھر اُن دو شریف عورتوں کو دیکھنے آئی ہوں۔ جو کل ہی یہاں خستہ حالت میں آئی ہیں۔ دلال کی بی بی نے اشارے سے جواب دیا۔ ہاں حضور! وہ سامنے بچھونوں پر پڑی ہیں۔ قوت القلوب اُدھر گئی اور دونوں سے ہمدردی ظاہر کی۔ غانم کی ماں نے جواب دیا۔ بی بی خدا تمہیں جزائے خیر دے

تونے مجھے مرنے سے بچایا - جسکے بدلے تو ایسی مصیبت میں پڑا تیسری دولت گئی - گھر گیا غرض خانماں برباد ہوا - اور اب بھی پتہ نہیں کہ زندہ ہے یا مرگیا - اے خلیفہ! بے قصور غانم پر ایسا ظلم - کیا خوف خدا بھی تجھے نہیں رہا - ظالم! قیامت کے دن تو خدا تعالیٰ کو کیا منہ دکھائیگا خلیفہ ہارون الرشید بھی اپنے خیال میں چہل قدمی کر رہا تھا - یکایک اسکے کان کھڑے ہوئے اور اس دردناک مگر آشنا آواز کو پہچان کر اس کی باتیں کان دیکے سنیں اور خوف خدا سے کانپ اٹھا کہ فی الواقعہ مجھ سے سخت غلطی ہو گئی - غصے میں مینے انصاف کا کوئی خیال نہیں کیا آخر مسرور خواجہ سرا کو بلا کر حکم دیا کہ فوراً قوت القلوب کو آزاد کر کے میرے پاس لے آ - مسرور جو قوت القلوب سے کمال الفت رکھتا تھا دوڑا دوڑا تہ خانہ میں گیا اور قوت القلوب کو مژدہ سنایا - کہ چلو خلیفہ تمہیں یاد فرماتے ہیں - قوت القلوب اٹھکے فوراً ساتھ ہولی اور خلیفہ کے حضور میں آکے اسکے قدموں پر گر پڑی - خلیفہ نے پوچھا - قوت القلوب! تونے مجھے ظالم کیونکر تصور کر لیا - حالانکہ میں انصاف دوست ہوں - قوت القلوب نے سمجھ لیا کہ خلیفہ نے میری فریاد سن لی ہے - ناچار آنکھوں میں آنسو بھر کر عرض کی - حضور! لونڈی کو خواہ مروادیں یا بخشدیں - مگر سچ یوں ہے کہ غانم بالکل بیگناہ ہے - اسنے میری جان بچائی - اور کمال عزت سے اپنے گھر میں پناہ دی - پھر پاک نظر کے سوا میری طرف کبھی بدنگاہی سے بھی نہیں دیکھا بلکہ ہمیشہ یہی کہتا رہا - کہ جو چیز آقا کی ہے وہ غلام پر حرام ہے - خلیفہ نے فرمایا بھلا! جب مجھے یہاں آئے کامل مہینہ بھر گذر گیا تھا تونے پہلے مجھے اپنے حالات سے اطلاع کیوں نہ دی؟ قوت القلوب بولی حضور آپکے آنے سے ایکماہ پیشتر غانم یہاں سے دمشق کو تجارت کیلئے چلا گیا تھا - میں اطلاع کیسے دیسکتی تھی - جسدن مجھے آپکے آنے کا پتہ ملا - مینے فوراً نور النہار کی معرفت عرض کر دی - یہ سنکر خلیفہ اپنے کئے پر بڑا پشیمان ہوا آخر بولا - اب جو تو کہے اسکے ساتھ سلوک کیا جاوے - فی الواقع نادانستگی میں مجھ سے بڑا ظلم ہو گیا قوت القلوب فوراً خلیفہ کے قدموں پر گر پڑی - اور عرض کیا - کہ آپ قلمرو میں منادی کرا دیں کر میرے غانم کا قصور معاف کیا - خلیفہ نے بخوشی اسکی درخواست منظور کی - اور کہنے لگا - بہت بہتر - میں کل ہی منادی کا حکم دیتا ہوں - نیز اسکے اقربا کی جو دولت برباد ہوئی ہے

تھی۔ کوئی آدمی اُنکی مصیبت دیکھنے کے لئے شہر میں نہ تھا حتیٰ کہ عورتوں نے بھی گھروں کے دروازے بند کر لئے کہ نہ اُنکی مصیبت کو دیکھینگی اور نہ کڑھینگی۔ تیسرے دن بھی یہی حال رہا اور چوتھے دن امیر محمد بن زینبی نے اعلان شائع کیا کہ کوئی شخص غانم کی ماں اور بہن کو پناہ نہ دے۔ پھر کوتوال کو حکم دیا کہ انہیں شہر بدر کردو۔ جدھر چاہیں چلی جائیں۔ غرض دونوں ماں بیٹیاں شہر میں جس رشتہ دار کے ہاں باُمید پناہ جاتیں وہ دور بھاگتا اور نزدیک کھڑا ہونیکا روادار نہ ہوتا۔ ناچار دونو نے صلاح کی تھی اور شہر کو چلیں۔ یہاں ہماری کوئی دستگیری نہ کریگا۔ ادھر قاصد نے یہ سب حال لکھکر کبوتر کے بازو سے باندھ اُسے بغداد کی طرف اُڑا دیا۔ خلیفہ نے اُسے پڑھ کے محمد بن زینبی کو پھر لکھا کہ شہر کے اردگرد تین تین منزل تک منادی کرادو کہ کوئی اُنہیں پناہ نہ دے۔ ورنہ اُسکی بھی وہی حالت ہوگی۔ غرض امیر محمد بن سلیمان الزینبی کے آدمیوں نے دونو کو اپنی سرحد سے نکال مخفی طور پر ایک اشرفی اُنہیں دیدی کہ کسی اور شہر میں جاکے اسکا کھانا مول لے لینا۔ وہ دونو نازوں کی پلی ہوئی پردے کی بیٹھنے والیاں اب جنگلوں میں چل رہی ہیں۔ جب تھک جاتی ہیں بیٹھ کر دم لے لیتی ہیں۔ ننگے گلاب کے سے پاؤں میں جب کوئی کانٹا چبھ جاتا ہے تو ہائے کر کے بے سدھ ہو جاتی ہیں مگر خدا کی رضا پر راضی چلی جا رہی ہیں۔ آخر ایک گاؤں میں پہنچیں۔ کسانوں کی عورتیں اُن کے حسن اور نزاکت کے ساتھ اُنکی درویشی کو دیکھکر بڑی حیران ہوئیں اور حال سنکر ہاتھ ملنے لگیں۔ پھر دونوں کو بڑی محبت کے ساتھ کھانا کھلایا اور اُن کے بدنوں پر سے کمبل اُتروا کے غریبانہ کپڑے پہنوا لئے۔ دونوں نے اُن عورتوں کو دعائے خیر دی اور تھوڑی دیر آرام کر کے حلب کو روانہ ہوئیں۔ دن کو چلتیں اور رات کسی مسجد میں کاٹ لیتیں یا کوئی سرائے ملجاتی تو وہیں پڑ رہتیں۔ غرض مانگتی کھاتیں کئی دن کے بعد حلب میں پہنچیں اور وہاں سے براہ راست موصل آئیں۔ پھر موصل سے بغداد کو روانہ ہوئیں۔ مگر جہاں سے گذرتیں غانم کا پتہ ضرور پوچھ لیتیں۔ اب قوت القلوب کا حال سنو۔ وہ رات دن اُسی تنگ و تاریک قیدخانے میں پڑی رویا کرتی۔ خلیفہ بھی کبھی کبھی معاملات ملکی پر غور کرتے ہوئے اُدھر آنکلتا تھا۔ ایکدن جب قوت القلوب رو رو کر غانم کو یاد کر کے کہہ رہی تھی۔ اے بے نصیب غانم! تو کہاں ہے؟ اور تجھ پر کیا گذرتی ہے کیا

تصویر غانم کی ماں اور بہن کو برہنہ کرکے چابک مارنے اور کوتوال کا دونوں کو شہر بدر کرنیکی



یہ دونوں ماں بیٹیاں مارے تکان اور زد و کوب کے چور چور ہو کے بیہوش ہو رہی تھیں آتے ہی لونڈیوں نے گلاب چھڑک کے شربت پلایا اور اچھے اچھے کھانے سامنے لا رکھے کہ ہماری مالکہ آپ کے حال پر بہت مہربان ہے۔ بادشاہ کو بھی اسکا بڑا افسوس ہے مگر وہ خلیفہ کے حکم سے مجبور رہے غانم کی ماں نے ایک لونڈی سے پوچھا۔ آخر ہمارا قصور کیا ہے۔ وہ بولی تمہارے بیٹے غانم پر خلیفہ کی ایک خواص کو بہکانے کا الزام لگایا گیا ہے۔ جس کے سبب سے تم پر بھی یہ مصیبت گذری۔ یہ سنکر دونوں ماں بیٹیاں جو غانم کو مردہ سمجھ چکی تھیں بولیں اگر ہمارا غانم زندہ ہو تو ہم نے جو کچھ آفت جھیلا ہے اسے بھلا دینگی۔ مگر یہ ہمیں یقین ہے کہ غانم سے ایسا قصور کبھی بھی سرزد نہیں ہو سکتا۔ وہ بالکل بیگناہ ہے۔ غرض انھوں نے خواصوں کے کہنے کہانے سے دو دو چار چار نوالے زہر مار کیے اور وہیں چٹائی پر پڑ رہیں۔ اگلے دن پھر انہیں اسی طرح تشہیر کرنا تھا مگر آج سارے شہر میں ہڑتال ہے

کی ماں اور بہن فتنہ غانم کے ماتم میں بیٹھی تھیں ۔ کیونکہ انہیں دیر سے غانم کی کوئی خبر نہ ملنے کے سبب سے یقین ہو گیا تھا۔ کہ وہ مر چکا ہے ۔ جب امیر محمد نے دروازے پر دستک دی تو اندر سے ایک لونڈی نکلی ۔ امیر نے غانم کا پتہ پوچھا۔ لونڈی نے جواب دیا حضور! اسے تو وفات پائے ایک مدت گذر چکی ہے اور اسکی ماں اور بہن اسکے ماتم میں ہیں۔ مگر امیر نے سرداروں کو حکم دیا کہ اندر گھس کے اسے ڈھونڈیں ۔ سردار دراتے ہوئے اندر گھس گئے ۔ یہ خود بھی انکے ساتھ ہی اندر چلا گیا۔ آگے غانم کی ماں اور فتنہ کو ماتمی لباس میں دیکھکر پوچھا۔ نیک بی بی! تمہارا بیٹا کہاں ہے ۔ غانم کی ماں نے جوابدیا حضور! اسے تو مدت ہوئی مر گیا۔ یہ کہکر پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی ۔ امیر کو بھی رحم آگیا۔ مگر وہ شاہی حکم سے مجبور تھا۔ اتنے میں سارے گھر کی تلاشی لیکر دوسرے سردار بھی وہیں آگئے اور عرض کی غانم نہیں ملا۔ یہ سنکر امیر محمد بن سلیمان الزین دونوں ماں بیٹیوں سے کہا۔ بی بیو اب تم اس مکان سے باہر نکل جاؤ۔ جب وہ بیچاریاں جبراً و قہراً با دلِ ناخواستہ بھرا گھر چھوڑ کے باہر نکل آئیں۔ امیر نے عوام کو حکمدیا کہ اس گھر کو لوٹ لو۔ بادشاہ کے پلٹنے کی دیر تھی ۔ جو چیز جس کے ہاتھ میں آئی اسکے باپ دادا کا مال تھا۔ جب یوں صفایا ہو چکا اس مکان کو بیلداروں سے کھدوا کے ہموار کر دیا۔ پھر دونوں مظلوم عورتوں کو اپنے محل میں لے آیا اور خلیفہ کے حکم سے آگاہ کیا۔ اگلے دن حکم دیا کہ دونوں کو ننگا کرکے سارے شہر میں پھرائیں جلاد وقتاً فوقتاً کوڑے لگاتا جائے اور منادی آگے آگے آواز دیتا جائے کہ یہ سزا اُس شخص کی ہے جو لونڈی کو بہکائے ۔ مگر جب انکے کپڑے اتروائے گئے ۔ انکے گلاب سے نازک بدنوں کو دیکھکر سب کو رحم آگیا۔ اسلئے دونوں کو ایک ایک موٹا کمبل پہنا دیا گیا اور بال کھولکر شانوں پر بکھیر دئے ۔ غرض خلیفہ کے حکم کی تعمیل شروع ہوئی ۔ رعایا ان بیکس مظلوموں پر ایسی سختی ہوتے دیکھکر کانپ اٹھی ۔ عورتیں اور مرد کھڑے ہاتھ مل رہے تھے مگر کسی کی مجال نہ تھی کہ انہیں اس مصیبت سے خلاصی دلا سکے۔ غرض انہیں سارا دن شہر میں پھرا کے شام کو محل میں واپس لائے ۔ ملکہ زبیدہ کو انکا حال معلوم کرکے بہت افسوس ہوا اور اپنی خواصوں کو مخفی طور پر قیدخانے میں بھیجا کہ جا کے دونوں کی خدمت کریں۔ جب وہ آئیں

والا کبھی اُسے غانم نہ کہہ سکتا تھا۔ غرض اس حیلے سے وہ بسہولت گھر سے نکل گیا اور کسی نے اُسے راستے میں نہ ٹوکا۔ یہ سمجھا کر یہ کوئی نابینا ہے۔ اُدھر باہر کا دروازہ کھلتے ہی وزیر جعفر مکان کے اندر گھس آیا۔ اور قوت القلوب کے سامنے زمین بوس ہو کر بولا۔ مجھے غانم کی گرفتاری اور آپ کو حاضر دربار کرنیکا حکم ہوا ہے۔ اسمیں میرا کچھ قصور نہیں۔ بلکہ صرف آقا کے حکم کی تعمیل کے لئے یہاں حاضر ہوا ہوں۔ قوت القلوب نے جواب دیا کہ غانم کو تو بعزم تجارت دمشق کو گئے دو مہینے ہو گئے ہیں۔ اور جاتے ہوئے یہ سب اسباب میرے سپرد کر دیا گیا تھا۔ اسکے علاوہ مجھے اُسکی نسبت اور کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔ سو اگر مجھے دربار میں لیجانے کا حکم ہے تو اُسکے اسباب کو بھی حفاظت کے ساتھ وہیں لیجاؤ۔ جب وہ آئیگا آکے لے لیگا۔ وزیر نے غلاموں کو اسباب سپرد کرکے اور قوت القلوب کو عزت کے ساتھ ہمراہ لیکر مکان کو کھود کے زمین کے برابر کر دینے کا حکم دیا۔ اور خود خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہو کر جملہ کیفیت گوشگذار کر دی۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ قوت القلوب کو فلاں تنگ و تاریک تہ خانہ میں بند کیا جائے۔ اور ایک بڑھیا اُسکی خدمتگذاری کے لئے دیجائے کیونکہ اُسے قوت القلوب پر غانم کی محبت کا گمان تھا۔ پھر امیر محمد بن سلیمان الزین کو جو دمشق کا گورنر تھا خط لکھا۔ جسکا مضمون یہ تھا۔ کہ اس خط کے ملتے ہی غانم بن ایوب نامی تاجر کو اسیر کرکے میرے پاس بھیجدو۔ اگر اُسکے متعلقین میں سے عورت ہو یا مرد ہو اُسے ننگا کرکے تمام شہر میں تین دن تک تشہیر کرنا۔ اور کوتوالی کا پیادہ ہر گلی کوچے میں انہیں کوڑے مار کر پکارتا جائے کہ یہ سزا اُس شخص کی ہے جو بادشاہ کی لونڈی کو بھگا کر لے جائے اور اہل شہر سے جو کوئی اُس کی حمایت کرے اُسکی بھی یہی سزا ہے۔ پھر خط کو لفافے میں بند کیا اور اُسپر شاہی مہر چھاپ کر قاصد کو دے تاکید کی کہ فوراً روانہ ہو جائے۔ اور اپنے ساتھ ایک نامہ بر کبوتر بھی لیتا جا۔ امیر محمد سے رسید لیکر اُسکے بازو سے باندھ بغداد کی طرف اُڑا دینا۔ تاکہ مجھے بھی اطمینان ہو جائے۔ غرض قاصد ہوا کی طرح اُڑا۔ اور ہفتوں کا فاصلہ دنوں میں طے کرکے دمشق پہنچکر خلیفہ کا خط امیر محمد بن زین کی خدمت میں پیش کر دیا۔ امیر نے اُسے لیتے ہی تعظیم کے لئے سر پر رکھا اور خط کو مطالعہ کیا۔ پھر اپنے سرداروں کو ہمراہ لے غانم کے گھر پہنچا۔ آگے غانم

جب انہوں نے دیکھا کہ خلیفہ سوگیا ہے۔ مگر وہ ابھی جاگ رہا تھا اور سرہانے والی نے جسکا نام نورالنہار تھا۔ پائینتی والی سے کہا۔ اے خیرزاں! تونے بھی کچھ سنا؟ خیرزاں نے جواب دیا۔ کیا نورالنہار نے کہا ہمارے آقا کو کچھ بھی پتہ نہیں کہ مقبرے میں سوائے لکڑی کے ایک پتلے کے جسے کپڑے پہنا کر مردہ بنایا ہوا ہے اور کچھ بھی نہیں۔ خیرزاں نے پوچھا۔ اور قوت القلوب کیا ہوئی؟ نورالنہار بولی مجھے معلوم ہوا ہے کہ زبیدہ خاتون نے ایک لونڈی کی معرفت اُسے کوئی خواب آور دوائی پلوادی تھی۔ جب بیچاری بیہوش ہوگئی۔ اُسے ایک صندوق میں بند کرکے اپنے غلاموں کے ہاتھ کسی قبرستان میں دفن کرادیا۔ مگر وہاں سے اُسے غانم نامی ایک تاجر نوجوان نکال کے اپنے ہاں لےگیا۔ اور قوت القلوب اُسکے پاس ابتک زندہ و سلامت موجود ہے۔ اس امر کو چار ماہ گذر چکے ہیں اور ہمارے آقائے حشمت قوت القلوب کو مردہ خیال کرتے ہیں۔ اُسکے فراق میں راتیں جاگتے کاٹتے ہیں۔ حالانکہ وہ زندہ و سلامت موجود ہے۔ خلیفہ نے جب اُنکی گفتگو سنی اور سمجھ لیا کہ مقبرہ فریب ہے۔ نیز قوت القلوب غانم کے پاس چار ماہ سے رہتی ہے۔ اُسے سخت غصہ اور غیرت آئی فوراً پہلو بدل کے اُٹھا اور ارکان دولت کو بُلایا۔ جب امراء دربار میں آگئے۔ خلیفہ نے وزیر جعفر کو حکم دیا کہ فوراً سپاہیوں کی ایک کمپنی لیجاکر غانم نامی ایک سوداگر کے مکان پر جاؤ۔ اور اُسے گھیر کر غانم کے ساتھ ہماری لونڈی قوت القلوب کو بھی گرفتار کرلاؤ۔ وزیر سر تسلیم جھکا کر سپاہیوں کو ساتھ لئے روانہ ہوا اور پوچھ پوچھ کر غانم کا گھر گھیر لیا۔ اتفاق سے غانم اُسوقت بازار سے گوشت خرید کے لایا تھا۔ قوت القلوب نے سمجھ لیا کہ خلیفہ کو میرے یہاں ہونیکی خبر ملگئی ہے۔ اس لئے غانم سے بولی۔ تم اب اندر رہنے کی کوشش نہ کرو۔ اور فوراً باہر چلے جاؤ۔ اُمید ہے کہ عنقریب میں تمہیں معافی دلادونگی۔ غانم نے بھی جب سپاہیوں کو مکان کا احاطہ کئے دیکھا۔ اس نے اُسکا مطلب بہت جلد سمجھ لیا مگر اُسکے چہرے کا رنگ زرد ہوگیا۔ اور بولا ایسی حالت میں جبکہ سپاہیوں نے چاروں طرف مکان کو گھیر رکھا ہے میں باہر کیسے نکل سکتا ہوں نیز میری ساری جائیداد یہیں ہے۔ قوت القلوب نے تسلی دی۔ کہ مال و اسباب کا فکر نہ کرو اور اپنے قیمتی کپڑے اُتار کر باورچی کا لباس پہن لو۔ پھر قاب میں گوشت روٹیاں سالن اور نمکدان رکھ کے اُسکے سر پر رکھدی۔ جس سے وہ نانبائی معلوم ہوتا تھا اور انجان دیکھنے

بڑھیا کی تدبیر پسند آئی۔ اُسے ایک بیش قیمت خلعت عطا کرکے حکم دیا۔ کہ تم ہی اس سب سامان کو تیار کرا لاؤ۔ اور جسقدر خرچ کی ضرورت ہو لیجاؤ۔ یہ کہکر اُسے بہت سا مال دیا۔ بڑھیا پھاپھا فوراً ترکھان کے پاس گئی اور اُس سے لکڑی کا ایک پُتلہ بنوا کر اُلٹے پاؤں زبیدہ کے پاس لوٹ آئی۔ پھر دونوں نے ملکر اُس پُتلے کو کفن پہنایا۔ اور تابوت میں بند کرکے شاہی قبرستان میں بھیجدیا غلاموں نے بیگم کے حسب الحکم تابوت کو وہاں دفن کر دیا۔ اور لونڈی غلاموں کو وہی سمجھادی جو بڑھیا نے اُسے پڑھائی تھی۔ اور جس لونڈی کی معرفت قوت القلوب کو بیہوش کرایا تھا۔ اُسے خاص طور پر بُلا کر کہا۔ کہ جب کوئی پوچھے تو کہدینا۔ کہ میں نے صبح کے وقت قوت القلوب کو مُردہ حالت میں پایا۔ غرض سارے محل میں قوت القلوب کی موت کی خبر پھیل گئی۔ اس بڑھیا زبیدہ اور ایک لونڈی کے سوا محل میں کوئی امر واقعہ کو نہ جانتا تھا۔ پھر زبیدہ نے بہت جلد اُس قبر پر ایک شاندار مقبرہ تعمیر کراکے اُسمیں شمعیں جلوائیں اور قاری ختم قرآن کے لئے وہاں بٹھا دئے۔ ایک مدت کی غیر حاضری کے بعد جب خلیفہ دارالخلافت میں داخل ہوا۔ محل کے لونڈی غلاموں کو سیاہ پوش دیکھکر اُسکا ماتھا ٹھنکا اور سیدھا زبیدہ کے محل میں چلا آیا۔ اُسے بھی سیاہ پوش دیکھکر حیرانی سے وجہ پوچھی۔ جواب ملا۔ آپ کی غیبت میں قوت القلوب چل بسی۔ ہمارا یہ حال اُسی کے ماتم میں ہو رہا ہے۔ خلیفہ پر یہ سنکر غشی سی طاری ہو گئی۔ جب افاقہ ہوا۔ قوت القلوب کے مقبرے کا پتہ پوچھا۔ زبیدہ بولی۔ میں نے قوت القلوب بڑی عزت سے شاہی قبرستان میں دفن کرا دیا ہے اور اُسکی قبر پر ایک شاندار مزار بھی بنوا دیا گیا ہے۔ خلیفہ فوراً اُٹھکر قوت القلوب کے مقبرے کی زیارت کے لئے روانہ ہوا اور قبرستان میں پہنچکر مقبرے کو ساز و سامان سے آراستہ پاکے زبیدہ کا شکریہ ادا کیا۔ مگر وہ متفکر تھا کہ زبیدہ نے ایک سوت کے لئے اسقدر تردد کیوں کیا۔ جو دال میں کچھ کالا کالا تو نہیں۔ مگر سوچ سوچکر قبر کو کھدوا ہی دیا۔ جب تابوت پر کدال پڑی۔ پھر کچھ تامل کرکے بیلدار کو آگے کھودنے سے بند کر دیا۔ اور قبر پر اینٹیں چنوا کے شہر کے دوسرے فقہا اور قاریوں کو بُلا کر وہاں ختم قرآن کا حکم دیا۔ آپ بھی پورا ایک ماہ مقبرے میں وہیں ماتم منانے کیلئے ٹکا رہا کیونکہ قوت القلوب کو وہ بدرجہا غایت محبت کرتا تھا۔ غرض جب ایام ماتم گذر گئے تبدیل لباس کے بعد وہ محل میں آیا اور اُسکے پلنگ پر پڑ گیا۔ اتفاقاً وہیں دو لونڈیاں ہلکی کشیدہ کاڑھ رہی تھیں۔

آجائیگی۔ اُسنے جواب دیا۔ تم اطمینان رکھو مگر احتیاط ضرور ہے۔ استمیں باہر کے دروازے پر کسی نے دستک دی۔ دیکھے تو وہ نانبائی ہے۔ جو کھانا مقرری لایا کرتا ہے۔ اس سے تھال لیا اور قوت القلوب کے سامنے لا رکھا۔ اُسنے سیر ہو کر کھایا۔ اور غانم کا شکریہ ادا کیا۔ قوت القلوب کو کھانا کھلا کر غانم پھر بازار کو چلا گیا۔ اور خوشوضع لونڈی قوت القلوب کی خدمتگذاری کے لئے خرید لایا جس سے قوت القلوب بڑی مسرور اور مشکور ہوئی اور کہنے لگی۔ اگر خدا نے کبھی میرے دن پھیرے تو میں بھی اسکا عوض دونگی۔ جب رات بہت آئی دونو جُدا جُدا مکانوں میں سو رہے۔ غرض اسی طرح رہتے رہتے پورے تین مہینے گذر گئے اگرچہ اُن دونو کو آپس میں کمال درجے کی محبت ہو گئی تھی مگر غانم سمجھتا تھا کہ جو چیز آقا کی ہے۔ وہ غلام کے لئے بمنزلہ حرام ہے۔ اب زبیدہ کا حال بھی سُنو۔ جب اُسنے اپنی طرف سے قوت القلوب کو زندہ درگور کرادیا سوچنے لگی کہ جب خلیفہ آئیگا اُسے کیا جواب دونگی۔ کیونکہ وہ پوچھے گا ضرور۔ اسی فکر میں اُسنے ایک بڑھیا کو بلایا جس نے حال سنکر جواب دیا کہ آپ فکر نہ کریں میں ابھی نجار کیطرف جاتی ہوں۔ اور اس سے ایک لکڑی کا پتلا بنوا لاتی ہوں۔ آپ اُسے کپڑے پہنا کر شاہی قبرستان میں دفن کرادیں۔ اور حکم دیدیں کہ بہت جلد اُسپر ایک شاندار مقبرہ تعمیر کرادیا جائے۔ اور مقبرے میں چراغ جلائے جائیں۔ نیز تمام محل میں سیاہ پوشی ہونیکا فرمان جاری کردیں۔ اور تمام لونڈی غلاموں کو سمجھادیں۔ کہ جسوقت خلیفہ محل میں قدم رکھے۔ ماتم کے نشانات ظاہر کریں اور جب وہ وجہ پوچھے تو جواب دیں کہ قوت القلوب وفات پاگئی ہے یہ اسی کا ماتم ہے اور ہماری بیگم نے بڑی شان و شوکت سے اُسکا جنازہ نکالکر اُسے ایک شاندار مقبرے میں دفن کیا ہے۔ خلیفہ کو رونا آئیگا۔ اور وہ فتنہ کے مرنے کا یقین کریگا۔ لیکن بالفرض اگر وہ تم پر کسی طرح کا شبہ کرے اور قبر کھدوا کے مُردے کو دیکھنا چاہے تو تم اطمینان رکھو مُردے کا قبر کھودکر نکالنا شرعاً ممنوع ہے۔ تم اُسے اس خلاف شرع کام سے روک دینا اسکے علاوہ وہ ایک لونڈی کے لئے اسقدر دردِ سر بھی نہیں کریگا۔ غرض جب اُسے تصدیق ہو جائیگی۔ کہ قوت القلوب مر چکی ہے۔ تو تمہارا شکریہ ادا کرکے واپس لوٹ آئیگا کہ تم نے اسکی معشوقہ کو باعزاز دفن کیا۔ میرے خیال میں اسی طرح سے تمہیں خلاصی مل سکتی ہے۔ زبیدہ کو

غرض دونوں نے صندوق کو اُٹھا کر خچر پر لادا۔ اور چاروں طرف سے باندھ کر شہر کو روانہ ہوئے مگر غانم کو راستہ بھر فکر لگا رہا۔ کہ اگر راز کھل گیا تو بڑی رسوائی ہوگی۔ لیکن خدا خدا کرکے وہ بخیریت گھر پہنچ ہی گیا اور صندوق اندر لاکر باہر کا دروازہ بند کر دیا۔ پھر صندوق کو کھولکر اس بی بی کو باہر نکالا۔ اور وہ مکان کو عالیشان پاکر بہت خوش ہوا۔ پھر چاروں طرف نظر کرکے اُسنے معلوم کر لیا۔ کہ اُسکا محسن ایک تاجر آدمی ہے۔ اور خوبصورت نوجوان ہے۔ اُسکے دلمیں ایک خیال سا پیدا ہو گیا۔ اُدھر غانم کے دل میں بھی اُس بی بی نے جگہ کر لی۔ پھر اُس بی بی نے کچھ کھانے کو مانگا۔ غانم فوراً بازار گیا اور پرتکلف کھانا اٹھوا لایا۔ پھر دونوں نے ایک جگہ بیٹھکر شکم پری کی اتنے میں غانم کی نظر اس بی بی کے برقعہ پر پڑ گئی۔ اُسپر عربی زبان میں لکھا تھا "میں تیری ہوں اور تو میرا ہے۔ اے عم نبی کے بیٹے" عم نبی کے بیٹے سے مراد خلیفہ ہارون الرشید تھی۔ یہ دیکھ کر غانم پر گھبراہٹ طاری ہو گئی اور وہ بولا۔ بی بی! خدا کیلئے مجھے جلد اطلاع دو۔ کہ تم کون ہو اور کس سے علاقہ رکھتی ہو؟ اُس بی بی نے جواب دیا۔ میرا نام قوت القلوب ہے اور بغداد میں مجھے بچہ بچہ جانتا ہے۔ خلیفہ ہارون الرشید کی میں محبوبہ خاص ہوں۔ میں بچپن سے محل ہی میں رہتی ہوں۔ اور وہیں میں نے پرورش پائی تھی۔ ایکدفعہ خلیفہ میری لیاقت اور میرے حسن و جمال کو ملاحظہ فرماکے مجھے دل سے چاہنے لگ گیا۔ اور اب مجھکو ایک خاص محل عطا کر رکھا ہے۔ نیز دس لونڈیاں خدمت کو دی ہوئی ہیں۔ یہ برقعہ بھی مجھے خلیفہ ہی نے عطا فرمایا ہے جو خاص محبت کا نشان ہے۔ زبیدہ خاتون میرے رتبہ سے جلنے لگی۔ حتی کہ جسدن تم نے مجھے قبر سے نکالا ہے اسنے موقعہ پاکر جبکہ خلیفہ باہر شکار کو گیا ہوا تھا۔ مجھپر وار ہی کر دیا۔ میری کسی لونڈی کو انعام و اکرام کا لالچ دیکر گانٹھ لیا۔ جسنے اوّل شب کے وقت میرے شربت میں کوئی خواب آور دوا ملا دی۔ اور میں بیہوش ہو گئی۔ آخر مجھے صندوق میں بند کرکے تین غلاموں کے ساتھ قبرستان میں بھیجدیا۔ اسکے بعد کا حال تم خود جانتے ہی ہو۔ میں تو مر ہی چکی تھی۔ مگر تم نے میری جان بچائی ہے میں اسے کبھی نہیں بھول سکتی۔ بلکہ اپنے گھر لاکے بڑے آرام سے رکھا۔ اور مجھپر وہ احسان کیا ہے کہ ہمیشہ تمہیں یاد رہیگا۔ یہ ہے میری سرگذشت۔ مگر خیال رکھو میری بات باہر نہ نکلنے پائے۔ ورنہ خلیفہ تمہیں ضرور مروا دیگا۔ غانم بہت گھبرایا اور بولا کہ بی بی! تم تو ہمیں شاہانہ میرے

صندوق کو تم یہیں رکھ دو۔ اور چلو واپس ہو چلیں۔ مگر ان دونوں نے جواب دیا کہ ہمیں قبرستان کے اندر اس صندوق کو گاڑ آنے کی ہدایت ہے۔ یہاں کیسے رکھ چلیں۔ غرض وہ صندوق کو زمین پر رکھ کے خود دیوار پھاند کر اندر گئے اور دروازہ کھولکر صندوق اندر لا رکھا۔ قبرستان کا دروازہ بند کر دیا۔ مگر وہ اسقدر تھکے ہوئے تھے کہ اپنے تئیں انہوں نے گڑھا کھودنے کے قابل نہیں پایا اسلئے وہیں لیٹ گئے۔ اور دو تین گھڑیاں آرام کرکے اٹھے۔ پھر درخت کے نیچے گڑھا کھود کر صندوق کو وہاں گاڑ دیا۔ جب اس کام سے فراغت پائی۔ جدھر سے آئے تھے ادھر ہی چلے گئے۔ جب نظر سے غائب ہوگئے تو غانم درخت پر سے اترا اور سوچنے لگا کہ ایسے بیوقت صندوق کا یہاں دفن کرنا کچھ معنے رکھتا ہے۔ تاروں کی چھاؤں تھی۔ اسلئے اس نے فوراً گڑھے کی مٹی سرکانی شروع کی۔ اور صندوق نکالکر کھولا۔ اندر دیکھا تو ایک خوبصورت بی بی بیہوش پڑی تھی۔ جو اپنے لباس اور زیورات سے کسی بڑے امیر کی عورت دکھائی دیتی۔ غانم اسکی خوبصورتی پر فریفتہ ہوگیا اور معلوم کیا کہ وہ ابھی مری نہیں۔ اسلئے اسے صندوق سے باہر نکال کے ہوا میں رکھا جب ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا لگی۔ فوراً آنکھ کھولکے اٹھ بیٹھی اور پکاری۔ اری زہرہ بستان۔ آہا شجرہ آید نور الہدیٰ۔ نجمۃ الصبح تم کہاں ہو۔ مگر جب کوئی جواب نہ ملا۔ تو حیران ہو کر مل ملکے آنکھیں دیکھنے لگی اور اپنے تئیں ایک قبرستان میں پاکر اور بھی حیرت زدہ ہوگئی۔ بولی یا الٰہی میں خواب دیکھ رہی ہوں یا واقعی قیامت کا دن آ پہنچا۔ غانم اب سامنے آگیا۔ اور جواب دیا۔ میں ایک اجنبی آدمی ہوں۔ اور قضا و قدر نے مجھے فقط آپ کی زندگی کے لئے ہی یہاں لایا ہے۔ جو ارشاد تعمیل کے لئے حاضر ہوں۔ یہ سنکر وہ عورت بولی۔ یہاں کیسے آئی۔ غانم نے تینوں خواجہ سراؤں کی کیفیت بیان کر دی۔ اس عورت نے جواب دیا۔ میں آپ کی بہت مشکور ہوں۔ مگر اب دن نکلنے کو ہے ایک کام کرو۔ مجھے اسیطرح صندوق میں بند کر دو اور شہر میں جاکے ایک خچر کرایہ پر لے آؤ۔ پھر اس پر مجھے صندوق سمیت لاد کر اپنے گھر لے چلنا۔ وہاں چلکے تمہیں اپنی کیفیت سناؤنگی۔ امید ہے کہ خدا تعالیٰ تمہیں اس نیکی کا عوض ضرور دیگا۔ غرض جب غانم وہاں سے نکلا۔ دن نکل آیا تھا اسنے شہر میں آکے ایک خچر کرایہ پر لیا اور اسی قبرستان میں آیا۔ یہ کہکر کہ میں ایک صندوق شہر کو لا رہا تھا۔ راستے میں قلی اسے چھوڑ کر بھاگ گئے۔ تم اسے میرے گھر تک پہنچا دو

جب ہم عشا کے وقت یہاں آئے تھے تو دروازہ کھلا چھوڑ گئے تھے۔ تیسرا جس نے مشعل اٹھائی ہوئی تھی۔ کہنے لگا۔ تم نہیں جانتے۔ بعض بزدل شہری جب سیر کے لئے شام کے وقت باہر نکلتے ہیں اور راستے میں انہیں دیر ہو جاتی ہے۔ تو قبرستان میں آکر چھپ رہتے ہیں۔ تاکہ ہمارے تمہارے جیسا کوئی حبشی انہیں پکڑ کے بھون کے کھا نہ لے۔ سب نے اسکی رائے کی تائید کی۔ اور غانم

تصویر غانم کی درخت پر چھپکر بیٹھنے اور غلاموں کے صندوق قبرستان میں لانیکی



کو بھی ہنسی آئی۔ مگر ضبط کر گیا۔ لیکن جب اس غلام نے کہا۔ کہ جب تک تم اپنے کسی شخص کو اپنی آنکھوں نہ دیکھ لوگے۔ اعتبار نہ کروگے۔ اور میں تمہیں دکھا دونگا کہ جب وہ شخص وحشی کو دیکھیگا تو فورا درخت پر چڑھنے کیلئے دوڑیگا۔ غانم کو بڑا خوف آیا کہ کہیں مجھے دیکھ نہ لیں۔ پھر وہ دونوں جنہوں نے صندوق اٹھایا ہوا تھا اپنے تیسرے ساتھی سے کہنے لگے کہ کود دیوار پر چڑھ کر اندر جا۔ اور دروازہ کھول دے۔ مگر اس نے جواب دیا۔ کہ مجھے ابھی خوف آتا ہے۔ میں اندر نہیں جاؤں گا۔

ہاتھ اٹھا لیگئے۔ غرض سال بھر تک وہ اپنے مال کو اسیطرح بیچتا رہا اور حسب دلخواہ فائدہ اٹھایا۔ دوسرے سال کے آغاز میں ایکدن جب وہ حسب معمول بازار میں آیا تو سب سوداگروں کی دوکانیں بند پا کر حیران ہوا۔ ایک آدمی سے اسکا سبب پوچھا۔ جواب ملا۔ آج فلاں سوداگر مر گیا ہے۔ اسلئے باقی سب اسکے جنازے کے ساتھ جانیوالے ہیں۔ اگر آپ بھی ساتھ جانا چاہیں تو چل سکتے ہیں۔ غانم نے متوفی کے گھر کا پتہ پوچھا اور ادھر کا راستہ لیا آگے جنازہ تیار رکھا تھا۔ جب وہ وہاں پہنچا وضو کر کے نماز جنازہ ادا کی اور سب کے ساتھ قبرستان کی طرف روانہ ہوا۔ جو شہر سے بہت دور واقع تھا۔ آگے قبرستان میں خیمے گڑے تھے۔ اور میت کے لئے سنگین مقبرہ تیار تھا۔ غرض میت کو مقبرے میں رکھا۔ اور خیمے میں قرآن خواں قرآن پڑھنے لگے۔ میت کو دفن کرنے کے بعد سب اقربائے میت اور دوسرے تاجر بھی ایک خیمے میں جمع ہو کر فاتحہ خوانی کرنے لگے۔ اتنے میں رات بھی آگئی۔ اور حسب دستور بغداد شام کا کھانا وہیں آگیا۔ غانم نے سمجھا۔ کہ رات یہ لوگ یہیں رہینگے۔ وہ سوچنے لگا۔ کہ میں اجنبی ہوں۔ اگر رات ان کے ساتھ رہا۔ تو اندیشہ ہے کہ شب کو چور میرا اثاث البیت سب لوٹ کے نہ لیجائیں۔ یہ خیال کر کے باقیوں سے قضائے حاجت کا بہانہ کر کے وہاں سے نکل کھڑا ہوا۔ اور جب شہر میں پہنچا۔ رات آدھی کے قریب گذر چکی تھی۔ شہر کے دروازے سب بند تھے۔ سوائے کتوں اور گیدڑوں کے اور کوئی آواز بھی سنائی نہ دیتی تھی۔ وہ رات کو بسر کرنے کے لئے کوئی ٹھکانا ڈھونڈنے لگا بہت ہی تلاش کرنے کے بعد ایک گورستان کا دروازہ کھلا ہوا پایا جسکے چاروں طرف بلند چار دیواری تھی۔ اور اندر ایک بڑا سا ناریل کا درخت کھڑا تھا۔ وہ فوراً اندر گھس گیا اور دروازہ بند کر کے لیٹنے کا قصد کر رہا تھا کہ اچانک اسے سخت خوف آیا۔ وہ اٹھ بیٹھا۔ اور دروازہ کھولکر وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا کہ دور سے اپنی طرف آتی ہوئی ایک روشنی دکھائی دی۔ اسنے فوراً دروازہ بند کر لیا۔ اور ناریل کے درخت پر چڑھ کر پتوں میں چھپ گیا۔ روشنی دمبدم قریب آرہی تھی۔ کہ عین دروازے پر آ کر ٹھہری۔ وہ کیا دیکھتا ہے کہ تین خواجہ سرا ہیں۔ دو نے تو ایک صندوق اٹھایا ہے اور تیسرے کے ہاتھ میں مشعل پکڑی ہوئی ہے۔ جب انہوں نے دروازہ کھلا دیکھا۔ ایک نے حیران ہو کر پوچھا۔ یہ کیا ہوا۔ دوسرے نے جواب دیا۔ حیرت کا موجب ہے۔

کے دن بسر کرنے لگے۔ یہ حکایت سنکر شہرزاد نے دنیا زاد سے کہا۔ اگر کل بادشاہ نے جان بخشی کی تو اس سے اچھی کہانی غانم اور قوت القلوب کی سناؤنگی جسے سنکر امید ہے کہ تم بہت خوش ہوگی غرض بادشاہ نے اسدن بھی اُسے کچھ نہ کہا۔ رات آئی اور گذر بھی گئی صبح کا ذب کے وقت حسب معمول دنیا زاد نے شہرزاد کو جگایا۔ اور وہ بادشاہ کو مخاطب کر کے بولی *

الف لیلہ جلد دوم تمام ہوئی

الف لیلہ جلد سوم

غانم اور قوت القلوب کی داستان

حضور انور! اگلے زمانے کی بات ہے کہ دمشق میں ایوب نامی ایک سوداگر بڑا صاحب دولت رہا کرتا تھا۔ خدا نے اُسے دو خوبصورت بچے بھی عطا کئے تھے۔ ایک لڑکا جس کا نام غانم تھا اور دوسری لڑکی جسے فتنہ کہتے تھے۔ ایکدفعہ ایوب نے بغداد کا ارادہ کیا اور مال نفیس کی سو گٹھریاں بغداد کے گودام میں رکھیں۔ مگر وہ تیاریوں میں ہی تھا کہ اجل آگئی۔ ان گٹھریوں کے علاوہ اور بھی بہت سا زر و مال چھوڑ مرا۔ اسکے مرنے کے بعد جب غانم ہوشیار ہوا تو اسنے باپ کے ارادے کو پورا کرنا چاہا۔ اور وہ مال لیکر ایک قافلہ کے ساتھ بغداد کی طرف روانہ ہوا اُسوقت بغداد کا تاج خلافت خلیفہ ہارون الرشید کے سر پر تھا۔ وہاں پہنچکر ایک اعلےٰ درجے کا مکان کرائے پر لیا۔ اور اُسے فرش و فروش سے آراستہ و پیراستہ کر کے سارا مال اُسمیں رکھدیا۔ جب سفر کی ماندگی دور ہوئی کچھ تھان کمخواب اور گلبدن کے لیکر بازار کو گیا اور چودھری کی دوکان پر جا بیٹھا۔ سوداگروں نے اُن تھانوں کو نہایت پسند کیا اور ہاتھوں

جادو کا تخت بخشدیا۔ اور شہر کے مسلمان باشندوں کو جمع کرکے انہیں شیخ عبداللہ کی اطاعت کی ہدایت کی۔ سب نے سر تسلیم جھکایا۔ اسکے بعد اُن لوگوں کو بھی جو ملکہ لاب کے جادو سے چوپائے اور پرندے بنے ہوئے تھے اصلی قالب بخشکر ملکہ۔ بدر اور ملک صالح اپنے اقارب اور افواج سمیت شیخ سے وداع ہوکر اپنے گھر آئے۔ ایران کے باشندوں کو دوبارہ اپنے بادشاہ کے پانے سے خوشی ہوئی اور دارالخلافہ میں برابر تین روز تک عیش و عشرت کا سماں بندھا رہا۔ اسکے بعد ملکہ گلنار اور ملک صالح کی صلاح سے بدر کی شادی کے لئے مختلف شہروں کی طرف جاسوس روانہ کئے گئے تاکہ وہ کسی خوبصورت شہزادی کی تلاش کریں جو بدر کی شان کے قابل ہو۔ مگر بدر نے ایک ہی انکار کردیا کہ میں شہزادی جواہر کے سوا اور کسی کے ساتھ شادی نہ کرونگا یہ سنکر ملک سمندال کو جو ملک صالح کی قید میں تھا وہیں بلایا گیا۔ جب وہ آگیا۔ بدر کو بلانے کے لئے بھی آدمی بھیجا۔ اور جب وہ آیا۔ اُسے ملک سمندال کے آنے کی خبر دیگئی۔ وہ فوراً سمندال کے پاس آکر آداب بجالایا۔ سمندال اسے دیکھکر بڑا خوش ہوا اور گلے لگایا۔ پھر بدر نے شہزادی جواہر کے لئے درخواست کی۔ جسے ملک سمندال نے بکمال فرخندہ پیشانی قبول فرمایا۔ اور اپنے مصاحبوں کو بھی شہزادی جواہر کے لانے کا حکم دیا۔ وہ فوراً اُڑے اور جاکر شہزادی کو بھی وہیں لے آئے اس نے دیکھتے ہی ملک سمندال اُٹھا اور اسے گلے لگاکر بولا۔ بیٹی بیٹی تمہاری منگنی بیٹے ملک بدر کے ساتھ کردی ہے۔ تمہاری اس میں کیا رائے ہے۔ میرے خیال میں وہ بڑا لائق لڑکا ہے اور تمہارے قابل ہے۔ نیز تم اسکے قابل ہو۔ شہزادی جواہر نے جوابدیا۔ مجھے آپکے حکم سے سرتابی کرنے کی کیا مجال ہے۔ مگر ملک بدر میرا قصور معاف کردے جو غصہ میں مجھ سے سرزد ہوگیا تھا۔ یہ سنکر سب کے دل مسرت سے بھر گئے۔ بدر نے شہزادی جواہر کو معاف کردیا فوراً قاضی اور شاہد حاضر ہوئے اور دونوں کا نکاح شبھ لگن میں پڑھا گیا۔ گھر گھر خوشیاں ہونے لگیں۔ شہر چراغاں ہوگیا۔ بادشاہ نے اس خوشی میں قیدیوں کو رہا کرنے کا حکم دیا بہت انعام یتامیٰ اور بیوگان پر دل کھولکر بخشش کی۔ غرض شہر میں دس روز تک خوب جلسے ہوتے رہے۔ پھر بدر شہزادی جواہر سمیت ملک سمندال کے ہاں گیا اور اُسکے اقارب سے ملکر گھر واپس آیا۔ ملک صالح نے اسے اسکا تخت بھی بخشدیا۔ غرض سب کے سب بڑی خوشی اور اطمینان سے زندگی

بابا۔ اُسے بھول گیا۔ دیکھ تو اب تجھ سے اور تیرے بوڑھے سے جسپر میں بیشمار احسان کر چکی ہوں اور اسکا عوض یہ اُسنے دیا ہے کس طرح پیش آتی ہوں۔ یہ کہکر تھوڑا سا پانی لیا اور بدر پر چھڑک کر کہا کہ ایک قبیح اور بدشکل پرندا بنجا۔ ملکہ کے یہ کہتے ہی بدر کی صورت بدلگئی۔ پھر ملکہ نے لونڈیوں کو حکم دیا کہ اُسے ایک پنجرے میں بند کردو اور کھانا پانی کچھ نہ دو تاکہ بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر مرجائے مگر ایک لونڈی کو رحم آگیا اور وہ ملکہ کی آنکھ بچا کر اُسے کچھ کھلا پلا دیتی۔ ایکدن ملکہ غافل سو رہی تھی لونڈی نے موقعہ پاکر شیخ عبداللہ کی دوکان کی راہ لی اور جاکر اُس سے کہنے لگی۔ بڑے میاں! ملکہ آپ کے بھتیجے کو ہلاک کرنے کے درپے ہو رہی ہے۔ اسکا کچھ انتظام کر لیجئے۔ شیخ نے اُسکا شکریہ ادا کیا اور بولا۔ ملکہ کا ظلم اب حد سے بڑھ چلا ہے۔ اسلئے میں اسکا عوض لئے بغیر نہ رہونگا۔ یہ کہکر زور سے چلایا۔ فوراً ایک مہیب جن آگیا جسکے چار بازو تھے اور حکم کا طلبگار ہوا۔ شیخ نے اشارہ کیا کہ اس لونڈی کو ملکہ گلنار کے محل خراسان میں لیجا وہی آکے اس ملکہ کی خبر لیگی۔ لونڈی کو بھی سمجھا دیا کہ ملکہ گلنار سے کہدینا کہ تمہارا لڑکا بدر ملکہ لاب کی قید میں پھنسا ہے۔ فوراً آکر اسکی مخلصی کراؤ ورنہ مارا جائیگا۔ غرض وہ جن اُڑا اور چشم زدن میں لونڈی کو ملکہ گلنار کے محل میں آ اُتارا۔ لونڈی فوراً ملکہ گلنار کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور آداب عرض کرکے بدر کی حالت سنادی کہ بیچارہ ملکہ لاب کی قید میں ہے اور قریب ہے کہ مارا جائے۔ گلنار نے اسکا شکریہ ادا کرکے سارے شہر میں بدر کے مل جانے کی منادی کرادی۔ جب ارکین دربار۔ ملک صالح اور اُس کے اہل و عیال آ جمع ہوگئے۔ تو سب نے شہر جادو کی طرف کوچ بول دیا۔ اور بہت جلد وہاں پہنچے۔ وہ لونڈی بھی ساتھ تھی جو خبر لیکر گئی تھی۔ تو انکی سپاہ نے جاتے ہی کشت و خون کا بازار گرم کر دیا اور وہاں کے تمام آتش پرستوں کو لوٹ لیا۔ ملکہ لاب بھی ماری گئی۔ ملکہ گلنار نے لونڈی سے پوچھا بتا میرا بیٹا کہاں ہے۔ وہ فوراً ایک پنجرہ لے آئی اور ملکہ کے سامنے رکھکر کہنے لگی۔ یہ لیجئے ملکہ نے تھوڑا سا پانی لیا اور اُسپر کچھ پڑھ کر پنجرے میں جانور پر چھڑک دیا۔ اور کہنے لگی تیرے خالق سے یہ صورت چھوڑ کر اپنی اصلی صورت میں آجا۔ وہ پرند فوراً اپنی اصلی صورت میں آگیا اور اپنے متعلقین کے گلے لگا۔ جب ادھر سے فراغت ہوئی۔ ملکہ گلنار نے پیغام بھیجکر شیخ عبداللہ کو بلایا اور اُسکا شکریہ ادا کیا۔ پھر اُس لونڈی کے ساتھ شیخ عبداللہ کا نکاح پڑھوا کر اُسے شہر

دینار قیمت طلب کی ہے۔ جسے بڑھیا نے گن کے تمہارے سامنے ڈھیری کر دیا ہے۔ اب تم انکار کرتے ہو۔ لیکن اس شہر کا قانون نہیں جانتے کہ یہاں جو شخص جھوٹ بولتا ہے جان سے دیا جاتا ہے یہ سنکر بدر فوراً گھوڑے سے اتر آیا۔ بڑھیا نے فوراً اسکی لگام اتار لی۔ اور لوٹے سے تھوڑا پانی ہاتھ میں لیکر اسپر چھڑک دیا اور کچھ کلام پڑھکر بولی! بیٹی! اس خچر کی صورت چھوڑکر میرے کلام کے اثر سے اپنی اصلی شکل اختیار کرلے۔ وہ خچر فوراً ملکہ لاب بنگئی اور اپنی ماں کے گلے ملی۔ بدر کو جب معلوم ہوا کہ وہ بڑھیا ملکہ لاب کی ماں ہے اور ملکہ لاب اپنی اصلی صورت میں آگئی۔ خوف کے مارے اسکے ہوش اڑ گئے۔ فوراً وہاں سے بھاگنے کا قصد کیا۔ مگر وہ بڑھیا چلائی اور وہاں فوراً ایک جن آگیا جو دور سے کالا پہاڑ دکھائی دیتا تھا۔ اسے دیکھکر بدر کے بدن پر رعشہ پڑگیا۔ پھر وہ جن ملکہ لاب اور اس کی ماں اور بدر کو لیکر اڑا۔ اور ملکہ لاب کے محل میں آکھڑا ہوا۔ ملکہ لاب

تصویر جن ہیبت ناک کے پیدا ہونے اور بدر کو مع ملکہ لاب اور ضعیفہ کے اڑا لیجانے کی



تخت پر بیٹھکر بڑے غصے میں بھر گئی اور بدر سے مخاطب ہوکر بولی۔ ملعون! تو نے یہاں آکر جو حرام

اور بوڑھے کے پیچھے ہو لیا۔ اتنائے راہ میں انہیں ایک عورت ملی۔ اُسے دیکھکر خچر کے آنسو بہنے لگ گئے۔ عورت بولی میرے بیٹے کی ایک خچر مرگئی تھی۔ اِس خچر کی شکل اس سے بالکل ملتی ہے۔ میرے اچھے صاحب! کیا آپ اسے بیچ سکینگے۔ بدر نے جواب دیا نہیں۔ میں اسے بیچ نہیں سکتا۔ کیونکہ مجھے اسکی ضرورت ہے۔ عورت کہنے لگی۔ خدا کیلئے او نیک مسافر! میرا سوال رد نہ کریں ورنہ میرا بیٹا مرجائیگا۔ یہ سنکر بدر نے دلمیں سوچا اس سے پیچھا چھڑاو اور ایسی

تصویر بدر کا گھوڑی پر سوار ہوکر جانے اور راہ میں ایک شخص ضعیف کا ملاقات کرکے بدر کو باتوں میں لگانے پھر ضعیفہ کے آنے اور گھوڑی مول لینے کی



قیمت کہدو جسے وہ ادا نہ کرسکے۔ یہ سوچکر کہنے لگا۔ بوڑھیا۔ تو اسے نہ خرید سکیگی۔ اسکی قیمت ایک ہزار دینار ہے۔ یہ سنکر بوڑھیا نے فوراً بغل سے تھیلی نکالی۔ اور ایک ہزار گن کے سامنے رکھدیئے۔ بدر حیران رہ گیا۔ اور بولا۔ بوڑھیا! میں تو تم سے مذاق کررہا تھا۔ مجھے یہ خچر کسی قیمت پر بیچنا منظور نہیں ہے۔ وہ بوڑھا جسنے بدر کو رات بھر کیلئے مہمان بنایا تھا۔ بولا۔ بچیا! تم اس شہر میں جھوٹ نہیں بول سکتے۔ تم نے میرے سامنے ایک ہزار

ہیں کچھ ویسی ہی ہوگئی ہے۔ اُنسے کھانا پکوا رکھا تھا مگر میں نے نہیں کھایا۔ صرف ایک لذیذ کلیجہ اُٹھا لایا ہوں۔ کیا آپ تھوڑا سا لینگی۔ ملکہ نے جواب دیا۔ کیوں نہیں۔ تمہارا چچا میرا عزیز دوست ہے مگر تمہارے بعد میں نے اپنے ہاتھ سے تمہارے لئے ایک لذیذ کلیجہ تیار کیا ہے۔ پہلے تم اُسے چکھ لو۔ پھر میں بھی تمہارے کلیجے کو کھاؤنگی۔ یہ کہکر ملکہ نے وہ اپنا کلیجہ نکالا اور بدر کو دیا۔ بدر نے نظر بچا کر اُسے تو جیب میں ڈال لیا اور اپنا کلیجہ کھانے لگا۔ ملکہ نے جب دیکھا کہ بدر نے کلیجہ کھا لیا تھوڑا سا پانی لیکر اس کے مُنہ پر چھڑکا۔ اور بولی۔ تم یہ شکل چھوڑکر فلاں جانور کی شکل اختیار کرلو مگر یہاں کچھ چڑیلوں کی نہ بنی تھیں۔ کچھ بھی نہ بنا۔ ملکہ شرمندہ سی ہوگئی اور بدر کو گلے لگا کر بولی۔ کہ میں تم سے ہنسی کرتی تھی۔ آپ خفا نہ ہوں۔ بدر نے جواب دیا۔ خدا کی قسم مجھے تو اسکا کچھ بھی خیال نہیں اور خفگی ہونی ہی کیوں تھی۔ ملکہ مجھے تو پورا یقین ہے کہ آپ مجھ سے پوری محبت کرتی ہیں اب آپ میرے کلیجے کا ذائقہ چکھئے۔ کیسا لذیذ ہے۔ ملکہ نے بدر سے کلیجہ لے لیا اور فوراً کھا گئی۔ بدر نے موقعہ غنیمت سمجھکر فوراً کہا۔ اے بیحیا! فوراً اس انسانی صورت کو چھوڑکر خچر بنجا۔ اسکے یہ کہنے کی دیر تھی۔ کہ ملکہ لاب فوراً خچر بنگئی۔ اُسکی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ اور بدر کے پاؤں پر سر مل رہی تھی گویا معافی مانگتی ہے۔ بدر نے لگام تلاش کی۔ مگر محل میں اُسے کوئی ایسی لگام نہ مل سکی جو اس خچر کو پوری آتی۔ ناچار اُسے وہیں بند کرکے وہ شیخ عبداللہ کے پاس گیا۔ اور اُسے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ شیخ نے بدر کو اندر سے ایک لگام نکال دی جسے لیکر وہ فوراً محل میں پہونچا ملکہ لاب جواب خچر بنگئی تھی آگے بڑھی۔ اور لگام ٹھیک ہوگئی تھی۔ بدر اُسپر سوار ہوکر شیخ عبداللہ کے پاس پہنچا شیخ نے بڑے غصے سے ملکہ کو دیکھا اور بولا۔ اے ملعونہ! تیرے اعمال کی یہ سزا ہے۔ پھر شیخ بدر کی طرف مخاطب ہوکر کہنے لگا۔ بیٹا! اب تم فوراً اسپر سوار ہو جاؤ اور جہاں چاہتے ہو چلے جاؤ۔ یہاں رہنے میں خرابی متصور ہے۔ مگر خیال رکھنا۔ لگام کسی اور کے ہاتھ میں نہ جانے پائے۔ بدر نے سلام عرض کی اور بوڑھے شیخ سے وداع ہوکر ایک سمت کو روانہ ہوا۔ اور تین روز کے بعد ایک بڑی آبادی کے قریب سے گذرا۔ استے میں سامنے سے ایک بوڑھا آدمی آتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ پوچھنے لگا۔ بیٹا تم کہاں سے آرہے ہو۔ بدر بولا شہر جادو سے بوڑھے نے کہا۔ اچھا تو آج رات تم میرے مہمان ہو۔ بدر نے اسکی دعوت قبول کی

ملکہ نے بدر کو اسقدر شراب پلایا جس سے وہ بظاہر مدہوش نظر آنے لگا۔ جب ملکہ نے اسکا یہ حال دیکھا
پوچھا۔ میں تمہیں خدا کی قسم دیکر پوچھتی ہوں۔ کہ مجھے سچ سچ بتاؤ۔ تم نے کل رات مجھے باغ میں سفید چڑیا
بنے ہوئے دیکھا تھا۔ بدر نے جواب دیا۔ ہاں! یہ سنکر ملکہ نے اپنا اور اس پرندے کا سارا واقعہ سنا دیا
جسے کہ شیخ عبداللہ سے پہلے سن چکا تھا۔ اور کہنے لگی۔ باوصف اسکی محبت کے مجھے نار اور نور کی قسم
ہے کہ میں تمہیں دل سے چاہتی ہوں اور تم مجھ پر خفا ہو۔ بدر بحالت نشہ بولا۔ میرا غصہ محض اسی وجہ
سے تھا۔ یہ سنکر ملکہ نے پھر اسے گلے لگایا اور محبت ظاہر کی۔ پھر پہلو بہ پہلو سو رہے۔ جب رات
آدھی گذر گئی۔ ملکہ ابھی اسنے سمجھا۔ کہ بدر سو رہا ہے۔ مگر وہ بظاہر سوتا اور اندر سے جاگتا تھا اور
دیکھ رہا تھا کہ ملکہ کیا کرنے لگی ہے۔ غرض پہلے ملکہ نے ایک سرخ تھیلی نکالکر اس میں سے ایک سرخ
شے نکالی اور اسے زمین میں گاڑ دیا۔ فوراً وہاں ایک چشمہ نکل آیا۔ پھر چند دانے جو کے لیکر وہیں بوئے
پھر اس چشمے کا پانی اوپر ڈالا۔ فوراً جو اُگ کر انپر خوشے بھی لگ آئے۔ پھر انمیں سے دانے نکال لئیے
اور اس پانی سے آٹا گوندھا کچھ دوائیں ملائیں۔ اور آگ بھی جلا کر ایک کلچہ پکایا۔ جب اس کام
سے فراغت پا چکی۔ کلچہ کو کہیں احتیاط سے رکھدیا اور تھیلی سنبھال لی۔ پانی کا چشمہ بھی غائب ہوگیا
اور وہ بدستور بدر کے پہلو میں آکے سو رہی۔ جب صبح ہوئی بدر فوراً اٹھکر شیخ عبداللہ کے پاس گیا۔
اور اسے رات کا سارا واقعہ سنا دیا۔ شیخ نے کہا فکر نہ کرو۔ خدا تعالیٰ بہتر ہی کریگا۔ یہ کہکر ایک
کلچہ اسے اپنے پاس سے دیا اور کہا کہ اسے جیب میں رکھ لو۔ آج رات کو جب ملکہ آپ تمہیں وہ
کلچہ کھانے کو دے تو تم نظر بچا کے اسے اپنے پاس رکھ لینا اور اس بہت سے کلچے کا ٹکڑا توڑ کے کھا لینا
جب وہ تمہیں کلچہ کھاتے ہوئے دیکھیگی۔ تم پر پانی چھڑک کر کہنے لگی کہ اپنی یہ صورت چھوڑ کر فلاں
شکل اختیار کرلو۔ مگر تم پر اسکے سحر کا کچھ اثر نہ ہوگا اور وہ خجل ہو جائیگی۔ پھر وہ کہنے لگی کہ میں تم
سے ہنسی کرتی ہوں۔ اسکے بعد تم نے موقعہ پاکر اسکا کلچہ اسے بھی کھلا دینا۔ جب کھالے تو تم نے
تھوڑا سا پانی لیکر اسکے منہ پر چھڑک دینا۔ پھر جس جانور کی شکل کا ارادہ کرو گے کہنا۔ تو وہ فوراً وہی
جانور بن جائیگی اور [illegible] قابو آجائیگی۔ [illegible] کے بعد بدر شام [illegible] کے وقت [illegible]
گیا۔ [illegible] ملکہ [illegible] آئی تو اسکے [illegible] یہ دیکھا [illegible] خوش ہوئی اور کہنے لگی
میں تمہارے لئے [illegible] بیقرار [illegible] تھی۔ پھر [illegible] جواب دیا۔ [illegible] کے ساتھ [illegible]

لیکن ملکہ کو وہاں نہ پایا۔ البتہ کئی قسم کے پرندے اِدھر اُدھر چہچہا رہے تھے اور ایک سفید رنگ کی ایک خوبصورت چڑیا نہر کے کنارے بیٹھی تھی۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہے کہ درخت سے ایک سیاہ پرندہ اترا اور اس سفید چڑیا سے جفتی کرنے لگا۔ وہ ایسی جگہ کھڑا تھا کہ پرندے اسے نہ دیکھ سکتے تھے اسکے بعد وہ کالا پرندہ اڑ گیا اور سفید چڑیا ایک عورت بن گئی۔ بدر نے غور سے دیکھا تو وہی ملکہ تھی۔ اُسنے سوچ لیا کہ یہ کالا پرندہ بھی کوئی آدمی ہوگا جو ملکہ کے سحر کا شکار ہو چکا ہے۔ مگر اب تک ملکہ اُس سے تعلق رکھتی ہے۔ اُسے بڑی غیرت آئی۔ اور غصہ میں بھرا ہوا آکر بستر پر آکر لیٹ گیا گھڑی بھر پیچھے ملکہ بھی آگئی اور اُسے چومنے چاٹنے لگی مگر اسے سخت غصہ آ رہا تھا۔ اس لئے بدر نے کچھ جواب نہ دیا۔ ملکہ نے سمجھ لیا۔ کہ اس نے میری آج کی کرتوت دیکھ لی ہے۔ مگر وہ کچھ نہ بولی اور اپنے ارادے کو دل ہی میں رکھا۔ جب صبح ہوئی بدر نے کہا۔ ملکہ! آج میرا دل بڑے چچا کے دیکھنے کا خواہشمند ہے۔ دیر سے انہیں نہیں دیکھا وہ بھی کیا کہتا ہوگا۔ ملکہ نے اجازت دی اور کہا کہ جلدی آنا مجھے انتظار نہ کرنا پڑے۔ بدر شیخ عبداللہ کی دوکان پر آیا اور سلام کرکے رات کا واقعہ سنایا۔ شیخ نے جواب دیا۔ یہ سب طیور بھی کبھی انسان تھے۔ اور یہ کالا پرندہ ملکہ کا ایک غلام تھا جس پر وہ عاشق تھی۔ مگر وہ ایک لونڈی پر عاشق تھا۔ اسلئے ملکہ نے لونڈی کو تو مروا ڈالا اور اس غلام کو کالا پرندہ بنا دیا۔ اب بھی جس وقت چاہتی ہے اُس سے منہ کالا کر لیتی ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے دیکھنے کا اسے بھی پتہ لگ گیا ہے اور اسکے دل میں برائی بیٹھ گئی ہے جو مشکل سے صاف ہوگی۔ مگر تم اطمینان رکھو کہ میں تمہاری حفاظت رکھوں گا۔ میں ایک مسلمان آدمی ہوں اور سحر بھی جانتا ہوں۔ آج میرے برابر ایک بھی ساحر نہیں۔ مگر میں خاص موقعوں پر اپنے علم کو استعمال کرتا ہوں۔ ورنہ یہاں کے سب سحروں کو نجات دلا دیتا اور مجھے کسی کی بھی پرواہ نہیں۔ لیکن اب تم جاؤ۔ اور کل صبح پھر آکے اپنے حال سے خبر دینا۔ کیونکہ آج رات پھر تمہارے برخلاف کوشش کریگی۔ میں تمہیں تجویز بتا دونگا جس سے تمہیں گرفتار کرتی ہے آپ ہی قابو آجائیگی یہ کہکر بدر کو رخصت کیا۔ وہ فوراً محل میں آیا تو آگے ملکہ اسکے انتظار میں تھی۔ جب وہ اندر آگیا بڑی خوشی ہوئی اور اٹھ کے اسے گلے لگا لیا۔ پھر کھانا کھایا اور شراب پینے لگے

جن کے امیرانہ لباس سے ہیتم ہونے کا یقین ہوتا تھا۔ جب یہ جماعت بھی میاں بڈھے کی دوکان کے سامنے آئی۔ سب نے سلام کیا اور آگے بڑھ گئیں۔ پھر ملکہ کی سواری آئی۔ جس کا نام ملکہ لاب تھا۔ اور ایک بڑے لشکر کو رکاب میں لئے تھی۔ بدر کے حسن و جمال کو دیکھ کر ملکہ کے ہوش اڑ گئے۔ وہ فوراً گھوڑے سے اتری اور بوڑھے میاں کی دوکان پر آکے اسے سلام کہکر پوچھنے لگی یہ خوبصورت نوجوان کون ہے؟ بوڑھے میاں نے جسے لوگ عبداللہ شیخ کہتے تھے جواب دیا۔ یہ نوجوان میرا بھتیجا ہے اور تھوڑے ہی دن سے یہاں آیا ہے۔ ملکہ نے کہا کیا تم اسے آج رات میرے پاس رہنے کی اجازت دوگے۔ شیخ عبداللہ نے کہا مگر ایک شرط ہے کہ آپ اسے کسی قسم کی ایذا نہ پہنچائیں اور نہ اسے سحر کے پنجے میں جکڑیں۔ ملکہ نے اقرار کیا اور حلف اٹھایا کہ میں تمہارے بھتیجے کو کسی قسم کی تکلیف نہ دونگی۔ تم اطمینان رکھو۔ جب شیخ نے حامی بھری۔ ملکہ نے بدر کی سواری کے لئے ایک بیش بہا اور ساز و سامان سے آراستہ گھوڑا منگایا اور عبداللہ کو ہزار دینار کی تھیلی انعام میں دیکر چلی گئی۔ راستے میں لوگ ملکہ کے ساتھ بدر کو جاتا دیکھکر تاسف کرتے اور ہاتھ مل ملکر کہتے۔ خدا کی قسم یہ نوجوان اس ملعونہ کے جادو کا شکار ہونے کے قابل نہیں ہے۔ بدر سب کی باتیں سنتا تھا اور خدا پر بھروسہ رکھکر چلا جاتا تھا۔ آخر ملکہ کی سواری محل میں پہونچی اور ساری فوج اور سردار رخصت ہوئے۔ بدر ملکہ کے محل کی ٹھاٹھ دیکھکر حیران رہ گیا۔ اس کی دیواریں سونے کی بنی ہوئی تھیں۔ بیچوں بیچ ایک پائیں باغ تھا جس میں نہر چل رہی تھی اور درختوں پر انواع و اقسام کے پرندے چہچہا رہے تھے۔ پھر ملکہ اور بدر ایک بارہ دری میں ہاتھی دانت کے تخت پر بیٹھ گئے جس پر بیش قیمت ایرانی قالین بچھا تھا۔ ملکہ نے بدر کو گلے سے لگایا اور پھر دسترخوان چننے کا حکم دیا۔ جب کھانا کھاچکے شراب کا دور چلنے لگا۔ اسکے بعد گائنیں آئیں اور انہوں نے وہ رنگ باندھا کہ قصر شاہی بھی ناچتا دکھائی دیتا تھا۔ بدر کو ساری غربت بھول گئی۔ آدھی رات کے بعد دونو سو رہے۔ جب صبح ہوئی۔ ملکہ نے پہلے سے بھی زیادہ محبت کا اظہار کیا۔ غرض اسیطرح عیش و عشرت میں چالیس دن گذر گئے جب چالیسویں رات تھی۔ یکایک آدھی رات کے بعد بدر کو جاگ آئی۔ اسنے دیکھا تو ملکہ اسکے پہلو میں نہ تھی۔ دل میں کھٹک ہوئی کہ دل میں کچھ کالا ضرور ہے۔ اٹھا اور ملکہ کی تلاش میں باغ میں پہنچا

مگر بد سیرت شیطان خصلت شہزادی ہے جو جادو میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ شہر سے باہر جو جانور تمہیں اندر آنے سے روکتے تھے۔ وہ اس ملعونہ کے جادو کے شکار ہیں۔ اور کسی دن وہ بھی ہماری تمہاری طرح چلتے پھرتے تھے۔ اس بدذات کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی خوبصورت نوجوان اس شہر میں توارد ہوتا ہے تو شہزادی اُسے اپنے پاس بلوا کے چالیس دن رکھتی ہے۔ اور اکتالیسویں روز جادو کے زور سے کوئی جانور بنا کر گھر سے نکال دیتی ہے اسی طرح اس نے شہر کے تمام باشندوں کو جادو سے جانور بنا دیا ہے جو نوواردوں کو اشاروں سے منع کرتے ہیں۔ کہ اس شہر میں نہ جاؤ۔ ورنہ تمہاری بھی یہی کیفیت ہوگی۔ بدر یہ حال سُنکر بہت گھبرایا اور سوچنے لگا ؎

ایک مصیبت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا ٭ پڑ گئی اور یہ کیسی میرے اللہ رے نئی

پھر بڈھے کو اپنے مصائب کا حال سُنا کر مدد چاہی۔ اُسنے جواب دیا۔ اگرچہ یہاں کا حال ایسا ہے۔ جیسا کہ بیٹے تمہیں بتایا۔ مگر تم اطمینان رکھو اور مزے سے یہاں رہو۔ ہاں اس امر کا خیال رہے کہ یہاں کے کسی باشندے سے سروکار نہ رکھنا۔ اگرچہ ملکہ اور تمام شہر کے باشندے مجھ سے محبت رکھتے ہیں۔ بلکہ اُنکے دل میں میرا خوف بھی ہے مگر میں اُنسے نہیں ڈرتا۔ غرض بدر دوکان پر بیٹھ گیا۔ اتنے میں لوگوں کی آمد و رفت شروع ہوگئی۔ جو آتا بڈھے سے بدر کی بابت پوچھتا۔ بڈھا جواب دیتا یہ میرا بھتیجا ہے بیٹے سُنا ہے کہ میرا بھائی مرگیا۔ اسلئے اسے اپنے پاس بلوا لیا ہے۔ ہر ایک یہ سُنکر افسوس ظاہر کرتا۔ کاش! ملکہ کی نظر اسپر نہ پڑ جائے۔ ورنہ اسکا بھی وہی حال ہوگا جو اوروں کا ہوا کیونکہ ملکہ کو ایسے جوان بہت پسند آتے ہیں۔ مگر بڈھا کہتا۔ اطمینان رکھو۔ ملکہ جب یہ سنیگی کہ یہ نوجوان میرا بھتیجا ہے تو وہ اپنے ارادے سے باز آجائیگی۔ غرض بدر نے بڈھے میاں کی دوکان پر ایک مہینہ بڑے امن چین سے کاٹا۔ ایکدن وہ حسب معمول بیٹھا تھا کہ ایکہزار جوان ننگی تلواریں لئے گھوڑوں پر سوار ایک طرف سے چلے آتے ہیں۔ جب وہ بڈھے میاں کی دوکان کے پاس پہنچے سب نے بڈھے کو سلام کیا اور آگے بڑھے۔ انکے بعد ہزار ہی لونڈیاں نظر آئیں جنکے چہرے چاند کو شرمندہ کرتے تھے۔ انہوں نے بیش قیمت لباس اور جواہرات پہنے ہوئے تھے اور ہاتھوں میں نیزے لئے تھے۔ انکے حلقہ میں ایک عورت عربی گھوڑے پہ سوار آرہی تھی

شہر میں کسی آدمی کو نہ پایا بلکہ دیکھتے ہیں وہ بہت ہی خوبصورت اور پاکیزہ نظر آتا تھا۔ سمجھا کہ اس میں ضرور کچھ بات ہے۔ غرض وہ گھومتے گھومتے بڑی دیر کے بعد ایک سبزی فروش بڈھے کی دوکان پر پہنچا۔ جو مختلف قسم کی سبزیاں اور میوے چنے بیٹھا تھا۔ علیک سلیک کے بعد بڈھے میاں نے جب بدر کو ایک خوبصورت نوجوان پایا۔ بڑا حیران ہو گیا اور پوچھنے لگا

تصویر بدر کی شہر کی طرف جانے اور گاؤ بھینسوں اور بیلوں اور خچروں وغیرہ کے پاس پہنچنے کی



کہ میاں تم یہاں کیسے آ گئے؟ اور کیا شہر سے باہر تمہیں کوئی بلا وغیرہ پیش نہیں آیا۔ یا تم نے کچھ دیکھا تو نہیں۔ بدر نے ساری سرگذشت سنادی اور بولا میں اس شہر کو سنسان پا کر بڑا حیران ہو رہا ہوں۔ بڈھے نے جواب دیا۔ تم فوراً اندر آ جاؤ۔ مبادا کسی اور مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ۔ غرض بدر دوکان کے اندر چلا گیا۔ پھر پیٹ بھر کے اس نے میووں کو دیکھکر کھانا کھایا۔ جب بدر سیر ہو چکا پوچھنے لگا بڑے میاں! اس شہر کا کیا نام ہے؟ اور آپ نے مجھے کیوں اسکے باشندوں سے خوف دلایا ہے۔ بڈھے نے جواب دیا۔ اسے شہر جادو کہتے ہیں اور حاکم یہاں کی ایک خوبصورت

میں پانی کا پیالہ لیکر اس کمرے میں گئی جہاں وہ چڑیا تھی اور پانی پر کچھ کلام پڑھ کر جسے کوئی نہ سمجھ سکا اس چڑیا پر چھڑک کر کہنے لگی - اے چڑیا اس پانی کی تاثیر سے تو اس لباس کو چھوڑ کر اپنے اصلی لباس میں آجا - پانی کے پڑنے اور ملکہ کے یہ الفاظ کہنے کی دیر تھی کہ وہ چڑیا فوراً وہی خوبصورت بدر بنگیا - جو شہزادی جواہر کو ملنے سے پہلے تھا - بادشاہ اسکی وجیہہ صورت کو دیکھکر بے اختیار سبحان اللہ کہہ اٹھا - غرض بدر نے بادشاہ کے قدموں کو بوسہ دیا اور ملکہ کا شکریہ ادا کیا - جسنے اُسے ایک ناقابل برداشت قید سے نجات دی تھی - پھر بادشاہ نے اس سے ساری سرگذشت دریافت کی - بدر نے جو گذرا تھا سب کچھ من و عن کہہ سنایا - یہ سنکر بادشاہ نے پوچھا - تو اب تمہاری کیا صلاح ہے - یہاں رہنے چاہتے ہو یا اپنے ملک کو جاؤ گے - بدر نے جواب دیا - میں آپکے احسانات کو کبھی نہ بھول سکونگا اور اسلئے آپکے قدموں سے جدا ہونے کو جی نہیں چاہتا - لیکن اگر مجھے میرے وطن میں پہنچا دیں تو بڑی ہی عنایت ہوگی - کیونکہ میری ماں بہت ہی سخت تڑپ رہی ہوگی - کچھ عجب نہیں اگر مر جائے - اور میرے ماموں کو بھی میرا سخت انتظار ہوگا - اسلئے کہ انہیں دیر سے میری کچھ خبر نہیں ملی ہوگی - غرض بادشاہ نے بدر کے لئے ایک جہاز تیار کرایا جسپر ضرورت کی ہر ایک چیز رکھدی اور اپنے ملازمین کی ایک جماعت ہمراہ دی جو اُسے خراسان میں چھوڑ آئیں - غرض بدر نے بادشاہ سے اجازت لی اور جہاز پر سوار ہوا - ہوا موافق تھی - اسلئے چند روز تک جہاز بڑی سلامت روی سے چلتا رہا - مگر گیارھویں دن یکایک ہوا سے تند کا ایک ایسا جھونکا آیا کہ راستہ سے دور جا پڑا اور ڈگمگانے لگا - بلکہ ہوا اسقدر زور باندھ گیا تھا کہ کپتان بھی بے اختیار ہو گیا - آخرکار جہاز ایک سمندری چٹان سے ٹکرایا اور پاش پاش ہو کر ڈوب گیا - بدر نے بھی ایک آدھ ڈبکی کھائی ہوگی - مگر یکایک ایک تختہ اسکے ہاتھ آگیا اور وہ اسکے سہارے بہتا ہوا چند گھنٹے میں کنارے پر آلگا - کنارہ کچھ اونچا تھا اور اسے بھوک پیاس نے قریب المرگ کر رکھا تھا - نیز سامنے سے ایک خوبصورت شہر دکھائی دیتا تھا - اسلئے بدر نے جس طرح ہو سکا اپنے تئیں خشکی پر پہنچایا اور چاہتا تھا کہ شہر کو جائے - یکایک گھوڑے - گائیں - خچریں اور بیل وغیرہ چاروں طرف سے دوڑے اور شور و غل مچا کر اُسے آگے بڑھنے سے مانع ہوئے لیکن جس طرح ہو سکا وہ چھپ چھپا کر شہر میں جا ہی پہنچا - اسکی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اُسنے

شاہی عطیہ لیکر دعائیں دیتا چلا گیا۔ اور غلام نے اس بدنصیب چڑیا کو ایک اور خوبصورت پنجرے میں رکھکر محل میں لٹکا دیا۔ اور پاس ہی اسکے لئے ہر طرح کی خوراک بھی رکھدی۔ جب شام کو بادشاہ گھر آیا۔ غلام سے کہا وہ چڑیا کہاں ہے؟ اُسے یہاں لے آؤ۔ میں اُسے دیکھونگا۔ خدا نے دنیا میں کیا کیا عجائبات پیدا کئے ہیں۔ غلام پنجرہ لے آیا اور بادشاہ کے سامنے رکھدیا۔ مگر غلام نے اُسکے کھانیکے لئے جو کچھ پنجرے میں رکھا تھا۔ اُسے چڑیا نے مُنہ بھی نہ لگایا۔ وہ حیران ہوا کہ یہ کیا بات ہے؟ پھر حکم دیا کہ دسترخوان چُنا جائے۔ نوکروں نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ چڑیا نے دسترخوان پر شاہانہ کھانے دیکھکر چونچ اُدھر بڑھایا اور بادشاہ نے اُسے پنجرے سے نکالکر دسترخوان پر چھوڑ دیا۔ چڑیا فوراً بڑی احتیاط سے پھُدک پھُدک کر ہر ایک رکابی سے اچھے اچھے کھانے کھانے لگی۔ بادشاہ اور حاضرین اُسکے اس کرتب سے بڑے حیران ہوئے۔ پھر بادشاہ نے ایک غلام کو فرمایا میں نے عمر بھر میں پرندوں کو اسطرح کھانا کھاتے نہیں دیکھا۔ تم جاکے ذرا بیگم کو بُلا لاؤ تو وہ بھی اس نظارے کو دیکھے۔ غلام فوراً بیگم کی خدمت میں گیا اور عرض کی حضور کو بادشاہ سلامت یاد فرماتے ہیں۔ آج اُنہوں نے جو پرندہ خریدا تھا وہ عجائبات زمین میں سے ہے نہایت ہی خوش وضع اور خوبصورت ہے۔ اسکے علاوہ جب اسے دسترخوان پر لائے فوراً پھُدک کر کھانے پر جا بیٹھا اور ایسے عجیب طریق سے کھا رہا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ بیگم یہ پیغام سُنکر فوراً وہاں پہنچی جہاں بادشاہ کھانا کھا رہا تھا مگر بیگم نے اس چڑیا کو دیکھتے ہی فوراً مُنہ ڈھانپ لیا۔ اور واپس ہو گئی۔ بادشاہ آگے بڑھا اور پوچھا۔ کیوں خیر تو ہے۔ یہاں تمہارے نوکروں اور لونڈیوں کے سوا اور کون ہے کہ تم اسطرح مُنہ چھپا کر لوٹ چلی ہو۔ بیگم نے جواب دیا یہ پرندہ جسے آپ چڑیا سمجھ رہے ہیں چڑیا نہیں بلکہ ہماری تمہاری طرح کا ایک آدمزاد ہے۔ بادشاہ شاہزمان کا بیٹا بدر والئے خراسان ہے۔ اسکی ماں کا نام گلنار ہے اور شہزادی جوہر نے اسے سحر سے ایسا بنا دیا ہے۔ پھر اُسکا سارا واقعہ شروع سے آخر تک سُنا دیا۔ بادشاہ کو بڑی حیرانی ہوئی اور بیگم سے کہنے لگا۔ میری اچھی بیگم! تمہیں میری ہی قسم ہے۔ اسے مکار جوہر کے مکر سے چھڑاؤ اور جس طرح بنے اُسے اسکا اصلی جامہ پہناؤ۔ بیگم نے جواب دیا۔ بہت اچھا۔ آپ اسے کہئے کہ اس سامنے والے کمرہ میں چلا جائے۔ بادشاہ نے اشارہ کیا اور بدر فوراً اُس کمرے میں چلا گیا۔ پھر بیگم نے برقعہ پہنا اور ہاتھ

کی خبر دی - کیونکہ اگر ان لوگوں کو خبر بھی ہو گئی تو اندیشہ ہے کہ ملک میں فساد نہ مچ جائے - اسلئے میں بدر کے واپس آنے تک خود حکومت کرونگی - مگر آپ کیلئے فکر نہ ہونا چاہئے - کیونکہ بدر کی زندگی سے ہی میری زیست ہے - خدا نخواستہ وہ اگر ہلاک ہو گیا تو یقیناً میں بھی نہ جیونگی - ماں نے جواب دیا - بیٹی! تم نے ہمارے کلیجے کو چیر نہیں دیکھا - ورنہ بدر کی جدائی کا صدمہ ہمیں تم سے بھی بڑھ کر ہے تم اطمینان سے جاؤ میں پھر کھوج لگاؤنگی - پھر اسکی ماں نے اور مخبروں کو بدر کی تلاش کے لئے روانہ کیا - اور گلنار رہا دل گریاں اپنے گھر کو واپس آئی - اب بدر کا حال سنو - جب لونڈی اپنی شہزادی کے خلاف منشا اسے ایک آباد جزیرے میں چھوڑ آئی وہ اپنی صورت پر حیران تھا - جب بھوک لگتی وہاں سے درختوں کے پھل کھا لیتا اور چشموں کے پانی سے پیاس بجھاتا - حتی کہ اسی حالت میں کئی دن گذر گئے - مگر وہ اڑنا بھی نہ جانتا تھا - اور نہ ہی اسے معلوم تھا کہ کہاں جائے - چند روز کے بعد اتفاق سے وہاں ایک شکاری آ گیا - بدر کو ایک عجیب و غریب خوبصورت چڑیا پا کر اسے بڑی حیرانی ہوئی اور اسنے ارادہ کیا کہ جس طرح سے ہو اسے پکڑ کر کسی اچھے آدمی کے پیش کرے جو اسے دل کھولکر انعام دیگا - غرض اسنے دانہ بکھیر کر جال بچھایا - بیچارہ ناتجربہ کار پرندہ جال کے پھندوں میں فوراً آ پھنسا ؎

پھنس گئے تھا دام ایک قریب آشیاں کے ⁂ اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

صیاد نے نہایت مسرت سے اسے پکڑا اور شہر کو لے چلا - راستے میں کئی ایک آدمیوں نے اسکی قیمت پوچھی - صیاد نے کہا - تم اسے کیا کرو گے - وہ شخص بولا - میں اسے ذبح کر کے پکاؤنگا - مگر شکاری بولا - تم زیادہ سے زیادہ اسکی قیمت ایک درم دیدو گے اور ایسے خوبصورت جانور کو ہلاک کر دو گے - ایسا پرندہ میں نے عمر بھر میں نہیں دیکھا - حالانکہ سحر و بر میں شکار کرتے میری عمر بھی صرف ہو چکی ہے - میں اسے بادشاہ کو ہدیہ دونگا - جو مجھے بھی انعام دیگا اور اسے بھی پرورش کریگا - غرض وہ اسے لیکر شاہی دربار کی طرف آیا - بادشاہ اسے دور سے دیکھکر بہت خوش ہوا اور ایک غلام کو بھیجا کہ اسے خرید لائے - غلام شکاری کے پاس آیا اور پوچھا کہ تو اسے بیچیگا - صیاد نے جواب دیا نہیں بلکہ میں اسے بادشاہ کی نذر کیلئے لایا ہوں - غلام نے اسے ساتھ لیلیا اور پنجرہ بادشاہ کے سامنے رکھکر صیاد کا پیغام عرض کر دیا - بادشاہ نے فرمایا اور حکم دیا کہ صیاد کو دس دینار دئے جائیں صیاد

سپاہ کو بھگا دیا۔ محل میں شہزادی جواہر کی تلاش کرائی۔ مگر جب شہزادی نہ ملی تو اپنے گھر آیا اور والدہ سے بدر کی بابت پوچھا۔ اس کی والدہ کہنے لگی وہ تو اسیوقت سے غائب ہے۔ جب سے تمہاری لڑائی کی خبر سنی گئی ہے۔ ملک صالح نے جب یہ بات سنی بڑا متفکر ہوگیا اور والدہ سے کہنے لگا۔ یہ ٹھیک نہیں ہوا۔ اندیشہ ہے کہ کہیں مارا نہ جائے۔ اگر سمندال کے کسی سپاہی کے قابو چڑھ گیا۔ یا اصلی لڑکی شہزادی جواہر نے اسے پا لیا۔ کیونکہ وہ اپنا کینہ نکالنے بغیر رہنے والے نہیں ہیں مجھے گلنار سے بڑی شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔ اسلئے کہ میں اسے بغیر اجازت اپنے ساتھ لایا ہوا ہوں غرض سوچ سوچکر ملک صالح نے چاروں طرف جاسوس اور گوشہ گوشہ کو روانہ کیا کہ بدر جہاں سے ملے ڈھونڈ کے لائیں۔ مخبروں نے چپہ چپہ چھان مارا لیکن بدر ہو تو اسکا پتہ لگے۔ وہ تو ایک خوبصورت چڑیا کی شکل میں اس جزیرے میں بیٹھے کھا رہا تھا۔ آخر بیچارے ناکام آئے۔ اور ملک صالح کا فکر ایک سے ہزار گنا بڑھ گیا۔ ادھر ملکہ گلنار سے جب بدر اپنے ماموں کے ہمراہ چلا آیا تھا۔ بیٹے کا بڑا انتظار کیا۔ حتٰی کہ کئی دن تک بدر کی اسے خبر نہ ملی۔ ناچار آپ تلاش کے لیے نکلی۔ اور اپنے میکے میں آئی۔ اس کی ماں نے اسے گلے لگایا اور خیریت دریافت کی۔ ملکہ گلنار نے جلدیا پہلے مجھے بدر کا پتہ بتاؤ۔ پھر اور باتیں ہونگی۔ میں کئی دن سے اسے نہ پاکر بیقرار ہو رہی ہوں۔ گلنار کی ماں نے جواب دیا۔ بیٹی! بدر آیا تو تھا اور تمہارا بھائی ہی اسے ساتھ لایا تھا۔ کیونکہ بدر شہزادی جواہر کا مشتاق تھا۔ پھر تیرے بھائی نے بہت سے جواہرات ساتھ لئے اور ملک سمندال کے پاس گیا۔ وہ بڑی ترشروئی سے پیش آیا بلکہ کچھ سخت سست بھی کہا۔ بیٹے اسکے روانہ ہونے کے بعد ہی ایک ہزار جوان بھیجدئے تھے۔ تاکہ وقت پر کام آسکیں۔ سو وہی ہوا۔ ملک صالح نے یکایک انکے ساتھ ملک سمندال پر حملہ کر دیا۔ آخر ملک سمندال قید ہو گیا اور اسکی فوج بھاگ گئی کچھ ماری گئی۔ اس مجادلے کا حال سنکر بدر رفعتاً جانے کہیں اطلاع دئے بغیر کہاں چلا گیا ہے۔ مخبروں نے چپہ چپہ چھان مارا مگر کچھ پتہ نہیں لگا۔ کہ بدر گیا کہاں ہے گلنار نے پوچھا اور بھائی اب کہاں ہیں؟ اسکی ماں نے کہا۔ وہ آج سمندال کے تخت پر بیٹھا حکمرانی کر رہا ہے۔ گلنار کو بھائی پر سخت غصہ تھا۔ کیونکہ وہی بدر کو یہاں لایا تھا۔ مگر ... اس خیال کو ظاہر نہ کیا۔ اور ماں سے کہنے لگی۔ تو میں اب جاتی ہوں ... بدر کی ...

پرورش کردی اور اُسے گرفتار کرلیا۔ مگر تعجب خیز اتفاق یہ ہے کہ ہم دونوں یہاں آجمع ہوئے ہیں پس اب آپ نیچے اتر آئیے۔ تاکہ آپ کے باپ کے محل کو چلیں۔ اور میں ماموں سے کہکر آپ کے والد کو چھڑاؤں۔ اے میری پیاری شہزادی اپنے محض آپ کے لئے اپنا ملک ہی چھوڑ دیا ہوا ہے۔ یہ سُنکر شہزادی جواہر جو پہلے بدر سے کچھ محبت کرنے لگ گئی تھی سخت ناراض ہوئی۔ اور سوچنے لگی کہ جس کے سبب سے ہم پر ایسی مصیبت پڑی۔ اس سے بدلہ لئے بغیر نہ رہنا چاہیئے۔ پھر بڑی میٹھی آواز سے جواب دیا۔ کیا آپ ہی ملکہ گلنار کے فرزند ہیں۔ جواب دیا ہاں۔ میری پیاری۔ شہزادی جواہر بولی۔ میرا باپ بڑا ہی بیوقوف ہے۔ جسنے آپکو دیکھے بغیر ہی انکار کر دیا۔ یہ نہیں جانتا۔ آپ سے بڑھ کر حسین شہزادہ کہاں سے ملیگا۔ مگر امید ہے کہ آپ اُسے معذور سمجھیں گے۔ کیونکہ جو محبت آپ کو میرے ساتھ تھی اس سے بدرجہا بڑھ کر مجھے آپ کے ساتھ ہے۔ پھر وہ درخت پر سے اتر آئی اور بدر کو آکر گلے لگا لیا۔ یہ دیکھکر بدر کی مسرت کی انتہا نہ رہی۔ مگر اتنے میں شہزادی مُنہ میں کوئی کلام پڑھنے لگی جسے بدر ہرگز نہ سمجھتا تھا۔ جب وہ کلام ختم کر چکی تو بدر کے مُنہ پر تھوکا۔ اور بولی اے ملعون اچھا! یہ صورت چھوڑ کر سفید پروں والی سُرخ منقار والی اور سُرخ ہی پنجوں والی خوبصورت چڑیا بن جا۔ شہزادی کے یہ کہتے ہی بدر کی صورت منتقل ہوگئی وہ اب آدمزاد سے ایک خوبصورت چڑیا بنگیا تھا اور زمین پر بیٹھکر شہزادی کی طرف تک رہا تھا۔ شہزادی کے ساتھ ایک لونڈی بھی تھی مرسینہ نامی شہزادی اس کی طرف مخاطب ہوئی اور اُسے حکم دیا۔ اے مرسینہ! اگر میرا باپ اسکے ماموں کا اسیر نہ ہوتا تو یقیناً میں اسے قتل کر ڈالتی۔ کیونکہ سب فتنہ اسی کا برپا کیا ہوا ہے۔ لیکن اب خوف آتا ہے اسلئے تم اسے لیجاؤ اور فلاں جزیرے میں جا کر چھوڑ آؤ۔ جہاں خود بخود بھوک پیاس سے مرجائیگا۔ مرسینہ اُٹھی اور اُس چڑیا کو اُٹھا کر جہاں شہزادی جواہر نے کہا تھا لے چلی۔ جب وہاں پہونچی اور اُسے چھوڑ کر آنا چاہتی تھی کہ اُسکے دل میں رحم آگیا۔ سوچنے لگی۔ ایسے شخص کو جسنے ناز و نعم میں پرورش پائی ہو۔ اسطرح سے مارنا سخت بیرحمی ہے۔ نیز شہزادی نے اسوقت تو غصّے سے مجھے یہ حکم دیدیا ہے۔ بعد کو ضرور پچھتائیگی۔ یہ سوچکر اُسے ایک اور سرسبز اور تر و تازہ جزیرے میں جا کے چھوڑ آئی۔ جہاں درخت لہلہا رہے تھے۔ نہریں جاری تھیں۔ اور میووں کا کچھ شمار نہ تھا۔ آ کر اسنے شہزادی سے ریورٹ دیدی کہ میں آپ کے حکم کی تعمیل کر آئی ہوں اُدھر ملک صالح نے جب سمندال کو قید کر کے اس کی

اٹھا اور شہزادی کے پاس جاکر بولا - آپ کون ہیں؟ کہاں سے آنا ہوا - اور یہاں کیوں تشریف رکھتی ہیں - اگر میں آپ کی کچھ مدد کر سکوں تو بلا تامل ارشاد فرمایئے - شہزادی جواہر نے جب نظر اٹھاکر بدر کو دیکھا تو اسے اسکے مردانہ حسن و جمال کو دیکھکر معلوم ہوا - گویا آنکھوں کے سامنے بجلی کوند گئی اور نظر نیچی کرکے بولی - میں ملک سمندال کی بیٹی جواہر ہوں - ملک صالح اور میرے باپ کے درمیان کسی بات پر تکرار ہو پڑی تھی - ملک صالح نے میرے باپ کو قید کر لیا اور اسکے سپاہیوں کو تقصیر پر شہزادی جواہر کی معہ خواص دیرانے میں چھپنے کی اور شہزادہ بدر کا اس سے گفتگو کرنا



بھگا دیا - میں بھی اس کے خوف سے اپنے تئیں بچاکر یہاں لائی ہوں - اور جب سے آئی ہوں - نہیں معلوم میرے باپ کی کیا حالت ہے - بدر کو اس تقابو پر بڑی حیرانی اور مسرت ہوئی - اور دل میں کہنے لگا ؎

جذب دل زور آزمانا چھوڑ دے ٭ پائے نازک کا ستانا چھوڑ دے

پھر شہزادی جواہر سے مخاطب ہوا - کہ اے میری آنکھوں کے نور! یہ لڑائی محض میرے لئے ہوئی تھی - ملک صالح میرا ماموں ہے - اس نے آپکے والد کو میرے لئے سگائی کا پیغام دیا تھا مگر آپ کے والد نے سخت خفگی کا اظہار کرکے ملک صالح کو قتل کرا دینا چاہا - اسلئے ملک صالح نے ا

پڑھ کر نہیں ہو۔ پھر اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اس شخص کا سر کاٹ کر پھینک دو۔ ملک سمندال کے نوکر تلواریں کھینچکر دوڑے کہ ملک صالح کی بوٹی بوٹی کر ڈالیں۔ مگر ملک صالح دوڑ کر باہر نکل چکا تھا جب وہ دروازہ پر پہنچا تو دیکھا کہ اُس کی فوج کے ایک ہزار جوان لوہے میں ڈوبے کھڑے ہیں۔ ملک صالح کی یہ حالت دیکھکر وہ بولے۔ کیوں کیا خیر ہے؟ ملک صالح نے اُنکے جواب میں اپنی سرگذشت سُنادی۔ اور ان جوانوں کو ملک صالح کی والدہ نے اُسکی مدد کیلئے بھیجا تھا۔ کہ ملک صالح اکیلا ہی قابو نہ آجائے۔ غرض وہ جوان ملک صالح کی کہانی سُنکر بڑے برہم ہوئے اور تلواریں کھینچ کھینچکر اندر گھس پڑے۔ ملک سمندال کی فوج غافل پڑی تھی اور وہ کرسی پر غصہ میں بھرا ہوا بیٹھا ہوا تھا۔ حملہ آوروں کو دیکھکر چلایا کہ ان سب کی گردنیں مارو۔ مگر وہاں کسی نے فرصت ہی نہ لینے دی اور ایک ہی گھنٹے میں ملک سمندال کی قوم بھاگ گئی۔ ملک صالح نے اُسکے ملک پر قبضہ کر لیا اور اُسے گرفتار کر لیا۔ جب شہزادی جواہر کو اپنے باپ کی گرفتاری اور اپنے اقارب کے قتل کی خبر ملی۔ تو فوراً محل سے نکلکر ایک جزیرے کو چل دی۔ اور وہاں جاکر اپنے تئیں درختوں کے ایک جھنڈ میں چھپا لیا۔ جب یہ مقابلہ ہو رہا تھا ملک سمندال کے کچھ آدمی بھاگے ہوئے بدر کو بھی ملگئے جو ملک صالح کے ملک میں تھا اور انہوں نے اُسے خبر دی۔ کہ ملک صالح گرفتار ہو گیا ہے۔ بدر یہ وحشت اثر خبر سُنکر بڑا افسوسناک ہوا کہ یہ سب میرے ہی قدموں کی شوخی سمجھی جائیگی اور ملک صالح کی ماں مجھے ہی اُس کا مطعون بنائیگی۔ لہٰذا یہاں سے چل نکلنا چاہیے۔ یہ سوچکر وہ بھی محل سے نکل کھڑا ہوا۔ مگر اُسے معلوم نہ تھا کہ اب کدھر سے اپنے ملک کو جاؤں۔ لہٰذا جدھر منہ اُٹھا وہ اُدھر ہی کو چل پڑا۔ اتفاق سے جس جزیرے میں شہزادی جواہر نے اپنے تئیں چھپایا تھا اُسکا بھی وہیں گذر ہو گیا۔ اور ایک درخت کے نیچے تھک کر بیٹھ گیا تاکہ تھوڑا سا آرام کرے۔ بیٹھے بیٹھے درخت کے اوپر کی طرف نگاہ جا پڑی۔ دیکھا کہ ایک حسینہ لڑکی اپنے تئیں پتّوں میں چھپائے بیٹھی ہے۔ گویا بادل میں چاند چھپا ہوا ہے۔ سوچا یہی شہزادی جواہر نہ ہو۔ جسکے لئے میں مارا مارا پھر رہا ہوں۔ شاید لڑائی کا قصہ سُنکر گھر سے بھاگ آئی ہوگی اور کسی خوف کے سبب سے اپنے تئیں یہاں چھپا رکھا ہے اگر یہ شہزادی جواہر نہیں ہے۔ یقیناً یہ شہزادی سے خوبصورت ہے۔ آؤ ذرا اس سے پوچھوں تو سہی۔ اگر یہ شہزادی ہوئی تو میری غرض آسانی سے حاصل ہو جائیگی۔ غرض یہ خیال کر کے بدر

میں پہنچے۔ ملک صالح نے اندر آنیکی اجازت مانگی جو بآسانی مل گئی۔ دو تو ملک سمندال کی خدمت میں حاضر ہوکر آداب بجا لائے۔ ملک سمندال ملک صالح کو دیکھکر اُٹھ کھڑا ہؤا اور اپنے پاس بٹھایا۔ جب بیٹھ گئے تو ملک سمندال نے آنیکی وجہ پوچھی۔ ملک صالح نے جواب دیا۔ حضور! میں آپ کی خدمت میں ایک حاجت لایا ہوں۔ اُمید ہے کہ اپنی قدیم عادت جود وسخا کے بموجب مجھے مایوس نہیں کرینگے۔ یہ کہکر جواہر کی دو تھیلیاں سامنے لا رکھیں اور بولا پہلے انہیں قبول فرما کر مجھے مشکور کریں۔ ملک سمندال نے پوچھا آخر فرمائیں تو سہی۔ آپ کی وہ کونسی حاجت ہے۔ جسے میں پورا کرسکتا ہوں۔ اگر میرے بس میں ہوگی تو مجھے کچھ عذر نہ ہوگا۔ لیکن اگر میرے اختیار سے باہر ہوئی تو پھر بتائیے میں کیا کرسکونگا۔ یہ سنکر ملک صالح اُٹھا اور تین بار زمین خدمت کو بوسہ دیکر عرض کی۔ میری حاجت بالکل آپ ہی کے بس میں ہے بلکہ آپ ہی اسکے مالک ہیں۔ ملک سمندال نے جواب دیا۔ آخر آپ ظاہر تو کریں۔ ملک صالح نے عرض کی۔ میں آپ سے شہزادی جواہر کی منگائی مانگنے آیا ہوں۔ ملک سمندال یہ سُنتے ہی قہقہہ مار کر ہنسنے لگا اور بولا کہ اے ملک صالح! میں تمہیں بڑا عقلمند سمجھا کرتا تھا۔ اور میرا خیال تھا کہ تم کبھی فضول کوشش نہیں کرتے ہو۔ نہ ہی بیہودہ گو ہو۔ مگر اب معلوم ہؤا کہ تمہاری عقل ٹھیک نہیں رہی۔ ورنہ ایسی بات کچھ سوچکر مُنہ سے نکالتے کہ بادشاہوں کی بیٹیاں طلب کرنا خالہ جی کا گھر نہیں۔ کیا فی الواقع تمہاری وقعت اس درجہ تک بڑھ گئی ہے کہ میرے سامنے ایسی باتیں کرسکتے ہو۔ ملک صالح بولا۔ بادشاہ سلامت آپ خفا نہ ہوں۔ میں یہ منگائی آپ کے لئے نہیں مانگتا۔ اگر اپنے لئے مانگتا تو آپ کی خفگی بجا بھی تھی۔ بلکہ میں تو شہزادی جواہر کا ناطہ اپنے بھانجے بدر کے لئے مانگتا ہوں۔ جو روئے زمین کا ایک صاحب شوکت وحشمت بادشاہ ہے۔ اُسکے باپ شہزمان کو اُمید ہے کہ آپ بھی جانتے ہونگے اسکے علاوہ بدر خوبصورتی میں بھی شہزادی جواہر سے کچھ کم نہیں ہے۔ وہ شجاع اور بہادر لڑکا ہے جواہر کی شادی تو آخر آپ نے کرنی ہی ہے۔ کیونکہ لڑکیاں کوئی شخص گھر نہیں بٹھا سکتا تو کیوں نہ آپ اسکا عقد بدر ہی سے کردیجئے؟ جو ہر طرح سے شہزادی کا جوڑ ہے۔ جب ملک سمندال نے یہ باتیں سنیں۔ اسکے غضب کے تھرمامیٹر کا پارہ ایکسو بیس درجے پر جا پہنچا اور بولا اے ملعون! تو نے مجھے پہلے سے گویا بڑھکر گالی دی ہے۔ تو کون بلا ہے۔ اور تیری ہمشیرہ کیا چیز ہے تیرے بھانجے اور اُس کے باپ کو میں کیا سمجھتا ہوں۔ تم سب میری لڑکی کے مقابلہ میں کُتّوں سے

پوچھ کر تمہیں بھی اپنے ساتھ لیجاؤں۔ اور ملک سمندال کو تمہارے لئے شہزادی کا جواہر کا پیغام دوں۔ کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں تمہیں بلا اجازت لیگیا تو گلنار مجھ پر خفا ہوگی۔ اس لئے کہ ملک کے خالی رہنے سے اسکے جاتے رہنے کا اندیشہ ہے۔ بدر نے جب ماموں کا پیغام سُنا کہنے لگا میں ہرگز ماں سے اجازت لینے نہ جاؤنگا۔ کیونکہ مجھے امید نہیں وہ ماں نے سلئے میں ہیں آپکے ساتھ جاؤنگا اور رونے لگ گیا۔ جب ملک صالح نے دیکھا کہ بدر کسی طرح نہیں مانتا تو ایک انگوٹھی اپنی انگلی سے اتار کر بدر کو دی اور کہنے لگا اسے پہن تاکہ تم میرے ساتھ بآسانی پانی میں چل پھر سکے اور بحری جانوروں سے تمہیں کوئی ضرر نہ پہنچ سکے۔ بدر نے انگوٹھی لیکر پہن لی۔ پھر دونوں پانی میں غوطہ لگا گئے۔ تھوڑی دیر بعد ملک صالح کے محل میں جا پہنچے۔ گلنار کی ماں اپنے اقارب سمیت ملک صالح کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ اسکے ساتھ بدر کو پاکر اُسے بہت خوشی ہوئی بدر نے اپنی نانی اور ماسیوں کو سلام کیا اور اسکی نانی نے اُسے گلے لگا لیا۔ پھر گلنار کی خیریت پوچھی بدر نے کہا۔ اماں اچھی تھی اور آپ کو سلام کہتی تھی۔ اسکے بعد ملک صالح نے والدہ کو علیحدہ لیجا کر بدر کے ساتھ آنے کی وجہ سُنائی۔ بڑھیا بڑی خفا ہوئی اور بولی۔ تم نے یہ سخت حماقت کی ہے کہ شہزادی جواہر کا ذکر کر دیا۔ کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ ملک سمندال کیسا بیہودہ آدمی ہے۔ خصوصًا جواہر کیلئے تو صدوسے کا بخیل ہے۔ سارے ہی بحری بادشاہ اسکے لئے پیغام بھیجکر مُنہ کی کھا چکے ہیں۔ اگر ہمیں بھی وہی اوروں والا جواب ملا تو بتاؤ ہماری زندگی رہجائیگی۔ ملک صالح نے جواب دیا۔ اب تو جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ اب تو پیغام بھیجنا ہی پڑیگا۔ کیونکہ بدر کی جان سے بھی ہمیں پیار نہیں۔ گو ہماری ساری جائیداد بھی ضایع ہو جائے۔ مگر اماں آپ اطمینان رکھیں۔ بدر شہزادی جواہر سے کم خوبصورت نہیں ہے اور نہ ہی اسکے باپ سے کم رُتبہ ہے۔ بلکہ وہ خشکی کا ایک شہنشاہ ہے۔ اسکا باپ بھی شہنشاہ تھا یقین تو یہ ہے کہ وہ اسکے پیغام کو رد نہ کریگا۔ ملک صالح کی ماں نے جواب دیا۔ اپنی رائے کے تم آپ مالک ہو جو مرضی ہو کرو۔ لیکن اگر ملک سمندال نے کچھ بکواس کی تو تم ہی اسکے ذمہ دار ہو کیونکہ وہ شخص بڑا ہی کم عقل آدمی ہے اور کسی کے رتبے کی اُسے قدر نہیں۔ ملک صالح نے جواب دیا۔ اماں جان: آپ دیکھتی تو جائیں۔ یہ کہکر دو تھیلیاں بیش قیمت جواہرات سے بھری ہوئی لیں اور غلاموں کے سر پر اٹھوا کر دونوں ملک سمندال کی ولایت کو چل پڑے۔ حبیب الخلافت

عاشق ہوکر اپنے تئیں آوارہ کریگا۔ وجہ یہ کہ اس لڑکی کا حاصل کرنا مشکل رہا ہے۔ ممکن ہے اسکا باپ انکار کر دے۔ گلنار نے پوچھا تم لڑکی کا نام تو بتاؤ۔ میں بھی تو سنوں۔ کیونکہ مجھے تو اور کوئی بھی شہزادی بدر کے قابل نہیں نظر پڑتی۔ لیکن اگر ہو تو خواہ مجھے اپنی ساری جائداد بھی کیوں نہ صرف کردینی پڑے۔ میں اپنے بیٹے کا بیاہ اسی سے کرونگی۔ بدر سو رہا ہے۔ تم ذرا توقف نہ کرو۔ ملک صالح نے پھر کہا کہ ذرا غور سے دیکھ لو۔ بدر جاگتا نہ ہو۔ ورنہ بعد میں لینے کے دینے پڑ جائینگے۔ گلنار بولی۔ بھائی تم فکر نہ کرو۔ بدر دیر سے سو رہا ہے۔ آخر ملک صالح بولا۔ میری رائے میں شہزادی جواہر ملک سمندال کی لڑکی سے بڑھکر اچھی شہزادی شاید تمہیں بدر کیلئے کہیں سے بھی نہ ملیگی۔ گلنار نے جواب دیا۔ البتہ! اسکو میں بھی مانتی ہوں۔ شہزادی جواہر فی الواقع بدر کا ہی جوڑ ہے۔ کیونکہ میں خود اسے کئی دفعہ دیکھ چکی ہوں۔ جب وہ چھوٹی سی بچی تھی اب تو ماشاءاللہ! اس صورت کی پرستش کے قابل ہوگی۔ بدر اپنے ماموں اور ماں کی باتیں سنکر شہزادی جواہر پر غائبانہ عاشق ہوگیا اور اسکے دل میں عشق کی چنگاری سی آہ اٹھی۔ مگر اسنے کوشش کی۔ کہ کسی کو اسکے جاگتے ہونیکا پتہ نہ لگ جائے ملک صالح بولا مگر اسکا باپ بھی بادشاہوں میں سے پرلے درجہ کا اجڈ شخص ہے۔ نیز وہ مجھ سے طاقتور بھی ہے۔ میں کوشش کرونگا کہ اسے بدر کیلئے پیغام بھیجوں۔ اگر اس نے مان لیا تو بہتر۔ ورنہ کسی اور جگہ کوشش کیجائیگی۔ لیکن تم نے بدر سے اسکا ذکر تک نہ کرنا۔ گلنار نے کہا۔ بہت اچھا۔ پھر وہ دونو کھانے سے فراغت پاکر اپنے اپنے بستروں پر جا لیٹے۔ لیکن بدر کیلئے وہ رات بڑی مصیبت کی رات بنگئی۔ چار پہر اسنے بستر پر پہلو بدلتے ہی کاٹی۔ جب صبح ہوئی۔ ماموں بھانجہ دونوں حمام گئے اور نہا دھو کر کھانا کھایا۔ مگر بدر نے برائے نام چند ہی نوالے زہر مار کئے۔ غرض کھانے سے فراغت پاکر ملک صالح نے جانے کی اجازت مانگی۔ اور بولا۔ میں عنقریب ہی پھر تمہیں ملونگا۔ مگر بدر نے اسے کہا کہ میں آج کے دن تمہیں نہیں جانے دونگا۔ ملک صالح نے بھانجے کی فرمائش پر انکار کرنا مناسب نہ سمجھا اور ٹھہر گیا۔ جب تیسرا پہر ہوا۔ بدر اسے باغ کی سیر کیلئے لیگیا اور ایک درخت کے نیچے تخت پر بیٹھ گئے۔ بدر کے بیٹھتے ہی آنسو نکل گئے اور عاشقانہ دردناک اشعار پڑھنے لگا۔ ملک صالح بدر کی یہ کیفیت ملاحظہ کرکے ہاتھ ملنے لگا اور پوچھا بدر! کیا تم نے وہ گفتگو سن لی ہے جو میرے اور گلنار کے درمیان ہوئی تھی اسنے کہا ہاں! ملک میرا دل اب اسی کا ہو رہا ہے۔ ملک صالح بولا۔ تو آؤ تمہاری ماں سے

گوشہ نشینی اختیار کی - ملک صالح بھی اپنے متعلقین کے ساتھ آکر ماتم میں شامل ہوا - اور گلنار کو تسلی دی کہ تمہارا بیٹا لائق فائق ہے - امید ہے کہ اپنے باپ کا بہتر جانشین ثابت ہوگا - اب مرنیوالا مرگیا - تم لیچیے نشان کیوں رو رو کر ہلاک کرتی ہو - غرض جب ماتم کا مہینہ گذر گیا اراکین دولت بدر کی خدمت میں حاضر ہو کر آداب بجالائے اور عرض کی کہ سلطنت کے کام آپ کے بغیر رکے پڑے ہیں - جلد دربار میں قدم رنجہ فرماویں - مرحوم کی موت کا افسوس ہر شخص کو ہے - مگر گیا کیا جائے مرنیوالوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا - غرض اسی طرح تسلی و تشفی کی بہت سی باتیں کر کے اسے حمام کرایا - اور تاج شہنشاہی پہنا کر تخت پر بٹھایا - غرض بدر بڑی تندہی کے ساتھ رعایا کا انصاف دینے لگا - اور مظلوموں کی دادرسی کرنیگا - حتٰی کہ ایک سال کے عرصے میں سب کے دل مٹھی میں کر لئے ٭

اب بدر سترہ سال کی عمر کو پہنچ گیا تھا کہ ایک دن شام کے وقت ملک صالح اپنی بہن اور بھانجے کو ملنے آیا - گلنار نے ماں بہنوں کی خیریت پوچھی - ملک صالح نے جواب دیا سب اچھے ہیں مگر سب کا خیال تمہاری ہی طرف ہے - اتنے میں رات کا کھانا آگیا اور دونوں بہن بھائی بیٹھ کر کھانے لگے - بدر اسوقت لیٹا ہوا تھا - اثنائے گفتگو میں بدر کے حسن جوانی اور عقل و تدبیر کی بھی بات چل پڑی - گلنار نے اپنے بیٹے کی بہت تعریف کی - ادہر بدر نے اپنا ذکر سنکر اپنے تئیں بالکل سوتا ہوا بنا لیا - کہ دیکھوں میری بابت کیا باتیں کرتے ہیں - بدر کو سوتا پاکر ملک صالح بولا ہمشیرہ! بدر سترہ سال کا ہو گیا ہے - لیکن تمہیں اسکے بیاہ کا بھی کچھ فکر ہے - میری رائے ہے - کہ کسی بحری شہزادی سے جو اسکے قابل ہو - اسکی شادی کیجائے - گلنار نے پوچھا - بھائی تم نے بھی آگے سوچا ہوا ہے کیسی شہزادی کا نام لو - تو میں تمہیں اپنی رائے بتاؤں - ملک صالح نے کئی لڑکیوں کے نام لئے - مگر گلنار نے ان میں کوئی نہ کوئی نکالکر ناپسندیدگی ظاہر کی - آخر ملک صالح نے پوچھا میں جسقدر نام جانتا تھا سب گن دئے - مگر تم کو کوئی پسند ہی نہیں آیا - اب میں کیا کر سکتا ہوں - ہاں ذرا دیکھو تو بدر جاگتا ہے یا سو گیا - گلنار نے دیکھا تو بدر بظاہر سویا ہوا تھا کہنے لگی وہ تو سو رہا ہے - مگر تمہارا اس سے کیا مطلب ہے ؟ ملک صالح نے جواب دیا - میرا مقصد یہ ہے کہ تم سے ایک اور لڑکی کا ذکر کروں - اور مجھے خوف ہے کہ کہیں اسکا ذکر بدر نہ سن لے - کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ اس پر فدا نہ

غرض بادشاہ نے اجازت دی اور وہ سب کے سب دریا میں کود کر نظروں سے غائب ہو گئے ملکہ گلنار کو اُنکی جُدائی کا سخت صدمہ تھا۔ مگر بادشاہ کی اُلفت نے بھُلا دیا۔ بادشاہ نے بدر کی پرورش کے لئے بہت اچھا انتظام کرایا اور وہ دن بدن نئے چاند کی طرح بڑھنے لگا۔ اس عرصہ میں وقتاً فوقتاً اسکے ماموں۔ نانی اور ماسیاں آئیں۔ اور مہینہ مہینہ دو دو مہینے وہاں رہتیں۔ غرض پندرہ سال کی عمر میں بدر نے نہ صرف ظاہری حسن و جمال اور نشوونما میں ترقی کی بلکہ اس عرصے میں اُس نے فوجی ہنر ہر قسم کے فنون اور علوم میں بھی کمالیت حاصل کر لی۔ اور خراسان کا کوئی مرد۔ عورت ایسا نہ تھا جو بدر کو اُسکی ظاہری۔ باطنی خوبیوں کے باعث محبت نہ کرتا ہو۔ بادشاہ کی محبت بھی اسکے ساتھ بدرجہ کمال تھی۔ حتیٰ کہ جب بدر نے سب علوم و فنون میں کمال مہارت حاصل کر لی۔ تو ارکین دربار کی صلاح سے بادشاہ نے اُسے تاج و تخت سلطنت سپرد کیا اور آپ گوشہ گزیں ہو گیا۔ امراو وزرا نے بھی بڑی خوشی سے اسکی اطاعت کا اقرار کیا۔ کیونکہ سب کے سب اسکی نیک خصائل کے گرویدہ تھے بدر نے تخت سلطنت پر جلوس فرما کر ایسی قابلیت ظاہر کی کہ گویا وہ بڑا تجربہ کار آدمی ہے۔ عوام کا انصاف کیا۔ ظالم اہلکاروں کو موقوف کر کے اُنکی جگہ عادل کارکن ملازم رکھے۔ اور مجرموں کو سزا دی۔ غرض سہ پہر کے وقت جب گھر آیا تو گلنار نے اُسے گلے لگایا۔ بادشاہ نے بھی اس کی کارگزاری سنکر بہت مسرت ظاہر کی اور دعائے ترقی درجات دیکر گلنار کو مبارکباد دی۔ پچھلے پہر محل سے نکلکر فوج کا معائنہ کیا۔ ارکین سلطنت دست بستہ ہمراہ تھے۔ غرض وہ ہر روز ایک محکمے کو بڑے غور و خوض سے ملاحظہ کر کے مناسب انتظام کرتا اور تھوڑے ہی عرصے میں امور سلطنت میں ایسا ماہر ہو گیا کہ وحید العصر شمار کیا جانے لگا۔ اُسے تخت سلطنت پر جلوس کے ایک برس ہو چکا تھا کہ یکایک۔ شہزمان بیمار پڑ گیا اور بیمار بھی ایسا کہ دن بدن بیماری ترقی ہی کرتی گئی۔ ناچار جب زندگی سے مایوس ہو چکا۔ دوبارہ امراء و وزراء کو طلب کر کے اُن سے بدر کی اطاعت کا حلف لیا اور بیٹے کو رعایا کے انصاف کی وصیت کی۔ گلنار کی خاطرداری کے لئے بھی تاکید کی۔ مرض دم بدم ترقی پر تھا۔ آخر چند روز کے بعد جان بحق جان آفرین کے سپرد کی۔ بدر اور گلنار کو اس کی موت کا بڑا صدمہ ہوا۔ ارکین دربار دھاڑیں مار مار کر رونے لگے جب دل کے بخار نکل گئے۔ لاش کو بڑی شان و شوکت کے ساتھ ایک عالیشان مقبرے میں دفن کیا گیا۔ اور تمام ملک میں ایکماہ تک ماتم منانے کی منادی کیگئی۔ بدر نے بھی حسب دستور ایک ماہ تک

پڑی۔ ملک صالح نے بادشاہ سے پوچھا جب میں دریا میں کودا ہوں آپ ڈر تو گئے ہونگے۔ بادشاہ نے جواب دیا کچھ نہ پوچھو۔ میرے تو ہوش اڑ گئے تھے۔ ملک بولا۔ نہیں اندیشے کی کوئی بات نہ تھی میں نے ایک سرمہ اسکی آنکھوں میں ڈال دیا تھا اور اسم اعظم پڑھ لیا تھا۔ ہمارے ہاں جب کوئی بچہ جنتا ہے تو اس سے ایسا ہی عمل کیا جاتا ہے تاکہ اپنی آئندہ زندگی میں وہ بیخوف و خطر پانی میں آجا سکے۔ اب اسے عمر بھر ڈوبنے کیلئے اندیشہ نہیں ہے۔ وہ کہیں چلا جائے۔ پھر اپنی بغل سے ایک صندوقچہ نکالا اور اسمیں سے بہت سی لڑیاں جواہرات و یاقوت کی یعنی سو دانے زمرد کے اور تین سو ہی بڑے بڑے جواہرات جو بیضہ شتر مرغ کے برابر تھے اور جنکی روشنی چاند اور سورج کی ضیا کو پرے رکھتی تھی۔ نکالکر بادشاہ کی خدمت میں ہدیۃً پیش کیے اور کہنے لگا میں شرمندہ ہوں کہ اس سے پہلے آپ کو کوئی نذر پیش نہیں کرسکا اسلئے کہ ہمیں پہلے گلنار کے قیام کا پتہ نہ تھا مگر آپکی عنایات کے ہم نہایت ہی مشکور ہیں۔ جو آپ نے ہماری ہمشیرہ پر مبذول کی ہیں اور ہم اسکا کچھ معاوضہ نہیں دے سکتے۔ یہ صرف اعتراف کے طور پر ہے۔ امید ہے کہ چندروز کے چیند عدد ایسے ہی اور جواہرات حاضر کرونگا۔ کیونکہ یہ چیزیں ہمارے ہاں بکثرت پائی جاتی ہیں اور زمین پر بیش بہا سمجھی جاتی ہیں ❀

بادشاہ نے گلنار کی طرف دیکھا۔ کہ تمہارا بھائی مجھے ایسا قیمتی ہدیہ دیکر جس کا ایک جوڑا میری ساری سلطنت سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ شرمندہ کرنا چاہتا ہے۔ گلنار نے بھائی کا شکریہ ادا کیا۔ ملک صالح کہنے لگا بادشاہ سلامت! یہ تو کچھ بھی نہیں۔ اور یہ آپ کا حق ہے آپنے ہماری بہن پر جو مہربانیاں کی ہیں۔ ہم اسکا معاوضہ ہزار برس میں بھی نہیں دے سکتے پھر بادشاہ نے شکریہ ادا کرکے وہ سب جواہرات ملک صالح سے لے لئے۔ غرض ملک صالح اور اسکے ہمراہ والیاں چالیس روز تک وہاں ہنسی خوشی رہے۔ آخر ایکدن ملک صالح نے بادشاہ سے عرض کی۔ اب وہ اپنے وطن کو دیکھنے کی خواہشمند ہے۔ آپکی شفقت اجازت تو نہیں دیتی کہ آپ سے جدا ہوں۔ مگر کیا کریں ہم بحری آدمی خشکی پر دیر تک رہنے سے ملول ہو جاتے ہیں۔ امید ہے کہ اب آپ ہمیں وطن کو لوٹنے کی اجازت عطا فرمائینگے۔ مگر ہم آپکو یقین دلاتے ہیں کہ آپ کے دیدار سے جلدی مستفیض ہوا کرینگے ❀

کے دیکھنے سے مسرت ہوئی - پھر ملک صالح نے اپنے بھانجے کو گود میں لیا اور اُسکا نام بدر تجویز کیا - بدر واقعی اسم بامسمّیٰ نام تھا اسلیئے بادشاہ کو بھی بڑا پسند آیا - نام تجویز کر چکنے کے بعد ملک صالح بچے کو گود میں لیکر ایک کمرے میں ٹہلنے لگا اور پھر فوراً دریا میں کود کر غروب ہو گیا - بادشاہ نے جب یہ ہیبت ناک نظارہ دیکھا سر پیٹنے لگ گیا - کیونکہ بدر کے زندہ رہنے کی کوئی امید نہیں رہی تھی - مگر گلنار نے تسلی دی - آپ کیوں گھبراتے ہیں؟ ملک صالح

تصویر ملک صالح کی بدر کو لیکر دریا میں کودنے اور شاہ ایران کے مضطرب ہونیکی



ابھی آپکے بچے کو لے آتا ہے آپ ذرا فکر نہ کریں - ہمارے ہاں ایسی ہی رسم ہے کہ مولود کے پیدا ہوتے ہی اُسے اندرون دریا کی سیر کرائی جاتی ہے - تاکہ خشکی و تری اُس کے لیئے یکساں ہو جائیں - علاوہ ازیں مجھے کیا وہ بچہ پیارا نہیں - اگر کوئی اندیشے کی جگہ ہوتی تو میرا بھائی کبھی بھی ایسا فعل نہ کرتا وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں سمندر میں گڑگڑاہٹ ہونے لگی - اور ملک صالح بچے کو صحیح و سالم لیئے پانی میں سے نکلکر زچہ خانے میں آکھڑا ہوا بچہ ملک صالح کے ہاتھوں میں چپ چاپ پڑا تھا - گویا اُسنے ذراسی تکلیف بھی نہیں اٹھائی

اختیار کی بات ہے۔ گلنار بولی! بخدا مجھے یہاں کسی قسم کی تکلف نہیں ہے۔ گلنار کے منہ سے یہ کلمات سُنکر ملک شہرمان کی باچھیں کھل گئیں اور اسکا سارا فکر کافور ہوگیا۔ دلکو تسلی ہوئی خدا کا شکریہ ادا کیا اور گلنار پر پہلے سے زیادہ جان دینے لگا۔ یہ سمجھکر وہ بھی اس سے دلی الفت رکھتی ہے۔ اُدھر گلنار نے لونڈیوں کو دسترخوان چُننے کا حکم دیا۔ فوراً نفیس اور لذیذ کھانے آگئے اور سب نے کھانا شروع کیا۔ اسی اثنا میں ملک صالح نے کہا۔ اے گلنار! صاحب خانہ کہاں ہیں؟ ابھی تک ہمیں اسکا دیدار نہیں ہوا۔ اگرچہ ہم اس مکان میں بے اجازت ہی گھس آئے اور اسکا کھانا بھی کھایا نیز تجھے اس کی عنایات کے لیئے مشکور پاتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ نہ ہم نے اُسے دیکھا اور نہ اُسنے ہمیں۔ یہ امر اخلاق سے سخت بعید ہے۔ اگر تو اسے بلا لاتی تو اچھا بیٹھکر کھانا ہی کھاتے۔ یکایک سب نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لئے اور اُنکے منہ اور نتھنوں سے آگ کے شعلے نکلنے لگے۔ گلنار فوراً اُٹھی اور اس کمرہ کی طرف گئی۔ جہاں شہرمان چھپا بیٹھا تھا۔ وہ بیچارہ گلنار کے متعلقین کے ناک منہ سے آگ کے شعلے نکلتے دیکھکر خائف ہو رہا تھا۔ مگر گلنار نے اُسکو تسلی دی اور کہا کہ جلد یاد کرتے ہیں۔ اُمید ہے کہ آپ انہیں دیکھکر بہت خوش ہونگے۔ کیونکہ میں نے اُنکے سامنے آپ کی اسقدر تعریف کی ہے کہ وہ آپ کو دل سے محبت کرنے لگ گئے ہیں۔ حتیٰ کہ جب تک وہ آپ سے ملاقات نہ کرینگے یہاں سے نہیں جائینگے۔ یہ سُنکر بادشاہ اُٹھا اور گلنار کے ساتھ ہولیا۔ جب اُس کمرے میں داخل ہوا سب کے سب تعظیم کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور آپس میں علیک سلیک کے بعد دسترخوان پر بیٹھ گئے۔ جب سیر ہو چکے سلسلہ کلام شروع ہوا۔ سب نے بادشاہ کا ان عنایات کے لیئے شکریہ ادا کیا جو اُسنے گلنار پر کی تھیں۔

غرض تین دن تک وہ جماعت اسجگہ قیام پذیر رہی۔ چوتھے دن رخصت ہوگئے۔ اُنکے چلے جانے کے بعد ملکہ کے وضع حمل کا دن آگیا اور خدا نے ایک چاند سا بیٹا دیا۔ بادشاہ کو جسنے عمر بھر بچے کا منہ نہ دیکھا تھا نہایت خوشی ہوئی کہ ساری مملکت میں ولیعہد کی پیدائش سے گھر گھر خوشیاں ہونے لگیں اور سات راتیں عیش و نشاط کے جلسوں کا تماشہ بندھا رہا۔ ادھر جب ملک صالح کو گلنار کے ہاں بیٹا ہونے کی خبر ملی تو وہ اپنی ماں اور چچازاد بہنوں کو ہمراہ لیکر فوراً اپنی بہن کے پاس آیا۔ بادشاہ نے بڑی عزت سے اُنکا استقبال کیا اور سب کو مولود

انہیں دیکھا تو انکی تعظیم کے لئے اٹھکر دروازے تک گئی اور مسرّت کے ساتھ اندر آئی وہ سب کے سب باری باری سے گلے لگے۔ اور خوشی کا رونا روئے پھر بڑھیا اور اس نوجوان نے پوچھا۔ گلنار تو چار سال تک کہاں رہی اور ہمیں کیوں چھوڑ دیا یہ زمانہ ہم پر ایسی سختی کا گذرا۔ کہ کچھ نہ پوچھو۔ نہ کھانا اچھا لگتا ہے نہ پینا بھاتا تھا۔ زیادہ افسوس اس بات کا ہے۔ کہ ہم تمہارے قیام کا بھی تو پتا نہ تھا۔ پھر وہ اس سے مختلف حالات دریافت کرتے رہے۔ آخر میں گلنار نے اپنے وطن سے نکلنے اور خراسان میں پہنچنے کا حال مفصل بیان کرکے کہا۔ بادشاہ نے اس تاجر سے خرید کر مجھے اپنی ملکہ بنایا۔ اور باقی سب بیبیوں سے دست بردار ہو کر مجھ سے نہایت محبت رکھتا ہے۔ گلنار کا بھائی بیٹے وہ نوجوان بولا۔ خدا کا شکر ہے جس نے ہم سب کو پھر ملایا۔ مگر گلنار! میری رائے ہے کہ اب تو ہمارے ساتھ واپس گھر کو چل۔ بادشاہ نے جب ملک صالح کی یہ بات سنی تو اس کے ہوش اڑ گئے۔ کہ اگر گلنار نے اپنے بھائی کی بات مان لی تو میں کہیں کا نہ رہا۔ مگر گلنار نے جواب دیا۔ بھائی جان جس آدمی نے مجھے خریدا ہے وہ اس مملکت کا شہنشاہ ہے۔ بڑا شریف الطبع اور صاحب جود و کرم۔ جب سے میں یہاں آئی ہوں مجھ سے کمال مہربانی برتتا ہے۔ بلکہ آجتک اسکے منہ سے میں نے ایک بھی سخت بات نہیں سنی۔ ہمیشہ مجھ سے اچھا سلوک کرتا ہے۔ اور کوئی بات میرے مشورہ کے بغیر نہیں کرتا۔ بلکہ مجھ سے گھڑی بھر بھی جدا نہیں ہونا چاہتا۔ اگر میں اسے اکیلا چھوڑ جاؤں۔ یقیناً وہ اپنے تئیں ہلاک کر دیگا۔ کیونکہ اسے مجھ سے ایک لڑکے کی امید ہے اور سچ تو یہ ہے۔ کہ اب مجھ سے بھی اسکی جدائی نہ برداشت نہ ہو سکیگی۔ اسلئے کہ مجھ پر اسکے احسانات حد سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اگر آج میرا باپ زندہ ہوتا تو بھی میرا اسقدر مرتبہ نہ ہوتا۔ علاوہ ازیں میں اس سے حاملہ بھی ہوں۔ اور الحمد للہ کہ خدا نے مجھے ایک بحری بادشاہ کی بیٹی اور بری بادشاہ کی ملکہ بنایا۔ اب میں نہیں چاہتی کہ یہ رشتہ منقطع ہو۔ میری بھی خواہش ہے کہ خدا تعالے مجھے ایک چاند سا بیٹا عنایت کرے جو اس سلطنت کا وارث بنے۔ کیونکہ بادشاہ کا اور کوئی بیٹا بیٹی نہیں ہے اور مال و املاک بیحد ہے۔ ملک صالح اور گلنار کی بہنوں نے یہ سنکر آنکھیں ڈبڈبا لیں اور بولے۔ اے گلنار! تمہاری محبت جسقدر ہمارے دلوں میں ہے تم جانتی ہو۔ اگر تمہیں یہاں کسی طرح کی بھی تکلیف ہو۔ تو ابھی ہمارے ساتھ چلو اور اگر تم یہاں عزت و آرام سے رہتی ہو اور ہمارے ساتھ نہیں جانا چاہتی تو یہ تمہارے اپنے

زمین پر ہاتھ آسکتی ہے اس سے بہت زیادہ سمندر میں حاصل ہو سکتی ہے۔ پادشاہ کو ان باتوں سے حیرت ہوتی تھی۔ آخر کنیز نے اپنی صندوقچی میں سے صندل کی کچھ لکڑیاں نکالیں اور انگیٹھی میں آگ سلگا کر اسپر ڈالدیں۔ جب دھوآں نکلنے لگا۔ اُس نے ایک پڑھنا شروع کیا جسے بادشاہ نہ سمجھ سکتا تھا۔ اور بادشاہ سے کہنے لگی۔ آپ ذرا یہاں سے اُٹھکر کسی اور جگہ ہو جائیں۔ جہاں سے آپ کو یہاں کا سب کچھ نظر آسکے۔ مگر اندر والے آپ کو نہ دیکھ سکیں۔ میں نے اپنی ماں۔ بھائی اور کنبے والوں کو بُلایا ہے وہ آرہے ہونگے۔ جب وہ آجائینگے۔ پھر آپ سے بھی ملاقات کرا ؤنگی یہ سُنکر بادشاہ اُٹھکے دوسرے کمرہ میں جا بیٹھا اور دروازے کی درواژوں کے پاس آنکھیں لگا کر دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد کیا دیکھتا ہے کہ دریا میں ہل چل مچگئی اور جھاگ چھا گئی پھر پانی بہت آگیا اور اُس میں سے ایک خوبصورت نوجوان جسکا چہرہ بدر منیر کی طرح چمکتا تھا۔ اور بال سُنہری تھے۔ برآمد ہُوا اُسکے بعد ایک بڑھیا۔ اور سب کے پیچھے پانچ خوبصورت لڑکیاں برآمد ہوئیں۔ ان سب کی وضع قطع گلنار سے بہت ہی مشابہ تھی۔ پانی سے نکلکر وہ سب سطح زمین پر چلنے لگے۔ اور اُس مکان کے قریب آگئے جہاں گلنار بیٹھی۔ جب گلنار نے اپنے کمرے میں قدم رکھتے

تصویر ملکہ گلنار کے افسون پڑھنے اور ملک صالح کی مع ہمراہیوں کے دریا سے نکلنے کی



تھا کہ مجھے اپنے عقد میں لائے۔ مگر میں نے اُسے نصیحت دی کہ دیر تک یاد رکھیگا۔ اسکا سر پھٹ گیا۔ پھر اُسنے مجھے تنگ آکر اس سوداگر کے ہاتھ فروخت کیا جس سے آپ نے مجھے خریدا تھا۔ یہ تاجر بڑا شریف الطبع آدمی تھا۔ اُسنے بالکل امانت میں خیانت کرنے کی کوشش نہیں کی۔

اے بادشاہ! اگر آپ میرے ساتھ ایسی محبت کا اظہار نہ کرتے جیسا کہ آپنے لونڈیوں۔ خواصوں اور بیبیوں کو چھوڑ دینے سے کیا ہے تو بخدا میں کبھی ایک گھڑی بھی آپ کے پاس نہ ٹھہرتی اور دریا میں کود کر اپنے کنبے کے پاس پہنچ جاتی۔ لیکن اب میں آپ سے حاملہ ہوں۔ اس لئے مجھے اندیشہ ہے کہ میرے کنبے والے مجھ پر شک کرینگے۔ اگرچہ میں انہیں قسم کھا کر یقین دلاؤں۔

شہزمان گلنار کی یہ بات سنکر اسکا بڑا مشکور ہوا۔ اور بولا اے میری آنکھ کی پتلی! اگر تو چلی جاتی تو میں فوراً اپنی جان دے دیتا۔ جب یہ باتیں ہو چکیں۔ گلنار بولی۔ قبلہ عالم! میرا وضع حمل زمانہ قریب آرہا ہے۔ اس موقعپر مجھے اپنے ہمجنس کنبے والوں کی ضرورت ہوگی۔ اسلئے کہ خشکی کے رہنے والی دائیاں بحر کے رہنے والیوں کے طریق ولادت سے نابلد ہوتی ہیں۔ اور بحر کی رہنے والیاں خشکی کے رہنے والیوں کے طریق ولادت سے محض انجان اور جب وہ آئینگے تو مجھے انکے ساتھ دریا میں جانا پڑیگا۔ پھر میں لوٹ آؤنگی وہ بھی ساتھ ہی آئینگے۔ بادشاہ نے بڑی حیرانی سے پوچھا۔ تم دریا میں کیسے چل سکتے ہو؟ ڈوب کیوں نہیں جاتے؟ گلنار نے جواب دیا جیسے آپ لوگ ہوا میں چلتے ہیں اور مر نہیں جاتے اسی طرح ہم بھی اسم اعظم کی برکت سے پانی میں آسانی چل پھر سکتے ہیں۔ اے بادشاہ! جب میرے کنبے والے آئینگے تو میں اُنسے آپ کی عنایات کا بھی ذکر کرونگی۔ اور کہونگی کہ آپ نے مجھے دس ہزار دینار سے خریدا تھا۔ آپ کو بھی میرے بیانات کی تصدیق کرنی ہوگی۔ وہ آپ کو اپنی آنکھوں دیکھینگے اور جب معلوم کرینگے کہ آپ بھی ملک ابن ملک ہیں تو بڑے خوش ہونگے۔

شہزمان نے جواب دیا اے ملکہ! جیسی آپ کی مرضی ہو۔ مجھے اس میں کیا عذر ہو سکتا ہے گلنار نے پھر بحر کی باتیں سنانی شروع کیں۔ کہ اے بادشاہ جب ہم سمندر میں چلتے ہیں تو ہماری آنکھیں کھلی ہوتی ہیں اور ہم سورج چاند۔ ستاروں اور آسمان کو جوں کا توں دیکھ سکتے۔ جیسا کہ زمین پر سے آنکھیں دیکھا جاسکتا ہے اور پانی ہمارے لئے رکاوٹ نہیں ہو سکتا۔ نیز سطح زمین کی طرح ... مختلف قسمے اور الگ الگ شکلیں پائی جاتی ہیں۔ ہر قسم کی اجناس پائی جاسکتی ہے۔ غرض کہ ہر ایک چیز جو

اور خواصوں کو رخصت کر دیا ہے۔ مگر برابر ایک سال گذر گیا۔ تو مجھ سے بات بھی نہیں کرنا چاہتی۔ اگر خدا
نخواستہ تو گونگی ہے تو اشارے سے بتا دے۔ مجھے تجھ سے فقط ایک لڑکے کی آرزو ہے۔ اگر خدا
تعالیٰ پوری کر دے اور میرے بعد میرے تخت کا وارث بنے۔ خدا کیلئے اگر تو مجھے محبت کرتی ہے تو
خاموش نہ رہو۔ اور مجھ سے کھلکر باتیں کر۔ کنیز نے یہ سُنکر پہلے تو سر جھکا لیا۔ پھر یکایک بادشاہ کی
طرف دیکھکر مسکرا دی۔ شہزمان کو معلوم ہوا گویا سارے مکان میں بجلی پھر گئی ہے۔ اور بولی
اے نیک بادشاہ! خدا نے آپ کی دُعا سُن لی۔ اور میں تم سے حاملہ ہوں۔ وضع کے دن بھی قریب
ہی ہیں۔ مگر یہ مجھے معلوم نہیں کہ لڑکا ہوگا یا لڑکی۔ اگر میں حاملہ نہ ہوتی تو یقیناً تم سے ہرگز نہ
بولتی۔ بادشاہ کی خوشی کا کوئی شمار نہ تھا۔ کبھی وہ اُسکا سر چومتا اور کبھی اسکے ہاتھوں کو بوسہ دیتا
آخر کہنے لگا۔ آج خدا نے میری وہ آرزوئیں پوری کیں۔ ایک تو تم نے مجھ سے بات کی اور دوسرے
حمل کی خوشخبری سُنائی۔ یہ کہکر فوراً اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور خوشی خوشی تخت سلطنت پر جلوس فرما کر
وزرا کو حکم دیا کہ ایک لاکھ دینار۔ بیواؤں۔ یتیموں اور فقیروں اور مساکین پر خیرات کرو۔ خدا تعالیٰ
نے بڑی مشکلوں سے یہ دن دکھایا ہے۔ وزرا جب حکم کی تعمیل کر چکے۔ بادشاہ فوراً اُٹھکر کنیز کے
پاس آیا اور اُسے گلے لگا کر پوچھا۔ اے پیاری۔ یہ ایک برس جو تم مجھ سے چُپ چاپ رہیں اس سے
تمہارا کیا مقصد تھا؟ کنیز نے جواب دیا۔ قبلہ عالم! مسکین غریب الوطن شکستہ خاطر اور ماں باپ
بھین بھائیوں سے دور افتادہ ہوں۔ بادشاہ نے فوراً ٹوکدیا۔ کہ مسکین تمہارے دشمن ہوں۔ یہ
ملک و دولت تمہارا ہے۔ بلکہ میں تمہارا ہوں۔ تو مسکین کیسے ہوسکتی ہے۔ اور اپنا باپ بھین بھائی
کی کہو۔ تو اُنکا پتہ بتاؤ۔ میں اُنہیں تمہارے پاس بلوا دیتا ہوں۔ کنیز نے جواب دیا۔ میرا نام گلنار
بحری ہے۔ اور میرا باپ سمندری مملکت کا بادشاہ تھا۔ جب وہ مرگیا۔ میرا بھائی ملک صالح اس کا
جانشین مقرر ہوا۔ میری ماں بھی بحری النسب ہے۔ اپنے باپ کے بعد ہم تینوں خوشی خوشی دن گذارنے
لگے۔ کہ ایکدفعہ کسی ہمسایہ بادشاہ نے ہم پر چڑھائی کی۔ اور ہمارے ملک پر قابض ہوگیا۔ پھر میری
اور میرے بھائی کی لڑائی ہو پڑی اور میں نے حلف اُٹھایا کہ میں اپنی شادی کسی خشکی کے رہنے والے
سے کرونگی۔ یہ سوچکر میں بحر میں سے نکلی اور ایک جزیرے کی راہ لی۔ جسے جزیرہ قمر کہتے ہیں۔
وہاں میں جا بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہاں سے ایک آدمی کا گذر ہوا۔ اور وہ مجھے اپنے گھر لیگیا۔ چاہتا

اور نہلا دھلا کر پوشاک و زیور پہنائیں۔ اُس کے رہنے کیلئے بھی ایک علیحدہ محل مقرر ہوا۔ جہاں خواجہ سرا
اور لونڈیاں خدمت کو اور خواجہ سرا چوکی پہرے مقرر ہوئے۔ اور جس چیز کی ضرورت تھی۔ نوکروں کے
ہاتھ وہاں بھیجا دی۔ شہزمان کا دارالخلافہ کنار دریائے شور پر واقع تھا۔ اور وہ محل عین کنار بحر پر
تھا۔ جو اس کنیز کی رہائش کے لیئے قرار پایا۔ غرض جب شام ہوئی۔ بادشاہ بیدھا اس لونڈی کے
پاس آیا۔ مگر نہ تو وہ تعظیم کے لئے اُٹھی۔ اور نہ ہی اُسنے بادشاہ کی طرف کچھ توجہ کی۔ شہزمان نے
خیال کیا۔ شاید وہ ایسی قوم میں سے ہو۔ جسے قواعد آداب سے واقفیت نہیں خیر! جُوں جُوں
کھلیگی آپ ہی سمجھ جائیگی۔ اس کے بعد اس سے اختلاط کی باتیں کرنے لگا۔ مگر وہ ایسی صم بکم ہوئی
کہ ایک بات کا بھی جواب نہ دیا۔ آخر دستر خوان چُننے کا وقت آیا۔ لونڈیوں نے انواع و اقسام کے
لذیذ اور شاہانہ کھانے سامنے لاکر رکھے۔ بادشاہ محبت کے مارے اپنے ہاتھ سے اچھے اچھے کھانوں
کے لقمے اُسے دیتا جاتا اور وہ کھاتی جاتی حتّٰی کہ سیر ہوگئی۔ لیکن سر زمین کی طرف تھا۔ اور مُنہ بند۔
غرض بادشاہ نے بہت کوشش کی۔ کہ وہ بولے۔ اور اپنا نام بتائے۔ مگر اُسے اپنی سعی میں ناکامی
ہوئی۔ تاہم اُسے غصّہ نہ آیا۔ اسلیئے کہ لونڈی کا حسن بلا کا تھا اور وہ اُس پر آرہا تھا۔ بادشاہ سوچتا
تھا کہ اس کمال حسن کے ساتھ اگر وہ ہنس کر گفتگو بھی کرتی تو بجلیاں ہی گرا دیتی۔ پھر لونڈیوں سے
پوچھا۔ تم نے اسے بولتا سنا ہے؟ سب نے کانوں پر ہاتھ رکھے۔ کہ حضرت! جب سے آئی ہے
ہمارے کانوں میں تو اسکی آواز نہیں پڑی۔ حکم ہوا کہ گاؤ بجاؤ۔ اور اسکے سامنے کھیل تماشے کرو
شاید اسکا دل بہلے اور بول اُٹھے۔ لونڈیاں نے فوراً گانا بجانا اور کھیلنا کودنا شروع کیا۔ ملکہ ایسی اچھی لگیں
کہ سب کے ساتھ بادشاہ کو بھی ہنسی آگئی۔ مگر وہ کنیز خاموش اُنکے مُنہ کی طرف تاکتی رہی۔ بولنا
تو درکنار ہنسی تک کا نشان نہ ظاہر کیا۔ شہزمان بڑا تنگ ہوا۔ اور لونڈیوں کو خلوت کا حکم دیا۔ سب
چپ چاپ چلی گئیں۔ اور ایک منٹ میں ہو کا عالم ہوگیا۔ رات وہیں آرام کیا صبح کے وقت جب اسکے
کمرے سے نکلا تو ایسا مسرور تھا۔ کہ اگلے دن سب بی بیوں اور خواصوں کو بہت سامال اسباب دیکر
رخصت فرمایا۔ اور اجازت دی کہ جہاں جی چاہے جاکر نکاح کر لو۔ صرف چند کمسن خواصوں کو اُسکی خدمتگذاری
کے لیئے رکھ لیا۔ غرض پورا ایک سال گذر گیا۔ مگر کنیز نہ بولی پر نہ بولی۔ ایکدن بادشاہ نے کمال محبت
ظاہر کی اور کہنے لگا۔ میری جان! دیکھو میں تجھے اسقدر محبت کرتا ہوں تیری خاطر میں نے اپنی سب بی بیوں کا

مرجانہ اسعد کو ہمراہ لیکر اپنے دارالحکومت کو روانہ ہوئی۔ اور سب نے اسعد کو تاکید کی کہ سلسلۂ خط و کتابت کو قطع نہ ہونے دینا۔ پھر قمرالزمان سب کو ہمراہ لیکر جزائر آبنوس میں آیا۔ اور اپنے سسر کو اس عجیب ملاقات کی خبر دی اس نے اسے دونوں لڑکوں کی سلامتی پر مبارکباد دی۔ پھر گور نے ارمانوس سے ملاقات کی اور پورا ایک ماہ وہاں رہا۔ اور جاتے وقت وہ اپنی لڑکی اور شہزادہ امجد کو ہمراہ لیگیا۔ اور امجد کو جانشین مقرر کرکے آپ گوشہ گزین ہو گیا۔ قمرالزمان نے سسر کی اجازت سے اسعد کو بلا کر اپنی جگہ تخت پر بٹھایا۔ اور آپ اپنے باپ کے ساتھ عازم خالدات ہوا۔ جب شہر میں پہنچے رعایا کو بڑی خوشی ہوئی ساری مملکت میں شادیانے بجنے لگے اور برابر ایک ماہ تک جشن ہوتے رہے ؂

دنیازاد و شہریار یہ حکایت سنکر بڑے خوش ہوئے۔ مگر شہرزاد نے کہا۔ اگر کل حضور میری جان بخشی فرمائیں تو میں اس سے بھی دلچسپ قصہ بدر بادشاہ ایران اور جواہر شہزادی بادشاہ سمندال کے عشق کی سناؤنگی جسے سنکر امید ہے۔ کہ تمہیں بڑی خوشی ہوگی۔ غرض جب حسب معمول اگلی رات ختم ہو کر صبح کاذب کا وقت آیا۔ دنیازاد نے اٹھ کر شہرزاد کو جگایا۔ کہ جس قصے کا کل وعدہ کیا تھا وہ سناؤ شہریار بھی سننے کے لئے اٹھ بیٹھا اور ملکہ شہرزاد بولی ؂

بدر بادشاہ ایران اور جواہر شہزادی ملک سمندال کے عشق کی داستان

جانِ عالم! زمانہ قدیم میں ایران کے ایک بادشاہ شہرمان کے ہاں جسکا دارالخلافہ خراسان تھا۔ سو بیبیاں تھیں مگر ساری عمر میں اسکے کوئی بیٹا یا بیٹی نہ ہوا۔ ایکدن وہ اپنی لاولدی پر افسوس کر رہا تھا کہ ایک خواجہ سرا نے عرض کی۔ قبلہ عالم! دروازے پر ایک تاجر ایک خوبصورت لونڈی لئے کھڑا ہے۔ حکم ہوا دونو کو اندر لے آؤ۔ غرض تاجر لونڈی کو لیکر حاضر ہوا اور اسکے منہ سے برقعہ اٹھا دیا۔ بادشاہ لونڈی کی صورت دیکھتے ہی ہزار جان سے عاشق ہو گیا اور پوچھا۔ بڑے میاں! اسکی کیا قیمت ہے؟ تاجر بولا! حضور! میں نے اسے دو ہزار دینار سے خریدا تھا۔ تین سال ہوئے ہیں۔ اس عرصے میں اتنے ہی دینار میں اسکی پرورش پر صرف کر چکا ہوں۔ اب نذر حضور ہے بادشاہ نے حکم دیا۔ کہ تاجر کو دس ہزار دینار اور ایک خلعت فاخرہ عطا کیا جائے۔ تاجر نے بادشاہ کے عطیے کو بڑے شکر یہ سے قبول کیا اور چلدیا۔ بادشاہ نے مشاطاؤں کو حکم دیا۔ کہ لونڈی کو لیجا کر

اس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دیگا۔ قمرالزمان ایلچی کا پیغام سنکر غش کھا کر گر پڑا۔ جب ہوش آیا اپنے دونوں لڑکوں سے مخاطب ہوکر بولا۔ بیٹو! یہ تمہارا دادا جان ہے۔ تم ایلچی کے ہمراہ اس کی خدمت میں جاؤ اور عرض کرو کہ آپ کا فرزند صحیح و سلامت ہے۔ اطمینان رکھیں۔ پھر سب کے سب ملکر ملک شاہزمان کی خدمت میں آئے۔ بادشاہ نے اپنے بیٹے کو پہچانکر گلے لگایا اور دونوں دیر تک روتے رہے۔ اسکے بعد دونوں نے اپنی اپنی سرگذشت بیان کی اور قمرالزمان نے اپنے دونو لڑکوں کو ملک شاہزمان سے ملایا۔ شہزمان نے اپنے پوتوں کو بھی گلے لگاکر بہت پیار کیا اور سب حکمران آپس میں ملکر بہت خوش ہوئے۔ غرض تین دن تک وہ لشکر آتش پرستوں کے شہر میں خیمہ زن رہے۔ اس عرصے میں ملکہ مرجانہ کی شادی اسعد سے ہوگئی

تصویر باہم ملاقات شہزادہ امجد اور اسعد اور قمرالزمان اور شاہ چین اور شاہزمان والی جزائر خالدات وغیرہ کی مع ملکہ مرجانہ کے ملک مجوس میں



اور بستان امجد کے نکاح میں آئی جو دونوں بھائیوں کی ملاقات کا باعث ہوئی تھی۔ چوتھے دن ملک

والا و قمر الزمان اور اپنی بیٹی کی تلاش میں یہاں تک آیا ہوں۔ تمہیں کچھ خبر ہے تو بتادو۔ امجد نے سمجھ لیا کہ وہ اسکا نانا ہے مکرر آداب بجا لاکر عرض کی کہ وہ دونوں بخیریت ہیں۔ اور جزائر آبنوس میں حکمران ہیں۔ اور میں انکا لڑکا اور آپ کا نواسا ہوں۔ شہنشاہ چین نے اپنے نواسے کو گلے لگا کر خوب پیار کیا۔ اور دونوں کے مصائب کا حال سنکر کہنے لگا۔ میں تم کو قمر الزمان کے پاس بھیجوں گا اور تمہاری صلح کرا دونگا۔ پھر امجد کو خلعت فاخرہ عطا کیا۔ اور اس نے خوش وخرم اپنے بادشاہ کی خدمت میں آکر شہنشاہ کا مقصد ظاہر کیا۔ بادشاہ کو بڑا تعجب ہوا اور دونوں لشکروں کے سامان ضیافت ارسال کرکے شہنشاہ گور کی خدمت میں جانا چاہتا تھا کہ تیسری طرف سے ایک اور لشکر کے آنے کی خبر ملی۔ بادشاہ نے دونوں بھائیوں سے فرمایا کہ اس تیسرے لشکر کی بھی خبر لاؤ۔ جو پہلے دونوں سے بہت بڑا ہے۔ دونوں بھائی شہر کے دروازے کھلوا کر جو بادشاہ نے آنیوالے لشکروں کے خوف سے بند کروادئے تھے باہر نکلے۔ اور جب اس تیسرے لشکر کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ اسکا سپہ سالار جزائر آبنوس کا حکمران قمر الزمان انکا باپ ہے۔ دونوں نے آگے بڑھکر باپ کے قدم چومے۔ قمر الزمان دونوں بیٹوں کو صحیح وسلامت پاکر نہایت ہی مسرور ہوا اور بے اختیار آگے بڑھ کر انہیں گلے لگایا۔ امجد و اسعد دونوں نے اسے ملک گور کے آنیکی خبر دی اور وہ فوراً دونوں بیٹوں کے ساتھ بادشاہ گور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سب کے سب اس عجیب اتفاق سے خوش ہوئے۔ مدینۃ المجوس کے بادشاہ کو بھی جب اسکی خبر ہوئی تو وہ بہت حیران ہوا اور اس تیسرے لشکر کی دعوت کے انتظام میں مصروف تھا کہ مخبروں نے ایک چوتھے لشکر کے نمودار ہونے کی اطلاع دی۔ اہل شہر کو بڑا فکر کہ خدا جانے یہ بھی دوست ہے یا دشمن۔ مگر ملکہ مرجانہ۔ قمر الزمان اور شہنشاہ گور نے انہیں تسلی دی کہ اگر نیا آنیوالا دشمن ہوا تو وہ تینوں اہل شہر کی مدد کرینگے۔ وہ سب ابھی باتوں ہی میں تھے۔ کہ اس نئے لشکر میں سے ایک ایلچی آگے بڑھا۔ اور جہاں یہ سب حکمران جمع تھے وہاں آکر آداب بجا لایا۔ امجد نے سر لشکر کا نام اور آنیکی غرض پوچھی۔ ایلچی بولا۔ یہ لشکر بادشاہ شاہ زمان کا ہے۔ جو جزائر خالدات کا حکمران ہے۔ مدت ہوئی اسکا اکلوتا بیٹا قمر الزمان گم ہو گیا تھا۔ اب وہ اسکی تلاش میں پھر رہا ہے اگر تم اسکا پتہ بتادو تو وہ تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچائیگا ورنہ حملہ کرکے

بارام وہاں پہنچا دونگا - دونوں شہزادہ اسپر راضی ہوئے اور بادشاہ سے اجازت مانگی بادشاہ نے بخوشی منظور کیا - جب جہاز اور سب سامان سفر تیار ہوگیا - دونوں شہزادے بادشاہ سے رخصت ہونے لگے - بادشاہ نے دونوں کو گلے لگا کر بیشمار زر و جواہر اور ساز و سامان عطا کیا اور چاہتا تھا کہ ساحل تک سوار ہو کر ساتھ جائے کہ مخبروں نے خبر دی - فلاں سمت سے ایک بڑی پیدل فوج چلی آرہی ہے - نہیں معلوم اُنکا کیا ارادہ ہے - بادشاہ نے وزیر امجد اور اُسکے بھائی اسعد کو بھی اطلاع دی - امجد بولا - میں ابھی جاتا ہوں - اور خبر لاتا ہوں - یہ کہکر اُدھر روانہ ہوا جب فوج کے قریب پہنچا - اُنہوں نے سمجھا کہ شہر آتش پرستاں کے بادشاہ کا قاصد ہے - اسلئے وہ اُسے اپنے بادشاہ کے پاس لیگئے - امجد کیا دیکھتا ہے کہ وہ عورت ہے اور مردانہ لباس میں فوج کی کمان کر رہی ہے - اُسنے زمین بوسی کے لئے سر جھکایا اور اپنے بادشاہ کی طرف سے تشریف آوری کا سبب پوچھا - ملکہ بولی تمہارے شہر میں ایک غلام ہے اگر اُسے تلاش کرکے بھیجدو تو بڑی مہربانی ہے - ورنہ ہمارا تمہارا فیصلہ تلوار کریگی - امجد نے غلام کا نام اور حلیہ دریافت کیا - ملکہ بولی اُسکا نام اسعد ہے اور میں ملکہ مرجانہ ہوں پھر امجد کو اسعد کے پانے اور کھوئے جانے کی حکایت سنا کہنے لگی - میں نہیں جانتی - بہرام نے اُسے کیسے چھپالیا اور کس طرح سے یہاں لے آیا - امجد نے سمجھ لیا کہ وہ اُسی کے بھائی کا ذکر کر رہی ہے - بولا - ملکہ - وہ میرا ہی بھائی ہے اور خیریت سے ہے پھر اُسے سارا قصہ سنایا جس سے ملکہ کو بڑا تعجب ہوا - اور امجد کو ایک بیش بہا خلعت عطا فرمایا پھر امجد اجازت لیکر بادشاہ کی خدمت میں آیا اور ملکہ مرجانہ کے مقصد سے اطلاع دی بادشاہ یہ سنکر دونوں بھائیوں کو ہمراہ لیکر ملکہ مرجانہ کی خدمت میں پہنچا - اور سب کے سب آپسمیں ملکر بڑے خوش ہوئے - اِدھر اُدھر کی باتیں ہونے لگیں - ابھی وہ انہی باتوں میں تھے کہ سامنے سے غبار اڑتا ہوا دکھائی دیا - اور تھوڑی دیر بعد ہرکارے نے خبر دی کہ ایک اور مسلح لشکر جرار چلا آتا ہے - بادشاہ کو بڑی حیرانی ہوئی - کہ اب یہ کون غنیم ہم پر چڑھ آیا - ناچار امجد اپنی فوج لیکر آنیوالی سپاہ کا حال دریافت کرنے گیا - معلوم ہوا کہ وہ لشکر شہنشاہِ چین کا ہے امجد شہنشاہ مذکور کی خدمت میں حاضر ہوا اور تشریف لانیکا سبب پوچھا - شہنشاہ نے جواب دیا - رات گذری بیٹھے اپنی بیٹی بدر البدور کی خیریت سے اطلاع نہیں ملی - اب اپنے

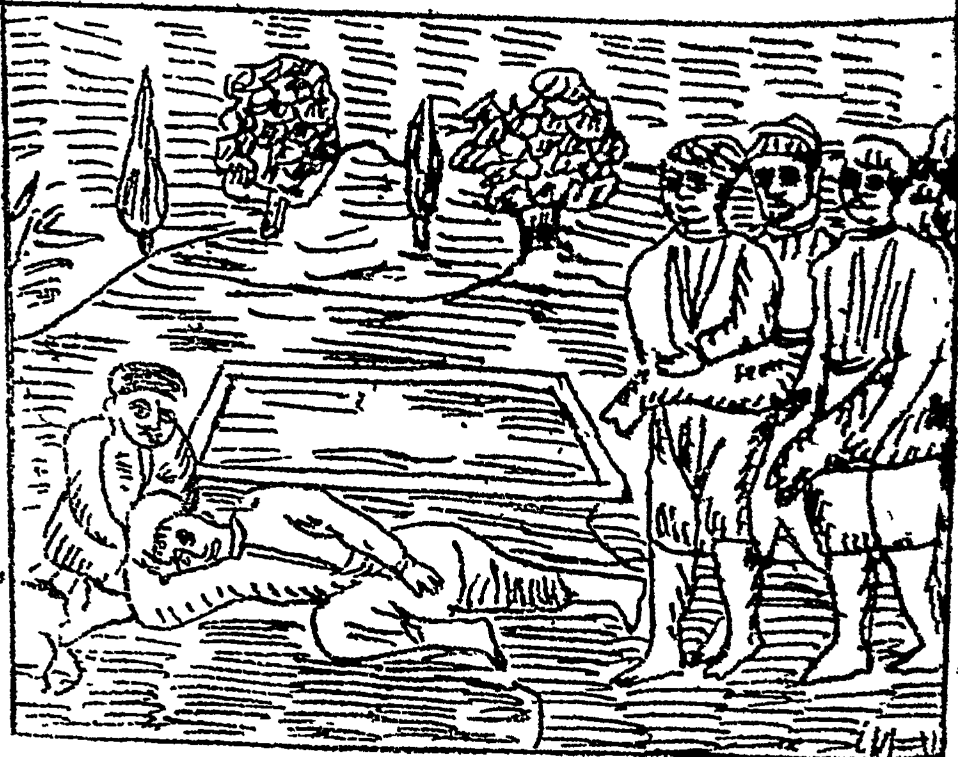
کردیں۔ بُستان نے اسعد سے مسلمان ہونیکی خواہش ظاہر کی۔ اسعد نے اُسے کلمہ شہادت پڑھا کے مسلمان کرلیا۔ غرض بُستان نے عذاب کی جگہ اسعد کی بہت سی خدمتگذاری کی اور روز اُسے مقوی اور لطیف غذا بنا بنا کر دیتی جس سے اُسکی صحت بہت جلد عود کر آئی۔ اور دونوں ملکر اسلام کے فرائض ادا کرتے۔ ایکدن بُستان گھر میں بیٹھی تھی۔ کہ منادی کی آواز کان میں آئی۔ وہ فوراً دروازے پر پہنچی اور سُنا کہ منادی کہہ رہا ہے۔ وزیر کا حکم ہے۔ کہ اگر کوئی شخص فلاں حلیے کے ایک نوجوان کا پتہ بتائیگا تو اُسے وزیر صاحب بیشمار مال و منال عطا فرمائینگے۔ لیکن جو شخص اُسے چھپا رکھیگا۔ اُسکا گھر کھود کر زمین کے برابر کردیا جائیگا اور اُسکے کُنبے والوں کو پھانسی ہوگی۔ اسعد نے بُستان کو اپنا سارا حال پہلے ہی بتا رکھا تھا۔ یہ منادی سُنکر اُسنے خیال کیا۔ یقیناً یہی وہ نوجوان ہے جھٹ اسعد کے پاس گئی اور اُسے خبر دیکر وزیر کے گھر کو روانہ ہوئی۔ جب وزیر کو دیکھا۔ سوچنے لگی۔ یہ توفی الواقع اسعد ہی کا بھائی ہے۔ غرض بُستان وزیر کو اپنے ہمراہ گھر لائی۔ جہاں اسعد قید تھا۔ امجد اپنے بھائی کو ایسی حالت میں دیکھکر رو پڑا اور پھر دونوں گلے ملکر خوب روئے۔ اسکے بعد امجد اُسے ساتھ لیکر بادشاہ کی خدمت میں گیا اور اُسے بھائی کے ملنے کی خبر سُنائی۔ بادشاہ نے حکم دیا۔ بہرام کا گھر کھود کر زمین کے برابر کردیا جائے۔ وزیر نے جلادوں کو روانہ کیا کہ بادشاہ کے فرمان کی تعمیل کریں۔ اور بہرام کی لڑکی کو میرے پاس حاضر کیا جائے۔ غرض جلادوں نے بہرام کے گھر میں ہل پھیر دیا اور بُستان کو وزیر کی خدمت میں لائے۔ اسعد نے امجد کو اپنے عذاب اور بُستان کی مہربانیوں کی تفصیل سُنائی وزیر نے بُستان کی بہت عزت کی۔ پھر امجد نے اپنے پھانسی سے بچنے اور وزارت کے ملنے کا قصہ اسعد سے بیان کیا۔ ادھر بادشاہ نے بہرام اور اُسکے اقربا کو پھانسی پر چڑھانے کا حکم دیا۔ اور جب وہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ معافیاں مانگتے اور منتیں کرنے لگے اور قدموں پر گر کے شفاعت چاہی۔ مگر بادشاہ نے جواب دیا کہ مسلمان ہوئے بغیر تمہارا چھٹکارا نہ ہوگا۔ غرض وہ سب کے سب اُسیوقت اسلام لائے۔ امجد نے یہ دیکھکر بہرام کا جسقدر نقصان ہوا تھا اُسے دو گنا انعام دیا۔ بہرام نے امجد کی سیر چشمی دیکھکر عرض کیا۔ کہ میں اگلے برس جزائر آبنوس کو گیا تھا۔ وہیں آپکے والد قمرالزمان کو آپ کے فراق میں نہایت مغموم پایا۔ عجب نہیں اگر وہ تمہارے غم میں اپنے تئیں ہلاک کرلے۔ مناسب ہے کہ اب تم وہاں جاکر اپنے باپ کی خبر لو۔ میں آپ کو اپنے جہاز پہ سوار کرا کے

جنگی جہازوں کے حملہ آور ہونیکی خبر ملی۔ اُسنے اسعد پہ دانت پیسے کہ بدبخت یہ سب تیری ہی بدولت ہے۔ پھر خلاصیوں کو حکم دیا۔ کہ اس کے ہاتھ پاؤں باندھکر سمندر میں پھینک دو۔ خلاصیوں نے فوراً اسعد کو رسّے سے مضبوط جکڑ کر سمندر میں پھینکدیا مثل مشہور ہے جسے وہ رکھے اُسے کون مارسکتا ہے"۔ جب خلاصیوں نے اسعد کو سمندر میں پھینکا۔ پانی نے اُسے زور سے اُبھارا اور اُسکے ہاتھ پاؤں کھل گئے۔ جس سے وہ بآسانی تیر سکے۔ ایک زبردست موج نے اُسے اُٹھاکر خشکی پر ڈالدیا۔ اسعد نے اپنے بچنے کا شکریہ ادا کیا اور کنارے پر پہنچکر کپڑے اُتارے اور اُنہیں نچوڑ کر دھوپ میں پھیلادیا۔ جب سوکھ گئے۔ اُنہیں پہنکر قدم آگے کو اُٹھایا۔ مگر اُسے نہیں معلوم تھا کہ کہاں جارہا ہے۔ جب بھوک لگتی۔ پھل پھول کھاکے پیٹ بھرلیتا۔ اور چشموں کے پانی سے پیاس بجھالیتا۔ غرض کئی دن کے بعد وہ رات کیوقت ایک شہر میں جاپہنچا۔ اور جب غور سے دیکھا تو وہی مدینۃ المجوس تھا جس میں وہ ایک سال تک قید رہ چکا تھا۔ شہر کے دروازے بند تھے اسلئے قدم قبرستان کی طرف بڑھایا اور ایک مقبرے کا کھلا دروازہ پاکر اندر جاکے سو رہا۔ اِدھر جب ملکہ مرجانہ بہرام مجوسی کے جہاز پر چڑھ آئی اُسنے باتوں میں اُسے رام کرلیا۔ اور جہاز دکھادیا۔ کہ اسعد کو میں نہیں لایا۔ ناچار وہ بیچاری واپس لوٹ گئی۔ اور بہرام اسی سے واپس آگیا۔ اتفاق کی بات دیکھو کہ وہ بھی اُسی رات شہر میں پہنچا جسمیں اسعد آیا تھا اور شہر کے دروازے بند پاکے اُسنے بھی اُسی قبرستان کا رُخ کیا۔ بلکہ اُسی مقبرے میں آگیا۔ جہاں اسعد پڑا ہوا تھا۔ چاند کی چاندنی میں بہرام نے اسعد کو سوتا پاکر حیرت سے دیکھا اور بولا۔ بدبخت تو ابھی تک جیتا ہے۔ پھر اُسے پکڑ لیا اور اپنے گھر لایا۔ اُسکے گھر میں بھی ایک تہخانہ تھا۔ اسعد کو وہیں قید کرکے چابی اپنی لڑکی بُستان کو دیدی۔ اور سمجھادیا۔ کہ ہر روز فلاں قیدی کو اسقدر عذاب دیاکرو۔ کہ وہ مرجائے۔ بُستان حسب الحکم تہخانے میں اسعد کو مارنے کیلئے گئی۔ مگر اُسے حسین اور خوش وضع نوجوان پاکر اُسکے دل میں اسعد کی محبت پیدا ہوگئی۔ پوچھا تمہارا کیا نام ہے۔ جواب ملا۔ اسعد۔ بُستان بولی۔ مبارک ہو۔ اب اچھے دن آنےہی والے ہیں مجھے تمہاری مظلومیت پر بڑا ہی رحم آیا ہے۔ اسکے بعد اُس سے اور بھی محبت آمیز باتیں کیں۔ اور دین اسلام کے ارکان دریافت کئے۔ اسعد نے اسلام کے بارے میں جوکچھ اُسے معلوم تھا۔ سب باتیں بیان

واقعہ تھا۔ اُسنے کپڑے اُتارے ہوئے تھے۔ اور ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی چل رہی تھی۔ کنارِ حوض پہ بیٹھ گیا اور لیٹے لیٹے وہیں سوگیا۔ حتیٰ کہ آدھی رات گذر گئی۔ اُدھر بہرام نے غلاموں کو حکم دیا کہ لنگر اُٹھا دیا جاوے۔ مگر جواب ملا۔ جہاز میں پینے کا پانی نہیں ہے پہلے پانی لے آئیں۔ کپتان نے کہا شاہی باغ قریب ہی ہے۔ وہاں آب شیریں کا ایک حوض ہے۔ جاؤ۔ وہاں سے مشکیزے بھر لاؤ۔ غرض غلام آدھی رات کے وقت شاہی باغ کی دیواریں پھاند کر اندر داخل ہوئے اور کنارے حوض پر اسعد کو سوتے پایا۔ پہلے آہستہ سے تمام مشکیں بھر لیں اور پھر اسعد کو اُٹھا کے جدھر سے آئے تھے۔ اُسی راستے جہاز کو چلے گئے۔ اور بہرام کو مبارکباد دی۔ کہ ملکہ مرجانہ آپ کے جس غلام کو چھین کے لے گئی تھی۔ وہ حاضر ہے۔ اور اتفاق سے یہیں مل گیا تھا۔ بہرام کو اسعد کے دیکھنے سے بڑا اطمینان ہوا۔ اُس نے حکم دیا۔ کہ فوراً لنگر اُٹھاؤ۔ اب کے اُس کے حکم کی تعمیل میں ذرا دیر نہ ہوئی اور جہاز ساحل پر چل پڑا ✦

اب ملکہ کا حال سنو۔ وہ اسعد کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ جب وہ دیر تک واپس نہ لوٹا اُسے بڑا فکر ہوا۔ تو لونڈیوں کو حکم ہوا۔ کہ اسعد کی تلاش کیجائے۔ لونڈیاں مشعلیں جلا جلا کر ہر طرف تلاش کرنے لگیں۔ آخر اُنہیں باغ کا دروازہ کھلا ملا۔ اندر گئیں تو اسعد کا جوتا بھی حوض کے کنارے پڑا پایا۔ مگر اسعد کی کچھ خبر نہ تھی۔ ملکہ کو اطلاع دی۔ ملکہ نے ایک سوار کو ساحل پر دوڑایا کہ بہرام مجوسی کے جہاز کا پتہ لائے۔ سوار نے اُلٹے پاؤں آکے جواب دیا کہ جہاز کو روانہ ہوئے دیر ہو گئی ہے۔ ملکہ نے معلوم کر لیا کہ اسعد اُنکے قابو چڑھ گیا حکم دیا دس جنگی جہاز فوراً تیار ہوں۔ حکم کی دیر تھی۔ فوراً بحری فوج تیار ہو گئی۔ اور جہاز لیس ہو کر روانگی کے حکم کے منتظر تھے۔ ملکہ خود بھی مسلح ہو کر آئی۔ اور کپتان کو حکم دیا۔ بہرام مجوسی کے جہاز کا پیچھا کرو۔ اگر اُسے پکڑ لیں تو تمہیں خاطر خواہ انعام ملیگا۔ ورنہ سب کے سب مارے جاؤگے۔ ملاحوں کو اپنی جان کا فکر پڑ گیا۔ اسلئے پوری رفتار سے جہاز سمندر میں دوڑانے لگے۔ حتیٰ کہ چوتھے دن بہرام کے جہاز کو جا گھیرا۔ بہرام اسوقت اسعد کو ستا رہا تھا۔ اور وہ بیچارہ چلا چلا کر اپنے بچاؤ کے لئے پکار رہا تھا مگر جب کسی نے اُسے نہ بچایا تو وہ بیچارہ بیہوش ہو کر گر پڑا۔ اُسکے بدن کا چمڑہ اُدھڑ گیا۔ اتنے میں بہرام کو دس

بھی بیچوں تو مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ ملکہ نے جواب دیا۔ مگر مجھے اسے لینا ضرور ہے۔ مول نہ دو رشفت دیدو۔ بہرام نے کہا۔ میں کسی طرح بھی نہیں دیسکتا۔ یہ سُنکر ملکہ مرجانہ غصّہ میں بھری اسعد کو ہمراہ لیا اور قلعے میں چلی گئی۔ جاتے ہوئے کہہ گئی۔ کہ رات بھر ہمارے ساحل سے نکل جاؤ ورنہ تمہارا سب مال ضبط کرکے جہاز کو توڑ پھوڑ دیا جائیگا۔ بہرام کو بڑا افسوس ہُوا کہ کسی اچھے ملے گھر سے چلے تھے۔ غرض سامان سفر درست کرکے وہ رات کے انتظار میں بیٹھے۔ تاکر لنگر اٹھا دیا جاوے۔ اُدہر ملکہ مرجانہ اسعد کو ہمراہ لیکر جب قلعے میں پہونچی۔ لونڈیوں کو دسترخوان چننے کا حکم دیا اور اسعد کو ہمراہ اپنے بٹھا کر کھانا کھلایا۔ پھر شراب آئی۔ اور اپنے ہاتھ سے پیالے بھربھر کے اُسے دیتی تھی۔ غرض اسعد کی محبت نے اُسکے دل میں گھر کر لیا۔ جب دونو شراب سے مست ہوگئے۔ اسعد کو حاجت محسوس ہوئی اور وہ تقاضائے حاجت کے لئے محل سے اُترا اور شاہی باغ کا دروازہ کھلا پاکر اندر چلا گیا۔ جب فراغت حاصل کرلی۔ حوض پر ہاتھ دھوئے جو باغ کے اندر



اسکی تلاشی لے۔ حکم دیا کہ اسباب نیچے اتار دیا جائے۔ خلاصیوں نے حکم کی تعمیل کی۔ اور امجد نے آپ ادھر جا کے کونہ کونہ چھان مارا۔ مگر کہیں اسکا مقصد پورا نہ ہو سکا۔ غرض وہاں سے بھی ناکام ہو کر وہ محل میں آیا اور بھائی کی یاد میں دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ ادھر بہرام مجوسی نے حکم دیا کہ فوراً لنگر اٹھا دیا جائے۔ غرض جہاز روانہ ہوا اور ہوا کی موافقت کے سبب بہت جلد جبل النار کے قریب جا پہنچا۔ مگر وہاں پہنچا۔ یکایک طوفان آگیا اور بادِ مخالف کے تھپیڑے جہاز کو گمراہ کر کے ایک ایسی جگہ لے گئے۔ جو جبل النار سے بہت دور تھی اور وہاں ایک مسلمہ عورت حکمران تھی جسے ملکہ مرجانہ کہتے تھے۔ کپتان نے بہرام سے کہا۔ صاحب! ہم منزلِ مقصود سے بہت دور آپڑے ہیں۔ اب آرام کے لئے یہاں ٹھہرنا بھی ضروری ہے آپ کی کیا صلاح ہے۔ بہرام نے جواب دیا۔ تم مختار ہو جس طرح تمہاری رائے ہو کرو۔ کپتان نے پوچھا کہ اگر ملکہ نے اس مسلمان کی بابت پوچھا؟ بہرام نے کہا میں کہدونگا۔ کہ میں غلاموں کی تجارت کیا کرتا ہوں۔ اور اب یہ ایک ہی غلام رہ گیا ہے۔ ذرا تم اسے غلاموں کے کپڑے پہنوا دو۔ انہی باتوں میں جہاز ساحل پر آ لگا۔ لنگر گرا دیا گیا اتنے میں ملکہ مرجانہ بھی وہیں لشکر سمیت آگئی اور کپتان کو بلوایا۔ کپتان نے آکے آداب عرض کیا۔ ملکہ نے پوچھا تیرے جہاز میں کیا مال ہے۔ کپتان نے جواب دیا۔ حضور! ایک شخص غلاموں کی خرید و فروخت کرتا ہے وہی اسپر سوار ہے۔ حکم ہوا کہ اسے بلاؤ۔ غرض بہرام مجوسی باہر آیا اسعد بھی اسکے ساتھ تھا اور اسنے غلاموں کا لباس پہنا ہوا تھا۔ بہرام نے آکے زمین خدمت کو بوسہ دیا۔ ملکہ نے پوچھا تم کون ہو۔ بہرام بولا۔ ملکہ! میں غلاموں کی خرید و فروخت کیا کرتا ہوں۔ پھر ملکہ نے اسعد کی طرف دیکھا اور پوچھا تیرا نام کیا ہے۔ اسعد نے رو کے جواب دیا مجھے اسعد کہتے ہیں ملکہ کا دل بھر آیا اور پوچھنے لگی۔ تم کچھ لکھ پڑھ بھی سکتے ہو۔ اسعد نے کہا ہاں۔ ملکہ نے کاغذ اور قلم دوات پیش کی۔ اسعد نے یہ شعر لکھا ؎

میں کیا کہوں کہ کون ہوں سودا بقول درد جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

ملکہ نے جب اس شعر کو پڑھا۔ اسپر ایک کیفیت طاری ہوگئی۔ بہرام سے کہنے لگی۔ کیا تم اس غلام کو بیچوگے۔ بہرام نے کہا۔ نہیں حضور! صرف یہی ایک باقی رہ گیا ہے۔ اگر اسے

اور بادشاہ نے ڈپٹ کر پوچھا۔ تو اسی طرح ہماری رعایا کو قتل کرکے سمندر میں پھینک دیتا ہوگا۔ مگر بہادر نے جب کچھ جواب نہ دیا۔ تو حکم دیا کہ شہر میں منادی کیجائے کہ آج دوپہر کے وقت بہادر کو پھانسی پر چڑھایا جائیگا جسے دیکھنا ہو مقتل میں جاکے دیکھ سکتا ہے۔ اُدھر امجد انتظار میں بیٹھا تھا جب دن بھی نکل آیا اور بہادر نہ لوٹا تو اُسے سخت فکر پڑ گیا۔ اتنے میں منادی کی آواز بھی کان میں آئی کہ دوپہر کے وقت بہادر کو پھانسی پر چڑھایا جائیگا۔ جسے دیکھنا منظور ہو مقتل میں چلا جائے۔ بہادر کے قتل کی خبر سنکر امجد کو بڑا افسوس ہوا۔ کہ قاتل میں ہوں اور وہ غریب بیگناہ مارا جاتا ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ یہ سوچکر اُستے دکان کا دروازہ بند کیا اور اپنے تئیں قاضی کی خدمت میں پہنچا کر عرض کی حضور! بہادر بالکل بیگناہ ہے اور اس عورت کا قاتل میں ہوں۔ قاضی نے یہ سنکر دونوں کو ہمراہ لیا اور بادشاہ کی خدمت میں لیگیا۔ بادشاہ نے پوچھا کیا بات ہے۔ قاضی نے جو کچھ امجد سے سنا تھا۔ سنا دیا۔ پھر بادشاہ امجد کی طرف مخاطب ہوکر بولا۔ کیا تم نے ہی اس عورت کو قتل کیا تھا؟ اور کیوں۔ سچ سچ بیان کرو۔ امجد نے اسکے جواب میں جزائر آبنوس سے روانہ ہونے بھائی کے بچھڑنے مدینۃ المجوس میں پہونچنے۔ درزی کی شاگردی کرنے۔ اس عورت کے ملنے۔ بہادر کی بہادری اور عورت کے قتل کی مکمل داستان ایسے دردناک طریق سے بیان کی کہ بادشاہ کا دل پسیج گیا۔ اور کہنے لگا۔ مجھے معلوم ہوا۔ بہادر بیگناہ ہے اور تم معذور ہو۔ لیکن کیا تم میری وزارت کو پسند کرتے ہو۔ امجد نے سر تسلیم جھکا دیا اور بادشاہ نے اُسے خلعت بھاری عطا فرمایا۔ رہنے کے لئے ایک عالیشان محل عطا فرمایا۔ جو نوکروں۔ چاکروں۔ جاہ و حشمت کی ضروریات سے آراستہ و پیراستہ تھا۔ بہادر کو بھی ایک بیش بہا خلعت ملا۔ اور بڑی عزت سے رخصت کیا بادشاہ نے امجد کو اپنے بھائی کے تلاش کرنے کی بھی اجازت دی۔ امجد شہر کی ہر روز گلیوں اور بازاروں میں منادی کراتا کہ جو شخص اسکے بھائی کا پتہ دیگا۔ اُسے بہت سا انعام دیدیا جائیگا مگر ایک مدت تک اُسے کامیابی کچھ نہ ہوئی۔ اُدھر اسعد کو اُن مجوسیوں کے گھر میں سخت تکلیف تھی۔ رات دن عذاب دیا جاتا۔ حتیٰ کہ انکی عید آگئی اور بہرام مجوسی کا جہاز آتش پرستوں کے بڑے معبد جبل النار کو جانے کے لئے تیار ہوا۔ اسعد کو بھی ایک صندوق میں مقفل کرکے اُسی جہاز پر بار کیا گیا۔ وزیر امجد کو اس جہاز کی روانگی کی خبر ہوئی اور کچھ سپاہی ہمراہ لیکر جہاز پر آیا تاکہ

امجد نے سوچا جس شخص نے ہمارے ساتھ نیکی کی اور اپنے تئیں غلامی کی خدمت پر مامور کیا اس سے ایسا سلوک کرنا جائز ہے۔ یہ خیال کر کے بولا۔ لاؤ۔ یہ تلوار مجھے دو۔ میں ہی اسے قتل کروں گا اور تلوار اسکے ہاتھ سے لیکر اسی کو اس کے دو ٹکڑے کر ڈالے۔ جب مقتولہ کا سر کٹ کر بہادر

تصویر امجد کی عورت کو قتل کرنے اور سر مقتولہ کے بہادر خفتہ پر گرنے کی



پر گرا تو وہ ایک بیک اٹھ کھڑا ہوا۔ دیکھا تو امجد خون آلود تلوار لئے کھڑا ہے اور وہ عورت قتل ہوئی پڑی ہے۔ امجد سے اس کا سبب پوچھا۔ اس نے جواب دیا۔ یہ تمہیں قتل کیا چاہتی تھی اسلئے میں نے اسکے کیفر کردار کو پہنچا دیا ہے۔ بہادر نے امجد کا شکریہ ادا کیا۔ اور کہا کاش آپ اسے معاف کر دیتا۔ مگر اب جس طرح ہو اس لاش کو گھر سے نکالنا ضروری ہے۔ قبل اسکے کہ صبح نکلے۔ یہ کہکر اسے ایک چادر میں باندھا اور امجد سے کہنے لگا۔ اگر میں سورج نکلنے سے پہلے آگیا تو کوئی فکر نہیں۔ ورنہ سمجھ لینا کہ میں گرفتار ہو گیا ہوں۔ اسلئے اس مکان کو اسباب سمیت میں تمہارے نام ہبہ کرتا ہوں اور کمر کس کر گٹھڑی سر پر اٹھا کنار دریا کی طرف روانہ ہوا۔ جب قریب جا پہنچا۔ روند کے سپاہیوں نے اسے گھیر لیا۔ اور گٹھڑی کھلوا کے دیکھا۔ تو اس میں ایک عورت کی لاش پاکر بہادر کو گرفتار کر کے تھانے لیگئے اور صبح کے وقت بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ بہادر نے سر جھکا لیا

کر دی ہے۔ اور کوئی عذر نہ مان کر مارنے سے بھی دریغ نہ کرنا۔ اگر آپ نے کچھ بھی نرمی کی تو آپ پھر بیبرے دیندار ٹھہرینگے۔ اب جائیے اور آرام سے بیٹھیے۔ مجھ سے جو کچھ مانگئیگا میں اُسے حاضر کرونگا۔ رات بھی آپ شوق سے جس طرح چاہیں یہیں بسر کرسکتے ہیں۔ صبح جہاں مرضی ہوگی چلے جائیے گا۔ امجد کو بہادر کی باتوں سے تسلی ہوئی۔ اور وہ اطمینان سے اندر آگئے۔ اُس عورت سے محبت و الفت کی باتیں کرنیلگا۔ وہ بولی۔ شاید ہے کہ آپ نے کبھی مجھ سے کلام کیا۔ امجد نے جواب دیا۔ بات یہ ہے کہ میں جواہرات کے ایک مالا کی فکر میں تھا جسکا ایک ایک دانہ دس ہزار دینار کا ہے۔ میرا خیال تھا کہ میرا غلام بہادر اُسے لیکے نکل گیا۔ مگر اب میں نے دیکھا تو وہ اپنی جگہ پڑی ہی پڑی ہے۔ اسلیئے اب مجھے حیرانی ہے کہ اُسنے آج اسقدر دیر کہاں لگادی۔ ذرا آلیتا ہے تو پوچھتا ہوں۔ غرض انہی باتوں میں مغرب کا وقت آگیا اور بہادر غلاموں کا لباس پہنے اندر آیا اور ہاتھ باندھ کر سر جھکا کے امجد کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ امجد نے پوچھا۔ بدذات! تو اسوقت تک آج کہاں تھا؟ بہادر نے جواب دیا۔ حضور! آج نہانے اور کپڑے دھونے میں دیر ہوگئی ہے لیکن مجھے خبر تھی کہ آپ ایسی جلدی تشریف لے آئینگے۔ بلکہ میں سمجھتا تھا کہ آپ حسب معمول شام کے وقت آئینگے۔ امجد نے اسپر دکھاوے کیلئے آنکھیں لال کرلیں اور لکڑی لیکے اُسے دو تین چوٹیں لگا دیں مگر نرمی سے۔ اُس عورت کو اسپر اطمینان نہ ہوا۔ اور اُسنے لاٹھی لیکے اس زور سے بہادر کی خبر لینی شروع کی کہ بیچ بیچ بیچارے کے آنسو نکل آئے۔ گو امجد منع بھی کرتا رہا کہ اب اسے معاف کردو مگر اُسنے ایک نہ سنی۔ آخر تنگ آکے امجد نے اُس سے لاٹھی چھین لی اور بہادر کو چھڑا دیا۔ بیچارے نے آنسو پونچھے اور اُنکی خدمت میں کھڑا ہوگیا۔ اب شام ہوگئی تھی۔ چراغ روشن کئے اور دسترخوان بچھا کر شام کا کھانا چُنا اور آدھی رات تک اُنکی خدمتگذاری میں لگا رہا۔ آخر تھک کے وہیں پڑ گیا۔ وہ عورت اُسوقت شراب میں چُور ہو رہی تھی۔ امجد سے بولی۔ صاحب تلوار لیکر اس بے حیا غلام کا سر اتار دو۔ ورنہ میں اُٹھتی ہوں۔ امجد نے پوچھا کیوں اُسنے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔ عورت بولی قتل کیے بغیر پورا لطف حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور اگر تم نہیں اُٹھتے تو میں اُسے قتل کردیتی ہوں۔ امجد نے کہا تمہیں خدا کی قسم ہے۔ میرے غلام سے اس طرح مت پیش آؤ۔ مگر اس ڈائن نے کچھ پرواہ نہ کی اور تلوار کھینچکر چاہتی تھی کہ بہادر کا سر اُڑا دے

وہ عورت بھی اُسکے پہلو میں بیٹھ گئی۔ مگر دونوں میں بڑا فرق تھا۔ امجد کے دل میں طرح طرح کے خدشات پھر رہے تھے۔ وہ سوچتا تھا۔ کہ اگر مالک مکان آگیا تو جان کا بچنا محال ہے۔ مگر وہ عورت بے تحاشا قہقہے لگاتی تھی۔ گویا کچھ پڑا پایا ہے۔ غرض امجد نے دسترخوان سے ایک نوالہ بھی نہ اُٹھایا۔ کیونکہ اُس کی نظر دروازے پر لگی ہوئی تھی۔ اور عورت کا کھاتے کھاتے پیٹ بھر گیا۔ اس لئے اُسنے دسترخوان اُٹھا دیا اور میووں کی طشتریاں لے آئی۔ جب خوب سیر ہو چکی تو شراب کے کنٹر اُٹھا لئے اور گلاس بھر کے امجد کے پیش کیا۔ اُسنے لے تو لیا مگر زہر کے گھونٹ معلوم ہوتے تھے اور ابھی اُسنے ہونٹوں سے لگایا ہی تھا۔ کہ دروازے پر صاحب خانہ کی شکل نظر آئی۔ اُسکا رنگ فق ہو گیا۔ اور گلاس ہاتھ سے رکھدیا۔ یہ شخص شہر کے کسی بڑے امیر کا ملازم تھا اور اس مکان کو اُسنے محض چند گھنٹوں کی فرحت و انبساط کی خاطر بنوار کھا تھا بلکہ آج بھی یہیں ایک دوست کی دعوت تھی اور یہ سب سامان اُسی کی خاطر مہیا کر کے رکھا گیا تھا۔ نام اُس شخص کا بہادر تھا۔ اور شہر میں اُسکے جود و سخا کی دھوم تھی۔ غرض جب وہ مکان پر آیا کہ اپنے دوست کا انتظار کرے باہر کا دروازہ کھلا پاکر متحیر ہوا۔ اور آہستہ آہستہ اندر گیا۔ جہاں امجد اور وہ عورت دسترخوان پہ بیٹھے تھے اسے دیکھکر امجد کا خون خشک ہو گیا۔ بہادر نے بھی اس تبدیلی رنگت کو محسوس کیا اور انگلی ہونٹ پر رکھ کے اشارہ کیا۔ کہ بولو مت۔ پھر اُسے اشارے سے باہر بلایا۔ امجد نے گلاس کو ہاتھ سے رکھدیا۔ اور اُٹھ کے باہر چلا۔ عورت نے پوچھا۔ کہاں جاتے ہو؟ امجد نے جواب دیا۔ ذرا پیشاب کر آؤں۔ غرض اس حیلے سے وہ باہر نکلا اور بہادر کے ہاتھوں کو بوسہ دیکر بولا۔ قبل اسکے کہ آپ مجھے سزا دیں۔ میری سرگذشت سن لیں اور مجھے ابتدا سے اب تک اپنی ساری رام کہانی سنا کر بولا۔ کہ میں اپنی مرضی سے یہاں نہیں آیا۔ بلکہ اس عورت نے قفل توڑ دیا تھا۔ اور مجھے بھی اندر لے آئی۔ بہادر نے جب امجد کی سرگذشت سنی اور معلوم کیا کہ وہ شہزادہ ہے تو اُسے بڑا رحم آیا۔ بولا۔ شہزادے آپ اب اندر جا کے بیٹھئے اور فراغت سے کھانا کھائیے اور مجھے بھی اپنا ایک ادنےٰ غلام تصور فرمائیے۔ میری بڑی خوش قسمتی ہے کہ آپنے اس غریب خانے کو قدم رنجہ فرما کر عزت بخشی۔ میرا نام بہادر ہے اور میں بھی تھوڑی دیر کے بعد غلاموں کا لباس پہنکر حاضر خدمت ہوتا ہوں۔ آپنے بلا تامل مجھ پر خفگی کا اظہار کرنا۔ کہ اسقدر دیر کیوں کیا

داہنے ہاتھ ایک عالیشان خوبصورت حویلی مقفل دکھائی دی۔ امجد وہاں ایک چبوترے پر بیٹھ گیا۔ وہ عورت بھی دوسری طرف بیٹھ گئی اور کہنے لگی۔ صاحب! آپ اب کس کا انتظار کرتے ہیں۔ امجد نے سر جھکا لیا اور بولا۔ چابی نوکر کے پاس ہے ہیں اُسے کہہ گیا تھا کہ کھانا اور شراب بازار سے لا رکھے۔ شاید کہیں سینے گیا ہوگا۔ جب بہت دیر ہوگئی۔ وہ عورت بولی۔ خدا جانے آپ کا غلام کب آئیگا۔ ہمیں گلی میں بیٹھے دیکھکر لوگ کیا کہتے ہونگے۔ اینٹ لیکے قفل کیوں نہیں توڑ ڈالتے امجد نے جواب دیا۔ جلدی نہ کرو۔ ابھی آتا ہی ہوگا۔ مگر اُس عورت نے کچھ نہ سُنا اور پتھر اٹھا کے قفل کو دو ٹکڑے کر دیا۔ امجد نے پوچھا۔ تمہیں کسی سے ڈر نہ لگتا تھا۔ کہ تم نے قفل توڑ دیا۔ عورت نے جواب دیا۔ کیا یہ مکان آپکا نہیں؟ امجد نے کہا۔ کیوں نہیں۔ مگر قفل کو توڑنے کی کیا ضرورت تھی۔ عورت نے اسکی طرف کچھ توجہ نہ کی اور فوراً دروازہ کھول کے اندر گھس گئی۔ امجد بیچارہ حیران تھا کہ کیا کرے۔ اگر کوئی مالک مکان آگیا تو کیا ہوگا۔ جب وہ اندر نہ گیا تو عورت نے پکارا صاحب! تم اندر کیوں نہیں آتے۔ امجد نے جواب دیا۔ ہیں غلام کا انتظار کر رہا ہوں۔ خدا جانے وہ کیوں ابھی تک نہیں آیا۔ یہ کہکر چار و ناچار اُٹھ کے اندر گیا۔ مگر مالک مکان کا خوف اُسکے گھُسلا رہا تھا اندر جاکے ایک خوبصورت محل دیکھا۔ جسکے چاروں طرف چار وسیع دالان ہر ایک قسم کے فرش فروش اور شیشہ آلات سے آراستہ تھے۔ اور ہال ہیں ایک جگہ ظروف و مختلف اقسام کے طعام دسترخوان پر سلیقے سے چُنے ہوئے تھے۔ دوسری جگہ چینی کی طشتریوں ہیں خشک و تر میوے کمال نفاست سے پڑے تھے۔ وہیں شراب کا سامان اور سبزہ زار کیا بھی رکھے پائے مکان کے ہر دو طرف با ترتیب کرسیاں چُنی تھیں۔ جنپر کپڑوں کی ایک ایک گٹھڑی اور ایک ایک تھیلی دیناروں کی رکھی تھی۔ اور سارے مکان کا فرش سنگ مرمر کا تھا جس سے مالک مکان کی امارت ٹپکتی تھی امجد بڑا متردد ہوا۔ مگر عورت کو کمال فرحت ہوئی اور کہنے لگی۔ صاحب! آپ کے غلام کا کوئی قصور نہیں۔ وہ سب کچھ تیار کر کے رکھ گیا ہے۔ الحمد للہ کہ ہیں ٹھیک وقت پر آئی دیکھو! امجد نے اسکی طرف کچھ توجہ نہ کی کیونکہ اُسے اور ہی فکر پڑ رہا تھا۔ یہ بے رخی پا کر عورت نے پوچھا۔ آپ ایسے اداس کیوں دکھائی دیتے ہیں۔ کیا آج کسی اور سے وعدہ تھا۔ اگر یہی بات ہے تو آپ اطمینان رکھیں۔ ہیں اُسکی خدمت گذاری کرونگی۔ امجد زہر خند ہنسی سے ہنس پڑا اور دسترخوان پر بیٹھ گیا۔

سامنے ایک ایک پیالہ شوربا پانی کا۔ غرض وہ بہت تنگ ہوا۔ وہ لوگ آتش پرست تھے اور اسعد کو مسلمان جانکر اسلیئے رکھا تھا۔ کہ جب عید آئیگی تو اپنے معبود کے سامنے اُسے قربانی دینگے۔ اُدھر امجد بیچارہ اپنے بھائی کی انتظار میں دوپہر تک بیٹھا۔ جب دن ڈھلنے لگا اُسکا دل بھی بیٹھنے لگا کہ خدا خیر کرے۔ بھائی کو صحیح و سلامت دیکھوں۔ مگر جب تیسرے پہر تک کوئی خبر نہ ملی تو رونے لگ گیا آخر مجبور ہوکر اٹھا اور آپ بھی شہر کو روانہ ہوا۔ بازار میں جاکے لوگوں سے شہر کا نام پوچھا۔ جواب ملا اسے آتش پرستوں کا شہر کہتے ہیں۔ پھر جزائر آبنوس کا فاصلہ دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ وہ یہاں سے خشکی سے پورے ایک برس کی راہ پر ہے۔ پہلے ارمانوس کی حکومت تھی۔ اب اسکا داماد قمرالزمان بڑا عادل اور صاحب جور بادشاہ حکمران ہے اپنے باپ کا ذکر خیر سنکر امجد کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔ پھر اُسنے ایک دوکان سے کچھ کھانا خرید ا اور چند نوالے زہر مار کرکے بھائی کی یاد میں آنسو بہانے لگا۔ پھرتے پھرتے وہ شام کے وقت ایک درزی کی دوکانپر جا پہنچا جو مسلمان تھا وہاں بیٹھکے اپنی سرگذشت سنائی اور بھائی کی تلاش کرنے کی تدبیر پوچھی۔ درزی نے جواب دیا اگر وہ کسی آتش پرست کے ہاتھ پڑگیا ہے تو اُسکا ملنا مشکل امر ہے۔ مگر خدا کی قدرت سے ڈھونڈ کر تمہیں تمہارا بھائی ملجائے۔ پھر درزی نے کہا۔ اگر تم میرے پاس ہی ٹھہرو تو کیا حرج ہے؟ امجد نے منظور کیا اور رات وہیں بسر کی۔ بلکہ اگلے دن درزی کا شاگرد بنگیا۔ اور چند ہی روز میں پوری مہارت حاصل کرلی۔ ایکدن وہ حمام کرکے اچھے کپڑے پہنے بازار میں چلا آرہا تھا کہ ایک برقعہ پوش عورت نے اُسکے حسن کو دیکھکر برقعہ مُنہ سے ہٹادیا۔ اور بولی۔ صاحب! تم کون ہو۔ کہاں چلتے ہو ذرا ٹھہر جاؤ۔ امجد نے جواب دیا۔ مرد عورتوں کو اپنے گھر کو لیجایا کرتے ہیں یا عورتیں مردوں کو امجد نے سوچا۔ کہ میرا کوئی گھر نہیں اور اسے درزی کے گھر لیجانا سخت بیشرمی ہے۔ دوسرا کوئی مکان بھی نہیں جانتا۔ پھر اسے کہاں لیجاؤں۔ اس خیال سے ہی درگذر کرنا چاہیئے۔ یہ سوچکر قدم بڑھایا۔ مگر وہ عورت سایہ کی طرح ساتھ ساتھ ہولی۔ جدہر امجد جاتا وہ بھی ساتھ ہی چلتی جب بہت سے گلی کوچے طے کرتے کرتے عورت تھک گئی تو بولی۔ صاحب! آپ کا مکان کتنی دور ہے۔ میری تو ٹانگیں بھی رہ چکیں۔ امجد نے جواب دیا۔ ابھی آیا جاتا ہے۔ یہ کہکر ایک تنگ کوچے میں گھس گیا۔ اتفاق سے وہ گلی آگے سے بند تھی۔ امجد بڑا حیران ہوا۔ مگر ادھر اودھر دیکھا۔ تو

خبر لاتا ہوں۔ کہ یہ کون شہر ہے اور یہاں کے باشندوں کا کیا حال ہے۔ اسعد نے جواب دیا برادر عزیز ہم! یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ کہ تمہیں اکیلا جانے دوں۔ البتہ تم ٹھہر جاؤ۔ اور میں شہر کو جاتا ہوں۔ امجد بولا اچھا تو تم ہی جاؤ۔ مگر دیر نہ کرنا۔ غرض اسعد اپنے ساتھ چند دینار لیکے روانہ ہوا راستے میں اُسے ایک سفید ریش متشبہ آدمی ملا جو اپنے لباس سے معزز شخص معلوم ہوتا تھا۔ اسعد نے اُسے بزرگ جانکر السلام علیک کہی۔ اور پوچھا کہ بازار کو کون راستہ جائیگا۔ بوڑھا مسکرایا اور بولا معلوم ہوتا ہے کہ تم اس شہر میں نووارد ہو۔ اسعد نے جواب دیا۔ ہاں! میں ابھی ابھی آرہا ہوں۔ اُس بڈھے نے پوچھا۔ بیٹا بازار کو تم کیوں پوچھتے ہو۔ اسعد نے جواب دیا۔ میرا ایک بھائی ہے اُسے میں اس سامنے والے پہاڑ پر چھوڑ کر آیا ہوں۔ ہمیں گھر سے چلے تین ماہ ہو گئے ہیں۔ آج اس آبادی کو پہلی مرتبہ دیکھا ہے۔ بھوک لگی ہوئی تھی اسلئے کچھ کھانا خریدنے کا ارادہ ہے۔ بڈھے نے جواب دیا۔ آج میرے ہاں دعوت ہے اور بہت سے مہمان جمع ہیں۔ اگر تم وہاں تک چل سکو تو جسقدر تمہاری خواہش ہو اپنے اور اپنے بھائی کے لئے کھانا لے سکتے ہو۔ قیمت کی کوئی ضرورت نہیں۔ بلکہ میں تمہیں اس شہر کا بہت سا حال بتاؤنگا۔ بیٹا! زیادہ تر شکر اس بات کا ہے کہ پہلے تم کسی اور آدمی سے نہیں ملے۔ اسعد نے جواب دیا آپ جیسا مناسب سمجھیں کریں۔ مگر براہ مہربانی ذرا جلدی کریں۔ کیونکہ میرے بھائی کو بھوک لگی ہوگی اور میرا انتظار کھینچ رہا ہوگا۔ یہ سنکر بڈھے نے اُسکا ہاتھ پکڑا اور مسکرا کر کہنے لگا۔ اچھا ہوا پہلے تم کسی اور آدمی سے نہیں ملے اور جلدی جلدی قدم اُٹھا کر ایک تنگ گلی میں گھس گیا۔ پھر دو تو ایک وسیع میدان میں داخل ہوئے جسکے اندر ایک خوبصورت کمرے میں ویسے ہی چالیس بڈھوں کی ایک جماعت آگ کے گرد حلقہ مارے بیٹھی ہے اور بظاہر وہ آتش پرست دکھائی دیتے تھے۔ اسعد انہیں دیکھکر کانپ اُٹھا۔ اور بڈھا اپنے ساتھیوں سے بولا۔ دوستو آجکا دن بہت مبارک تھا کہ ایسا شکار ہاتھ لگا۔ پھر غضبان نامی ایک غلام کو آواز دی۔ فوراً ایک بدشکل حبشی آگیا اُسے حکم دیا کہ اس مسلمان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر فلاں تہ خانہ میں لیجا۔ اور لونڈیوں کو حکم دے دو کہ اسے خوب عذاب دیں۔ غضبان نے حکم کی تعمیل کی۔ اور لونڈیوں کو آقا کا حکم سمجھا دیا۔ بیچارہ اسعد بڑی مصیبت میں پھنس گیا۔ بھائی کا خیال ایک طرف اور اپنی قید فرنگ دوسری طرف پھر ان لونڈیوں کا عذاب۔ روز غریب کو بڑی بے دردی سے مارا کرتیں۔ حتیٰ کہ کھال اُدھڑ گئی اور

تھے کہ آپ نے بلا تحقیق ہی انہیں مروا دیا۔ قمرالزمان نے فوراً سر جھکا لیا کہ بات تو صحیح ہے پھر انکے کوٹ کھولکر انکی جیبوں کی تلاشی لی۔ دو تو جیبوں سے بدرالبدور اور حیات النفوس کے وہ رقعے نکلے جن کی بدولت یہ سب قضیہ برپا ہوا تھا۔ اُن رقعوں کو پڑھ کر بادشاہ کی آنکھوں میں خون اُتر آیا اور وہ گمشدہ ہوگئی۔ وہ رونے چلانے لگا کہ افسوس بیٹے اپنے بچوں کو بیگناہ مروا دیا۔ جب رو پیٹ کر خوب ہلکا ہوچکا۔ حکم دیا کہ اُنکے دو مقبرے بنائے جائیں۔ پھر باری باری وہ اُن مقبروں میں جاتا اور بچوں کا ماتم کرتا۔ گھر کا آنا جانا بالکل چھوڑ دیا۔ اُدھر امجد اور اسعد جنگل میں پیدل چل رہے تھے۔ جب بھوک لگتی جڑی بوٹیاں کھا کے پیٹ بھر لیتے اور مینہ کا پانی پی کے پیاس بجھا لیتے۔ برابر ایک ماہ کے بعد اُنکا گذر ایک کالے پہاڑ کے پاس ہوا۔ جہاں سے دو راستے ہو گئے تھے اور وہ نہیں جانتے تھے کہ انہیں کہاں جانا چاہیئے۔ مگر جو راستہ پہاڑ کے اوپر گیا تھا۔ اُنہوں نے اُسی کو منتخب کیا اور پورے پچاس دن چلتے رہے۔ مگر جب اُسکی کوئی انتہا نہ ملی سخت مضمحل اور مایوس ہوکر لوٹے اور اُس دوسرے راستے پر چلنا شروع کیا۔ جسے وہ پہلے چھوڑ گئے تھے۔ دن گذر گیا رات آگئی۔ مگر وہ راستہ ابھی ختم ہونے میں نہ آیا۔ اسعد اب بہت تھک گیا تھا حتّٰی کہ تکان سے چُور ہوکے پائیں گر پڑا۔ اور امجد سے کہنے لگا۔ بھائی جان اب مجھ سے آگے نہیں جایا جائیگا یہ سُنکر امجد نے اُسے اُٹھا لیا اور آگے قدم بڑھایا۔ جب تھک جاتا اُسے زمین پر بٹھا کر دم لے لیتا اور پھر آگے کو چل دیتا حتّٰی کہ رات گذر گئی اور دن کی روشنی چمکی۔ اور دونو پہاڑ کی ایک چوٹی پر کھڑے ہوگئے۔ جہاں آب شیریں کا ایک چشمہ بہ رہا تھا۔ اور انار کا ایک درخت پختہ اناروں سے لدا ہوا کھڑا تھا۔ دونو وہاں بیٹھ گئے۔ پہلے مُنہ ہاتھ دھوئے پھر کچھ انار کھا کے سو گئے۔ اتنے میں سورج نکل آیا۔ اور جب وہ جاگے دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ پھر چشمے میں غسل کیا اور کچھ انار اور کھا کے لیٹ گئے۔ شام کے وقت جب آنکھ کھلی۔ وہاں سے چلنے کا ارادہ کیا مگر اسعد کے پاؤں ورم کر آئے تھے۔ اسلئے اُنہیں وہاں تین دن تک ٹھہرنا پڑا۔ جب خوب ستا لئے آگے قدم بڑھایا کئی دن کے بعد دُور سے اُنہیں دامن کوہ میں ایک شہر بستا دکھائی دیا۔ دونو کو بڑی خوشی ہوئی کہ ایک مدت کے بعد اُنہیں آبادی کے نشان دکھائی دئے ہیں۔ وہ پہاڑ سے اُتر آئے اور جب شہر تھوڑی دُور پر رہ گیا۔ امجد کہنے لگا بھائی اسعد! تم یہیں ٹھہر جاؤ۔ اور میں جاکے

تصویر شیر کی خازندار کو دبا لینے اور امجد کی شیر کو قتل کرنے کی



غرض انہی باتوں میں وہ تینوں بیشے سے باہر گئے اور دونوں بھائی خازندار سے بولے۔ اب آپ ہمارے والد کے حکم کی تعمیل کریں ہم حاضر ہیں۔ سردار خازندار بولا۔ خدا کی قسم میں ہرگز ہرگز اس حکم کی تعمیل نہیں کرونگا۔ ہاں! تم کسی اور ملک کو نکل جاؤ۔ اور مجھے اپنے کوٹ اتار کے دیدو میں انہیں اسی شیر کے خون میں ڈبو کر نشانی کے طور پر تمہارے باپ کے پاس لیجاؤنگا۔ اگرچہ میں تم سے جدا ہونا نہیں چاہتا۔ پھر دونوں نے کوٹ اتار دئیے۔ اور خازندار انہیں شیر کے خون میں ڈبو کر شہر کو روانہ ہوا۔ جب قمرالزمان کی خدمت میں پہنچا تو شیر کے پھاڑنے سے اسکے چہرے کا رنگ متغیر ہو رہا تھا۔ قمرالزمان نے سمجھا کہ دونوں شہزادوں کے قتل سے اسکا یہ حال ہو رہا ہے۔ وہ بہت خوش ہوا۔ اور بولا۔ تم اپنا کام پورا کر آئے۔ خازندار نے جواب دیا۔ ہاں حضور! یہ کہکر دونوں کوٹوں کی گٹھڑی بادشاہ کے سامنے رکھدی۔ قمرالزمان نے پوچھا۔ مرتے وقت انکی کیا حالت تھی۔ اور وہ کیا کہتے تھے۔ خازندار نے جواب دیا وہ مرتے دم تک صابر رہے۔ اور آپکو [illegible]

باپ کو جا کے کہہ دینا کہ اُس نے ہمیں بیگناہ مروا ڈالنے کا حکم دیدیا۔ اور کوئی تحقیقات نہیں کی جس سے ہماری گنہگاری یا بے گناہی ثابت ہوئی۔ ہاں! اُسے عورتوں کے مکر کا پیچھے پتا لگیگا یہ کہکر دونوں کے آنسو نکل گئے اور خازندار کی آنکھوں سے بھی دریا بہ نکلا۔ پھر خازندار نے منہ پونچھا اور تلوار کھینچکر چاہتا تھا کہ ایک ہی ہاتھ میں دونوں کا کام تمام کر دے کیا دیکھتا ہے کہ خچر جنگل کو بھاگ نکلا۔ اسکی قیمت اُسے ایک ہزار روپئے پڑی تھی۔ علاوہ ازیں اسکا ساز و سامان نہایت بیش قیمت تھا۔ اسلئے تلوار پھینک دی اور خچر کے پیچھے بھاگا کہ پہلے اُسے پکڑ لاؤں۔ پھر انہیں بھی دیکھ لونگا۔ مگر خچر ہاتھ نہ آیا وہ بھاگتا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ ایک خطرناک بیشے میں گھس گیا جہاں ایک مہیب شیر رہتا تھا۔ خازندار کی نگاہ شیر پر اور شیر کی خازندار پر پڑ گئی۔ اب اُسے بھاگنے کے لئے کوئی رستہ نظر نہ آیا۔ دل میں سوچا۔ یہ مصیبت مجھ پر محض امجد اور اسعد کی بیگناہی کے سبب سے پڑی ہے۔ اُدھر جب خازندار کو گئے دیر ہو گئی گرمی سے امجد و اسعد کو پیاس نے ستانا شروع کیا۔ اُنہوں نے بہتیری آوازیں دیں۔ مگر کوئی جواب نہ ملا۔ ناچار کہنے لگے کہ اگر مر ہی جاتے تو اسقدر تکلیف نہ ہوتی۔ ساتھ ہی اُنہیں یہ فکر بھی تھا کہ بوڑھے سردار پر کوئی آفت نہ آپڑی ہو۔ یہ سوچکر دونوں نے رسی کھول ڈالی۔ اور امجد نے خازندار کی تلوار لے لی۔ پھر دونوں نے اُدھر کا رُخ کیا۔ جدھر خازندار گیا تھا اور وہ بھی اُسی بیشے میں جا پہنچے۔ اسعد بولا۔ یقیناً سردار خازندار اس جگہ سے آگے نہیں بڑھا۔ تم ذرا یہیں ٹھہر جاؤ۔ او رمیں اندر جا کے خبر لاتا ہوں۔ امجد نے کہا۔ یہ نہیں ہو سکتا میں بھی ساتھ ہی چلونگا۔ مرینگے تو اکٹھے اور جئیں گے تو اکٹھے۔ غرض دونوں بیشے میں داخل ہوئے اور دیکھا کہ ایک ہیبتناک شیر نے خازندار کو پچھاڑا ہوا ہے اور قریب ہے کہ کام تمام ہو جائے۔ امجد نے وقت کو کھونا پسند نہ کر کے تلوار کا ایک ہی تلا ہوا ہاتھ ایسا دیا کہ شیر کی گردن کٹ کے پرے جا پڑی۔ سردار کو بڑی خوشی ہوئی۔ وہ اُٹھکے امجد کے پاؤں پر گر پڑا اور بولا۔ اچھا ہوا میں نے آپکو قتل نہیں کیا۔ اور اب میں آپ کے رونگٹے کو بھی میلا نہ ہونے دونگا بلکہ اپنی جان تمپر سے قربان کر دونگا۔ اتنے میں اسعد بھی سردار کے خچر کو پکڑ لایا۔ سردار نے اسکا بھی شکریہ ادا کیا اور پوچھنے لگا۔ تم یہاں کیسے آگئے۔ دونوں نے جواب دیا۔ ہمیں سخت پیاس لگ آئی تھی۔ لیکن جب آپ دیر تک نہ آئے تو ہمیں اور فکر پڑ گیا۔ یہاں آکے اور ہی نظارہ دیکھا۔

کے لئے گھر سے نکلا۔ دہلیز سے باہر آتے ہی ملک ارمانوس سے بھینٹ ہو گئی۔ اُسنے قمر الزمان کو خونخواری کی حالت میں دیکھ کر سبب پوچھا۔ قمر الزمان نے جو سُنا تھا سُنا دیا۔ ملک ارمانوس نے جواب دیا۔ غصّہ تو نالائقوں پر مجھے بھی آیا ہے۔ مگر میں مناسب نہیں سمجھتا کہ تم انہیں اپنے ہاتھ سے جہنم واصل کرو۔ آخر بچے ہیں۔ تمہیں پیچھے پچھتاوا ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ کسی سردار کو حکم دو اور اسطرح تمہاری نظروں سے اوجھل کام ہوگا تو تمہیں زیادہ افسوس نہ ہوگا۔ قمر الزمان نے اس رائے کو تسلیم کیا۔ اور تلوار میان میں کر کے تخت پر جلوس فرمایا۔ اور ایک سردار کو حکم دیا کہ امجد اور اسعد کی مشکیں باندھ کر دو صندوقوں میں بند کر کے جنگل میں بھیجاؤ اور وہاں اُن کے ٹکڑے کر کے اُنکے خون میں دونو کے کوٹ نشانی کے لئے بھگولاؤ۔ وہ سردار بادشاہ کا بوڑھا خازندار تھا۔ بادشاہ کا حکم پاکر اُسنے سر اطاعت جھکایا اور اسیوقت دونو شہزادوں کی طرف روانہ ہوا۔ امجد اور اسعد دونو اُسوقت گھر سے نکلکر باپ کی خدمت میں حاضر ہونے کیلئے آرہے تھے کہ خازندار نے راستے ہی میں انہیں جالیا۔ اور بولا۔ بیٹو! میں حکم کا بندہ ہوں۔ اور بادشاہ نے تمہارے لئے مجھے ایک حکم دیا ہے۔ کیا تم اُسکی اطاعت کروگے۔ دونو نے جواب دیا۔ دل وجان سے۔ خازندار نے فوراً اُنکی مشکیں کس لیں۔ اور علیحدہ علیحدہ دو صندوقوں میں بند کر کے خچر پر لادلیا اور جنگل کی طرف قدم اُٹھایا۔ ظہر کے وقت وہ ایک سنسان اور لق ودق جنگل میں پہنچے جہاں بنی آدم کے قدم پہلے کبھی نہ پہنچے ہونگے۔ خازندار نے خچر سے اُتر کر وہ دونو صندوقوں کو اُتارا۔ پھر امجد و اسعد کو باہر نکالکر بے اختیار رو پڑا۔ اور تلوار کھینچکر اُن سے کہنے لگا۔ بیٹو! میں نہیں چاہتا کہ ایسے فعل قبیح کا مرتکب ہوں۔ مگر کیا کروں سخت مجبور ہوں۔ بادشاہ کا ایسا ہی حکم ہے۔ اسکے جواب میں دونو کہنے لگے۔ اے سردار۔ تمہیں ہمارا خون مباح ہے اور ہم اپنی قسمت پر صابر وشاکر ہیں۔ اسکے بعد دونو گلے ملے اور آپس میں بحث کرنے لگ گئے کہ خازندار کی تلوار سے کون پہلے مرے۔ اسعد کہتا تھا میں مرونگا۔ اور امجد پہلا قدم موت کی طرف آپ اُٹھانا چاہتا تھا۔ آخر قرار پایا کہ دونو گلے ملیں اور خازندار یکبارگی ہی دونو کی گردنیں اُڑائے۔ غرض خازندار نے انہیں رسی سے خوب مضبوط طور پر باندھ لیا اور پوچھنے لگا۔ آپ کی کوئی حاجت ہو تو مجھے بتاؤ یا کسی کو کوئی پیغام دینا ہو تو میں پہنچا دونگا۔ وہ بولے ہماری کوئی حاجت نہیں ہے مگر یہ ہے

جلی کٹی جھانگا لئے پڑی تھی۔ اسعد کو بڑا غصہ آیا اور وہ ماں کو گالیاں دیتا ہوا باہر نکل آیا۔ باہر آکے بھائی امجد سے ملاقات ہوئی اور اُسے آج کی ساری سرگذشت سناکے کہنے لگا۔ جیسے رتو لاگنے والی بڑھیا کو مار ڈالا ہے۔ اور اگر مجھے تمہارا خیال نہ ہوتا تو محل میں داخل ہوکے تمہاری ماں کو بھی قتل کرڈالتا۔ امجد نے جواب دیا اور کل ایسا ہی واقعہ مجھ سے بھی گذر چکا ہے۔ پھر اسنے حیات النفوس اُسکی ماں کی کرتوت سے آگاہ کیا اور بولا اگر مجھے بھی تمہارا خیال نہ ہوتا تو یقیناً کل میں بھی اُسے قتل کئے بغیر نہ رہتا۔ پھر دونوں نے باقی رات عورتوں کے ناقص العقل اور خائن ہونیکے متعلق باتیں کرنے میں بسر کی۔ جب صبح ہوئی تو شہزمان بھی شکار سے واپس آگیا۔ امرا اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور وہ محل میں آیا۔ محل میں داخل ہوتے ہی اُسنے دونوں بیگموں کو جھلنگے لئے پڑے دیکھا اور حیران ہوکر اُنکی خاموشی اور غمگینی کا سبب پوچھنے لگا۔ دونوں مکاروں نے اصل میں امجد اور اسعد کی کارروائی سے چڑکر انتقام لینے کے لئے یہ سوانگ رچا تھا۔ جب بادشاہ نے سبب پوچھا۔ تو دونوں نے آداب بجالا کر عرض کی کہ بادشاہ سلامت! آپ کے دونوں شہزادے جنہیں آپ نے بڑے ناز و نعمت سے پالا تھا اب کچھ چل نکلے ہیں۔ اور آپ کی امانت پر خیانت کرنیکے درپے ہیں۔ قمرالزمان کو بڑا غصہ آیا اور اُسنے آنکھیں لال کرکے امر واقعہ کی وجہ پوچھی۔ ملکہ بدرالبدور نے جواب دیا۔ آپ کے نور چشم اسعد کی نگاہیں میں دیر سے بر گشتہ دیکھ رہی ہوں۔ مگر کل جبکہ آپ یہاں نہیں تھے تو کمبخت شراب پیے تلوار کھینچے میرے گھر میں گھس آیا جیسے اُسے اُس کی بدنگاہی پر بارہا ڈانٹ ڈپٹ کی تھی۔ اِسلیے مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں اُس تنبیہ کے عوض یہ مجھے نہ مار ڈالے۔ جب اُسے میری لونڈی نے اس حالت میں اندر آنے سے روکا تو اسعد نے اُس کے دو ٹکڑے کردئے اور اندر گھس کے مجھے چھیڑنے لگا۔ خداوندا اگر آپ تم سے میری اس ہتک کا بدلہ نہیں لینگے تو مجھے ہی اپنے ہاتھ سے قتل کر دیجیے۔ میں اب اس روسیاہی کی زندگی بسر کرنا نہیں چاہتی۔ حیات النفوس نے بھی امجد کی ایسی ہی شکایت کی اور بولی۔ اگر آپ میرا عوض امجد سے نہیں لے سکتے تو میرے باپ کو اطلاع دیدیجیے۔ اسکے بعد وہ دونوں کٹنیاں رونے اور چلانے لگ گئیں جس سے قمرالزمان کو اُنکی راستی پر یقین ہوگیا اور وہ اور بھی لال پیلا ہوگیا۔ تلوار کھینچ لی اور دونوں شہزادوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کرنے

بھی دل سے بھول گئی۔ کچھ مدت کے بعد خدا نے اُن دو نو شہزادیوں سے دو لڑکے عطا فرمائے
بڑے کا نام جو بدر البدور کے پیٹ سے تھا امجد رکھا گیا۔ اور چھوٹے کو جسے شہزادی حیات النفوس
نے جنا اسعد کے نام سے پکارنے لگے۔ گو دو نو لڑکے چندے آفتاب و چندے ماہتاب تھے لیکن
بھی اسعد امجد سے حسین تھا۔ غرض دو نو بڑے ناز و نعمت سے پرورش پانے لگے۔ سترہ سال
کی عمر میں دو نو نے مختلف علوم میں کمال حاصل کر لیا اور اُنکے حسن میں اسقدر ترقی ہوئی کہ عورتیں
اور مرد انہیں دیکھ دیکھ کر پروانہ وار قربان ہوتے تھے۔ اُن دو نو لڑکوں میں محبت بھی اس بلا
کی بڑھی کہ ایک دوسرے سے چند منٹ کے لیے بھی جدا نہ ہو سکتا تھا۔ قمر الزمان بھی اُن پر نظر عنایت
رکھتا تھا۔ جب وہ بالغ ہو گئے تو قمر الزمان نے سلطنت کا کام سکھانا شروع کیا۔ جب کبھی وہ
دورے پر یا سیر و شکار کے لیے جاتا باری باری دو نو تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہو کر مہمات سلطنت کو
انجام دیتے۔ خدا کا کرنا کیا ہوا کہ کچھ مدت کے بعد اسعد کی محبت بدر البدور کے دل میں اور امجد کی الفت
حیات النفوس کے دل میں جڑ پکڑ گئی اور ہر ایک اپنی سوت کے لڑکے کو آنکھوں کے سامنے رکھنا چاہتی
گویا اسکی جدائی اُسے سخت ناگوار معلوم ہوتی۔ ایک دفعہ قمر الزمان سیر و شکار کیلئے باہر گیا اور حسب معمول
دو نو لڑکوں کو حکم دیگیا کہ باری باری امور سلطنت کو سر انجام دیا کریں۔ پہلے دن امجد کی باری تھی
اور وہ تخت سلطنت پر متمکن تھا کہ اُسے شہزادی حیات النفوس کا ایک عاشقانہ رقعہ ملا جس میں اس
نے کمال اشتیاق سے اُسکے وصال کی آرزو ظاہر کی تھی۔ امجد کو اسکے رقعہ کے مطالعہ سے سخت رنج
ہوا اور بڑا غصہ آیا حتیٰ کہ رقعہ جیب میں ڈالا۔ اور تلوار کھینچکر اُس کے لانیوالے کے دو ٹکڑے
کر ڈالے اور چونکہ غصہ میں آیا کہدیا۔ جب حیات النفوس کو اُس کی خبر ملی۔ امجد کو گالیاں دیکے اور
پاؤں پٹک کے چپ ہو رہی۔ مگر امجد نے وہ رات بڑی بے چینی سے قطع کی۔ اگلے دن اسعد کی باری
تھی وہ حسب معمول امور سلطنت کے انفصال میں منہمک تھا کہ شہزادی بدر البدور کی ایک حبشی لونڈی
رقعہ لیے اُسکے پاس پہنچی۔ اسعد نے اُسے بڑے ادب سے لیا۔ مگر جونہی اُسکے مضمون کا مطالعہ کیا
اُسکے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ رقعہ کو جیب میں رکھا اور فوراً تلوار نکالکر حبشیہ کے دو ٹکڑے
کر کے پھینک دئیے۔ بدر البدور کے رقعے کا مضمون بھی حیات النفوس کے رقعے والا ہی تھا پھر وہ
دربار سے اُٹھ کے اپنی ماں حیات النفوس کے پاس گیا۔ آگے وہ امجد کی کل والی کارروائی سے

بدر البدور کو پہچانا نہ تھا۔ اسلئے وہ طلسم کو دیکھکر حیران رہ گیا۔ بولا! خداوندا اس کے نقوش عجیب پڑے ہیں۔ اسی کے سبب سے میں غم میں پڑ کر اپنی محبوبہ بی بی سے جدا ہوا تھا۔ اور آجتک وقت کے صدمے اٹھا رہا ہوں۔ یہ طلسم بھی میری اسی بی بی کا ہے۔ اگر آپ میرا قصہ سنینگے تو آپ کو مجھ پر بڑا رحم آئیگا۔ بدر البدور نے جواب دیا۔ ذرا ٹھہر جاؤ۔ میں دوسرے وقت تمہاری سرگذشت سنونگا یہ کہکر دوسرے کمرے میں چلی گئی اور مردانہ لباس اتار زنانے کپڑے پہن کے سامنے آگئی۔ قمرالزمان ہکا بکا رہ گیا۔ اور بولا ایسے بادشاہ کے قربان جس کی بدولت مجھے اپنی محبوبہ کا دیدار نصیب ہوا۔ پھر دونو چپٹ کے گلے ملے اور رات وہیں بسر کی۔ صبح ہوتے ہی بدر البدور نے ملک ارمانوس کو بلا بھیجا جب وہ آیا تو بدر البدور کو زنانہ لباس میں پاکر حیران ہوا اور پوچھنے لگا۔ یہ بی بی کون ہے؟ ملکہ نے اپنی ساری سرگذشت سناکے عرض کیا۔ ہمارے مذہب میں چار بیبیوں تک جائز ہیں۔ اور اب میں دل سے اجازت دیتی ہوں کہ شہزادی حیات النفوس کی شادی میرے خاوند قمرالزمان سے کر دیجائے۔ بادشاہ بڑا متعجب ہوا۔ اور حکم دیا کہ اس قصے کو سونے کے پانی سے لکھکر خزانے میں رکھا جائے۔ پھر قمرالزمان کی طرف مخاطب ہوا۔ اور بولا بیٹا! اب تم بتاؤ۔ تمہاری کیا صلاح ہے میں چاہتا ہوں کہ حیات النفوس کو تم عقد میں لاؤ۔ قمرالزمان سوچنے لگ گیا۔ مگر بدر البدور نے کہا مجھ پر انکے احسان بے شمار ہیں۔ کہ باپ کی مہربانیاں بھی بھول گئی ہیں۔ اس قمرالزمان نے بادشاہ کے فرمان کے سامنے سر جھکا دیا۔ ملک ارمانوس کو بڑی خوشی ہوئی۔ اور اسنے سب ارکین دربار کو بلواکر بدر البدور اور قمرالزمان کی سرگذشت سنائی۔ اور کہا کہ اب قمرالزمان حیات النفوس سے شادی کرنے میں راضی ہے اور اسکی بیوی کی بھی خواہش ہے کہ اپنی لڑکی کا اس سے نکاح کرکے اسے اپنا جانشین کرلے۔ سب نے یکزبان ہوکر جواب دیا۔ ہمیں آپکے فرمان سے بدل اتفاق ہے۔ اور پہلے بھی ہم نے حضور کے حکم سے قمرالزمان ہی کو اپنا بادشاہ مقرر کیا ہوا ہے۔ اب بھی ہمیں سرتابی کی مجال نہیں ہے۔ یہ سنکر ارمانوس کو بہت مسرت ہوئی اور اس نے سب کے سامنے قاضی کو بلاکر قمرالزمان سے حیات النفوس کا عقد پڑھوا دیا۔ پھر سب اہل دربار کو خلعت اور انعام ملے مساکین میں خیرات تقسیم ہوئی۔ قیدیوں کو چھوڑا گیا۔ اور ساری مملکت میں قمرالزمان کی سلطنت کی منادی ہوگئی۔ قمرالزمان یہاں بڑے عیش و عشرت سے دن بسر کرنے لگا حتی کہ باپ کی یاد

خدمت کو چوما - بدرالبدور نے فوراً پوچھا - تم نے اس روغن کے مالک کو کہاں پر چھوڑا تھا؟ کپتان نے
جواب دیا آتش پرستوں کے شہر میں اور وہ اُسجگہ ایک باغ کا مالی ہے۔ ملکہ نے حکم دیا جب تک تم اُسے
ہمارے دربار میں حاضر نہ کروگے اپنے تئیں محفوظ نہ سمجھو۔ پھر تجارت کے مال پر شاہی مہر اور پہرہ
لگا دینے کا حکم دیا۔ اور بولی - اس روغن کا مالک ہمارا مقروض ہے اگر وہ حاضر نہ ہوا تو یقیناً تم سب
کی جان جائیگی - تمام سوداگروں نے کپتان سے درخواست کی - کہ اپنی اُجرت لو اور ایکدفعہ پھر وہیں
جاکے اُس شخص کو گرفتار کرلاؤ اور ہمیں اس مصیبت سے آزاد کراؤ - غرض کپتان نے لنگر اٹھایا - اور
بہت جلد وہاں سے روانہ ہوگیا - حتیٰ کہ اُس شہر میں جہاں قمرالزمان رہتا تھا رات کے وقت جا پہونچا
اُسیوقت ایک الف لوٹ پر سوار ہوکے باغ کے دروازے پر آیا - قمرالزمان اُسوقت بدرالبدور کی
یاد میں اختر شماری کر رہا تھا جب دروازہ کے کھٹکھٹانے کی آواز سُنی - حیران ہوکر دروازہ کھولنے گیا -
کپتان کے آدمیوں نے اُسے فوراً ہاتھوں پر اٹھالیا اور اُسی الف لوٹ پر سوار کراکے جہاز پر لیگئے
اور فوراً لنگر اٹھادیا - بیچارہ قمرالزمان حیران تھا اور ہر ایک سے پوچھتا تھا کہ میرا گناہ کیا ہے اور
تم مجھے کہاں لئے جارہے ہو - کپتان نے جواب دیا - تو شاہ ارمانوس کے داماد کا جو اسوقت جزائر
آبنوس کا حکمران ہے مقروض ہے - قمرالزمان نے حیرانی سے انکار کیا کہ میں نے نہ تو عمر بھر میں اُس
ملک کو ہی دیکھا ہے اور نہ اُس بادشاہ کو جانتا ہوں - غرض جہاز بہت جلد جزائر آبنوس پر آلگا
اور کپتان قمرالزمان کو آپ لیکے دربار میں حاضر ہوا - بدرالبدور کو اُسکے دیکھنے اور پہچاننے سے نہایت
خوشی ہوئی - مگر اپنے تئیں سنبھالا - سب تاجروں کا اسباب واگذار کردیا - اور کپتان کو دس ہزار دینار
کا خلعت عطا فرماکر رخصت کیا - حیات النفوس کو بھی اطلاع دیدی - مگر اُسے تاکید کردی - کہ ابھی
اس بات کو اپنے دل ہی میں رکھو - عنقریب عقدہ کشائی ہوئی چاہتی ہے - پھر ایک سردار کو حکم دیا
کہ قمرالزمان کو حمام کراکے اور امیرانہ پوشاک پہناکر فلاں محل میں عزت سے رکھے - سردار نے
فوراً حکم کی تعمیل کی - اگلے دن قمرالزمان کو خزانے کا چارج اور حاضر باشی کی خدمت عطا ہوئی -
کئی دن اسی حال میں گذر گئے - اور بدرالبدور قمرالزمان پر روزافزوں بیش از بیش عنایات کرتی
آخر ایک روز رات کے وقت خلوت میں بدرالبدور نے وہ طلسم دیا - اور بولی - بہت دن ہوئے
ایک نجومی سے یہ طلسم ہاتھ آیا تھا - اگر تم اسکے خواص بتا سکو تو بیان کرو - قمرالزمان نے ابھی تک

دن گذرنے لگے۔ اُدھر جہاز کا حال سنو۔ ہوا موافق تھی۔ اسلئے وہ بہت جلد بخیریت ساحل جزائر آبنوس پر پہنچگیا۔ اتفاق سے ملکہ بدر البدور اپنی بارہ دری میں بیٹھی سمندر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جب اُسنے جہاز کو لنگر انداز ہوتے دیکھا۔ فوراً گھوڑے پر سوار پہنچی۔ اور جہاز پر چڑھکر کپتان سے پوچھنے لگی۔ کہ تمہارے جہاز میں کیا کچھ بار ہے۔ کپتان جو اُسے بادشاہ ارمانوس کا داماد اور جزائر ارمانوس کا فرمانروا سمجھا تھا۔ بولا حضور! بہت کچھ اسباب تجارت لدا ہوا ہے مگر روغن زیتون جو اِدھر بالکل نہیں ہوتا۔ ایک سوداگر نے وہ بھی بار کیا تھا۔ ملکہ نے پوچھا۔ تمہارے جہاز پر کسقدر روغن زیتون ہوگا۔ کپتان نے جوابدیا۔ پچاس پیپے ہیں۔ مگر اُنکا مالک کسی خاص سبب سے جہاز پر نہیں سوار ہو سکا۔ تاہم حضور کو جسقدر درکار ہوتے سکتے ہیں۔ ملکہ نے جوابدیا۔ تو جہاز سے نیچے اُتار دو۔ میں اسے دیکھونگا۔ غرض پچاسوں پیپے نیچے اُتارے گئے۔ ملکہ نے ایک پیپے کو کھلوا کر روغن پسند کیا۔ اور کہا۔ ہم یہ پچاسوں پیپے لینگے۔ انکی قیمت کیا ہے کپتان بولا۔ اگرچہ اِدھر یہ چیز بیش قیمت سمجھی جاتی ہے لیکن ان پیپوں کا مالک ایک غریب آدمی ہے۔ آپ ایک ہزار درہم دلا دیجئے۔ وہ امید ہے کہ اسی قیمت پر خوش ہو جائیگا۔ بدر البدور نے منظور کیا۔ اور ہزار درہم کپتان کو دیکے نوکروں کو حکم دیا کہ پیپوں کو محل میں لیجائیں جب رات ہوئی اپنے سامنے ایک پیپے کو کھلوایا۔ حیات النفوس بھی پاس بیٹھی تھی اور ایک برتن میں روغن اُلٹنا چاہا۔ روغن کے ساتھ ہی دھک دھک کرتی زر سرخ کی ریت بھی تھوڑی سی برتن میں جا پڑی۔ بدر البدور اور حیات النفوس کو بڑی حیرت ہوئی۔ پھر تو اُنھوں نے سب پیپوں کو کھولا اور سب کا یہی حال پایا۔ ملکہ ایک پیپے میں وہ لعل کی تختی بھی ملگئی جسکے سبب سے وہ قمر الزمان کی فرقت برداشت کر رہی تھی اُسے پہچان کر وہ غش کھاکے گر پڑی۔ مگر پھر دلکو تسلی دی۔ کہ یہی کمبخت ہمارے فراق کا باعث ہوئی تھی۔ اب اُسکے ملنے سے اُمید پڑگئی ہے۔ کہ جلد بچھڑوں کا ملاپ ہوگا۔ حیات النفوس کو بھی مژدہ سنایا کہ اب وہ اپنے پیارے سے ملنے والی ہے۔ غرض جوں توں کرکے رات بسر ہوئی۔ صبح ہوتے ہی جب بدر البدور نے تخت سلطنت پر جلوس فرمایا۔ اُس جہاز کے کپتان کو حاضر کرنیکا حکم دیا۔ جس سے اُس نے کل روغن زیتون کے پچاس پیپے خرید کئے تھے۔ جب کپتان نے حاضر ہوکے زمین

میں وہ لعل کی تختی بھی رکھدی۔ جو اُن ساری خرابیوں کا موجب ہوئی تھی اور جہاز کی روانگی کا منتظر دل میں بیٹھا سوچتا تھا کہ اب بہت جلد بچھڑوں کے دیدار سے محفوظ ہونگا۔ مگر قسمت کچھ اور سوچ رہی تھی۔ پھر بڈھے مالی کو اُس تختی کے ملنے کا بھی واقعہ سُنایا۔ جس سے میاں مالی کو بہت تعجب آیا۔ اب رات بہت بھیگ آئی تھی۔ دونو اپنے اپنے بستروں پر پڑ گئے۔ جب صبح ہوئی۔ بوڑھے میاں کی طبعیت کسیقدر علیل ہوئی۔ قمرالزمان نے اُسکی تیمارداری میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ مگر شام تک بیچارہ بہت کمزور ہو گیا۔ تیسرے دن ضعف اور بھی بڑھ گیا حتیٰ کہ قمرالزمان کو اُسکی زندگی کا کھٹکا پڑ گیا۔ اتنے میں اُس جہاز کا کپتان بھی وہیں آگیا جس سے بڈھے مالی نے شہزادہ قمرالزمان کو لیجانے کے لئے فیصلہ کیا تھا۔ اُسنے آتے ہی بڈھے میاں سے پوچھا وہ شخص کہاں ہے جو ہمارے ساتھ جائیگا۔ مالی نے قمرالزمان کی طرف اشارہ کر دیا قمرالزمان نے روغن زیتون کی پچاسوں کپیاں دکھائیں کہ انہیں جہاز پر رکھوا لیجئے۔ کپتان نے خلاصیوں کو حکم دیا۔ اور وہ ہاتھوں ہاتھ اُنہیں جہاز پر لیگئے۔ کپتان جاتے وقت قمرالزمان کو تاکید کرتا گیا کہ ہوا موافق ہے اسلئے جہاز بہت جلد چھوٹ جائیگا۔ تم نے دیر نہ کرنا۔ اور جہاز پہ پہنچنے کی کوشش کرنا۔ قمرالزمان اسباب کو جہاز پر رکھوا کر مالی میاں سے اجازت لینے گیا مگر اُسے نزع کی حالت میں پایا۔ ایسی حالت میں اُسے اکیلے چھوڑنا اُسنے آدمیت سے بعید سمجھا اسلئے اُسکے سرہانے بیٹھ گیا۔ غریب بڈھے نے تھوڑی دیر کے بعد جان کو جان آفرین کے سپرد کیا۔ قمرالزمان نے اُسے غسل دیا اور کفن پہنا کر وہیں دفن کر دیا۔ پھر ساحل کیطرف قدم اُٹھایا۔ مگر دیر ہو جانے کے سبب جہاز نے لنگر اُٹھا دیا۔ قمرالزمان نے بڑی حسرت سے اسکی طرف نگاہ کی اور جب جہاز نگاہوں سے غائب ہو گیا۔ وہ پھر باغ کو لوٹا۔ اُس وقت اُسکی حالت سخت غمناک ہو رہی تھی۔ باغ میں پہنچکر اُسنے مالک سے ایک سال کے لئے پھر ٹھیکہ لیلیا۔ اُسے دریافت سے معلوم ہوا کہ جزائر آبنوس کی طرف جہاز سال کے آخر میں صرف ایک دفعہ ہی جایا کرتا ہے۔ اس لئے اُسنے پچاس کپے اور لیکے اُن سب کے نیچے وہ بقیہ زر بھرا اور اوپر روغن زیتون بھرا لگر منہ بند کر کے سال کے اختتام کی اُمید میں بیٹھا۔ وہ لعل کی تختی اب پھر اسکے ہاتھ سے نکل چکی تھی اسلئے اُسے پھر بڑا افسوس ہوا کہ اب کیا ہوگا۔ غرض اس گرو بڑکی حالت میں

جب وہ رات تک نہ آیا تو وہیں لیٹا رہا۔ صبح اٹھکے رسّی سے کمر باندھی اور کلہاڑا لیکے اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔ اُسنے ایک پرانے اور خشک سے درخت کو کاٹنا تھا۔ جب کلہاڑا درخت کی جڑھوں پر مارا۔ اور مٹی ہی دور ہٹائی تو اُسے ایک دروازہ نظر آیا۔ فوراً دروازے کو کھولا اور زینے کے راستے نیچے اُتر گیا۔ اندر جاکے کیا دیکھتا ہے۔ کہ ایک بڑا وسیع محل ہے جو بہت پرانے وقتوں کا بنا ہوا ہے اور اُس میں ہر طرف زرِ سرخ کی اینٹوں کے بیس خم بھرے ہیں۔ اسکا رنج و تعجب مسرت سے تبدیل ہوگیا۔ پھر وہ باہر نکلا اور دروازے کو جوں کا توں بند کرکے اپنے کام میں لگ گیا۔ حتیٰ کہ شام ہوگئی۔ یہ بڑھا مالی بھی آگیا۔ اور اُسے مراجعت وطن کی مبارکباد دیکر کہنے لگا۔ خوش ہو۔ جہاز جزائر آبنوس کے لئے تیار ہے اور تین دن کے بعد روانہ ہوگا۔ وہاں پہنچکے تم باسانی جزائر خالدات میں پہنچ سکوگے۔ قمرالزمان نے اُس کا شکریہ ادا کیا۔ اور بولا۔ بڑے میاں! جیسے آپ نے مجھے مبارکباد دی ہے۔ میں بھی آپکو ایک مژدہ سنانا چاہتا ہوں۔ یہ کہکر مالی کو اُس تہ خانے کا واقعہ سنایا جو دن میں اُسکے ساتھ گذرا تھا مالی کو بڑی خوشی ہوئی۔ مگر اُسنے جواب دیا۔ بیٹا! مجھے یہاں رہتے پورے اسّی سال ہوچکے ہیں لیکن اس عرصے میں مجھے یہاں سے کچھ نہ ملا۔ اور تم کو کہ ابھی ایک ہی سال یہاں آئے ہوا۔ اس قدر خزانہ ملگیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے تمہارے ہی لئے اسے آجتک محفوظ رکھا تھا۔ اسلئے میں تمہیں دلی مسرت کے ساتھ اُسکے لینے کی اجازت دیتا ہوں۔ یہ تمہیں اپنے متعلقین کے پاس پہنچانے میں مددگار ثابت ہوگا۔ قمرالزمان نے جواب دیا۔ نہیں صاحب! کم سے کم آپ کو نصف حصہ ضرور لینا پڑیگا۔ یہ کہکر بوڑھے میاں کو ساتھ لیا اور اُس تہ خانے کا دروازہ کھولکے اندر لیگیا۔ وہاں بیس دیگیں زرِ خالص کی ریت سے بھری پڑی تھیں دس تو اُسکے حصّے میں آئیں اور دس مالی کے لئے وہیں رہنے دیں۔ بڈھے مالی نے رائے دی کہ بیٹا! اس طرح سے ٹھیک نہ ہوگا۔ تم روغن زیتون لیلو اور اُسکے نیچے اس زر کو چھپالو۔ روغن یہاں سے تو تمہیں بہت ملجائیگا۔ کیونکہ دور دراز کے سوداگر یہیں سے روغن زیتون لیجاتے ہیں۔ قمرالزمان کو یہ رائے پسند آئی اُسنے پچاس کپے خرید کرکے جنکے نیچے آدھی دس دیگوں کے زرِ سرخ کو بھرا اور اوپر روغن زیتون ڈالکر منہ بند کردیا۔ ایک بڑے چیتے

ہوئے اور ساری مملکت میں ماتم چھا گیا۔ شہزمان نے بیٹے کی یادگار میں ایک بیت الحزن تعمیر کرایا۔ جہاں وہ ہر جمعہ کے دن جاکے بیٹے کی یاد میں آنسو بہاتا۔ اور بقیہ عمر کے لیئے اُسنے یہی معمول ٹھہرالیا اُدھر بدرالبدور جزائر آبنوس میں ملک ارمانوس کا داماد تصور ہوکر حکومت کرتی رہی۔ وہ شہزادی حیات النفوس کے پاس سورہتی اور قمرالزمان کی یاد میں رات بسر کرتی۔ حیات النفوس نے بھی کبھی اس کے بارے میں کبھی شکایت نہ کی۔ بیچارہ قمرالزمان اُسی مالی کے پاس دن رو رو کے اور رات تارے گن گن کر کاٹتا۔ مالی نے اُسے سمجھا دیا تھا۔ کہ ہر سال کے آخر میں یہاں سے ایک جہاز اسلامی ممالک کو جایا کرتا ہے۔ اسلیئے قمرالزمان کو اُسکا انتظار تھا۔ بیچارہ جس طرح ہوتا دن کاٹتا۔ کچھ مدت کے بعد مجوسیوں کی عید کا دن آیا۔ بوڑھے میاں نے کہا۔ آج تم کوئی کام نہ کرو اور خوشی سے دن گذارو میں تمہارے لیئے جہاز دیکھنے جاتا ہوں۔ یہ کہکر وہ تو ساحل کی طرف چلا گیا اور قمرالزمان اکیلا باغ میں بیٹھ کر بدرالبدور کے فراق میں رونے لگا۔ اسی حالت میں اُسکو غش آگیا اور دیر کے بعد جب ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا سے کچھ آرام آیا۔ اُٹھکر ٹہلنے لگا۔ مگر آنسو ابھی تک بہ رہے تھے۔ ناگاہ ایک درخت سے سر ٹکرایا اور پیشانی سے خون بہنے لگا۔ وہ خون کو پونچھ ہی رہا تھا کہ اتنے میں اُس درخت پر دو پرندوں کو باہم لڑتے دیکھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک چڑیا کے سر اور دھڑ علیحدہ ہوکے نیچے آپڑے۔ دوسرے نے اُسکا سر اُٹھایا اور غائب ہوگیا اتنے میں دو بڑے بڑے پرندے اور آئے اور اُس مردہ لاش کے سرہانے اور پائنتی بیٹھ آنسو بہانے لگے۔ پھر گڑھا کھود اُسمیں دفن کرکے اُڑ گئے اور چند منٹ میں اُسکے قاتل کو لیکے مقتول کی قبر پر واپس آئے اور غصے میں بھر کر اُسکے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالے۔ بال و پر نوچ ڈالے اور پیٹ پھاڑ کر انتڑیاں پرے پھینکدیں گویا مرنے والوں کا انتقام لیا۔ اُسکے بعد جدھر سے آئے تھے اُدھر ہی چلے گئے اُس ماجرے کو دیکھکر قمرالزمان حیران تھا کہ اتنے میں اُسکی نظر ایک چمکدار چیز پر جا پڑی جو اُس پرندے کی انتڑیوں کے پاس پڑی ہوئی تھی۔ قمرالزمان نے قدم آگے بڑھایا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہی تختی پڑی ہے جسکی بدولت اُسے موجودہ حالت نصیب ہوئی تھی۔ مارے خوشی کے اُسے قریب تھا کہ شادی مرگ ہوجائے۔ مگر دل کو تسلی دی اور یہ سوچکر کہ اب اچھے دن آیا ہی چاہتے ہیں۔ اُس تختی کو حفاظت سے بازو پر باندھ لیا۔ پھر بڑے میاں کے انتظار میں بیٹھا۔ مگر

یہ مجبوری تم سے اپنا حال ظاہر کرتا ہوں - معاف کردو یا قتل - مجھے کچھ بھی عذر نہیں ہوگا یہ کہکر اپنا سینہ کھولا اور اُسے دکھا کر کہنے لگی - میں بھی تمہاری طرح سے شہزادی ملک چین کی ہوں - پھر اُسے ساری سرگذشت سنادی اور کہنے لگی - میں تم سے سوال کرتی ہوں - کہ میرے اس راز کو اپنے ہی دل میں پوشیدہ رکھو - حتیٰ کہ شہزادہ قمرالزمان آپ آجائے - اس وقت میں تمہاری لونڈی بنکے رہونگی - حیات النفوس کو جب بدرالبدور کے حال پر آگاہی ہوئی وہ حیران رہ گئی اور اُسے بدرالبدور پر بڑا رحم آیا - اور کہنے لگی - بہن مت ڈر اور اطمینان رکھ - تیرا راز اُس وقت تک میرے صندوق سینہ میں محفوظ رہیگا - جب تک کہ تمہارا محبوب نہ آجائے - ازاں بعد دونو شہزادیاں گلے مل کے سو رہیں - جب رات ایک پہر رہ گئی - حیات النفوس اُٹھی اور ایک چوزہ لیکر ذبح کیا - اور اُسکے لہو میں تہبند کو آلودہ کرلیا - جس سے دیکھنے والوں کو اطمینان ہوجائے - کہ آج رات وہ پہلے کی طرح ناکام نہیں رہی - جب صبح ہوئی اُسکی ماں آئی اور رات کا حال پوچھا - شہزادی نے شرم سے سر جھکا لیا - اس اشارے کو پاکر بیگم مسرت میں ہوئی - بادشاہ بھی یہ خبر سنکر مطمئن ہوا - بدرالبدور نے حمام کرکے صبح کی نماز پڑھی اور بظاہر اطمینان دل کے ساتھ مہمات سلطنت میں مصروف ہوئی اور اسی طرح قمرالزمان کی اُمید میں دن بسر کرنے لگے - اب بادشاہ شاہزمان کا حال سنو جب قمرالزمان حسب وعدہ اگلے دن گھر نہ پہونچا تو بادشاہ کو فکر لگ گیا - حتیٰ کہ رات بھی آگئی - مگر بیٹے کے آنیکی کوئی خبر نہ ملی - غرض وہ رات اُسنے ماہی بے آب کی طرح تڑپتے تڑپتے بسر کی صبح ہوئی دن چڑھا دوپہر بھی آگئی - مگر ابتک قمرالزمان کا کوئی پتہ نہ تھا - ناچار حکم دیا کہ لشکر تیار ہو - اور شہزادے کی تلاش کیجائے - آپ بھی ساتھ نکلا اور ہر طرف آدمیوں کو روانہ کرکے حکم دیا کہ کل صبح فلاں چوراہے میں آکے اکٹھے ہوجاؤ - غرض اہل لشکر چھ حصوں میں ہوکر ہر طرف شہزادے کی تلاش کے لئے نکلے - اور بقیہ دن اور ساری رات تلاش میں لگے رہے - مگر شہزادے کا کوئی کھوج نہ چلا - اگلے دن جب قرارداد جب چوراہے میں جمع ہوئے - بادشاہ کی نگاہ پھٹے ہوئے خون آلود کپڑوں پر پڑ گئی - اور ادھر اُدھر گوشت کے ٹکڑے اور ہڈیاں بھی نظر آئیں - اُسنے کپڑوں کو پہچانا اور بے اختیار آہ کرکے گر پڑا - اُسے یقین ہوگیا کہ شہزادے کو کسی درندے نے مار ڈالا - اور مرزبان خوف کے مارے بھاگ گیا ہے - جب ہوش آئی - کپڑے پھاڑ دئے اور منہ پیٹ لیا - لشکر میں بھی بین پڑ گئی - جب رو رو کے ہلکان ہو چکے تو شہر کو واپس

کی یاد میں فراقیہ اشعار پڑھ پڑھ کے آنسو بہانے لگی۔ پھر اٹھی اور آنسو پونچھ کر وضو کیا۔ اور نماز پڑھنے میں مشغول ہو گئی۔ حتی کہ بیچاری حیات النفوس خواب خرگوش میں خراٹے بھرنے لگی۔ بدر البدور بھی مصلے سے اٹھی۔ اور حیات النفوس کی طرف پیٹھ کر کے اُسکے پہلو میں لیٹ گئی جب صبح ہوئی اسوقت کی نماز پڑھی اور دربار میں جا کر امور سلطنت میں مصروف ہوئی۔ اسکے جانے کے بعد۔ ملک ارمانوس اور بیگم بھی آ گئے اور اپنی لڑکی سے رات کی سرگذشت پوچھنے لگی حیات النفوس نے آج بھی وہی یاس انگیز جواب دیا جسے سنکر بادشاہ کو بڑا رنج ہوا۔ اور وہ بولا۔ اچھا آج کی رات اور دیکھ لو۔ اگر قمر الزمان تمہارے آج بھی ویسی ہی رکھاوٹ کیساتھ پیش آیا تو میں اُسے تخت و تاج سے بیدخل کر دونگا۔ جب رات آئی بدر البدور حسب معمول محل میں آئی۔ اور حیات النفوس کو انتظار میں پا کر اُسے قمر الزمان کی یاد نے بیچین کر دیا۔ آنسو اُسکے رخساروں سے بہ نکلے۔ مگر بہت جلد سنبھلکر اُسنے وضو کیا اور نماز کے لئے کھڑا ہونے کو تھا کہ حیات النفوس کا دامن پکڑ لیا اور بولی۔ کیا آپ کو میرے باپ کا بھی خوف نہیں ہے۔ انہوں نے آپ سے نیکی کی۔ اور آپ مجھ سے ایسی بے توجہی برتتے ہیں۔ اسکی وجہ مجھے کوئی معلوم نہیں ہوئی۔ بدر البدور یہ سنکر وہیں بیٹھ گئی۔ اور بولی آپ کیا کہتی ہیں۔ حیات النفوس نے جواب دیا۔ بیشک آپ اپنے برابر کسی کو خوبصورت نہیں دیکھتے۔ مگر کیا ہر شخص جو خوبصورت ہوتا ہے ایسا ہی مغرور ہوتا ہے۔ میں یہ آپکو اپنی ترغیب دلانے کیلئے نہیں کہتی۔ بلکہ مجھے خوف ہے۔ تو اپنے باپ کے غصے سے ہے اُسنے پختہ ارادہ کر لیا ہے۔ کہ اگر آپ آج کے دن بھی مجھ سے ویسی ہی بے توجہی کے ساتھ پیش آئے تو وہ آپکو یہاں سے نکلوا دیگا۔ بلکہ عجب نہیں۔ اگر غضب میں آ کر قتل بھی کرا دے۔ یہ سنکر بدر البدور کے پاؤں تلے سے مٹی نکل گئی۔ اُسنے سر جھکا لیا۔ اور حیران ہو کے اپنی حالت پر غور کرنے لگی۔ کہ اگر میں چھپا رہوں تو معاملہ اسطرح بگڑتا ہے۔ اگر اپنا آپ ظاہر کر دیتی ہوں تو رسوائی کا خوف ہے اور اسوقت میں ایک ایسی جگہ میں حکمران ہوں۔ جہاں سے مجھے اپنے مقصد میں کامیاب ہونیکا پورا یقین ہے کیونکہ شہزادہ قمر الزمان کے لئے جزائر آبنوس کے سوا اور کوئی راستہ گھر جانے کو نہیں ہے یہ سوچکر فیصلہ کر لیا۔ کہ جو ہو دیکھا جائیگا۔ اسوقت شہزادی حیات النفوس پر اپنے تئیں ظاہر کر دینا ہی مناسب ہے یہ خیال آتے ہی سر اٹھایا اور بولی۔ اے نازنین شہزادی اچھی طرح سے سنو۔ میں آپکا بندہ اور تم سے عفو کی اُمید رکھتا ہوں۔ اب میری عزت اور جان تمہارے ہی ہاتھ میں ہے

بدر البدور نے سر جھکا لیا اور اسکی پیشانی پر عرق آگیا۔ سوچنے لگی۔ میں بھی تو اسی جنس سے ہوں جو اسکی لڑکی سے بیاہ کیسے ہو سکیگا۔ پھر خیال آیا کہ اگر میں نے انکار کیا۔ تو کیا عجب ہے اگر یہ بادشاہ مجھے لوٹ لے۔ نہ آگے جانے کے قابل رہ سکوں اور نہ پیچھے لوٹ سکوں۔ مگر یہ بھی تو فکر ہے کہ اگر میں اسکی بات مان لوں۔ تو خواہ مخواہ میں رسوائی ہو۔ میرے شوہر کی بھی مجھے کوئی خبر نہیں ملی ورنہ کوئی اور تجویز سوچی جاتی۔ سچ اب نہ پائے ماندن رہا ہے نہ مقام رفتن۔ اتنے میں اسے ایک تجویز سوجھ گئی اور یہ خیال کرکے کہ جو ہو سو ہو۔ سر اوپر اٹھایا اور بادشاہ کو جواب دیا۔ مجھے حضور کی ارشاد کی بجا آوری میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔ بادشاہ کو اس جواب سے نہایت مسرت ہوئی اور ساری مملکت میں خوشیاں منانے کا حکم دیا۔ امرا و وزرا۔ صوبہ دار نواب قاضی و مجسٹریٹ سب کے سب دربار میں جمع ہوئے۔ اور بادشاہ نے سب کے سامنے تاج سلطنت مصنوعی قمر الزمان کے سر پر رکھکر حکم دیا۔ کہ آیندہ سے وہ میری جگہ جزایر آبنوس کا سلطان سمجھا جائے۔ مصنوعی قمر الزمان تخت پر بیٹھکر سلطنت کی داد دینے لگا۔ مگر کسی کو یہ شبہ تک نہ گذرا۔ کہ وہ عورت ہے مرد نہیں۔ مصنوعی قمر الزمان کی تخت نشینی کی رسومات سے فراغت پاکر ارمانوس نے اپنی لڑکی کی شادی کی تیاری شروع کی۔ بڑی دھوم دھام کے ساتھ حیات النفوس کا نکاح پڑھا گیا۔ جب شب زفاف کا وقت آیا۔ مکان کو چراغاں کیا گیا۔ اور لونڈیاں مصنوعی قمر الزمان کو حیات النفوس کے پاس چھوڑ کر دروازہ بند کر گئیں شہزادی بدر البدور حیات النفوس کے پاس جا بیٹھی۔ اور اسے پیار کرکے فراقیہ اشعار پڑھے۔ پھر وضو کیا اور نماز میں مشغول ہو گئی۔ اسکی نماز اسقدر طویل ہو گئی کہ شہزادی حیات النفوس کو نیند نے آگھیرا۔ جب بدر البدور نے دیکھا کہ حیات النفوس اب سو چکی ہے تو وہ بھی چپکے سے اسکے پہلو میں جا کر لیٹ رہی اور منہ دوسری طرف کر لیا۔ جب صبح ہوئی۔ ملک ارمانوس اور اسکی بیگم اپنی لڑکی کی خبر لینے آئے۔ بیگم نے حیات النفوس سے رات کی کیفیت دریافت کی۔ حیات النفوس نے سر جھکا لیا اور جو گذرا تھا سنا دیا۔ ادھر بدر البدور بادشاہ اور بیگم کے آنے سے پیشتر دربار کو چلی گئی۔ اراکین دربار حاضر ہو کر آداب بجا لائے اور دوام دولت کی دعا کی۔ بدر البدور نے کسی کو خلعت عطا کیا۔ کسی کے مرتبے میں زیادتی کی۔ کسی کو جاگیر دی اور کسی کو انعام بخشا۔ غرض سب کے سب اسکے نیک سلوک سے نہایت ہی خوش ہوئے۔ سارا دن وہ ملک کے انتظام میں لگی رہی۔ جب شام ہوئی محل میں واپس آئی اور وہاں حیات النفوس کو انتظار میں پایا۔ اسکے پاس ہی بیٹھ گئی۔ اور قمر الزمان

نہیں کہ اسمیں کیا طلسم پوشیدہ ہے۔ مگر مجھے تعجب اس امر کا ہے کہ وہ گیا کہاں۔ کیونکہ وہ تو مجھ سے ایک گھڑی بھی جدا ہونا نہیں چاہتا تھا۔ اس تختی کو لعنت ہے۔ اور لعنت ہے اُس گھڑی کو جبکہ یہ تختی میرے پاس آئی تھی۔ غرض وہ سخت بیقرار تھی۔ تاہم رشتۂ عقل کو ہاتھ سے نہ دیا اور سوچنے لگی کہ اگر اہل سپاہ کو شہزادے کے گم ہو جانیکی خبر ہو گئی تو ممکن ہے کہ طمع سے نمکحرامی کا قصد کریں اسلئے اس معاملے کی ہوا بھی باہر نہ نکلنے دینی چاہئے۔ غرض لونڈیوں کو سمجھا کر حکم دیدیا کہ خبردار! کوئی اس معاملے کا کسی سے ذکر نہ کرے۔ آپ قمرالزمان کا لباس پہن لیا۔ اور اپنی جگہ ایک لونڈی کو بٹھا کر خیمے سے باہر نکلی۔ غلاموں کو گھوڑا لانے کیلئے پکارا۔ وہ گھوڑا لے آئے۔ بدرالبدور سوار ہوئی۔ اور کوچ کا حکم دیدیا۔ نوکروں نے اسباب لادا۔ اور وہاں سے چل پڑے۔ چونکہ شہزادی اور قمرالزمان کی صورت میں کامل مشابہت تھی۔ اسلئے کسی کو شبہ نہ ہوا کہ وہ عورت ہے۔ چلتے چلتے یہ قافلہ ایک پُر رونق آبادی کے قریب پہنچا۔ جو دریائے شور کے کنارے پر واقع تھا۔ حکم دیا کہ شہر پناہ کے باہر ہی ڈیرے ڈالدو۔ چنانچہ خدام نے حکم کی تعمیل کی اور جھٹ پٹ خیمے اور ڈیرے لگ گئے۔ معلوم ہوا کہ آبادی کا نام مرتبہ آبنوس ہے اور وہاں ارمانوس نامی بادشاہ حکمران ہے جسکی اکلوتی لڑکی کا نام حیات النفوس نہایت ہی حسین ہے۔ جب سب قافلہ اُتر چکا۔ ارمانوس کو بھی خبر ہوئی۔ اور اُس نے ایک خاص قاصد قافلہ سالار کے پاس بھیجا۔ کہ جا کے خبر لائے۔ شہزادی نے جو قمرالزمان کے بھیس میں تھی جواب دیا۔ میں جزائر خالدات کا ولیعہد ہوں۔ جزائر چین سے آرہا ہوں۔ یہاں آرام لینے کے لئے ٹھہر گیا ہوں اور اب اپنے ملک کو جاؤنگا۔ قاصد نے واپس آکے جو سنا تھا کہہ دیا۔ ملک ارمانوس ارکانِ دولت کو ہمراہ لیکر شہزادے کی ملاقات کیلئے روانہ ہوا۔ اور جب خیموں کے قریب پہونچا گھوڑے سے اُتر لیا اُدھر شہزادی بھی بادشاہ کی آمد کی خبر سُنکر استقبال کیلئے باہر نکلی۔ باہم سلام علیک کے بعد بادشاہ نے مصنوعی قمرالزمان کو ہمراہ لیا اور محل میں لایا۔ شاہانہ کھانے کھلائے اور تین دن تک وہیں رہا۔ چوتھے دن بدرالبدور حمام کو گئی اور جب باہر نکلی۔ اسکا چہرہ ماہ تمام کی طرح چمک رہا تھا۔ ملک ارمانوس اُسکے حسن کو دیکھکر حیران رہ گیا۔ اور کہنے لگا۔ بیٹا! میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور خدا نے مجھے کوئی بیٹا عنایت نہیں کیا۔ صرف ایک لڑکی ہے جو کہ تمہارے ہی لائق ہے میں چاہتا ہوں تم اُسے اپنی زوجیت میں قبول کرو۔ اور میرے بعد میری سلطنت کے وارث بنو۔

اُسے بڑی حیرانی ہوئی کہ محبوبہ کو چھوڑا۔ ساتھیوں سے جدا ہوا۔ رنج و تعب اُٹھایا۔ مگر پھر بھی یوں ہی ہونا پڑا۔ خدا جانے اس میں کیا راز مخفی ہے۔ یہ سوچ کر دل کو تسلی ہوئی اور وہیں ایک نہر کے کنارے بیٹھ کر ہاتھ منہ دھویا۔ درختوں سے بہت سے توڑ کے کھائے اور آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا۔ گھڑی بھر کے بعد اُٹھ کر شہر کے دروازے میں داخل ہوا۔ مگر اُسے کچھ معلوم نہ تھا کہ کہاں جا رہا ہے۔ آخر دوسرے دروازے سے جو سمندر کی طرف واقع تھا۔ نکل گیا۔ مگر اس اثنا میں اُسے وہاں کوئی بھی آدمی نظر نہ آیا۔ شہر سے نکل کر وہ سیدھا باغوں کی قطار میں جا پہنچا اور ایک باغ کے دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ اندر سے ایک مالی نے اُسے دیکھ لیا اور آکے اُسے سلام کہی۔ پھر مبارکباد دی اور کہا۔ شکر ہے تم اس شہر کے باشندوں کے ہاتھ سے صحیح سلامت بچ کے آ گئے ہو۔ مگر اب یہاں مت ٹھہرو۔ بہت جلد اندر آ جاؤ قبل اسکے کہ کوئی تمہیں دیکھ پائے۔ قمرالزمان اندر چلا گیا۔ باغ کی فضا اُسے بہت بھائی اور مالی سے پوچھنے لگا۔ بڑے میاں! یہاں کے رہنے والوں کی بابت آپ نے کیا کہا تھا؟ مالی نے جواب دیا۔ بیٹا! یہ لوگ سب کے سب مجوس (آتش پرست) ہیں۔ اسلئے مجھے حیرانی ہے کہ تم یہاں کیونکر آئے صحیح و سالم کیسے پہنچ گئے۔ کیونکہ مسلمانوں کے تو یہ لوگ جانی دشمن ہوتے ہیں۔ قمرالزمان نے بوڑھے میاں کو سارا ماجرا سنا دیا۔ تو وہ بہت حیران ہوا! جواب میں بوڑھے میاں کہنے لگے۔ ہمارے ممالک یہاں سے دور دراز فاصلے پہ ہیں۔ تری کی راہ چار مہینہ کا فاصلہ ہے اور خشکی میں پورے سال کا۔ لیکن ہر سال یہاں سے ایک جہاز جزائر آبنوس کو جایا کرتا ہے اور وہاں سے جزائر خالدات کو؟ جہاں بادشاہ شاہزمان حکمران ہے قمرالزمان سوچنے لگا کہ بڑی مشکل بنی۔ یہ بوڑھا شاید اُسے باغ میں ٹھہرنے دے یا نہ۔ تاہم اُسے دریافت کر لینا ہی مناسب سمجھا۔ بوڑھے میاں نے جواب دیا۔ بیٹا! تم یہاں جب تک چاہو۔ رہ سکتے ہو۔ اپنا گھر سمجھو۔ اور جب کوئی جہاز اُدھر جانے والا ہوگا۔ میں تمہیں اُس پر سوار بھی کرا دونگا۔ غرض قمرالزمان کو باغ میں پانی دینے اور گھاس کاٹنے کی خدمت ملی جسے وہ تندہی سے ادا کرتا اور اپنی محبوبہ کے فراق میں آنسو بہاتا رہتا۔ اُدھر بدرالبدور کا حال سنو جب وہ جاگی۔ قمرالزمان کو ڈھونڈا۔ مگر وہ نہ ملا۔ ہاں! کمربند کھلا ہوا پڑا تھا۔ اور اسکے بیچ کی تختی مفقود تھی۔ سوچنے لگی۔ خداوند! یہ کیا بات ہے۔ اور میرا شوہر کہاں گیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ شوہر ہی اس تختی کو لے گیا ہو۔ اگر اُسے کچھ بھی معلوم

ضرور لوٹ آنا - غرض تیاریاں ہونے لگیں - اور بادشاہ نے اپنی بیٹی کو جی کھول کر جہیز دیا کئی منزل تک لاؤ لشکر سمیت خود بھی اُنکے ساتھ وداع کرنے آیا - اور آخر تک تاکید کرتا آیا کہ ایک سال کے بعد ضرور ہی لوٹ آنا - پھر قمر الزمان نے اپنا راستہ لیا اور گھر اپنے دارالخلافت کو چلا گیا - قمر الزمان کا قافلہ پورا مہینہ پھر بعد ایک وسیع میدان میں پہونچا - جہاں سبزہ زار کی فضا دل کو بے اختیار کر رہی تھی - حکم ہوا کہ آج دن یہیں ڈیرے لگائے گئے - غرض خیمے قناتیں لگ گئیں اور سب کے سب قافلے والے سستانے کے لیئے وہاں اتر پڑے - شہزادی بدر البدور کو بھی راہ کی تکان اور ہوا کی خوشگواری کے سبب نیند آگئی - جب قمر الزمان اُسکے خیمے میں آیا تو وہ سو رہی تھی - قمر الزمان کی نگاہ اُسکے کمربند پر جا پڑی جس میں قیمتی جواہرات جڑے تھے - اور اُسکے ساتھ ایک زر لبفت کا بٹوا لٹک رہا تھا - شہزادے نے ٹٹولا تو اس میں کوئی سخت سی چیز معلوم ہوئی بٹوے کو کھولا - تو اسمیں سے ایک عقیق کی چھوٹی سی تختی نکلی جسپر دو سطریں کسی ایسے خط میں لکھی تھیں جسے وہ پڑھ نہ سکا - اُسے بڑی حیرت ہوئی - کہ یہ کیا ایسی چیز ہے جسے شہزادی اپنے سے ہرگز جُدا نہیں کرتی - اسی خیال میں وہ اُسے خیمے سے باہر لے آیا تاکہ غور سے دیکھ سکے - وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اوپر سے کسی پرندے نے جھپٹا مارا اور اُس تختی کو لیکے دور جا بیٹھا - قمر الزمان کو بڑا فکر ہوا کہ مجھ سے اپنی محبوبہ کی ایک قیمتی چیز یوں کھوئی گئی اسلیئے اس نے اُس پرندے کا پیچھا کیا مگر وہ ہاتھ نہ آسکا - حتیٰ کہ ڈیرے سے بہت دور نکل گیا اور رات آگئی - اس پرندے نے ایک اونچے درخت پر جا ڈیرا کیا - قمر الزمان نے واپس جانیکا ارادہ کیا مگر تاریکی کے سبب وہ راستے کا کھوج نہ نکال سکا - اس لیئے مجبوراً اُسی درخت کے نیچے وہ بھی پڑ رہا - صبح ہوئی اُسکی آنکھ کھلی - اور پرندہ بھی ہوشیار ہو کے اُڑا - قمر الزمان بھی اُسکے تعاقب میں چل پڑا - وہ بھوک پیاس اور سفر کے سبب سے بڑا تھک رہا تھا - اِسلیئے اُس سے کل کی طرح جلدی جلدی نہ چلا جاتا تھا مگر اُسے حیرانی تھی کہ پرندے نے بھی اپنی رفتار کو بہت ہلکا کر دیا تھا - قمر الزمان کو خیال آیا کہ یہ بات کیا ہے - اِسلیئے اُس نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ مروں یا جیوں - میں اس پرندے کے پیچھے پیچھے جاؤنگا - غرض برابر دس دن تک وہ جنگلوں میں ہی اُسکا تعاقب کرتا رہا - بھوک لگتی تو نباتات پر گذارہ کرتا رہتا اور دریاؤں سے پانی کی پیاس بجھا لیتا - گیارہویں دن وہ ایک آباد شہر کے قریب پہنچ گیا یکایک وہ پرندہ اُسکی نظروں سے غائب ہو گیا - جسکے تعاقب میں اُسکے دس دن گذر گئے تھے

جائیگی - یہ سُنکر قمرالزمان نے کاغذ اور قلم دوات طلب کی - غلام نے میز کرسی لگا دی - اور لکھنے کا سامان لا حاضر کیا - قمرالزمان نے اُس رات کا جس میں شہزادی اُسکے ساتھ سوئی تھی لکھ کے شہزادی کی انگوٹھی اُس میں ملفوف کی - اور لفافہ بند کرکے غلام کو دیا کہ جا کے یہ مضمون شہزادی کو دے آئیے - خادم نے حیرانی سے اُس لفافے کو لیا اور پردہ اُٹھا کے اندر چلا گیا۔ شہزادی نے جونہی کاغذ کو پڑھا اور اپنی انگوٹھی کو پہچانا - وہ بے اختیار ہو گئی - زنجیریں توڑ ڈالیں اور فرطِ مسرت سے باہر نکلکر قمرالزمان کو گلے لگا لیا - وہ بار بار پوچھتی تھی - خدایا! میں خواب میں ہوں یا بیداری میں - غلام یہ حالت دیکھ کر ہکّا بکّا رہ گیا اور دوڑتا ہوا بادشاہ کی خدمت میں پہنچا عرض کی حضور! یہ منجم تو بڑا کامل آدمی ثابت ہوا ہے اور دیکھے باہر سے ہی اسنے شہزادی کو بھلا چنگا کر دیا ہے - بادشاہ نے پوچھا - تم سچ کہہ رہے ہو؟ غلام نے عرض کی - حضور خود بنفسِ نفیس تشریف لیجائیں اور دیکھ لیں کہ شہزادی نے زنجیریں توڑ ڈالی ہیں اور باہر نکل کے نوجوان منجم کو گلے لگا رہی ہے - بادشاہ فوراً اُٹھا اور بدرالبدور کے پاس آیا - اُسکے سر اور پیشانی پر بوسے دئے اور بہت پیار کیا - پھر قمرالزمان سے بملاطفت پیش آکر پوچھنے لگا - نوجوان منجم! تم کہاں کے باشندے ہو؟ اسکے جواب میں قمرالزمان نے اپنی ساری سرگذشت سُنادی اور بتادیا کہ وہ بھی بادشاہ شاہزمان کا ولیعہد ہے - بادشاہ کو بڑا حیران ہوا - اور کہنے لگا تمہارا قصہ ایسا ہے کہ تاریخوں میں لکھا جائے - پھر قاضی اور شاہد حاضر ہوئے اور اُسیوقت دونو کا نکاح پڑھا گیا - تمام شہر میں برابر سات روز تک دوہرے جشن ہوتے رہے - اور سب کا خرچ شاہی خزانوں سے دیا گیا - دولہا دولہن بڑی محبت و پیار سے رہنے لگے - غرض ایک ماہ بڑی مسرت سے گذر گیا - ایک رات قمرالزمان نے خواب میں والد کو دیکھا کہ رو رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں بیٹا! کیا میں تمہاری طرف سے اسی سلوک کا مستحق تھا؟ قمرالزمان کی آنکھ کھل گئی اور والد کی یاد نے اُسے بیقرار اور حزین کر دیا - بدرالبدور سے بھی اپنے خواب کا حال بیان کیا اور کہا کہ اب میں اپنے باپ کو دیکھنا چاہتا ہوں - اگر تم شہنشاہ سے اجازت لے دو - غرض وہ دونو بادشاہ کے پاس گئے اور قمرالزمان نے اپنی بیقراری کا حال بیان کرکے اجازت طلب کی - بدرالبدور نے بھی کہا کہ میں بھی ساتھ ہی جاؤنگی - گو اسنے ایک سال کی اجازت دی - اور تاکید کی کہ اس سے بعد

توسلامت رہے ہزار برس ٭ ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

بادشاہ نے قمرالزمان کو اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اور جب وہ بیٹھ گیا۔ تو شاہ نے فرمایا۔ بیٹا! تم اس پھیر میں نہ پڑو۔ ابھی تم نے دنیا کا کیا دیکھا ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ جو شرائط شہزادی کے اچھا کرنے کے لئے مقرر کر رکھی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ تم اُسے اچھا نہیں کر سکو گے اور مفت میں جان گنواؤ گے۔ قمرالزمان نے جواب دیا۔ میں سب شرائط سن چکا ہوں۔ مگر مجھے سب کچھ منظور ہے ؂

چھین لی تیغ یا ہوئے تہ تیغ ٭ جا لپٹتے ہیں آج قاتل سے

بادشاہ نے قاضی کو شاہد بنایا اور غلام کو حکم دیا کہ قمرالزمان کو شہزادی کے پاس لیجائے قمرالزمان غلام سے آگے رہنے کی کوشش کرتا تھا۔ اور غلام کہتا جاتا تھا۔ بھائی تم عجیب آدمی ہو جو موت کی طرف دوڑے دوڑے جانا چاہتے ہو۔ غرض وہ دونوں ایک برآمدے میں جو شہزادی کے کمرے کے سامنے تھا جا ٹھہرے۔ دروازے پر پردہ پڑا ہوا تھا قمرالزمان وہیں ٹھہر گیا اور غلام سے پوچھنے لگا۔ اب بتاؤ۔ یہیں سے تمہاری اس شہزادی کو تندرست کروں یا اندر جا کے۔ غلام بولا۔ یہاں سے کوئی تدبیر کرو تو تمہاری کمالیت اور یہی مستند سمجھی

تصویر قمرالزمان کی جو نجومی کے بھیس میں تھا



چاہتے ہیں آسانی پہنچ سکینگے۔ قمرالزمان نے مرزبان کی دور اندیشی کو سراہا۔ اور دونوں نے آگے قدم بڑھایا۔ حتیٰ کہ وہ شہنشاہ غور کی سرحد میں داخل ہو گئے۔ اس ملک میں قدم رکھتے ہی قمرالزمان کی وہ حالت ہو گئی۔ جو کسی نے یوں بیان کی ہے ؎

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک ٭ آتشِ شوق تیز تر گردد

مرزبان بھی اپنی محنت کے سپھل ہونے پر پھولا نہ سماتا تھا۔ غرض وہ دونوں شہر میں داخل ہوئے اور خدا تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا۔ مرزبان نے قمرالزمان کو ایک سرائے میں اتارا اور تین وقت تک آرام دلا کے حمام کرایا۔ نجومیوں کے کپڑے پہنوائے۔ اسکے بعد سونے کا اصطرلاب اور سونے کی رمل کی تختیاں بنوا لایا۔ اور کہنے لگا۔ اب آپ محل شاہی کے ارد گرد جاکے آواز دیجئے کہ میں جوتشی ہوں کوئی ذرا کچھ قسمت دکھائے۔ بادشاہ جب تمہاری آواز سنیگا۔ تمہیں بلا لیگا اور اپنی بیٹی کے علاج کی درخواست کریگا۔ جو تمہاری محبوبہ ہے اور وہ لڑکی جب ہی تمہیں دیکھیگی اسکا جنون فوراً جاتا رہیگا بادشاہ تم پر بہت خوش ہوگا اور تمہاری شادی اس کے ساتھ کر دیگا۔ نیز آدھی سلطنت بھی تمہیں بانٹ دیگا۔ کیونکہ شہزادی کو تندرست کرنے والے کیلئے یہی انعام مقرر ہیں۔ قمرالزمان نے جواب دیا انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ پھر وہ سرائے سے نکلا اور شاہی محل کے نیچے جاکر اسی طرح آواز دینے لگا۔ جیسے کہ مرزبان نے اسے سمجھایا تھا۔ لوگ جو دیر سے کسی نجومی کی شکل کو ترس رہے تھے اسے دیکھتے ہی آ جمع ہوئے۔ اور اسکی جوانی و خوبصورتی کو دیکھ دیکھ کر اسے سمجھانے لگے۔ تم کیوں اپنی جان کے لاگو بن رہے ہو۔ شادی کے بیاہ اور نصف سلطنت کا لالچ چھوڑ دو۔ اپنے حسن و جوانی کی طرف دھیان کرو۔ اور ان سروں کو دیکھو جو شہزادی کے محل کے دروازے پر لٹک رہے ہیں۔ یہ بھی تمہاری ہی طرح شہزادی کے علاج کے لئے آئے تھے۔ مگر جب ناکام رہے تو آخر انکا یہ حشر ہو گیا۔ مگر قمرالزمان نے کسی کی بات پر دھیان نہ دیا اور اپنی ہی ہانک لگائے گیا۔ لوگوں نے پھر کہا کہ اے نوجوان! تو کیوں اپنی حماقت سے جان کھوتا ہے اب بھی باز آ جا۔ مگر قمرالزمان نے پھر وہی صدا بلند کی۔ لوگوں کے شور و غوغا اور قمرالزمان کی صداؤں کی بھنک شہنشاہ غور کے کانوں میں بھی جا پہنچی۔ وزیر کو حکم دیا کہ فوراً جاکے اس منجم کو بلا لاؤ۔ وزیر محل سے اترا اور قمرالزمان کو بادشاہ کی خدمت میں لے گیا۔ قمرالزمان نے زمینِ خدمت کو بوسہ دیکر عرض کیا ؎

سے کہا۔ کہ جس غرض سے سفر اختیار کیا تھا وہ تو حاصل ہو گئی۔ اب مجھے اپنی شہزادی کو قیدِ غم سے نجات دلانا ہے اور یہ جبھی ہو سکتا ہے کہ آپ اسے دیدار دیں جسکے لئے ہمیں کوئی حیلہ کرنا پڑیگا۔ کیونکہ آپکے والد بزرگوار کثرت محبت کے سبب آپ کو جدا ہونے کی اجازت نہیں دینگے۔ اسلئے آپ کل اپنے والد کے پاس جائیے اور ایکدن رات شکار کیلئے گھر سے باہر رہنے کی اجازت مانگئے۔ اُمید ہے کہ آپکی فرحت کے خیال سے وہ انکار نہیں کرینگے۔ جب اجازت مل گئی اپنے ساتھ کافی زادِ راہ اور دو کوتل گھوڑے لیکر چل نکلئے۔ رات کے وقت لشکر کو تو راستے میں ہی چھوڑ دیا جائیگا اور ہم بافراغت آگے نکل جائینگے قمرالزمان کو یہ رائے پسند آئی۔ فوراً باپ کے پاس گیا اور شکار کے لئے اجازت مانگی شہزمان نے اجازت تو دیدی مگر تاکید کی۔ کہ ایک دن رات سے باہر زیادہ نہ رہنا۔ کیونکہ تجھے معلوم ہے کہ تیرے بغیر مجھے دنیا میں اور کسی کا سہارا نہیں۔ قمرالزمان نے باپ کے فرمان کو منظور کیا اور اپنے محل میں آکے تیاری کا حکم دیا۔ دو گھوڑے سواری کے لئے۔ دو خچریں زرومال کے واسطے اور دو اونٹ آب و دانہ کی خاطر تیار کر لئے۔ اور اگلے دن علی الصبح بادشاہ سے وداع ہونے گیا۔ شہزمان نے اُسے گلے لگا کے پھر بھی تاکید کی۔ کہ بیٹا! اگر تم نے ایک رات کی بھی دیر کر دی تو میری نیند حرام ہو جائیگی۔ غرض مرزبان اور قمرالزمان گھوڑوں پر سوار ہو کے روانہ ہوئے اور شام تک چلتے رہے۔ جب اندھیرے کی چادر نے راستوں کا نشان دھندلا کر دیا۔ ایک جنگل میں جا ڈیرہ ڈالدیا۔ خُرجی سے روٹیاں نکال کے کھائیں اور سواری و باربرداری کے حیوانوں کو چرنے کے لئے جنگل میں چھوڑ دیا۔ ایک گھڑی آرام کیکے پھر وہاں سے چل پڑے حتّیٰ کہ چوتھے دن ایک بڑے میدان میں پہنچگئے۔ مرزبان نے وہاں پہنچ ایک کیسے میں ایک خچر اور ایک اونٹ کو ذبح کیا اور قمرالزمان کے کپڑے لیکر اُنکے خون میں ڈبو دیئے۔ اور پھاڑ کر چوراستے میں پھینک دیئے۔ قمرالزمان نے اسکی وجہ پوچھی تو مرزبان بولا۔ آپکے والد جیسا جب حسبِ وعدہ آپ کو دوسری رات کے وقت گھر نہ پائینگے تو ضرور ہی آپ کی تلاش میں نکلینگے مگر یہاں پہنچکر جب آپکے کپڑے ۔۔۔ خون آلود پائینگے تو خیال کرینگے کہ کسی جنگلی جانور نے آپ کو ہلاک کر ڈالا ۔۔۔ لوٹ جائینگے اور اس حیلے سے ہم جہاں

وہیں جا حاضر ہوئے۔ مرزبان پہلے آداب بجا لایا۔ پھر آگے بڑھکر قمرالزمان کے منہ کی طرف دیکھنے لگا وزیر کے ہوش اُڑ گئے۔ مگر مرزبان قمرالزمان کی صورت دیکھکر بے اختیار کہہ اُٹھا یہ وہی ہے یہ وہی ہے۔ اُسی کا سا قد ہے۔ رنگ و رخ بھی بجنسہ ویسا ہی ہے۔ سبحان اللہ کیا عجیب اتفاق ہے۔ شہزادے کے کان میں بھی یہ انوکھی آواز جا پہونچی۔ اُسنے فوراً آنکھ کھولدی اور باپ سے اشارہ کیا کہ اس اجنبی کو میرے پاس بٹھا دو۔ شہزمان جو پہلے غصے میں بھر گیا تھا بیٹے کی آنکھ کھولتے اور اشارہ کرتے ہی خوشی سے سب کچھ بھول گیا اور اُٹھ کے مرزبان کو قمرالزمان کے پاس بٹھا دیا اور پوچھنے لگا۔ بیٹا! تم کہاں سے آئے ہو۔ مرزبان نے جواب دیا حضور میں بادشاہ غیور کی رعایا ہوں۔ جو چین کا شہنشاہ ہے۔ شہزمان بولا۔ خدا تعالی تمہارا آنا مبارک کرے کہ میرا بیٹا تندرست ہو جائے۔ یہ سنکر مرزبان آگے بڑھا۔ اور قمرالزمان کے کان میں کہا۔ مبارک ہو جسکے سبب سے تمہارا یہ حال ہو رہا ہے۔ میں اسی کے پاس سے آ رہا ہوں۔ اور وہ بھی تمہاری جدائی میں بالکل اسی حالت کو پہنچ گئی ہے مگر تم دونوں کی دوا اب انشاءاللہ میرے ہاتھ میں ہے قمرالزمان کے بدن میں یہ سنکر گویا جان پڑ گئی۔ باپ سے اشارہ کیا کہ مجھے اُٹھا کے بٹھا دو۔ امیر وزیر دوڑ کے آگے بڑھے۔ اور شہزادے کو تکیہ لگا کر بٹھا دیا۔ بادشاہ کی خوشی کی اب کوئی انتہا نہ رہی۔ حکم دیا کہ شہر کو چراغاں کیا جائے اور مرزبان سے بولا تمہارا آنا بہت ہی مبارک ہے۔ پھر کھانا آیا۔ اور مرزبان و قمرالزمان نے ملکے کھانا کھایا۔ رات کو بھی مرزبان قمرالزمان کے پاس ہی سویا اور دونوں میں مطلب کی باتیں ہوتی رہیں۔ مرزبان نے بتا دیا کہ تمہاری معشوقہ کا نام بدرالبدور ہے۔ اور وہ شہنشاہ غیور کی لڑکی ہے۔ نیز تمہاری اور اسکی سرگذشت بالکل یکساں ہے اسلئے اب تم اپنے تئیں تسلی دو۔ تاکہ تمہاری طاقت جلدی عود کر آئے۔ پھر میں تمہیں اپنے ساتھ لیچلونگا تاکہ تم اپنی محبوبہ کو مل سکو۔ قمرالزمان نے مرزبان کی نصیحت کو قبول کیا اور اغذیہ مقوی کھانے سے دن بدن اُسکی طاقت بڑھتی گئی حتی کہ جب وہ بالکل تندرست دکھائی دینے لگا۔ تو ایک دن حمام کا ارادہ کیا۔ شہزمان نے اپنے بیٹے کے غسل صحت کی خوشی میں شہر کی آراستگی کا حکم دیا۔ بہت سے قیدیوں کو مخلصی دی۔ اور خیرات کے لئے خزانوں کے منہ کھولدئیے۔ جب کئی دن اسی حالت میں گذر گئے۔ ایک روز مرزبان نے موقعہ پاکر قمرالزمان

اور بادشاہ شہرمان کی توجہ قمرالزمان کے چہرے پر لگی ہوئی تھی۔ اسلئے کہ وہ دن سے کچھ نہ کھایا پیا ہوا تھا اور نہ ہی کوئی بات چیت کی تھی۔ جہاں قمرالزمان کا پلنگ بچھا تھا وہاں سے سمندر کا نظارہ صاف دکھائی دیتا تھا۔ وزیر نے مرزبان کو سمندر کی لہروں کے ساتھ جدوجہد کرتے دیکھ لیا۔ اسوقت وہ ایسا تھک رہا تھا کہ اگر اسے جلدی مدد نہ پہنچتی تو چند ہی منٹ میں ڈوب کے رہ جاتا۔ وزیر نے بادشاہ سے عرض کی کہ حکم ہو تو اس آدمی کو قلعے کا دروازہ کھول دیا جائے۔ بیچارے کی جان بچ جائے اور شاید خداتعالیٰ اسکی بدولت شہزادے کو بھی شفا بخشے۔ بادشاہ نے اجازت دی۔ مگر تاکید کر دی کہ اس شخص کو شہزادے کی حالت کی خبر نہ ہو جائے ورنہ تمہاری گردن مار دونگا۔ اسلئے کہ تم ہی میرے لڑکے کی اس حالت کے ذمہ دار ہو۔ وزیر یہ سنکر اٹھا اور قلعے کا دروازہ کھول ایک کشتی میں سوار ہو کر مرزبان کے پاس پہنچا۔ پانی اسکے پیٹ میں جا رہا تھا اور وہ ڈوب جانے کے قریب تھا کہ وزیر نے جلدی سے اسکے بالوں کو پکڑ لیا اور اٹھا کے کشتی میں بٹھا لیا۔ پھر کنارے پہ لا کر پیٹ سے پانی نکالا اور اگلے کپڑے اتروا کے دوسرے پہنوائے۔ جب مرزبان کے جسم میں کچھ طاقت آئی اسنے وزیر کا شکریہ ادا کیا۔ وزیر بولا۔ میں نے تمہیں ہلاکت سے بچایا ہے مگر اب تم نے میری گردن نہ اڑا دینا۔ مرزبان نے پوچھا آخر وہ کیوں میں ایسا ہی ناحق شناس ہوں؟ وزیر بولا۔ نہیں۔ قلعے میں اراکین دربار خاموش بیٹھے ہیں۔ اسلئے کہ شہزادہ قمرالزمان کی حالت یاس انگیز ہو رہی ہے۔ تم نے اگر وہاں جا کے کچھ بات چیت کی۔ تو بادشاہ مجھ سے بھی پھر اندیشہ ہے جو پریشان ہو گا۔ اور ضرور یہ ہے کہ مجھے مروا ڈالے۔ قمرالزمان کا نام سنکر مرزبان کے کان کھڑے ہو گئے۔ بولا۔ قمرالزمان کون ہے؟ وزیر نے جواب دیا۔ بادشاہ شہرمان کا اکلوتا بیٹا ہے۔ مرزبان نے پوچھا اسے شکایت کیا ہے۔ وزیر نے جواب دیا۔ بیچارے کو جنون لاحق ہو رہا ہے۔ مدت ہوئی بادشاہ نے اس سے ازدواج کے لئے اصرار کیا تھا۔ مگر وہ مانتا نہ تھا۔ آخر اسے میری رائے سے جیل میں ڈلوا دیا۔ اگلے دن وہ سو کے اٹھ پاگلوں کی سی باتیں کرنے لگا کہ رات میرے پاس ایک لڑکی سوئی ہوئی تھی۔ اس نے اپنی انگشتری بھی بدل لی ہے اور اب میں اس سے ہی شادی کرونگا اسوقت سے آج تک غریب کا برا حال ہو رہا ہے۔ مرزبان قمرالزمان اور شہزادی کی سرگذشت کو مطابق پا کر بڑا خوش ہوا۔ وزیر نے پھر کہا۔ میں تمہیں پھر تاکید کرتا ہوں کہ جب تم میرے ساتھ چلو تو دربار میں جا کے شہزادے کی طرف دیکھنا۔ یہ کہکر اسے ساتھ لیا اور دونوں بادشاہ کی خدمت

ماں کے گھر میں بسر کی اور صبح ہوتے ہی اسباب سفر تیار کر کے شہر سے نکل کھڑا ہوا۔ پورا ایک مہینہ شہر بہ شہر اور جزیرہ بہ جزیرہ گھومتا پھرا۔ جہاں جاتا بدرالبدور کے جنون کی ہی خبریں سنتا۔ مگر جب ایک مہینے کے بعد شہر طیرب میں پہنچا تو اور ہی بھنک کان میں آئی۔ یعنی جب وہ طیرب کے باشندوں سے ملا تو انہوں نے شہزادہ قمرالزمان کے جنون کی خبر سنائی۔ اسے فوراً خیال آیا ہو نہ ہو یہی وہ جوان ہے۔ جس کی مجھے تلاش ہے۔ یہ سوچکر لوگوں سے قمرالزمان کا پتہ پوچھا۔ جواب ملا۔ اسکا دارالسلطنت اور مقام سکونت جزائر خالدات ہیں۔ جو یہاں سے سمندر کی راہ پورے ایک ماہ کا فاصلہ ہے۔ اور خشکی سے چھ ماہ کا۔ مرزبان نے بحری سفر کو ترجیح دیکر ایک جہاز کا جو ادھر ہی جانیوالا تھا ٹکٹ لے لیا۔ ہوا موافق تھی۔ اسلئے اسکا جہاز پورے ایک ماہ بعد بآرام جزائر خالدات کے کنارے جا لگا۔ لیکن مسافر ابھی اترے نہ تھے کہ سمندر میں طوفان آگیا۔ جہاز الٹ گیا اور سب کو نفسی نفسی کی پڑ گئی۔ مرزبان پیراکی میں خوب ماہر تھا جب وہ سمندر میں گرا تو فوراً ڈبکی لگا کے اوپر آگیا اور پھر پیرتا ہوا شاہی قلعے کی دیوار کے عین نیچے جا پہنچا۔ جہاں قمرالزمان کو رکھا گیا تھا۔ اتفاق سے وہ دن دربار عام کا تھا۔ امراء وزراء بیٹھے تھے

تصویر مرزبان کی دریا میں ڈوبنے کی



اپنی لڑکی کو دیکھ کے جا چکا تھا۔ پہرہ دار نے کہا۔ بڑھیا تم اپنی لڑکی کو لیکے اندر چلی جاؤ۔ مگر خیال رکھنا دیر نہ لگ جائے۔ بڑھیا فوراً اپنے لڑکے کو لیکے اندر گئی۔ مرزبان نے اندر جاتے ہی زنانہ لباس اُتار دیا اور شہزادی کو سلام کہی۔ بدرالبدور نے اُسے پہچان کر پوچھا۔ بھائی مرزبان تم اتنی مدت کہاں رہے۔ مرزبان نے جواب دیا بہ دن سیر و سیاحت میں کٹے ہیں۔ اور بشرط خیریت پھر ایک لمبے سفر کا ارادہ تھا مگر آپ کی حالت سنکر اُسے تبدیل کرنا پڑا ہے۔ جو وقت میں نے سنا ہے کہ خدا نخواستہ آپ کو جنون کا عارضہ لاحق ہو گیا ہے میرا دل ہل اُٹھا تھا۔ اب میں آیا ہوں۔ کہ آپ کا مرض دیکھ کر علاج کروں۔ انشاء اللہ آپ کو میرے ہاتھ سے بہت جلد شفا ہو جائیگی۔ شہزادی نے جواب دیا۔ بھائی! کیا تم میری حالت کو دیکھکر بھی خیال کر سکتے ہو کہ مجھے جنون ہے؎

اکھیاں دا پوچھ پہ ستم لبس رہیا ✣ لوگ آکھن اکھیں آئیاں
دو کھی ویہڑا اتے دشمن ملپے ✣ جیہڑے بھر بھر دین سلائیاں

مرزبان کو یقین ہو گیا۔ کہ شہزادی کسی پر عاشق ہے۔ پوچھا۔ میں نے سب کچھ سمجھ لیا اب آپ ساری حقیقت مجھے بالفظ سنادیں۔ شاید کوئی تدبیر نکل آئے۔ کہ آپ کی مُراد بر آئے۔ شہزادی نے جواب میں اُس رات کی سرگذشت سنادی۔ جبکہ قمرالزمان کے ساتھ وہ جن نے اُسے لا سلایا تھا اور کہنے لگی کہ اُسوقت میرا خیال تھا۔ کہ میرا والد مجھے اس طرح سے ازدواج کے لئے ترغیب دلاتا چاہتا ہے۔ کیونکہ میں نے ازدواج سے انکار کر دیا تھا۔ اسی لئے میں نے اُس جوان کو جگانا پسند نہ کیا۔ یہ دیکھو وہ جوان اپنی انگوٹھی بھی بدلکے دیگیا ہے اور میں اسیوقت سے اُس پر عاشق زار ہوں۔ بھائی! اب تم نے میری بیماری کا حال سن لیا۔ اُسوقت سے مجھے نہ کھانا سوجھتا ہے اور نہ سونا۔ سوائے رونے کے اور مجھے کوئی کام نہیں ہے۔ اب میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ تم میری بیماری کا کیا علاج کرتے ہو۔ مرزبان نے سر جھکا لیا اور وہ حیران تھا۔ کہ کیا کرے۔ گھڑی بھر کے بعد سر اُٹھایا اور کہنے لگا۔ تمہاری سرگذشت بالکل صحیح ہے۔ مگر اس جوان کے ذکر نے میرے فکر کو پریشان کر دیا ہے۔ تاہم میں مختلف شہروں اور ملکوں میں گھوم کے اُسکی تلاش کرونگا۔ مگر آپ اب صبر کریں گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ انشاء اللہ مجھے اُمید ہے کہ میں اپنی کوشش میں ضرور کامیاب ہونگا۔ اسکے بعد شہزادی سے اجازت لی اور زنانہ لباس پہنکر سلام کر کے شہزادی کے محل سے نکل گیا۔ مرزبان اپنی

اور سر شہزادی کے محل کے دروازے پر لٹکایا جائیگا۔ اس فرمان کے بموجب جو شخص آتا اور شہزادی کو تندرست نہ کر سکتا۔ فوراً اسکا سر کاٹ کے دروازے پر لٹکا دیا جاتا۔ حتیٰ کہ چالیس سر اکٹھے ہوگئے۔ اور شہزادی کے جنون میں کچھ بھی فرق نہ پڑا بلکہ وہ دن بدن بدتر حالت کو پہنچ گئی پھر تمام مملکت کے حکماء اطبا، اور جوتشیوں کو جمع کیا۔ مگر سب نے اسکی دوا کرنے سے کانوں پر ہاتھ رکھا۔ برابر تین سال گذر گئے مگر شہزادی کا جنون بڑھتا ہی تھا۔ اور وہ دن رات فراقیہ اشعار پڑھ پڑھ کے روتی اور آنسو بہاتی رہتی۔ اس عرصے میں اس کے علاوہ اور کوئی نیا واقعہ نہ گذرا شہزادی کا ایک رضاعی بھائی بھی تھا جس کا نام مرزبان تھا۔ اسے بچپن سے ہی نجوم وغیرہ علوم کا شوق تھا۔ جن میں اسنے اب کمالیت بہم پہنچائی تھی۔ وہ شہزادی سے بہت الفت رکھتا تھا۔ مگر اس مدت میں وہ اپنے وطن سے غیر حاضر تھا۔ جب تین سال کے بعد اپنے گھر آیا آتے ہی اپنی والدہ سے سوال کیا۔ کہ شہزادی کا کیا حال ہے۔ اسکی ماں نے جو شہزادی کی دائی اور محافظ تھی۔ بڑے افسوس سے بیٹے کو جواب دیا۔ کہ وہ بیچاری تو تین سال سے جنون میں مبتلا ہے اور اسلیئے قید میں پڑی سڑ رہی ہے۔ طبیب اور حکیم سب کے سب اس کے علاج سے تنگ آگئے ہیں۔ مرزبان یہ سنکر کہنے لگا مجھے ابھی وہاں لیچلو۔ میں اسے دیکھونگا۔ اور اسکا علاج کرونگا۔ ماں نے جواب دیا۔ اسمیں شک نہیں کہ تمہیں ضرور چلکے اسے دیکھنا اور اسکا علاج کرنا چاہیئے۔ مگر تم ابھی تو سفر سے آرہے ہو۔ آج آرام کرو۔ کل میں کوئی حیلہ بنا کے تمہیں وہاں لیچلونگی۔ پھر مرزبان کی ماں شہزادی کے محل میں گئی اور دروازے کے پہرہ دار کی مٹھی گرم کرکے اسے گانٹھ لیا۔ کہ میری ایک بیٹی جس نے شہزادی کے ساتھ ہی پرورش پائی تھی۔ اسوقت وہ بیاہی ہوئی ہے اور آج اپنے سسرال سے شہزادی کے جنون کی خبر سنکے آئی ہے۔ اور اسے دیکھنا چاہتی ہے۔ اگر تم اجازت دو تو میں کل اسے ساتھ لے آؤں اور شہزادی سے جو اسکی رضاعی بہن ہے ملا کے فوراً واپس لیجاؤں۔ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوگی۔ پہرہ دار نے جواب دیا۔ دن کے وقت یہ سخت محال ہے۔ البتہ رات کو تمہارا مقصد پورا ہو سکتا ہے۔ جب بادشاہ اپنی لڑکی کو دیکھ کے چلا جائے اسوقت تم اپنی لڑکی کو لیکر آجانا۔ بڑھیا نے سپاہی کا شکریہ ادا کیا اور گھر کو چلی گئی۔ جب رات بھیگ گئی فوراً اٹھی۔ اپنے لڑکے کو عورتوں کے کپڑے پہنائے اور محل کی طرف روانہ ہوئی۔ جب پہرہ دار کے پاس پہنچی تو بادشاہ

لگئے۔ بادشاہ بھی ہفتے میں دو دفعہ وہاں دربار عام لگایا کرتا اور اسمیں ہر شخص کو حاضر ہونیکی اجازت تھی۔ مگر قمرالزمان کی حالت فراق کے سبب دن بدن خراب ہوتی گئی حتیٰ کہ شاہ زمان کو ایک فکر سا لگ گیا اور دن رات اسکے بیٹے کے سرہانے ہی بیٹھنا پڑا۔ اُدھر بدرالبدور کا حال بھی سنو جس وقت دہنش اور کسکس نے اسے اٹھا کے اسکی خوابگاہ میں جا سلایا۔ تین گھڑی رات باقی تھی۔ جب دن نکلا وہ جاگی اور اٹھکے چاروں طرف دیکھنے لگی۔ مگر کسی کو نہ پاکر سخت حیران ہوئی۔ پھر ایسے زور سے چلائی کہ لونڈیاں دوڑ کے اندر آگئیں اور ایک بڑھیا نے آگے بڑھ کے چلانا شروع کیا۔ وجہ پوچھی۔ شہزادی نے جواب دیا۔ اری منحوس! وہ جوان کہاں ہے۔ جو رات میرے پاس سویا ہوا تھا۔ بڑھیا حیران رہگئی اور ڈرتے ڈرتے بولی۔ شہزادی! یہ کیا واہیات گفتگو ہے۔ بدرالبدور نے جواب دیا۔ اری بیجا پیجا میں پوچھ رہی ہوں۔ میرا پیارا کہاں ہے۔ وہ جو رات میرے پاس اسی خوابگاہ میں سویا تھا۔ اور صبح تک سوتا رہا۔ بوڑھیا اور بھی حیران ہوئی۔ اور کہنے لگی۔ خدا کی قسم بیٹی نے کسی جوان کو یہاں آتے نہیں دیکھا۔ اور کسی مرد کی کیا طاقت ہے کہ یہاں قدم بھی رکھ سکے۔ خدا کے لئے آپ ہم سے ایسا تمسخر نہ کریں۔ ہماری جان جاتی ہے کہ اگر شہنشاہ کو اسکی خبر ملگئی تو ہمارا بچنا محال ہے۔ یہ سنکر بدرالبدور کو اور بھی غصہ آیا کہ اری چڑیل تو سچ نہیں بتاتی۔ بڑھیا بولی۔ خدا آپ کو صحیح وسلامت رکھے میں سچ کہتی ہوں۔ یہاں کسی مرد کا سکنا ناممکنات سے ہے۔ شہزادی نے انگشتری کیطرف دیکھا تو وہ فی الوقعہ بدلی ہوئی تھی یہ دیکھکر اسنے سرہانے سے تلوار لی۔ اور بڑھیا کے دو ٹکڑے کر ڈالے۔ یہ حال دیکھکر سب کی سب لونڈیاں وہاں سے بھاگیں اور شاہ گور کو جاکے خبر دی۔ وہ بیچارہ فوراً دوڑا آیا اور پوچھنے لگا۔ بیٹی کیا خبر ہے؟ شہزادی نے جواب دیا وہ جوان کہاں ہے؟ جو رات میرے پاس سویا ہوا تھا۔ اور وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگ گئی۔ بادشاہ کو اسکی حالت دیکھکر بڑا افسوس ہوا۔ اور لونڈیوں کو حکم دیا کہ اُسے زنجیر پہنا کے محل کی بارہ دری میں قید کردیں۔ مگر دنیا اسکی آنکھوں میں اندھیر ہو رہی تھی اسلئے کہ وہ اپنی بیٹی کو دل سے چاہتا تھا۔ پھر وہ دربار کی طرف آیا اور جوتشیوں اور حکیموں کو بلا کے کہا کہ جو شخص میری لڑکی کو تندرست کریگا۔ میں اسکی شادی اُس سے کر دونگا اور جہیز میں آدھی سلطنت دونگا۔ مگر جو شخص تدبیر کرنے کے بعد شہزادی کو اچھا نہ کرسکیگا اُس کی گردن ماری جائیگی۔

دیکھ رہے ہونگے۔ اسلئے حیا مانع رہی اور بینے اُسے نہ جگایا۔ کیونکہ اب بینے سمجھا تھا کہ آپ میرا امتحان لینا چاہتے ہیں۔ اور مجھے ازدواج کی ترغیب دلا رہے ہیں۔ پھر میں سو گیا۔ جب جاگا تو پہلو میں کچھ بھی نہ تھا۔ بینے نوکر سے پوچھا تو اسنے بھی کچھ نہ بتایا۔ اسلئے بینے اُسے مارا بھی۔ پھر وزیر کی سرگذشت بھی آپ نے سن ہی لی ہے۔ تو یہ واقعہ جھوٹ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ انگشتری میری انگلی میں صحیح و سالم موجود ہے اگر انگشتری نہ ہوتی تو بھی میں خیال کر لیتا۔ کہ مجھے رات کو خواب آیا ہوگا۔ مگر اب تو آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں (انگلی دکھا کر) دیکھئے یہ ہے وہ انگشتری۔ اندازہ کیجئے۔ کسقدر قیمت کی ہوگی۔ پھر انگوٹھی کو انگلی سے اُتار شہزمان کے حوالے کر دی۔ بادشاہ اُسے اُلٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ پھر بیٹے کی طرف مخاطب ہوا کہ اسکی قیمت بہت ہے۔ مگر میں حیران ہوں کہ وہ لڑکی تمہارے پاس آئی کہاں سے۔ کیونکہ اسکے بارے میں کوئی بھی مجھے علم نہیں ہے۔ تاہم تم صبر کرو۔ میں کوشش کرونگا شاید خداوند تمہاری مراد پوری کرے اور تمہیں اس مشکل سے رہائی بخشے۔ لیکن مجھے ٹھیک ٹھیک بتا دو کہ تمہیں جنون کی تو کسر نہیں ہے قمرالزمان بولا۔ جناب! اس لڑکی کو جلدی تلاش کرکے میرے پاس لائیے ورنہ میں مرجاؤنگا۔ اسکے بعد وہ رو پڑا اور آنسو اُسکے رخساروں پر بہ رہے تھے۔ بادشاہ کا دل بھی بھر آیا اور وہ اپنے بیٹے کی حالت پر افسوس کر رہا تھا۔ جب اسی حالت میں دیر ہو گئی۔ وزیر بولا۔ خداوندا آپکو گھر سے آئے دیر ہو گئی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ آپکی غیر حاضری محروم کو اشتباہ میں ڈالکر کسی بڑے فساد کی باعث ہو۔ بہتر یہ ہے کہ اب واپس چلئے اور شہزادے کے علاج معالجے کا فکر کیجئے۔ میری رائے میں تو شہزادے کو دریا کے کنارے والے محل میں لیجا رکھنا زیادہ مناسب ہوگا اور اگر وہاں ہفتے میں دو دفعہ پنجشنبے اور دوشنبے کو دیوان عام بھی لگا کرے تو اور بھی بہتر ہے اس سے شہزادے کی طبیعت آہستہ آہستہ سنبھل جائیگی۔ بادشاہ کو وزیر کی صلاح پسند آئی اور اس اندیشے سے کہ ملک میں فساد نہ برپا ہو جائے۔ فوراً شہزادے کو دریا کے کنارے والے محل میں لیجانیکا حکم دیکر آپ وہاں سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور دربار کی طرف روانہ ہوا۔ وہ محل ایک قلعے کے اندر واقعہ تھا۔ جو دریا میں بیس گز تک اندر کو چلا گیا تھا اور محل کی بارہ دریاں کے دروازے عین لب دریا پر واقع تھے۔ غرض وہ بہت فضا کی جگہ تھی۔ قمرالزمان کو وہاں

معلوم ہوتا ہے؟ تمہیں جنون ہوگیا ہے۔ اور تم اپنا الزام میرے بیٹے کے گلے مڑھنا چاہتے
ہو۔ وزیر نے چاہا۔ کہ جواب دے۔ مگر پھر کچھ سوچکر چپ رہگیا کہ تھوڑی دیر اور دیکھو تو کیا ہوتا
ہے۔ اسکے بعد پھر بیٹے سے بادشاہ نے پوچھا۔ برخوردار! وہ کیا بات ہے۔ جو تم نے ذکر
کی ہے کسی لڑکی کے یہاں آنے اور تمہارے پاس سونے کی بابت بیان کی تھی۔ قمرالزمان یہ سوال
سنکر بے اختیار کھل کھلا کر ہنس پڑا۔ اور کہنے لگا۔ جناب سن لیجئے۔ اب مجھے لوگوں کا تمسخر
سننے کی طاقت نہیں رہی۔ مہربانی کرکے اب مجھے زیادہ تنگ نہ کیجئے۔ میں نکاح کرنے پر
راضی ہوں۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس لڑکی سے بیاہ کرونگا۔ جو رات میرے پاس سوئی ہوئی تھی
اور مجھے تحقیق طور پر معلوم ہوا ہے کہ آپ ہی نے اُسے میرے پاس بھیجا ہے۔ اسلئے کہ میرا
اشتیاق بڑھ جائے۔ پھر جب صبح ہوئی آپ نے اُسے واپس بلا لیا۔ بادشاہ نے کہا لاحول ولا
قوۃ۔ بیٹا ہوش کرو۔ تم کیسے سمجھے ہو کہ میں نے تمہارے پاس اس لڑکی کو بھیجا تھا۔ خدا کی قسم۔
برخوردار! مجھے تو اس معاملے کی کچھ بھی خبر نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاید تم ازدواج کے
خیال میں رہے ہو اور اسکی وجہ سے تمہیں کوئی خواب آیا ہے یا کھانا نہ ہضم ہونیکے سبب
تمہاری قوت مخیلہ ٹھیک نہیں رہی اور کوئی بات نہیں ہے۔ قمرالزمان بولا۔ جناب! اب مجھ سے
ایسی باتیں نہ کیجئے۔ اور قسم کھایئے کہ آپ کو کوئی خبر اس لڑکی کی نہیں ہے۔ بادشاہ نے جواب دیا
مجھے خالق ارض و سما کی قسم ہے کہ مجھے اس معاملے کی نسبت کچھ بھی خبر نہیں اور یقیناً تمہیں خواب ہی
آیا ہوگا۔ قمرالزمان بولا۔ اچھا آپ بتایئے کہ اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ وہ جنگ میں دشمنوں کو
قتل کر رہا ہے اور جب جاگے تو اُسکے سرہانے خون آلود تلوار رکھی ہو۔ کیا آپ تصور کرینگے کہ وہ
بھی خواب و خیال ہی ہے۔ بادشاہ نے جواب دیا۔ ایسا تو کبھی نہیں ہوسکتا۔ قمرالزمان بولا
اگر ایسا نہیں ہوسکتا تو میرا واقعہ بھی ہرگز خواب و خیال نہیں کہا جاسکتا۔ میں آپ کو ساری
کیفیت سنائے دیتا ہوں۔ میں آج آدھی رات کے وقت بیدار ہوا تھا۔ جاگتے ہی اپنے پہلو
میں ایک نازک بدن حسین لڑکی کو سوتے ہوئے پایا۔ وہ شکل و قد میں میرے ہی جیسی تھی۔
میں نے اسے گلے لگایا تھا اور اسکی انگوٹھی اتار کے اپنی انگلی میں ڈال لی اور اپنی اسکے ہاتھوں
میں ڈالدی۔ میرا خیال تھا کہ آپ نے اُسے میرے پاس بھیجا ہے اور آپ کہیں چھپ کے

نکاح کرنے پر راضی ہوں۔ میرے باپ سے جا کے کہدو کہ میں اُس لڑکی سے پیار کرتا ہوں۔ اور اُسے سمجھا دو۔ کہ آج ہی میرا نکاح پڑھا دیا جائے۔ اسکے لئے بہت جلدی میرے پاس آنا وزیر نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا۔ اور وہاں سے کھسکنے کی کی۔ حتیٰ کہ برج سے نکلکر بھاگا۔ اور بادشاہ کے پاس جا دم لیا۔ شاہزمان وزیر کی حالت اضطراب کو دیکھکر حیرانی سے پوچھنے لگا۔ کیوں خیر تو ہے؟ وزیر نے جوابدیا۔ میں آپ کے پاس ایک مژدہ لایا ہوں۔ بادشاہ نے پوچھا وہ مژدہ کیا ہے؟ وزیر بولا آپکے صاحبزادے کو جنون نے آگھیرا ہے۔ بادشاہ کی آنکھوں میں یہ سنکر دنیا اندھیر ہوگئی۔ مگر اُسنے استقلال رکھکے پوچھا۔ آخر بات تو بتاؤ۔ وزیر نے جواب میں اپنی ساری سرگذشت سنادی۔ بادشاہ بولا۔ اچھا۔ اس بشارت کے صلے میں تمہیں بھی کچھ انعام ملنا چاہیئے اور وہ اس سے اچھا نہیں ہوسکتا کہ تمہاری گردن ماری جائے۔ اسلئے کہ میرے بیٹے کو جنون محض تمہاری ہی رائے کی وجہ سے عارض ہوا ہے۔ یہ کہکر شہزمان اُٹھ کھڑا ہوا اور وزیر کو لیکر برج کی طرف قدم بڑھایا۔ جب دونوں برج میں داخل ہوگئے۔ اور قمرالزمان نے بھی اُنہیں دیکھا فوراً اُٹھکر باپ کی تعظیم کے لئے آگے بڑھا۔ اور ہاتھ باندھکر سر جھکا کے باپ کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ آنسو اسکی آنکھوں سے رواں تھے اور وہ رو رو کے معذرت کر رہا تھا۔ کہ بیٹے حضور کے حق میں جو بے ادبی کی اسکے لئے تہ دل سے معافی کا خواہاں ہوں اور اپنی ضد سے توبہ کرتا ہوں۔ بادشاہ کو یہ سنکر بڑی خوشی ہوئی اور آگے بڑھکے اسنے قمرالزمان کو گلے لگا لیا۔ اسکی پیشانی پر بوسہ دیا اور تخت پر اپنے پاس بٹھایا۔ پھر وزیر پر قہر آلود نگاہ ڈالی کہ اے کمبخت! تونے تو مجھے ابتدا ہی سے بیہودگی سنا سنا کے ڈرا دیا تھا۔ اسکے بعد قمرالزمان کی طرف مخاطب ہوا۔ کہ بیٹا آج کونسا دن ہے۔ قمرالزمان بولا۔ آج ہفتہ ہے۔ کل اتوار ہوگا۔ پرسوں پیر۔ چوتھے روز منگل پھر بدھ اسکے بعد جمعرات اور پھر جمعہ آئیگا۔ شہزمان نے خدا کا شکریہ ادا کیا کہ میرا بیٹا صحیح وسلامت ہے۔ پھر پوچھا بیٹا! کیا تم اس مہینے کا نام بتا سکتے ہو۔ قمرالزمان نے کہا۔ اس ماہ کا نام ذوالقعدہ ہے اور اسکے بعد بالترتیب ذوالحجہ۔ محرم۔ صفر۔ ربیع الاول۔ ربیع الثانی جمادی الاول۔ جمادی الثانی۔ رجب۔ شعبان۔ رمضان اور شوال کے مہینے آئینگے۔ بادشاہ کو یہ سنکر اور بھی خوشی ہوئی۔ اور وزیر سے بولا کمبخت بڈھے تم نے مجھے کیسے ستمگر بنا دیا تھا

سینے گلے بھی لگایا تھا - وزیر کو شہزادے کی باتوں سے بڑا تعجب ہوا - اور وہ پوچھنے لگا - کیا آپ نے بیداری میں اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا؟ شہزادہ بولا - اے بڈھے منحوس! کیا تجھے یقین ہے کہ میں نے اُسے کانوں سے دیکھا تھا؟ نہیں میں نے اُسے انہی آنکھوں سے بیداری کی حالت میں دیکھا تھا - اور دیر تک اُسکے حسن کا نظارہ کرتا رہا - اُسے جگانے کی بھی میں نے بہت کوشش کی - مگر معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اُسے سکھا رکھا تھا کہ وہ مجھ سے کلام نہ کرے - ناچار میں بھی اُسکے پہلو میں پڑ رہا اور صبح تک سویا رہا - جب جاگا اُسے نہیں پایا - وزیر بولا - صاحب! یقیناً آپ کو خواب آیا ہے - کھانا ہضم نہیں ہوا - اور معدے سے بخارات نے اُٹھکر آپکی قوت تخیلہ پہ اثر کیا ہے - نہیں تو شیطان لعین نے آپ کو بہکا دیا - اور کوئی بات نہیں - شہزادہ گرجا - ابے بڈھے! اگر خواب وخیال ہوتا تو وہ بے حیا مجھے کیوں کہے جاتا - کہ میں ابھی آکے آپ کو اُس لڑکی کی حکایت سناتا ہوں - یہ کہکر فوراً اُٹھا اور وزیر کی داڑھی پکڑ لی - بیچارے کی داڑھی بدقسمتی سے بہت لمبی تھی - قمرالزمان نے اُسے ہاتھ پر لپیٹ لیا اور تخت سے کھینچکر زمین پہ دے مارا - داڑھی کھینچنے اور زمین پر پڑنے سے بڈھے وزیر کو بہت تکلیف ہوئی مگر قمرالزمان نے اسپر بس نہیں کیا - مکّوں اور لاتوں سے بھی اُسکی خبر لینے لگ گیا - قریب تھا کہ غریب کا کام تمام ہو جائے - مگر اُس نے سوچا - کہ میں نے تو کرتے اپنا چھٹکارا کرایا ہے - وہی چال اب مجھے بھی چلنی ہوگی - ورنہ زندہ بچنا بھی محال ہے - یہ سوچکر بولا - حضور مجھے بادشاہ نے قسم دے رکھی تھی - کہ میں آپ سے اُس لڑکی کی بابت کچھ نہ کہوں - اسلئے میں نے حقیقت حال کی اب تک چھپا رکھی ہے - اب میں زیادہ تکلیف برداشت نہیں کر سکتا - اسلئے میں آپ کو سب کچھ بتا دیتا ہوں - مگر مجھے چھوڑ دیجئے - قمرالزمان نے فوراً ہاتھ روک لیا اور کہنے لگا - سچ ہے - لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانا کرتے - یہی اگر پہلے بتا دیتے تو کیا بات تھی - نہ مار پڑتی اور نہ ہتک ہوتی - خیر! ابے بڈھے بے حیا! اب بتاؤ - وہ لڑکی کہاں ہے - وزیر بولا - آپ ایسی خوبصورت وجیہہ و ملیح سی لڑکی کی نسبت ہی پوچھتے تھے نہ؟ قمرالزمان بولا - ہاں! ہاں! اُسی کی نسبت بتاؤ - اُسے کون میرے پاس لاکے سلا گیا تھا - اور اب وہ کہاں ہے - تاکہ میں اُسکے پاس جاؤں - اور اگر میرے والد نے میرا امتحان لینا چاہا ہے - وزیر - بس

خداوند شہزادہ تو سودائی ہو گیا ہے۔ اور اسی جنون کی حالت میں بہری یہ گت بنائی ہے۔ کہتا ہے رات میرے پاس ایک لڑکی سوتی تھی۔ وہ مجھ میرے پاس سے کیسے اٹھکر چلی گئی۔ حالانکہ مجھے کسی لڑکی کی بابت کچھ بھی معلوم نہیں ہے دیز دروازہ مقفل تھا اور میں عین بیچوں بیچ میں سو رہا تھا۔ بادشاہ کو یہ سنکر بڑا رنج ہوا اور وہ وزیر پر خفا ہونے لگا۔ کہ تو ہی اس سب آفت کا موجب ہے۔ فوراً جا۔ اور جا کے شہزادے کی خبر لا۔ وزیر بادشاہ کے خوف سے کانپنے لگا۔ اور فوراً اُٹھکر برج کو گیا۔ جہاں شہزادہ نظر بند تھا۔ اب سورج نکل آیا تھا۔ وہ فوراً اندر گیا۔ اور جا کے دیکھا کہ شہزادہ تلاوت قرآن میں مصروف ہے پہلے جا کے سلام کی اور پھر ایک طرف بیٹھ گیا۔ جب شہزادے نے تلاوت سے فراغت پائی۔ وزیر نے پوچھا۔ صاحب من! اس بدذات نوکر نے جاکے سب کو پریشان کر دیا ہے بادشاہ بھی غضبناک بیٹھا ہے قمرالزمان نے پوچھا۔ بھلا نوکر نے کیا کہا تھا۔ وزیر بولا۔ بڑی بُری حالت میں یہ دربار میں گیا تھا اور جا کے آپ کے بارے میں بڑی اینڈی بینڈی سنانے لگا۔ جنکا آپ سے ذکر کرنا بھی سوے ادبی میں داخل ہے۔ قمرالزمان نے پوچھا آخر وہ کیا باتیں تھیں۔ وزیر نے جواب دیا۔ بدبخت کہنے لگا نصیب دشمناں آپ کو جنون لاحق ہو گیا ہے اور آپ اُسے کہتے ہیں کہ گذشتہ شب آپ کے پاس کوئی لڑکی آئی تھی۔ کیا آپ نے کوئی ایسی بات اس سے فرمائی تھی۔ یہ کلام سُنکر قمرالزمان کو جوش آگیا اور وہ گرج کر وزیر سے بولا۔ اچھا۔ تم بتاؤ کہ تم نے خادم کو کچھ سکھا رکھا ہے جس سے اس نے مجھ سے ایسی چالاکی کھیلنے کی جرات کی ہے اور کیا تم نے ہی اُسے منع کر رکھا ہے کہ مجھے اس لڑکی کی بابت کچھ نہ بتائے جو رات میرے پاس سوئی ہوئی تھی۔ وزیر صاحب! میں جانتا ہوں آپ خادم سے بہت عقلمند ہیں۔ اسلئے آپ مجھے ضرور بتا سکینگے کہ وہ لڑکی پھر کیا ہوئی اور کیا آپ نے ہی اُسے رات میری خوابگاہ میں بھیجا تھا جو رات بھر میرے پاس ہوتی رہی۔ صبح کے وقت جب میری آنکھ کھلی تو وہ غائب تھی۔ وزیر بولا مجھے اللہ کی قسم ہے ہم نے تو آپ کے پاس کسی لڑکی کو نہیں بھیجا۔ اور اے شہزادے۔ آپ رات کو اکیلے سوئے تھے۔ دروازہ مقفل تھا۔ نوکر عین سامنے دروازے کے سویا ہوا تھا۔ پھر کیسے کوئی اندر آسکتا ہے۔ آپ ہوش و حواس ٹھکانے کر کے سوچیں کہ آپ کو خواب تو نہیں آیا۔ قمرالزمان پھر غصّے میں بھر گیا۔ اور کہنے لگا۔ اجی! وہ میری معشوقہ ہے اسکے حسن کی تعریف نہیں کر سکتا اور میں اُسے دل سے محبت کرتا ہوں۔ بلکہ بات یہ ہے

بیچ سویا ہوا تھا اور دروازہ بھی مقفل تھا۔ پھر کوئی مرد یا عورت کیسے اندر داخل ہو سکتا ہے قمر الزمان خفا ہو کر بولا۔ ابے اُلو کے پٹھے! کیوں جھوٹ بکتا ہے اور فریب سے مجھے بے خبر رکھنا چاہتا ہے کہ وہ کہاں گئی۔ نوکر نے کانپتے کانپتے عرض کی۔ حضور انور! خدا کی قسم میں نے رات یہاں کسی لڑکی یا لڑکے کو نہیں پایا۔ آپ کو خواب آیا ہوگا۔ قمر الزمان خادم کے مُنہ سے یہ کلام سُنکر سخت طیش میں آیا اور بولا۔ بدذات! ذرا آگے تو آ۔ وہ غریب جب آگے گیا۔ شہزادے نے ایک لکڑی اُٹھا کے اُسے ایسی بُری طرح مارنا شروع کیا کہ بیچارہ بے سُدھ ہو کے گر پڑا۔ پھر اُس کی ٹھوکروں سے خبر لی۔ اور آخر کنوئیں میں لٹکا دیا۔ سخت سردی کے دن تھے۔ نوکر رونے پیٹنے اور چلانے لگا۔ مگر قمر الزمان مُصر تھا کہ جب تک تو مجھے یہ نہ بتائیگا کہ جب میں سویا ہوا تھا تو کون میرے پہلو سے اُس لڑکی کو نکال لیگیا۔ میں تجھے ہرگز ہرگز کنوئیں سے نہیں نکالونگا۔ خادم نے دیکھا کہ وہ کسی طرح ماننے میں نہیں آتا۔ ممکن ہے اسے جنون لاحق ہو گیا ہو۔ تو آواز دی۔ اچھا مجھے باہر نکال لیجئے۔ میں آپ کو سب کچھ من وعن بتا دیتا ہوں۔ قمر الزمان نے یہ سُنکر اُسے باہر کھینچ لیا۔ نوکر مارے زدوکوب اور پانی میں غوطے کھانے کے بڑا مضطر تھا اور اُسکے دانت سے دانت بج رہے تھے۔ جب کسیقدر حواس ٹھکانے ہوئے اور اپنے تئیں سطح زمین پر پایا۔ عرض کی۔ اگر مجھے اجازت ہو تو یہ بھیگے ہوئے کپڑے اُتار کے دھوپ میں رکھ آؤں۔ اور نئے کپڑے پہن آؤں۔ آکے ساری حکایت عرض کر دونگا۔ شہزادہ بولا۔ اگر تم نہ آئے تو اپنے تئیں زندہ نہ سمجھیو۔ نوکر نے اتنی ہی اجازت کو غنیمت سمجھا اور سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگا۔ حتٰی کہ بادشاہ کی خدمت میں جا دم لیا۔ وزیر بھی اُس وقت بادشاہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اور قریب ہی کی باتیں ہو رہی تھیں کہ بادشاہ وزیر سے کہہ رہا تھا کہ بسبب کثرت محبت کے جو مجھے اپنے لڑکے کے ساتھ ہے رات بھر میری آنکھ نہیں لگی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ بُرج میں اُسے کچھ اور عارضہ نہ لاحق ہو جائے۔ کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ تم نے اُسکے قید کرنے میں کیا مصلحت مدنظر رکھی ہے وزیر نے جواب دیا۔ حضور اطمینان رکھیں۔ کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔ وہ ابھی باتوں میں تھے کہ وہ نوکر بھی ہیئت کذائی کی حالت میں جا پہنچا۔ اور زمین خدمت کو بوسہ دیکر عرض کرنے لگا

مارے محبت کی وہ بے اختیار ہو گئی - اور کہنے لگی - اگر پہلے سے مجھے یہ معلوم ہوتا کہ میری شادی اس جوان کے ساتھ قرار پائی ہے - تو میں کبھی بھی انکار نہ کرتی - پھر شہزادی قمرالزمان کو ہلا کر محبت سے کہنے لگی کہ میری جان میری آنکھوں کے نور جاگئے اور اپنی اپنی میٹھی باتوں سے مجھے مسرور فرمائیے - مگر شہزادہ میمونہ کے جادو سے ایسا غافل ہو گیا تھا - کہ بدرالبدور کی سعی اکارت ہو گئی نہ تو جاگا اور نہ ہی کچھ جواب دیگا - بدرالبدور بولی - میرے پیارے تو کیوں خاموش ہے - کیا میرے باپ نے تجھے میرے ساتھ بولنے سے منع کر دیا ہے یا کوئی اور بات ہے ؟ مگر جب پھر بھی کوئی جواب نہ ملا - تو شہزادے کا ہاتھ پکڑ لیا - کیا دیکھتی ہے کہ اسکی انگوٹھی شہزادے کی انگلی میں پڑی ہے - اور اسکے ہاتھ میں شہزادے کی انگوٹھی ہے - اسے معلوم ہو گیا کہ جب میں سو رہی تھی - شہزادے نے محبت کے سبب انگشتریاں بدل لی ہونگی - پھر تو اسے بہت خوشی ہوئی - کہ شہزادہ اس سے محبت رکھتا ہے - اسلئے اس نے شہزادے کو خوب سا پیار کیا اور اسکے بعد اپنی جگہ پر لیٹ کر غافل سو گئی - میمونہ نے اب دہنش کو خوب جھاڑ بتائی - کہ دیکھ میرے شہزادے نے جس طرح سے اظہار الفت کیا تھا - وہ کیسا پاک تھا - مگر تیری شہزادی تو بالکل بے اختیار ہو گئی - اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے - یہی نہ کہ میرا شہزادہ زیادہ حسین ہے مگر جا تجھے چھوڑ دیا - اب کسکس کے ساتھ شہزادی کو اسکے مکان میں چھوڑ آ - کیونکہ دن نکلنے کو ہے - اور اگر دن نکل آیا تو میرا مطلب فوت ہو جائیگا - دہنش نے سر تسلیم خم کیا اور میمونہ کو آداب بجا لا کر شہزادی کا پلنگ اٹھایا اور اسکے مکان میں لیجا رکھا - میمونہ آپ اپنے راستے پر چلی گئی - جب دن چڑھا - قمرالزمان کی آنکھ کھل گئی - اور وہ چاروں طرف دیکھنے لگا مگر رات والی حسینہ سے پہلو کو خالی پا کر سخت گھبرایا - کہ یہ کیا بات ہے - شاید میرے باپ نے اسے واپس بلا لیا - اور اب میرے ساتھ اسکی شادی کر دیگا - اسکے بعد نوکر کو آواز دی - وہ وضو کا سامان لیکے حاضر ہوا - شہزادے نے حوائج ضروریہ سے فراغت پا کے وضو کیا اور نماز پڑھی - پھر تلاوت اور تسبیح کے بعد نوکر سے پوچھنے لگا - سچ بتا - وہ بی بی جو رات کو یہاں تھی - اب کہاں گئی - اور اسے کون لیگیا ہے - خادم نے عرض کی - حضور کیسی بی بی ؟ قمرالزمان نے کہا - جو رات میرے پاس سوئی تھی - نوکر حیرت میں پڑ گیا - اور کہنے لگا - حضور ! میں دروازے کے عین بیچوں

رہ گیا جس نے بیش بہا زیور و جواہرات پہنے ہوئے تھے وہ دیکھتے ہی اس پر مفتون ہو گیا - اور اس سے محبت و الفت کا اظہار کرنے لگا - بے اختیاری میں بوسے دیئے کئی دفعہ اسے شانوں سے ہلا کر جگانے کی بھی کوشش کی - مگر دہنش کے افسون کے سبب وہ شہزادی ایسی غافل سو رہی تھی کہ اسے کچھ خبر نہ ہوئی - آخر وہ سوچنے لگا کہ اگر میرا خیال غلط نہیں - تو یہ وہی لڑکی ہے جسکے ساتھ میرا والد میری شادی کرنا چاہتا تھا - اور میں اپنی بیوقوفی کے سبب برابر تین سال سے انکار کر رہا ہوں - خیر اگذشت آنچہ گذشت اب صبح ہولے اور میں اپنے والد سے کہونگا کہ فوراً میری شادی اس سے کر دی جائے - اب میں ایک دن بھی ضائع نہیں کرونگا - کاش یہ مجھے پہلے یہ صورت دکھائی جاتی - تو میں کیوں اپنا عیش چھوڑ کے اس زندان میں پڑتا - ازاں بعد وہ شہزادی کا بوسہ لینے کے لئے جھکا - یہ دیکھکر میمونہ کچھ شرمندہ سی ہو گئی - مگر دہنش کی بن آئی لیکن کچھ سوچکر قمر الزمان سنبھل گیا - اور دل میں کہنے لگا - ابھی صبر کرنا چاہیے - ممکن ہے کہ میرا باپ ہی اسے یہاں لایا ہو - اور اسے حکم دیا ہو کہ میرے پہلو میں سو رہے - اور جب میں جگاؤں نہ جاگے - اور آپ کہیں یہیں چھپا رہا ہو - تاکہ میرا امتحان کرے - اسنے اگر میرے افعال کو دیکھ لیا تو کل مجھے ضرور شرمندہ کریگا - کہ تو تو شادی کے نام سے نفرت کرتا تھا - اور ایسا اس لڑکی کے گلے لگاکے اس کے بوسے لئے - اسلئے مجھے فی الحال سنبھلکے رہنا چاہیے - البتہ کوئی نشانی اسکی ضرور پاس رکھ لونگا - جس سے یہ مجھے یاد رکھ سکے - یہ سوچکر اسنے اپنی انگلی سے انگشتری اتار کر شہزادی کی انگلی میں پہنا دی - اور شہزادی کی انگشتری اتار کے اپنی انگلی میں پہن لی - اور پہلو میں چپ چاپ لیٹ گیا - میمونہ کو اس سے بڑی خوشی ہوئی اور وہ کسکس (دہنش) سے بولی - تم نے بھی دیکھ لیا میرا شہزادہ کسقدر عفت مآب ہے کہ سوائے انگشتری بدلنے اسنے اس شہزادی کو ہاتھ تک نہیں لگایا! - اور یہ اسکے کمال حسن پر دال ہے - دونوں نے جواب دیا - تم نے دیکھا اب تم شہزادی کو جگاؤ - میمونہ فوراً مچھر بنگئی اور بدر البدور کے کپڑوں میں گھسکر اسکی پنڈلی پر زور سے کاٹ کھایا - بدر البدور فوراً اٹھ بیٹھی اور اپنے پہلو میں ایک اجنبی نوجوان کو جسکے حسن کی شعاعیں پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی تھیں دیکھکر متعجب ہوئی - قمر الزمان کو دیکھکر شہزادی کے دل میں بھی محبت کی کونپل پھوٹ آئی - مگر وہ سوچنے لگی یہ کیسے شرم کی بات ہے کہ یہ اجنبی جوان جسے میں جانتی بھی نہیں میرے پہلو میں آکے سو رہا ہے تاہم

اُسکے ہاتھ بھیڑیے کے سے اور ناخن شیر جیسے دکھائی دیتے تھے۔ پاؤں ہاتھی کے پاؤں کی طرح اور اُن میں سُم گدھے کے سُم کی مانند نظر آتے تھے۔ آتے ہی اُسنے میمونہ کے پاؤں پر بوسہ دیا۔ اور کہنے لگا۔ اے شہزادی! آپنے مجھے کس غرض سے طلب فرمایا ہے؟ میمونہ بولی۔ اے قشقش (کسکس) ہمارا فیصلہ کردے۔ یہ ملعون اُس شہزادی کو حسین بتاتا ہے۔ اور میں اس شہزادے کے جمیل ہونے پر مصر ہوں۔ یہ سُنکر کسکس نے قمرالزمان اور بدرالبدور پر غائر نگاہ ڈالی۔ مگر کچھ فیصلہ نہ کر سکا کہ زیادہ حسین کون ہے آخر پری اور جن دونو کو مخاطب ہوکر بولا۔ سچ تو یہ ہے کہ دونو ایک دوسرے کا جواب ہیں

تصویر کسکس جن کی جو لنگڑا لنگڑا کانا اور چھ سینگ سر پر رکھتا تھا



اور میں کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے سے قاصر ہوں۔ البتہ اگر یہ دونو باری باری سے (دوسرے کے علم کے بغیر) بیدار ہوکر ایک دوسرے کو دیکھیں اور محبت کا اظہار کریں تو معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ کس کا حسن زیادہ ہے۔ میمونہ اور دہنش دونو نے کسکس کی مشورت کو پسند کیا۔ اور دہنش نے مچھر بن کے قمرالزمان کی گردن پر اس زور سے چٹکی لی کہ وہ تلملا کے اُٹھ بیٹھا۔ اور اپنے پہلو میں ایک نازک بدن حسینہ کو پاکر حیران

لیٹا ہوا تھا۔ پہلے تو غور سے اُسکی طرف دیکھتے رہے۔ پھر پری نے کپڑا قمر الزمان کے منہ سے سرکایا۔ اور دہنش کی طرف اشارہ کیا کہ دیکھ حسن و جمال اسے کہتے ہیں۔ دہنش نے بھی غور سے قمر الزمان کے چہرے کو دیکھا اور بولا۔ شہزادی آپ معذور ہیں۔ مگر ایک بات ہے کہ عورتوں کا جمال مردوں سے کسقدر مختلف ہوتا ہے۔ آپ کا شہزادہ بلاشبہ حسین ہے مگر میری شہزادی بھی دیکھنے کے قابل ہے۔ اور سچ تو یہ ہے۔ کہ دونو ایک ہی سانچے کے ڈھلے ہوئے ہیں۔ میمونہ کو یہ سنکر بڑا غصہ آیا اور اُسنے جھٹ دھپڑ کھینچ مارا جس کے صدمہ سے قریب تھا کہ دہنش گر پڑے۔ مگر وہ سنبھل گیا۔ میمونہ کہنے لگی۔ تجھے نورِ پاک کی قسم ہے ابھی وقت جا اور اپنی شہزادی کو اٹھالا۔ دونو کو ایک جا لٹاکے دیکھینگے کہ دونو میں سے کون زیادہ حسین ہے۔ اگر تونے فوراً میرے حکم کی تعمیل نہ کی تو اپنی خیر نہ سمجھو۔ جلاکے خاک کر دونگی۔ دہنش نے جواب دیا آپکا فرمان سر آنکھوں پر۔ مگر یہ میں کہے بغیر نہ رہونگا۔ کہ میری شہزادی بدرجہا بڑھکر ہے۔ یہ کہکر فوراً اُڑا۔ اور مُلک چین کا رُخ لیا۔ میمونہ بھی حفاظت کے لئے اُسکے ساتھ ہولی۔ ایک گھڑی بھر دونو وہاں سے غائب رہے۔ اسکے بعد وہ اُس شہزادی کو اُٹھالائے جس کے حسن و جمال کی تعریف میں دہنش مبالغہ کر رہا تھا۔ اسکے گلے میں سنہری چھینٹ کی قمیص تھی۔ اور کمر میں پھولدار کمربند بندھا تھا۔ دونو نے اُسے لاکے شہزادے کے پہلو میں لٹا دیا اور دونو کے مُنہ سے کپڑے سرکا دئے۔ فی الواقع دونو کے حسن میں تمیز کرنا مشکل تھا۔ مگر دہنش اور میمونہ میں جھگڑا ہونے لگا۔ دہنش کہتا تھا۔ شہزادی خوبصورت ہے۔ اور میمونہ قمر الزمان کو حسین بتاتی تھی۔ پھر دونو نے اپنے اپنے محبوبوں کی تعریف میں اشعار پڑھے۔ اور جب دیر تک کچھ فیصلہ بھی نہ ہوسکا تو میمونہ سخت غصہ میں بھر گئی۔ اور ارادہ کیا۔ کہ دہنش کو پچھاڑ دے۔ وہ بولا۔ شہزادی آپ خفا نہ ہوں۔ اس طرح سے فیصلہ نہیں ہوگا۔ اسلئے کہ ہم دونو اپنے اپنے محبوب کو حسین بتاتے ہی رہینگے۔ آئیے۔ ان باتوں کو ختم کر دیں اور کوئی اور جتن کریں۔ آپ کسی ایسے معتبر شخص کو بلائیں۔ جو ہمارا انصاف کرے۔ میمونہ نے بھی اس رائے کو پسند کیا۔ پھر زمین پر ٹھوکر ماری۔ فوراً ایک کانا اور کبڑا جن نکل آیا۔ جس کی آنکھیں چہرے میں گھسی ہوئی تھیں۔ سر پر چھ سینگ تھے اور بالوں کی چار لٹیں لٹک رہی تھیں۔

قلماقنیوں کا پہرہ بھی اُس محل کے دروازے پر لگا دیا۔ جہاں شہزادی نظر بند تھی۔ اور سب بادشاہوں کو لکھ دیا کہ شہزادی کو جنون ہو گیا ہے۔ کامل ایک سال ہوا ہے۔ وہ بیچاری قید میں پڑی ہے۔ میں ہر روز اُسے دیکھتا ہوں۔ اور افسوس کرتا ہوں۔ بلکہ مجھے تو اُس سے ایک قسم کی محبت ہو گئی ہے۔ شاہزادی صاحبہ! اگر آپ بھی میرے ساتھ تشریف لے چلیں تو آپ خود اُسکے حسن و جمال کا بخوبی اندازہ کر سکینگی۔ میری طاقت سے باہر ہے کہ اُسکے حسن کا نقشہ آپ کے ذہن نشین کر سکوں۔ میمونہ نے یہ سُنکر دہنش کو ایک دھپڑ جڑ دیا۔ اور غصے سے بولی۔ یہ کیا فضول گفتگو ہے۔ نالایق ایک چھپڑی سی لڑکی کو خواہ مخواہ آسمان پر چڑھا رہا ہے۔ تو نے میرے شہزادے کو تو دیکھا ہی نہیں۔ ورنہ سب کچھ بھول جاتے۔ دہنش نے پوچھا۔ وہ ہے کون۔ جس کا آپ ذکر کر رہی ہیں۔ میمونہ نے کہا۔ اُسکی کہانی بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ اُسکے باپ نے بھی شادی کے بارے میں کئی دفعہ اُس سے اصرار کیا تھا۔ مگر جب اُسنے ایک ہی انکار پکڑ لیا تو اُس کے باپ کو سخت غصہ آیا۔ حتیٰ کہ آج اُسے اس برج میں قید کر دیا ہے۔ جہاں میں رہتی ہوں میں اُسے ابھی دیکھے آ رہی ہوں۔ دہنش نے جواب دیا۔ شہزادی! ذرا مجھے بھی اُسکا دیدار کرا دیں تاکہ میں اندازہ کر سکوں۔ کہ میری شہزادی خوبصورت ہے یا آپ کا شہزادہ۔ کیونکہ میرے خیال میں شہزادی بدر البدور اپنے زمانے میں کوئی بھی اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ پری بولی۔ ارے بیوقوف تو جھوٹ بکتا ہے۔ جب میں نے تحقیق کر لیا ہے کہ اس ولایت میں میرے شہزادے سے زیادہ خوبصورت کوئی نہیں ہے۔ تو کیا تو مجنون نہیں ہے جو اپنی شہزادی کو میرے شہزادے سے بڑھکر حسین بتا رہا ہے۔ دہنش نے عرض کی۔ شہزادی آپ کو خدا کی قسم ہے کہ میرے ساتھ تشریف لے چلیے اور اپنی آنکھوں دیکھ آئیے۔ میں بھی آپ کے شہزادے کو آنکھوں دیکھونگا۔ پھر فیصلہ ہو گا۔ میمونہ نے جواب دیا۔ پہلے کچھ شرط باندھ لو کہ اگر تمہاری شہزادی سے میرا شہزادہ اچھا ہوا تو میں جیتی ورنہ بازی تمہارے ہاتھ رہیگی۔ دہنش نے اسے منظور کیا۔ اور کہنے لگا۔ آئیے میں شہنشاہ غیور کے ہاں آپ کو لیئے چلتا ہوں۔ میمونہ نے کہا تمہاری شہزادی کا مکان بہت دور ہے۔ اور میرا شہزادہ یہیں نیچے رہتا ہے۔ پہلے اُسے آ کے دیکھ لو۔ پھر اُدھر چلینگے۔ دہنش نے کہا بہت اچھا۔ اور وہ دونوں نیچے اُتر آئے۔ اور محل میں جا کے تخت کے ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ جہاں قمر الزمان

جمال خدا نے پیدا کئے ہیں جنہیں دیکھنے سے طبیعت سیر ہونے میں بھی نہیں آتی - اسکے دل میں اس امر کا بھی تعجب تھا کہ باوجود ایسے حسین و جمیل ہونیکے قمر الزمان کے گھر والوں نے اسے کیوں ایسے خراب اور غیر آباد محل میں رکھنا پسند کیا ہے - اسکے بعد میمونہ نے اسکی پیشانی پر بوسہ دیا - اور منہ کو کپڑے سے ڈھانک کر باہر نکل آئی - پھر پر پھیلا کر آسمان کیطرف اڑ گئی اور کسی کے ہوا میں پروں کے پھڑپھڑانے کی آواز سنی - فوراً ادھر کا قصد کیا - جب نزدیک گئی دیکھا تو وہ دہنش نامی جن تھا - دہنش میمونہ کو دیکھکر کانپ اٹھا اور گڑگڑا کر کہنے لگا - معاف کیجئے - مجھے آپ کا پتہ نہ تھا - ورنہ میں خود حاضر ہو کے آداب بجا لاتا - پری نے جواب دیا - کوئی فکر نہ کرو مگر مجھے یہ بتاؤ کہ تم اسوقت کہاں سے آ رہے ہو - اور آج رات کونسا عجیب واقعہ دیکھا - دہنش بولا شہزادی! میں اسوقت ملک چین کی سرحد سے چلا آتا ہوں - وہاں کے بادشاہ کا نام غیور ہے - اسکی ایک لڑکی ہے جس کے حسن کی تعریف بیان سے باہر ہے - غیور اسے اسقدر محبت کرتا ہے کہ اسکے لئے ساری دنیا کے خزانے لوٹ کر اسنے سات محل بنوا رکھے ہیں جن میں سے ایک بلور کا ہے دوسرا سنگ مرمر کا - تیسرا فولاد کا - چوتھا سرب کا - پانچواں چاندی کا - چھٹا سونے کا - اور ساتویں پر جواہرات ہی جواہرات جڑے ہوئے دکھائی دیتے ہیں - علاوہ ازیں ہر محل فی نباہیر کے عجائبات کا ایک مجموعہ ہے - بادشاہ نے اپنی لڑکی کو جس کا نام شہزادی بدر البدور ہے حکم دے رکھا تھا کہ وہ ہر محل میں باری باری سے ایک ایک سال بسر کرے - مگر اسکے حسن کا شہرہ جب دنیا کے دور دراز ملکوں تک جا پہونچا اور ہر طرف سے پیغام آنے شروع ہوئے - بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ تم پیغام بھیجنے والوں میں سے کسے پسند کرتی ہو - تو وہ اسقدر خفا ہوئی کہ اد - او بادشاہ کو صاف صاف سنا کر کہدیا - کہ اگر آپ نے میرے ازدواج کی کوشش کی - تو میں پیٹ میں چھری کھا کے مرجاؤنگی - میں شہزادی ہوں - اور دنیا پر حکومت کرنے کیلئے پیدا ہوئی ہوں کسی کی حکومت اٹھانے سے میری طبیعت سخت متنفر ہے - یہ کلام سنکر بادشاہ کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہو گئی اسے اندیشہ ہو گیا کہ لڑکی کہیں سچ مچ ہی جان نہ کھیل جائے - جن بادشاہوں نے پیغام بھیجے تھے انکا بھی اسے خیال تھا - آخر ناچار ہو کر حکم دیا کہ شہزادی بدر البدور گھر سے باہر نہ نکلے اور نہ ہی ایک محل سے دوسرے میں جا سکے - دس بوڑھی

کیوں ہوتی - کہ والد کی بے ادبی کے جرم میں جیل کی سختیاں جھیلتا - انہی تفکرات میں اُسکا دل بھر آیا - آنکھوں سے آنسو بھر نکلے - دل جلنے لگا اور اپنے کئے پر سخت پچھتاتا تھا - پھر ہاتھ دھوکے آرام کیا - اتنے میں عشا کا وقت آ گیا - وضو کرکے نماز پڑھی اور قرآن مجید کی تلاوت کرکے وہیں تخت پر سو گیا - گلے میں قمیص تھی اور سر پر آسمانی رنگ کا پٹکا زیب دے رہا تھا - سوتے سوتے رات ڈیڑھ پہر کے قریب گذر گئی - اتفاق سے وہ برج اور محل بہت ہی پرانے تھے اور محل کے اندر ایک بہت گہرا کنواں واقع تھا - جس میں مدت سے خالی پڑے رہنے کے باعث میمونہ نام کی ایک پری رہتی تھی جو جنوں کے مشہور بادشاہ دمریاط کی بیٹی تھی - جب ڈیڑھ پہر رات آ چکی تو وہ حسب معمول عالم بالا کی سیر کے لئے کنوئیں سے باہر نکلی اور محل کے ایک کمرے میں روشنی کو دیکھکر متحیر ہوئی - کہ آج خلاف معمول یہاں کیا ہوا ہے - جو روشنی ہو رہی ہے - یہ سوچکر قدم اُس کمرے کی طرف بڑھایا

تصویر میمونہ پری کی قمر الزمان کے خواب میں بوسہ لینے کی



جہاں تخت پر قمر الزمان سو رہا تھا - اُسکا آدھا ننگا اور آدھا ڈھکا ہوا چہرہ اُسوقت چودھویں کے چاند سا دکھائی دے رہا تھا - پری آہستہ آہستہ آگے بڑھی - قمر الزمان کے منہ پر سے کپڑا اُسرکا یا اور اُسکی نورانی صورت دیکھکر کھڑی کی کھڑی رہگئی - اور بار بار گھڑی گھڑی پھر پلٹ اُسکے منہ کی طرف دیکھتی رہی - قمر الزمان کے حسن و جمال کو دیکھکر اُسے حیرانی ہو رہی تھی کہ بنی آدم میں بھی ایسے ایسے صاحب

کروں گا۔ مگر آپ بار بار وہی بات پوچھے جاتے ہیں۔ میں جانتا ہوں بڑھاپے نے آپ کے حواس ٹھکانے نہیں رہنے دئیے۔ پھر اسنے آستینیں چڑھالیں اور مارے غضب کے چہرہ لال ہوگیا۔ بھرے دربار میں بیٹے کے منہ سے ایسے ناشائستہ اور گستاخ آمیز کلمات سنکر شہرمان کو بڑی خفت ہوئی۔ اور وہ سخت غیظ میں آگیا۔ حکم دیا کہ کمبخت کی مشکیں باندھ لو اور تخت کے سامنے پچھاڑ دو۔ قمرالزمان کا سارا غصہ کافور ہوگیا۔ جب بادشاہ کے حکم کی تعمیل ہوئی۔ تو وہ بولا۔ بدذات آجتک تجھے کسی نے بھی ادب نہیں سکھایا تھا۔ اب میں سکھاؤنگا جیسی گستاخی تم نے کی ہے اگر کسی عام آدمی سے سرزد ہو جاتی۔ تو وہ قتل کا مستحق تھا۔ مگر تم اس سے بھی بڑی سزا کے سزاوار ہو۔ پھر فرمایا اسکو قلعہ کی فلاں برج میں لیجاکے بند کردو۔ وہ برج نہایت ہی تاریک تھا۔ حتیٰ کہ دن دوپہر کو بھی وہاں ہاتھ کو ہاتھ نہ دکھائی دیتا تھا۔ اسمیں ایک پرانے وقتوں کا محل بھی تھا۔ سپاہی قمرالزمان کو کشاں کشاں لیگئے اور ہاتھوں ہاتھ محل کو آراستہ کرکے اسکے رہنے کے قابل بنا دیا۔ پھر اندر بند کرکے باہر پہرہ لگا دیا گیا۔ قمرالزمان اندر تخت پر بیٹھا شکستہ خاطری کی حالت میں سوچنے لگا۔ کہ واقعی مجھ سے سخت غلطی ہوگئی ہے۔ بہتر ہوتا کہ میں باپ کی فہمایش کو مان کر بیاہ کر لیتا۔ اس قید خانے سے تو وہ قید اچھی ہی تھی ادھر شہرمان شام کے وقت تخت سے اتر کر محل میں گیا اور وزیر اعظم کو خلوت میں بلا کر کہنے لگا۔ آج بھرے دربار میں میرے بیٹے نے میری بیحد توہین کی ہے۔ تمہیں معلوم ہے۔ اسکی ذمہ داری تمہارے سر ہے۔ کیونکہ یہ رائے تم نے ہی مجھے دی تھی۔ وزیر نے جواب دیا حضرت! آپ اسے پندرہ روز تک اور جیل میں رہنے دیجئے اور دیکھئے۔ شادی پر رضامند ہوتا ہے یا نہیں۔ شہرمان نے کہا۔ اچھا دیکھ لو۔ یہ کہہ سنکر وزیر تو گھر کو چلا گیا۔ مگر بادشاہ کی محبت پدری نے جوش مارا۔ بڑا اپنے کالڑکا۔ اور وہ بھی اکلوتا۔ پھر حسین اور لائق۔ مگر بھرے دربار میں ہتک کا خیال بھی ساتھ ہی آگیا۔ اسلئے بادشاہ نے وہ رات بہت بری طرح بسر کی۔ کبھی اٹھتا تھا۔ کبھی بیٹھتا تھا۔ گویا انگاروں کے بستر پر لوٹ رہا تھا اور رات اسقدر لمبی تھی کہ کٹنے میں ہی نہ آتی تھی۔ ادھر قمرالزمان کا حال سنو جب رات ہوئی۔ نوکر نے لیمپ روشن کیا اور پھر کھانا لے آیا قمرالزمان نے دل شکستگی کی حالت میں چند نوالے زہرمار کئے اور پھر ہاتھ کھینچکر سوچنے لگا کہ سچ سچ وہ گوشت کا ٹکڑہ جسے زبان کہتے ہیں۔ دنیا میں ... ہوتا ہے۔ ورنہ آج میری یہ حالت

آزادی کو کھونا نہیں چاہتا۔ اپنا خفا ہوں یا راضی۔ میں شادی کرنے سے مرجانیکو بہتر سمجھتا ہوں۔ میں خوب جانتا ہوں کہ آپ کی فرمانبرداری میری عین سعادت ہے۔ مگر مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ خداتعالیٰ نے میری شادی آپ پر فرض نہیں ٹھہرایا۔ یہ خیال نہ کیجئے کہ میں پھر کبھی شادی کرونگا۔ نہیں میں عمر بھر اس قبیح فعل کے نزدیک بھی نہ جاؤنگا۔ کیونکہ میں کتابوں میں اُن مصیبتوں کا حال بہ تفصیل پڑھ چکا ہوں۔ جو ان بدبختوں کی بدولت علاّمہ ہائے دہر کو پہنچ چکی ہیں ؎

اگر نیک بودے سر انجام زن — زناں را مزاں نام بودے نہ زن

بیٹے کی یہ تقریر سنکر شہرمان نے قمرالزمان کو تو وداع کیا۔ اور وزیر کو خلوت میں بلاکر سارا واقعہ سنایا کہ قمرالزمان یوں ہاتھ سے جارہا ہے۔ اب بتاؤ کیا کیا جائے؟ وزیر نے جواب دیا۔ میری رائے میں آپ اُسے ایک سال تک اور بحال خود چھوڑیں۔ زاں بعد خلوت میں نہ بلائیں۔ بلکہ بھرے دربار میں بلاکر اس سے شادی کی بابت دریافت کریں۔ جبکہ سارے ارکین دولت موجود ہوں۔ میرا خیال ہے کہ پھر وہ مخالفت نہ کریگا۔ شہرمان وزیر کی صلاح سے اسقدر خوش ہوا کہ اُسے ایک بیش بہا خلعت انعام میں عطا فرمایا۔ اور ایک برس کے لئے قمرالزمان کو پھر آزاد چھوڑدیا۔ جوں جوں دن گذرتے تھے۔ قمرالزمان کی جوانی اور خوبصورتی ترقی پر تھی۔ اور باپ کا پیار بھی اُس سے بڑھتا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ وہ سال بھی گذر گیا اور مجلس شاہی منعقد ہوئی۔ ارکین دربار آکے اپنے اپنے مرتبوں پر بیٹھ گئے اور فوج پرے باندھ کر دربار کے ارد گرد کھڑی ہوگئی۔ شہرمان نے تخت شاہی پر جلوہ فرماکر نقیب کو حکم دیا۔ کہ شہزادہ قمرالزمان کو بلا لائے۔ چنانچہ نقیب شہزادے کو بڑی عزت سے دربار میں لایا۔ قمرالزمان نے بھی باپ کے سامنے تین مرتبہ خدمت کی زمین چومی اور ہاتھ باندھ کر سامنے کھڑا ہوگیا۔ باپ نے بڑے پیار سے پھر وہی سوال کیا۔ جو ایکسال پیشتر خلوت میں پوچھ چکا تھا۔ قمرالزمان نے باپ کا فرمان سنکر پہلے تو سر کو جھکالیا۔ پھر یکایک ایسے جوش میں آگیا گویا اُسے جنون لاحق ہوگیا ہے۔ اور بولا ابا جان! میں حیران ہوں آپ کی عقل کو کیا ہوگیا ہے۔ جبکہ دوبار آپ قبل ازیں مجھ سے یہی سوال کرچکے ہیں اور میں آپ کو جواب دے چکا ہوں۔ کہ اگرچہ میرا سر بھی اُتار دیا جائے۔ مگر میں ہرگز ہرگز شادی نہیں

کرنا چاہتا تھا۔ ایکدن وزیر اعظم سے مشورت کی۔ کہ عمر کا کچھ بھروسہ نہیں۔ اسلئے میں چاہتا ہوں۔ کہ شہزادے کی شادی کر دیجائے۔ اب وہ جوان ہو گیا ہے اور سمجھدار ہے۔ وہ میرے میرے بھی آخری دن ہیں۔ زندگی میں اس فرض سے جلدی سبکدوش ہو جانا ہی مناسب ہے۔ وزیر نے جواب دیا۔ آپ کا خیال بہت اچھا ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ قمر الزمان کو حاضر کیا جائے۔ وہ آیا اور باپ کے سامنے سر جھکا کے کھڑا ہو گیا۔ شہزمان نے کہا بیٹا! میں چاہتا ہوں۔ کہ میرے جیتے جی ہی تمہاری شادی ہو جائے۔ تاکہ دل میں حسرت لیکے نہ مروں تمہاری کیا رائے ہے۔ قمر الزمان بولا۔ جناب عالی! میں کچھ عرض تو نہیں کر سکتا تاہم جب آپ پوچھتے ہی ہیں۔ تو التماس ہے کہ مجھے جب آپ پوچھتے ہی ہیں۔ تو التماس ہے کہ مجھے ان زنجیروں سے معاف ہی رکھا جائے۔ اسلئے کہ میں بالطبع عورتوں کے نام سے متنفر ہوں۔ میں نے اس جماعت کے مکر اسقدر پڑھے ہیں کہ میرا جی کھٹا ہو گیا ہے۔ ماسوا اسکے کتاب پاک میں بھی کئی آیات اس بارے میں پائی جاتی ہیں۔ شہزمان کے دل پر بیٹے کی دیدہ دلیری سے ایک بجلی سی گر پڑی اور دنیا آنکھوں میں تاریک دکھائی دینے لگی لیکن وہ سب رنج والم کو اندر ہی اندر پی گیا۔ نہ کچھ بولا اور نہ ہی غصے کا اظہار کیا۔ بلکہ بیٹے پر پہلے سے بھی بڑھ کر لطف و کرم کرنے لگا۔ تاکہ کسی طرح اسکا دل پسیجے۔ مگر قمر الزمان ایک ہی کہے گیا۔ کہ مرجانا شادی کرنے کی نسبت بہت اچھا ہے

وہاں ہیں سخت باتیں یاں ہیں آنسو پہ آنسو ہر   تماشا ہے ادھر موتی ادھر پتھر برستے ہیں

غرض انہی باتوں میں پورا ایک سال گذر گیا۔ قمر الزمان نے قد و قامت اور علم و فضل میں بھی کافی ترقی کر لی۔ شہزمان نے پھر اسے طلب کیا۔ اور کہنے لگا۔ بیٹا! کیا تو میری بات نہیں مانے گا قمر الزمان نے سر جھکا کے خدمت کی زمین چومی اور بڑی انکساری سے بولا۔ خدانخواستہ آپ کی نافرمانی کرنے سے پہلے ہی میں دنیا سے اٹھ جاؤں۔ میں آپ کی نافرمانی کیسے کر سکتا ہوں شہزمان کہنے لگا تو پھر تم میری آرزو کو کیوں پورا نہیں ہونے دیتے۔ برخوردار! میں بڑا ہی مشتاق ہوں کہ تمہیں دولہن بیاہ لاتے دیکھوں اور اپنے سامنے اپنا قائم مقام بنا کے سلطنت کرتے پاؤں قمر الزمان باپ کی عنایات کا بہ دل مشکور تھا۔ مگر وہ سوچنے لگا کہ کیا جواب دونگا۔ تھوڑی دیر سر جھکائے خاموش کھڑا رہا۔ آخر بول اٹھا حضور والا! خواہ یہ نافرمانی ہی ہے تاہم میں اپنی

اور لوگوں نے شہزادے کی لاش کو مٹی کے سپرد کر کے اپنے اپنے گھروں کی راہ لی۔ جوہری جب
تک زندہ رہا۔ شہزادے اور شمس النہار کے مقبروں کی زیارت کرتا رہا۔ جب سے عاشق صادق
سمجھ کر لوگ دور دور سے وہاں آتے۔ اور ان کے مقبروں کی زیارت کر کے مستفید ہوتے رہتے
جب ملکہ شہرزاد نے اس داستان کو ختم کر لیا۔ تو دنیازاد نے اسکی بہت تعریف کی۔ اور دوسری
حکایت کی فرمایش کی۔ شہرزاد نے کہا۔ اگر کل جان بخشی ہوئی تو قمرالزمان بن شہزمان کی حکایت
سناؤنگی جو بہت ہی دلچسپ ہے۔ شہریار یہ سنکر چپ چاپ دربار کو چلا گیا اور آج بھی قتل کا
ارادہ ملتوی کر دیا۔ اگلی صبح حسب معمول گھڑی کے تڑکے دنیازاد نے شہرزاد کو جگا کر کہا کہ اپ حسب وعدہ
شاہزادہ قمرالزمان بن شہزمان کی حکایت سناؤ۔ مجھے اسکے سننے کا بڑا شوق ہے۔ شہرزاد بولی

بادشاہ شہزمان کے بیٹے قمرالزمان کی حکایت

اگلے زمانے میں ایک بادشاہ شہزمان نامی بڑا نامی اور عظیم الشان بادشاہ گذرا ہے جسکے پاس
خزانوں اور لشکروں کی کوئی کمی نہ تھی۔ مگر خدا نے بڑھاپے تک بھی اسے کوئی لڑکا عطا نہ فرمایا۔ یہ
کانٹا اس کے دل میں ہمیشہ بری طرح کھٹکتا تھا۔ اسلئے وہ بارہا وزیروں سے شکایت کر چکا
تھا کہ اگر میں مر گیا تو تمام ملک و املاک ضایع جائیگی۔ جب کوئی اسے سنبھالنے والا نہ ہوا۔ وزیر
اعظم ایکدن یہی شکایت سنکر بولا۔ والا جاہ! اس بے نیاز کی درگاہ سے مایوس نہیں ہونا چاہئے
میری رائے ہے کہ آپ ملک کے عابدوں۔ زاہدوں اور فقرا سے اس بارے میں استمداد کریں
اور خدا کی راہ پر بہت سی خیرات دیں۔ کیا عجب ہے کہ کسی مستجاب الدعوات کا تیر نکالنے لگے
بادشاہ کو وزیر کی رائے بہت پسند آئی اور خیرات کے لئے خزانوں کے منہ کھولدئے۔ خدا کا کرنا
بادشاہ بیگم کو حمل ٹھہر گیا اور پورے ۹ ماہ کے بعد وہ ایک چاند سا بیٹا جنی۔ باپ نے پیارے بیٹے
کا نام قمرالزمان رکھا۔ اور خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔ حکم دیا کہ سات دن تک شہر میں راگ رنگ
ہوتا رہے اور خرچ شاہی خزانہ سے دلوایا جائے۔ علاوہ ازیں اس موقع پر بھی بخشش کی۔ کہ
کنگال امیر بنگئے۔ قمرالزمان کی تربیت کا انتظام بھی بڑی خوشی سے کیا گیا۔ غرض لڑکے نے
بڑے ناز و نعمت میں پرورش پائی۔ حتی کہ پندرہ سال کا ہوگیا۔ وہ سچ مچ چودھویں کا چاند
دکھائی دیتا تھا۔ اور باپ کا ایسا پیارا تھا۔ کہ شہزمان ایک دم بھی آنکھوں سے اوجھل نہیں

دیکھ لیا اور رو پڑا - اور اپنے گھر لایا - لونڈی نے پوچھا سناؤ شہزادے کا کیا حال ہے - اُس نے جواب دیا وہ غریب الوطنی میں ہی چل بسا - اور مرتے دم تک شمس النہار کو نہیں بھولا - لونڈی نے کہا - اور یہی حال شمس النہار کا بھی ہوا ہے - سچ مچ دونو شہید وفا تھے - جب دونو لونڈیوں نے شکایت کی - خلیفہ نے کسی کی بات کو صحیح نہ سمجھا - اور شمس النہار پر پہلے سے بھی بڑھکر عنایات کا اظہار کیا - اور ایک اور عظیم الشان محل اُسکے رہنے کو عطا فرمایا - ایکدن شمس النہار حسب عادت بیٹھی تھی - شراب کا دَور چل رہا تھا - اور مغنیات گا رہی تھیں - خلیفہ بھی تشریف رکھتے تھے اور ایک مغنیہ نے یہ شعر بڑے درد سے گایا ؎

تو ہی اے بیکسی منالے ذرا روٹھی جاتی ہیں حسرتیں دل سے

شمس النہار فوراً غش کھاکے گر پڑی - خلیفہ نے گود میں اُٹھا لیا - دیکھا تو قفس عنصری خالی پڑا تھا - اور یہ واقع ٹھیک اُسیوقت وقوع میں آیا جب شہزادے نے شمس النہار کے فراق میں دم توڑا - خلیفہ کو شمس النہار کی موت کا بڑا رنج ہوا - اور اُسنے حکم دیا کہ سب سازطرب توڑ ڈالو - غرض وہ عشرتکدہ ایک دم میں ماتم کدہ بنگیا - اور خلیفہ رات بھر شمس النہار کے سر کو اپنی گود میں اُٹھائے بیٹھا رہا - دن چڑھا - اسکی تجہیز و تکفین کا حکم دیا - مگر کسی سے اُس کی موت کی وجہ نہ پوچھی - پھر اُسے شاہی قبرستان میں ایک عالیشان مقبرے میں دفن کیا گیا - لونڈی جوہری سے کہنے لگی - جس وقت تم شہزادہ علی بن بکار کا جنازہ لاؤ - تو مجھے اطلاع دینا - میں چاہتی ہوں کہ اگر دونو عاشق و معشوق اپنی زندگی میں ایکدوسرے کو سیر ہو کر گلے نہیں لگا سکے تو مر کر تو پاس پاس رہیں - جوہری بولا - مگر خلیفہ کی اجازت کے بغیر یہ کیسے ہو سکتا ہے - لونڈی نے جواب دیا اس طرف سے تم اطمینان رکھو - خلیفہ نے شمس النہار کی سب لونڈیوں کی تنخواہ مقرر کرکے اُس کے مقبرے میں تعین کر دیا ہے اور مجھے اُن سب پر افسر بنا رکھا ہے - پھر جوہری اُس کے ساتھ شمس النہار کے مقبرے پر گیا اور جاکے چار آنسو بہائے - پھر واپس آکے شہزادے کی ماں کے ساتھ اپنے دوست کا جنازہ لینے گیا - غرض جب شہزادے کا جنازہ بغداد میں پہنچا تو اُسکے ساتھ بیقدر خلقت جمع ہو گئی - کہ کبھی کسی جنازے کے ساتھ اسقدر آدمی نہ اکٹھے ہوئے تھے - وہ لونڈی بھی عورتوں میں بین و بکا کر رہی تھی - غرض اُسی دھوم دھام سے جنازہ قبرستان میں پہنچا

بھر کر اک آہ سرد گری گر کے مر گئی
پوچھا جو حال عشق کا گل عندلیب سے

شہزادے کے دل پر اسقدر چوٹ لگی۔ کہ وہ سہار نہ سکا۔ فوراً غش کھا کے گر پڑا۔ اور دم توڑ دیا۔
اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۔

لاش پر عبرت یہ کہتی تھی امیر
آئے تھے دنیا میں اسدن کیلئے

جوہری یہ حال دیکھکر بت بنگیا۔ مگر اسکی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری تھا۔ آخر وہ اس کے دُکھڑے کر کے صاحب خانہ سے کہنے لگا۔ میرا ساتھی چل بسا۔ اب میں بغداد کو جاتا ہوں۔ تاکہ مرنے والے کی وصیّت کو پورا کروں۔ برائے مہربانی میرے آنے تک مُردے کی خبر گیری کرنا۔ یہ کہکر با دل گریاں وہاں سے قدم اُٹھایا۔ اور بغداد پہنچکر پہلے اپنے گھر گیا۔ وہاں سے کپڑے بدلکر شہزادے کے مکان پر گیا۔ شہزادے کے نوکر چاکر اُسے دیکھکر اُٹھ پڑے اور اپنے آقا کا حال پوچھنے لگے۔ جوہری نے کہا۔ شہزادے کی والدہ کو میرے آنے کی خبر کر دو۔ میں اُسے ملنا چاہتا ہوں۔ اُنہوں نے فوراً اطلاع دی اور جوہری سے کہا۔ کہ آپ کو بُلایا گیا ہے۔ اُسنے جا کے سلام کی اور کہنے لگا۔ تقدیر سے کوئی چارہ نہیں ہے۔ اسلئے آدمی کو مرنے والوں پر صبر ہی کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ ہر شخص ایک نہ ایک دن ضرور مریگا۔ شہزادے کی ماں کا ماتھا ٹھنکا۔ اور وہ بولی میرا بیٹا تو خیر سے ہے تم نے بڑی عجیب تمہید شروع کی ہے جس سے میرا دل بلیوں اُچھلنے لگا ہے خدا کے لئے جلدی اطلاع دو۔ جوہری کچھ جواب نہ دے سکا۔ اور بے اختیار رونے لگ گیا۔ اسکی یہ حالت ملاحظہ کر کے شہزادے کی والدہ نے بھی چھاتی پیٹ لی۔ اور ہائے بیٹا! ہائے بیٹا! کہہ کے رونے لگ گئی۔ گھر بھر میں کہرام مچگیا۔ نوکر چاکر بھی دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے آخر اسکی والدہ دل پر جبر کر کے جوہری سے پوچھنے لگی۔ میرے مسافر بیٹے نے آخری وقت تمہیں کوئی وصیّت بھی کی تھی۔ جوہری نے شہزادے کی وصیّت لفظ بلفظ سُنا دی۔ پھر جوہری نے آغاز سے انتہا تک شہزادے کی ساری کہانی اُسکی والدہ کو سُنا کر کہا۔ اب آپ میرے ساتھ تشریف لیچلیں اور غریب الوطن کی لاش کو اُٹھوا کے تجہیز و تکفین کریں۔ یہ سُنکر اُسے غش آگیا۔ مگر پھر حواس ٹھکانے کر کے سفر کی تیاری کرنے لگی۔ جوہری اپنے گھر کو روانہ ہوا۔ راستے میں شمس النہار کی وہی خواص ملی۔ جو شہزادے کے لئے پیغام لایا کرتی تھی۔ مگر اب اُسکا چہرہ نہایت اُترا ہوا تھا۔ جوہری نے اسے

تصویر جوہری اور شہزادے کے مسجد میں بیٹھنے کی اور واسطے نماز کے ایک شخص اجنبی کا آنا



چلے چلو - یہ سُنکر شہزادے نے جوہری کیطرف نگاہ کی - جوہری نے کہا - یہاں ہمارا کوئی واقف نہیں جسکے پاس ہم جائینگے - دوسرے یہ اندیشہ بھی لگا ہوا ہے کہ کوئی آدمی آکے ہمیں پہچان لے مبادا پکڑے جائیں شہزادے نے کہا بہت اچھا - پھر اس شخص نے گھر سے انہیں چادریں لاکے دیں - جنہیں اوڑھ کے وہ اسکے ساتھ ہو لئے - گھر لیجاکے اُس خدا کے بندے نے دونوں کو نہلایا - اور نئے کپڑے نکال کر دئے - پھر کھانا کھلایا - اور اسکا حال دمبدم متغیر ہونے لگا - آخر جینے سے مایوس ہو کر جوہری سے بولا - اب میں کوئی دم کا مہمان ہوں - اور آپ کو دوست صادق سمجھکر وصیت کرتا ہوں کہ جس وقت میں مر جاؤں - فوراً بغداد جاکے میری ماں کو یہاں سے لے آئیو - تاکہ میرا جنازہ لیجائے اور بغداد میں لیجاکے دفن کرے کہ رونے دھونے سے کچھ نہ بنیگا - بلکہ صبر کرے - اور میرے لئے دعائے خیر مانگے - اور تم شاہد رہنا - کہ میں آخری دم تک شمس النہار کو نہیں بھولا - اتنے میں دور سے کسی عورت کے گانے کی آواز آئی - جو نہایت درد سے یہ شعر گا رہی تھی ~

ہمارے ساتھ تھیں۔ پھر اسکی تنبیہ کے لئے بھی حکم کیا۔ وہ مار کھا کے محل سے نکل بھاگی اور خواجہ سراؤں سے جا کے سب کچھ جڑ دیا۔ آج صبح دوسری لونڈی بھی ہمارے ڈر کے مبادا کہ خلیفہ کے محل میں چلی گئی اور غالباً ہمارے وہاں جا کے کیا کچھ لگا دیا کہ خلیفہ نے ہمیں خواجہ سرا بھیجے کہ حسن الہانا کو پکڑوا منگایا ہے۔ میں یہ حال دیکھ کر تمہاری طرف دوڑی آئی ہوں کہ تمہیں بھی خبر دے دوں۔ جوہری کے ہوش اڑ گئے اور روتا ہوا شہزادے کے پاس گیا۔ شہزادے نے اس قدر جلد لوٹ آنے کی وجہ پوچھی۔ اور جب جوہری نے تازہ واقعہ گوش گزار کیا۔ تو مارے رنج کے شہزادے کو غش آ گیا۔ مگر جوہری کی تدابیر سے جلدی ہوش میں آ کر پوچھنے لگا تو اب تمہاری کیا صلاح ہے جوہری نے کہا۔ یہاں سے جلد نکل چلو۔ ورنہ بڑی بے عزتی سے جان دینی پڑے گی۔ غرض تیاری کر کے دونو نکل کھڑے ہوئے۔ شہزادے نے گھر والوں کو وصیت بھی کر دی۔ اشرفیاں خچروں پر لادیں اور کچھ خادم و سپاہی ساتھ بھی لے لیے۔ تمام دن اور رات یہ قافلہ بھاگا بھاگ چلتا رہا اور بغداد سے بہت دور جا پہنچا۔ رات قریب الاختتام تھی کہ تکان کے مارے نیند آنے لگی شہزادے نے ڈیرے ڈالنے کا حکم دے دیا۔ غرض اسباب اتارا گیا اور گھوڑے خچروں اونٹوں کو باندھ دیا۔ اور سپاہ کے سب سو گئے۔ چونکہ سارے دن اور رات کی محنت کے سبب انکے جسم چور چور ہو رہے تھے۔ اسلئے پڑتے ہی ایسے بے خبر ہو کر سو گئے کہ پہرے کا بھی خیال نہ رہا۔ اتنے میں چوروں نے آ گھیرا اور جب مال و اسباب لوٹنے لگا تو انکی جاگ کھلی۔ تلواریں لیکر چل پڑے مگر تعداد میں کم ہونے کے سبب شہزادے کے سب سپاہی اور غلام مارے گئے۔ صرف شہزادہ اور جوہری کی ہی جان بچی پھر ہزار دقت اور خوشامد سے انہوں نے چوروں سے اپنا پیچھا چھوڑایا اور بھوک پیاس سے تنگ و خستہ حال وہاں سے چل پڑے۔ صبح ہونے تک وہ دونو ایک شہر کے قریب ویران سی مسجد میں جا بیٹھے سارا دن وہیں گذارا۔ رات آئی تو بھی وہیں سو رہے۔ اور دونو بھوک پیاس سے بیتاب ہو رہے تھے۔ خدا خدا کر کے دن نکلا اور اتفاق سے ایک مرد خدا وہاں آ گیا۔ پہلے تو اس نے نماز پڑھی پھر ان مظلوموں کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا۔ آپ لوگ اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔ دونو نے جواب دیا ہاں صاحب! چوروں نے سب کچھ لوٹ لیا بلکہ کپڑے بھی اتار لیئے۔ اور ہم نے مجبور ہو کے اپنے تئیں یہاں چھپایا۔ اور کل صبح سے بے آب و دانہ یہیں پڑے ہیں۔ وہ آدمی کہنے لگا تو تم میرے گھر چلو

اسقدر نقصان ہوگیا۔ اسلئے تم فوراً جوہری کے پاس جاکر شہزادے کا حال بھی پوچھ آؤ۔ بیٹے اسنے ملامت کی کہ بیگم بتا! یہ حال تو تھا۔ مگر ابھی تک تمہیں عبرت نہیں ہوئی۔ یہ سنکر بیگم تجھ پر سخت ناراض ہوئی۔ غرض میں تمہارے پاس آئی تھی۔ مگر دکان بند پاکر سوچ رہی تھی کہ تم شہزادے کے پاس چلے گئے ہوگے۔ اسلئے تمہارا انتظار کر رہی تھی کہ تم آگئے۔ اصل مطلب یہ ہے کہ بیگم نے تمہیں پیغام دیا ہے کہ تمہارا بہت کچھ نقصان ہوگیا ہے۔ اس میں غالباً بہت سی چیزیں تمہارے دوستوں کی بھی ہونگی۔ اسلئے اگر تم برا نہ مانو تو کچھ روپیہ ہم سے لیلو جس سے تم لوگوں کا نقصان پورا کر سکو۔ تو اچھی بات ہے۔ جوہری نے کہا۔ اچھا۔ ان کی عنایت کا میں بہت شکور ہوں۔ پھر جوہری لونڈی کے ساتھ محل میں گیا اور گلی میں ٹھہر گیا۔ لونڈی اندر گئی اور پانچ توڑے دینار کے لاکے اسے دیدئے۔ جوہری نے گھر آکے انہیں گنا تو پورے پانچ ہزار دینار نکلے۔ غرض ان میں سے کچھ تو اپنے دوستوں کو نقصان کا معاوضہ دیا۔ اور کچھ پاس رکھا۔ پھر شام کو شہزادے کی خدمت میں جا حاضر ہوا۔ اسکے شہزادے کی حالت بڑی رقیق ہو رہی تھی مگر جوہری کی آواز سنکے اٹھ بیٹھا اور اسے تسلی دی۔ اسنے پیغام یار کی بابت پوچھا۔ جوہری نے لونڈی کی زبانی جو کچھ سنا تھا سب من وعن کہہ سنایا۔ شہزادے نے اپنے خادموں کو حکم دیا کہ جوہری کو فرش فروش و شیشہ آلات و ظروف وغیرہ نقری و طلائی وغیرہ اسکے توشہ خانے سے عطا کئے جائیں۔ جو چوروں نے اس کے لوٹ لئے ہیں۔ جوہری نے شکریہ ادا کیا۔ اور شہزادے کے عطیہ کو اپنے گھر بھجوا دیا۔ اور رات وہیں بسر کی۔ جب صبح ہوئی۔ شہزادے سے کہنے لگا۔ لونڈی گھر میں آنے انتظار کر رہی ہوگی اسلئے اب میں چلتا ہوں۔ شہزادے نے کہا۔ جی تو تمہیں جدا کرنا نہیں چاہتا ہے۔ مگر کیا کروں سخت مجبوری ہے۔ خیر! جاؤ۔ لیکن بہت جلد واپس آجانا۔ غرض جوہری اجازت لیکے گھر آیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد وہ لونڈی بھی آگئی۔ مگر اب کے خلاف معمول وہ رو رہی تھی اور اسکے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ جوہری نے گریہ وزاری کا سبب پوچھا۔ اسنے جواب دیا جس بات کا خوف تھا۔ وہی پیش آئی۔ اب اگر تم شہزادے کی سلامتی چاہتے ہو۔ تو جسقدر جلد ہوسکے اسسے پہلے نکل جاؤ۔ جوہری نے کہا۔ آخر کوئی بات بھی تو بتاؤ۔ لونڈی نے جواب دیا۔ کل جس وقت ہم تمہارے پاس سے گئیں تو بیگم بی بی ان لونڈیوں میں سے ایک لونڈی پر خفا ہو رہی تھی جو اس رات

ہے۔ آپ کے دشمن تو کل ایسی بری حالت میں تھے۔ کہ میں مایوس ہو چکی تھی۔ بیگم نے جواب دیا شکر ہے کہ خدا نے اپنا فضل کیا۔ ورنہ میری ہلاکت میں شک ہی کیا تھا۔ بلکہ جو کچھ میرا حال ہوا ہے وہ موت سے بھی بدتر سمجھنا چاہیے۔ ڈاکوؤں نے جب ہم دونوں کو مکان سے نکالا تو مجھ سے میرا نام اور پتہ پوچھنے لگے۔ میں نے کہا کہ میں ایک معمولی مغنیہ (گانے والی) ہوں۔ پھر شہزادے سے اس کا حال دریافت کیا۔ اس نے بھی کہا۔ کہ میں ایک معمولی آدمی ہوں۔ یہ سنکر وہ ہم دونوں کو اپنے مکان کی طرف لے چلے۔ مگر راستے میں خوف سے ہمارا خون خشک ہوا جاتا تھا۔ جب ان کا مکان آگیا اور انہوں نے سب سامان کو نکال کے رکھ کر باہر کا دروازہ بند کر لیا۔ مجھ سے پوچھنے لگے۔ ایسے گرانقدر جواہرات اور زیورات معمولی مغنیہ ہرگز نہیں پہن سکتی۔ جو تم نے پہن رکھے ہیں۔ ضرور تمہارا تعلق کسی بڑے خاندان سے ہے۔ مگر میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور سمجھ لیا کہ اب یہ لوگ قتل کیے بغیر نہیں چھوڑینگے پھر شہزادے سے بھی ایسا ہی سوال کیا۔ کہ تمہارے بشرے سے جو شان ٹپک رہی ہے وہ تمہیں معمولی آدمیوں سے بالاتر بتاتی ہے۔ مگر شہزادہ بھی خاموش ہو رہا۔ فی الواقعہ ہمیں خوف تھا۔ کہ ہمارا راز آشکارا نہ ہو جائے۔ اس لیے اپنی وہ حالت دیکھکر ہمارے آنسو نکل گئے۔ ڈاکوؤں کو بھی رحم آگیا۔ اور پوچھنے لگے۔ تمہارے اس مکان کے مالک کا کیا نام ہے۔ ہم نے جوہری کا نام بتا دیا اتفاقاً ایک ان میں سے اس جوہری کو جانتا تھا۔ وہ بول اٹھا۔ ہاں میں جانتا ہوں۔ وہ ایک اور اور مکان میں رہتا ہے۔ مگر ٹھہرو۔ میں ابھی اسے تمہارے پاس لاتا ہوں۔ اسکے بعد مشورت کرکے انہوں نے ہم دونوں کو جدا جدا مکانوں میں ٹھہرایا۔ اور نہایت آرام سے رکھا۔ یہ کہکر کہ جبتک تمہارا حال نہ معلوم ہو۔ تم یہیں بے خوف ہو کر آرام کرو۔ اگلے دن شام کو وہ ڈاکو جوہری کو ہمراہ لیکر آگیا۔ اور ہمیں تسلی دی۔ پھر وہ ہمیں دریا کے کنارے پر چھوڑ گئے۔ اتنے میں پولیس کی رونڈ آگئی۔ انہوں نے ہمارا نام اور پتہ پوچھا۔ میں نے اسے اپنا پتہ بتا کے کہا۔ کہ آج میں شراب پی کر اپنی ایک سہیلی کے ہاں چلی گئی تھی کہ ڈاکوؤں نے راستے میں آکے مجھے پکڑ لیا اور یہاں پر آکے اتنے میں ہم آ گئے اور وہ بھاگ گئے۔ مہربانی کر کے مجھے محل تک پہنچا دو۔ تمہیں بہت کچھ انعام ملیگا۔ افسر رونڈ نے یہ سنکر بڑی عزت سے مجھے کشتی پر سوار کرا دیا۔ آگے تم جان گئیں۔ مگر آج دونوں کے لیے خصوصاً جوہری کے لیے میرا جی گھبرا رہا ہے۔ جس غریب کا ہماری بدولت

گذر گئی مگر ضعف و تکان کے سبب اگلے دو دن وہ گھر سے نہ نکل سکا۔ تیسرے دن جب کچھ ہوش
آئی۔ اُسنے شکر ادا کیا۔ کہ چلو خدا نے جان بچائی۔ یہی غنیمت ہے۔ پھر سیر کا ارادہ کیا۔
اور گھر سے نکلا ہی تھا کہ شمس النہار کی لونڈی آ گئی۔ اُسنے اشارے سے اپنی طرف بلا کر ایک بڑی
مسجد کی طرف قدم اٹھایا۔ پھر جوہری بھی پیچھے پیچھے ہو لیا۔ مگر اُسے خوف لگ رہا تھا۔
کہ کوئی اچھی خبر سنائے۔ جب مسجد کے دروازے پر پہنچے۔ جوہری سے کہنے لگی۔ اطمینان رکھو
میں تم سے ایک بات کہنے آئی ہوں۔ جوہری اندر گیا۔ لونڈی بھی ساتھ ہی داخل ہوئی۔ پھر
جوہری نے نماز پڑھی اور شمس النہار کا حال پوچھا۔ لونڈی نے کہا۔ پہلے شہزادے کی خبر سناؤ۔
جوہری نے جو کچھ سرگذشت تھی کہہ دی۔ لونڈی بولی جب گھر میں چور آئے ہیں میں سمجھی کہ خلیفہ کو
خبر ہو گئی اور اُسنے ہمارے گرفتار کرنے کیلئے سپاہی بھیجے ہیں۔ اسلئے میں تو اُن دو لونڈیوں
سمیت مارے خوف کے چھت پر چڑھ گئی اور کوٹھوں کوٹھوں ہوتی ہوئی ایک شریف آدمی
کے مکان سے اتر کر محل میں جا پہنچی۔ مگر اپنی بی بی کا حال میں نے پوشیدہ رکھا اور سارا دن مجھے
فکر لگا رہا۔ کہ خدا جانے وہ کیا ہوا۔ حتیٰ کہ رات آ گئی۔ اور مجھے اسکی کوئی خبر نہ ملی۔ ناچار سمندر
کی طرف کا دروازہ کھول کر میں نے ملاح سے کہا کہ بیگم شام سے سیر کرنے گئی ہوئی ہیں۔ اب تک
نہیں آئیں۔ خدا جانے کیا بات ہوئی۔ مجھے کشتی پر بٹھا کے ذرا دریا میں تو لے چل تاکہ انہیں تلاش
کیا جائے۔ یہ سنکر ملاح نے مجھے کشتی پر بٹھا لیا۔ آدھی رات تک ہم وہاں گھومتے رہے مگر کوئی
پتہ نہ لگا۔ رستے میں مجھے دور سے ایک کشتی اپنی طرف آتی دکھائی دی۔ جب قریب آئی دیکھا
کہ اس میں ایک مرد اور ایک عورت بیٹھے ہیں۔ اور ایک ملاح کھینچ رہا ہے۔ جب غور کیا۔ تو وہ
شمس النہار تھی میں نے اُسے فوراً اپنی کشتی پر لیا اور گھر لائی۔ اندر آ کے شمس النہار نے مجھے حکم دیا
کہ ایک ہزار دینار کا توڑا اُس آدمی کو دے آؤ جو باہر کشتی پر بیٹھا ہے۔ میں حسب الحکم ایک توڑا
غلاموں سے اٹھوا کے لیگئی۔ اور اُسے جا دیا۔ وہ رات بیگم نے بڑی خراب حالت میں گذاری
جب صبح ہوئی میں نے سب کو منع کر دیا کہ کوئی پاس نہ جائے۔ بیگم بیمار ہیں۔ اگلے دن جب کچھ افاقہ
آیا۔ تو دیکھا کہ اُسکا رنگ زرد ہو رہا ہے۔ میں نے غسل کرایا۔ کپڑے بدلوائے اور کھانا کھلا کے
تھوڑی سی شراب بھی دی۔ جب بدن میں کچھ سکت آئی تو میں نے پوچھا۔ بیگم صاحبہ آپ کیا حال

میں سے ہیں۔ کل رات ہمارے گھر میں ڈاکہ پڑا تھا اور وہ جو کشتی کھینچے جا رہے ہیں یہی ڈکیت ہیں۔ یہ ہم کو بھی گرفتار کر لیگئے تھے۔ آج بہ ہزار دقت ان سے چھٹکارا ہوا ہے۔ افسر روند نے جوہری کو تو چھوڑ دیا اور اب شہزادے کی طرف متوجہ ہوا۔ مگر وہ کچھ نہ بولا۔ بلکہ شمس النہار نے آگے بڑھ کر افسر کے کان میں کوئی بات کہی جسے سنتے ہی وہ فوراً گھوڑے پر سے اُتر آیا اور ادب سے آداب بجا لایا۔ پھر شمس النہار کو اپنے گھوڑے پر سوار کیا اور شہزادے و جوہری کو دوسروں سے دو گھوڑے دلوائے۔ اور تینوں کو کشتیوں کے پتن پر لے آیا۔ وہاں فوراً دو کشتیاں تیار کرائیں۔ ایک پر اپنے ساتھ شمس النہار کو سوار کرایا۔ اور ایک پر پہلی تھیلیوں سمیت جوہری اور شہزادے کو بٹھا دیا۔ ملاح حسب الحکم کشتیوں کو دار الخلافت کی طرف سے لیچلے۔ مگر شہزادے اور جوہری کا دل خوف کے مارے بیٹھا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ محل شاہی قریب آگیا۔ اور شمس النہار اُتر کر اندر چلی گئی۔ پھر ملاح نے جوہری اور شہزادے کو ایسی جگہ اُتارا۔ جہاں سے وہ بسہولت اپنے گھر پہنچ سکیں۔ افسر روند کے حکم سے چند سپاہی بھی اُنکے ساتھ گئے جو انہیں جاکے شہزادے کے گھر پہ چھوڑ آئے۔ اسوقت وہ دونو ایسے بُرے حال میں تھے کہ تن بدن کی بھی ہوش نہ تھی۔ اسی حالت میں صبح ہو گئی۔ جوہری اپنے گھر گیا جب دن ہو لیا شہزادہ مارے رنج والم کے بیہوش ہوکے گر پڑا۔ اس کے گھر والے رونے پیٹنے لگ گئے۔ اور ایک آدمی کو جوہری کے گھر کو دوڑایا۔ کہ شہزادے کو کیا ہو گیا ہے۔ کچھ پتہ ہو تو اطلاع دے جوہری آیا اور کہنے لگا۔ اطمینان رکھو۔ ابھی شہزادے کو افاقہ ہوا جاتا ہے اور وہ ہی اپنا حال سنائیگا۔ پھر جوہری کو اپنے پاس لیگئے۔ جوہری کی آواز سنکر اُسنے آنکھیں کھولدیں۔ اور اشارے سے حال پوچھا۔ اُسکے متعلقین خوش ہوئے۔ اور جوہری سے باصرار کہنے لگے۔ کہ تم تھوڑی دیر اسکے پاس ہی ٹھہرو۔ غرض وہ آدھی رات تک وہاں رہا۔ پھر شہزادے کے دو غلاموں کو ہمراہ لیکے اپنے گھر آیا۔ جوہری کے رشتہ دار اُسے دیکھکر بہت خوش ہوئے اور حقیقت حال دریافت کرنے لگے۔ جوہری نے کہا پہلے بتاؤ۔ کوئی شخص میرا اسباب بھی یہاں چھوڑ گیا ہے اُسکے گھر والوں نے جواب دیا۔ ہاں! ایک آدمی آیا تو تھا۔ مگر ہم نے اسکا منہ نہیں دیکھا اور وہ صحن میں اسباب رکھ کے یہ جا وہ جا ہو گیا۔ یہ سُنکر جوہری کو تسلی ہوئی اور بقیہ رات آرام سے

انہوں نے کچھ اپنا پتہ نہیں بتایا اور نہ ہی ہم نے انکو اکٹھا ہونے دیا ہے تاکہ ہمیں انکا حال پوچھنے
کی بھی جرأت نہیں پڑی۔ اِسلئے کہ اُنکے چہروں سے ایک رعب حسن ٹپک رہا ہے اور یہی باعث
اُن کے بچاؤ کا بھی ہوا ہے ورنہ کب کے قتل ہوگئے ہوتے۔ اب ہم تم سے اُن کا حال دریافت
کیا چاہتے ہیں۔ اور تم اطمینان رکھو کسی کو ذرا بھی راز نہ پہنچے گی۔ یہ سُنکر جوہری کے کانوں تو لہو
نہیں۔ بدن میں غش والی حالت ہوگئی اور کہنے لگا۔ گذرا ہوا وقت ہاتھ نہیں آتا۔ اس لئے
میں اُنکا راز ظاہر کرتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ مگر اُمید ہے کہ وہ تمہارے دلوں میں میری ہی
طرح محفوظ رہیگا۔ پھر علی بن بکار اور شمس النہار کے عشق کا سارا حال کہہ سُنایا۔ وہ بڑے
حیران ہوئے اور معذرت کرنے لگے۔ کہ اگر ہمیں اُنکے رتبوں کا علم ہوتا۔ تو ہرگز ایسی گستاخی
ہم سے سرزد نہ ہوتی۔ پھر وہ ایک ایک کرکے دونوں کے قدموں پر گرے اور عذر تقصیر کیا۔
پھر جوہری سے بولے ہم کمال نادم ہیں کہ آپ کا تمام اسباب واپس کرنا ناممکن ہے اسلئے
کہ اس میں بہت کچھ ہمارے ساتھی لیگئے ہیں۔ پھر باقیماندہ اسباب جوہری کو دیدیا۔ اور
وعدہ کیا کہ رستہ ہم تمہارے گھر پہنچا آئینگے۔ اور جب باقی کا ملیگا وہ بھی واپس کرینگے۔
پھر اُنکی دو جماعتیں ہوگئیں۔ ایک شاہزادے کے ساتھ ہوئی اور دوسری جوہری کے
ہمراہ اور تینوں سے وعدہ لے لیا۔ کہ اُن کا راز کسی پر ظاہر نہ کیا جائیگا۔ اس کے بعد
جوہری شہزادے سے شمس النہار اور اسباب کو لیکر دریائے دجلہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جوہری
نے شہزادے سے راستے میں پوچھا۔ یاقوت کیا کہ شمس النہار کی لونڈی اور تمہارے نوکر کہاں گئے
اُنکا بھی کچھ پتہ ہے۔ مگر دونوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ اتنے میں یہ ساری جماعت اُسجگہ پہنچ گئی
جہاں کشتی اتری تھی۔ جوہری نے دیکھا تو یہ وہی کشتی تھی جسپر وہ کل آیا تھا۔ سب کے سب
اُسپر بیٹھ گئے۔ ملاح نے زور زور سے کھینچکر بہت جلد اُسے پار لگا دیا اور سب کے سب
کشتی پر سے اُسپر بیٹھ گئے۔ ملاح نے زور زور سے کھینچکر بہت جلد اُسے پار لگا دیا اور
سب کے سب کشتی پر سے اتر آئے۔ اتنے میں روند کے سپاہیوں کے گھوڑوں کے ٹاپوں
کی آواز آئی اور وہ ڈاکو دوڑ کر کشتی پر سوار ہوگئے اور شہزادہ شمس النہار و جوہری کو پولیس
والوں نے گرفتار کر لیا۔ پہلے وہ تینوں ڈرے۔ آخر جوہری بولا۔ صاحب! ہم شہر کے شرفا

دروازے پر کھڑے ہونیکی اطلاع دی - کہ میں اُسے نہیں پہچانتا اور وہ آپ کو ملنا چاہتا ہے - جوہری باہر گیا - مگر بہتیرا سوچا - اُسے پہچان نہ سکا - تاہم اُسے اندر لیے آیا - جوہری نے پوچھا آؤ - کس طرح آئے ؟ جواب ملا - مجھے تم سے ایک بات کہنی ہے - مگر اپنے دوسرے گھر کو چلو - جوہری بولا کیا تمہیں میرے دوسرے گھر کا بھی پتہ ہے - اجنبی نے کہا - مجھے سب کچھ معلوم ہے اور میں تم کو ایک ایسی خبر بھی سناؤ نگا جو تمہارے سب غم والم کو دور کر دیگی - یہ سُنکر جوہری اُسکے ساتھ ہولیا اور وہ اُسے اُس مکان میں ایسی راہ سے لیگیا جس کا جوہری کو بھی علم نہ تھا - پھر بولا - یہاں کوئی دربان نہیں - اسلئے اسجگہ ٹھہرنا خطرناک ہے - چلو کہیں اور جگہ چلیں - جوہری بھی ساتھ ہولیا - اور پیچ در پیچ گلیوں سے گذر کر دریا کے کنارے جا پہنچے - اب رات کی اندھیاری بھی چھا چلی تھی - کنارے پر پہنچکر اجنبی نے سیٹی دی - اور فوراً ایک کشتی آحاضر ہوئی ملاح نے دونو کو اسپر چڑھا لیا اور کشتی کو کھینچکر بہت جلد دوسرے کنارے پر جا اُتارا - پھر اجنبی نے جوہری کا ہاتھ پکڑا اور ایک ایسی غیر معروف گلی میں لیگیا جسے جوہری نے عمر بھر میں کبھی نہ دیکھا تھا - اور ایک دروازے پر پہنچکر دستک دی - دروازہ کھل گیا اور جب دونو داخل ہولئے - پھر بند کر کے مقفل کر دیا گیا - اجنبی جوہری کو ایک کمرے میں لیگیا - جہاں دس آدمی اور بھی بیٹھے تھے - جو ظاہری برتاؤ سے آپس میں بھائی بھائی معلوم ہوتے تھے - جوہری اور اُس کے ساتھی نے سب کو سلام کیا - اُنھوں نے بھی جواب سلام کا دیکر بیٹھنے کا اشارہ کیا - جوہری بیٹھ تو گیا - مگر کثرت سفر سے بہت تھک گیا تھا - اُنھوں نے عزت سے جوہری پر گلاب چھڑکا - اتنے میں کھانا بھی آگیا - جب فراغت ہو چکی تو سب کے سب ایک اور کمرے میں آبیٹھے - پھر وہ جوہری سے پوچھنے لگے کیا تم ہمیں پہچانتے ہو - جوہری نے انکار کیا - وہ بولے - مگر ہمیں تمہارا سب حال معلوم ہے اور اب تمہاری زبان سے بھی سننا چاہتے ہیں - لیکن جھوٹ بولے تو یاد رکھنا - جوہری نے کہا - میرا حال بڑا عجیب ہے - مگر پہلے تم بیان کرو - کہ تم میری نسبت کیا جانتے ہو - وہ بولے - کل ہم نے تمہارا گھر لوٹا تھا - اور تمہارے مہمانوں کو اپنے ہمراہ لے آئے تھے - یہ سنکر جوہری کو یقین ہو گیا کہ یہ وہی ڈاکو ہیں - اور بیتاب ہو کر پوچھا تو اب وہ میرے مہمان کہاں ہیں - اُنھوں نے اشارے سے بتایا - کہ وہاں آرام کر رہے ہیں - مگر

تصویر قزاقان مسلح کی



میرے بھائی ہو۔ اب مجھے مشورت دو۔ کہ کیا کروں۔ اسباب کے لیے تو میں اپنے دوستوں سے مشورت کر بھی لونگا۔ اور جب وہ تو یہ سن لینگے کہ میرے گھر میں ڈاکہ پڑا ہے۔ تو آپ ہی مجھے معذور سمجھینگے۔ مگر اپنے مہمانوں کو اب کہاں سے ڈھونڈوں۔ ہمسایہ نے جواب دیا۔ تم اب چپ چاپ گھر جا بیٹھو۔ انہی ڈاکوؤں نے خلیفہ کے محل میں بھی چند روز پہلے ڈاکہ ڈالا تھا اور قاضی کا گھر بھی انہوں نے ہی لوٹا تھا۔ اب شاہی گارد کے سپاہی ہر طرف انکی تلاش میں ہیں کیا تعجب ہے۔ کہ وہ جلد پکڑے جائیں اور تمہارا مقصد خود بخود حاصل ہو جائے۔ جوہری ہمسائے کا مشورہ سنکر گھر جا بیٹھا اور سوچنے لگا۔ ابوالحسن نے بہت عقلمندی کی کہ بصرے کو چلا گیا مگر اپنی بیوقوفی سے میں خود بلا میں پھنسا۔ دیکھیے کیا انجام ہوتا ہے۔ اتنے میں اسکے گھر کے لوگ جاننے کی خبر سارے شہر میں مشہور ہو گئی۔ لوگ ہر طرف سے اظہار افسوس کے لیے آنے لگے۔ وہ روتا تھا اور نہ کچھ کھاتا تھا نہ پیتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد غلام نے ایک آدمی کے

گھر کی کایا کو پلٹا ہوا دیکھکر حیران ہوئی۔ پھر کہا کہ میں بی بی کو لاتی ہوں۔ تم اب شہزادے کو بلا لاؤ۔ جوہری نے کہا شہزادے کو بھی تم ہی لاؤ۔ وہ گئی اور بڑی احتیاط سے شہزادے کو وہاں سے آئی جسنے عزت کیساتھ اُسے مسند پر بٹھایا اور اُسکے سامنے کچھ کھانے کو رکھا۔ لونڈی گھر کو چلی گئی اور شام کے وقت جب اندھیرے نے دنیا پر اپنی چادر پھیلائی۔ بی بی کو ساتھ لیئے ہوئے آئی۔ شہزادہ شمس النہار کی شکل دیکھتے ہی اُٹھا۔ مگر جوش اشتیاق میں غش کھاکے گر پڑا۔ جب ذرا ہوش آئی دونو گلے ملے اور مسند پر بیٹھکر راز و نیاز اور پیار و محبت کی باتیں کرنے لگے۔ جوہری کی مہربانی کا بھی شکریہ ادا کرتے جاتے تھے۔ پھر دونو نے ملکے کھانا کھایا اور شراب پیا۔ جب فراغت پا چکے شمس النہار نے جوہری سے کہا۔ میں آپکی کمال مہربانی کی کمال ممنون ہوں۔ لیکن اگر کوئی ساز ہو تو لا دیجئے۔ میں بجاکے دردِ دل ظاہر کرونگی۔ جوہری نے ایک ستار لاکے سامنے رکھدیا جسے ٹھیک کرکے شمس النہار نے بجانا شروع کیا۔ اور ایسی چابکدستی دکھائی کہ سمین باندھ دیا۔ اور جب اس شعر پر پہنچی اُسکی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے ؎

خواہم کہ بران سینہ ستم سینۂ خود را　　　تا دل بتو گوید غم دیرینۂ خود را

غرض جب گانا ہو چکا تو جوہری اُنکو وہاں چھوڑکر اپنے سکونتی مکان میں چلا گیا۔ رات وہیں بسر کی۔ جب صبح ہوئی۔ نماز پڑھکے اور قہوہ پی کر چاہتا تھا کہ شہزادے اور شمس النہار کی خبر لے کہ اتنے میں اُسکا ہمسایہ آگیا۔ اُسکے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ اور وہ تھر تھر کانپ رہا تھا اور کہنے لگا۔ کل رات تمہارے دوسرے گھر میں جو واقعہ گذرا اُس سے تمہیں کچھ نقصان تو نہیں پہنچا۔ میں نے کہا مجھے تو کسی واقعہ کی خبر نہیں۔ اُسنے جواب دیا۔ تو افسوس ہے۔ کل شام کو میں نے تمہیں دوسرے گھر میں اسباب لیجاتے دیکھا تھا۔ رات وہاں چور پڑے تھے معلوم ہوتا ہے۔ سب سامان لیگئے اور تمہارے مہمان کو بھی قتل کر گئے جوہری کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ وہ فوراً اُٹھا۔ اور اُس مکان کو گیا مگر چور وہاں کچھ چھوڑ گئے ہوتے تو نظر آتا۔ ناچار سر پیٹ کے بیٹھ گیا۔ مال و اسباب کے جانیکا اُسے فکر تھا ہی کہ دوستوں سے مستعار لیا تھا۔ اب اُسکو کیا منہ دکھائیگا۔ مگر شہزادے اور شمس النہار کے گم ہونے نے تو اُسکے ہاتھوں کے طوطے اُڑا دئیے۔ پھر اُسی ہمسایے سے پوچھنے لگا۔ تم

اور شہزادہ علی بن بکار کی طرف۔ یہ خوشخبری سنانے کے لئے روانہ ہوا۔ جب اسکے مکان پر پہنچا غلام اسے شہزادے کے پاس لے گئے۔ دیکھا کہ غریب صاحب فراموش ہو رہا ہے۔ آواز دی۔ شہزادے کیا حال ہے۔ علی بن بکار نے جواب دیا۔ تپ فرقت میں مرتا ہوں اور کیا حال بتاؤں۔ جوہری نے جواب دیا جب سے میں تم سے جدا ہوا ہوں۔ اسی فکر میں میری بھی آنکھ نہیں لگی کل لونڈی شمس النہار کی میرے مکان پر آئی تھی۔ تسلی رکھو۔ اب کوئی نہ کوئی تدبیر تمہاری ملاقات کی بھی نکل ہی آئیگی اور مجھے یقین ہے کہ شربت دیدار کے بغیر تمہارا تپ نہیں اتر سکتا۔ میرے سکونتی مکان کے جنوب میں میرا ہی ایک اور فراخ مکان بھی ہے۔ وہیں باہم ملانے کی تجویز کی ہے۔ شہزادے نے خوش ہو کر اسکا شکریہ ادا کیا۔ اور کہا۔ تم مالک ہو جس طرح چاہو کرو۔ اب مجھے یقین ہوا ہے کہ میں اپنی مراد کو پہنچ جاؤں گا۔ جوہری نے رات وہیں بسر کی۔ اور صبح کی نماز پڑھ کے اپنے گھر آیا تھوڑی دیر کے بعد وہ لونڈی بھی آ گئی۔ جوہری نے اسے شہزادے کی حالت زار سنا کے کہا جس طرح ہو سکے خدا کے لئے اپنی بی بی کو یہاں لاؤ۔ لونڈی بولی۔ تم کہتے تو سچ ہو۔ میری بی بی بھی شہزادے کے لئے تڑپ رہی ہے۔ مگر تمہارا مکان اسکے قابل نہیں ہے۔ جوہری نے کہا۔ میرا ایک مکان اور بھی تو ہے۔ جس میں صرف وقتاً فوقتاً میرے دوست ہی اکٹھے ہوا کرتے ہیں۔ وہ ہر طرح کی رہایش کے قابل ہے۔ تم چل کے اسے دیکھ ہی نہ لو۔ پھر وہ اس دوسرے گھر میں گئے جسکا ذکر جوہری نے شہزادے سے بھی کیا تھا۔ لونڈی نے اسے پسند کیا۔ اور کہا۔ اب میں اپنی بی بی کے پاس جاتی ہوں۔ اور جو تم نے کہا ہے اسے جا کہتی ہوں۔ یہ کہہ کے وہ شمس النہار کے پاس آئی۔ شمس النہار نے بھی اسکے پسند کیا اور اشرفیوں کی ایک تھیلی جوہری کو بھیجی کہ اس سے سامان ضیافت مہیا کر رکھنا۔ لونڈی نے شمس النہار کا حکم سنا کر جب تھیلی پیش کی تو جوہری نے اسکے لینے سے انکار کیا اور کہا۔ کہ ان کا دیا یہاں بہت کچھ ہے۔ لونڈی یہ سنکر اشرفیاں اپس لے گئی اور بی بی کے سامنے جا کے رکھدیں کہ وہ انہیں نہیں لیتا۔ ادھر لونڈی گئی اور ادھر جوہری نے دوستوں سے سامان آرایش عاریتاً لیکے مکان کو آراستہ کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ جھاڑ۔ فانوس شیشہ گری۔ ظروف نقرئی و سنہری۔ مسند قالین انواع و اقسام کے کھانے شراب اور میوے۔ غرض ہر چیز نہایت قرینے سے لگا لی گئی۔ لونڈی پھر آئی۔ اور کہا جلد

ہاں! اگر تمہاری بی بی صاحبہ مجھے دیکھنا چاہتی رہی ہیں تو انہیں جاکے سمجھا دو کہ مجھ سے کسی ایسی جگہ ملیں جو شاہی محل سے دُور ہو۔ میں وہاں نہیں جا سکتا۔ لونڈی نے بہتیری دلیری دلائی چاہی مگر جوہری نے ایک بھی نہ سُنی۔ آخر لونڈی نے کہا۔ اچھا! اگر تم وہاں نہیں چل سکتے تو یہیں ٹھہرو میں اپنی بیگم کو یہیں لئے ہوں یہ کہکر باہر نکل گئی اور تھوڑی دیر بعد آکے پوچھنے لگی۔ تمہاری لونڈیاں غلام کہاں ہیں؟ جوہری نے جواب دیا۔ کہ میرے ہاں ایک ہی بڑھیا کالی بھجنگا لونڈی ہے جو میری خدمتگار رہی ہے اور کوئی نہیں۔ لونڈی نے یہ سُنکر ہر طرف کا دروازہ مقفل کر دیا جہاں وہ بوڑھی لونڈی رہتی تھی اور سب غلاموں کو باہر نکال دیا۔ یہ سب انتظام کرکے آپ بھی وہاں سے نکل گئی اور تھوڑے عرصہ کے بعد ایک پردہ دار عورت کو ہمراہ لئے اندر آئی۔ اسکے اندر قدم رکھتے ہی سارا مکان جھمک اٹھا۔ جوہری تعظیم کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا اور بیٹھنے کے لئے کرسی آگے۔ وہ بی بی تھوڑی دیر تک چپ رہی۔ پھر آرام کرکے نقاب اتار دیا۔ جوہری نے اسکے حسن و جمال کو دیکھکر خیال کیا کہ اسکے مکان میں سورج نکل آیا ہے۔ پھر وہ بی بی اپنی لونڈی سے مخاطب ہوئی جس کا ذکر آنے کا مجھ سے کیا تھا۔ لونڈی نے کہا۔ ہاں حضور؟ یہ سُنکر وہ بی بی جوہری کی طرف مخاطب ہوئی کہ آپ کا کیا حال ہے۔ جوہری نے دعا دی اور عرض کیا کہ خدا کا فضل ہے۔ پھر بال بچوں کی خیریت پوچھی اور کہا جس مقصد کے لئے میں یہاں آئی ہوں یقیناً اس سے تمہیں آگاہی ہوگی۔ جوہری نے شکریہ ادا کرکے سب حال کہہ سنایا کہ کیونکر ان دونو کے درمیان عشق کا راز اسپر کھلا۔ وہ بی بی ابوالحسن کے چلے جانے پر افسوس ظاہر کرنے لگی کہ دُنیا بڑی خود غرض ہے اور باتوں میں ٹال دینا چاہتی ہے مگر کوئی راحت سختی کے بغیر نصیب نہیں ہو سکتی۔ خیر اب ہماری عزت اور ہمارا پردہ آپ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ یہ میری لونڈی محرم راز ہے اسی لئے میں اسے سب سے عزیز سمجھتی ہوں اور خاص کام اسی کے سپرد کر رکھے ہیں۔ آپ بھی اسے نہایت معتبر پائیں گے کوئی بات ہمارے متعلق ہو بلا تامل اسے کہدیجیے۔ یہی شہزادے کے لئے میرا پیغام لیکے آپکے پاس آیا کریگی۔ اور پھر آپ کو وسیلہ بننا ہوگا۔ زیادہ میں کچھ نہیں کہنا چاہتی۔ تم خود ہی دانا ہو۔ یہ کہکر اُٹھی۔ جوہری بھی دروازے تک وداع کرنے آیا اور جب واپس آکے اپنی مسند پر بیٹھا تو اُسکے حسن و جمال کو یاد کرکے کہنے لگا۔ شہزادہ کیوں نہ ایسا بے قرار ہو۔ پھر کھانا کھایا

شہزادے کے عشق کی داستان من و عن سنادی - جوہری بولا تم نے سچ کہا مجھے بھی یہ سب ایسا ہی معلوم ہے جیسا کہ تم کو - پھر جوہری نے شہزادہ علی ابن بکار سے ملنے - اسکا دل لینے اور لونڈی سے اعتراض کی ساری کیفیت بیان کی - جسے سنکر لونڈی کو اطمینان ہوا - اور جوہری سے رقعہ لیکر شہزادے کی طرف چلی - مگر رقعہ دینے سے پہلے جوہری نے وعدہ لے لیا تھا کہ شہزادہ جو کچھ جواب دیگا مجھے بھی دکھائی جائیگی - غرض وہاں سے جلد لوٹ آئی اور جو جواب لائی تھی - جوہری کو بھی دکھا دیا - جوہری کو شہزادے کے خط کا مضمون پڑھکر بڑا رحم آیا - پھر لونڈی نے کہا کل تم گھر میں ہی ٹھہرنا - میں چاہتی ہوں کہ اپنی بیگم سے بھی تمہارا تعارف کرادوں - اور تمہاری نسبت اُسنے میں نے جو کچھ پہلے ناواقفی کی حالت میں غلط بیان کیا تھا اُس کی تلافی کروں نیز وہ میری سخت منتظر ہوگی - یہ کہکر وہ تو چلدی اور جوہری کو رات بھر تشویش کے مارے نیند نہ آئی - جب صبح ہوئی نماز سے فراغت پاکر اسکا منتظر بیٹھا - اتنے میں وہ بھی آگئی اور اب اُسکے چہرے سے فرحت ٹپکا رہی تھی - اندر قدم رکھتے ہی جوہری نے پوچھا - کہو کیا خبر ہے ؟ لونڈی بولی - جب میں تمہارے پاس سے گئی - رقعہ جاکے پیش کردیا - اُسے پڑھکے بیگم متفکر ہوئی شہزادے نے لکھا تھا کہ ابوالحسن بصرے کو چلا گیا ہے - مگر میں نے سمجھا دیا کہ بیگم صاحبہ ! آپ بخت ہیں - میں نے ابوالحسن کا نعم البدل پالیا ہے - جو رازداری اور امداد میں ابوالحسن سے زیادہ مفید ہوگا - بلکہ میں نے تمہارے اور ابوالحسن کے درمیان جو تعلق تھا وہ بھی ظاہر کردیا اور یہ بھی بتادیا کہ تم کیونکر شہزادے تک پہنچے - اور مجھ سے تمہاری کیونکر واقفیت ہوئی - مجھ سے رقعے کا گرنا اسکا رستے پانا - اور ہمارے مابین جو قرارداد ہوئی تھی - وہ سب میں نے اپنی مالکہ سے گوشگذار کردی اور اب وہ تمہیں دیکھکر تمہارے منہ سے یہ سب باتیں سننا چاہتی ہے - اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں اس بارے میں تاکید کرے - پس اب تم میرے ساتھ محل کی طرف چلو جوہری لونڈی کی آخری بات سنکر سوچنے لگا کہ میرا محل میں جانا سخت خطرناک ہے - اس لئے لونڈی سے بولا - تمہاری بی بی مجھے ابن طاہر کی طرح محل میں بلاتی ہیں - لیکن کیا انہیں معلوم نہیں کہ ابن طاہر کو دارالخلافت میں سب چھوٹے بڑے جانتے تھے اور پہچانتے تھے - میں ابوالحسن نہیں ہوں - محل میں اجنبی محض ہوں - اسلئے میرا وہاں جانا سخت نامناسب ہے -

شکریہ ادا کر کے ساری کیفیت گوش گزار کر دی۔ پھر تھوڑی دیر تک خاموش رہا۔ گویا اس امر کا فیصلہ دل ہی دل میں کر رہا ہے۔ آخر کہنے لگا کیا تم جانتے ہو کہ اس لونڈی نے تمہاری بابت مجھ سے کیا کہا تھا۔ جوہری بولا خدا کی قسم مجھے بھی علم نہیں ہے۔ شہزادے نے جواب دیا مجھ سے کہتی تھی کہ اس شخص نے ابو الحسن کو بصرے کی طرف چلے جانے کی صلاح دی ہے میں نے اُسے سمجھایا بھی کہ یہ خیال غلط ہے۔ مگر اُس نے ایک نہ مانی۔ اور وہ تم سے سخت بدگمان ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس امر خاص میں تمہیں کیونکر واسطہ بنایا جائے۔ جوہری بولا میں نے آپ کا مقصد سمجھ لیا مگر اطمینان رکھیں۔ انشاء اللہ کوئی نہ کوئی تدبیر ہو ہی جائیگی۔ کہ میں آپ کو حصول مراد کیلئے پوری پوری مدد دونگا۔ شہزادے نے کہا۔ مگر جب وہ تم سے اسقدر نفرت رکھتی ہے تو تم تدبیر کیا کرو گے۔ جوہری نے جواب دیا۔ دیکھتے جائیے۔ پردہ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ کوئی تدبیر اس سے راہ و رسم بڑھانے کی کرونگا ہی جس سے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی کو بھی ایذا نہ پہنچے مگر آپ بالکل بے فکر رہیے۔ آپ کا راز میرے جان کے ساتھ ہے۔ پھر گھر جانے کی اجازت مانگی شہزادہ رو پڑا اور التجا کی۔ کہ اب ابو الحسن کی جگہ تم ہی میرے غمخوار ہو۔ دیکھنا بھول نہ جانا۔ غرض جوہری وہاں سے گھر کو روانہ ہوا اور رستے میں سوچتا آتا تھا کہ اس بارے میں اب کیا کرنا چاہئے۔ بڑی مشکل بن گئی ہے کہ اتنے میں اسکی نظر کاغذ پر پڑ گئی۔ اُٹھایا اور پڑھا تو وہ ایک رقعہ تھا جس کا مضمون راز و نیاز سے بھرا تھا۔ جوہری ابھی اُسے ختم نہ کر چکا تھا۔ کہ ایک لونڈی اِدھر اُدھر کچھ تلاش کرتی وہاں آگئی اور جوہری کے ہاتھ میں رقعہ دیکھکر بولی۔ صاحب یہ رقعہ مجھ سے گر پڑا ہے۔ اگر عنایت ہو جائے تو مہربانی ہوگی۔ مگر جوہری نے کچھ جواب نہ دیا اور چپ چاپ گھر کو قدم اُٹھایا۔ لونڈی بھی پیچھے پیچھے ہولی حتی کہ وہ تو گھر میں جا پہنچے۔ اور لونڈی نے پھر وہی بات کہی۔ جوہری بولا بہت درست مگر مجھے سچ سچ سارا حال بتا دو۔ اور میں تمہیں حلف اُٹھا کے یقین دلاتا ہوں۔ کہ مجھ سے تمہاری بیگم کا حال پوشیدہ نہیں ہے۔ بلکہ قریب ہے کہ میرے ہاتھ سے اُنکی مشکلات سہل ہو جائیں۔ لونڈی یہ باتیں سُنکر کچھ سہم سی گئی۔ مگر پھر بولی۔ مجھے اطمینان ہے کہ آپ نے اس راز کی کماحقہ حفاظت کی ہے۔ میں اب آپ سے راضی ہوں اور آپ کو سب سُنا دیتی ہوں۔ لیکن آپ مجھے یہ رقعہ دیدیں۔ پھر جوہری کو شمس النہار اور

پھر شہزادے نے سر جھکا لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد خادم کو آواز دی۔ اور فرمایا۔ کہ ذرا ابوالحسن کے گھر تک تو جاؤ۔ اور پوچھ آؤ۔ کہ وہ یہیں ہے یا کہیں گیا ہوا ہے۔ اگر کہیں کو کہیں کو چلا گیا ہوا ہے تو یہ بھی پوچھ آنا۔ کہ کہاں گیا ہے۔ نوکر ابوالحسن کے گھر کو روانہ ہوا۔ اور تھوڑی دیر بعد آکے جواب دیا۔ کہ وہ تو بصرہ کو چل دیا۔ لیکن اسکے دروازے پر میں نے ایک لونڈی کو کھڑا پایا۔ جس نے مجھے پہچان لیا۔ مگر میں نے اسے ہرگز نہیں پہچانا۔ کہنے لگی کہ وہ آپ کے لئے کسی عزیز کا پیغام لیکے آئی ہے۔ اسلئے میں اسے ساتھ لایا ہوں اور اب دروازے پر کھڑی ہے۔ حکم ہو تو اندر لے آؤں۔ شہزادے نے جواب دیا۔ بہت جلد بلاؤ۔ غلام باہر گیا۔ اور لونڈی کو ساتھ لے آیا۔ جوہری نے اسے خوب غور سے دیکھا۔ پھر لونڈی اندر آگئی اور شہزادے کو سلام کرکے بیٹھ گئی۔ جوہری باہر چلا گیا۔ پھر خلوت میں لونڈی نے شمس النہار کا پیغام سنا کے شہزادے کو قسم دی۔ کہ جوہری سے ہرگز ہرگز اس معاملہ کا ذکر نہ کرے۔ یہ کہکر لونڈی تو چلی گئی۔ جوہری اندر آیا اور وقت کو غنیمت سمجھکر سلسلہ کلام یوں ہلایا۔ اس لونڈی کے آنے سے مجھے معلوم ہوا۔ کہ بلاشبہ آپ کا خلیفہ کے محل سے کچھ تعلق ہے۔ شہزادے نے پوچھا۔ تمہیں کس نے بتایا۔ جوہری نے جواب دیا۔ میں اس لونڈی کو پہچانتا ہوں یہ شمس النہار کی رازدار لونڈی ہے اور بارہا میرے پاس جواہرات لینے کے واسطے رقعے لاچکی ہے۔ میں اسے معتبر تصور کرکے بیش قیمت جواہرات دیدیا کرتا تھا۔ علی بن بکار یہ سنکر گھبراہٹ میں پڑگیا اور ڈرا۔ کہ معاملہ ہی نہ بگڑ جائے۔ پھر حواس بر جا کرکے جوہری سے پوچھا۔ دوست! سچ سچ بتاؤ تم اس بارے میں کیا کہتے ہو۔ جوہری نے جواب دیا۔ آپ اتنا اصرار کیوں کرتے ہیں۔ شہزادہ علی بولا۔ نہیں۔ یہ تو میں پوچھ کے ہی رہونگا۔ جوہری نے جوابدیا۔ کہ میں ایک شرط سے بتاؤنگا اور وہ یہ ہے۔ کہ مجھے حقیقت حال اور اپنی مرض سے ٹھیک ٹھیک طور پر آگاہ کردو پھر میں بھی تمہیں سچ بتادونگا۔ شہزادے نے جواب دیا۔ میں ڈرتا ہوں کہ کسی سے بھید نہ ظاہر ہوجائے۔ جوہری بولا جب میں محض تمہاری بے غرضی محبت کے لئے یہاں آیا ہوں۔ تو تم کیسے خیال کرسکتے ہو کہ میں تمہارا راز آشکارا کردونگا۔ اور میرا آنا ہی محض اس غرض سے کہ ابن طاہر جیسی غمخواری اور خدمتگذاری بجا لاؤں۔ شہزادے کو یہ سنکر بہت تسلی ہوئی۔ اور جوہری کا

کوچ بولدیا۔ تیسرے دن جب وہ جوہری ابوالحسن کی دکان پر سے گذرا دوکان کو بند پاکر بڑا حیران
ہوا۔ اُسکے ہمسایوں سے پوچھا۔ جواب ملا۔ اُسے تو آج تین دن بصرے کو گئے ہوئے ہوگئے ہیں۔
وہاں اُسکے کچھ قرضدار تھے۔ اُن سے قرضہ وصول کرنا تھا۔ امید ہے کہ جلدی ہی آجائیگا۔ پھر
وہ سوچنے لگا۔ کہ عاشق و معشوق کا اب کیا حال ہوگا۔ اُس غریب الوطن کا اس شہر میں ابوالحسن
کے سوا اور کوئی واقف بھی نہ تھا۔ آخر اس نے فیصلہ کیا۔ کہ ابوالحسن کی جگہ شہزادہ کو میں مدد
دونگا۔ اور ایک حیلہ سے شہزادے کے دروازہ پر جا دستک دی۔ غلام نے نام اور کام پوچھا
جواب ملا۔ اُسے تو آج تین دن بصرے کو گئے ہوئے ہوگئے ہیں۔ وہاں اُسکے کچھ قرضدار
تھے اُن سے قرضہ وصول کرنا تھا۔ امید ہے کہ جلدی ہی آجائیگا۔ پھر وہ سوچنے لگا کہ عاشق
و معشوق کا اب کیا حال ہوگا۔ اُس غریب الوطن کا اس شہر میں ابوالحسن کے سوا اور کوئی واقف
بھی نہ تھا۔ آخر اُس نے فیصلہ کیا کہ ابوالحسن کی جگہ شہزادہ کو میں مدد دونگا۔ اور ایک حیلہ سے
شہزادے کے دروازے پر جا دستک دی۔ غلام نے نام اور کام پوچھا۔ جوہری نے جواب دیا
اپنے آقا سے میرا سلام کہو۔ اور عرض کرو۔ کہ ایک آدمی نیاز حاصل کرنے کا خواہشمند ہے۔
غلام فوراً واپس آگیا۔ اور آقا سے اجازت لیکر جوہری کو اندر لے گیا۔ سلام و علیک کے بعد دیر سے
حاضر خدمت نہ ہوسکنے کی معذرت کی اور کہنے لگا۔ ابوالحسن میرا عزیز دوست ہے حتیٰ کہ
میں اُسکے راز جانتا ہوں اور وہ میرے اسرار سے آگاہ ہے۔ ہم ایک دم بھی آپس میں جدا
نہ ہوتے تھے۔ تھوڑے دن ہوئے میں چند دوستوں کے ساتھ باہر چلا گیا تھا۔ جب
واپس آیا۔ ابوالحسن کی دوکان کو بند پایا۔ ہمسایوں سے پوچھا تو وہ کہنے لگے۔ کہ ابوالحسن
بصرے کو چلا گیا ہے اور میں اُسکے کسی ایسے دوست کو نہیں جانتا۔ جو آپ سے بڑھ کر ہو۔
کیا آپ براہ مہربانی مجھے کچھ ابوالحسن کی بابت بتا سکتے ہیں۔ کہ وہ بصرے کو کیوں گیا ہے
علی بن بکار کا رنگ یہ سنکر زرد ہوگیا۔ اور اضطراب کے نشان اُسپر ظاہر ہونے لگے۔ بولا
میں نے تو ابھی تک یہ بھی نہیں سنا۔ کہ وہ کہیں کو چلا گیا ہے۔ اور جب سے آپ نے یہ خبر
سنائی ہے۔ میرا جی بیتاب ہو رہا ہے۔ آہ! ؎

سیاہ بختی میں کب کوئی کسی کا ساتھ دیتا ہے	کہ تاریکی میں سایہ بھی جدا رہتا ہے انسان سے

اپنے محبوب کے پیغامبر کو دیکھتے ہی اُٹھ بیٹھا۔ اور ضعف کے سبب اشارے سے شمس النہار کی خیریت دریافت کی۔ لونڈی نے کہا۔ خیریت ہے پھر ابوالحسن نے اپنے آنیکا سبب بتایا اور لونڈی نے رقعہ پیش کر دیا۔ رقعے کو لیکر پہلے تو چوما۔ پھر سر پر رکھا اور پڑھکر اسقدر مسرور ہوا کہ لونڈی مان گئی۔ پھر جواب لکھا۔ اور لونڈی کو دیکر کہا۔ بیگم کو میرا سلام کہیو۔ اور انہیں میرا حال بھی بتا دیجیو اور عرض کیجیو کہ تمہاری محبت میں مر رہا ہوں۔ اس دریائے ہلاکت سے سوائے تمہارے اور مجھے کوئی نہیں نکال سکتا۔ اسلئے مجھ پر رحم کرو۔ پھر رو پڑا۔ لونڈی بھی متاثر ہو کر آنکھوں میں آنسو بھر لائی۔ پھر وداع چاہی اور رخصت ہو کر ابوالحسن کے ساتھ شہزادے کے مکان سے نکلی تھوڑی دور جا کر لونڈی تو محل کو چلی گئی اور ابوالحسن دوکان پر آیا۔ دوکان پر آکر ابوالحسن نے اپنی طبیعت کو بہت خراب پایا۔ اسکا سینہ تنگ ہو رہا تھا۔ وہ حیران تھا۔ کہ یہ بات کیا ہے۔ اصل میں اسے فکر لگ گیا تھا کہ دونوں کا حال بدتر ہوتا جاتا ہے۔ کنیز کا بار بار میرے پاس آنا۔ اور میرا شہزادے کے پاس جانا مناسب نہیں۔ اگر یہ راز خلیفہ کے کانوں تک پہنچگیا تو بڑی بنے گی جان و مال پہ بھی بلا نہ ٹلیگی۔ اہل و عیال بھی قابو آجائینگے۔ اور عزت پر مفت میں پانی پھر جائیگا اسلئے بہتر یہ ہے کہ میں اس شہر ہی کو چھوڑ جاؤں۔ یکدن انہی افکار میں بیٹھا تھا کہ اسکا ایک دلی دوست جو جوہری کا پیشہ کرتا تھا اُسے ملنے کے لئے آیا۔ اُسنے شمس النہار کی کنیز کو بار بار اُسکے پاس آتا دیکھا تھا۔ اب اُسے متفکر پاکر اندازہ کیا کہ ضرور کچھ دال میں کالا کالا ہے۔ آخر وہ ابن طاہر سے پوچھ ہی بیٹھا۔ کہ اے یار! شمس النہار کی کنیز تمہارے پاس بار بار کیوں آتی ہے ابوالحسن نے جواب دیا۔ ایسے ہی کام کے لئے آتی ہوگی۔ جوہری بولا۔ مگر وہ کام کیا ہے۔ مجھے بھی تو آگاہ کرو۔ جب ابوالحسن کو یقین ہوگیا کہ وہ امر واقعی سے اطلاع پائے بغیر نہ ملنے کا۔ تو اس نے رازداری کا وعدہ لیکر سب کچا چٹھا کھول دیا۔ اور آخر میں کہنے لگا۔ میرے متفکر ہونے کا بھی یہی سبب ہے۔ کہ میں ڈرتا ہوں۔ اگر خلیفہ تک بات پہنچ گیا تو زندگی محال ہے۔ اسلئے اب ارادہ ہے کہ بصرے کو چلا جاؤں تاکہ میری بھی عزت بچی رہے اور وہ بھی بدنام نہ ہو۔ جوہری نے جواب دیا تم نے واقعی ایسے کام میں ہاتھ ڈال رکھا ہے جو بہت ہی خطرناک ہے۔ اور یہاں سے چلے جانے کی رائے بھی غلط نہیں۔ یہ سنکر ابوالحسن گھر کو چلا اور سفر کی تیاری کرنے لگا۔ تین دن کے بعد وہ راستے

مفت میں اپنے تئیں ہلاک کرنے لگی ہیں۔ اپنے محبوب کی خاطر صبر کیجئے۔ اتنے میں کسی نے ایک شعر پڑھا۔ کہ فراق کے بعد صبر کا اب کیا کام ہے۔ انہیں پھر غش آگیا۔ خلیفہ نے شمس النہار کی حالت جب پھر متغیر پائی۔ دوڑا آیا۔ اور حکم دیا کہ شراب وہاں سے اٹھالی جائے اور سب لونڈیاں اپنے اپنے محلوں کو چلی جائیں۔ باقی رات خلیفہ نے وہیں گزاری۔ جب صبح ہوئی طبیب آ اکٹھے ہوئے۔ مگر وہ بیماری کی تشخیص نہ کرسکے۔ خیر اتھوڑے دن چڑھے تک غریب کو کچھ ہوش آئی۔ اور جب میں نے معلوم کیا کہ اب وہ پہلے سے اچھی ہے۔ تو اور لونڈیوں کو وہاں چھوڑ کر اب تمہاری خبر لینے آئی ہوں ابو الحسن نے کہا اب تم جلدی جاؤ اور میری طرف سے اپنی بیگم کو سلام عرض کر کے تسلی دیں۔ اور کہنا کہ خدا کے لئے راز کو چھپانے کی کوشش کریں۔ اس طرح سے تو راز نہ چھپے گا۔ اور کہنا کہ میں ہوش میں ہوں خدا جو کریگا اچھا ہی کریگا۔ مگر کام ہوتے بہت مشکل ہیں۔ پھر وہ لونڈی چلی گئی اور ابو الحسن شام تک دوکان پر ہی بیٹھا رہا۔ جب اندھیرا چھا گیا۔ دوکان بند کر کے شہزادے کے گھر کو روانہ ہوا۔ دروازے پر پہنچکر دستک دی۔ اندر سے ایک غلام آیا اور شہزادے کے پاس ہی لیگیا۔ شہزادے نے شکایت کی کہ آج آپ نے بڑی دیر کر دی۔ میں نے تو بڑا ہی انتظار کھینچا ہے۔ خدا کے لئے اسقدر نہ ترسایا کرو۔ ابو الحسن بولا۔ اب ان باتوں کو تہ کر رکھیں اور مطلب کی بات سن لیں۔ آج لونڈی آئی تھی۔ پھر اسنے شمس النہار کا جو حال سنا تھا علی ابن بکار کو بھی سنا دیا۔ شہزادہ رو پڑا۔ اور بولا۔ خدا کے لئے اب کوئی جلد حیلہ نکالو۔ اور ہمیں اس مصیبت سے نکالو۔ پانی اب حد سے گذر گیا ہے۔ ابو الحسن نے جواب دیا میں سوچ ہی رہا ہوں۔ انشاء اللہ جلد کوئی نہ کوئی تدبیر نکل ہی آئیگی۔ پھر وداع ہونے لگا۔ شہزادہ نے التجا کی۔ کہ آج رات اگر یہیں قدم رنجہ فرماؤ تو مجھ پر احسان کروگے۔ ابو الحسن نے مان لیا اور دونو باتوں میں مشغول ہوئے۔ حتی کہ باتوں ہی باتوں میں پھر شہزادے پر جوش اشتیاق غالب آگیا اور وہ غش میں جا پڑا۔ صبح تک یہی حالت رہی۔ جب دن نکلا۔ کچھ ہوش آئی تو ابو الحسن چلا گیا اپنی دوکان کو گیا۔ اتنے میں پھر وہی لونڈی آگئی اور آکے سلام کیا۔ پھر بولی۔ میری بی بی نے شہزادے کا حال پوچھا ہے اور ایک رقعہ دیا ہے۔ اسکے جواب کی ضرورت ہے۔ کیا تم تکلیف کر کے میرے ساتھ شہزادے تک چل سکوگے۔ ابو الحسن نے کہا کیوں نہیں۔ اور فوراً دوکان بند کر کے اسکے ساتھ ہولیا۔ کئی گلیاں اور کوچے طے کرتے دونو شہزادے کے مکان میں جا داخل ہوئے۔ شہزادہ

بھائی ابوالحسن میں کیا بتاؤں۔ کیا میں اپنے اختیار میں ہوں؟ میں تو کسی مصیبت کے منہ میں پھنس گیا ہوں۔ جہاں سے سوائے موت کے کبھی چھٹکارا نہ ہوگا۔ ابوالحسن نے جواب دیا۔ میرے یار ایسی بے اختیاری بھی کیا۔ تم صبر کرو۔ دیکھو تو مسبب الاسباب کیا کچھ اسباب پیدا کر دیتا ہے۔ ذرا اٹھو۔ بیٹھو۔ دھیان کسی اور طرف لگاؤ۔ علاوہ ازیں اور بہت تسلی کی باتیں کہکر بولا۔ اب میں دوکان کو جاتا ہوں۔ شاید کوئی خبر وہاں سے آئی ہو۔ پھر آ جاؤں گا۔ شہزادے نے اجازت دی۔ اور ابوالحسن دوکان کو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد شمس النہار کی لونڈی آ گئی۔ مگر بڑی پریشان سی معلوم ہوتی تھی۔ آتے ہی اسنے شہزادے کا حال پوچھا۔ ابوالحسن بولا۔ پہلے تم شمس النہار کی حالت بتاؤ۔ لونڈی نے کہا میں بھی سنا دیتی ہوں۔ پہلے تم مجھے شہزادے کے حال سے خبر دو۔ ابوالحسن نے آغاز سے انجام تک سب من وعن سنا دیا۔ لونڈی نے بڑا افسوس کیا اور حیران ہوئی۔ پھر بولی۔ ہماری بیگم کا حال اس سے بھی عجیب اور بدتر ہے۔ جب میں آپ سے جدا ہوئی تب مجھے بڑا خوف لگا ہوا تھا کہ تم لوگ کسی طرح سے اپنے ٹھکانے جا پہنچو۔ مگر جب میں واپس محل میں پہنچی۔ تو بیگم کو بارہ دری میں بیہوش پڑا دیکھ کر مجھے سخت رنج ہوا۔ وہ نہ بولتی تھی اور نہ ہی کسی کی بات کا جواب دیتی تھی۔ امیر المومنین سرہانے بیٹھے تھے مگر کسی نے انہیں اصلی حقیقت سے اطلاع نہ دی۔ بیچاری بیگم آدھی رات تک یونہی پڑی رہی۔ جب کسیقدر افاقہ ہوا۔ امیر المومنین نے پوچھا شمس النہار کیا حال ہے؟ اور یہ آج تمہیں یکایک کیا ہو گیا تھا۔ شمس النہار نے خلیفہ کا یہ فرمان سنکر قدم چومے اور کہنے لگی۔ میں حضور پر فدا جاؤں۔ میں خود نہیں جانتی۔ یکایک بدن میں ایسا معلوم ہوا۔ گویا آگ کا ایک شعلہ سا بھڑک اٹھا ہے۔ اور میں غش کھا کے گر پڑی۔ اسکے بعد کا حال مجھے کچھ بھی معلوم نہیں۔ اور میں حضور سے معافی کی خواہاں ہوں۔ کہ آج آپ نے میرے ہاں قدم رنجہ فرما کے مجھے شرف بخشا مگر میں آپکی کوئی خدمت ادا نہ کر سکی۔ بلکہ الٹی آپکو سخت تکلیف ہوئی۔ خلیفہ نے جواب دیا خیر! کوئی بات نہیں۔ یہ کہکر آپ وہاں سے چلے گئے اور بیگم نے مجھ سے تمہارا حال پوچھا۔ میں نے سب کچھ سنا دیا اور وقت رخصت شہزادے نے جو شعر پڑھا تھا وہ بھی گوش گزار کر دیا۔ اس شعر کو سنکر غریب کو پھر غش آ گیا۔ میں نے ہاتھوں اور پاؤں کی ہتھیلیاں ملنی شروع کیں۔ گلاب پانی چھڑکا۔ جب خدا خدا کرکے ہوش آیا میں نے عرض کیا۔ بیگم صاحبہ! آپ کیا

وہاں سے چل پڑے۔ اور شہر کی طرف آئے۔ ابو الحسن شہزادے کو قسم دیکے اپنے گھر لے آیا اور اگلا دن اُسے بڑی عزت سے اپنے ہاں رکھا مگر وہ فراق محبوبہ میں تڑپ رہا تھا۔ جب شام ہوئی مغنیات حاضر ہوئیں۔ اور راگ ورنگ شروع ہوا۔ شہزادے کی حالت متغیر ہونے لگی۔ حتیٰ کہ جب ایک مغنیہ اس شعر پر پہنچی ؎

ہر چیز تو منع ہے ہمیں عشق میں طبیب
آخر بڑے ضعف تو غش بھی نہ کھائیں ہم

وہ فوراً غش کھا کے جا پڑا۔ محفل راگ ورنگ مجلس ماتم بن گئی۔ ابو الحسن گھبرا گیا اور جب صبح تک اُسے کچھ ہوش نہ آئی۔ تو وہ مایوس ہو چلا تھا۔ مگر جب دن چڑھا تھا۔ شہزادے کو ہوش آ گئی اور اپنے گھر جانے کی اجازت طلب کی۔ ابو الحسن کو بھی اطمینان ہوا۔ اور اُسنے نہ روکا۔ اس خوف سے کہ مبادا اس کی حالت اور متغیر نہ ہو جائے۔ اُسکے غلام خچر لائے اور سوار کرا کے گھر لے گئے ابو الحسن بھی ساتھ گیا۔ اور شہزادے کو گھر پہنچا کر ہزار شکر کیا۔ اور خدا نے ایک بڑی بلا کے مُنہ سے بچایا۔ پھر شہزادے کو تسلی دیکر رخصت مانگی۔ وقت رخصت شہزادے نے التجا کی کہ مجھے بھول نہ جانا۔ اور شمس النہار کی خبر یا اُدھر پہنچاتے رہنا۔ ابو الحسن نے منظور کیا۔ اور اپنی دوکان پر آ کر شمس النہار کے پیغام کا انتظار کرنے لگا۔ مگر اُس دن کوئی خبر نہ ملی۔ رات وہ اپنے گھر پر ہی سویا۔ صبح ہوتے ہی شہزادے کے گھر پر گیا۔ جا کے کیا دیکھتا ہے کہ علی بن بکار صاحب فراش ہو رہا ہے۔ دوست اور حکیم گرد جمع ہیں اور شہزادے کی بیماری پر چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔ مگر کسی کو کچھ پتہ نہیں لگتا۔ ابو الحسن کو دیکھتے ہی شہزادہ کھل گیا اور خلوت کا حکم دیا۔ سب کے سب نکل گئے۔ ابو الحسن نے پوچھا آپ نے یہ کیا حال بنا رکھا ہے۔ شہزادے نے جواب دیا۔ میری بیماری کی خبر سُنکر یہ لوگ آ جمع ہوئے ہیں۔ اور میرا تو یہ حال ہو گیا ہے کہ اُٹھنے اور چلنے کی طاقت بھی نہیں رہی۔ اسطرح پڑا رہتا ہوں۔ لوگ میرے دیکھنے کیلئے آتے جاتے ہی رہتے ہیں۔ مگر آپ مجھے یہ بتائیں کہ وہاں سے کوئی خبر بھی آئی تھی ابو الحسن بولا جب سے ہم آئے ہیں کوئی خبر نہیں ملی۔ شہزادہ کو یا بھرا بیٹھا تھا۔ یہ سُنکر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ ابو الحسن نے سمجھایا۔ خدا کے لیئے ہوش کرو۔ کیوں رسوا ہوتے ہو۔ اور مجھے بھی ذلیل کرتے ہو۔ شہزادہ بولا ؎

دل ناداں کو سمجھانے چلا ہے
کوئی ناصح کی نادانی تو دیکھو

ورنہ سب کے سب تہ تیغ ہونگے - ابوالحسن نے جواب دیا باہر کیسے چلیں میرے ساتھی کا حال تو دیکھو لونڈی فوراً گلاب لائی اور شہزادے کے منہ پر چھڑکنے لگی - تھوڑی دیر بعد جب اسے ہوش آیا تو ابوالحسن نے لونڈی کا پیغام دہرایا - لونڈی نے جیب سے چابی نکال کر چور دروازہ کھولا اور دونو کو محل سے نکال دریا کے کنارے پر لے آئی - پھر تالی بجائی - فوراً ایک کشتی جس پر ایک ہی ملاح تھا فوراً آ حاضر ہوئی - لونڈی آپ بھی بیٹھ گئی - اور دونو کو سوار کراکے ملاح سے کہا کہ جسقدر جلد ہو سکے - انہیں پار پہنچا دو - ملاح بھاگا بھاگ کشتی کو لیچلا اور شہزادے نے اپنی محبوبہ کے مکان کو حسرت سے الوداع کہی سے

در و دیوار پہ حسرت سے نگاہ کرتے ہیں رخصت اے اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

جب دوسرے کنارے پر جا پہنچے - ملاح نے دونو دوستوں کو کنارے پر اتار دیا - اور لونڈی نے معذرت کی - کہ میں آپ سے جدا ہونا تو نہیں چاہتی - مگر مجبوری یہ ہے کہ مجھ کو اس سے آگے جانے کی ممانعت ہے - یہ کہکر اس نے ملاح کو لوٹنے کا حکم دیا اور ابوالحسن شہزادے کو لیکر آہستہ آہستہ وہاں سے روانہ ہوا - اگرچہ شہزادہ نہایت ہی ضعیف ہو رہا تھا اور چاہتا تھا کہ دیر پڑا رہے مگر ابوالحسن نے سمجھایا کہ یہاں ہم اس سے نہیں رہ سکتے - یہ جگہ بڑی غیر محفوظ ہے - چوروں اور ڈاکوؤں کا سخت خطرہ ہے - اتفاق سے ادھر ابوالحسن کے ایک دوست کا بھی مکان تھا دونو نے سیدھا ادھر ہی کا رخ کر لیا اور دروازے پر پہنچکے اسے کھٹکھٹایا - ابوالحسن کا دوست دوڑتا ہوا آیا - اور اندر لیجاکے ان کو ایک اچھی جگہ بٹھایا - پھر ایسے بیوقت آنے کی وجہ دریافت کی - ابوالحسن نے کہا - ادھر میرا ایک قرضدار ہے - میں نے سنا تھا کہ وہ مفرور ہونیوالا ہے - اسلئے آج ادھر گیا تھا - یہ میرے دوست ہیں شہزادہ علی ابن بکار انکا اسم شریف ہے - آپ میرے ساتھ ہو لئے تھے - مگر کسی وجہ سے ہم ٹھیک وقت پر نہ پہنچ سکے - اسلئے اپنے اس قرضدار کی ملاقات بھی نہیں ہوئی - اور ناکام لوٹ آئے - کیونکہ آج ہی لوٹنا بھی ضروری تھا - اتنے میں رات زیادہ آگئی - اور یہ صاحب کسیقدر علیل ہوگئے - اسلئے ہم آپ کو مشفق مہربان تصور کرکے یہاں چلے آئے ہیں اور رات یہاں ہی بسر کرنا چاہتے ہیں - اس نے بہت خاطرداری کی - اور بڑی عزت سے دونو کو اپنے ہاں ٹھہرایا - غرض صبح کے وقت وہ دونو

سکے بعد خلیفہ کا جلوس بھی آ گیا۔ آگے آگے ایک سو غلام ننگی تلواریں علم لئے چلے آتے تھے اور انکے پیچھے بیس حسین لونڈیوں کے حلقے میں جن کے چہرے چاند سے اور جن کے سروں پر مرصع تاج سجے تھے خلیفہ خراماں آ رہا تھا۔ خواجہ سرا مسرور۔ وصیف وعفیف بھی ساتھ ہی تھے حتی کہ شمس النہار کے مکان میں سارا جلوس جا پہنچا۔ وہ اپنے ہمراہیوں سمیت تعظیم کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور دروازہ باغ تک استقبال کے لئے آئی جب خلیفہ کی صورت نظر آئی سب کی سب زمین بوس ہوگئیں۔ خلیفہ نے اٹھنے کا حکم دیا۔ اور شمس النہار کو ہمراہ لیکر اندر گیا۔ اندر جاکر ہمراہی اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے اور شمس النہار خلیفہ کے ساتھ تخت پر جلوہ افروز ہوئی۔ آپس میں راز و نیاز کی باتیں ہونے لگیں۔ ابوالحسن اور شہزادہ علی یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے مگر انہیں کوئی نہ دیکھ سکتا تھا۔ پھر خلیفہ نے حکم دیا کہ بارہ دری کا دروازہ کھولا جائے۔ چنانچہ خدام نے اسکا دروازہ کھول دیا۔ اور وہاں سے آلات طرب نکال کے خواصوں نے گانا شروع کیا شہزادہ علی بن بکار اور ابوالحسن وہاں کے ساز و سامان کی بیش قیمتی پر چہ میگوئیاں کرنے لگے مگر شہزادے کی نگاہ زیادہ تر شمس النہار پر ہی لگی ہوئی تھی۔ آخر ابوالحسن سے بولا مجھے خوف ہے کہ خلیفہ کی نظر ہم پر نہ پڑ جائے۔ تو بس فیصلہ ہو چکا۔ لیکن میں تو آگے بھی عشق کا کشتہ ہوں ہی۔ میری بدولت آپ بھی ناحق بلا میں پھنسینگے۔ دعا ہے کہ اسوقت خدا تعالی ہمیں یہاں سے بخیریت نکالے تاکہ تم پر میری بدولت کوئی آنچ نہ آنے پائے۔ یہ دونوں ابھی باتوں میں تھے کہ ادھر خلیفہ نے ایک لونڈی کو کچھ سنانے کی فرمائش کی۔ اس نے سر تسلیم خم کرکے ستار ہاتھ میں لی۔ اور یہ غزل شروع کی ؎

جدا کسی سے کسی کا غرض حبیب نہ ہو ۔۔۔ یہ درد وہ ہے کہ دشمن کو بھی نصیب نہ ہو

اس شعر کے پڑھتے ہی شمس النہار غش کھا کے گر پڑی۔ ادھر جب شہزادہ علی نے یہ کیفیت ملاحظہ کی تو وہ بھی بیہوش ہو گیا۔ ابوالحسن کو اب ایک اور فکر نے آگھیرا۔ اور وہ سوچنے لگا کہ اب اسکی جان کیسے بچیگی۔ پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے اسے ہوش میں لایا جائے۔ استنے میں اسی لونڈی نے آکے دروازہ کھول دیا۔ جو انہیں یہاں بند کر گئی تھی اور آکے کہنے لگی۔ ابوالحسن جلدی۔ اٹھو۔ انکو لیکے باہر چلے جاؤ۔ ہم پر دنیا تنگ ہو رہی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ ہمارا راز آشکارا نہ ہو جائے

الفت کا جب مزہ ہے کہ وہ بھی ہوں بیقرار   دونو طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

شہزادہ پھڑک گیا اور اس نے بھی کچھ سنانے کی فرمایش کی۔ ستار شمس النہار نے لے لی اور استاد اقبال کی یہ غزل عجب جوش اشتیاق سے گانے لگا ؎

ہم موت مانگتے ہیں وہ گھبرائے جاتے ہیں   سمجھے کسی نے اور ہی معنے وصال کے

اسوقت ایک عجیب سماں بندھا ہوا تھا۔ کہ اتنے میں ایک لونڈی ہانپتی ہوئی آئی اور بولی بیگم صاحبہ غضب ہو گیا۔ امیر المومنین یہیں تشریف لا رہے ہیں۔ مسرور محل کے دروازے پر اطلاع کیلئے کھڑا ہے۔ لونڈی کا پیغام سنکر سب کے بدن پر مارے خوف کے رعشہ پڑ گیا۔ مگر شمس النہار ہنس پڑی اور بولی۔ ست ڈرو میں ابھی سمجھے لیتی ہوں۔ تم واپس جاؤ۔ اور اسے تھوڑی دیر میں باتوں میں لگائے رکھو۔ پھر حکم دیا۔ کہ بارہ دری کا دروازہ بند کیا جائے اور پردے گرا دیئے جائیں۔ شہزادہ اور ابن طاہر بھی اندر ہی رہیں۔ اور آپ پائیں باغ کو نکل گئی۔ تخت پر بیٹھکر پاؤں لٹکانے لگی اور باقی سہیلیوں کو اپنے اپنے مکانوں میں چلے جانے کی اجازت دی۔ اور کہا۔ کہ اسطرف کا دروازہ کھلا ہے۔ تاکہ امیر المومنین اندر چلے آئیں۔ اتنے میں مسرور دس خواجہ سراؤں کے ساتھ جنکے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں۔ اندر آیا۔ شمس النہار نے اندر آنے کا سبب پوچھا مسرور بولا۔ امیر المومنین فرماتے ہیں کہ آج ہم تمہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ کہو تو ہم یہاں آجائیں۔ ورنہ تم تکلیف کرو۔ شمس النہار نے خلیفہ کا حکم سر آنکھوں پر لیا۔ پھر خادموں اور لونڈیوں کو حکم دیا کہ جلد فرش فروش کرکے مکان کو آراستہ کرو۔ اور کچھ خادموں کو خلیفہ کی خدمت میں بھیجا کہ تھوڑی دیر وہیں ٹھہر جائیں۔ فرش فروش وہاں تیار ہو رہا ہے اور آپ بارہ دری میں شہزادے کے پاس جا کر معذرت کرنے لگی۔ پھر اسے گلے لگا یا کہ مجھے بھول نہ جانا۔ میں مجبور ہو آپ سے جدا ہونے لگی ہوں۔ اگرچہ جی نہیں مانتا۔ شہزادے نے بھی مناسب جواب دیا۔ ابھی ان کا سلسلہ کلام ختم نہیں ہوا تھا کہ ایک لونڈی نے آکے عرض کی۔ امیر المومنین کا خادم آیا ہے یہ سنکر شمس النہار کھڑی ہو گئی۔ فوراً لونڈی کو ہدایت کی کہ ان دونو کو باغ کے فلاں مکان میں لیجاکے باہر قفل لگا دے اور جب خوب تاریکی چھا جائے۔ بحفاظت وہاں سے نکال باہر کر دینا۔ لونڈی نے حکم کی تعمیل کرکے اپنا راستہ لیا اور وہ دونو باغ کی طرف دیکھنے لگے۔ تھوڑی دیر

شمس النہار اب تخت پر جلوہ گر ہو چکی تھی۔ اُسنے شہزادے کو اور شہزادے نے شمس النہار کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھا۔ پھر لونڈیوں کو حکم ہوا کہ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ جائیں اور گانا شروع کریں۔ غرض خواصیں باری باری سے گانے لگیں۔ پہلی خواص نے حضرت ذوق کی یہ غزل شروع کی۔ تو شمس النہار پر ایک کیفیت سی طاری ہو گئی ؎

ہاں سے آپکا مقرر قاصد اوہ دن کرے
جو تو مانگیگا وہی دونگا خدا وہ دن کرے

اور اس کیفیت کے اثر کو شہزادہ علی نے بھی محسوس کیا۔ پھر دوسری خواص اُٹھی اور اُسنے کسی اُستاد کی یہ غزل شروع کی ؎

دل میں اک درد اُٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے
بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانئے کیا یاد آیا

یہ شعر سُنکر شہزادہ علی تو بالکل بے اختیار ہی ہو گیا اور اُسکی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ شمس النہار بھی اُسکی یہ حالت دیکھکر رونے لگی۔ غرض راگ کی ہوا نے عشق کے شعلے کو ایسا بھڑکایا کہ دونوں بے اختیار ہو گئے۔ پھر شمس النہار تخت سے اُٹھی اور بارہ دری کی طرف چلی شہزادہ بھی وہیں پہونچا اور دونوں ایک دوسرے کے گلے چمٹ گئے۔ دیر تک دونوں کی یہ حالت رہی آخر غش کھا کے دروازے پر ہی گر پڑے۔ لونڈیاں دوڑی آئیں اور اُنہیں اُٹھا کے اندر لے گئیں گلاب و عبیرہ چھڑکا۔ جب ہوش آئی ابوالحسن کو نہ پاکر دونوں پریشان ہو گئے۔ وہ تخت کے پاس ہی بیٹھا تھا۔ غرض اُسے بلا کر شمس النہار نے شکریہ ادا کیا۔ اور کہا۔ اگر خدا تعالےٰ نے مجھے توفیق بخشی تو میں تمہاری نیکی کا عوض ضرور دونگی۔ پھر عاشق و معشوق کی آنکھوں سے بہ سبب کمال اُلفت کے آنسوؤں کے دریا بہ نکلے۔ مگر ابوالحسن نے سمجھایا۔ یہ رونے کا کون موقعہ ہے۔ شکر کرو کہ خدا نے تمہیں یہ مبارک موقعہ عطا کیا اور اسے غنیمت سمجھکر مزے سے کاٹو۔ شمس النہار نے یہ سُنکر لونڈیوں کو اشارہ کیا کہ دسترخوان چُنا جائے۔ فوراً حکم کی تعمیل ہوئی اور شمس النہار شہزادہ علی و ابوالحسن تینوں نے ملکر کھانا کھایا۔ جب فراغت پا چکے۔ راگ رنگ ہونے لگا اور شراب کا دور چلنا شروع ہوا۔ شمس النہار اپنے ہاتھوں سے پیالے بھر بھر کے شہزادے کو دیتی جاتی تھی اور شہزادہ اُسے۔ کبھی دونوں ابوالحسن پر بھی مہربانی کرتے۔ جب سرور جم گئے تو شمس النہار نے آپ ستار ہاتھ میں لی اور اُس کے ساتھ یہ غزل نہایت درد سے گائی ؎

شمس النہار کی سواری تھی جسے خلیفہ ہارون الرشید دل سے چاہتا تھا۔ اُسکے حسن کی آب و تاب اور اُسکے زر و جواہر کی شان و شوکت اسقدر تھی۔ کہ باقی سب کا حسن پھیکا پڑ گیا گویا وہ سورج تھا۔ جسکے نکلتے ہی چاند اور ستاروں کی روشنی ماند پڑ جاتی ہے۔ شہزادہ علی بن بکار شمس النہار کو دیکھتے ہی آہستہ سے بولا سہ

زمانے کے حسینوں سے جدائی کے قاتل | غریبوں کی حالت سے بے خبر و غافل
ستم میں کمل عیاری میں کامل | اڑا دل کو آنکھیں چرانے پہ مائل

یہی ہیں جو گردن جھکائے ہوئے ہیں

ابوالحسن سے کہنے لگا۔ کیا اچھا ہوتا۔ اگر تم یہاں آنے سے پہلے مجھے اس کیفیت سے مطلع کر دیتے تاکہ میں اپنے دلکو مطمئن رکھ سکتا۔ ابوالحسن نے جواب دیا۔ بھائی جان! میں نے کوئی بُرائی نہیں کی اگر آپکو پہلے اطلاع نہیں دی۔ اسلئے کہ مجھے خوف تھا۔ کہ اگر آپ صبر نہ کر سکے تو دیدار سے محروم رہینگے۔ شہزادے نے پوچھا۔ اچھا تو اس حسینہ کا نام کیا ہے۔ ابوالحسن نے جواب دیا۔ اسے شمس النہار کہتے ہیں۔ اور وہ خلیفہ کی بہت ہی محبوبہ خواص ہے۔ یہ مکان بھی محل شاہی ہے۔

تصویر جلوس شمس النہار کی



روکا۔ اور کہنے لگی۔ صاحب! بیٹھ جائیے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔ کہ ہم آئیں اور آپ چلدیں
شہزادے نے بے اختیار ہو کر جواب دیا ؎

من شمع جاں گدازم تو صبح دلکشائی سوزم گرت نہ بینم میرم چو رخ نمائی
نزدیکت ایں چنینم دور آنچناں کہ گفتم نے تاب وصل دارم و نے طاقت جدائی

یہ سنکر وہ بی بی ہنس دی۔ اور ابو الحسن سے پوچھا۔ یہ جوان کون ہے۔ ابو الحسن نے جواب دیا۔ ایک امیر کا بیٹا جو ایران کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ اور شہزادہ علی بن بکار کے نام سے مشہور ہے۔ بی بی نے فرمایا۔ اچھا! جس وقت میری لونڈی آپکے پاس آئے۔ اسے ساتھ ہی لیتے آئیگا۔ ابو الحسن نے جواب دیا۔ بہت اچھا۔ پھر اپنے مطلب کی کچھ بات چیت کر کے وہ بی بی بہت جلد وہاں سے چلی گئی۔ اور شہزادہ علی دیکھتا ہی رہ گیا۔ تھوڑی دیر نہ گذرنے پائی تھی۔ کہ ایک لونڈی ابو الحسن کے پاس آکر کہنے لگی۔ ہماری بیگم صاحبہ آپکو اور آپ کے دوست کو یاد کر رہی ہیں۔ ابو الحسن تو رًا اٹھا اور شہزادے کو ہمراہ لیکر لونڈی کے ساتھ خلیفہ کے محل کو روانہ ہوا۔ وہ دونو کو اندر لیگئی اور ایک اچھے کمرے میں بٹھا دیا۔ اتنے میں ابو الحسن اور شہزادے کے سامنے دسترخوان چنے گئے اور دونو نے سیر ہو کر کھانا کھایا۔ پھر شراب آئی۔ جب وہ بھی پی لی تو حکم ہوا کہ وہیں ٹھہریں اور آرام کریں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہی لونڈی انہیں دوسرے کمرے میں لیگئی۔ جسکی آرائش باغ جناں کو شرمندہ کر رہی تھی۔ شہزادہ علی اس کمرے پر عجائبات سے حیران رہگیا۔ اور ایک ایک چیز کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا تھا۔ اتنے میں سامنے سے دس لونڈیاں پرا باندھے آکھڑی ہوئیں گویا وہ اندر کے اکھاڑے کی پریاں تھیں۔ انکے چاند سے چہروں کو دیکھ دیکھ کر حیران تھے اور ابھی نظر بھر کے دیکھ نہ چکے تھے کہ دس حسین لونڈیوں کی اور ایک جماعت آگئی جن کے ہاتھوں میں راگ رنگ کے آلات تھے۔ آتے ہی انہوں نے دونو مہمانوں کو سلام کیا اور گانے بجانے لگیں۔ انکے مقابل سے دس ہی لونڈیاں اور آگئیں۔ جنکی کالی آنکھیں اور لال رخسارے حوروں پر چشمک کرنے کیلئے تیار تھے۔ وہ بھی آگے اور صف باندھے کھڑی ہوگئیں۔ زاں بعد انہیں سے خوبصورت اور حسن طریق دس لونڈیوں کی ایک جماعت اور آئی جنکے حسن کی تاب سہاری نہ جاتی تھی۔ ان سب کے بعد بیس لونڈیاں جنسے آفتاب و چندے ماہتاب ایک سورج کو حلقے میں لئے آوارد ہوئیں۔ یہ

واصل کرو۔ مسرور فوراً تلوار لیکے آگے آیا اور ایک ہی ہاتھ میں معین کی گردن کاٹ کے پرے پھینکدی
پھر انیس کو بلایا گیا اور اُسے نورالدین کے سپرد کرکے بولا۔ میں تمہاری جوانمردی پر بہت خوش ہوں
یہ لو۔ اپنی امانت ساتھ ہی میں نے بصرے کا حکمران مقرر کردیا ہے۔ تم وہاں جاؤ اور رعیت کی داد دو
نورالدین نے عرض کی۔ خداوند! فدوی آپ کے قدموں میں ہی باقی زندگی بسر کر دینا چاہتا ہے
اسلئے مجھے بصرے کے تخت سے معاف رکھا جائے۔ خلیفہ اُس کا یہ کلام سُنکر بہت خوش ہوا اور
اُسے ایک محل عنایت کرکے بہت سی دولت بھی انعام دی۔ اور ایک کثیر مشاہرہ مقرر کرکے اپنا
مصاحب بنا دیا اور بصرے کی حکومت بہ شفاعت وزیر اعظم سلطان محمد بن زبینی کے پاس ہی
رہنے دی۔ غرض نورالدین اور انیس نے باقی عمر بغداد میں ہی بڑی عشرت سے بسر کی۔ دنیازاد
یہ قصہ سُنکر دوسرے قصہ کی طالب ہوئی۔ اور شہرزاد نے شہریار کی منظوری سے دوسرا قصہ
یوں کہنا شروع کیا:۔

شہزادہ علی بن بکار اور شمس النہار کی داستان

حضور والا! خلیفہ ہارون الرشید کے عہد معدلت مہد میں بغداد کے درمیان ایک صاحب دولت عطار
ابوالحسن علی بن طاہر نامی رہا کرتا تھا جس کے حسن صورت اور حسن سیرت کو ہر شخص پسند کرتا حتیٰ کہ خلیفہ کے
محلوں میں آنے جانے کی بھی عام اجازت اُسے تھی اور خلیفہ کی خواصیں اور لونڈیاں بھی اُسے اپنا عزیز سمجھتی
تھیں۔ بلکہ شاہی محلوں میں جو خرید و فروخت ہوتی۔ وہ سب ابوالحسن ہی کی معرفت ہوا کرتی تھی۔ ابوالحسن کے
دوستوں کا بھی کچھ شمار نہ تھا۔ مگر ایک نوجوان شاہزادہ علی بن بکار نامی ابوالحسن سے کمال الفت رکھتا
تھا۔ یہ شہزادہ ایران کے شاہی خاندان میں سے تھا۔ اور ظاہری خوبیوں کے علاوہ اُسکی باطنی
خوبیاں حد و شمار سے زیادہ تھیں۔ ابوالحسن بھی اُس شہزادے کو بڑا عزیز سمجھتا۔ ایکدن اتفاقاً
دونوں دوکان پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ دس خوبصورت لونڈیاں ایک بی بی کو جو خچر پر سوار تھی گھیرے
ہوئے وہاں آگئیں۔ اُس بی بی نے جو ظاہری شان و شوکت سے بڑے امیر کی بیگم دکھائی دیتی تھی
خچر کو ابوالحسن کی دوکان کے سامنے ٹھہرا لیا۔ اور اُتر کر اندر آگئی۔ ابوالحسن نے اُسے جھک کر سلام
کیا اور اُس بی بی نے بھی سلام کا جواب بڑی عزت سے دیا۔ پھر کرسی پر بیٹھ گئی اور نقاب اُلٹ دیا
شہزادہ علی اُسے بے نقاب ساد کھیکر مبہوت سا بنگیا اور چاہتا تھا کہ اٹھکر چلا جائے۔ مگر اُس بی بی کی

خیریت کی آجتک مجھے کوئی خبر نہیں ملی۔ معلوم ہوتا ہے۔ سلطان محمد نے اُسے مروا ڈالا۔ تم فوراً فوج لیکر بصرے جاؤ۔ اور خبر لاؤ۔ اگر نورالدین کا بال بھی بینگا ہوا دیکھو۔ تو فوراً اُس شخص کو قتل کرا دو جس نے نورالدین کو کچھ بھی ایذا پہنچائی ہو۔ اگرچہ وہ کیسا ہی معزز اور میرا پیارا بھی کیوں نہ ہو۔ دوسری حالت میں نورالدین اور سلطان محمد کی خبر لاؤ۔ وزیر جعفر اسی حکم کی تعمیل کے لیئے بھاگا بھاگ بصرے میں آرہا تھا۔ غرض ہرکارے دوڑے گئے اور آکے سلطان محمد کو خبر دی کہ وزیر جعفر اس تیزی سے آرہا تھا کہ بادشاہ کو سوچنے کی بھی فرصت نہ دی۔ اور فوراً سر پر آپہنچا۔ لوگوں کو قصر شاہی کے پاس مقتل میں کھڑے دیکھکر اژدہام کا سبب پوچھا۔ اور جب اُسے معلوم ہوا کہ نورالدین ہی مقتل میں قتل ہونیوالا ہے جسکے لئے وہ دوڑا دوڑا آرہا ہے تو فوراً بادشاہ کے پاس گیا اور حقیقت حال سے بالتفصیل اطلاع دیکر نورالدین کو سامنے حاضر کرنیکا حکم دیا۔ معین کی اُمیدوں پر پانی پھر گیا۔ اور عوام کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وزیر جعفر نے معین بن ساوی کو قید کر لیا۔ جو نورالدین کو تنگ کرتا تھا اور نورالدین کو محمد زینبی کی جگہ بصرے کے تخت پر بٹھا دیا۔ غرض سب کاموں سے فراغت پاکر چوتھے دن وزیر جعفر نے بغداد کا عزم کیا۔ نورالدین بڑے اشتیاق سے بولا۔ حضور کے درشن کا خواہشمند ہوں۔ اگر ساتھ لیچلو تو بڑی مہربانی ہوگی۔ وزیر جعفر نے اُسکی آرزو کو منظور کیا۔ بصرے کا انتظام اراکین دربار کے سپرد کر کے معین کو قید میں اور سلطان محمد و نورالدین کو ہمراہ لیکر بغداد کیطرف کوچ بول دیا۔ جب خلیفہ کے حضور میں حاضر ہوئے اور نورالدین کی سرگذشت سنائی۔ خلیفہ غضب میں آگیا۔ اور نورالدین سے کہا۔ کہ تلوار نکال کے میرے سامنے اس بدذات وزیر کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈال۔ نورالدین نے تلوار نکالی اور چاہتا تھا کہ معین پر وار کرے کہ اُسنے گڑگڑا کر عرض کی ؎

نیش کژدم نہ از پئے کین است
مقتضائے طبیعتش این است

عزیز نورالدین! میں نے تمہارے ساتھ جو بدسلوکی کی تھی وہ میری طبیعت کا تقاضا تھا اور اب تم اپنی طبیعت کے اقتضا کے بموجب میرے ساتھ برتاؤ کرو۔ یہ سنکر نورالدین کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی اور اُس نے خلیفہ کی طرف مُنہ کر کے عرض کیا۔ حضور! اسے اب معاف کر دیا جائے۔ میں اسکے خون سے ہاتھ نہیں رنگنا چاہتا۔ خلیفہ نے فرمایا اچھا تم بیٹھ جاؤ۔ اور مسرور! تم اُٹھکے اِس ملعون کو جہنم

تصویر نورالدین کے قتل کرنیکی اور بادشاہ کا جلاد کو کھڑکی سے منع کرنا مع ہجوم خلق کے



قتل سے منع کردیا۔ یہ غبار فی الواقعہ وزیر جعفر اور اسکے ساتھیوں کا تھا۔ اور اسکے آنے کی یہ وجہ تھی۔ کہ خلیفہ اپنے کاموں میں ایسا مشغول ہوا کہ نورالدین کی بات بھول گیا۔ برابر بتیس دن تک اسے کسی نے بھی غریب کی یاد نہ دلائی۔ اکتیسویں دن اتفاق سے وہ اُس محل کے دروازے پر سے گذرا جس میں انیس رہتی تھی۔ سُنا کہ انیس رو رہی ہے۔ اور نورالدین کے فراق میں جان کھو رہی ہے۔ اُس کی گریہ وزاری دمبدم بڑھ رہی تھی۔ خلیفہ اندر گھس گیا تاکہ رونے کی وجہ پوچھے۔ انیس نے خلیفہ کو یکایک اپنے سامنے دیکھ کر اپنے تئیں اُسکے قدموں پر ڈالدیا۔ اور اُس رات کا وعدہ یاد دلایا۔ جبکہ نورالدین نے ماہی گیر کے لباس میں خلیفہ کو انیس کے تئیں بخشدیا تھا۔ اور کہا جس دن سے آپ نے اُسے بصرے کی طرف بھیجا ہے۔ خون جگر پینے اور لختِ جگر کھانے کے سوا قسم ہے جو میرے منہ تک کھیل اُڑ تک بھی گئی ہو۔ نیند حرام ہوگئی ہے اور چین خواب۔ آج تیس دن سے اس غریب کی خبر کا نہ ملنا میری پریشانی کو بڑھا رہا ہے۔ حضور! اگر آپ مجھپر کرم کریں۔ تو پیارے نورالدین کی خبر منگا دیں۔ خلیفہ ہارون رشید نے بڑا افسوس کیا اور فوراً وزیر جعفر کو بلا کر حکم دیا کہ نورالدین کی

ہوئے اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگے حتّٰی کہ سیکڑوں کے نیچے اور بوڑھے کا نداز تک دریائے یاس و حسرت میں ڈوب گئے۔ اور جب غریب نورالدین کے قتل کا وقت آیا لوگ جوق در جوق مقتل میں جا اکٹھے ہوئے۔ وزیر بھی دس مسلح غلام لیے وہیں آپہنچا۔ اور داروغہ جیل کو حکم دیا کہ نورالدین کو وہاں حاضر کیا جائے۔ نورالدین اسوقت جیل میں بیٹھا اس ماہیگیر کو کوس رہا تھا جس نے اسے خواہ مخواہ آفت کے منہ میں پھنسا دیا اور انقلاب زمانہ کو یاد کر کے حیران تھا کہ اتنے میں داروغہ جیل بھی آگیا اور اسے وزیر کے حکم سے اطلاع دی۔ اسکے اچھے کپڑے اتار کر لے اور قید یوں والی ٹاٹ پہنا کے مقتل میں لیچلا۔ نورالدین کے چہرے پر خوف کا نشان تک نہ دکھائی دیتا تھا۔ مگر اس بیکسی کی حالت میں دیکھکر معین کے سوا سب دوست و دشمن کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے نورالدین نے وزیر معین کی طرف جو اسکے خون کا پیاسا تھا عجب انداز سے دیکھا۔ اور بولا مجھے قتل کرا کے کیا تم آخرت کے بورئے لپیٹو گے؟ وزیر نے جواب دیا۔ نورالدین! کیا تو مجھے ان باتوں سے خائف کرا کر بچنا چاہتا ہے تو تیرا یہ خیال غلط ہے۔ یہاں وہ ملتے نہیں جنہیں تو جیسی آتار دے بہتیری نصیحتیں مجھے بھی یاد ہیں۔ لیکن آج میں تمام اہل بصرہ کی خلاف مرضی تمہیں قتل کرا کے ضرور ہی اپنا جی ٹھنڈا کروں گا۔ تم کیوں مفت میں دوسری کر رہے ہو۔ یہ کہکر جلاد کی طرف اشارہ کیا کہ اپنا کام ختم کرو۔ جلاد آگے آیا اور نورالدین کو سلام کر کے بولا۔ حضور! آپ کو معلوم ہی ہے۔ میں حکم کا بندہ ہوں اسلئے بے قصور ہوں۔ آپکی کوئی حاجت ہو تو مجھے اطلاع فرمائیں۔ تاکہ اسے پورا کیا جائے کیونکہ اب آپ کی عمر میں صرف چند ہی منٹ رہ گئے ہیں۔ نورالدین نے یہ سنکر چاروں طرف نظر دوڑائی اور سب ناظرین کو سلام کیا اور وداع چاہی۔ اور پانی کا پیالہ طلب کیا۔ یہ دیکھکر عوام بے چین ہوگئے اور چاروں طرف سے رونے چلانے کی آوازیں آنے لگیں۔ جلاد نے پانی دیا۔ وزیر اپنی جگہ سے اٹھا اور نورالدین سے پیالہ چھین کر پھینک دیا اور جلاد پر خفا ہونے لگا کہ تم نے اسقدر دیر کیوں لگا رکھی ہے۔ وزیر کی یہ حرکت دیکھکر لوگوں کو بڑا جوش آیا اور ایک گھمسان مچنے کو تھا کہ دور سے ایک غبار اڑتا ہوا دکھائی دیا جس کی چوٹی آسمان سے لگی ہوئی نظر آتی تھی۔ بادشاہ کو بھی خبر پہنچی۔ اسنے بھی محل سے منہ نکالا اور غور سے دیکھنے لگا۔ جب کئی منٹ تک۔ پتہ نہ چلا۔ تو ہرکاروں کو حکم دیا کہ ہوا ہو جائیں اور دوڑ کے خبر لائیں کہ یہ غبار کیسا ہے؟ اور جلاد کو نورالدین کے

بادشاہ سے بولا۔ آپ کیا کر رہے ہیں۔ یہ تو جعلی رقعہ ہے۔ نہ ہی اسپر کسی کے دستخط ہیں اور نہ ہی لانے والے کیساتھ کوئی اراکین دربار میں سے ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ خلیفہ کا خط کہیں سے اسکے لانے والے نے دیکھ لیا ہے۔ اور اسکی طرز تحریر اڑا کر آپ کی طرف یہ رقعہ لکھ لایا ہے۔ تو آپ کیوں دھوکے میں آکر تخت سے اترتے ہیں۔ سلطان محمد زینبی نے جواب دیا۔ ایا اس کا فیصلہ کیسے ہو؟ معین نے جواب دیا۔ کاغذ پر دستخط کا نہ ہونا تو آپ خود بھی ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ مگر باقی کے لئے ایک آدمی کو بغداد کیطرف بھیجا جائیگا۔ وہ جا کے پتہ لے آئیگا جب تک اسکا حال میری قید میں رہے۔ اگر آپ کو خلیفہ نے ٹھیک یہی حکم دیا ہوگا تو تصدیق ہو جائیگی اُس وقت آپ اس کی تعمیل بشوق کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر یہ جعلی ثابت ہوا تو آپ مجھے اس سے اپنا انتقام لینے کی اجازت عطا فرمائیے گا۔ سلطان محمد بن زینبی نے وزیر کا یہ کلام سنکر نور الدین کو قید میں رکھنے کا حکم دیا اور سپاہیوں نے اُسے قید خانہ میں لیجا کر وزیر کے اشارہ سے اسقدر مارا کہ بیچارہ ادھ موا ہو گیا۔ مگر داروغہ جیل بالذات شریف الطبع تھا اور وہ نور الدین سے محبت بھی رکھتا تھا اسلئے وزیر کے چلے جانے کے بعد اُس نے نور الدین کو جیل میں بہت کچھ راحت سے رکھا۔ مگر وزیر ہر روز آ کے داروغہ کو ہدایت دے جاتا۔ کہ نور الدین کو مارو۔ اور داروغہ ہاں کر کے بات ٹال دیا کرتا۔ غرض چالیس دن اسی حال میں گذر گئے اکتالیسویں دن خلیفہ کی طرف سے دربار میں ہدیہ آیا۔ سلطان نے ارکان دربار کو بلا کر مشورت کی کہ معلوم ہوتا ہے۔ یہ ہدیہ خلیفہ نے نئے سلطان کے لئے بھیجا ہے۔ اب تم صلاح بتاؤ۔ کیا کیا جائے۔ وزیر معین نے رائے دی میں نے تو پہلے ہی عرض کر دیا تھا۔ کہ اُسے قتل کر کے فیصلہ کر دیا جائے۔ سلطان نے فرمایا اب کیا ہو گیا ہے۔ آج ہی کمبخت کی گردن مارو۔ معین نے سر اطاعت جھکا کر شکریہ ادا کیا۔ اور عرض کی کہ میں چاہتا ہوں پہلے شہر میں منادی کیجائے۔ کہ جو شخص نور الدین کی گردن زنی کا تماشہ دیکھنا چاہے مقتل میں آ جائے۔ بدذات نے برسر عام میری جو ہتک کی تھی میں بھی عوام کے روبرو اسکا انتقام لیا چاہتا ہوں۔ سلطان محمد بن زینبی نے فرمایا۔ جو تمہاری مرضی ہو کرو۔ وزیر معین نے بہ تشکر زمین خدمت کو بوسہ دیا اور شہر بصرہ میں منادی کرا دی۔ کہ کل نور الدین وزیر فضل ابن خاقان مرحوم کو قتل کیا جائیگا۔ جو شخص چاہے آ کے مقتل میں یہ تماشہ دیکھ سکتا ہے۔ لوگ اس ہیبتناک خبر کو سنکر بیحد پریشان

کیا طاقت ہے کہ یہ سب کچھ لیجائے۔ دینار میری طرف کردے۔ اور میں تجھے مچھلیوں کی قیمت دیدیتا ہوں مگر لونڈی کو تو تو ہرگز یہاں سے نہیں لیجا سکتا۔ خلیفہ بولا۔ دینار تو تو بیشک لے سکتا ہے مگر لونڈی تو میں یہاں کبھی نہ چھوڑونگا۔ یہ سنکر شیخ کو بڑا غصہ آیا۔ اور ایک چینی کی رکابی پکڑ کر خلیفہ کی طرف پھینکی۔ مگر وہ پرے ہٹ گیا تھا۔ اسلئے رکابی دیوار سے لگ کر چور چور ہوگئی شیخ ابراہیم اور بھی برہم ہوا۔ اور ایک لیمپ اٹھا کر باہر سے لکڑی ڈھونڈنے گیا۔ تاکہ اس سے خلیفہ کو جسے وہ کریم ماہیگیر سمجھتا تھا سزا دے۔ خلیفہ نے وزیر جعفر اور خواجہ سرا مسرور کو آواز دی وزیر نے اسی عرصہ میں محل سے خلیفہ کے لئے شاہی لباس بھی منگا لیا۔ وہ آئے۔ خلیفہ نے جھٹ پٹ کپڑے بدل لئے اور تخت پر بیٹھ گیا۔ وزیر جعفر اور خواجہ سرا مسرور تخت کے دونو پہلوؤں میں بڑے ادب سے کھڑے ہوگئے۔ جب شیخ لکڑی لایا تو وہاں اور ہی رنگ دیکھا۔ سارا نشہ ہرن ہوگیا اور سوچنے لگا۔ میں سوتا ہوں یا جاگتا۔ خلیفہ نے پوچھا شیخ ابراہیم تو کسے ڈھونڈتا ہے۔ یہ سنکر کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ جھٹ خلیفہ کے قدموں پر گر پڑا اور گڑگڑا کر اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگا۔ خلیفہ نے اُسے معاف کردیا۔ انیس جلیس یہ سب دیکھکر حیران ہو رہی تھی۔ اب خلیفہ اُسکی طرف مخاطب ہوکر بولا۔ انیس! تم اطمینان رکھو۔ نورالدین جیسا جوانمرد میں نے دنیا بھر میں دوسرا نہیں پایا۔ جس نے ذراسی بات پر اپنی پیاری معشوقہ کو بخشدینے میں بھی تامل نہیں کیا۔ اسکے عوض میں نے اُسے بصرے کا بادشاہ بنا کے بھیجا ہے۔ تھوڑے دنوں کے بعد وزیر کو خلعت دیکے بھی بھیجدیا جائیگا اور تمہیں بھی ساتھ ہی روانہ کردونگا۔ جب تک تم محل شاہی میں جا کر رہو۔ اور وزیر کو حکم دیا کہ انہیں کو عزت کے ساتھ شاہی محل میں لیجایا جائے۔ اب پہلے نورالدین کی طرف بھی چلنا چاہئے کہ اُسکا کیا حال ہوا۔ کئی دنوں کی مسافت کے بعد جب وہ بصرے میں پہنچکر شاہی دربار میں باریاب ہوا۔ اور وہ رقعہ سلطان محمد بن زینبی کے ہاتھ میں دیدیا۔ سلطان اُسکا عنوان پڑھکر تعظیم کے لئے تخت سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور اُسے تین بار چوم کے پڑھنے لگا۔ جب پڑھ چکا تخت سے اُتر گیا اور اہلکاران کو بلاکر تخت سے علیحدہ ہونا چاہتا تھا کہ اتنے میں وزیر معین بن ساوی بھی آگیا۔ سلطان نے اُسے وہ رقعہ دیا۔ کہ پڑھے رقعہ پڑھکر معین کی نانی مرگئی۔ مگر اُسنے چالاکی سے خلیفہ کے دستخط والا حصہ پھاڑ کر نگل گیا اور

تو جاؤ۔ میں نے تمہیں ہی یہ لونڈی بخشدی۔ اب اٹھو۔ اور جہاں چاہو۔ اسے ساتھ لیجاؤ۔ یہ کہکر خود بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ اور وہاں سے چلدینے کا ارادہ کیا۔ انیس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ نورالدین کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھکر بولی۔ کیا آپ مجھے بغیر وداع کئے ہی چلے جائینگے نورالدین یہ سُنکر بیتھر گیا اور اسکی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ خلیفہ اس دردناک حسین کو دیکھکر برداشت نہ کر سکا۔ پوچھا۔ صاحب! معلوم ہوا۔ یہ آپ کی بڑی پیاری لونڈی ہے اور آپ اسکے آقا ہیں۔ نورالدین نے جواب دیا۔ ہاں! مگر اے ماہیگیر ہم دونوں کی سرگذشت بڑی عجیب ہے۔ خلیفہ نے پوچھا۔ کیا آپ مجھے اپنی سرگذشت سنا کر مشکور کرینگے۔ کیا عجب ہے کہ خداتعالیٰ آپ کی مشکلات میرے ہی ہاتھ سے حل کرا دے۔ یہ سُنکر نورالدین نے کچھ ایسے درد سے اپنی کہانی سُنائی۔ کہ خلیفہ کے بھی آنسو نکل پڑے۔ خلیفہ نے پوچھا۔ تو اب تم کہاں جاؤگے۔ نورالدین نے جواب دیا۔ ملکِ خدا تنگ نیست ؛ پائے گدا لنگ نیست۔ خلیفہ نے کہا تو میں آپ کو ایک رقعہ لکھے دیتا ہوں۔ اسے سلطان محمد زبینی کی خدمت میں لیجاؤ۔ وہ تمہیں کچھ نہ کہیگا۔ نورالدین بولا۔ دنیا میں یہ بھی کبھی ہُوا ہے۔ کہ ایک ماہیگیر ایک بادشاہ جلیل القدر کو سفارشی رقعہ لکھے۔ خلیفہ نے کہا یہ ٹھیک ہے۔ لیکن وجہ بھی تو سن لو۔ ہم دونوں ایک ہی مکتب میں اکٹھے پڑھتے رہے ہیں اور ہم میں پرلے درجہ کی محبت تھی۔ لیکن قسمت سے وہ تو بادشاہ بنگیا اور میں نے ماہی گیری کا پیشہ اختیار کر لیا مگر وہ میری بات ابھی تک ویسے ہی مانتا ہے۔ اگر میں اسے ہزار حاجتیں بھی لکھدوں تو وہ یقیناً انہیں پورا کریگا۔ نورالدین یہ سُنکر بولا۔ لکھدو۔ بہت اچھا۔ پھر خلیفہ نے قلم دوات لی اور کاغذ لیکر لکھا۔ بھائی محمد زبینی حامل رقعہ نورالدین بن وزیر فضل بن خاقان حاضر ہوتا ہے جس وقت یہ رقعہ آپکو ملے فوراً تخت سے اتر کر اسے اوپر بٹھا دینا۔ تساہل ہرگز نہ ہو۔ میں اسے اپنی طرف سے بصرے کا حاکم مقرر کرکے بھیجتا ہوں۔ دستخط خلیفہ ہارون الرشید۔ پھر لفافہ بند کرکے نورالدین کو وہ رقعہ دیدیا اور نورالدین اُسے جیب میں رکھ فوراً وہاں سے چل پڑا۔ اب پیچھے کی حالت سنئے۔ شیخ ابراہیم نے خلیفہ کو اب تک نہ پہچانا تھا۔ اور وہ اسے کریم ماہیگیر ہی سمجھتا تھا۔ اسلئے نورالدین کے چلے جانے کے بعد اسکی طرف مخاطب ہُوا۔ اے کریم۔ تو وہ مچھلیاں لایا جنکی قیمت زیادہ سے زیادہ دس درہم ہوتے ہیں مگر تو نے تین دینار لیکے جھٹ جیب میں ڈال لئے۔ اور لونڈی بھی ساتھ لیجانا چاہتا ہے تیری

تمہاری مچھلیاں کیسی ہیں۔ خلیفہ آگے گیا اور انیس کے سامنے جا کے ٹوکرا رکھدیا۔ انیس نے مچھلیوں کو پسند کیا۔ شیخ نے بھی تائید کی۔ اب خلیفہ کو حکم ملا کہ اچھا انہیں صاف کرکے بھون بھی تم لاؤ۔ خلیفہ نے پوچھا مصالحہ کہاں سے لوں۔ جواب ملا۔ ہمارے باورچیخانہ میں سب کچھ پڑا ہے۔ وہاں سے لیلو۔ خلیفہ نے کہا حضور بہت اچھا۔ پھر ٹوکرا اُٹھا کر وزیر کے پاس آیا۔ کہ جاؤ اور باورچیخانے میں جاکر انہیں نہایت سلیقہ سے صاف کرکے بھون لاؤ۔ وزیر نے مچھلیاں لیلیں اور مسرور کو ساتھ لیکر باورچیخانے میں چلا گیا اور بڑے شوق سے انہیں پکا کر کیلے کے پتے پر رکھ خلیفہ کے سامنے لے آیا۔ خلیفہ نے باغ سے لیموں توڑے اور ساتھ ہی رکھکر بارہ دری پر لیگیا۔ نورالدین۔ انیس اور شیخ مچھلی لیمو کھا کے بہت خوش ہوئے۔ اور نورالدین بولا۔ ماہیگیر آج رات تم نے ہم کو بہت خوش کیا ہے یہ کہکر جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اور تین دینار نکال کے خلیفہ کو دیدئے۔ پھر معذرت کی۔ کہ اسوقت میری یہی طاقت ہے۔ اگر کسی وقت ملتے جبکہ میری کچھ استطاعت بھی تھی تو تم کو امیر بنا دیتا۔ خلیفہ نے وہ تینوں دینار لے لئے اور انہیں چوم کر جیب میں ڈالدیا۔ مگر خلیفہ کی اصل غرض انیس کا گانا سُننے کی تھی۔ اور وہ مچھلی کھا کے مزے میں بھی آئی ہوئی تھی۔ اسلئے خلیفہ نے نورالدین کی تعریف کی۔ کہ میں نے آپ سا سخی روئے زمین پر نہیں دیکھا۔ لیکن میری ایک تمنا ہے۔ نورالدین نے پوچھا۔ کیا؟ خلیفہ نے جواب دیا۔ میں سامنے ایک ستار دیکھ رہا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے یہ بی بی اُسے بجا سکتی ہے۔ اور چونکہ میں گانا سننے کا بڑا مشتاق ہوں۔ اسلئے اگر آپ فرمائیں تو یہ بی بی ذرا ستار بجائے۔ تاکہ میں آپ کو دُعا دیتا ہوا جاؤں۔ نورالدین نے حکم دیا۔ انیس۔ اس ماہیگیر کو کوئی اچھا سا گانا ستار کے ساتھ گا کے سُناؤ۔ کیونکہ یہ تمہارا گانا سُننے کا بڑا ہی مشتاق ہے۔ بیچارہ کیا یاد کریگا۔ انیس نے جب اپنے آقا کا حکم سُنا۔ ستار اُٹھائی۔ اور ایسے پریم سے ایک گیت گایا کہ درختوں تک وجد میں آکر جھومنے لگے۔ خلیفہ تو اُسکا گانا سُنکر بے اختیار ہوا جاتا تھا اور سبحان اللہ۔ جزاک اللہ کے کلمے مُنہ سے نکال رہا تھا۔ نورالدین اُسکی یہ حالت دیکھکر بولا۔ کریم! کیا تجھے انیس کا گانا بجانا بھلا معلوم ہوتا ہے۔ خلیفہ نے جواب دیا۔ خدا کی قسم میں نے آجتک ایسا گانے بجانے والا دُنیا بھر میں کوئی دیکھا ہی نہیں۔ یہ سُنکر نورالدین بولا۔

تعمیل کی۔ اتنے میں خلیفہ نے بھی اپنا شاہی لباس اُتار دیا اور کریم کو اشارہ کیا۔ کہ تم ہمارے کپڑے پہن لو اور ہم تمہارے پہن لیتے ہیں۔ جب لباس تبدیل کر لئے کریم کو حکم دیا کہ اب تو اپنا کام کیئے جا۔ کریم نے خلیفہ کے پاؤں چوم لئے اور جان بخشی کا شکریہ ادا کیا۔ اتنے میں خلیفہ کو جوئیں کاٹنے لگیں جو اُس ماہیگیر کے کپڑوں میں بے انتہا تھیں۔ خلیفہ نے اُسے کہا کریم تمہارے کپڑوں میں جوئیں بہت ہیں۔ اُسنے جواب دیا حضور! اسوقت تو آپکو تکلیف ضرور ہوگی مگر ایک جمعہ گذر جانے دیجیئے۔ پھر آپ کو محسوس بھی نہ ہوگی۔ خلیفہ ہنس پڑا اور پوچھنے لگا۔ بھلا میں ان کپڑوں میں کیسا نظر آتا ہوں۔ کریم نے از روئے تمسخر جوابدیا۔ حضور مجھے امیر المومنین کی ہیبت سے خوف آتا ہے۔ خلیفہ نے کہا۔ ڈرو نہیں۔ جو دل میں ہو صاف صاف کہدو۔ کریم نے جوابدیا۔ حضور! سچ تو یہ ہے کہ آپ اسوقت پورے ماہیگیر معلوم ہوتے ہیں۔ یہ سنکر خلیفہ ہنس پڑا۔ پھر ماہیگیر نے تو اپنا راستہ لیا اور خلیفہ مچھلیوں کی ٹوکری پر تھوڑا سا گھاس ڈالکر وزیر جعفر کے سامنے آکھڑا ہوا۔ وزیر نے سمجھا کریم ماہیگیر انعام لینے کے لئے آیا ہے۔ کہا۔ کریم! جلدی یہاں سے نکل جاؤ۔ کیونکہ خود بدولت یہیں ہیں۔ مبادا دیکھکر خفا ہوں۔ خلیفہ یہ سنکر مارے ہنسی کے بیتاب ہوگیا۔ وزیر جعفر نے بھی سمجھ لیا کہ دھوکا ہوا۔ شرمندہ سا ہوکر بولا۔ یہ تو خود حضور ہیں میں نے کریم ماہی گیر سمجھا تھا۔ خلیفہ نے جوابدیا جب تم ہوش و حواس میں ہوکر مجھے نہیں پہچان سکے تو شیخ ابراہیم مخموری کی حالت میں کس طرح مجھے پہچان لیگا۔ اب تم کہیں اِدھر اُدھر ہو جاؤ۔ اور میں بھی ابھی آتا ہوں وزیر اور مسرور یہ سنکر وہیں چھپ رہے اور خلیفہ نے اوپر جاکے دروازہ کھٹکھٹایا۔ شیخ بولا۔ کون ہے۔ جواب ملا میں ہوں۔ شیخ بولا یا۔ ابے تو کون ہے۔ نام بھی بتائیگا یا ٹرٹر ہی کیا جائیگا خلیفہ نے جوابدیا۔ حضور میں کریم ماہی گیر ہوں سنا تھا کہ آج آپ کے ہاں مہمان آئے ہوئے ہیں۔ اسلئے میں حضور کی خدمت میں کچھ مچھلی لیکے آیا ہوں نور الدین اور انیس مچھلیوں کے پرلے درجے کے مشتاق تھے۔ جب اس کا نام سنا۔ فوراً شیخ سے کہنے لگے۔ جناب! اُٹھ کے ماہیگیر کو دروازہ کھول دیئے۔ تاکہ وہ اندر آکے ہمیں اپنی مچھلیاں دکھلائے۔ شیخ نے اُٹھ کے دروازہ کھولدیا۔ خلیفہ نے سلام کہی اور شیخ نے جوابدیا۔ آؤ میرے آج رات کے چور و بچوں

توجعفر نے جواب دیا۔ اسلیئے کہ اگر اس نے ستار اچھی بجائی تو میں مارا جاؤنگا ورنہ سب کے سب کبھی توجان دینگے۔ یہ سُنکر خلیفہ ہنس پڑا ادھر انہیں نے شیخ کے ہاتھ سے ستار لیکر پہلے اس کی تاریں ٹھیک کیں۔ پھر مضروب انگلی پر چڑھا کے ستار بجانے اور ایسا دلکش گیت گانے لگی جس سے پتھر بھی پانی ہوگئے۔ خلیفہ اور اُسکے ساتھی بھی محوِ حیرت ہوگئے۔ جب انیس نے گانا ختم کیا خلیفہ وزیر سے مخاطب ہوا کہ اسے جعفر لیئے عمر بھر میں ایسا بجیّا اور گویّا کوئی نہیں دیکھا۔ وزیر نے پوچھا کیا اس سے آپ کا غصہ جاتا رہا ہے۔ خلیفہ نے جوابدیا۔ بلا شبہ۔ پھر وہ نیچے اتر آئے اور خلیفہ نے فرمایا۔ میں اوپر جاکے اُن کے پاس بیٹھنا چاہتا ہوں اور خواہش ہے کہ سامنے بیٹھا کے اس حسینہ کا گانا سُنوں۔ وزیر نے جوابدیا۔ اغلباً یہ ان لوگوں کو شاق گذریگا اور شیخ ابراہیم تو یقیناً مارے خوف کے مر ہی جائیگا۔ خلیفہ نے فرمایا۔ پھر کوئی اور حیلہ سوچنا چاہیئے جس سے میں اندر پہنچ رہوں اور اُن لوگوں کو بھی شاق نہ گذرے۔ اس فکر میں وہ دجلہ کے کنارے پر جا کھڑے ہوئے۔ دیکھتے کیا ہیں۔ کہ ایک ماہی گیر مچھلیاں پکڑ رہا ہے۔ خلیفہ نے اُس جگہ سے ماہی گیروں کو مچھلیاں پکڑنے کی ممانعت کردی ہوئی تھی۔ مگر شیخ ابراہیم کی غفلت سے کریم نامی ماہی گیر نے فائدہ اُٹھانا چاہا۔ اسلیئے وہ باغ کا دروازہ کھلا پاکر گھر سے جال لے آیا اور اب دجلہ سے مچھلیاں پکڑ رہا تھا۔ خلیفہ نے جعفر اور مسرور کو تو وہیں چھوڑا اور آپ نظر بچا کے کریم کے سر پر جا کھڑا ہوا۔ کریم نے دریا میں جال ڈالا ہوا تھا اور اپنی مفلسی پر افسوس ظاہر کرکے زمانے کی گردش کا شکوہ کر رہا تھا۔ جب خاموش ہوا خلیفہ کو اپنے سر پہ کھڑا پایا۔ بیچارے کی بوٹی بوٹی کانپنے لگی۔ اور سوچنے لگا۔ واہ قسمت! کہاں لا پھنسایا۔ جہاں سے نجات ہی نہیں ملیگی۔ میں نے خیال کیا تھا شیخ ابراہیم غافل ہے۔ مگر یہ تو خود بدولت آپہنچے۔ خلیفہ اُسے خاموش دیکھکر پوچھنے لگا۔ اے کریم! کیا بات ہے۔ چپ کیوں رہ گیا۔ کریم نے جوابدیا۔ حضور! کیا عرض کروں۔ بھوک نے حضور کی چوری پر آمادہ کیا تھا۔ مگر قسمت ظالم ہے اب جان بچتی نظر نہیں آتی۔ خلیفہ نے تسلی دی۔ کہ اطمینان سے اپنا کام کیئے جا۔ یہ سُنکر کریم کو کچھ ہوش آئی۔ اتنے میں جال بھی بوجھل دکھائی دیا۔ اور جب اُسے باہر کھینچا۔ اچھی اچھی مچھلیاں نکلیں۔ یہ دیکھکر خلیفہ کو خوشی ہوئی۔ اور فرمایا۔ اے کریم! جلدی سے اپنے کپڑے اُتار دے۔ کریم نے حکم کی

تصویر انیس جلیس و نور الدین و شیخ ابراہیم کے مے نوشی کی خلیفہ و وزیر جعفر و مسرور کا چھپ کے دیکھنا



سامنے جا کھڑا ہوا۔ کوئی بات نہ بن آئی۔ خلیفہ بولا۔ خدا جانے انہیں یہاں کون لے آیا ہے مگر میں نے آجتک اس نوجوان اور اس عورت کے برابر خوبصورتی میں کسی کو نہیں پایا۔ نہیں معلوم یہ ہیں کون۔ وزیر جعفر نے عرض کی۔ حکم ہو تو دریافت کر آؤں۔ خلیفہ نے کہا نہیں۔ ہم اُس سامنے والی شاخ پر بیٹھکر یہیں سے ان سب کا تماشہ دیکھینگے۔ سامنے جاتے ہیں وہ جھجک جائینگے۔ غرض وہ تینوں اُس درخت پر چڑھ گئے۔ اور چھپ کے ایسی جگہ بیٹھ گئے کہ وہ تو بارہ دری کے اندر والوں کو بخوبی دیکھ سکیں۔ مگر اُن پر کسی کی نظر نہ پڑ سکے اور دیکھا کہ شیخ ابراہیم انیس سے کہہ رہا ہے شراب پلاکر وقار تو تم نے کھو دیا۔ اب اگر کچھ گا کے سناؤ۔ تو مزہ ہے۔ انیس نے جواب دیا اے شیخ ابراہیم گانے کا مزہ جب ہے کہ کوئی ساز بھی ہو۔ بغیر ساز کے گانا کچھ اچھا نہیں لگتا۔ شیخ یہ سُنکر فوراً اُٹھا اور بارہ دری کے کمرے سے ایک ستار اٹھا لایا۔ خلیفہ نے غور کیا تو وہ اسحاق کی ستار تھی۔ یہ دیکھکر کہنے لگا۔ اگر اس عورت نے ستار کو میرے دلپسند بجایا تو خدا کی قسم میں ان تینوں کا گناہ معاف کر دونگا اور نہیں پھانسی پر لٹکواؤنگا ورنہ تینوں کے ساتھ تمہاری بھی جان لونگا جعفر یہ سُنکر بول اُٹھا۔ یا خدا! یہ عورت ستار کو آپ کے دلپسند نہ بجائے۔ خلیفہ نے وجہ پوچھی

مدد کی۔ اور نہ ہی مجھے خبر دی۔ وزیر نے معذرت کی حضور میں بھول گیا۔ اسلئے معافی مانگتا ہوں۔ خلیفہ نے فرمایا۔ خیر! لیکن میں اب آخری شب وہیں شیخ کے پاس ہی بسر کرنا چاہتا ہوں کیونکہ وہ ایک مرد صالح ہے اور اُسکے پاس سالک اور فقیر لوگ ہر وقت جمع رہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آج بھی سب لوگ وہاں جمع ہونگے تو ہمیں بھی وہاں ضروری چلنا چاہیے۔ شاید ان میں سے کوئی ہم پر بھی عنایت کی نظر ڈالدے جس سے ہماری دنیا اور عاقبت سدھر جائے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہمارے جانے سے اُسے اور اُسکے دوستوں کو مسرت ہو۔ وزیر بولا حضور اب تو بہت رات آچکی ہے۔ اب تو اُسکا جلسہ قریب الاختتام ہوگا۔ اس وقت آپ وہاں جاکے کیا کیجئےگا۔ خلیفہ نے جواب دیا۔ نہیں ہم ضرور چلینگے۔ خلیفہ یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ وزیر بھی ساتھ ہولیا۔ اور خواجہ سرا مسرور کو بھی ساتھ لے لیا اور تینوں چلتے چلاتے دروازہ باغ پر پہنچ گئے۔ دروازے کو کھلا پاکر خلیفہ نے کہا یہ بھی شیخ کی عادات سے بعید تر ہے۔ وہ اسوقت تک کبھی شاہی باغ کے دروازے کو کھلا نہیں رکھتا۔ پھر وہ آگے بڑھے اور اس بارہ دری کے نیچے جاکھڑے ہوئے جو اسوقت چراغاں ہو رہی تھی۔ خلیفہ نے فرمایا۔ اے جعفر! قبل اسکے کہ ہم آگے بڑھیں۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ شیخ کیا کر رہا ہے اور اُسکے ساتھی کس شغل میں لگے ہوئے ہیں۔ پھر وہ اِدھر اُدھر دیکھکر وہ ایک درخت پر چڑھ گیا جو بارہ دری کے قریب واقع تھا۔ اور شاخ در شاخ ہوکر ایک ٹہنی پر جا بیٹھا۔ جہاں سے بارہ دری کے اوپر کی منزل کا اندرونی حصہ من و عن دکھائی دے رہا تھا اور اندر کا نظارہ دیکھ کر اُسکے تن بدن میں غصے کی آگ لگ گئی۔ دیکھا چاند سورج کی ایک جوڑی بیٹھی تھی اور بڈھا ابراہیم اُنہیں شراب کے پیالے بھر بھر کے دے رہا تھا اور اب بھی اُنکے ہاتھ سے لیکے جھوم جھوم کر پی رہا تھا اور کہہ رہا تھا ؎

لُطف مے تجھ سے کیا کہوں زاہد ہائے کمبخت! تو نے پی ہی نہیں

خلیفہ یہ دیکھکر اُتر آیا اور وزیر سے کہنے لگا۔ اے جعفر! ایسے جو کرامات آج دیکھی ہے اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آتی۔ اس درخت پر چڑھ کے تو بھی دیکھ لے۔ جعفر یہ کلام سنکر حیران سا ہوگیا۔ اور درخت پر چڑھ کر بڈھے کی سفید داڑھی پر خدا کی پھٹکار پڑتے دیکھ تن بدن کا ہوش نہ رہا۔ یقین ہوگیا کہ اب خلیفہ زندہ نہ چھوڑیگا۔ ناچار درخت سے اُتر سر نیچے کئے خلیفہ کے

اجازت چاہی۔ مگر شیخ نے صرف ایک ہی کے جلانے کی اجازت دی۔ مگر نورالدین نے اسکی بات پر دھیان نہ دھر کر سب کے سب چراغ جلا دئے اور اب بارہ دری چراغاں دکھائی دینے لگی شیخ ابراہیم بھی جو اسوقت مخمور ہو رہا تھا۔ اٹھا۔ اور بارہ دری کے سب دروازے کھولدئے جب ان کاموں سے فراغت ہو چکی تو بڈھے ابراہیم نے انیس سے گانیکی فرمائش کی۔ اور اُس نے سرور میں آکر کچھ ایسا راگ گایا کہ سننے والوں کو وجد آگیا۔ خلیفہ اتفاق سے اسوقت اپنے محل پر جو دریائے دجلہ کے کنارے واقع تھا اردگرد کی سیر دیکھ رہا تھا۔ وہاں سے وہ باغ اور بارہ دری بھی من وعن دکھائی دیتے تھے۔ جب اُدھر نظر گئی۔ بارہ دری میں چراغاں دیکھ کے حیران ہوا۔ کہ میں تو یہاں آیا ہوں۔ اور مینے کوئی حکم بھی نہیں دیا۔ یہ آج کیا بات ہے؟ باغ میں روشنی خالی از علت نہیں۔ حکم دیا کہ وزیر جعفر کو بلاؤ۔ نوکر دوڑے گئے اور وزیر جعفر کو بلا لائے۔ وزیر نے آکر خدمت کی زمین چومی۔ اور بلانے کی وجہ پوچھی خلیفہ غصہ سے چلایا۔ تم وزارت کیا خاک کرتے ہو۔ جب تمہیں اتنی بھی خبر نہیں کہ بغداد میں کیا ہو رہا ہے وزیر نے ڈرتے ڈرتے عرض کی۔ یا امیرالمومنین آخر بات کیا ہے؟ خلیفہ نے فرمایا آگے آؤ۔ اور ادھر شاہی باغ کی طرف دیکھو۔ معلوم ہوتا ہے تم اب ہماری پرواہ ہی نہیں کرتے اور آپ خلافت کرنا چاہتے ہو۔ وزیر جعفر نے کانپتے ہوئے باغ کی طرف دیکھا اور اسے بقعۂ نور پاکر حیران ہوا۔ خلیفہ بولا اب تو تم نے دیکھ لیا۔ بتاؤ۔ یہ کیا بات ہے؟ اور کسے مقدرت ہے کہ ہماری اجازت کے بغیر باغ کو چراغاں کرے۔ وزیر نے چاہا کہ کوئی بہانہ کرکے خلیفہ کو ٹال دے اسلئے وہ بولا مجھے اب یاد آیا۔ معافی کا طلبگار ہوں۔ پچھلے جمعہ شیخ ابراہیم نے مجھ سے کہا تھا کہ میں آپکی اور خلیفہ کی زندگی میں اپنی اولاد کی شادی دیکھنا چاہتا ہوں میں نے پوچھا اس سے تمہارا کیا مقصد ہے۔ وہ بولا میں چاہتا ہوں کہ اس خوشی میں شاہی باغ کے درمیان جلسہ کروں اگر آپ خلیفہ سے اجازت حاصل کر دیں تو بہت مہربانی ہوگی۔ مینے جواب دیا کہ تو جو چاہتا ہے کر سکتا ہے۔ میں خلیفہ سے عرض کر دونگا۔ یہ سنکر وہ چلا گیا۔ اور مجھے حضور سے عرض کرنے کا خیال نہ رہا۔ خلیفہ نے فرمایا اے جعفر! پہلے تم نے ایک خطا کی تھی اور اب دو کے ذمہ دار بنتے ہو۔ سمجھے پہلی وجہ تو یہ ہے تیرے پاس اسلئے آیا تھا کہ کچھ مدد طلب کرے۔ مگر تم نے نہ تو خود اسکی

اسے پی جایئے۔ شیخ نے کہا۔ میاں میں آپ سے کہہ تو چکا ہوں۔ کہ میں اسے ترک کر چکا ہوں۔ اب کیسے ہاتھ لگا سکتا ہوں۔ جبکہ شریعت میں یہ چیز حرام شمار کی گئی۔ یہ جواب سُنکر نورالدین اُس گلاس کو غٹا غٹ چڑھا گیا۔ اور فوراً وہیں پر دراز ہو رہا۔ جس سے معلوم ہو کہ سو رہا ہے۔ اور اسپر نشہ غالب آگیا ہے۔ اسوقت انیس نے اُس زاہد خشک کیطرف کچھ ایسی نظر سے دیکھا۔ کہ بڈھے کو مسئلہ شریعت کی یاد بھی بھول گئی۔ پھر بولی جناب من! اِن حضرت کا حال دیکھیے۔ جب میرے ساتھ شراب پینے بیٹھتے وہ ایک گلاس میں ہی ایسے مخمور ہو جاتے ہیں کہ دین و دنیا کی بھی ہوش نہیں رہتی۔ اور مجھے اکیلے رہنا پڑتا ہے۔ کوئی ساتھی نہیں ہوتا۔ جسکے ساتھ لطف اُٹھا سکوں۔ آپ ہی گلاس بھرتی ہوں اور آپ ہی پی لیتی ہوں۔ پھر جب سرور میں آکر گاتی ہوں تو کوئی بھی سننے والا نہیں ہوتا۔ اب بتائیے! مجھے رنج آئے یا نہ آئے۔ آج بھی جناب پر وہی کیفیت طاری ہو گئی ہے اور اب صبح سے پہلے ہوش آنا نہیں محال ہے۔ کیا آج آپ میرے ہم جلیس بن سکتے ہیں۔ یہ سُنکر بڈھے کے منہ میں پانی بھر آیا۔ منہ سے تو کچھ نہ کہا۔ مگر انیس نظروں سے تاڑ گئی۔ کہ اگر گلاس پیش کیا تو انکار نہیں ہوگا۔ یہ سمجھکر گلاس بھرا اور پیش کرکے بولی۔ یہ لیجیے۔ انکار کیا تو ہمیں کو ہے ہے کیجیے گا۔ ایک پری پیکر کے ہاتھ سے گلاس لیکر پینے میں جبکہ وہ التجا بھی کر رہی ہو۔ بڈھے نے کوئی ہرج نہ دیکھا اور یہ کہکر ع اگر یار مئے پلائے تو پھر کیوں نہ پیجیے گلاس لیا اور غٹا غٹ چڑھا گیا۔ اسکے بعد ایک گلاس خود بھرا اور انیس کے پیش کیا۔ انیس لیکے پی گئی۔ پھر انیس نے دوبارہ شیخ کو ایک گلاس دیا۔ بڈھے نے وہ بھی لے لیا اور جھٹ خالی کرکے رکھدیا۔ نورالدین فوراً اُٹھ بیٹھا اور شیخ سے مخاطب ہوا۔ کہیں حضرت بتائیے۔ وہ آپکے مسائل کیا ہوئے۔ شیخ شرمندہ ہو گیا اور کہنے لگا خدا کی قسم میرا کوئی گناہ نہیں ہے اس لی بی نے مجھے جبر آپلا دیا ہے۔ نورالدین ہنس پڑا۔ پھر تینوں بیٹھ گئے اور دور چلنے لگا۔ حتیٰ کہ اس شغل میں ڈیڑھ پہر رات چلی گئی۔ اسوقت شیخ انیس کی طرف مخاطب ہوئی کہ اگر اجازت ہو۔ تو یہ چند فانوس روشن کر دوں۔ شیخ نے جواب دیا۔ ایک سے زیادہ فانوس نہ جلا مجھو اس کا خیال رہے۔ مگر وہاں کون سنتا تھا۔ انیس نے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تمام فانوس روشن کر دیئے۔ اب نورالدین کی باری آئی۔ اسنے بھی چند شمعیں روشن کر دیں

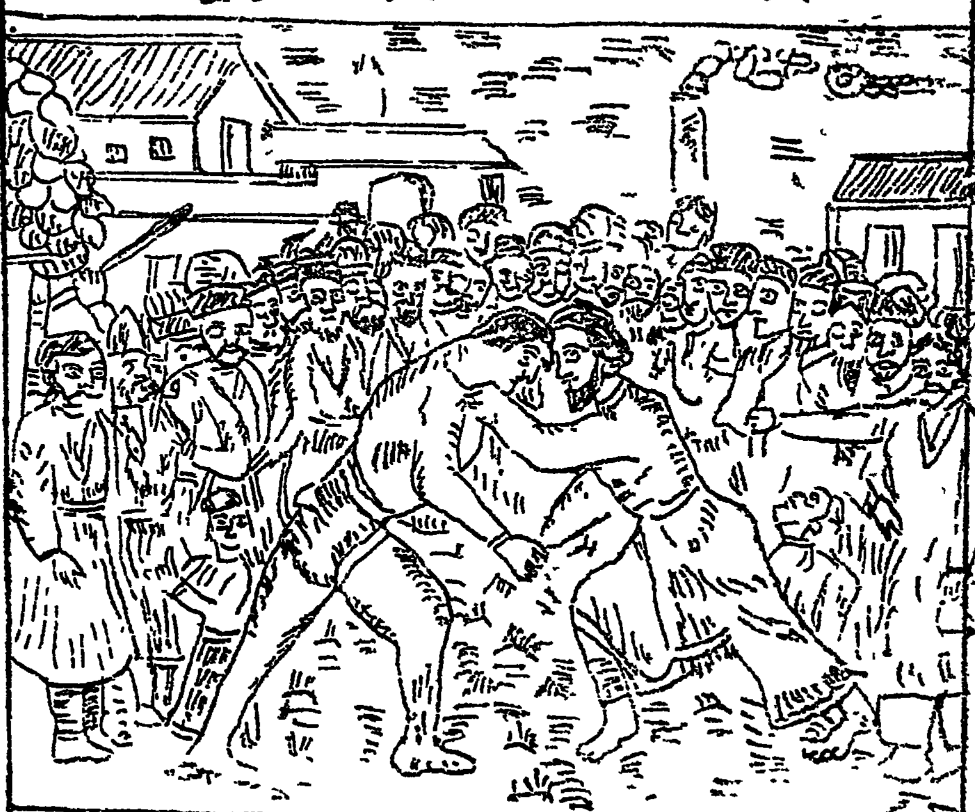
رہے تھے۔ شیخ ابراہیم نے بارہ دری کے اوپر ایسی جگہ بٹھا دیا۔ جہاں سے سارے باغ کی سیر بخوبی ہو سکتی تھی۔ بارہ دری کی خوشنمائی اور اس کے عجائبات کا ذخیرہ ملاحظہ کر کے نورالدین اور انیس بڑے خوش ہوئے۔ اور شیخ سے اسکی تعریف کر کے کہنے لگے۔ صاحب آپ نے تو باغ کو رشک جنت بنا رکھا ہے۔ واللہ اسے دیکھکر میری سب تکلیفیں رفع ہو گئی ہیں۔ پھر شیخ کھانا لایا جسے دونوں نے خوب سیر ہو کر کھایا اور ہاتھ دھو کے پھر باغ کی سیر کرنے لگا۔ اتنے میں شیخ بھی اپنے کاموں سے فراغت حاصل کر انکے پاس آگیا۔ نورالدین بولا۔ کیوں جناب؟ آپ کے پاس شراب بھی ہوگی۔ وہ غریب ٹھنڈا پانی لے آیا۔ نورالدین نے کہا میرا مطلب دوسری شراب سے ہے۔ جو آدمی کھانا کھانے کے بعد پیا کرتے ہیں۔ ابراہیم نے پوچھا۔ آپکا مطلب خمر سے ہے۔ نورالدین نے جواب دیا ہاں! وہ خمر ہی چاہیئے! شیخ نے کہا نعوذ باللہ۔ مجھے تیرہ سال ہوگئے میں نے اسے کبھی ہاتھ نہیں لگایا اسلئے کہ ہمارے نبی صلعم نے کہا ہے کہ شراب کا پینے والا نکالنے والا اور اٹھانیوالا تینوں ہی لعنتی ہیں۔ نورالدین بولا آپ میری بات تو سنئے یہ دو دینار لیجیے اور یہاں بیٹھے ایک گدھا بھی چرتا ہوا دیکھا تھا۔ اسے کلال کی دوکان پر لیجائیے۔ وہ دینار جاکے ہاتھ پر اسکے رکھدیں۔ وہ آپ ہی اسپر دو بوتلیں رکھدیگا۔ پھر ہانک کر گدھے کو یہاں لے آنا۔ ہم خود بوتلیں اتار لینگے۔ تم نے ہاتھ نہ لگانا شیخ نے اسے منظور کیا اور ہنستا ہوا دینار لیکر گدھے کو ہانک شہر کیطرف لیچلا اور تھوڑی دیر میں دو بوتلیں لئے وہاں آگیا۔ مگر آتے ہوئے باغ کا دروازہ بند کرنا بھول گیا۔ نورالدین نے گدھے سے بوتلیں اتار دیں۔ اور شیخ نے انہیں سونے چاندی کے برتن لا دئے۔ جو خلیفہ کے استعمال کیلئے وہاں پڑے ہوئے تھے۔ غرض دور چلنے لگا۔ بڈھا ابراہیم انکے سامنے پرے ہو کے بیٹھ گیا۔ نورالدین کسے دور بیٹھا دیکھکے کہنے لگا۔ بزرگوار سن! آپ ایسے دور ہو کے کیوں بیٹھے ہیں۔ آپ نے ہم پر بہت بڑی مہربانی کی ہے جس کا شکریہ ہم سے ادا نہیں ہو سکتا۔ وہ بولا نہیں نہیں یوں ہی اچھا ہوں تم اپنا کام کئے جاؤ۔ پھر اٹھ کے وہاں سے ٹل گیا۔ انیس پوچھنے لگی۔ اگر تمہاری مرضی ہو تو میں اس بڈھے کو راہ پر لے آؤں۔ مگر پہلے تم کوشش کرنا۔ اور اگر نہ مانے تو وہی گلاس خود پی کے لیٹ جانا۔ پھر میں آپ ہی دیکھ لونگی۔ یہ صلاح کر کے نورالدین نے شیخ کو آواز دی۔ وہ دوڑا آیا۔ اور نورالدین نے گلاس بھر کے بڑی خوشامد سے پیش کیا۔ کہ آپ کو ہماری ہی جان کی قسم ہے

ایک فانوس لٹکا ہوا تھا۔ عین بیچوں بیچ میں بھی ایک بہت بڑا سنہری جھاڑ لٹکا ہوا تھا۔ جب خلیفہ وہاں آتا سب جھاڑ اور فانوس روشن ہو جاتے۔ رنگ و رنگ ہوتا اور خلیفہ حظ اٹھایا کرتا۔ اس باغ کا مالی ایک بوڑھا متقی شیخ ابراہیم نامی تھا۔ شیخ ابراہیم اس دن اتفاقاً کسی ضرورت سے گھومتا گھومتا اُدھر بھی آ گیا۔ جہاں نورالدین اور انیس جلیس بھی تانے پڑے سو رہے تھے۔ اُسے سخت غصہ آیا۔ کہ یہ کہاں کے نواب ہیں۔ جو بادشاہی باغ میں اس بےفکری سے آ کے پڑے ہیں۔ شیخ کو خلیفہ نے حکم دے رکھا تھا۔ کہ باغ میں جس اجنبی کو پائے۔ اُس سے جیسا چاہے سلوک کرے۔ اس لئے سوچنے لگا۔ کہ اگر میں انہیں قتل کر دوں۔ تو مجھ سے باز پرسی نہ ہوگی۔ کیونکہ خلیفہ نے ایسے لوگوں کی قسمت میرے ہاتھ میں دے دی ہوئی ہے مگر میں انہیں ماروں گا نہیں صرف جگا دوں گا اور تھوڑی ڈانٹ بتا کر نکال دوں گا۔ تاکہ آئندہ کوئی اندر نہ آنے پائے۔ یہ سوچکر درخت کی ایک شاخ توڑ لایا۔ اسلئے کہ انہیں ہلکی سی سزا دے۔ مگر پھر خیال آیا۔ کہ خدا جانے کون ہیں۔ غریب الوطن ہیں مسافر ہیں یا کیا ہیں؟ ابراہیم تو انہیں بے جانے بوجھے کیوں مارتا ہے۔ پہلے ان سے انکا حال دریافت کر لے یہ سوچکر سنبھل گیا۔ اور ان کے منہ سے کپڑا اٹھایا اور چادر کے نیچے جب چاند سورج کی جوڑی چھپی ہوئی نظر آئی تو کہنے لگا۔ اگر میں مار بھی دیتا۔ تو بڑا گنہگار ہوتا۔ خدا جانے کون مظلوم ہیں۔ اس کے بعد نورالدین کی طرف آ کر اسکے شانے کو ہلانے لگا۔ یہاں تک کہ اُس نے آنکھ کھول دی۔ اور اپنے سامنے ایک بوڑھے بزرگوار کو پا کر شرمندہ ہو گیا۔ پھر اٹھ کے بوڑھے کے قدم لئے۔ شیخ نے پوچھا۔ بیٹا! تم کون ہو۔ نورالدین نے جواب دیا۔ جناب! ہم غریب الوطن مسافر ہیں۔ اور اسکی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ یہ دیکھکر شیخ پسیج گیا اور بولا۔ بیٹا! اطمینان رکھو۔ ہمارے پیغمبر نے مسافروں کی امداد فرض ٹھہرائی ہے پس اے بیٹا! کیا تم میرے ساتھ اندر چلکے بسر کر سکتے ہو۔ مجھ سے جو کچھ ہو سکیگا۔ تمہاری مدد بھی کروں گا۔ نورالدین نے پوچھا۔ جناب! یہ باغ کس کا ہے۔ ابراہیم نے جواب دیا۔ کہ مجھے ہی بزرگوں سے ورثہ میں ملا ہوا ہے۔ شیخ کا مقصد اس سے یہ تھا کہ وہ اطمینان سے اندر چل سکے۔ غرض نورالدین نے اسکا شکریہ ادا کیا۔ اور انیس کو جگا کر دونوں شیخ کے ساتھ ہو لئے۔ بوڑھا آگے آگے اور وہ جوڑی پیچھے پیچھے اُس باغ کی بہار دیکھتی جا رہی تھی جس میں دنیا بھر کے عجیب و غریب میوہ دار درخت میووں سے لدے ہوئے نہایت بھلے معلوم ہوتے تھے نہریں جاری تھیں اور چھوٹے چھوٹے

نکل جائیے۔ نور الدین نے وجہ پوچھی تو سنجر نے کہا۔ کہ معین بن ساوی نے تمہارے دربار میں بہت ہی شکایت کی اور تمہارے قتل کا حکم صادر ہو چکا ہے۔ ابھی چالیس سپاہی آکے تمہارا گھر کھود دوا ڈالینگے اور تم دونو کو پکڑ کے لیجائینگے۔ اسلئے اُنکے پہنچنے سے پہلے تم اس گھر کو چھوڑ دو۔ یہ کہکر علم الدین نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور چالیس دینار نور الدین کے سامنے رکھدئے۔ کہ میرے پاس اسوقت یہی کچھ تھا۔ ورنہ میں جو کچھ ہو سکتا حضور کی مدد کرتا۔ پس اب دیر نہ کریں۔ نور الدین نے اسکا شکریہ ادا کیا۔ اور اندر جا انیس کو ساتھ لے غورغا شہر سے باہر نکل گیا اور خدا کا نام لیکر ایک طرف کا رخ کر لیا۔ جب سمندر کے کنارے پر پہونچے وہاں جہاز کو تیار پایا۔ کپتان کہرہا تھا کہ کسی کا کچھ رہگیا ہو یا کوئی حاجت ہو۔ تو ابھی وقت ہے۔ سب نے کہا ہماری کوئی ضرورت باقی نہیں اتنے میں نور الدین بھی وہاں پہنچگیا۔ اسنے التجا کی۔ کہ ہمیں بھی بٹھا لیجیے۔ ہم بغداد کو جائینگے۔ کپتان نے دونو کو جہاز پر بیٹھ جانے کا اشارہ کیا اور جب وہ بیٹھ گئے۔ جہاز کا لنگر اُٹھا دیا گیا۔ ہوا موافق تھی سلئے جہاز اٹکھیلیاں کرتا ہوا جانے لگا۔ اب ان چالیس ہتھیار بند سپاہیوں کی سنو جنہیں نور الدین کی گرفتاری کا حکم ملا تھا۔ جب وہ مکان پر پہنچے۔ دروازہ بند پاکر اُسے توڑ ڈالا اور اندر گھس گئے اور ہر کونہ گوشہ ڈھونڈ مارا۔ مگر نور الدین ہوتے ملے۔ ناچار جب دونوں میں سے کوئی نہ ملا تو گھر کو کھدوا کر سطح زمین کے برابر کر دیا۔ اور بادشاہ کو خبر دی۔ موزبینی کو اُنکے نہ ملنے سے بڑا غصہ آیا۔ حکم دیا کہ سارے شہر میں ڈھونڈو۔ جہاں ملیں پکڑ کے لاؤ۔ غرض منادی کیگئی۔ مگر کسی کو نور الدین کی گرد کا بھی پتہ نہ لگا معین کے بادشاہ نے خلعت و بکرا شک شوئی کردی۔ اور کہا کہ میں تمہارا بدلہ لیکے رہونگا وہ بھی دعائیں دیتا گھر آیا۔ ادھر نور الدین اور انیس بخریت بغداد میں پہنچگئے۔ کپتان کو پانچ دینار دئے اور آپ ساحل مراد پر اتر کر شہر کی طرف روانہ ہوئے مگر نا واقفیت کے سبب شاہی باغ کی طرف جانکلے۔ بہار کا موسم تھا اور درختوں پر جوبن چھا رہا تھا۔ وہ فضا نور الدین کو بہت بھائی۔ اسلئے وہ آگے بڑھ کر دروازے کی راہ اندر جا بیٹھے۔ اور چشمہ کے کنارے بیٹھ کر منہ ہاتھ دھویا۔ پھر پانی پی کے وہیں لیٹ گئے۔ یہ باغ خلیفہ ہارون الرشید کا تھا اور اس میں خلیفہ کی ایک بارہ دری تھی۔ جب مرضی ہوتی خلیفہ اس باغ میں آکر سیر و سیاحت سے دل بہلایا کرتا۔ اس بارہ دری کے اسی دروازے تھے اور ہر دروازے میں ایک

اور بھی حیران ہوا اور پوچھنے لگا۔ اے معین! تمہاری یہ کیا حالت ہو رہی ہے معین نے جواب دیا حضور!
میں آج بازار میں جا رہا تھا۔ کہ نخاس میں ایک لونڈی کے نیلام ہونے کی آواز کان میں آئی۔ چونکہ مجھے بھی
کھانا پکانے کیلئے ایک لونڈی کی ضرورت تھی۔ اسلئے میں آگے بڑھا تاکہ میرے کام کی ہو تو اسے خرید لوں
لیکن جب میری نظر اس پر پڑی۔ میں حیران رہ گیا۔ کیونکہ ویسی خوبصورت اور خوش سلیقہ لونڈی میں نے عمر
بھر میں کبھی نہیں دیکھی۔ میرے دل میں خیال آیا۔ کہ اسے حضور کی خدمت گذاری کے لئے خرید کر لوں
غرض میں نے اسکی قیمت وغیرہ کے بارے میں دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ لونڈی نورالدین کی ہے جو
آپ کے سابق وزیر کا لڑکا ہے اور وہ پھوکوں مرتا اسے بازار میں بیچنے لایا ہے۔ میں نے بھی نیلام میں
بولی دیدی۔ یہ دیکھکر نورالدین تو غضب میں ہی بھر گیا۔ اور مجھے بر سر بازار عام لوگوں کے روبرو گھوڑے
سے اتار کر زمین پر پچھاڑ دیا۔ بلکہ میں نے آپ کا نام بھی لیا کہ یہ لونڈی میں حضور کیلئے خریدتا ہوں۔ مگر
وہ اور بھی تیز ہوتا گیا۔ اور حضور انور! میرا یہ حال جو دیکھتے ہیں محض آپ ہی کے لئے ہوا ہے حضور
والا! نیز مجھے معلوم ہوا۔ کہ حضور انور نے اسکے باپ کو جو دس ہزار اشرفیاں ایک خوبصورت اور خوب سیرت
لونڈی خریدنے کیلئے عطا فرمائی تھیں۔ ان سے اس نے یہ لونڈی خرید کر اپنے بیٹے کو دیدی تھی۔ اور
اب بیٹے نے باپ کے مر جانے کے بعد سب جائداد تباہ کر کے رکھدی ہے۔ یہانتک کہ اب لونڈی بیچنے کی
نوبت پہنچ گئی ہے۔ یہ کہ وزیر زمین پر گر پڑا اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ کہ حضور! اس شخص نے
مجھ بڈھے کو ایسی بری طرح سے مارا ہے۔ کہ مجھ کی پسلیاں سب لوٹ رہی ہیں۔ وزیر کا یہ حال اور
باتیں سنکر موزینی کا چہرہ مارے غیظ و غضب کے لال انگارہ ہو گیا۔ اور پکارا کوئی ہے۔ فوراً چالیس
مسلح سوار حاضر ہوئے۔ انہیں حکم دیا کہ فوراً جاؤ۔ اور نورالدین کا گھر گرا کے مٹی میں ملا دو۔ اور
لونڈی سمیت نورالدین کو پاؤں سے پکڑ کر گھسیٹ لاؤ۔ سوار سر تسلیم خم کر کے روانہ ہوئے۔ اب
دوسری طرف کی بھی سنئے۔ بادشاہ کے پاس ایک دربان تھا علم الدین سنجر نامی۔ وہ وزیر فضل بن
خاقان کا پروردہ تھا۔ جب اس نے اپنے آقازادے کی نسبت ایسا قہارانہ حکم سنا۔ فوراً دوڑا
اور ان سواروں سے پیشتر اپنے تئیں نورالدین کے ہاں پہنچا دیا۔ نورالدین آگے بیٹھک ہی میں بیٹھا ہوا
تھا۔ جب علم الدین نے دروازے پر ایک دستک دی وہ باہر نکل آیا اور پہچان کر خیر و عافیت
پوچھنے لگا۔ سنجر بولا۔ جناب یہ وقت باتوں کا نہیں ہے۔ اپنی جان کو لیکے جدھر منہ اٹھتا ہے۔

تصویر نورالدین بن فضل بن خاقان اور وزیر معین بن ساوی کی کشتی اور خلقت کا ہجوم



چالیس مسلح سوار بھی تھے۔ جب اُنہوں نے نورالدین کو اپنے آقا پر حملہ کرتے پایا میانوں پر ہاتھ رکھ لئے اور چاہتے تھے کہ ٹوٹ کر نورالدین کی بوٹی بوٹی کر ڈالیں۔ مگر عوام نے جو اس تماشے کو دلچسپی سے دیکھ رہے تھے اُنہیں سمجھا بجھا کر باز رکھا کہ وہ وزیر اور یہ وزیرزادہ انہیں لڑنے دو۔ تم کیوں بیچ میں پڑتے ہو۔ کل کو اگر انکی صلح ہو جائے تو تمہاری تو شامت آجائیگی۔ غرض جب نورالدین وزیر معین کو خوب روند چکا تو لوگوں نے بیچ پڑ کر بچاؤ کرا دیا۔ نورالدین نے انیس کا ہاتھ پکڑا اور گھر کی راہ لی۔ مگر معین جلا بھنا پھٹے بچارے گھوڑے پر سوار ہو شاہی دربار کیطرف گیا۔ بادشاہ ابھی محل سے نہ نکلا تھا کہ معین بن ساوی نے محل کے نیچے کھڑے ہو کر پکارا۔ اے بادشاہ! تو ہی ایک مظلوم کی فریاد رسی کر۔ بادشاہ نے آواز سنکر حکم دیا کہ دروازے پر کون فریاد کر رہا ہے۔ اُسے اندر لے آؤ۔ نقیبوں نے وزیر معین کی یہ حالت دیکھکر حیرانی ظاہر کی۔ اور اُسے عزت کیساتھ اندر لیگئے۔ بادشاہ اپنے وزیر کا یہ حال دیکھکر

کو قیمت ہرگز نہیں دیا کرتا - آپ کو ایک رقعہ لکھ دیگا - کہ مکان پر آکے قیمت لیجا نا - پھر آپکو کئی بار مطالبے کے لیئے جانا پڑیگا - آخر آپ جب تنگ آجاوینگے تو کہیگا - میرا رقعہ کہاں ہے؟ جب آپ رقعہ دینگے تو اُسے پھاڑکے پھینک دیگا - اور انکار کر دیگا - چلو بس چھٹی ہوئی - کہاں کا دینا اور کہاں کا لینا اور آپ ایسا ہیں اتنی طاقت نہیں دیکھتا - اسلیئے میری رائے ہے - کہ کسی حیلے سے آپ انہیں کو اسوقت واپس لیجا ہیں - نورالدین نے پوچھا - وہ کیسے ہو - دلال نے جواب دیا - میں اُدھر جاتا ہوں - اور معین کو کہہ دونگا - کہ قیمت لاؤ - اور لونڈی لیجاؤ - لیکن تم بھی میرے پیچھے ہی چلے آنا اور لونڈی کو پکڑکے دو چار چانٹے جڑ دینا - کہ چل اب گھر کو اب کوئی ایسا فعل مت کرنا - جس سے میں تجھے بیچنے پر مجبور ہو جاؤں - اب کے تو اتنی ہی سزا کافی ہے اور میری قسم اس سے ہی پوری ہو جائیگی کہ تجھے بیچنے کے لیئے بازار میں لا کھڑا کیا - اس حیلے سے بازار کے لوگ بھی سمجھ لینگے کہ آپنے فقط اس لونڈی کو اسلیئے بازار میں لا کھڑا کیا تھا - کہ قسم کھائی تھی ورنہ آپ اسے بیچنا نہیں چاہتے - یہ سمجھا کر دلال نورالدین سے جُدا ہو گیا - مگر نورالدین بھی اُسکے پیچھے ہی پہنچا اور لونڈی کا ہاتھ پکڑکے جھٹ دو چار چانٹے جڑ دیئے - نیز دلال نے جو کچھ پٹی پڑھائی تھی اُسے بھی پوری خوبی کے ساتھ ادا کیا - کہ مجھے تیری قیمت کی حاجت نہیں - میں تو فقط اپنی قسم پوری کیا چاہتا تھا - سو پوری ہو گئی - بازار میں دلال نے تیرے لیئے بولی دیدی - اب گھر کو چل - اور آیندہ کے لیئے کبھی مجھے غیظ میں لانیوالے کام نہ کیجیو - معین کو یہ دیکھکر وہ آگیا - اور بولا کہ بھلے مانس اب تیرے پاس اور رہا ہی کیا ہے - جس سے تجھے اس کی قیمت کی حاجت نہیں رہی - نورالدین اُسکی بات کو سہار نہ سکا اور تاجروں کی طرف مخاطب ہوا - کہ تم نے شاہد رہنا - یہ شخص کسقدر زیادتی کرتا ہے - معین بولا - زیادتی کی بھی ایک ہی کہی - میں تو تجھے جیتا نہ چھوڑتا - مگر جا انکی خاطر سے چھوڑ دیا - تاجر نے یہ سُنکر نورالدین کو اشارہ کیا - کہ کیا دیکھ رہا ہے - پکڑ لے - ہم تیری مدد کرینگے - اور ہمیں خوشی ہوگی - اگر تو آج اسے سر بازار پچھاڑ ڈالے - نورالدین یہ شہ پاکر آگے بڑھا اور معین بن ساوی کو کھینچا گھوڑے سے اُتار لیا - کہاں وہ بڈھا اور کہاں یہ جوان پاٹھا - مارے طمانچوں اور مکوں کے بچارے معین کے ہوش گم ہو گئے - پھر اُسے اُٹھاکے زمین پر پٹک دیا اور اُسکی چھاتی پر چڑھ کر وہ گھونسے دیئے کہ بچہ کو چھٹی کا دودھ یاد آگیا - معین کے

نورالدین نے کہا - ہاں ! تو اب تم ہی اسے فروخت بھی کرو - دلال یہ سنکر بازار کی طرف گیا اور نیلام چڑھانا شروع کرکے کہنے لگا - دوستو ! ہر سفید چیز چاندی نہیں ہوتی - نہ ہی ہر سرخ رنگ شے گوشت ہوتی ہے - آج میں آپ لوگوں کے سامنے وہ بیش قیمت چیز پیش کرتا ہوں جس کی قیمت کا اندازہ چاندی یا سونے کے ٹکڑوں سے نہیں ہو سکتا - یہ ایک لونڈی ہے جسے تم بظاہر و باطن بے بہا پاؤ گے - اب میں اسے نیلام کے لئے پیش کرتا ہوں - تم میں سے جو شخص بڑھ کر بولی دے وہ قیمت ادا کرکے اسے لیجا سکتا ہے - یہ سنکر ایک تاجر نے ساڑھے چار ہزار دینار رکھ دیے - اتفاقاً وزیر معین بن ساوی بھی ادھر سے دربار کو جا رہا تھا - نورالدین کو بازار میں کھڑا دیکھ کر سوچنے لگا کہ آج اسکے یہاں کونسا سودا بکنے کو آیا ہے - ضرور کچھ دال میں کالا کالا ہے - پھر آگے بڑھ کر جب ایک ماہ پارہ لونڈی کو نیلام ہوتے دیکھا تو سمجھ لیا کہ ہو نہ ہو - نورالدین ہی اسے بازار میں بیچنے کو لایا ہے - کھانے کو کچھ نہ رہا ہوگا - اور کوئی بات نہیں - یہ سوچکر سوداگروں سے پوچھا - کہ اب تک بولی کہاں تک پہنچی ہے - جواب ملا کہ فلاں سوداگر نے ساڑھے چار ہزار دینار کہے ہیں - وزیر معین نے سب تاجروں کو اشارہ کر دیا کہ خبردار اب اس سے زیادہ ایک درہم بھی کوئی شخص نہ کہے - معین کے منہ میں اس لونڈی کو دیکھکر پانی بھر آیا تھا - اور وہ اسے خرید کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کرکے اصل واقعہ موزونی سے گوشگذار کیا چاہتا ہے تاکہ وزیر فضل بن خاقان مرحوم کے مفلس بیٹے سے اپنی عداوت کا بدلہ لے - تاجروں نے وزیر کا اشارہ پا کر وہاں سے دامن کترایا - کیونکہ وہ اسکے ظلم و ستم کو خوب جانتے اور اس سے ڈرتے تھے اور کوئی شخص ساڑھے چار ہزار سے نہ بڑھا - اسکے بعد وزیر معین نے دلال کی طرف نگاہ کی - کہ اب تم کس انتظار میں ہو - مالک کو پوچھکر قیمت لو - اور لونڈی میرے حوالے کرو - دلال یہ سنکر نورالدین کی طرف گیا - اور اسے جاکے کہنے لگا - صاحب ! لونڈی مفت جا رہی ہے - میں نیلام کرنے لگا تھا - اور ایک تاجر نے ساڑھے چار ہزار سے بولی شروع کی تھی - کہ کمبخت معین بن ساوی بھی آ گیا - اب اس نے سب کو منع کر دیا ہے کہ کوئی شخص اس سے ایک درہم بھی نہ بڑھے اور تاجر اسکے ظلم سے ڈرتے ہیں - اسلئے سب خاموش ہو کر علیحدہ جا بیٹھے ہیں - اب تمہاری کیا صلاح ہے - مگر میں تو آپ کو رائے نہیں دیسکتا اس قیمت پر اس شخص کے ہاتھ آپ انیس جلیس کو فروخت کریں - نورالدین نے جواب دیا - میں تو تمہیں کبھی ایسی اجازت نہیں دیسکتا - دلال بولا - اسکے علاوہ اس کمبخت میں بڑا بھاری نقص یہ ہے کہ

نہایت غضبناک ہوکر باہر نکلا - مگر پھر دلکو تسلی ہوئی - کہ ممکن ہے یہ حرامزادہ طوطا چشم ہو - چلیے کسی دوسرے کے ہاں جانا چاہیئے - یہ سوچکر دوسرے رفیق کے دروازہ پر گیا - وہاں سے بھی ٹکا سا جواب پاکر تیسرے کے گھر کا راستہ لیا - غرض اسیطرح سب دوستوں کے ہاں گیا - اور سب نے ہی منہ نہیں لگانے دی - آخر اُن لوگوں کے اسقدر جلد منہ پھیر لینے سے وہ سخت شکستہ خاطر ہوکر اپنے گھر لوٹا اور انیس کو آکے ساری سرگذشت سنائی - اسوقت وہ دل ہی دل میں پیچ وتاب کھا رہا تھا - انیس نے جواب دیا صاحب من میں نے آپسے نہیں کہا تھا کہ آپ اپنے دوستوں کا خیال بھی دلمیں نہ لائیں - وہ اُسی وقت تک آپکے دوست تھے - جبتک آپسے انہیں کھانے کو ملتا تھا - نورالدین بولا مجھے حیرانی تو اس امر سے ہے کہ وہ میرا منہ بھی نہیں دیکھنا چاہتے - انیس نے کہا میرے بھولے آقا وہ سمجھے ہیں کہ اگر آپ کے سامنے آئیں تو انہیں کچھ دینا نہ پڑ جائے - مگر خیر! خدا تعالیٰ نے آپکو جلدی ہی تجربہ کرا دیا - کہ دنیا میں ہر شخص مطلب کا ساتھی ہوتا ہے - بے غرض دوست کا ملنا بہت ہی محال ہے - آپ اب فکر نہ کیجیے - ابھی آپکے پاس بہت کچھ باقی ہے - اُس کا انتظام فرمائیے - اور اُس میں سے تھوڑی تھوڑی جائداد بیچکر بسر کیجیے - نورالدین نے بھی اِس مصلحت کی تائید کی اور باقیماندہ جائداد میں سے تھوڑی تھوڑی بیچ بیچکر گذارہ کرنے لگا - حتیٰ کہ جب تھوڑی ہی مدت میں اثاث البیت کا بھی فیصلہ ہوگیا تو پھر انیس کی طرف دیکھا - وہ بولی ابھی میں حاضر ہوں - آپکو بھی یاد ہوگا کہ آپکے والد نے مجھے دسہزار دینار سے خریدا تھا - مجھے بازار میں لیجائیے اور بیچ ڈالیے - شاید کوئی خریدار نکل آئے اور تمہاری مشکل حل ہوجائے جب خدا آپکو قدرت دیگا - ہم پھر اکٹھے ہوجائینگے - نورالدین بولا - اے انیس! آیندہ کے لیئے خیال رکھو کہ مجھسے یہ بات ہرگز نہ کہنا - میں تمہاری ایک لمحہ کی جدائی بھی گوارا نہیں کرسکتا مگر انیس نے کہا کہ نہیں ضرورت کے وقت سب کچھ روا ہوتا ہے - تم کچھ فکر بھی نہ کرو مسبب الاسباب پھر ہمیں یکجا کریگا - غرض جب انیس نے بہت اصرار کیا - تو نورالدین اُسے لیکر نخاس کو گیا اور اسی دلال سے جا ملا - جس سے انیس کو نورالدین کے والد نے خریدا تھا - دلال نے بڑی عزت سے اسکا استقبال کیا اور تشریف آوری کی وجہ پوچھی تو نورالدین انیس کی فروخت کا معاملہ درمیان لایا دلال نے کہا مجھے خوب یاد ہے آپکے والد نے انیس کو مجھسے ہی دسہزار دینار سے خریدا تھا -

اُس سے کہنے لگا۔ میں آج اجازت چاہتا ہوں۔ نورالدین بولا۔ کیوں خیر تو ہے؟ اُسنے جواب دیا۔ آج میری بہن کے لڑکا لڑکی ہونیوالا ہے۔ اور میرا وہاں رہنا ضروری ہے۔ نورالدین نے اُسے جانے کی اجازت دی۔ اتنے میں دوسرا بھی آگے آیا۔ اور کہنے لگا۔ صاحب مجھے بھی آج معاف کیجئے کہ میں یہاں دیر تک نہیں ٹھہر سکتا۔ نورالدین نے پوچھا۔ کیوں۔ وہ آدمی کہنے لگا۔ آج میرے بھتیجے کا عقیقہ ہے۔ اور میرا وہاں حاضر رہنا ضروری ہے۔ نورالدین نے اُسے بھی اجازت دی۔ غرض سب کے سب کوئی نہ کوئی بہانہ کرکے نورالدین سے رخصت ہو گئے۔ جب میاں صاحب اکیلے رہ گئے تو انیس کو بلایا۔ اور اُس سے مشورہ طلب کیا کہ دیوان یہ کہتا ہے۔ اور دوستوں نے وہ رکھاوٹ دکھائی ہے۔ انیس نے کہا۔ میرے آقا! میں مُدّت سے سوچ رہی تھی کہ آپ کو دُور اندیشی کی طرف توجہ دلاؤں۔ مگر اتفاق ہی ایسا ہوا کہ میں آپ سے کچھ نہ کہہ سکی۔ تاہم میں آپ کو الزام نہیں دیتی۔ تقدیر ہی ایسی تھی۔ اب بھی سنبھل جاؤ تو کچھ نہیں گیا۔ نورالدین نے جواب دیا۔ انیس! تو جانتی ہے۔ کہ میں نے اپنی ساری دولت اپنے دوستوں کی خاطر داری میں صرف کر ڈالی ہے۔ اسلئے مجھے یقین ہے۔ کہ وہ مجھے نہیں چھوڑ سکیں گے اور میری اس حالت میں پوری مدد کرینگے۔ انیس نے جواب دیا اسکا تو خیال بھی دل میں نہ لائیں۔ دنیا مطلب کی ہوتی ہے۔ اب جبکہ اُن لوگوں کو معلوم ہو گیا ہے کہ آپ کا ہاتھ خالی ہے۔ میں کہتی ہوں دیکھ لیجئے گا۔ کہ وہ آپ کو دیکھنے کے بھی روادار نہ ہونگے۔ نورالدین کہنے لگا۔ یہ کیا بات ہے؟ میں ابھی جاتا ہوں۔ اور اُن سے کچھ نہ کچھ لاتا ہوں میں نے انکو اسقدر دولت دی۔ اور وہ ایسے طوطا چشم ہو جائینگے کہ میری کچھ بھی مدد نہ کرینگے۔ غرض اُسی دم اُٹھا۔ اور اُس محلّے کی طرف گیا۔ جہاں اُسکے رفیق بود و باش رکھتے تھے۔ سب سے پہلے اُس نے اُس دوست کا دروازہ کھٹکھٹایا جسپر اُسے بہت بڑا بھروسہ تھا اور جس نے بارہا رفاقت کی ڈینگیں چلائی تھیں۔ اندر سے لونڈی نکلی اور پوچھنے لگی۔ کیوں صاحب! آپ کیا چاہتے ہیں نورالدین نے جواب دیا۔ اپنے آقا سے جاکے کہدو کہ نورالدین دروازہ پر کھڑا ہے اور تمہیں ملنا چاہتا ہے۔ لونڈی فوراً اندر گئی۔ اور اپنے آقا سے جاکے نورالدین کا پیغام کہدیا۔ وہ کمبخت نالائق جاکے ابھی کہدے کہ میرا آقا گھر میں نہیں ہے۔ لونڈی حیران ہو کر باہر آئی۔ اور نورالدین سے آکے کہدیا کہ میرا آقا گھر میں نہیں ہے۔ نورالدین نے اپنے کان سے بھی اپنے رفیق کے الفاظ سُن لئے تھے۔ اسلئے

جلدی ہی قلاش بنجاتا ہے۔ مگر آپ نے کبھی اس بات کا خیال نہیں کیا۔ کہ آمدنی کیا ہے۔ اور آپ بخشش کسقدر فراخدلی سے کر رہے ہیں۔ اسکا نتیجہ کیا ہوگا؟ نورالدین یہ سنکر بولا۔ مہربانی کرکے آپ اپنے دفتر کو تہ کر رکھئے۔ مجھے اِن باتوں کے سُننے کی فرصت نہیں ہے۔ دیوان نے جب دیکھا کہ کوئی نصیحت کارگر نہ ہوگی۔ تو وہ کہنے لگا کہ اچھا حضور! آپ اپنا حساب دیکھ لیجئے۔ اور بندہ رخصت ہوتا ہے۔ یہ کہہ وہ تو چلا گیا۔ اور نورالدین کو پھر اسی چنڈال چوکڑی نے آگھیرا۔ اسکے ہم جلیسوں میں جو شخص کہتا کہ حضور! آپ کے پاس فلاں چیز کیسی خوبصورت ہے۔ تو وہ جھٹ کہہ دیتا۔ کہ اچھا۔ اب وہ تمہاری ہوئی۔ یہ عادت معلوم کرکے تو حاشیہ نشین روز کوئی نہ کوئی چیز تاڑ کر اسکی تعریف کر دیتے اور وہی چیز جھٹ انہیں انعام میں ملجاتی۔ کسی نے کہا آپ کا فلاں مکان بہت خوشنما بنا ہوا ہے۔ تو جواب ملا۔ اچھا کل سے تم اسمیں جا رہو۔ کوئی کہنے لگا کہ جناب آپ کا فلاں باغ نہایت ہی پُرفضا و قیمتی ہوا ہے تو یہاں سے منشی کو حکم ہوا کہ اسکا قبالہ آپ کو لکھدے۔ غرض دنوں میں اتنی بڑی جائداد کا بالکل صفایا بول گیا اور یہ رنگ رلیاں جو دو کرم برابر ایک سال تک جاری رہے۔ ایک دن نورالدین کسی خیال میں بیٹھا تھا کہ کسی کے گانے کی آواز کان میں آئی۔ جسکا مطلب یہ تھا کہ فراخی میں ہر شخص بات کی ڈینگیں مارا کرتا ہے۔ مگر تنگی میں کوئی نہیں پوچھتا۔ اے نادان! تو اس مکار دُنیا پر بھروسہ کرکے کیوں دھوکا کھاتا ہے؟ اتنے میں کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور دروازہ کھلنے کے چند منٹ بعد اسکا دیوان اندر آیا۔ نورالدین نے پوچھا۔ کہو کیا بات ہے؟ اُسنے جواب دیا حضور جس بات کا مجھے خوف تھا وہی پیش آئی۔ نورالدین نے پوچھا۔ ذرا تفصیل سے بیان کرو۔ دیوان نے جواب دیا کہ اسوقت آپ اپنے رہنے والے گھر کے سوا شہر میں اور کسی چیز کے مالک نہیں ہیں۔ اور یہ نتیجہ ہے آپکی فضول خرچی کا۔ نورالدین نے یہ سُنکر سر جھکا لیا۔ دیوان کے پیچھے نورالدین کا ایک مصاحب بھی چپ چاپ انکی باتیں سُننے کے لئے چلا آیا تھا جب اس نے یہ سُنا کہ نورالدین مفلس ہو گیا ہے۔ جھٹ جاکے باقی ساتھیوں کو خبر دی۔ کہ اب کیوں بیٹھے ہو۔ نورالدین کے پاس تو پھوٹی کوڑی بھی باقی نہیں رہی۔ دیوان کی غم اندوز کہانی سُنکر نورالدین اپنے فرضی دوستوں کے پاس آیا جو ڈیوڑھی میں بیٹھے اسکا انتظار کھینچ رہے تھے۔ اُسکے آتے ہی سبھو نکی پیشانیوں پر شکن پڑ گئے۔ گویا ہر ایک کسی بھاری غم کو برداشت کر رہا ہے۔ نورالدین نے وہاں آکے قدم رکھا ہی تھا کہ ایک شخص اُٹھا اور

طرح خبر پہنچ گئی اور وہ موقعہ کے انتظار میں بیٹھا رہتا تھا۔ کیونکہ وزیر فضل بن خاقان کو بادشاہ کے دربار میں ایسی قربت حاصل تھی کہ معین کا کیا ایک شکایت کہنے پر حوصلہ نہیں پڑتا تھا۔ جب ایک سال اس بات کو گزر گیا۔ اتفاقاً ایک دن وزیر فضل بن خاقان حمام سے جلدی جلدی نکل آیا اور پسینہ ابھی تک خشک نہ ہوا تھا۔ باہر آتے ہی مساموں میں ہوا سرایت کر گئی۔ اور وہ بیمار ہو گیا۔ بیماری بھی ایسا کہ ضعف دن بدن رو بہ ترقی رہتا تھا۔ جب جینے کی امید نہ رہی۔ نورالدین کو سامنے بلایا اور کہنے لگا۔ بیٹا زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ اسلئے میں تمہیں چند ایک باتیں کہہ دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ مگر بھول نہ جانا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ اور ہر کام دور اندیشی سے کرنا۔ انیس جلیس بڑی شائستہ اور عقلمند لونڈی ہے۔ خبردار! اس سے کسی طرح کی بدسلوکی نہ ہونے پائے۔ نورالدین نے سر تسلیم خم کرکے ہاتھ چھاتی پر رکھا۔ گویا باپ کی وصیت پر دل و جان سے عمل کرنے کی قسم کھائی جیسا یہ باتیں ہو چکیں دو تین ہچکیاں آئیں۔ اور وزیر فضل بن خاقان کا دم نکل گیا۔ محل میں کہرام مچ گیا اور سیاپا پڑ گئی۔ وزیر کی وفات کی خبر یکایک سارے شہر میں مشہور ہو گئی اور امراء و وزراء کے سوا تمام عوام شہر بھی جوق در جوق نماز جنازہ میں شریک ہونے کیلئے پہنچنے لگے۔ نورالدین کو باپ کے مرنے کا بڑا رنج ہوا۔ اور باپ کا جنازہ کمال دھوم دھام کیساتھ اپنے خاندانی قبرستان میں دفن کیا۔ تکفین و تدفین سے فراغت پاکر نورالدین نے برابر چالیس روز تک اپنے والد کا ماتم کیا۔ اور اس عرصہ میں اندوہ کثیر کے سبب کسی کو گھر میں آنیکی اجازت نہ دی جب چالیسواں ہو چکا۔ ایک دن اسکے باپ کے دوستوں میں سے ایک شخص آیا اور سمجھانے لگا کہ یہ رنج ہر ایک کو ایک دن اختیار کرنا ہے۔ رنج و غم کرنے سے کیا فائدہ ہے۔ اب تم بیت الحزن سے نکلکر اپنے کاروبار کی خبر لو اور خوشی سے زندگی بسر کرو۔ نورالدین کو اسکی بات دل لگی۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں بیت الحزن کو شادی خانہ بنا۔ پھر آہستہ آہستہ پر پرزے بھی نکالنے شروع کر دیئے۔ شراب و کباب کی مجلسیں لگنے لگیں۔ راگ و رنگ ہونے لگے۔ اور وہ لوگ ارد گرد آ جمع ہوئے۔ جو ان موقعوں کی تلاش میں پھرا کرتے ہیں۔ کہ کوئی امیر مرے اور اسکے ناتجربہ کار بچوں کو ہتھے چڑھا کر اپنے مزے اڑائیں۔ حتیٰ کہ چند دنوں میں ہی باپ کی پیدا کردہ وسیع جائداد خاک میں ملا دی۔ جو آدمی جس چیز کی تعریف کرتا وہی اسے دے ڈالتا۔ اسکی یہ حالت دیکھکر ایک دن دیوان روزنامچہ لیکر سامنے آیا اور سمجھانے لگا۔ آپ اپنا حساب تو دیکھئے۔ کیا آپ نے نہیں سنا کہ جو شخص خرچ کئے جاتا ہے اور اسکا حساب نہیں رکھتا وہ

اس سے کسقدر تسلی ہوئی۔ اب نور الدین کی یہ حالت تھی۔ وہ دن بھر باغوں اور جنگلوں میں پھرتا رہتا جب رات کا پچھلا پہرہ ہوتا تو چپکے سے محل میں آکر اپنی ماں کے کمرے میں سو رہتا۔ اور صبح سے پہلے ہی نکل جاتا تاکہ وزیر نہ دیکھ لے۔ پورا ایک مہینہ اسی حالت میں گذر گیا۔ جب نور الدین کی ماں نے بیٹے کی یہ کیفیت ملاحظہ کی تو ایکدن اپنے خاوند سے کہنے لگی کہ کیا تم اپنے بیٹے کو مار ہی ڈالو گے؟ وزیر نے جواب دیا۔ کیوں؟ تمہارا اس سے کیا مقصد ہے؟ وہ بولی تمہارا ایک ہی تو لڑکا ہے۔ اور بیچارہ مارے خوف کے نہ دن کو گھر میں آتا ہے اور غریب رات کو بھی آرام نہیں پاتا ہے۔ پچھلا پہرہ ہوتا ہے کہ چپکے خدا جانے کہاں سے آتا ہے۔ اور صبح سے پہلے ہی نکل جاتا ہے۔ اس طرح سے تو وہ ہلاک ہو جائیگا۔ لہذا اسکے لئے اسکی خبر لو۔ آپ کا ذرا معمولی سا جھڑک دینا ہی کافی ہوگا۔ وزیر نے پوچھا پھر اسکی بی بی نے جواب دیا۔ آج رات ذرا جاگتے رہیے۔ اور جس وقت گھر میں گھسے آپ اسے پکڑ لینا اور دھمکی دینا۔ پھر میں سفارش کرونگی تو چھوڑ دیجئے گا۔ یہی تنبیہہ میرے خیال میں کافی ہوگی۔ پھر اسے لونڈی بھی بخش دیجئے گا۔ کیونکہ وہ اسے چاہتا ہے اور لونڈی بھی اسی سے محبت رکھتی ہے۔ نیز آپ کو قیمت ادا کر دونگی۔ وزیر نے اس رائے کو پسند کیا اور اس رات خلاف معمول نور الدین کے انتظار میں جاگتا رہا جب وہ اندر آیا اسے پکڑ لیا۔ اور چاہتا تھا کہ اسے ذبح کر ڈالے۔ اتنے میں نور الدین کی والدہ بھی آپہنچی۔ اور پوچھنے لگی۔ دیکھو صاحب! کیا کرتے ہو؟ وزیر نے جواب دیا۔ تم سامنے سے ہٹ جاؤ۔ میں اس نشدنی کو حلال کئے بغیر نہ چھوڑونگا۔ یہ سنکر نور الدین کے آنسو نکل آئے اور گڑگڑا کر معافی مانگی ماں کی سفارش اور بیٹے کی رقت سے وزیر نے اسے چھوڑ دیا۔ اور اسپر رحم کی نظر کی۔ نور الدین نے اسے ہی غنیمت سمجھا اور چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔ وزیر بولا! نور الدین! تم نے یہ ایسی نالائقی دکھائی ہے کہ میں تمہیں کبھی جیتا نہ چھوڑتا۔ لیکن جا اب تجھے چھوڑ دیا اور وہ لونڈی بھی بخشدی۔ کیونکہ میں نے سنا ہے کہ تم دونو باہم محبت رکھتے ہو۔ لیکن ایک شرط یہ ہے کہ انیس جلیس کو بیاہتا بیوی سمجھو اور اسکے بیچنے کا کبھی قصد نہ کیجیو۔ نور الدین یہ سنکر کھل گیا اور بولا۔ جناب عالی! میں آپکے سامنے حلف اٹھاتا ہوں۔ کہ مجھے آپ کے دونو شرائط منظور ہیں اور میں کبھی اسکے معاملے میں انصاف کو ہاتھ سے نہ دونگا۔ اسکے بعد نور الدین اور انیس جلیس دونو مزے عیش سے بسر کرنے لگے۔ حتی کہ ایک سال گذر گیا اور بادشاہ کو لونڈی کی یاد فراموش ہو گئی۔ مگر معین ابن ساوی دوسرے وزیر کو بھی کسی

پڑھکے پوچھا۔ بی بی! خیر تو ہے؟ وزیر کی بی بی نے کہا۔ اچھا! ابھی تک خیر ہی پوچھتی ہے۔ کیا نورالدین یہاں آیا تھا؟ اُسنے جواب دیا۔ نورالدین کو تو میں نہیں جانتی۔ میں نہیں سمجھی کہ ایک خوبصورت نوجوان میرے پاس آیا تھا اور پوچھنے لگا کیا تمہیں ہی میرے باپ نے خریدا ہے۔ میں نے کہا ہاں! پھر وہ بولا۔ کہ اب اُنکا ارادہ بدل گیا۔ وہ تجھے بادشاہ کو نہیں دینگے۔ بلکہ اُنہوں نے تجھے میرے تئیں بخشدیا ہے اور میں تمہیں یہ خوشخبری سنانے آیا ہوں۔ وزیر کی بی بی بولی! یہانتک تو خیر ہے۔ اُس نے تجھے کچھ کہا تو نہیں۔ انیس نے جواب دیا۔ جب اُسنے مجھے یہ خبر دی تو میں اُسے اپنے تئیں کیونکر بچا سکتی تھی۔ علاوہ ازیں سچ تو یہ ہے کہ میں بھی اُسے دل سے چاہتی ہوں یہ سُنکر وزیر کی بی بی رونے اور مُنہ پیٹنے لگی اور سب پر خوف چھا گیا۔ کہ نورالدین کو اسکا باپ زندہ چھوڑیگا۔ وہ اسی حال میں تھیں کہ وزیر بھی آگیا۔ اور رونے پیٹنے کی وجہ پوچھی۔ اُسکی بی بی نے کہا آپ پہلے وعدہ کریں کہ تحمل کرینگے۔ وزیر نے کہا بہت اچھا۔ اسکے بعد اُسکی بی بی نے نورالدین کی سب کرتوت کھول کے سُنادی۔ وزیر کے ہوش اُڑ گئے اور مارے خوف وغم کے وہ کپڑے پھاڑنے لگا۔ اُسکی بی بی نے کہا آپ اب فکر کیوں کرتے ہیں۔ دسہزار اشرفی میں آپکو دیتی ہوں۔ اُس سے آپ اور لونڈی لیکر بادشاہ کی خدمت میں پیش کر سکتے ہیں۔ وزیر بولا۔ دسہزار اشرفی کی تو کوئی بات نہیں۔ مجھے معین بن ساوی کی عداوت سے خوف آتا ہے۔ اور ڈرتا ہوں کہ کہیں جان ومال بھی تباہ نہ ہو جائیں۔ وہ کمبخت اس ماجرے کو سُنیگا فوراً بادشاہ کی خدمت میں جاکر شکایت کریگا۔ کہ جس وزیر کو آپ اسقدر محبت کرتے تھے۔ اُس نے آپ سے دسہزار اشرفیاں لیکر آپ کے لئے لونڈی خریدی تھی۔ اور اپنے بیٹے کو دے ڈالی۔ اور ابھی تک وہ اُسکے لڑکے کے پاس ہے۔ بادشاہ اُسے جھٹلائیگا۔ مگر وہ کہیگا۔ کہ مجھے حکم ہو تو وزیر کا گھر گھیر کر ابھی اُس لونڈی کو حاضر کروں۔ مجھے یقین ہے کہ بادشاہ فوراً اُسے ایسی اجازت دیدیگا۔ کمبخت معین بن ساوی ایسا ظالم ہے کہ وہ میرے گھر سے اس لونڈی کو لیکر ہی جائیگا۔ اور بادشاہ کے سامنے انکار کرنے کی طاقت کسی میں نہیں ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ میں مارا جاؤنگا۔ اور گھر بار بھی ضبط ہو رہیگا۔ اب کیا کیا جائے اُسکی بی بی بولی ابھی تک اس معاملہ کی خبر کسی کو نہیں ہے اور معین کو کیسے معلوم ہو سکیگا۔ آپ اطمینان رکھیں۔ اس معاملہ کو قدرت پر ہی رہنے دیں۔ جب بادشاہ پوچھیگا۔ تو کہدیں کہ ایک لونڈی حضور کیلئے لی تو تھی۔ مگر امتحان سے آپ کے قابل نہ نکلی۔ بادشاہ آپ ہی چُپ ہو رہیگا۔ وزیر کی

اشارے کنایوں میں دونوں کی اُلفت جوش زن ہونے لگی - نورالدین کی ماں نے ایکدن دونوں کو دیکھ لیا اور ترچھی نگاہوں سے دال میں کالا کالا تاڑ گئی - اسلئے اپنے بیٹے کو در پردہ سمجھانے لگی - کہ بیٹا! اب تم جبر سے جوان ہو - زنانے میں بار بار نہ آیا جایا کرو - دو چار دن کے بعد وزیر کی عورت نے لونڈیوں کو حمام گرم کرنے کا حکم دیا اور خواصوں کے ساتھ اُس لونڈی کو بھیجا کہ جا کے حمام کر آئے - خواصوں نے اُسے خوب مل دلکر نہلایا اور لباس فاخرہ پہنا کر اپنی مالکہ کے پاس لے آئیں - اُس لونڈی نے جس کا نام انیس جلیس تھا آگے وزیر کی بی بی کو سلام کیا اور اُسکے ہاتھوں پر بوسہ دیکے شکریہ ادا کرنے لگی - وزیر کی بی بی نے پوچھا اے انیس جلیس! کیا حال ہے؟ آج تو تم پہچانی نہیں جاتی گویا حمام نے تمہارے حسن کو چار چاند لگا دئے - انیس جلیس نے کہا - آپ کی خواصوں نے بھی ایسا ہی کہا تھا - وزیر کی بی بی سے پوچھا - حمام کا کیا حال ہے - اگر گرم ہو تو میں بھی نہا آؤں - انیس جلیس نے جواب دیا - بی بی! حمام خوب مزے میں ہے آپ بھی نہا آئیے - وزیر کی بی بی دو لڑکیوں کو بلا کے انیس جلیس کے کمرے کے دروازے پر بٹھا دیا - اور تاکید کی کہ میرے واپس آنے تک یہاں ٹھہری رہو اور خیال رکھیو کہ نورالدین اندر نہ آ جائے - اتفاقاً اُدھر وہ حمام کو گئی - اور اِدھر اسکا بیٹا نورالدین ماں کو پوچھتا پوچھتا اندر آ گیا اور اُن دونوں لڑکیوں سے بھی دریافت کیا کہ اماں جان کہاں ہیں؟ جواب ملا کہ وہ حمام کرنے گئی ہیں انیس جلیس نے بھی نورالدین کی آواز سن لی اور دلمیں کہنے لگی - میں بھی تو دیکھوں - وزیرزادہ کیسا ہے جس سے خبردار رہنے کو وزیر نے کہا تھا - یہ سوچکر مسند سے اٹھی اور دروازے تک آئی اور نورالدین کو دیکھکر بُت بن گئی - اُدھر وزیرزادے کا دل بھی تیر نظر سے ترازو ہو گیا - ماں کی غیر حاضری میں وقت کو غنیمت سمجھا - اور زور سے اُن دونوں لڑکیوں کو جو انیس کے دروازے پر حفاظت کے لئے کھڑی تھیں دھمکایا - اسکی گرج سنکر غریب لڑکیاں بھاگ گئیں - اور دور جا کر دیکھنے لگیں کہ وہ کیا کرتا ہے - نورالدین کمرے کا دروازہ کھولکر اندر گھس گیا - اور انیس سے پوچھنے لگا - کیا تم ہی وہ لونڈی ہو جسے میرے لئے میرے باپ نے خریدا ہے - انیس بولی - ہاں! وہ میں ہی ہوں - یہ سنکر نورالدین آگے بڑھا اور اُسوقت وہ شراب سے مست ہو رہا تھا - فوراً دروازہ بند کر لیا - اور وہ دونوں لڑکیاں روتی ہوئیں حمام کیطرف گئیں - وزیر کی بی بی یہ سنکر بھاگی ہوئی آئی مگر نورالدین شیر مل کا کام ہو کے کب کا جا چکا تھا - انیس وزیر کی بی بی کو مضطرب دیکھکر متحیر ہوئی اور آگے

نے جیسی لونڈی طلب کی تھی۔ حاضر ہے۔ حکم ہو تو لاؤں۔ وزیر جو دربار شاہی کی طرف جانے کو تیار کھڑا
کیا۔ اور کہنے لگا۔ جلد لاؤ۔ دلال اُسکے پاؤں کو لگ گیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ایک لونڈی
کو ساتھ لیکے آ پہنچا۔ جس کی مناسب القامتی اور خوبصورتی کو دیکھ کر اسکا اطمینان ہو گیا کہ
جیسا وزیر کو چاہیئے تھا ویسی ہی ہے۔ پھر اسکا ہر طرح سے امتحان کیا اور بادشاہ کی فرمودہ صفات
سے اسمیں بہت کچھ زیادہ پایا۔ پھر دلال سے اسکی قیمت دریافت کی۔ جواب ملا کہ دس ہزار دینار
سے ایک کوڑی کم نہیں لینا چاہتا۔ وزیر نے فوراً رقم مطلوبہ گنوا کے اسکے سامنے ڈھیر کر دی۔ اور کہا
کہ یہ میں بادشاہ کو ہدیہ دینے کے لئے لیتا ہوں۔ دلال بولا۔ اگر یہ بات ہے تو تھوڑے دن آپ اسے اور
ٹھہرا لیجئے۔ وجہ یہ کہ لونڈی سفر کی تھکی ماندی ہے دس دن اسے اپنے ہاں ٹھہرائیے اور جب
ذرا سستا لے تو حمام کرا کے اسے بادشاہ کی خدمت میں لیجائیے۔ آپ دیکھئے گا کہ اسکا حسن کسقدر
ترقی کرتا ہے۔ وزیر نے دلال کی بات کو سچ سمجھا۔ اور لونڈی کو اپنے محل میں لے گیا۔ ایک علیحدہ کمرہ اسکے
رہنے کیلئے مقرر کر دیا۔ اور ہر طرح کے آسائش کے سامان مہیا کر دیئے تا کہ وہ بخوبی طور پر آرام لے
اور اپنی عورت کو بھی تنبیہ کر دی کہ اس سے خبردار رہیو۔ وزیر کا ایک نوجوان لڑکا بھی تھا جس کے
حسن صورت کے سامنے چاند کو بھی پسینہ آتا تھا۔ اسے اس لونڈی کی نسبت کچھ خبر نہ تھی۔ اسلئے اس نے
لونڈی کو سمجھا دیا کہ میں نے تم کو بادشاہ کے لئے مول لیا ہے۔ تھوڑے دن یہیں ٹھہر کر سفر کی ماندگی
دور کر لو۔ پھر تمہیں درگاہ سلطانی میں پیش کرونگا۔ مگر اس عرصے میں احتیاط سے رہیو۔ اور میرے
لڑکے سے جو اسی محل کے پاس ہی رہتا ہے اپنے تئیں بچائیو اور خیال رکھیو کہ وہ تمہارا منہ نہ دیکھ
سکے۔ نہ تمہاری آواز سن سکے۔ بادشاہ کے ہاں تمہاری بڑی توقیر ہوگی۔ لونڈی نے جواب دیا
جناب میں بہتر سمجھتی ہوں۔ آپکے سب مراتب کو ملحوظ رکھونگی۔ یہ سنکر وزیر دربار کی طرف چلا گیا۔ اتفاق کی
بات ہے کہ وزیر کے باہر نکلتے ہی اسکا لڑکا نورالدین کہ حسین اور طرحدار جوان تھا۔ گھر میں کھانا
کھانے آیا۔ اور اسکی نظر لونڈی پر پڑ گئی۔ لونڈی نے بھی اسے دیکھ لیا اور دونوں کے دل میں محبت
پیدا ہو گئی۔ نورالدین نے دعا مانگی۔ کہ الٰہی! یہ لونڈی مجھے ہی ملے۔ اور لونڈی نے چاہا کہ خدایا
میں بادشاہ کے پاس نہ جاؤں اور اسی جوان کے پاس رہوں۔ اسکے بعد نورالدین کا معمول ہو گیا
کہ روز کئی بار گھر میں آتا۔ اور نظر بچا کے لونڈی کو دیکھ لیتا۔ لونڈی بھی اسکو دیکھ لیا کرتی۔ اور اسطرح

سیدی - فرنگی - کپڑے اور جام میں سے ہر ایک کو خلعت فاخرہ عطا فرمانے کا حکم دیا اور جعفر کو بہت
کچھ انعام دیکر اسکا کچھ وظیفہ بھی مقرر کر کے فرمایا - کہ ہمیشہ ہماری خدمت میں حاضر رہا کرو - شہرزاد جب
یہ داستان ختم کر چکی تو دنیازاد نے اسکی دلچسپی کی بہت تعریف کی - شہریار بھی کہنے لگا کہ فی الواقع یہ بہت
ہی دلکش حکایت تھی - شہرزاد نے جواب دیا کہ اگر کل جان بخشی ہوئی تو میں اس سے بھی زیادہ دلچسپ
قصہ سناؤنگی - غرض صبح ہوئی - اور شہریار چپ چاپ اٹھکر دربار میں چلا گیا لیکن دلچسپ قصہ سننے
کے لالچ سے آج بھی شہرزاد کی جان لینے سے درگذرا - اگلے دن حسب معمول وقت مقررہ پر
شہرزاد نے بیان کرنا شروع کیا ؛

دو وزیروں کی حکایت جن میں انیس جلیس کا بھی ذکر ہے

خداوند شہر بصرے کا ایک حاکم محمد زینی نام نہایت ہی رعایا پرور اور فقیر دوست آدمی تھا -
اسکے دو وزیر تھے - ایک کا نام معین بن ساوی تھا اور دوسرے کو فضل بن خاقان کہتے تھے فضل بن
خاقان کو سب لوگ داد و دہش اور حسن اخلاق کے باعث بہت ہی عزیز رکھتے - مگر معین بن ساوی بیحد
درجے کا بخیل اور بد اخلاق ہونے کے سبب لوگوں کی نگاہوں میں نہایت حقیر شمار کیا جاتا تھا - اس
لیے وہ فضل بن خاقان سے خاص عداوت رکھتا تھا - ایکدن محمد زینی تخت سلطنت پر متمکن تھا
ارکان دولت اپنے اپنے رتبوں پر بیٹھے تھے کہ اس نے وزیر بن خاقان سے ایک خوبصورت
لونڈی کی فرمایش کی - جو ہر گن پوری ہو - اور گانے بجانے میں بھی یکتائے زمانہ سمجھی جائے حاضرین
دربار نے عرض کی کہ ایسی لونڈی دس ہزار دینار سے کم نہ ملیگی - سلطان نے خزانچی کو حکم دیا کہ دس ہزار
اشرفی آج ہی وزیر فضل بن خاقان کے گھر پہنچا دو - جب دربار برخواست ہوا اور فضل بن خاقان
گھر آیا - بادشاہی خزانچی نے بھی سلطان کے حکم کی تعمیل کی - وزیر کو بادشاہ کی فرمایش کا خیال
ہو گیا - اور صبح ہوتے ہی وہ بازار کی طرف گیا - تمام نخاس میں دلالوں سے کسی ایسی لونڈی کا
پتہ پوچھا جو بادشاہ کی فرمایش کے مطابق ہو - مگر وہاں سے کوئی ایسی لونڈی نہ مل سکی - لاچار سب کو
تاکید کر دی - کہ وہ لوگ بہت جلد کوئی بندوبست کریں - غرض وہ ہر روز بلا ناغہ صبح کے وقت بازار
جاتا - اور نخاس کے دلالوں کو تاکید کرتا - کئی دن تک تو کسی نے ہاں نہ کی - مگر ایک دن ایک دلال
وزیر کے گھر پر ہی چلا آیا - اور آکر عرض کی کہ بڑی مشکل سے حضور کی فرمایش پوری ہوئی ہے اور جناب

کیا باعث اُس کبڑے مُردہ کے یہاں دربار میں آنیکی وجہ سے مطلع فرمایا جاوے۔ اسکے بعد میں کچھ عرض کرونگا۔ بادشاہ نے فرمایا تیرا اس سوال سے کیا مطلب ہے؟ حجام بولا حضور! میرے سوال کا یہ مقصد ہے۔ تاکہ آپ جان لیں کہ میں بیہودہ آدمی نہیں ہوں۔ اور میں کوئی کام نہیں کرتا جسکا مقصد مجھے معلوم نہ ہو۔ اور میں کثیر الکلامی سے بھاگتا ہوں۔ اس واسطے مجھے صامت (خموش باشاہ) کے نام سے خطاب کرتے ہیں۔ بادشاہ نے فرمایا کہ اس حجام کو سارے حال سے آگاہ کیا جاوے انکار نہ کیجئے اور اُن چاروں لفظوں کی ساری سرگذشت حجام کو سُنادی۔ حجام نے اسکے سُنتے ہی سر ہلایا اور کہنے لگا۔ خدا کی قسم۔ تم نے مجھے آج بہت عجیب کیفیت سنائی۔ یہ کہکر کبڑے کی لاش کے سرہانے بیٹھ گیا۔ اور اسکے مُنہ سے کپڑا اٹھاکے بغور دیکھنے لگا۔ پھر یکایک قہقہہ مار کر اس زور سے ہنسا کہ پشت کے بل دربار شاہی میں گر پڑا۔ اور آداب شاہی کا بھی خیال نہ کیا۔ پھر بولا ہر موت کا کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے۔ مگر اس کبڑے کا قصہ نہایت ہی عجیب ہے۔ بلکہ ایسا ہے کہ لوگ تاریخوں میں لکھ رکھیں۔ اہل دربار حیران ہو ہو کر اسکے مُنہ کی طرف دیکھنے لگے کہ یہ کر کیا رہا ہے۔ بادشاہ بھی متحیر ہوا۔ اور پوچھنے لگا۔ اے بڈھے تو اپنے ہنسنے کی وجہ سے تو ہمیں آگاہ کر۔ اور تو کیا کر رہا ہے۔ کہ اس کبڑے کا قصہ تاریخوں میں داخل ہونے کے لائق ہے۔ یہ بڈھا حجام بولا۔ بادشاہ سلامت! آپ کے حق نمک ہی کی قسم ہے کہ کبڑا مرا نہیں ابھی تک زندہ ہے۔ پھر ایک شیشی نکالی جس میں کوئی تیل تھا۔ جسے کبڑے کی گردن پر ملا۔ حتیٰ کہ اسے پسینہ آگیا۔ پھر اُسکا مُنہ کھولکر موچنا اسکے حلق میں لیگیا۔ اور فوراً مچھلی کا کانٹا نکال کے رکھ دیا۔ جسے سب حاضرین نے اپنی آنکھوں سے دیکھکر حیرت ظاہر کی۔ کبڑا ابھی چھینک مارکے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور دونوں ہاتھوں سے آنکھیں مل ملکر کھولنے لگا تمام لوگ حیران ہوگئے اور بڈھے حجام کی دانائی پر عش عش کرنے لگے۔ بادشاہ بولا۔ خدا کی قسم یہ قصہ نہایت ہی عجیب ہے۔ اس سے پوچھا ہیئے آجتک کوئی قصہ نہیں سُنا۔ حاضرین! کیا تم نے بھی آجتک ایسی دیکھا ہے کہ کوئی شخص مرکے جی اٹھا ہو۔ یقیناً اگر آج یہ حجام نہ آتا تو یہ ہمارا کبڑا تو مرہی چکا تھا سب لوگ یک زبان ہوکر بولے۔ فی الواقع یہ نہایت ہی عجیب ماجرا ہے۔ پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ اس سب سرگذشت کو لکھکر حفاظت سے خزانہ شاہی میں رکھیں۔ پھر دلدی حکیم

ایکدن سنا کہ وہ خلیفہ مر گیا۔ اور دوسرے نے اسکی جگہ لی ہے۔ میں واپس آگیا اور اس نوجوان
کی خدمت میں جا حاضر ہوا۔ اسکی خدمت بھی جیسی ہو سکی کی۔ بلکہ اپنی جان تک سپاہ دی۔ وہ بہت جلد
نوابی قتل ہو چکا تھا۔ اور یہ حجام مجھے یاوہ گوئی اور بے فضولی کی تہمت لگاتا ہے جو سراسر باطل
ہے۔ یہاں پہنچکر درزی شاہ چین کی طرف مخاطب ہوا۔ یا حضرت جس وقت ہم نے حجام کا قصہ
اور اسکی یاوہ گوئی پھر واضح ہوئی تو ہم نے گردن دبا کر اسے ایک مکان میں بند کر دیا۔ اور آپکی دعوت
اڑانے لگے سب مہمان دن بھر کھانا کھاتے اور باتوں میں ہی گذر گیا۔ جب عصر کی نماز کا وقت آگیا
میں گھر آیا۔ آکے اپنی عورت کو منہ پھلائے بیٹھے دیکھا۔ وہ بولی تم تو دن بھر دعوت کے مزے اڑاتے
رہے ہو اور میں بیٹھی تمہارا راستہ دیکھ رہی ہوں۔ اسکے کیا معنے ہیں؟ سنو۔ اگر باقی کا دن مجھے بھی
سیر کے لیے نہ لیجاؤ گے تو آج سے میری تمہاری ہو چکی۔ یہ سنکر میں نے اسے ساتھ لیا اور باہر
لے آیا۔ شام تک سیر کر کے لوٹے ہیں۔ واپس آتے ہوئے یہ کبڑا ملا۔ کہ گانے میں مشغول تھا۔ ہم نے
تمہاری کی طرح اسے اپنے گھر لے چلیں۔ چنانچہ اسنے بھی ہماری بات مان لی۔ پھر میں نے مچھلی خریدی اور گھر آئے
میری عورت نے کھانا نکالا جسکے اثنا میں مچھلی کا ایک ٹکڑا اور روٹی کا ایک لقمہ اسکے منہ میں
ٹھونس دیا جس سے وہ بیہوش ہو کے گر پڑا۔ میں نے خیال کیا کہ اپنا یہ مر گیا۔ اسلئے اپنے گلے سے
بلا اتارنے کی خاطر میں اسے اس طبیب کے مکان پر چھوڑ آیا۔ اور طبیب نے حیلہ کر کے مودی کے ہاں پہنچا دیا
اور مودی نے بازار میں اس فرنگی سوداگر کے رستے میں جا کھڑا کیا۔ میری کل کی سرگذشت یہ ہے۔
اور کیا یہ کبڑے کی حکایت سے عجیب تر نہیں؟ بادشاہ یہ حکایت سنکر بہت خوش ہوا۔ اور حکم دیا کہ
سب کو چھوڑ دیا جائے۔ لیکن اس حجام کا حاضر کرنا ضروری ہے جو ان سب کی مخلصی کا سبب ہوا۔ اچھا
وزیر تم سپاہیوں کو ساتھ لیجاؤ اور اس حجام کو ساتھ لیکے آؤ۔ میں اسے ضرور دیکھونگا اور اس کی
باتیں سنونگا۔ پھر اس کبڑے کو دفن کیا جائیگا جو کل سے مر چکا ہے اور اسقدر حکایات اسکی بدولت
سننے میں آئیں۔ وزیر سپاہیوں کو ہمراہ لیکے اس مکان کی طرف گیا جہاں ان سب نے حجام کو قید کیا تھا
اور وہاں سے اسے جا کے نکال لایا اور بادشاہ کی خدمت میں لا کھڑا کیا۔ بادشاہ اسکی عجیب و غریب
شکل دیکھکر ہنس پڑا۔ اور بولا اے چپ شاہ! میں چاہتا ہوں کہ تو مجھے اپنی کوئی حکایت اپنی زبان
سے سنائے۔ حجام بولا حضور آپ پہلے مجھے اس درزی۔ اس یہودی۔ اس مسلمان اور اس فرنگی

جب صبح ہوئی صاحب خانہ نے میرے بھائی سے پھر ویسی ہی محبت باتیں شروع کیں۔ اور کسے بھائی
ٹھگ کیا کرتا تھا۔ غرض اسی مزے میں پورے دس سال گذر گئے۔ اس عرصہ میں میرے بھائی نے
اس حاتم ثانی کی رفاقت کو ایک دن بھی ترک نہ کیا۔ دس سال کے بعد وہ یکایک بیمار پڑ کے مر گیا۔
اور اسکی جائداد بارگاہ سلطانی میں ضبط ہو گئی۔ ناچار میرے بھائی کو بھی وہاں سے نکلنا پڑا اور بھاگا
بھاگ کسی دوسرے شہر کو چلا جاتا تھا کہ راستے میں عرب لٹیروں کے قابو چڑھ گیا جس عرب نے اُسے
پکڑ کر اپنا غلام بنا لیا تھا وہ اُسے سخت عذاب دیا کرتا کہ تو اپنے عوض اسقدر روپیہ ادا کر کے آزاد
ہو جا۔ نہیں تو تجھے مار ڈالوں گا۔ میرا بھائی روتا اور کہتا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ میں تمہارے
ہی پاس رہونگا اور جو تمہاری مرضی ہو کرو۔ ایکدن وہ عرب میرے بھائی کا یہ جواب سنکر سخت غصّے
میں آیا اور میان سے چھری نکال میرے بھائی کے دونوں ہونٹ کاٹ ڈالے۔ اور اس سے سخت
محنت لیا کرتا۔ اُس بدوی کی عورت نہایت ہی حسین تھی۔ اور جب وہ باہر جاتا میرے بھائی کو
گھر چھوڑ جاتا۔ اسکی غیر حاضری میں وہ عورت میرے بھائی کی بہت خاطر کرتی۔ اور ہنس ہنس کے
شاہانہ کنائے کرتی۔ چنانچہ ایکدفعہ اُسے معلوم ہوا کہ یہ عورت مجھے چاہتی ہے۔ لیکن وہ خدا
اور بدوی کے خوف سے اپنے تئیں بچاتا۔ اتفاقاً ایکدن اُس عورت نے حسب معمول اپنے خاوند
کے روبرو بھولے سے وہی حرکت کر دی جس سے اُس بدوی کو سخت غصہ آیا۔ اور خیال کیا کہ شاید
یہ دونو میرے پیچھے ایسی ہی باتیں کرتے ہونگے۔ اُس نے میرے بھائی کو پکڑا اور اونٹ پر چڑھا کر پہاڑ
کی سب سے اونچی چوٹی پر بٹھا آیا کہ وہاں آپ ہی بے آب و دانہ مر جائیگا۔ مگر اتفاق سے وہاں سے
بغداد کو راہ گئی تھی۔ جو لوگ اُدھر سے گذرتے تھے وہ ازراہ ترحم میرے بھائی کو کچھ نہ کچھ کھانے کو دیجاتے
جس سے اُسکا پیٹ پلتا رہا۔ ایکدن کسی نے مجھ سے اُسکی حالت بیان کر دی۔ میں فوراً اُدھر روانہ
ہوا اور اس بیچارے مفلس کو بھی جنگل سے ہمراہ لے آیا۔ اپنے گھر میں رکھا اور اب ہر طرح سے اسکی مدد کرتا
ہوں۔ اے امیر المومنین یہ حالات ہیں ان میرے چھ بھائیوں کے۔ مجھے خوف تھا کہ انکا حال سنانے
کے قبل ہی یہاں سے نہ چلا جاؤں۔ خلیفہ ہنسا اور کہنے لگا۔ اے چپ شاہ! تو سچا ہے تو بہت ہی
کم گو ہے۔ یاوہ گو تو تجھے چھو تک بھی نہیں گئی۔ مگر اب تو یہاں سے چلا جا۔ اور پھر بغداد میں کبھی
نہ آنا۔ یہ کہکر مجھے بغداد سے بھی نکلوا دیا۔ میں مختلف شہروں اور ملکوں میں پھرتا رہا حتی کہ

پہلے ماتھ نے لونڈے کو آواز دی۔ اپنے لڑکے! آپ میوے حاضر کرو اور کھانوں کی قابیں اٹھا لو۔ فوراً خیال میں ہی تمام قابیں اٹھ گئیں اور میوے آ حاضر ہو گئے۔ صاحب خانہ نے میرے بھائی سے کہنے لگا یہ بادام بالکل تازہ توڑے گئے ہیں۔ ان کا مزہ تو چکھو۔ اور اس کے بعد دو تین بادام توڑ توڑ کر چھلکے پھینکنے اور مغز کھانے لگے۔ پھر وہ کہنے لگا۔ اچھا۔ اب یہ تھوڑا تازہ پستہ تو چکھ کے دیکھو غرض اسی طرح بیشمار میووں کے نام بھی گنا دئے۔ میرا بھائی بولا حضور! کیسے لذیذ میوے ہیں۔ کہ کھاتے کھاتے گلا بھی درد کرنے لگا۔ اور جی سیر ہونے میں نہیں آتا۔ اسکے بعد صاحب خانہ نے مسکرا کر خیالی شراب کا پیالہ میرے بھائی کے پیش کیا۔ اور خود بھی ایک غٹ غٹ کر کے چڑھا گیا۔ میرا بھائی پہلے انکار کرنے لگا کہ شراب ہمارے مذہب میں حرام ہے۔ لیکن صاحب خانہ کے اصرار پر اسے بھی لیکر چڑھا گیا۔ اور متوالوں کی سی حرکات کرنے لگا۔ جس سے معلوم ہوا کہ اسے نشہ چڑھ گیا ہے۔ اور دو تین دھپڑ صاحب خانہ کے سر پر جڑ مارے۔ صاحب خانہ نے فوراً اسکے ہاتھ پکڑ لئے۔ اور بولا تو دیوانہ ہو گیا ہے؟ میرے بھائی نے ہوش میں آکر جواب دیا۔ بڑی بے ادبی ہوئی گستاخی معاف ہو۔ مگر میں بالکل بے اختیار ہو گیا تھا۔ آپنے بڑی مہربانی سے مجھے طرح طرح کے کھانے کھلوائے اور تازہ بتازہ میوے میرے سامنے رکھے۔ آخر شراب بھی بزور مجھے پلوا دیا۔ جو ہمارے ہاں حرام تصور کیا جاتا ہے۔ اسکے نشہ میں میں بالکل بے خبر سا ہو گیا تھا۔ امید ہے کہ آپ اس کا کچھ خیال نہ فرماوینگے۔ صاحب خانہ یہ سنکر ہنس پڑا۔ اور بولا۔ میں ایک مدت سے تیرے ہی جیسے آدمی کی تلاش میں تھا۔ میں تیرے قصور کو معاف کر دونگا۔ مگر ایک شرط ہے۔ کہ تو میری ہمراہی نہ چھوڑے اور میرے ہی ہاں رہے۔ میں تجھ سے محبت کرونگا اور اب ہم سچ مچ کا کھانا منگاتے ہیں۔ یہ کہکر دستک دی۔ فوراً سب خدمتگار دوڑے آئے۔ اور انہیں حکم دیا۔ کہ دسترخوان بچھاؤ۔ فوراً حکم کی تعمیل ہوئی۔ اور جو کھانے پہلے خیالی طور پر میرے بھائی کو کھلوائے تھے اب فی الواقع وہی کھانے سامنے چنوا دئے۔ میرے بھائی نے خوب سیر ہو کر انہیں کھایا۔ جب کھانوں سے فراغت ہو چکی تو شراب کا دور چلنے لگا۔ اسکے بعد گائینیں حاضر ہوئیں۔ جنکے مکھڑے چاند کے ٹکڑے دکھائی دیتے تھے انہوں نے بڑی خوش الحانی سے اچھے اچھے گیت سنائے۔ جب سرور چھائے اور نشے گہرے ہو گئے تو صاحب خانہ نے میرے بھائی کو خلعت فاخرہ عنایت فرمایا۔ اسی رنگ ورنگ میں رات ختم ہو گئی

رہتے تم تماشہ نظر آؤ میں اسپر صبر نہیں کر سکتا۔ اور اب میں تمہارے ساتھ ایسا سلوک کروں گا کہ
تم بھی خوش ہو گے۔ میرا بھائی بولا۔ صاحب آج میں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔ اور مجھے سخت بھوک
لگ رہی ہے۔ یہ سنکر اُسنے غلام کو پکارا۔ ابے لڑکے! سیلابچی اور آفتابہ جلد لا۔ اور ہمارے ہاتھ
دھلوا جا۔ پھر میرے بھائی سے کہنے لگا۔ آج آپ ہمارے مہمان ہیں۔ آگے آکے آپ بیٹھیں! ہاتھ دھوئیے
پھر وہ جھوٹ موٹ ہاتھ دھونے لگا۔ میرے بھائی نے اُسکی تقلید کی۔ پھر آواز دی کہ ابے غلام!
دسترخوان بھی لے آ۔ اور جھٹ ہاتھ بڑھا منہ کی طرف لیگیا۔ گویا لقمہ اُٹھاتا ہے۔ میرے بھائی نے سمجھا
اسکے مزاج میں خوش طبعی بہت ہے اسلئے اُسنے بھی بناوٹ سے اسیطرح ہاتھ منہ کی طرف لیجانا
شروع کیا۔ اور منہ چبانے لگا۔ جیسے کہ کوئی کھانا کھاتا ہے۔ وہ کہتا جاتا تھا۔ بھائی! شرم نہ کرو
اور بے تکلف ہو کے کھانا کھاؤ میں جانتا ہوں تمہیں بہت بھوک لگ رہی ہے۔ یہ نان لو۔ اور اسکی
سفیدی کو ملاحظہ کرو۔ میرا بھائی بولا۔ صاحب سچ تو یہ ہے کہ آجتک اس سے خوش ذائقہ کھانا کبھی نہیں
کھایا۔ اور نہ اس سے سفید نان کبھی دیکھا ہے۔ واہ کیا مزے کا نان ہے۔ وہ کہنے لگا۔ اسے میری
نوکرانی نے پکایا ہے جسے میں نے پانسو دینار سے مول لیا تھا۔ پھر چلایا۔ ابے لڑکے! ہمارے شیرمال
بھی دے۔ جو بادشاہوں کے کھانوں میں بھی نہیں پائی جاتی۔ پھر میرے بھائی سے بولا۔ دوست تم
بے تکلفی سے کھاؤ۔ کیونکہ تم صبح سے بھوکے ہو۔ میرا بھائی بھی اسی طرح دسترخوان پر ہاتھ مارتا تھا۔
جس طرح مالک مکان کو دیکھتا تھا۔ اور نوالہ چبا کے اسیطرح نگلتا جاتا تھا۔ گویا کھانا کھا رہا ہے۔
اور صاحب خانہ مختلف کھانوں کے نام لیتا جاتا تھا مگر کھانے کو کچھ بھی نہ دیتا تھا۔ پھر پکارا۔ ابے
لونڈے! اب حلوان کی دم پخت کی قاب لاؤ۔ اور میرے بھائی سے کہنے لگا۔ تمنے ایسا لذیذ
وقت عمر بھر کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔ ذرا چکھو تو۔ میرا بھائی بولا۔ صاحب! یہ تو تم نے سچ کہا۔
فی الواقع نہایت ہی لذیذ ہے۔ پھر صاحب خانہ اپنے لقمے اُٹھا اُٹھا کے میرے بھائی کے منہ میں دینے
لگا۔ گویا سچ مچ اُس کے منہ میں لقمے دے رہا ہے۔ لیکن اُدھر بھوک سے اُسکی انتڑیاں قل
ھو اللہ پڑھ رہی تھیں۔ پھر اور قسم کی دم پخت آیا۔ صاحب خانہ بولا۔ شوربے میں یہ کیا مزہ نہیں
میرا بھائی بولا۔ سبحان اللہ کیسی کیا بات ہے۔ اس میں [illegible] سے کیا لطف
کہنے لگا۔ دیکھو۔ تم خوب سیر ہو کر اسے کھاؤ۔ جب اسطرح کھا لو [illegible] تو آئے

جب وہ واپس آیا۔ اسے کھلا پایا اور نہ لونڈی نظر آئی۔ نہ ہی توشے کی تھیلیاں۔ البتہ بہت خون پڑا ہوا دکھائی دیا۔ سوچا کہ کمبخت نے دھوکا دیا۔ مگر خیر سے چلے گئے کو کیا کہیے۔ سارا سامان اکٹھا کیا اور رات آرام سے وہیں سو رہا۔ جب صبح ہوئی باہر دروازے پر دس سپاہی آ کھڑے ہوئے اور میرے بھائی کو پکڑ لیا۔ کہ چلو تم کو قاضی شہر بلاتا ہے۔ میرا بھائی وہاں حاضر ہوا تو قاضی نے پوچھا۔ یہ مال و اسباب تم نے کہاں سے لیا۔ میرے بھائی نے سب حقیقت شروع سے آخر تک اسکے گوش گزار کر دی اور کہا کہ اگر آپ چاہیں تو سب میں سے حسب دلخواہ لے سکتے ہیں۔ غرض قاضی نے اس مال میں سے حسب پسند بہت کچھ لے لیا۔ اور اس ڈر سے کہ مبادا حضور کو خبر نہ ہو جائے۔ حکم دیا کہ یہاں سے نکل جاؤ ورنہ بہت بری طرح سے پیش آؤں گا۔ یہ سنکر میرے بھائی نے جھک کر سلام کیا اور شہر سے نکل کھڑا ہوا۔ راستے میں چوروں نے اس کے پاس جو کچھ تھا سب لوٹ لیا۔ اور غریب کے دونوں کان کاٹ لئے اور پھر چھوڑ دیا۔ مجھے بھی اس کی خبر لگ گئی۔ اور بڑی تلاش کے بعد میں مخفی طور پر اسے بھی اپنے گھر لے آیا۔ بلکہ ابھی تک میرے ہی پاس ہے اور ہر طرح سے میں ہی اسکی خبر گیری کرتا ہوں۔ امیر المومنین اب ایک ہی بھائی کی سرگزشت رہ گئی ہے۔ امید ہے کہ آپ اسے بھی سن ہی لینگے۔ اسکے دونوں ہونٹ سامنے سے کٹے ہوئے ہیں۔ ایک سو درہم جو اسے ترکہ پدری سے ملے تھے انہیں اس نے بہت جلد صرف کر ڈالا۔ اور فقیری کا پیشہ اختیار کر لیا۔ مگر اسکا قاعدہ تھا کہ دربانوں اور خدمتگاروں کو رشوت دیکر بڑے بڑے آدمیوں سے خیرات مانگتا۔ ایکدن وہ جا رہا تھا کہ راستے میں ایک بڑا عالیشان اور خوبصورت محل دکھائی دیا۔ جس کا دروازہ بہت کشادہ اور بلند بنا ہوا تھا اور ڈیوڑھی میں نوکر چاکر بیٹھے تھے۔ اس نے کسی پاس کے واقف کار سے دریافت کیا۔ کہ یہ مکان کس کا ہے۔ جواب ملا کہ ایک آدمی کی ایسی شاندار محل ہے۔ یہ سنکر اسنے خدمتگاروں سے سوال کیا۔ انہوں نے کہا کہ اندر جا کر سوال کر جو مانگیگا پائیگا۔ یہ سنکر میرے بھائی نے اندر قدم بڑھایا اور تھوڑی دور پر ایک نہایت خوشنما بارہ دری پائی جسکے ارد گرد پائیں باغ اپنی بہار دکھا رہا تھا اور زمین پر سنگ مرمر کا فرش ہو رہا تھا۔ وہ نہ جانتا تھا کہ کدھر جائے۔ لیکن اتنے میں اسکی نظر صدر کی طرف جا پڑی۔ جہاں اسنے ایک نہایت خوبصورت اور لمبی ریش اور وجیہ شخص کو بیٹھے ہوئے پایا جسے سلام کرکے میرے بھائی نے عرض حال کیا۔ وہ شخص یہ سنکر نہایت افسوس ظاہر کرنے اور کپڑے پھاڑنے لگا۔ کہ یہ تعجب کی بات ہے۔ میرا بھائی

ساتھ ہی چلتا ہوں۔ بڑھیا اسی مکان کی طرف چلی جسمیں میرا بھائی پہلے لٹ گیا تھا۔ اور دروازہ کھٹکھٹایا۔
اُس لونڈی نے اندر سے دروازہ کھولا جسنے پہلے کھولا تھا۔ اور میرے بھائی کو دیکھکر مسکرائی۔ بڑھیا
بولی آج میں تمہارے لیئے موٹا سا شکار لائی ہوں۔ لونڈی نے یہ سُنکر میرے بھائی کا ہاتھ پکڑ لیا اور
وہیں لیگئی جہاں پہلے جا بیٹھا تھا۔ اتنے میں مالکہ بھی آگئی اور تھوڑی دیر پاس بیٹھکر بولی۔ یہیں
ٹھہرو۔ میں ابھی آتی ہوں۔ تھوڑی دیر نہ ہوئی تھی کہ حسب معمول وہی غلام ننگی تلوار لیئے آموجود ہوا
اور کہنے لگا۔ اے بدبخت اٹھ اور میرے پیچھے پیچھے چلا آ۔ میرے بھائی نے اُس کے حکم کی تعمیل کی
اور موقعہ کو غنیمت سمجھ کر ہاتھ تلوار کی طرف بڑھایا پھر بڑی پھرتی سے اُسے میان سے نکال اس حبشی
کا سر بھٹا سا اُڑا دیا اور لاش کو پاؤں سے پکڑ اُسی تہ خانہ میں پھینکدیا۔ پھر لونڈی کو آواز دی۔
وہ نمکدان میں نمک لیکر حاضر ہوئی۔ لیکن جب میرے بھائی کو ننگی تلوار ہاتھ میں لیئے دیکھا پچھلے
پاؤں بھاگی۔ مگر وہ دُور کے کہاں جاسکتی تھی۔ اُسکا سر بھی میرے بھائی نے اُڑا دیا۔ پھر بڑھیا کو
آواز دی۔ اور جب وہ آئی تو اُسے دیکھکر کانپنے لگی۔ میرے بھائی نے پوچھا۔ تو مجھے جانتی ہے۔
بڑھیا بولی میرے صاحب! ہرگز نہیں۔ میرے بھائی نے جواب دیا۔ میں وہی ہوں دیناروں والا۔
جسکے گھر میں تو نے وضو کرکے نماز پڑھی تھی اور پھر دھوکے سے مجھے یہاں لا پھنسایا تھا۔ یہ سنکر وہ
عیارہ گڑگڑانے لگی۔ مگر میرے بھائی نے جھٹ تلوار سے اُسکا سر اُڑا کے پھینکدیا۔ اور اب
اُس مالکہ مکان کی تلاش میں نکلا۔ اُس بی بی نے میرے بھائی کو خون آلود ننگی تلوار ہاتھ میں لیئے دیکھا
اُسکے ہوش اُڑ گئے اور میرے بھائی سے امان مانگنے لگی۔ اُسے امان دیگئی۔ پھر میرے بھائی نے اُس سے
پوچھا۔ تو یہاں اس کمبخت کے ہاتھ کیسے چڑھ گئی۔ وہ بولی۔ میں ایک تاجر کی عورت ہوں۔ یہ بڑھیا کبھی کبھی
ہمارے ہاں جایا آیا کرتی تھی۔ ایکدن شادی کے بہانے سے مجھے اپنے گھر لے آئی۔ میں زیور کپڑے پہنکر
اور سو دینار کی تھیلی لیکر اُسکے ساتھ یہاں چلی آئی۔ جب اندر داخل ہوئی۔ اُس حبشی نے مجھے پکڑ لیا اور
تین سال ہوئے۔ جب سے یہیں ہوں۔ میرے بھائی نے پوچھا اس گھر میں کچھ ہے بھی۔ وہ بولی۔
دولت کا کچھ شمار نہیں۔ پھر اُس نے صندوق کھول کے دکھائے۔ جو ہمیانیوں اور توڑوں سے
بھرے ہوئے تھے۔ میرا بھائی حیران رہگیا۔ وہ بولی میں یہاں ٹھہرتی ہوں اور تم آدمیوں کو بلا لاؤ۔ جو
یہاں سے مال و اسباب اٹھاکے چلیں۔ میرا بھائی باہر گیا اور دس آدمی مزدور کرائے کو لیئے۔ لیکن

کہنے لگی۔ نہیں بیٹھو میں ابھی آتی ہوں۔ ایک گھڑی کے بعد بجائے اس خوبصورت بی بی کے میرے بھائی کے پاس ایک بیٹا کٹا کالا کلوٹا غلام آیا۔ اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی جس کی چمک سے آنکھیں بھی چوندھیا تی تھیں۔ اور میرے بھائی سے کہنے لگا۔ ابے بیوقوف ! تجھے یہاں کون لایا ہے۔ اور میرے بھائی سے اسکا جواب نہ دیا جا سکا۔ کیونکہ وہ تلوار دیکھکر کانپنے لگ گیا تھا غلام نے اسکے کپڑے اُتار دئے اور اسکے ننگے بدن کو تلوار سے زخمی کرنے لگا۔ یہاں تک کہ بھولا بھالا شیخ جلی بیچارا بُری طرح زخمی ہوکر گر پڑا۔ حبشی غلام نے جانا کہ وہ زخمی ہوکر مر گیا ہے تو اس نے لونڈی کو آواز دی۔ وہ ایک برتن میں نمک پیکر آئی۔ جو اس کالے حبشی نے میرے بھائی کے زخموں پر چھڑک دیا۔ مگر وہ کچھ نہ بولا۔ بالکل مُردہ بنا پڑا۔ لونڈی چلی گئی اور اس حبشی نے بڑھیا کو بلایا۔ وہ دوڑتی ہوئی آئی۔ اور دونوں نے مل کے میرے بھائی کو ایک تہ خانہ میں پھینکدیا۔ جہاں آگے بھی کئی لاشیں پڑی سڑ رہی تھیں۔ اور بھائی اپنے قبضے میں کی میرا بھائی اس گڑھے میں برابر دو دن تک پڑا رہا۔ اگرچہ زخموں پر نمک کا ملنا غضب کا تھا۔ تاہم وہی میرے بھائی کی زندگی کا باعث ہوا۔ اسلئے کہ زخموں سے خون نہ بہنے پایا تیسرے دن جب اسے ذرا ہوش آئی۔ اور اسنے بدن میں کچھ سکت پائی۔ تہ خانہ کی دیوار میں سے ٹٹول کر ایک دروازہ کھول لیا اور اس مدفن سے نکلکر باہر کے دروازے کے پاس چھپ کے بیٹھ گیا۔ جب دن نکلا۔ اور بڑھیا نئے شکار کی تلاش کے لئے شہر کو روانہ ہوئی۔ میرا بھائی بھی اسکے پیچھے ہی ہو لیا لیکن اسکی بڑھیا کو مطلق خبر نہ تھی۔ آخر وہ میرے پاس آگیا اور اپنا علاج کراتا رہا۔ حتیٰ کہ اسے بالکل آرام ہو گیا۔ پھر چاہا کہ اس بڑھیا سے اپنا بدلہ لے۔ اسلئے اسنے ایک لمبی سی ہمیانی سلوائی۔ جس میں تو سو اشرفیاں تک سما سکیں اور اسے اشرفیوں کی جگہ شیشے کے ٹکڑوں سے بھر کر کمر میں باندھ لیا۔ ایک تلوار بھی کپڑوں میں چھپالی اور عجمی کا بھیس بدلکر اس ملعونہ کی تلاش کرنے لگا۔ حتیٰ کہ ایک کوچے میں اسے پا لیا۔ اور اس سے التجا کرنے لگا۔ کہ بوڑھی اماں مجھے ترازو کی ضرورت ہے اگر لاؤ تو اشرفیاں تول لوں۔ اشرفیوں کا نام سنکر بڑھیا کے مُنہ میں پانی بھر آیا۔ بولی ترازو تو میرے پاس ہے نہیں۔ اور تم کہاں تولتے پھروگے۔ میرے ساتھ چلو۔ میرا لڑکا صراف ہے وہی تمہیں تول دیگا۔ میرے بھائی نے جواب دیا بہت اچھا۔ تو تم آگے ہو لو میں تمہارے

نے کانچ کے برتنوں کی دوکان کھولی تھی کہ اتفاقاً ٹوکرے کو پاؤں لگا کہ وہ گر کر تمام برتن ٹوٹ گئے
اب میرا بھائی اس مال کے نقصان سے رو رہا ہے۔ اس بی بی نے ایک غلام کو اشارہ کیا کہ اسکو ایک
تھیلی دیناروں کی دیدے۔ غلام نے حکم کی تعمیل کی اور اس بی بی کے چلے جانے کے بعد جب میرے
بھائی نے اس تھیلی کو کھولا۔ اسمیں پانچسو دینار پاکر اسے شادی مرگ ہوگئی۔ اپنے کو اتنی جلدی
متمول پاکر میرا بھائی بڑا خوش ہوا اور ان دیناروں کو گھر لے آیا۔ باہر کا دروازہ بھیڑ دیا اور گھر
آئے ابھی اسے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اٹھکر دیکھا تو ایک اجنبی بڑھیا
کھڑی تھی۔ اسکے دیکھتے ہی بڑھیا بولی۔ میرے بیٹے! نماز کا وقت ہاتھ سے جا رہا ہے۔ اور میں نے
ابھی تک وضو نہیں کیا کیا تم مجھے اپنے گھر میں وضو کرنے کی اجازت دے سکتے ہو۔ میرے بھائی نے
اسے اجازت دی وہ اندر آگئی اور وضو کرکے اسی جگہ نماز پڑھی جہاں میرا بھائی بیٹھا تھا پھر
میرے بھائی کے لئے دعائے خیر کی وہ بڑا خوش ہوا۔ اور بڑھیا کو دو دینار نکال کے دینے لگا۔
بڑھیا نے انکار کر دیا کہ میری بی بی مجھے بہت کچھ دیتی رہتی ہے جس سے میری سب ضرورتیں
پوری ہو جاتی ہیں۔ میں انکو لیکر کیا کروں گی۔ میرا بھائی بولا۔ کیا تمہاری اس بی بی تک کوئی پہنچ
بھی سکتا ہے۔ بڑھیا بولی کیوں نہیں بلکہ اس سے بیاہ کر بھی لا سکتے ہو۔ مگر آپ یاد رکھئے
کہ اسکا خاوند بہت بد اخلاق آدمی ہے اپنا مال اپنے ہمراہ لیکر میرے ساتھ اس بی بی کے پاس
چلو۔ اور محبت پیار کی باتیں کرکے اسے اپنے ساتھ لے آنا۔ میرے بھائی نے سارے دینار تھیلی
میں ڈالکر کمر سے باندھ لئے اور بڑھیا کے ساتھ چل پڑا۔ چلتے چلتے وہ تو ایک عالیشان مکان
کے دروازے پر پہنچے۔ بڑھیا نے دروازے کو کھٹکھٹایا۔ اندر سے ایک لونڈی نے دروازہ کھولا
اور بڑھیا اندر گئی۔ پھر میرے بھائی کو بھی اندر آنیکا اشارہ کیا۔ جب وہ اندر گیا۔ دیکھا کہ مکان
بڑے تکلف کا بنا ہے اور ہر طرح سے آراستہ و پیراستہ ہو رہا ہے۔ وہاں وہ ایک قالین پر بیٹھ گیا
اور تھیلی کمر سے کھولکر سامنے رکھ لی۔ اتنے میں گھر کی مالکہ بھی وہاں آگئی۔ جس نے زرق و برق
لباس پہن رکھا تھا۔ میرا بھائی جھٹ اٹھکے قدموں پر گر پڑا۔ وہ بڑی خوش ہوئی۔ پھر دروازہ بند
کرکے میرے بھائی کو ہمراہ لیا۔ اور ایک دوسرے کمرے میں لیگئی۔ جس کی آرائش بدرجہا پہلے سے
بڑھکر تھی۔ اسے ایک نفیس مسند پر بٹھایا۔ اور آپ بھی پاس ہی بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد

کپڑے بدلونگا ۔ اسکے بعد پھر سر جھکا لونگا حتّٰی کہ اسکا سارا غرور ٹوٹ جائے پھر میں اپنے ایک
خادم کو حکم دونگا کہ پانسو دینار وہاں کی لونڈی غلاموں میں بانٹ دے ۔ اسکے بعد میں لونڈیوں
کو حکم دونگا کہ میری بی بی کو میرے کمرے میں لے آئیں ۔ اور جب وہ آئیگی تو حقارت سے میں اسے
بلاؤنگا بھی نہیں ۔ تاکہ اسے میری وضعداری کا یقین ہو جائے ۔ اسکے بعد میری بیوی کی ماں
میرے پاس آئیگی اور میرا سر منہ چوم کر کہیگی ۔ برخوردار! اپنی لونڈی پر نظر عنایت کیوں نہیں
کرتے ۔ میں اسکا کچھ جواب نہیں دونگا ۔ اسکے بعد پھر وہ میری خوشامد کریگی اور کہے گی ۔ صاحبا
میری لڑکی نے آجتک کسی مرد کو نہیں دیکھا ۔ آپکی ایسی رکھاوٹ سے اسکا دل ٹوٹ جائیگا ۔
براہ مہربانی اس سے باتیں کیجئے اور اسکو اپنے سے مانوس بنائیے ۔ اسکے بعد میری عورت
شراب کا پیالہ بھر کے میرے سامنے لا کھڑی ہوگی مگر میں اسکی طرف پھر بھی نظر اٹھا کے نہ دیکھونگا
اور اسے اپنے سامنے ہی کھڑا رہنے دونگا ۔ تاکہ وہ مجھے جلیل القدر تصوّر کرے حتّٰی کہ مجھے بادشاہ
جلیل القدر سمجھنے لگ جائے ۔ پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوگی ۔ کہ میرے آقا! میں آپ کی ادنیٰ سی لونڈی
ہوں ۔ میرے ہاتھ سے پیالہ کیوں نہیں لیتے ۔ میں اس سے پھر بھی کوئی بات نہیں کرونگا ۔ لیکن وہ
اصرار کرے گی اور پیالہ میرے منہ تک لے آئیگی ۔ اور میں اسکے منہ پر طمانچہ جڑ دونگا ۔ ساتھ ہی
ایک لات بھی ماردونگا ۔ جس سے وہ پرے جا پڑیگی ۔ میرا بھائی انہیں خیالات کے پلاؤ پکا رہا
تھا ۔ کہ جب لات مارنے تک پہنچا ۔ تو اسکی لات ٹوکرے کو لگی ۔ جس میں کانچ کے برتن پڑے تھے
اور ٹوکرا اوندھا ہو کر زمین پر گر پڑا ۔ اور کانچ کے برتن چور چور ہو گئے ۔ جب سب راس المال پر
اس طرح پانی پھر گیا جس سے اسنے بادشاہ جلیل القدر بننا تھا تو میرے بھائی کو ہوش آگئی ۔
اور رونے چلانے لگا ۔ ساتھ ہی یہ کہتا جاتا تھا کہ یہ سب نتیجہ میرے تکبر کا ہے ۔ یا امیر المومنین
اگر مجھے حکم دیا جاتا تو میں اسے ایک ہزار کوڑے لگوا کر شہر میں تشہیر کرتا ۔ خیر وہ روتا پیٹتا رہا
تھا ۔ اور راہ گزر اسکی طرف دیکھ دیکھ کر مختلف خیالات ساتھ لئے جاتے تھے ۔ جمعہ کا دن تھا
نمازی نماز کے لئے جامع مسجد کی طرف جا رہے تھے ۔ کوئی اسکو دیکھتا اور کوئی سیدھا ہی چلا جاتا
اتنے میں ایک بی بی خچر پر سوار لباس فاخرہ زیب بر کئے وہاں سے گذری ۔ اسکے ارد گرد کئی غلام
تھے ۔ جسنے بکری سے میرے بھائی کے رونے کی وجہ دریافت کی کسی نے بتایا کہ آج ہی بیچارے کے

اسقدر بڑھ جائیگی کہ شہر کی کوئی گانے والی ایسی نہ ہوگی جو میرے اُس گھر میں آکے مجھے گانا نہ سنائے۔
جب تک میری تجارت میں بھی مجھے کافی منافع ہوتا رہیگا۔ حتّٰی کہ میں بادشاہوں اور وزرا کے
ہاں اُنکی لڑکیوں کے لئے پیغام بھیجوں گا۔ اگر بیاہ کرونگا تو وزیر اعظم کی لڑکی سے۔ ایکہزار دینار
اسکا حق مہر دونگا۔ اگر اُس کے باپ نے مان لیا تو فبہا۔ ورنہ اُسپر میرا قہر پڑیگا۔ اور جبراً اُس سے
لڑکی چھین لاؤنگا۔ جب میری شادی ہوگئی تو پھر اُس کے لئے دس خواجہ سرا خریدے جائینگے اور
اپنے لئے شاہانہ لباس تیار کراؤنگا۔ میری سواری کی کاٹھی سونے کی اور جواہرات سے مرصع ہوگی۔
جب سوار ہوکے وزیر کے گھر کی طرف جاؤنگا تو میرے آگے پیچھے دائیں بائیں خوبصورت اور خوش لباس
غلام ہونگے۔ میرے اس جلال کو دیکھ وزیر بیچارہ گھبرا جائیگا اور میری تعظیم کے لئے اُٹھ کھڑا ہوگا۔
اور مجھے مسند پر بٹھا کر آپ پرے بیٹھے گا۔ میرے خادموں کے ساتھ دو توڑے دینار کے ہونگے
جن میں سے ایک تو میں اُسکی لڑکی کو حق مہر دونگا اور دوسرا اُسے انعام کے طور پر بخش دونگا
تاکہ اُسپر میری بخشش و کرم کا بھی حال کھل جائے۔ دنیا میری آنکھوں میں بالکل حقیر دکھائی دیگی۔
پھر میں گھر کو لوٹ آؤنگا اور جب میری بیبی کی طرف سے کوئی میرے پاس آئیگا تو اُسے بیش قیمت
تحفے عطا کرونگا۔ اور اگر وزیر نے میری طرف کوئی ہدیہ بھیجا تو میں اُسے واپس کردونگا۔ خواہ وہ کتنا
ہی قیمتی ہو۔ تاکہ اُسے معلوم ہوجائے کہ میں کوئی چھوٹا موٹا آدمی نہیں ہوں۔ پھر میں اُن کے گھر
جاؤنگا اور وہ میری تعظیم و تکریم حد سے بڑھ کر کرینگے۔ اسکے بعد میں اُنہیں شب زفاف کی
تیاری کا حکم دونگا۔ اور جب وہ وقت آئیگا اور میں لباس فاخرہ زیب بر کرونگا۔ اور دیباج
کی مسند پر بڑی تمکنت سے بیٹھوں گا۔ ادھر اُدھر نہیں دیکھوں گا تاکہ اُنہیں میری بلند نظری
کا علم ہوجائے۔ پھر میری عورت جو چاند کا ٹکڑا ہوگی زر و جواہرات میں مغرق میرے پاس آئیگی
مگر میں اُسکی طرف نظر اُٹھا کے نہ دیکھوں گا۔ اور مغرورانہ نگاہ نیچے کر رکھونگا۔ حتّٰی کہ وہاں جو
لوگ حاضر ہونگے مجھ سے التجا کرینگے کہ یہ تمہاری لونڈی ہے۔ آپ اسکی طرف نظر اُٹھا کے کیوں نہیں
دیکھتے۔ پھر بیشک میں اُسے دیکھ لونگا اور سب حاضرین میرے سامنے سربسجدہ ہوکر خدمت
کی زمین کو چومنے لگیں گے اور کہینگے کہ اس گناہ کو معاف کر دیجئے۔ پھر میں ایک نظر اُٹھا کے
اُسکی طرف دیکھوں گا اور پھر سر جھکا دونگا۔ پھر وہ چلے جائینگے اور میں اُٹھکے پہلے سے بھی اچھے

تصویر الکوز کے شتر پر سوار ہو کر شہر بدر ہونے کی



کان کٹا ہے۔ وہ رات کو بھیک مانگتا تھا اور دن کو اُسے خرچ کرتا تھا ہمارا والد ایک بُڈھا آدمی ہو گذرا ہے۔ اُسنے اپنے مرنے کے بعد سات سو درہم چھوڑے تھے۔ جو ہم ساتوں بھائیوں نے آپس میں بانٹ لیے۔ ایک سو میرے پانچویں بھائی کے حصے میں بھی آئے۔ وہ اپنے حصہ کو پا کر حیران رہ گیا اور نہیں جانتا تھا کہ انہیں کس مصرف میں لگائے۔ یکایک اُسکے دلمیں خیال آیا۔ کہ ان سے کانچ کے برتن خرید لوں اور انہیں بیچکر خاطر خواہ منافع اُٹھاؤں۔ یہ سوچکر ان سو درہموں کا کانچ خرید لیا اور ایک بڑے ٹوکرے میں رکھکر بازار میں بیٹھ گیا۔ دیوار کے ساتھ پیٹھ لگائی اور سوچنے لگا۔ کہ میرا راس لمال سو درہم کا ہے۔ اب اس مال کو میں بیچکر دو سو درہم بناؤں گا پھر ان سے کانچ کے برتن خرید کر دو سو کے چار سو بنیں گے۔ اور اسی طرح بڑھتے بڑھتے ایکدن میرے پاس بہت دولت جمع ہو جائیگی۔ پھر میں قیمتی مال خرید کرونگا۔ یہانتک کہ اس سے اسقدر منافع ہوگا۔ کہ میں فارغ البال ہو جاؤنگا۔ پھر میں ایک خوبصورت اور عالیشان محل خرید کرونگا۔ جس میں لونڈیاں غلام گھوڑے۔ سنہری زین۔ ساز بجانے پینے کے ساز اور عیش و عشرت کے اسباب غرض ہر طرح کا سامان بکثرت بہم پہنچاؤنگا۔ حتیٰ کہ میری شہرت شہر میں

بادشاہ کانے آدمی کو دیکھکر بڑا برہم ہوجایا کرتا ہے بلکہ اگر اُسے اپنے داہنے ہاتھ دیکھ لے تو اُسکے مروا ڈالنے میں بھی تامل نہیں کیا کرتا۔ یہ سُنکر میرا بھائی وہاں سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔ اور ایک اور شہر میں جا مقام کیا۔ جہاں کوئی بادشاہ نہ تھا وہاں ٹھہرے اُسے تھوڑے ہی دن ہوئے تھے کہ ایک روز چلتے چلتے اُس نے اپنے پیچھے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز سُنی۔ اُسنے خیال کیا کہ شاید پھر وہی بادشاہ آگیا۔ فوراً بھاگا اور ایک بڑی حویلی کے پھاٹک میں جاکے گھس گیا کہ وہاں اپنے تئیں چھپائے۔ اتنے میں اندر سے دو پیادوں نے آگے اُسے پکڑ لیا اور کہنے لگے کہ خدا کا شکر ہے کہ آج تو آپ ہی ہمارے قابو آگیا ہے ہم برابر تین دن سے تیری تلاش میں پھرتے تھے نہ رات کو چین آتا اور نہ دن کو آرام۔ میرا بھائی بولا۔ دوستو! بات کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ تو چور ہے اور ہمارے مالک کی جان لینا چاہتا ہے۔ آگے اُس کا مال و متاع چرا کر تو تو نے اُسے فقیر کر دیا بے حیا اب اُس کی جان لیکے کیا کریگا اب بتاؤ وہ کل رات والی چھری کہاں ہے؟ اتفاق سے تھا بیمار ہونے کے سبب میرے بھائی کے پاس چھری تھی۔ جب انہوں نے غریب کی تلاشی لی۔ اور چھری نکل آئی۔ پھر تو وہ نہایت برہم ہوکر قاضی کے پاس لیچلے۔ وہ بیچارہ بہتیرا چلاّتا رہا۔ کہ لوگو! میں بالکل بیگناہ ہوں مگر کسی نے اُس کی ایک بھی نہ سُنی بلکہ اُس کے کپڑے اُتروا کے دیکھے تو بہت مار پیٹ کے نشان دکھائی دیے یہ دیکھکر کہنے لگے کہ اے ملعون! یہ مار کے نشانات تیرے جرائم پیشہ ہونیکی صاف طور پر شہادت دے رہے ہیں۔ غرض اُسنے قاضی کے پاس لیجا کر حاضر کیا۔ میرا بھائی سوچتا تھا کہ اب چھٹکارا مشکل ہے۔ قاضی نے پوچھا او بدشعار! تو اسقدر سخت مار کھاکے بھی اپنے کاموں سے نہیں ہٹتا۔ یہ مار یقیناً تجھے کسی بڑے جرم کے عوض میں ملی ہے۔ پھر اُسے ایکسو کوڑے لگانے کا حکم دیا۔ جب کوڑوں سے اُسکا چمڑا اُدھڑ چکا۔ قاضی کہنے لگا۔ کہ اب اسے اونٹ پر سوار کرکے شہر بدر کرو کہ جو شخص لوگوں کے گھروں میں نقب دے یہ سزا اُسکی ہے۔ پھر اُسے شہر بدر کر دیا۔ راستے میں بکر بھی اپنے بھائی کی مصیبت کرنانی دیکھ لی اور مارے رحم کے پیچھے پیچھے لگا چلا جاتا تھا جب قاضی کے آدمی اُسے باہر چھوڑ آئے۔ پیچھے اُسے چپ چاپ اپنے ساتھ لیا۔ اور اپنے گھر میں لا رکھا اور آجتک اُسے ہر طرح سے میں ہی مدد دیتا ہوں۔ اے امیر المومنین! میرا پانچواں بھائی دوقو

وہ کہنے لگا۔ تو آدمیوں کا گوشت بیچتا ہے۔ میرا بھائی بولا۔ اے ملعون تو جھوٹ بکتا ہے۔ وہ بولا اپنی دوکان میں تو جاکے دیکھ کہ آدمی لٹکار کھا ہے یا بھیڑ۔ میرے بھائی نے جواب دیا۔ بدذات اگر تمہاری بات سچ ہو تو میرا خون تم پر مباح ہے۔ یہ سنکر وہ بوڑھا بولا کہ یہ قصاب آدمیوں کو ذبح کرتا ہے۔ اور بھیڑ بکریوں کا گوشت کہکر آپ لوگوں کو کھلاتا رہا ہے اگر تم میری قول کی تصدیق چاہتے ہو تو اسیوقت جاکے اُسکی دوکان میں دیکھ لو۔ یہ سنکر میرے بھائی کی دوکان پر آمنڈ آئے اور دیکھا کہ فی الواقع ایک ذبح کیا ہوا آدمی لٹک رہا ہے۔ یہ دیکھکر میرے بھائی کا گریبان پکڑ لیا اور بولے بے حیا بتا اب تیرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ بڑے بڑے معزز آدمی کسے مارتے تھے۔ اور وہ بیچارہ حیران ہورہا تھا کہ یہ ہو کیا گیا۔ اتنے میں اس کمبخت بڈھے نے اُسکی آنکھ پر اس زور سے گھونسا مارا کہ میرے بھائی کی آنکھ پھوٹ گئی۔ اور وہ کانا ہو گیا۔ لوگ اُسے اور بڈھے کو اُٹھا کے قاضی کے پاس لیگئے۔ کہ یا حضرت! یہ شخص آدمیوں کا گوشت ہم لوگوں کو کھلاتا رہا ہے۔ میرے بھائی نے بھی اپنی بے گناہی کے لئے بہت کچھ کہا۔ مگر قاضی نے اُس کی ایک بھی نہ سنی۔ بلکہ حکم دیا کہ کوڑوں سے اس کی خبر لیجائے اور جائیداد ضبط کر لیجائے لیکن اگر جائداد ناکافی ہو تو اسے قتل کر دیا جائے۔ حکم کی فوراً تعمیل ہوئی اور میرے بھائی کا گھر بار ضبط کر کے اُسے شہر بدر کر دیا گیا۔ وہ غریب بیکسی کی حالت میں وہاں سے آگے کو چل پڑا اور نہیں جانتا تھا کہ کہاں جاتا ہے۔ غرض چلتے چلتے ایک بڑے شہر میں پہنچ ہی گیا اور وہاں بڑی بھلی طرح اپنا پیٹ پالنے لگا۔ ایکدن اُسنے سنا کہ وہاں کے بادشاہ کی سواری سیر و شکار کے لئے نکلی ہے وہ بھی تماشا دیکھنے کے لئے راستے میں جاکھڑا ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد بادشاہ گھوڑے پر سوار وہاں سے گذرا۔ اور اُسکی نظر میرے بھائی کی کانی آنکھ پر پڑی۔ فوراً اُسنے سر جھکا لیا اور کہنے لگا خدا ہی خیر رکھے اور فوراً گھوڑے کی باگ موڑ دی اُسکے لشکریوں نے بھی رُخ بدل لیا۔ مگر کوئی وجہ نہ جانتا تھا۔ اتنے میں بادشاہ نے ایک شخص کو بلا کر اُسکی طرف اشارہ کیا کہ اسے خوب کوڑے لگاؤ۔ وہ فوراً میرے بھائی کو پکڑ کے لیگیا اور مارے کوڑوں کے اُسکا چمڑہ تک اُدھیڑ دیا۔ حتیٰ کہ اسے زندگی کی بھی کچھ آس نہ رہی مگر ابھی تک میرے بھائی کو اپنے گناہ کی کچھ بھی خبر نہ تھی جب ہٹ چکا۔ بادشاہ کے ایک اردلی کی خدمت میں جاکر اپنی سرگذشت سنائی۔ وہ بولا ہمارا

پھر میں پوشیدہ طور پر اپنے گھر آیا۔ اور اب تک اُسے روٹی کپڑا دیتا ہوں۔ خلیفہ پھر ہنسا اور کہا کہ اسے کچھ انعام دیا جائے۔ تاکہ چلا جائے۔ میں نے کہا۔ خدا کی قسم۔ میں جب تک اپنے سب بھائیوں کی حکایات حضور کو نہ سنالوں کچھ بھی آپ سے لینا میرے لئے حرام کے برابر ہے۔ خلیفہ بولا۔ تم نے تو میرے کان بھی کھالئے۔ اچھا بولو۔ میں نے عرض کیا۔ میرا چوتھا بھائی کانا تھا۔ اُسکا پیشہ قصابی تھا۔ وہ مینڈھے پالتا اور گوشت بیچتا تھا۔ بغداد کے امیر و رئیس اُسی کی دوکان سے گوشت خریدا کرتے تھے۔ اُسنے اس پیشہ سے بڑا روپیہ کمایا۔ ایک مدت تک بڑے مزے سے بسر اوقات کرتا رہا۔ ایکدن کی بات ہے کہ وہ دوکان پر بیٹھا ہوا تھا کیا دیکھتا ہے کہ ایک بوڑھا لمبی ڈاڑھی والا اُس کے پاس کھڑا ہے۔ اُسنے میرے بھائی کی طرف درہم پھینکے اور گوشت طلب کیا۔ میرے بھائی نے درہم اٹھاکے اُسے گوشت دیدیا وہ بوڑھا چپ چاپ گوشت لیکر چلا گیا۔ اسکے چلے جانے کے بعد میرے بھائی نے ان درہموں کو نئے ہی سکے کا پایا۔ اسلیئے اُنہیں ایک علیحدہ صندوقچی میں ڈالدیا۔ برابر پانچ ماہ تک وہ بوڑھا ایک معین وقت پر آتا اور گوشت لیکے چلا جاتا۔ اور میرا بھائی اُسکے درہموں کو اُس صندوقچی میں ڈالتا رہا۔ پانچ ماہ کے بعد جب آمد کا حساب کرنے لگا۔ اُس صندوقچی کو کھولا کیا دیکھتا ہے کہ درہموں کی جگہ کاغذوں کی بیشمار ٹکلیاں پڑی ہیں۔ فوراً مُنہ پیٹنے لگ گیا اور شور مچانا شروع کیا۔ لوگ آ جمع ہوئے اور اُس سے رونے چلانے کی وجہ پوچھنے لگے جب اُسنے اپنی ساری سرگذشت بیان کی تو سب سُننے والے حیران رہ گئے۔ پھر میرا بھائی دوکان پر آیا۔ اور ایک مینڈھا ذبح کرکے دوکان کے اندر لٹکا دیا۔ اور اُس کا گوشت کاٹ کے باہر تختے پر رکھا۔ دلمیں سوچتا تھا کہ وہ بوڑھا ملعون آتا ہی ہوگا۔ یہاں ذرا آنے دے۔ ابھی اُسے پکڑ کر ساری کسر پوری کرالیتا ہوں۔ یہ سوچتا ہی رہا تھا کہ حسب معمول وہ بوڑھا دراز ریش دوکان پر آگیا اور چند درہم دیکے گوشت طلب کرنے لگا۔ میرا بھائی اُسے دیکھتے ہی جھپٹا اور اُسے مضبوطی سے پکڑ کر چلانے لگا۔ لوگو! دوڑو۔ میں نے ایک مجرم پکڑ لیا ہے۔ وہ بوڑھا یہ سُنکے کہنے لگا تم کیا چاہتے ہو۔ اپنی رسوائی یا میری ذلت سے چشم پوشی۔ میرا بھائی کہنے لگا۔ واہ! اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ تو مجھے کیا رسوا کریگا۔ میرے پاس تو تیری ذلت کا کافی ثبوت ہے

قاضی نے پوچھا کیا بات ہے۔ اُسنے کہا کہ یا حضرت! جب تک آپ ہم پر سختی نہ کرینگے حقیقت حال نہ معلوم ہوسکیگی۔ قاضی نے حکم دیا کہ پہلے اُسے ہی گرا کے کوڑے ماریں۔ جلّادوں نے حکم کی تعمیل کی۔ جب اُس چور کو خوب کوڑے پڑنے شروع ہوئے۔ تو مارے درد کے ایک آنکھ کھولدی پھر دوسری بھی کھولدی۔ قاضی یہ دیکھکر حیران رہ گیا اور پوچھنے لگا۔ نالائق یہ کیا بات تھی چور بولا۔ اگر جان کی امان پاؤں تو سب حقیقت حال کھولکے سناؤں۔ قاضی نے اُسے امان دیا کہنے لگا۔ ہم چاروں نے اپنے تئیں دانستہ اندھا بنایا ہوا ہے۔ ہم لوگوں کے گھروں میں جاتے ہیں۔ عورتوں کو دیکھتے ہیں۔ اور مال ومتاع حاصل کرنے کی تجاویز سوچتے رہتے ہیں جبھی داؤ چل جاتا ہے۔ لیکے نکل جاتے ہیں۔ اور اس طرح سے ہمنے بیشمار دولت جمع کرلی ہے جس کی تعداد دس ہزار درہم تک جا پہنچی ہے۔ آج مینے اپنے ساتھیوں سے اپنا حصہ مانگا تھا تو اُنھوں نے صاف جواب دیدیا۔ بلکہ مجھے اسقدر مارا کہ بدن کا بند بند درد کے مارے ٹوٹا جارہا ہے۔ اگر آپ میرے قول کی پہچان چاہتے ہیں تو اُنکو اسقدر سزا دلوائیے کہ یہ لوگ اپنی آنکھیں کھولدیں۔ قاضی یہ سنکر اُنکی طرف مخاطب ہوا کہ بدمعاشو! تم خدا کی عطا کردہ نعمت کا کفران کرتے ہو۔ میرا بھائی بولا خدا جانتا ہے۔ ہماری بصارت بالکل زائل ہوچکی ہے۔ ہم کفران نعمت نہیں کرتے۔ مگر اُس کی یہ بات سنکر قاضی نے اُسے ہی پہلے گرا کر کوڑے مارنے کا حکم دیا اور اسقدر کوڑے لگوائے۔ کہ غریب کو غش آگیا۔ قاضی نے کہا کہ اب اسے چھوڑدو۔ پھر تیسرے اور چوتھے کو بھی اسیطرح نہایت سخت مار پڑی اور وہ چور کہتا تھا کہ اب بھی آنکھیں کھولدو۔ کیوں مفت میں جان دے رہے ہو۔ پھر وہ قاضی سے کہنے لگا کہ میرے ساتھ ایک آدمی کو بھیجئے جو چلکے وہ مال لے آئے۔ کیونکہ ہم آدمی لوگوں میں رسوائی ہونے سے ڈرتے ہیں۔ اور محض اسی سبب سے آنکھیں نہیں کھولتے۔ یہ سنکر قاضی نے اپنے ایک معتبر کو اُسکے ساتھ جانے کے لئے کہا۔ اور جب وہ روپیہ لے آیا تو قاضی نے ڈھائی ہزار درہم گن کر اُسے عطا کردئے جسے وہ اپنا حصہ بتاتا تھا۔ باقی کا خزانہ عامرہ میں جمع کرادیا۔ اور اُن تینوں کو جن میں میرا بھائی بھی تھا۔ شہر بدر کرنے کا حکم دیا۔ مجھے بھی یہ خبر لگی۔ اور میں اُن کے پیچھے گیا۔ اپنے بھائی سے ساری حقیقت دریافت کی۔ جو میں ابھی حضور کی خدمت میں عرض کرچکا ہوں۔

وہ بولا۔ میرے پاس کچھ نہیں جو تمہیں دلواؤں۔ یہ سُنکر میرا بھائی بولا۔ اچھا۔ تو مجھے زینے کا رستہ ہی بتادو۔ وہ کہنے لگا تمہارے سامنے ہی ہے چلے جاؤ۔ میرا بھائی چلا بُھنا پڑا اور زینے کی تلاش کر کے نیچے اُترنے لگا۔ ابھی بیچ میں ہی پہنچا تھا کہ پاؤں پھسل گیا اور تڑاق سے زمین پر آپڑا بیچارے کا سر بھی کھل گیا۔ لیکن وہ جُوں توں کر کے وہاں سے نکل گیا۔ اور نہیں جانتا تھا کہ باہر آتا ہے رستے میں ہی سے اُسکے کئی اندھے دوست ملے اور کہنے لگے۔ تجھے کیا ہوا؟ اُس نے سارا واقعہ سُنا دیا۔ پھر اُنسے کہنے لگا کہ ہمارے پاس جو روپیہ ہے میں چاہتا ہوں کہ اُس میں سے کچھ اپنے تن کے لئے صرف کروں۔ وہ شخص جس کے مکان کے زینوں سے میرا بھائی گرا تھا۔ اُن کی یہ باتیں سُن رہا تھا۔ اسلئے کہ اُس نے اُسکا حال دریافت کرنے کیلئے اُسکا پیچھا کر رکھا تھا۔ مگر میرے بھائی کو اسکی کچھ خبر نہ تھی۔ حتیٰ کہ اُن دوستوں کو لیکر میرا بھائی اپنے مکان میں آداخل ہوا۔ وہ آدمی بھی پیچھے ہی آگیا۔ جب باقی کے اندھے بھی اندر آگئے تو میرے بھائی نے فوراً دروازہ بند کر کے اندر سے قفل کر دیا۔ اور اندر سے مکان کی تلاش کرنے لگے کہ کوئی غیر آدمی نہ گھسا بیٹھا ہو۔ یہ بات سُنکر متعاقب شخص فوراً چھت سے چمٹ گیا اور اُنھوں نے گھر کا چپہ چپہ چھان مارا جب کوئی نہ ملا تو آرام سے بیٹھ گئے اور اپنے پاس سے درہم نکال کے گننے لگے جو مقدار میں پورے دس ہزار نکلے۔ پھر اُنہیں مکان کے ایک کونے میں دفن کر دیا اور اپنے خرچ کے لئے تھوڑا تھوڑا ہر ایک نے پاس رکھ لیا۔ پھر وہ کھانا کھانے لگے۔ اتنے میں میرے بھائی نے ایک اجنبی آواز کھانا کھانے کی اپنے پاس ہی سُنی۔ اور ساتھیوں سے کہنے لگا۔ آج ہمارے ساتھ کوئی غیر بھی معلوم دیتا ہے۔ دوستو ذرا ہوشیار ہو جاؤ۔ پھر اپنا ہاتھ بڑھا کے چور کو پکڑ لیا اور سب نے مل کے غُوغا مچانا شروع کیا۔ کہ لوگو ہمارے گھر میں چور گھس آیا ہے اور ہمیں لوٹ لیجانا چاہتا ہے کوئی آکے بچاؤ۔ یہ سُنکر لوگ آجمع ہوگئے۔ وہ شخص بھی آنکھیں بند کر کے اندھا بنگیا۔ میرا بھائی اُن لوگوں سے کہنے لگا کہ یہ شخص جسے میں نے پکڑ رکھا ہے یہ چور ہے اور ہماری بھیک کی کمائی اُڑا لیجانی چاہتا ہے۔ وہ شخص کہنے لگا۔ خدا کی قسم یہ جھوٹ بولتے ہیں میں بھی اُنکا ہی ایک ساتھی ہوں۔ یہ میرا حصہ مجھے نہیں دیتے۔ اسلئے اُنھوں نے خواہ مخواہ غوغا مچا رکھا ہے اور مجھے چور بنا کے نکال دینا چاہتے ہیں۔ لوگوں نے یہ سُنکر سب کو قاضی کے ہاں پہنچا یا۔

تصویر بکیارہ کی کہ برہنہ گدھے پر سوار اور گرد اسکے حمار تھے



دروازے پر ٹیکی جیسے میرا بھائی کھٹکھٹائے چپ ہو رہا۔ تاکہ مالک مکان بولے تو اس سے سوال کرے
مالک مکان نے آواز دی کہ کون ہے۔ مگر میرا بھائی نہ بولا۔ پھر اسنے اونچے سے آواز دی۔
کہ کون دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ لیکن یہ سنکے بھی وہ چپکا ہو رہا۔ کیونکہ اس کی عادت ہی ایسی
تھی۔ اتنے میں سنا کہ مالک مکان آپ آرہا ہے۔ تھوڑی دیر میں دروازہ بھی کھلگیا مالک مکان
نے پوچھا۔ کیا چاہتے ہو۔ میرے بھائی نے جواب دیا۔ کچھ خدا کے نام پر دلواؤ۔ وہ کہنے لگا کیا
تو اندھا ہے۔ میرا بھائی بولا۔ ہاں! اسنے کہا مجھے اپنا ہاتھ دو۔ میرے بھائی نے اپنا ہاتھ اسی
پکڑا دیا اور وہ اسے اندر لیچلا۔ پھر زینے چڑھنے شروع کیے اور دیر کے بعد اوپر کی منزل میں پہنچا
میرے بھائی کا خیال تھا کہ اوپر جاکر کچھ کھانے کو دیگا اور کچھ عطا بھی کریگا۔ اوپر پہنچکر مالک مکان
پوچھنے لگا۔ اے اندھے! کیا چاہتا ہے۔ میرے بھائی نے جواب دیا۔ کچھ خدا کے نام پر دلوایئے
اسنے کہا۔ خدا تجھے آنکھیں دے۔ میرا بھائی بولا۔ کیوں صاحب! اگر یہی دلوانا تھا تو نیچے ہی کہدیتے
وہ کہنے لگا۔ کمبخت مالش! میں نے دو دفعہ آواز دی کہ کون ہے؟ لیکن تو دروازہ ہی توڑے گیا۔
کیا تیرا منہ ٹوٹے جاتا تھا۔ اگر میری آواز کا جواب دیدیتا۔ میرا بھائی کہنے لگا کہ اب کیا ارادہ ہے

ناک پر انگلی رکھ جس وقت ناچنے لگا تو اُنکی ہنسی کا ٹھکانا ہی نہ تھا - لوٹ پوٹ ہوئی جاتی تھیں پھر سب کی سب اُسکے ساتھ ملکر ناچنے لگیں - اسکے بعد محل میں جو لونڈی غلام تھے سب نے اُسکی کھوپری سہلائی - چٹکی کرلیا چوں سے غریب آدمی بے سُدھ ہوکے گر پڑا - اتنے میں وہ بڑھیا پھاپھاں بھی آگئی - اور بھلانے لگی - گھبراؤمت - بس ایک ہی مرحلہ باقی ہے - اب مار تو ہو چکی - اطمینان رکھو اور ہماری بی بی کی عادت ہے - کہ جب نشے میں ہو جاتی ہے تو کسی کو اپنے پاس نہیں آنے دیتی سوائے اُسکے جو ننگا ہوکے اُسکے سامنے جائے - پھر وہ آگے آگے بھاگتی ہے - کبھی ایک دالان سے دوسرے میں اور کبھی ایک حجرے سے دوسرے حجرے میں جبتک کہ تھک کر کھڑی ہو جاتی ہے - اور وہ شخص اُسے پکڑ لیتا ہے اب وہ بہتر ہے آگے سے بھاگے گی تو ملا تامل ننگا ہوکے اُسکا تعاقب کیجیو - پھر بھائی نے سب کپڑے اتار دئے - فقط کمر میں ایک شلوار رہنے دی - اور وہ بی بی دھوکا دیکر آگے بھاگی - سب لونڈیاں بھی تالیاں پیٹتی ہوئی ہمراہ ہو لیں - میرے بھائی نے بھی اُسی ہیئت کذائی میں اُنکے پیچھے پیچھے بھاگنا شروع کیا - آخر وہ بی بی ایک دالان کے گرداگرد گھوم کے ایک تاریک چھتے میں جا داخل ہوئی - میرا بھائی بھی فوراً پیچھے پیچھے چلا گیا - اور وہ بی بی دوسرے راہ سے محل میں آگئی مگر میرا بھائی سودائیوں کی طرح اِدھر اُدھر بیہودہ ہاتھ مارتا رہا - آخر تھک کے کھڑا ہو گیا - اور جب غور سے دیکھا تو ایک طرف سے تھوڑی سی روشنی نظر آئی - وہ دوڑکر اُدھر کو گیا اور دیکھا تو وہ باہر کا دروازہ تھا اُسکے باہر نکلتے ہی دروازہ فوراً بند ہو گیا - تب میرے بھائی نے اپنے تیئیں چماروں کے کوچے میں پایا - جو اُسے ننگا اور داڑھی مونچھ منڈا دیکھ کے متحیر ہوئے اور تالیاں بجانے لگے - لوگوں نے اُسے سودائی سمجھ کر شور مچانا شروع کیا اور کوئی کوئی اینٹ پتھر بھی پھینکنے لگا - اور ایک پتھر غریب کو ایسے زور سے لگا کہ بیہوش ہوکے گر پڑا - پھر وہ چمار اُسے گدھے پر چڑھا کر قاضی کے پاس لیگئے - قاضی نے پوچھا کیا بات ہے - لوگوں نے جواب دیا ہم نے وزیر کے گھر کے تلے سے پایا ہے - قاضی نے سو کوڑے مار کر شہر بدر کر دینے کا حکم دیا - حکم کی تعمیل ہوئی مجھے بھی اس واقعہ کی خبر پہنچ گئی - میں بھی پیچھے پیچھے گیا - اور جاکے چوری چوری شہر میں لایا اور اب تک خبرگیری کرتا ہوں - یہ تو میرے دوسرے بھائی کی سرگذشت تھی - اے امیرالمومنین اب تیسرے کا حال سن لیجیے - وہ اندھا تھا اور بھیک مانگا کرتا تھا - ایکدن تقدیر اُسے ایک بڑے

چار ایسی خوبصورت لڑکیاں دیکھیں جنسے بڑھکر عمر بھر میں کسی کو نہ دیکھا تھا۔ وہ ایسی رسیلی آوازوں سے گا رہی تھیں کہ پتھر بھی پانی ہو ہو جاتا تھا۔ پھر انمیں سے ایک لڑکی نے شراب کا پیالہ بھرا اور پی لیا۔ میرے بھائی نے اُسے سلام کیا اور خیریت پوچھکے خدمتگذاری کے لئے کھڑا ہو گیا۔ لیکن اُس لڑکی نے اُسے خدمت سے منع کر دیا۔ پھر میرے بھائی کو شراب کا پیالہ بھر کے دیا۔ اور اسکی گالوں پر تڑا تڑ دو تین طمانچے جڑ دئے۔ یہ سلوک دیکھکر میرا بھائی غصے میں بھر گیا۔ لیکن اُسی بڑھیا چڑیل نے اشارے سے شرط یاد کرائی۔ ناچار بیچارہ خفگی اندر ہی اندر پی گیا۔ پھر تو تڑ اتڑ اُسپر چپیڑیں پڑنے لگیں۔ اور وہ خاموش ہو رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ قضائے حاجت کے لئے اُٹھا۔ لیکن اُسی بڑھیا نے روکا کہ کہاں جاتے ہو۔ میرا بھائی کہنے لگا۔ میں اور کب تک صبر کروں۔ وہ بولی ابھی تھوڑی دیر تک تم اپنی مراد کو پہنچ جاؤگے۔ گھبراتے کیوں ہو۔ ناچار وہ پھر لوٹ گیا اور جاکر اُن لڑکیوں کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ پھر وہ لڑکی جو اُن سب میں سے حسین تھی۔ بولی۔ خدا تجھے معزز کرے کہ ہمارے گھر آیا ہے۔ لیکن اگر میری شرط بھی مانے تو تو بہت جلد اپنی مراد کو پہنچ جائیگا۔ میرا بھائی بولا۔ میں تو آپ کا غلام ہوں جو فرمائیں تعمیل ارشاد میں کچھ عذر نہ ہوگا۔ اُسنے پھر کہا کہ تم بہت اچھے آدمی ہو۔ میری طبیعت قدرتاً سے ہنسوڑ اور خوش طبع واقع ہوئی ہے۔ اسلئے جو آدمی میرا کہنا نہیں ٹالتا وہ بہت جلد اپنی مراد کو حاصل کر لیتا ہے۔ پھر لونڈیوں کو ارشاد کیا کہ گانا شروع کریں گانا شروع ہوا۔ اور اُس نے دوسری ایک لونڈی کو اشارہ کیا کہ اسے لیجاکر جیسا تجھے معلوم ہے بنا سنوار کے میرے پاس لے آ۔ وہ لونڈی میرے بھائی کو ایک دوسرے کمرے میں لے گئی۔ وہیں وہ بڑھیا بھی آگئی اور کہنے لگی بس اب تھوڑی کسر رہ گئی ہے۔ عنقریب تو دیکھے گا کہ وہ بی بی تجھے کیا کچھ بخشتی ہے۔ مگر وہ پہلے چاہتی ہے کہ تو داڑھی مونچھ منڈا ڈالے تاکہ کسی کو تیرے آدمی ہونے کا شبہ نہ ہو اصل میں ہماری بی بی تجھ پر مرتی ہے اور وہ چاہتی ہے کہ تجھے عورتوں کے لباس میں اپنے پاس رکھے۔ اسلئے اور تھوڑا سا صبر کر۔ میرے بھائی نے اسے بھی منظور کیا اور لونڈی نے اُسکی داڑھی مونچھ ابرو سب کا صفایا بول دیا اور بناؤ سنگار کرکے عورتوں کا لباس پہنا کر اُن لڑکیوں کے پاس لے گئی جو میرے بھائی کی اُس ہیئت کذائی کو دیکھکر ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ گئیں۔ پھر وہ بی بی کہنے لگی۔ اب تو بے تکلف ہوکر میرے سامنے ناچ۔ اسی میں میری خوشی ہے۔ میرا بھائی اُٹھ کے

کی طرف نظر بد سے دیکھتا ہے۔ پھر اُسے کوڑے مار کے چھوڑ دیا جائے۔ تاکہ وہ کہیں اور جگہ
جا منہ کالا کرے۔ یہ سزا سنکر اُس کے حواس اُڑ گئے۔ مگر حکم حاکم تھا سہنا پڑا۔ اردلیوں نے
اُسے اونٹ پر سوار کرکے تشہیر کرنا شروع کیا اور لوگ تالیاں بجانے لگے۔ اتفاقاً اونٹ بھڑک
اُٹھا اور میرا بھائی بُری طرح اوپر سے گرا۔ حتیٰ کہ اُسکی ٹانگ ٹوٹ گئی اور وہ لنگڑا ہو گیا۔ پھر
قاضی نے اُسے شہربدر کر دینے کا حکم دیا۔ مجھے بھی خبر ملی۔ اب میں غصّہ میں بھرا ہوا اُسکے پیچھے
گیا۔ حتیٰ کہ بمشکل اُسے اپنے ہاں لاکے رکھا۔ اب میں ہی اُسکے کھانے پینے کی خبر لیتا ہوں خلیفہ
ہنسا اور کہنے لگا تم بہت نیک آدمی ہو۔ مینے کہا میں آپ کی تعریف اُس وقت تک نہیں
قبول لوں گا۔ جب تک میں اپنے بھائیوں کا بھی حال نہ سناؤنگا۔ لیکن مجھے یاوہ گو نہ سمجھے گا۔
خلیفہ مسکرا کر کہنے لگا۔ اچھا باقیوں کا حال بھی سنادو۔ مگر ذرا کلام کو مختصر کرکے بہرے تو کان بھی
تھک گئے ہیں مینے عرض کیا۔ امیرالمومنین! میرا دوسرا بھائی جو لولا ہے ایکدن بازار میں
چلا جا رہا تھا کہ ایک بڑھیا نے سامنے سے آکر اُسے سلام کیا اور کہنے لگی۔ اے مرد خدا! ذرا
ٹھہر جاؤ۔ میں تم سے ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔ اگر تمہیں پسند ہو تو میرا کہنا ماننا۔ ورنہ تمہارا
راستہ تو کوئی روکتا ہی نہیں۔ میرا بھائی یہ سنکر ٹھہر گیا۔ وہ کہنے لگی کہ میں تیرے فائدہ کی ایک
بات کہتی ہوں۔ اگر تو زیادہ باتیں نہ بنا کر میرے ساتھ چلے۔ میرے بھائی نے جواب دیا۔ بتاؤ وہ
کیا بات ہے؟ بڑھیا بولی۔ کیا تو ایک محل میں میرے ساتھ چلیگا۔ جہاں نہریں چل رہی ہیں
اور کھانے کے لئے طرح طرح کے پھل لگ رہے ہیں۔ وہاں تو ایک ہنسوڑ اور خوش طبع بی بی خوالقیو
کو پائیگا جو تیرے ساتھ بڑا سلوک کریگی۔ مگر وہ بی بی ہنسوڑ حد سے بڑھ کر ہے۔ شرط یہ ہے کہ اگر وہ
یا اُسکی سہیلیاں تجھ سے خوش طبعی کریں تو تو نے خفا نہ ہونا۔ میرا بھائی یہ سنکر بولا۔ میں تم سے
ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ بھلا مجھ میں تمہیں کونسی انوکھی بات نظر آئی ہے۔ کہ اتنے آنے جانے
والوں کو چھوڑ کے مجھ سے اپنے ساتھ چلنے کی درخواست کرتی ہو۔ وہ بولی کیا میں تمہیں نہیں
کہہ چکی۔ کہ زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ اگر چلنا ہے تو چپ چاپ چلے آؤ۔ یہ کہکر بوڑھیا لوٹ پڑی۔
میرا بھائی بھی مارے لالچ کے اُسکے پیچھے ہی ہولیا۔ حتیٰ کہ وہ دونو ایک بہت بڑے محل کے دروازے
پر پہنچے۔ اندر جاکے میرے بھائی نے اُسے اور بھی عالیشان اور پُر فضا پایا۔ میرے بھائی کی وہاں

صبح ہوئی۔ وہ لونڈی جس سے میرے بھائی کا عقد پڑھ گیا تھا آئی اور افسوس کر کے کہنے لگی رات تو ہمیں تمہاری مصیبت کا علم ہی نہیں ہوا۔ اور آج صبح کو تمہیں ایسی ہیئت کذائی میں دیکھکر مجھے اور میری بی بی کو نہایت رنج ہوا ہے۔ لہٰذا میں تمہیں مخلصی دینے آئی ہوں یہ کہکر لونڈی نے اسکی کمر سے رسّی کھولدی اور میرا بھائی بغیر کچھ جواب دئے وہاں سے چل کے اپنی دوکان پر آبیٹھا تاکہ کوئی گاہک آئے۔ تو چار پیسے کماکے اپنا پیٹ پالے۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہے کہ وہی لونڈی سامنے سے آرہی ہے۔ ساتھ ہی اُسکے اُسکی مالک بھی تھی۔ لونڈی کہنے لگی۔ میری مالکہ تمہاری مشتاق ہے۔ اور دریچے سے تمہیں دیکھنا چاہتی ہے۔ میرے بھائی نے یہ سُنکر کھڑکی کی طرف دیکھا تو وہی حسینہ کھڑی رو رہی تھی۔ اور کہتی تھی کہ آپ نے ہمارا کیا گناہ دیکھا۔ جس سے قطع تعلق کرلیا۔ میرے بھائی نے اُس کا کچھ جواب نہ دیا۔ اور سوچنے لگا کہ ممکن ہے اُسدن مجھے جو تکلیف دیگئی۔ اسکی اسے کچھ خبر نہ ہو۔ پھر اس کے حسن وجمال کی طرف دیکھکر سب کچھ بھول گیا۔ اور اُس سے باتیں کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد لونڈی وہاں سے چلی گئی اور وہ اپنے کام میں لگ گیا۔ ابھی زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ لونڈی پھر واپس آئی اور کہنے لگی کہ میری مالکہ آپکو سلام کہتی ہے اور فرماتی ہے کہ آج رات اُنکے میاں صاحب گھر سے غیر حاضر رہینگے۔ کیا اچھا ہو۔ اگر آپ رات گھر میں گذاریں۔ اور یہ سب اُس کے خاوند نے اُسے سکھایا تھا کہ اُسے یہاں بلواؤ تو کمبخت کو پکڑ کے حاکم شہر کے پاس لیجاؤں۔ اُس عیّارہ نے میرے بھائی کو محض رُسوا کرنے کی خاطر یہ مکر کیا تھا۔ اور وہ غریب جو عورتوں کے مکروں سے واقف نہ تھا۔ فوراً راضی ہوگیا۔ غرض جب شام ہوئی وہی لونڈی اُسے لینے کو آئی اور ساتھ لیکر گھر لوٹی۔ گھر میں داخل ہوتے ہی مالکہ پوچھنے لگی۔ آپ نے بڑی دیر کر دی۔ میری تو انتظار میں آنکھیں بھی تھک گئی ہیں ابھی سلسلہ کلام آگے نہ بڑھا تھا کہ حسب قرار داد اس عورت کا خاوند بھی وارد ہوا اندر گھس آیا اور میرے بھائی کو پکڑ لیا اور کہنے لگا کہ میں تمہیں اب حاکم کے ہاں لیجائے بغیر نہ چھوڑونگا۔ میرا بھائی گڑگڑانے لگا۔ مگر اس نے ایک بھی نہ سُنی اور اُسے کھینچکر قاضی کے ہاں لے ہی گیا۔ قاضی نے حکم دیا کہ اُسے اونٹ پر سوار کراکے شہر میں پھرائیں۔ اور سامنے ایک آدمی کہتا جائے۔ کہ یہ سزا اُس شخص کی ہے جو بیگانی عورتوں

ایّام میں اُسے بہت تھوڑی خوراک ملی تھی - خیر! جب مالک دوکان اپنے گھر لیا - اور اُس نے اپنی عورت کو درزی کے اُجرت لینے کی حکایت سُنائی - تو اُس نے بھی میرے بھائی کا کچا چٹھا اُس سے کھولدیا - وہ سُنکر بڑا خفا ہؤا مگر پھر دونو نے علاج کرکے میرے بھائی سے مُفت میں کام لینے کی ٹھان لی اور اُسکے عشق پر دونو ہنستے تھے - مگر اُس غریب کو کچھ بھی خبر نہ تھی - ایکدن حیلے سے دونو نے اپنی لونڈی کا اُس سے عقد پڑھا دیا - اور کہنے لگے کہ رات کو خراس والے مکان میں سو رہنا - وہ بیچارہ سیدھا سادھا اُنکے چکمے میں آیا اور رات وہیں سو رہا - جب آدھی رات گذر گئی اور اُس کی زوجہ اُسکے پاس نہ آئی - بلکہ خراس والے

تصویر یکبیک کی چلی میں خچر کی طرح باندھے جانیکی



نے خراس کا رسّا لاکے اُس کی کمر میں باندھ دیا - اور کہنے لگا میرے دوست! آج میرا بیل بیمار ہے - اور صبح کے وقت آٹے کی سخت ضرورت ہے اور تمھاری نہایت ہی عنایت ہوگی - اگر یہ خراس چلاؤ - میرے بھائی نے اُس کی التجا قبول کی اور خراس چلانے لگا - جب ذرا آہستگی سے چلتا - خراس والا جھٹ کوڑا جما دیتا - حتیٰ کہ اُسکے بدن سے خون بہنے لگا - جب

فضول اور خفیف الحرکات آدمی ہیں۔ اے امیرالمومنین میں آپ کو انکا حال سناتا ہوں۔ آپ خود مقابلہ کر لیجیے گا کہ وہ میرے مقابلہ میں کیا درجہ رکھتے ہیں۔ اور ہماری خلقت میں بھی بڑا بڑا فرق ہے۔ ان میں سے ایک لنگڑا ہے دوسرا لوہلا تیسرا اندھا۔ چوتھا کانا۔ پانچواں کان کٹا (بوچا) اور چھٹا ہونٹ کٹا۔ یا امیرالمومنین! آپکو میری نسبت یاوہ گوئی کا گمان بھی نہ کرنا چاہیے۔ تاہم مجھے ان سب کے حالات آپ کے سامنے عرض کر دینے ضروری معلوم ہوتے ہیں۔ تاکہ آپ کو میرے صاحب مروت ہونے کا بھی یقین آجائے۔ جو لنگڑا ہے وہ اسی بغداد میں درزی تھا۔ ایک دوکان بھی کرائے پر لے رکھی تھی جس کا مالک ایک متمول شخص تھا۔ اس شخص کا گھر بھی اس دوکان کے سامنے ہی تھا جس کی نچلی منزل میں خراس لگا تھا۔ بالائی پر وہ اپنے اہل و عیال سمیت آپ رہتا تھا۔ ایکدن میرا بھائی دوکان پر بیٹھا اپنے کام میں مشغول تھا۔ کہ یکایک اسکی نظر مالک دوکان کے گھر کی کھڑکی پر جا پڑی۔ جہاں ایک حسینہ چندے آفتاب و چندے ماہتاب کھڑی آنے جانیوالوں کو دیکھ رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی میرا بھائی لٹو ہو گیا۔ اور سارا دن اسی طرف دیکھتا رہا۔ حالانکہ وہ عورت اس کی بدنگاہی کا خیال کر کے وہاں سے ہٹ بھی چکی تھی۔ ناچار کام چھوڑ کے بیٹھ گیا۔ اگلے دن جب صبح کے وقت پھر دوکان کھولی اور سینے لگا۔ اتنے میں پھر اسی کھڑکی میں وہی چاند دکھائی دیا۔ وہ عورت اصل میں مالک دوکان کی عورت تھی۔ کئی دن تک یونہی نظارہ بازی رہی۔ ایکدن مالک دوکان میرے پاس کپڑے کے کئی تھان لایا۔ کہ ان کی قمیصیں سی دو میرے بھائی نے ان کو لے لیا۔ اور بڑی عرقریزی سے شام تک دس قمیصیں تیار کر کے رکھ دیں۔ آج دن بھر اس نے ایک لقمہ بھی نہ کھایا تھا۔ اسلئے بھوک سے سخت بیقرار ہو رہا تھا۔ لطف یہ کہ گرہ میں ایک پیسہ بھی نہ تھا۔ اتنے میں مالک مکان قمیص لینے گیا اور اجرت پوچھی۔ میرا بھائی کچھ کہنے نہ پایا تھا کہ وہی سامنے والی کھڑکی کھلی۔ اور وہی خوبصورت چہرہ دکھائی دیا۔ حسینہ نے اشارہ کیا کہ تم ہرگز ان قمیصوں کی سلائی نہ لینا۔ ناچار میرے بھائی نے جواب دیا کہ چلو دیکھا جائیگا۔ اجرت لینے کی ایسی جلدی کیا پڑی ہے۔ وہ تو ادھر اپنی قمیصیں لیکے چلتا بنا۔ ادھر میرے بھائی نے بڑی مشکل سے رات بسر کی۔ اور پچھلے چند

تھا اور علما و صلحا کی مجلسیں منعقد کراتا۔ ایکدن وہ دس شخصوں پر خفا ہو گیا۔ اور کوتوال کو حکم دیا۔ کہ گرفتار کرکے انہیں کشتی میں بٹھا لائے۔ اتفاق سے میں بھی اُسدن وہیں تھا۔ اُن دسوں کو کشتی میں سوار ہوتے دیکھکر میں بھی بیٹھ گیا۔ یہ خیال کرکے کہ شاید یہ سارا دن کشتی ہی میں کاٹینگے۔ اور وہیں کھانا کھائینگے۔ اُنکی صحبت کے لیے مجھ سے اچھا آدمی اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اسلیئے مینے اُن سے اختلاط کی باتیں شروع کیں۔ اور اُن سے بہت جلد گھل ملگیا لیکن وہ کشتی جب دوسرے کنارے پر لگی۔ بادشاہی سپاہیوں نے سب کو گرفتار کرکے باندھ لیا۔ میں بھی ساتھ ہی باندھا گیا۔ مگر اپنی مخلصی کے لیئے مینے کوئی کوشش نہ کی۔ اور نہ ہی بولا۔ غرض سپاہی ہم سب کو کشاں کشاں خلیفہ کے دربار میں لیگئے۔ خلیفہ نے جلاد کو حکم دیا۔ کہ دسوں کی گردنیں ماردو۔ جلاد نے حکم کی تعمیل کی۔ اور جب اُن دسوں کی گردنیں مار چکا۔ مجھ سے ہاتھ کھینچ لیا۔ امیر المومنین نے وجہ پوچھی کہ اسے کیوں چھوڑتے ہو۔ جلاد بولا۔ حضور نے مجھے دس گردنیں مارنیکا حکم دیا تھا۔ سو وہ دس لاشیں گن لیں۔ خلیفہ نے میری طرف مخاطب ہو کے پوچھا۔ تم کون ہو اور ایسے وقت میں تم کیوں چپ رہے اور اِن خونی آدمیوں کے ساتھ کیسے آ گئے۔ مینے زمین خدمت کو بوسہ دیکر عرض کی۔ حضور! میرا نام شیخ صامت (چپ شاہ) ہے اور میں حکمت اور دانائی کی بیشمار باتیں جانتا ہوں۔ کل جب یہ لوگ کشتی پر سوار ہونے لگے۔ مینے سمجھا۔ شاید یہ لوگ آج سیر کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اسی لیئے میں بھی ساتھ ہی سوار ہو لیا۔ اور اُن سے اختلاط بڑھا دیا مگر یہ تو مجھے بعد میں معلوم ہوا۔ کہ وہ سب مجرم تھے۔ جب سپاہیوں نے سب کے گلے میں زنجیریں ڈالدیں۔ اور میں بھی اُنکے ساتھ گھن کیطرح پس گیا۔ اور اپنی عادت کے بموجب خاموش رہا۔ پھر آپ کی خدمت میں ہم سب حاضر ہوئے۔ اور وہ دس مارے گئے۔ مگر میں صحیح وسلامت کھڑا ہوں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ میری خاموشی کی عادت نے ہی مجھے بچایا ہے۔ اور میں ہر وقت ایسی ہی نیکی کرتا رہتا ہوں۔ نیز احسان بہت زیادہ کرتا ہوں اور باتیں تھوڑی۔ کیونکہ میں فضول گو نہیں ہوں۔ برخلاف اس جوان کے خیال کے کہ جسے مینے ہلاک ہونے سے بچایا تھا۔ پھر خلیفہ نے مجھ سے پوچھا کہ تیرے باقی بھائی بھی تیری ہی طرح حکمت میں یدطولیٰ رکھتے ہیں یا نہیں۔ مینے جواب دیا اگر وہ میری طرح کے ہوتے تو مجھ سے کم نہ ہوتے۔ مگر وہ بہت ہی

پر عمل نہ کیا۔ حتیٰ کہ معاملہ نے یہانتک طول کھینچا۔ اور اگر میں نہ ہوتا۔ خدا کی قسم آپ کو بھی یہاں سے مخلصی نہ ملتی۔ پس خدا کا شکریہ ادا کرو۔ کہ اُسنے تمہیں صحیح و سلامت رکھا۔ ورنہ اپنی بزدلی سے تم نے اپنی ہلاکت میں کیا کسر اُٹھا رکھی تھی۔ تم اکیلے جانا چاہتے تھے۔ مگر میں جانتا ہوں۔ کہ عجلت بیوقوفی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ میں نے کہا ایسے مجھ سے کیا لینا ہے۔ خدا کیلئے میرا پیچھا چھوڑ دو۔ دوستو! میری اُسوقت کی حالت کا تم خود ہی اندازہ کر لو۔ خدا کی قسم میں چاہتا تھا کہ موت آجائے تاکہ میں اُسکے ہاتھ سے مخلصی پاؤں۔ مگر موت نہ آتی تھی۔ اسکے بعد مارے غیظ و غضب کے میں ذرا تیزی سے دوڑا۔ اور عین بازار میں ایک دوکان کے اندر گھس کے مالک سے مدد چاہی اور اُس نے اُس حجام کو وہ ڈانٹ ڈپٹ بتائی۔ کہ سب کچھ اُسے بھول گیا اور اس طرح بڑی مشکل سے میرا پیچھا چھوٹا۔ وہاں تھوڑی دیر دم لیکر میں نے اپنے دل میں عہد کر لیا کہ جہاں یہ حجام ہوگا میں اُس شہر میں ہی نہ رہونگا۔ اسکے بعد میں نے بغداد میں صرف ایک دن اور ایک رات اور ٹھہرا اور اس عرصہ میں مال و اسباب کو ٹھکانے لگا دیا۔ تاکہ سفر کے لئے کافی خرچ مہیا ہو جائے اور سب کچھ بیچ باچ کر تیسرے دن میں نے بارادہ حبش بغداد کو چھوڑ دیا۔ اور یوں میں نے اس بلا سے خلاصی پائی۔ مجھے آپ کے شہر میں رہتے ہوئے ایک مدت ہو گئی ہے۔ لیکن آج جب آتے ہی آپ کی صحبت میں اسکو بیٹھے پایا۔ مجھے اپنا عہد و پیمان یاد آگیا۔ اور میں یہاں سے بہت جلد کسی دوسرے شہر کو چل دینا چاہتا ہوں۔ کیونکہ میری حکایت سُنکر تم خود انصاف کر سکتے ہو کہ میں اس بے حیا کو سیدھی آنکھوں کیسے دیکھ سکتا ہوں۔ یہ ہے میرے لنگڑے پن کا بیان جو تم نے سُنا۔ جب یہ سب کہہ چکا۔ میں نے بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ جب ہم نے اُسکے ساتھ حجام کے سلوک کی حکایت سُنی۔ اُس بڈھے حجام سے پوچھا کیا یہ سچ ہے۔ حجام نے جواب دیا۔ ہاں! یہ سب کچھ میں نے دیدہ دانستہ کیا تھا۔ اور اگر میں ایسا نہ کرتا۔ تو یقیناً یہ جوان ہلاک ہو جاتا۔ اور سچ پوچھو! تم اسکی نجات کا باعث میں ہی ہوں۔ اگرچہ اتفاق سے اسکی ٹانگ پر بلا ٹل گئی۔ مگر شکر ہے۔ کہ جان بچ گئی۔ اگر میں بیہودہ گو ہوتا۔ تو اُس کی جان ضرور جاتی رہتی۔ اب میں تمہیں اپنی سرگذشت سُناتا ہوں۔ اُسے سُنکر تم خود اندازہ لگا سکو گے۔ کہ میں کم گو ہوں یا بکواسی۔ وہ یوں ہے کہ جب میں بغداد میں تھا۔ امیر المومنین خلیفہ مستنصر باللہ کا زمانہ تھا۔ جو فقراء اور مساکین سے محبت رکھتا

خلقت کا ہجوم ہو رہا ہے۔ پوچھنے لگا۔ لوگو! یہ کیا بات ہے؟ میرے ایک غلام نے اسے جواب
دیا کہ تو نے ہمارے سردار کو بیگناہ کیوں مروا ڈالا ہے۔ قاضی نے جواب دیا۔ تمہارے سردار نے
میرا کیا بگاڑا تھا کہ میں اسے مرواتا۔ اور یہ حجام جو تمہارے سامنے کھڑا ہے کون ہے۔ حجام
بولا تو نے ہی ہمارے آقا کے قسمت کو کوڑوں سے مروا دیا ہے۔ اور میں اسکی چلاہٹ سن رہا تھا
قاضی نے کہا۔ آخر کوئی وجہ بھی تو ہو جسکے سبب سے میں نے اسے قتل کرایا۔ اور میرے گھر میں بھلا
آقا کہاں سے آیا تھا۔ حجام نے جواب دیا۔ ایسے جھوٹے بکواس نہ کر۔ میں ساری بات جانتا ہوں
تیری لڑکی اسپر عاشق ہے۔ اسی نے آج فرصت پا کر اسے بلوایا تھا۔ تو نے اسے معلوم کر لیا۔ اور
اپنے غلام کو کہکر اسے مروا ڈالا۔ اگر بھلا چاہے تو ابھی ہمارے آقا کو باہر نکال دے ورنہ خلیفہ کے پاس
شکایت جائیگی۔ اور ہمیں مجبور نہ کر کہ تیرے گھر میں گھس کے اسے نکال لائیں۔ قاضی اسکی بات سے
بڑا پریشان ہوا اور سخت شرمندہ ہو رہا تھا۔ پھر اس حجام سے کہنے لگا۔ اگر تو سچ کہتا ہے تو تو ہی
اندر چلا جا اور اپنے آقا کو نکال لا۔ جب میں نے اس منحوس کو اندر آتے دیکھا میں نے چاہا کہ بھاگ جاؤں
مگر کوئی راستہ نہ ملا۔ ناچار ایک صندوق میں پوشیدہ ہو رہا۔ جو پاس ہی پڑا تھا اور اپنا سانس بھی روک
لیا۔ اتنے میں یہ شخص جلدی سے وہیں ڈھونڈتا ہوا چلا آیا۔ جہاں میں چھپا ہوا تھا اور اس کمرے
میں نیچے اوپر دیکھکر جب کچھ نہ پایا تو اس صندوق کو جھانکنے لگا۔ جسمیں میں دم سادھے پڑا
تھا۔ اور اسی میں مجھے پا کر فوراً صندوق کو کندھوں پر اٹھا لیا اور لے چلا۔ باہر خلقت کا کچھ شمار نہ تھا۔
جب یہ حجام صندوق کو لئے باہر آیا۔ میں نے فوراً دروازہ کھولا۔ اور چھلانگ ماردی جس سے میری ٹانگ
ٹوٹ گئی اور میں لنگڑاتا ہوا چلنے لگا۔ لوگ مجھے دیکھکر تالیاں پیٹنے لگے اور میرے پیچھے ہو لئے۔ میں
سر پر پاؤں رکھ کے بھاگنے لگا۔ مگر جب وہ میرے قریب ہو گئے میں نے مٹھی بھر بھر کے دینار لٹانے شروع
کئے تا کہ لوگ انکے چننے میں مشغول ہو جائیں۔ اور میں نکل جاؤں۔ میرا خیال ٹھیک تھا۔ لوگ دیناروں
کے چننے میں لگ گئے اور میں بغداد کے ایک تنگ کوچے میں گھس گیا۔ مگر دیکھا تو یہ حجام میرے ساتھ
میں ہی تھا اور جس مکان میں داخل ہوتا۔ یہ بھی میرے پیچھے ہی چلا جاتا اور کہتا جاتا تھا کہ انہوں نے
تو میرے سردار کو مار کر ادھ موا کر ڈالنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں نے اپنے
فتح پائی۔ صاحبو بس! میں آپ کو جلدی کے سبب سے روکتا تھا۔ مگر آپ نے چھوڑنے میں میری [illegible]

دروازہ کھلا تھا۔ میں فوراً اندر گھس گیا اور یہ اسی تخت پوش پر بیٹھ گیا۔ ابھی جا کے بیٹھے دم بھی نہیں لیا کہ قاضی بھی لوٹ آیا۔ مکان کا دروازہ بند ہو گیا۔ اور میں فکر میں پڑ گیا کہ اس کمبخت کو آج کیا ہو گیا کہ فوراً لوٹ آیا ہے۔ شاید خدا کو میری پردہ دری منظور ہے۔ اتنے میں قاضی نے کسی قصور پر ایک لونڈی کو تنبیہا دو چار نہر لگا دئے اور جب لا اٹھی تو ایک غلام اسے چھڑانے آیا۔ اسمیر بھی خوب پر کھا ہوئی۔ سمجھا کہ مجھ پر برس رہی ہیں زرا چلائے اور کپڑے پھاڑ کر سر پر خاک ڈالنے لگا۔ اور قاضی نے میرے آقا کو مار ڈالا ہے۔ لوگ اکٹھے ہو گئے۔ پھر وہ میرے گھر میں گیا۔ لوگ اسکے پیچھے پیچھے ہی تھے۔ وہاں جا کے میرے غلاموں سے کہنے لگا کہ تمہارا آقا قاضی صاحب کے ہاں مارا جا رہا ہے۔ چلکے اس کی مدد کرو۔ وہ سب لاٹھیاں اٹھا کے اسکے ساتھ ہو لئے اور آ کی

تصویر قاضی کے دروازے پر مجمع کی



قاضی کا دروازہ توڑنے لگے۔ قاضی یہ سنکر حیران سا ہو گیا اور اٹھکے دروازہ کھولا۔ دیکھا کہ

کی دعوت کھائینگے۔ تو تھوڑی دیر ٹھہر جاؤ۔ میں گھر جاکے اپنے دوستوں کو آپکا عطیہ دے آؤں۔ وہ اُسے کھائیں پئیں گے اور میرا انتظار نہ کرینگے۔ میں بہت جلدی لوٹ آؤنگا۔ اور آپکے دوستوں کے پاس چلوں گا۔ کیونکہ میرے دوست ایسے نہیں جو میری غیر حاضری کی پرواہ رکھیں میں نے کہا لاحول ولا قوۃ۔ کمبخت! تو اپنے دوستوں کے پاس جا۔ اور انہیں خوش کر۔ میں اکیلا ہی اپنے دوستوں کے پاس جاؤں گا اور آجکا سارا دن وہیں ٹھہرونگا۔ کیونکہ وہ میرے سخت منتظر بیٹھے ہونگے۔ یہی حجام بولا۔ صاحب! میں تو تمہیں اکیلا نہ جانے دونگا۔ میں نے کہا وہ ایسی جگہ ہے جہاں میرے سوا دوسرا داخل نہیں ہو سکتا۔ یہ کہنے لگا۔ واہ عجیب دعوت ہے؟ مگر میں آپکے ہمراہ ضرور جاؤں گا اور ہر وقت آپ کی مدد کرونگا۔ کیونکہ مجھے خوف ہے کہ آپ کسی اجنبی دعوت کے پاس جائیں۔ اور خدانخواستہ آپ کے دشمنوں کی جان پر آبنے۔ کیونکہ یہ شہر بغداد ہے۔ یہاں کوئی شخص آج جیسے دن کے سوا کوئی کام نہیں کر سکتا میں نے کہا اے بڈھے تیری ان باتوں پر مجھے افسوس آتا ہے۔ پھر میں نے ایک ہی چپ سادھ لی اور اسکی بُری بھلی کا کچھ جواب نہ دیا۔ اتنے میں میں نے معلوم کر لیا کہ نماز ظہر اور خطبے کا وقت آگیا اور بڑی مشکل سے میری حجامت ہی ختم ہوئی۔ میں نے کہا۔ اب تم سب اشیاء لیجاکے اپنے دوستوں کو دعوت کھلاؤ۔ اور میں تمہارا انتظار کرونگا۔ تاکہ تم بھی میرے ساتھ چلو۔ اس سے میرا مقصد یہ تھا کہ وہ چلا جائے اور فرصت پاکر میں اپنی محبوبہ کے در دولت پر حاضر ہونے کی کوشش کروں۔ مگر کمبخت کہنے لگا۔ تم مجھے دھوکا دیتے ہو۔ اور مجھے اکیلے چھوڑ جانا چاہتے ہو۔ اور چاہتے ہو کہ مصیبت کے منہ میں پڑو۔ جس سے تمہیں کبھی خلاصی نہ مل سکے۔ تمہیں اللہ کی قسم ہے۔ اکیلے جانیکا خیال بھی دل میں نہ لانا۔ میں جلدی آجاتا ہوں۔ اور تمہارے ساتھ ہی چلونگا میں نے کہا بہت بہتر مگر دیر نہ لگانا۔ وقت بہت تھوڑا رہ گیا ہے۔ یہ سنکر اُسنے سب کچھ اٹھا لیا جو میں نے اُسے دیا تھا۔ اور میرے گھر سے باہر جاکر ایک مزدور کو دیدیا۔ کہ وہ اسے اُسکے گھر میں پہنچادے۔ اور آپ گلی میں چھپکے بیٹھ رہا۔ پھر میں اٹھا۔ اور نہا دھوکے کپڑے بدلے اور اِدھر اُدھر دیکھ کے اکیلا ہی چل نکلا۔ حتیٰ کہ اسی دروازے پر پہنچ نکلا۔ جہاں میں نے اس لڑکی کو دیکھا تھا۔ لیکن مجھے کچھ خبر نہ تھی۔ کہ یہ بلائے بے درماں بھی میرے پیچھے لگی آرہی ہے۔ قاضی صاحب کے گھر کا

کہ صندوقچی کھول کے اُسے دکھائے۔ غلام نے صندوقچی کھولی اور یہ بدذات اضطراب ہاتھ سے پھینک کر اُسکے سرہانے جا بیٹھا اور دیر تک اُٹھا اُٹھا کے عطریات کی شیشیوں کو دیکھتا رہا۔ پھر خدا خدا کر کے اُسترا ہاتھ میں لیا اور میرے تھوڑے سے بال مونڈ کر پھر ٹھہر گیا۔ اور بولا برخوردار میں نہیں جانتا کہ آپ کا شکریہ ادا کروں یا آپ کے باپ کا۔ اسلئے کہ میری آجکے دن کی دعوت محض آپ ہی کے کریم النفس کی بدولت انجام کو پہونچی ہے۔ اور میری رائے میں اور کوئی شخص اس کا مستحق بھی نہیں ہے اور میرا حال زیتون حامی یا جلیع لنتخانی یا موکل قوالی یا کرشمہ بقال یا حمید زبانی یا مذکارش لبان جیسا ہے۔ پھر انہیں سے ہر ایک کے اچھے اچھے شعر پڑھنے اور ملچنے لگا۔ اور کہتا تھا۔ کہ آپ کا یہ غلام بہت ہی کم گو ہے۔ کثرت کلام اور بیہودہ گوئی سے کوسوں بھاگتا ہے۔ اور میرے دوست اتنے بڑے لائق ہیں کہ اُنکے لطائف آپ کو بہت ہی پیارے لگینگے۔ تاہم سُننے کی نسبت دیکھنا بہت ہی بڑھکر ہے۔ اگر آج آپ میرے ہاں چلیں تو میرے خیال میں ہمارے لئے بھی اور آپ کے لئے بھی بہت ہی اچھا ہوگا۔ آپ آج اُن دوستوں کے ہاں جانیکا ارادہ ترک کر دیجئے۔ جن کی بات ابھی آپنے ذکر کیا تھا۔ اسلئے کہ اگر آپ وہاں گئے تو آپ کو کسی قسم کی بیہودہ گوئیاں سُننی پڑینگی۔ اور آپ کے وہ دوست مارے باتوں کے آپ کا مغز کھا جائینگے۔ لیکن مرض کا اثر آپ پر ابھی تک باقی ہے۔ کہیں ان فضولیات سے مرض دوبارہ عود نہ کر آئے۔ مینے کہا نہیں۔ تم فکر نہ کرو۔ ہاں! تمہارے ہاں کسی اور دن چلونگا۔ آج معاف رکھو۔ کہنے لگا۔ نہیں مناسب یہی ہے کہ آپ آج ہی میرے ہاں چلیں۔ آپ کے سب دوستوں سے آپ کا تعارف کرا دونگا۔ یہ سُنکر بے حیا غضبناک آواز میں ہنس پڑا۔ مینے کہا۔ اب تم جاؤ اور اپنے دوستوں کو دعوت کھلاؤ۔ وہ تمہارے منتظر ہونگے۔ اور مجھے خدا کو سونپو۔ کہنے لگا۔ صاحب اپنے آپ کو ایسے لوگوں سے ملاقات کرنے کی بات کہی ہے جن میں فضول گو کا ذرا بھی دخل نہیں ہے۔ اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ کہ اگر آپ ایکدفعہ بھی انہیں دیکھ پائینگے۔ تو اپنے سب دوستوں کو بھول جائینگے۔ مینے جواب دیا خدا تعالیٰ تمہارے لئے اُنکا وجود مبارک کرے۔ میں ایکدن ضرور اُن سے ملونگا۔ مگر آج نہیں مل سکتا۔ یہ فضول آدمی اسکے جواب میں بولا۔ کہ اگر آپ نے ایسا ہی ارادہ کر لیا ہے۔ کہ آج اپنے ہی دوستوں

غلطی دکھاؤ گے۔ تو ندامت اٹھاؤ گے۔ اور محروم رہ جاؤ گے۔ میں نے آپ کو صحیح راستہ دکھا دیا۔ اور میں آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ کہ ایسی جلدی کا وہ کیا کام ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ خیر ہو؟ اور نماز میں ابھی تین گھنٹے ہونگے۔ پھر غصہ سے استرا ہاتھ سے پھینک دیا۔ اور اصطرلاب لیکر سورج کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اور ادھر ادھر دیکھ کے بولا جمعہ کی نماز میں ابھی تین گھنٹے باقی ہیں۔ میں نے کہا بندہ خدا واسطے خدا کے خاموش رہو۔ میرا تو جگر بھی پھٹنے لگا ہے۔ یہ سنکر پھر استرا اٹھایا۔ اور پہلے کی طرح گھسنے لگا۔ پھر تھوڑے سے بال مونڈ کے۔ کہنے لگا مجھے خوف ہے کہ آپ جو اسقدر جلدی کر رہے ہیں اس سے کوئی نقصان نہ اٹھائیں۔ آپکے والد خدا انھیں اپنی رحمت کے سایہ میں رکھے۔ ہر کام کرتے میرا مشورہ اس میں ضرور ہی لے لیتے تھے۔ جب میں نے دیکھا کہ اب اس سے خلاصی مشکل ہے۔ کہ وقت ہاتھ سے جاتا ہے۔ اور پھر شرمساری ہو۔ میں نے کہا۔ آج مجھے ایک دعوت پر جانا ہے۔ خدا کے لئے تم جلدی سے میری حجامت بنا دو۔ دعوت کا نام سنکر تو جناب من اچھل پڑا۔ اور بولا آپ نے خوب یاد دلایا۔ میں تو بھول ہی گیا تھا۔ کل شب میں نے اپنے چند دوستوں کو کہا تھا کہ آج انکی میرے ہاں دعوت ہے اور میں نے کوئی تیاری نہیں کی۔ یہ تو بری بنی۔ اب مجھے آپ سے شرمندگی اٹھانی پڑیگی۔ میں نے کہا اسکا فکر نہ کرو۔ میرے گھر سے سب کچھ بنا بنایا لیجانا۔ اور اپنے دوستوں سے سرخرو ہو جانا۔ مگر ذرا جلدی کرو۔ سنکے جواب دیا۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے لیکن ذرا مجھے بتا دیجئے۔ کہ کیا کیا چیزیں آپکے ہاں ہونگی۔ میں نے کہا پچاس قسم کے کھانے اور دس قسم کے کوفتے ہیں۔ اور کئی مربے خانگی ہیں۔ کہنے لگا ذرا انھیں میرے سامنے تو منگا لیجیئے تاکہ ایک نظر دیکھ لوں۔ میں نے سب کچھ منگا دیا۔ اور جس وقت اس نے اسے دیکھا۔ بولا۔ اب شراب باقی رہ گئی ہے۔ میں نے کہا۔ وہ بھی لو۔ تو کہنے لگا۔ پھر منگا دیجئے ناچار شراب بھی میں نے منگا دی۔ جب یہ سامان دیکھ لیا تو لگا میری تعریفوں کے پل باندھنے کہ آپ نے حاتم کو بھی شکست دیدی۔ مگر خوشبوئیاں رہ گئی ہیں۔ تکلیف تو ہوگی ہی۔ لگے ہاتھوں وہ بھی منگا دیجئے۔ قہر درویش بر جان درویش میں نے خوشبوئیوں کی صندوقچی بھی منگا دی جس میں کم سے کم پچاس دینار کے عطریات ہونگے۔ اب وقت بہت ہی تنگ ہو گیا تھا میں نے کہا۔ بندہ خدا! اب تو خدا کے لئے میرا سر مونڈ دے۔ یہ بدبخت بولا۔ خدا کی قسم جب تک میں یہ دیکھ نہ لونگا۔ کہ صندوقچی میں ہے کیا کچھ۔ میں استرے کو ہاتھ نہیں لگاؤنگا۔ میں نے غلام سے کہا

تجھے دانا شخص تصور کرتا تھا۔ مگر اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ مرض نے تمہاری عقل کھو دی ہے خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ کہ غصہ گناہ ہے اور عفو بہت اچھی چیز ہے۔ مگر تم ہر حال میں معذور رہو کہ میں تمہاری جلدی کا سبب نہیں جانتا۔ بھلا لیکن تم جانتے ہو۔ کہ تمہارے والد صاحب کوئی کام میری مشورت کے بغیر ہرگز نہ کیا کرتے تھے۔ اور کہا بھی گیا ہے۔ کہ مشورت کرنے والا ایسا مدد ہوتا ہے۔ یاد رکھیے۔ آپکو مجھ سے بڑھکر تجربہ کار اور دانا شخص ہرگز نہ ملیگا۔ اسپر بھی آپکی خدمتگذاری کیلئے کمربستہ ہوں اور آپ ہیں۔ کہ خواہ مخواہ جامے سے باہر ہوئے جاتے ہیں۔ جسکا سبب مجھے معلوم نہیں ہے۔ اور آپ خود جانتے ہیں کہ آپکے والد مرحوم اس غریب پر کسقدر شفقت اور نوازش فرمایا کرتے تھے۔ سینے کہا خدا جانتا ہے۔ تم میرا بڑا حرج کر رہے ہو اس بکواس کو بند کرکے میرا سر مونڈ دو۔ اور اپنا راستہ لو۔ یہ کہکر مینے خفگی بھی ظاہر کی۔ بلکہ کچھ کھڑا ہوا۔ کہ چلے جاؤ۔ میں سر نہیں منڈواؤنگا۔ لیکن یہ بلا ایسی نہ تھی۔ جو یوں گلے سے اترجاتی کہنے لگا۔ میں جانتا ہوں۔ بیماری نے تمہاری عقل پر بھی اثر کیا ہے۔ کہ تم مجھ پر خفا ہو رہے ہو۔ مگر اس میں مواخذہ نہیں کرونگا۔ اسلئے کہ میں حقیقت حال سے آگاہ ہو گیا ہوں۔ ابھی تم ہو بھی نہ سکے۔ اور اسوقت بھول گئے ہو۔ جب میں تمہیں کندھوں پر اٹھاکے مکتب کو لیجایا کرتا تھا یہ سنکر میں کھسیانا سا ہو گیا۔ اور اس سے کہا بھائی خدا کیلئے یہاں سے چلے جاؤ مجھے بہت ضروری کام درپیش ہے۔ اور غصے کے مارے کپڑے بھی پھاڑ ڈالے۔ یہ دیکھ کہ اس بے حیا نے استرہ نکالا۔ اور اسے پتھری پر گھسنے لگا۔ یہاں تک کہ گھستے گھستے ڈیڑھ گھنٹہ لگا دیا پھر میرے سر کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اسے تھوڑا سا مونڈ کر پھر ہاتھ اٹھا لیا۔ اور کہنے لگا۔ صاحب جلدی نہ کیجئے۔ جلدی میں کام بگڑ جاتے ہیں۔ نیز کہتے بھی ہیں۔ کہ تعجیل کار شیاطین بود۔ پھر بولا۔ آپ میری قدر امید ہے کہ جانتے ہی ہونگے۔ میرا ہاتھ بڑے بڑے تیسا ہوں۔ وزیروں امیروں حکیموں اور فاضلوں کے سروں تک پہنچ چکا ہے۔ اور یہ میری ہی تعریف میں کہا گیا ہے۔ کہ میرے ہی سامنے جھکتے ہیں سب جہان کے امیر۔ وزیر۔ مینے کہا۔ اب اس بکواس کو بھی ترک کروگے؟ میرا تو سر بھی چکرانے لگا ہے۔ اسکے جواب میں یہ بولا میرا خیال ہے تم کچھ بڑی جلدی کا کام ہے سینے کہا۔ ہاں! ہاں!! ہاں!!! یہ حضرت بولے تو جلدی نہ کرو۔

مخالفت ٹھیک نہیں - کیونکہ میں تمہیں دوستانہ نصیحت کر رہا ہوں اور چاہتا ہوں - کہ پورا سال پھر تمہاری خدمت میں رہوں - اس کا عوض بھی کچھ نہیں مانگا - جب میں نے اسکی یہ باتیں سنیں تو بے اختیار میرے منہ سے نکل گیا - یقیناً تو آج کے دن اپنی بک بک سے مجھے تباہ کرے رہیگا اس کے جواب میں یہ کمبخت کہنے لگا - میرے صاحب! لوگوں نے تو مجھے میری کم گوئی کے سبب سے صامت (چپ شاہ) کا خطاب دے رکھا ہے - اور آپ اُلٹے برخلاف مجھے بکی بتاتے ہو حالانکہ بکی میرے بھائی ہیں - اور میں اُنکے بالکل برعکس کم گو ہوں - میں اُنکے نام بھی تم کو سنا دیتا ہوں - بڑے کو بقبوق کہتے ہیں دوسرا ہدار کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے - تیسرا ایکباک چوتھا انکور صراق - پانچواں عشار چھٹا شقاق ہے اور ساتویں کا نام صامت ہے - وہ میں ہوں جب میں نے دیکھا - کہ حجام اپنی بکواس کو طول ہی دیئے جاتا ہے تو میں نے اپنے غلام کو حکم دیا - اسکو ایک چوتھائی دینار دیکے نکال دو - مجھے سر منڈانیکی ضرورت نہیں ہے - میری یہ بات سنکر کمبخت کہنے لگا - صاحب! یہ کیا بات ہے - میں تو خدمت کے بغیر ہرگز ہرگز اجرت نہ لونگا اور خدمت بھی ضرور ادا کرونگا - کیونکہ مجھ پر آپ کی خدمت گذاری واجب اور لازم ہے ایک اور بات بھی ہے کہ آپ میری قدر نہیں پہچانتے - اسلئے میں آپ سے لینا ہی نہیں چاہتا علاوہ ازیں میں آپکی قدر پہچانتا ہوں اور آپ کے والد بزرگوار کے احسانات کا مشکور ہوں خدا تعالیٰ اُنہیں جنت نصیب کرے - وہ بہت ہی بڑے سخی شخص تھے - آج ہی کی طرح ایکدن آپکے والد ماجد نے بھی مجھے بلوا بھیجا تھا - جب میں آیا اُنکے پاس بہت سے لوگ بیٹھے تھے مجھے فرمانے لگے کہ میرا خون نکال دو - میں نے فوراً اصطرلاب نکالا - اور غور سے دیکھکر اُن سے عرض کی کہ اسوقت سینگی لگنی ٹھیک نہیں ہے اور ایسے وقت میں فصد کھولنا خطرات سے خالی نہیں ہے - اُنہوں نے میری بات کو مان لیا اور ٹھہر گئے - حتیٰ کہ شبھ گھڑی آپہنچی - اور میں نے اُنکی فصد کھولدی - اُنہوں نے میری مخالفت کی جگہ میرا شکریہ ادا کیا - حاضرین بھی میرے مشکور ہوئے - اور آپکے والد نے جھٹ ایکسو دینار کی تھیلی مجھے عنایت فرمائی - میں نے کہا اگر میرے والد نے تم جیسے بکواسی کو اسقدر رقم ایک معمولی سی بات پر دیدی تھی - تو خدا تعالیٰ اُنپر ہرگز ہرگز رحم نہ کرے - یہ سنکر یہ بے حیا قہقہہ مار کر ہنسنے لگا اور کہنے لگا - خدا کی قسم

ہو سکے مریخ ساتویں درجے پر و شیشے پر ہے۔ اتفاق سے عطارد کا بھی اسکے ساتھ قران آپڑا ہے
اور اس سے ابھی گھڑی بال کٹوانے کیلئے نہیں ہے۔ ستاروں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تو کسی
نیکبخت شخص کے پاس [illegible] جانا چاہتا ہے مگر کلام کرنے کے بعد آپ پر کچھ مصیبت پڑیگی جس کا بیان کر
نہیں سکتا۔ یہ سنکر میں نے کہا خدا کی قسم تو نے میرا سر کھا لیا ہے میں نے تجھے ان باتوں کے
لئے نہیں بلایا تھا۔ صرف سر منڈوانے کے لئے تجھے میرا غلام لایا ہے۔ اب دیر نہ کر۔ اور
حجامت بنانا ہے تو جلدی اٹھ کے بنا۔ کیونکہ مجھے ایک ضروری کام درپیش ہے۔ یہ سنکر آپ
ہیں اگر مجھے تفصیل سے اس کام کا پتہ بتائیں۔ تو میں کچھ اور بتاؤنگا اور اچھا مشورہ دونگا

تصویر حجام کی بمعہ اصطرلاب کے



ایسا کرو کہ حجام آج ستر برس کا ہوا۔ مگر حساب سے کرنا چاہیئے اور خدا کا شکر یہ ادا کرنا چاہیئے میری

عاشق ہو گیا۔ اب اُس کی حالت سخت نازک ہے۔ بلکہ آجکل کا ہی مہمان ہو رہا ہے۔ یہ سُنکر اُس کے مُنہ پر زردی چھا گئی۔ اور کہنے لگی۔ کیا یہ سبب میری ہی وجہ سے ہے۔ میں نے کہا۔ محقق آپ ہی کے سبب۔ اب آپ کا کیا حکم ہے۔ وہ بولی اُسکے پاس جاؤ۔ اور میرا سلام کہکر اُسے خبر دیدو کہ اُس سے بھی بڑھکر اُسکی مشتاق ہوں۔ جب جمعہ کا دن آئے۔ نماز کے وقت سے پہلے اُسے میرے پاس آنا ہے۔ میں دروازہ کھلوا دونگی۔ اور ایک گھڑی ٹھہر کر نماز ختم ہو جانے سے پہلے یہاں سے چلے جانا۔ تاکہ میرا باپ نہ دیکھ لے۔ بوڑھیا کے مُنہ سے یہ مژدہ جانفزا سُنکر مجھ پر شادی مرگ طاری ہو گئی۔ میں نے اپنے سارے کپڑے اور زیور جو پہنے ہوئے تھے اُتار کر اُسے دیدیئے۔ اور کہا کہ خدا تجھے بھی خوش رکھے۔ اب مجھے جمعہ کا انتظار لگا۔ اور جب خدا خدا کر کے وہ دن آیا علی الصباح وہی بڑھیا میرے پاس آئی اور میرا حال پوچھا۔ میں نے کہا۔ اچھا ہوں اور تمہیں دعا دیتا ہوں۔ پھر میں نے کپڑے پہنے۔ عطر لگایا۔ اور لوگوں کے نماز کے جانے کا منتظر بیٹھا۔ بڑھیا بولی۔ ابھی کافی وقت باقی ہے۔ اگر خط بھی بنوا لو۔ تو اچھی بات ہے تاکہ بیماری کے نشانات مٹ جائیں۔ میں نے اس مشورے کا شکریہ ادا کیا۔ اور غلام کو حکم دیا کہ کسی حجام کو بُلا لائے۔ غلام بازار گیا۔ اور ان حضرت کو لے آیا۔ اس نے آتے ہی مجھے سلام کر کے دعا دی کہ خدا تعالیٰ آپ کو تمام غم و الم اور خوف و خطر سے مصئون و محفوظ رکھے۔ میں نے جواب دیا خداوند آپ کی دعا قبول کرے۔ پھر یہ کہنے لگا۔ میں آپ کو بشارت دیتا ہوں۔ کہ آپ اب خیریت سے ہیں۔ لیکن کیا اب آپ بال کٹوانا چاہتے ہیں یا فصد کھلوانا۔ کیونکہ ابن عباس سے روایت ہے کہ جمعہ کے دن بالوں کا کٹوانا خدا تعالیٰ کے حکم سے ستر بیماریوں کو دفع کرتا ہے۔ اور وہی صاحب روایت کرتے ہیں کہ جو شخص جمعہ کے دن خون نکلواتا ہے۔ اندھا پن اور کثرت امراض سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ میں نے جواب دیا۔ اس بکواس کو چھوڑ دو۔ اور میرے بال کاٹ دو۔ کیونکہ ضعف کے مارے مجھ میں اتنی باتوں کی طاقت نہیں ہے۔ یہ سُنکر وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور ہاتھ بڑھا کر بغل سے ایک تھیلی نکالی۔ اُسے کھولا تو اس میں آلات نجوم دکھائی دیئے اور اصطرلاب کو نکالکر مکان کے بیچوں بیچ میں کھڑا ہو گیا۔ پھر سورج کی شعاعوں کو غور سے دیکھکر بولا۔ آج جمعہ کا دن ہے اور ماہ صفر سنہ ۶۵۳ ہجری کی دسویں تاریخ ہے۔ اور جوتش کے

تھا۔ میں جینے سے بیزار ہوگیا۔ اور میری صورت لوگوں کے آسیب سے محبت سے بدل گئی۔ غرض میں بے سدھ ہو کر مغرب کی نماز تک وہاں ہی بیٹھا رہا۔ اتنے میں شہر بغداد کا قاضی آیا۔ اور محل میں چلا گیا۔ جہاں سے میں نے اس ماہ طلعت کو دیکھا تھا۔ میں یہ خیال کرکے کہ وہ لڑکی قاضی صاحب کی ہی بیٹی ہے۔ وہاں سے گھر کو چلا آیا۔ اور بستر پر سخت اندوہناک ہو کر گر پڑا۔ ہمسائے میرے گرد آکر جمع ہوگئے اور میری بیماری کا حال پوچھنے لگے۔ مگر میں نے ایک ہی چپ ایسی سادھ لی۔ کہ کسی کا جواب نہ دیا۔ اس خاموشی سے میرا مرض دم بدم بڑھنے لگا۔ ناچار لوگ واپس چلے گئے اتنے میں ایک بڑھیا بھی آگئی۔ مجھے دیکھ کر وہ ذرا بھی متفکر نہ ہوئی۔ بلکہ میرے سرہانے آبیٹھی۔ اور محبت بھری باتیں کرنے لگی۔ حتیٰ کہ مجھے موم کر دیا۔ اور میری سرگذشت میرے منہ سے سن ہی لی جب میں نے اسے اپنا رازدار بنا لیا۔ تو وہ بولی۔ فی الواقع وہ لڑکی قاضی کی بیٹی ہے۔ مگر اس تک پہنچنا امر محال ہے۔ تاہم میں تمہارے لئے کوئی تدبیر نکالوں گی ہی۔ یہ سنکر مجھے کچھ اطمینان ہوا۔ اور میں بستر سے اٹھ بیٹھا۔ وہ بڑھیا وہاں سے چلی گئی۔ اور تین دن کے بعد آکر بولی۔ میں نے کہا نہ تھا۔ کہ اس تک پہنچنا محال ہے۔ تم نے میری بات نہ مانی۔ اور ناحق مجھے بھی خفیف کیا۔ وہ لڑکی بڑی شریر ہے۔ تمہارا ذکر سنکر مجھ پر بڑی خفا ہوئی۔ اور کہنے لگی کہ خبردار! اگر پھر کوئی بات منہ سے نکالی میں نے کہا۔ وہ تو مر رہا ہے۔ اسنے جواب دیا۔ مرنے دو۔ خیر میں چلی آئی۔ لیکن اب جب تک تمہارا کام نہ بن لیگا۔ میں بھی اسکا پیچھا چھوڑنے سے رہی۔ یہ کہکر مجھ سے وداع ہوگئی۔ اور کئی دن کے بعد آکے کہنے لگی۔ میں تمہیں ایک مژدہ سناتی ہوں۔ پہلی دفعہ کا پیغام سنکر میں مردہ سا ہو رہا تھا لیکن اب اسکے مژدہ کا لفظ سنکر میرے جسم میں جان آگئی اور میں نے کہا۔ خدا تیرا بھلا کرے جلد ساری کیفیت سے مجھے آگاہ کرو۔ وہ بولی میں کل اس لڑکی کے پاس گئی تھی میں نے دانستہ آنکھوں میں آنسو بھر کر روتی صورت بنائی تھی۔ وہ اس حالت میں مجھے دیکھ کر وجہ پوچھنے لگی۔ کیوں خالہ جان! تم نے یہ کیا حالت بنا رکھی ہے۔ میں نے اور بھی رو کر جواب دیا۔ بیٹی! اسدن جس جوان کی محبت کا تمہارے ساتھ ذکر کیا تھا۔ وہ اب بستر موت پر ہے۔ اور قریب ہے کہ تمہارے ہی سبب سے اسکی جان جا نکلے۔ یہ سنکر اسکا جی نرم ہو گیا۔ اور بولی وہ کون ہے؟ میں نے کہا۔ میرا بیٹا ہے۔ ایک روز جبکہ تم اپنے پھولوں کو پانی دے رہی تھیں۔ اسنے تمہیں بے نقاب دیکھ لیا۔ اور تم پر ہزار جان سے

ہمیں اپنی سرگذشت سے ضرور آگاہ کرے۔ یہ سنکر حجام کا رنگ فق ہو گیا۔ اور نوجوان کہنے لگا۔ بھائیو! میرا باپ بغداد کا مشہور سوداگر تھا۔ خدا نے میرے سوا اُسے اور کوئی بیٹا نہ دیا۔ جب میں بڑا ہوا اور سن تمیز کو پہنچ گیا۔ میری بدقسمتی سے میرا باپ فوت ہو گیا۔ اور بہت کچھ مال و متاع میرے لئے چھوڑ گیا۔ میں اچھا کھاتا اور اچھا پہنتا تھا۔ مگر عورتوں کے نام سے مجھے بڑی چڑ تھی۔ اتفاقاً میں ایک دن چلا جا رہا تھا کہ سامنے سے ایک بھیڑ آئی۔ میں ایک طرف ہو کر ایک تنگ کوچے میں تخت پوش پر بیٹھ گیا۔ جو ایک دروازے کے نزدیک بچھا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میرے مقابل کے مکان کی کھڑکی کھلی۔ اور اس میں مجھے ایک چودھویں کا چاند دکھائی دیا سبحانہ اللہ جل شانہ میں اور میرا خدا جانتا ہے کہ عمر بھر میں نے اس سے حسین لڑکی کبھی نہیں دیکھی تھی اس کھڑکی کے نیچے ایک چھوٹا سا باغیچہ تھا۔ وہ لڑکی کھڑکی کھولکر اس باغیچہ میں گئی اور پودوں کو

تصویر۔ نوجوان تخت نشین اور حسین بی بی کا کھڑکی کھول کر دیکھنا



پانی دیکر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ پھر کھڑکی بند کر لی۔ اور میں دیکھتا ہی رہ گیا۔ مگر میرا دل اُسکے ساتھ ہی

بچوں کی طرح رہو۔ یہاں تک کہ میرے بعد میرے وارث بنو۔ چنانچہ اسے منظور کیا۔ اور والئے دمشق نے قاضی اور گواہوں کو بلوا کے اپنی لڑکی کے ساتھ میرا نکاح پڑھوا دیا۔ اور میں عیش سے اُسی مکان میں رہتا ہوں۔ جہاں آپ نے میرا علاج کیا تھا۔ اور والئے دمشق مجھ پر کمال مہربان ہے۔ جیسا کہ تم نے دیکھ لیا۔ اور اسکے بعد اُس نے مجھے بہت کچھ انعام و اکرام دیا۔ اور میں وہاں سے چلکر آپ کے شہر میں آبسا ہوں۔ بادشاہ بولا تمہاری کہانی ہمارے کبڑے کے قصہ سے اچھی نہیں ہے۔ اسلئے تم سب کی گردن ماری جائیگی خصوصًا درزی کی جو شرارت کی جڑ ہے۔ پھر درزی کیطرف خطاب کیا۔ کہ تم نے ہمارے کبڑے کے قصہ سے بڑھ کر کوئی حکایت نہ سُنائی تو یاد رکھنا بُری طرح سے خبر لیجاویگی۔ یہ سُنکر درزی آگے بڑھا اور بولا جناب عالی! کبڑے کے ملنے سے پہلے دن کی میں آپکو سرگذشت سُناتا ہوں۔ اُمید ہے کہ اسکے سُننے سے آپ بہت خوش ہونگے۔ اُسدن ایک دعوت تھی اور علاوہ بہت سے درزیوں۔ بزازوں اور نجاروں وغیرہ کے میں بھی اُس میں شریک تھا۔ جب دن نکلا کھانا آیا۔ اتنے میں مالک مکان بھی ایک اجنبی نوجوان کو لئے آگیا جو نہایت خوبصورت اور بغداد کا رہنے والا معلوم ہوتا تھا۔ اُسکے ظاہری حسن کی طرح اُسکے کپڑے بھی بیش قیمت تھے۔ مگر وہ لنگڑاتا ہوا چلتا تھا۔ اُسنے آنکر السلام علیکم کہا۔ ہم سب اُس کی تعظیم کیلئے اُٹھے۔ اور جب بیٹھنے لگے۔ اُس نوجوان نے ہم میں ایک حجام کو دیکھ کر بیٹھنے کا ارادہ ترک کر دیا اور چاہتا تھا کہ فورًا مکان سے باہر نکل جائے۔ کہ مالک مکان اور ہم نے حیرت زدہ ہو کر اسکی وجہ پوچھی۔ وہ بولا۔ میرے یہاں آکر جلدی سے واپس ہو جانیکا سبب یہ بوڑھا حجام ہے۔ یہ سُنکر ہم کو اور بھی تعجب ہوا۔ اور اس سے ساری حکایت سُننے کی آرزو کی پر اس غریب پر اسقدر خفگی کیوں ہے؟ نوجوان نے کہا۔ دوستو! میرا ماجرا جو اس حجام کیساتھ گذرا۔ بڑا عجیب ہے۔ یہی حجام میرے لنگڑا ہونیکا باعث ہے۔ میں اسی لئے قسم کھائی ہوئی ہے۔ کہ جس شہر میں یہ حجام ہوگا۔ میں اُس شہر ہی کو ترک کر دونگا۔ شہر بغداد کو بھی میں نے محض اسی سبب سے ترک کیا تھا۔ اور اب آج رات یہاں سے بھی چلا جاؤنگا۔ ہماری حیرانی کی اب کچھ انتہا نہ رہی۔ اور اُس نوجوان کو قسم دی۔ کہ وہ

کیا۔ اور وہ اپنے وزیر سے دریافت کرنے لگا۔ کیا اُس مال کے چرانے کا الزام اسی شخص پر لگایا گیا تھا۔ اور اسی کا ہاتھ کاٹا گیا ہے۔ تو یقیناً یہ سراسر ظلم ہوا ہے۔ پھر حکم دیا کہ جس سوداگر نے چھیری کی تھی اُسکا سر کاٹا جائے۔ اور اُسکا سب مال و متاع اس جوان کو دیا جائے۔ اور یہی دیت کافی و وافی ہے۔ حکم کی دیر تھی۔ شاہی نوکروں نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ دربار ختم ہوا۔ اور والئے دمشق نے مجھے اپنے پاس ہی ٹھہرالیا۔ جب ہم دونوں اکیلے رہ گئے۔ والئے دمشق مجھ سے پوچھنے لگا۔ دیکھو میں تم سے ساری کہانی پوری سننی چاہتا ہوں۔ سچ سچ بتا دو۔ کہ ہار تو نے کہاں سے پایا۔ میں نے کہا حضور! میں سب کچھ سچ سچ بتا دونگا۔ سنیئے! اس کے بعد میں نے ساری کہانی الف سے یاے تک سنادی کہ کیونکر ایک عورت خود بخود میرے مکان میں گھس آئی تھی۔ اور پھر اُس نے ایک دوسری لڑکی کو میرے مکان ہی میں لاکر کیونکر قتل کردیا۔ یہ سنکر والئے دمشق رو پڑا۔ اور کہنے لگا۔ بیٹا! وہ میری بڑی لڑکی تھی۔ اور اسکا بیاہ چچازاد بھائی کے ساتھ مصر میں ہوا تھا۔ مگر قضا کار وہ مرگیا۔ اور اس کے ہاں رہ کر مصر میں طرح طرح کی شرارتیں سیکھ لیں۔ حتیٰ کہ میں نے اُسے یہاں بلوالیا۔ مگر وہ اپنی شرارتوں سے باز نہ آئی۔ بلکہ اپنی چھوٹی بہن کو بھی پیچھے چڑالیا۔ جس کی بابت تم نے کہا ہے۔ کہ وہ تمہارے مکان پر ماری ڈالی گئی۔ اگلے دن جب میں نے اپنی اُس بڑی لڑکی سے چھوٹی کی بابت دریافت کیا تو نالائق رو پڑی اور کہنے لگی۔ میں کچھ نہیں جانتی۔ اور آپ ہی کی طرح کل سے اُسے تلاش کررہی ہوں۔ اسکے بعد جب اپنے فعل پر اُسے پشیمانی ہوئی۔ تو سارا سارا دن اور ساری ساری رات بیٹھی روتی رہتی۔ بلکہ ایکدن اپنی والدہ سے اپنی کرتوت کا اظہار بھی کردیا۔ اُس کی ماں نے مجھے بھی خبر دیدی۔ حتیٰ کہ وہ کمبخت روتے روتے ہی فوت ہوگئی۔ بیٹا! تم سچ کہتے ہو اور میں سب کچھ جانتا ہوں۔ اب میں ایک آرزو تم سے رکھتا ہوں۔ اُمید ہے کہ تم اس سے انکار نہ کرو گے۔ میں نے کہا فرمایئے۔ وہ بولا۔ میری ایک اور لڑکی بھی ہے۔ وہ ان دونوں سے چھوٹی ہے۔ مگر بڑی نیک اور باحیا لڑکی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اُسے اپنے نکاح میں لے لو۔ میں تم سے مہر کچھ نہ لونگا۔ بلکہ اپنے پاس سے تمہیں دیا کرونگا۔ اور میرے پاس

یہ کہکر اُسے تو اپنی دوکان پر بٹھایا۔ اور آپ کوتوال کی خدمت میں چلا گیا۔ اور مالا پیش کرکے کہنے لگا۔ معلوم ہوتا ہے۔ مالا چوری کا ہے اور چرانیوالا تاجروں کے لباس میں آیا ہے۔ اُس نے میری گرفتاری کے لئے حکم دیا۔ سپاہی مجھے کشاں کشاں اُسکے سامنے لیگئے۔ کوتوال نے پوچھا۔ یہ تم نے کہاں سے پایا۔ مینے کہا۔ میرا اپنا ہے۔ یہ کہتے ہی مجھ پر کوڑے برسنے لگے اور جب کوڑوں کی مار سے مجھے سخت تکلیف ہوئی۔ ناچار مینے کہدیا۔ کہ مینے اس مالا کو چرایا تھا۔ یہ سمجھکر کہ شاید اُس وقت سے تو چھٹکارا ہوجائیگا۔ مگر لینے کے دینے پڑ گئے۔ کوتوال نے حکم دیا کہ میرا داہنا ہاتھ کاٹ ڈالیں۔ جلاد نے حکم کی تعمیل کی اور مجھے غش آگیا۔ پھر کٹی ہوئی کلائی پر کوئی دوائی چھڑکی گئی۔ اور شراب کا ایک پیالہ دیا گیا۔ جب کچھ طاقت آئی۔ میں بصد مشکل وہاں سے چلکر اپنے مکان میں آیا۔ مگر مالک مکان کی پیشانی پر بل پڑے دیکھے اور اُس سے بھی مصیبت یہ آپڑی۔ کہ وہ مجھے مکان خالی کرنے کو کہنے لگا۔ صرف اس لئے کہ میں ایک چوری سے متہم کیا گیا ہوں۔ مینے اُس سے التجا کی۔ کہ دو تین دن کے لئے صبر کرو۔ اس حالت میں میں کہاں جا سکتا ہوں جب کچھ آرام آلیتا ہے تو دوسرا مکان تلاش کرونگا۔ بڑی مشکل سے اُسنے مجھے تین دن وہاں ٹھہرنے کی اجازت دی۔ اور چلا گیا۔ میں تنہائی میں بیٹھکے دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ اور اپنی بدقسمتی پر غور کرنے لگا۔ کہ اب اس حالت میں میں اپنے گھر کو بھی نہیں لوٹ سکتا۔ علاوہ ازیں میں بالکل بیگناہ۔ جب دل ہلکا ہو چکا۔ مینے کچھ اطمینان محسوس کیا۔ تیسرے دن مالک مکان اور بازار کے چودہری میرے پاس آئے۔ اور کہنے لگے۔ کیا تو نے ہی اس مالا کو چرایا تھا۔ مینے کہا۔ کیوں تم کیوں پوچھتے ہو؟ اُنہوں نے مجھے جھٹ پکڑ لیا۔ اور میرے گلے میں کپڑا ڈالکر کھینچ لیچلے۔ اور کہنے لگے کہ وہ مالا شاہ دمشق کے گھر سے چوری گیا تھا۔ تین سال ہوئے اور اُس کے پہننے والی شاہ دمشق کی لڑکی بھی جبھی سے گم ہے۔ یہ کلام سنکر میں کانپ اُٹھا۔ کہ اب میں ضرور مارا جاؤں گا۔ لیکن شاہ دمشق سے ساری سرگذشت کیوں نہ کہدوں۔ ممکن ہے اس کے دل میں لگ جائے۔ اور مجھے چھوڑدے ورنہ موت تو ہے ہی۔ اتنے میں ہم صاحب والئے دمشق کے حضور میں پہنچگئے۔ مجھے پیش کیا

چھایا ہوا تھا۔ کہ خدا جانے اب کیا ہے؟ تاہم جلدی جلدی میں جو کچھ ہو سکا۔ سمیٹ لپیٹ کر
خچر پر لدوا اور حویلی کا دروازہ مقفل کر کے حویلی کے مالک کے پاس جا کر ایک سال کا
کرایہ بطور پیشگی دیدیا۔ یہ کہکر کہ ایک ضرورت سے میں دمشق کو چھوڑنے لگا ہوں۔ اور
چابی اپنے پاس رکھو۔ میرا مال اندر پڑا ہے۔ اسکی طرف خیال رکھنا۔ اسکے بعد مصر کی طرف
چل پڑا۔ اسی طرح کئی روز کے بعد اپنے چچوں کے پاس جا پہنچا۔ وہ بڑی خوش ہوئی۔ اور
مصر میں آنیکی وجہ پوچھی۔ میں نے کہا صرف آپ کے دیدار کے اشتیاق کی کشش سے یہاں چلا
آیا ہوں۔ اسوقت وہ اپنا مال بالکل فروخت کر چکے تھے۔ اور واپس جانے کو تھے۔ میں
تھوڑے دن انکے پاس ٹھہر کر ایکدن چپ چاپ کہیں اور جا رہا۔ انھوں نے سمجھا کہ میں
اُن سے پہلے چلا گیا ہونگا۔ اسلئے انھوں نے میری تلاش فضول سمجھکر واپس کا کوچ بولدیا
انکے چلے جانے کے بعد میں بڑے چین سے مصر میں رہنے سہنے لگا۔ جب سال ختم ہو جاتا
اگلے سال کا کرایہ مالک مکان کو دمشق میں بطور پیشگی روانہ کر دیا کرتا۔ حتیٰ کہ تین سال گذر
گئے۔ اب میرے پاس بھی کچھ نہ رہا۔ تو میں دمشق کی واپسی کا عزم کر کے چل پڑا۔ اور چلتے
چلتے تھوڑے دنوں میں وہاں پہنچا۔ مالک مکان مجھے دیکھکر بڑا خوش ہوا۔ میں نے اس سے
چابی لی۔ اور دروازہ کھولکر سب سے پہلے مکان کو مقتولہ کے خون سے صاف کیا۔ پھر گرد
جھاڑ کر بچھونے بچھانے لگا تو گدے کے نیچے سے موتی کے دانوں کا ایک مالا پایا۔ جسے میں نے پہچان لیا
کہ اسی مقتولہ کے گلے میں تھا۔ میں نے تھوڑی دیر تک رو رو کر اور پھر صبر کر کے اپنے کام میں لگ گیا
تین برس وہیں گذر گئے۔ اب میرے پاس نقدی میں سے کچھ نہ رہا
تھا۔ ناچار اسی مالا کو بیچنے چلا۔ اور بازار میں جا کر ایک دلال کو دیا۔ وہ جوہری کے
پاس لیگیا۔ اور تھوڑی دیر بعد آ کر کہنے لگا قیمت تو اسکی بہت ہے۔ دو ہزار درہم
تک لوگ لگاتے ہیں۔ مگر اسوقت ایک ہزار درہم بھی بڑی مشکل سے ملتے ہیں۔ تمہاری
صلاح ہے میں نے کہا۔ جو ملے لے آؤ۔ یہ میری عورت کا مالا تھا۔ وہ مرگئی اور اب میرے
پاس کچھ نہیں۔ ناچار یہی قیمت سہی۔ دلال اسے پھر جوہری کے پاس لیگیا۔ کہ لاؤ۔
ہزار درہم ہی دلادو۔ جوہری نے کہا۔ ذرا ٹھہر جاؤ۔ میں کسی اور کو بھی دکھالوں۔

میں اپنی ایک دوست ورد کو جو مجھ سے کمسن مگر حسن و جمال میں بدرجہا بڑھ کر ہے۔ ایکدن کھانے کے
پاس لاؤنگی۔ دیکھوں تو اسے تم دیکھکر کیونکر میرا خیال رکھتے ہو۔ میں نے کہا۔ یہ کونسی بات ہے
ع حور پر آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا ۔ یہ سنکر وہ بہت خوش ہوئی اور صبح کے وقت جاتے
ہوئے خلاف معمول مجھے بوسہ دیکر دوبارہ بولی۔ میں پرسوں اسے لیکر آؤنگی۔ وقت تمہیں
معلوم ہی ہے۔ مگر نئے مہمان کیلئے ذرا تکلف سے دعوت کا سامان کر رکھنا۔ تیسرے دن
وقت موعود سے پیشتر میں نے کمال تکلف سے دعوت کا سامان تیار کر رکھا اور ٹھیک وقت
پر دیکھا کہ وہ ایک اور عورت کو ہمراہ لئے میری طرف چلی آرہی ہے۔ جب اندر آگئیں اور باہر
کا دروازہ بند ہوگیا۔ تو دونوں نے نقاب الٹ دئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نئے مہمان کی
تعریف تاثی سے بہت کم کیگئی تھی۔ وہ پہلی سے ہزاروں گنا بڑھ کر حسین تھی۔ میرا دل اسے
دیکھتے ہی لٹو ہوگیا۔ مگر لحاظ کے سبب سے اوپر آنکھ نہ اٹھائی۔ مبادا میری محبوبہ کو کچھ ناگوار
گزرے۔ پھر ہم سب دسترخوان پر بیٹھے۔ وہ دونوں ایک طرف بیٹھ گئیں اور میں نے ان کے
سامنے نشست کی۔ تاکہ جی بھر کے انکا دیدار کر سکوں۔ غرض کھانا شروع ہوا۔ میں ایک لقمہ
اٹھاتا تھا۔ اور دس دفعہ نیچی نظروں سے اسے دیکھ لیتا تھا۔ بڑی چڑیل اسے تاڑ گئی
اور جب شراب کا دور چلا۔ میں اپنے ہاتھوں سے پیالے بھر بھر کے اسی نئی نویلی کو دینے
لگا۔ بڑی اسے سہار نہ سکی اور طنزاً مجھے پوچھنے لگی۔ کیا یہ مجھ سے خوبصورت ہے؟
میں نے کہا بلاشبہ۔ وہ بولی۔ کیا تم اسے گلے لگانا چاہتے ہو؟ میں نے کہا۔ ہاں! پھر وہ اٹھی۔ اور
ہم دونوں کیلئے بستر اپنے ہاتھ سے بچھایا۔ جب رات آدھی سے زیادہ گذر گئی۔ بڑی نے ہم
دونوں کو وہاں ہی چھوڑ کر علیحدہ [illegible]۔ جب دن چڑھا۔ اور میں جب خواب سے بیدار
ہوا تو میں نے دیکھا۔ کہ میرے ہاتھ خون میں شرابور ہو رہے ہیں۔ میں حیران رہ گیا۔ اور
جب نظر بستر پر گئی۔ تو خون خشک ہوگیا۔ دیکھا کہ وہ چھوٹی بی بی میرے پہلو میں ٹکڑے
ٹکڑے ہوئی پڑی ہے۔ میں نے یقین کر لیا۔ کہ یہ بڑی چڑیل ہی کا کرتب ہے۔ اور اسنے
[illegible] کیا۔ نہایت گھبرا گیا۔ پھر اٹھ کے میں نے حویلی ہی میں ایک جگہ سے سنگ مرمر اکھاڑ کے کھودا
اور لاش کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے مٹی تلے دبا دی اور سنگ مرمر کو ہموار کر دیا۔ مگر میرے دل میں کمال شوق

اسباب کو بیچنا شروع کیا۔ ایک ایک کے پانچ پانچ وصول ہو کر ہماری مسرت کا موجب ہوئے۔ تھوڑے عرصے کے بعد جب میرے چچوں نے خرید و فروخت سے فرصت پالی۔ مجھے وہاں ہی چھوڑ کر مصر کا راستہ لیا۔ اور میں اُس سرائے سے اُٹھ کر شہر میں ایک بڑی حویلی دو دینار ماہوار کرائے پر لیکے آرہا۔ اب بڑے لطف سے دن گذرنے لگے۔ حتیٰ کہ سب مال و دولت صرف ہو گیا۔ ایکدن میں اپنے دروازے کے باہر بیٹھا تھا۔ کہ ایک خوبصورت مہ پارہ حسینہ در آتی ہوئی اندر چلی گئی۔ میں حیران ہو گیا۔ اور ڈرتے ڈرتے اُسکا مقصد دریافت کیا وہ بولی مجھے تم سے کمال محبت ہے۔ اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو آج رات یہیں بسر کرونگی وہ حسینہ اپنے لباس میں کسی بڑے امیر کی لڑکی معلوم ہوتی تھی۔ میں نے اُس موقعہ کو غنیمت سمجھا۔ اور جواب دیا۔ زہے قسمت! اگر آپ نے مجھ پر اسقدر کرم فرمایا۔ غرض میں نے باہر کا دروازہ بند کر دیا۔ اور اندر آ بیٹھا۔ پھر نوکروں کو دسترخوان چننے کا حکم دیا۔ جب کھانا کھا چکے۔ شراب کا دَور چلنے لگا۔ اِنہی باتوں میں آدھی رات گذر گئی۔ زاں بعد ہم سو رہے صبح ہوئی۔ اُس حسینہ نے مجھ سے رخصت مانگی۔ میں نے جیب سے نکال کے دس دینار اُسے دینے چاہے۔ اُس نے قسم کھائی کہ میں تم سے کوڑی بھی نہ لونگی۔ بلکہ اُلٹے دس دینار اپنے پاس سے نکال کے میرے گلے منڈھ دئیے۔ اور بولی میں تیسرے دن پھر آؤنگی۔ یہ کہہ کر چلی گئی اور میں تڑپتا ہی رہ گیا۔ تین دن گذر گئے اور وہ پہلے سے بھی بڑھ کر طمطراق کے ساتھ ٹھیک اُسیوقت میرے گھر میں آداخل ہوئی وہ رات بھی ہمارے پہلے دن کی طرح ہی گذری۔ جب صبح ہوئی۔ پھر اُسنے دس دینار مجھے جبراً دیدئیے۔ اور کہنے لگی کہ اب پھر تیسرے دن آؤنگی۔ میرا حال اسکی جدائی سے پہلے سے بھی بدتر ہو گیا لیکن جوں توں کرکے دن گذر ہی گئے۔ تیسرے دن پھر ٹھیک اُسیوقت اُسنے میرے کاشانہ تاریک کو اپنے جمال جہاں آرا سے روشن کیا۔ اور جب کھانا کھا کے شراب میں چور ہو گئی تو مجھ سے پوچھنے لگی۔ کیا میں خوبصورت ہوں میں نے کہا۔ خدا کی قسم یہ سوال کرنے سے پہلے اپنے تئیں میری آنکھوں سے دیکھ لو۔ وہ بولی۔ میں تمہیں کیسی لگتی ہوں۔ میں نے جواب دیا۔ میرے جی سے پوچھو۔ وہ بولی میں تمہیں آزمانا چاہتی ہوں۔ میں نے کہا۔ بشوق۔ وہ کہنے لگی میں

عطا فرمایا۔ اور اپنے دارالشفا کا طبیب مقرر کیا۔ میرے لئے کھانے کا انتظام بھی اپنے اں کرادیا
کچھ عرصہ میں اس جوان اور میرے درمیان محبت بڑھ گئی۔ سلئے کہ میتے اسے اچھا کیا تھا۔ ایکدن
وہ حمام جانیکو تھا۔ کہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ اور جب اندر جاکے کپڑے آتارے میتے دیکھا
کہ اس کا داہنا ہاتھ ندارد ہے۔ سیجھے بڑی حیرت ہوئی۔ اور میتے افسوس ظاہر کرکے وجہ پوچھی وہ
بولا پھر کسی وقت بتاؤنگا۔ فی الحال حمام سے فراغت حاصل کرلو۔ جب ہم وہاں سے فارغ ہوئے
تو وہ پوچھنے لگا۔ میرے لئے باغ کی سیر تو مضر نہ ہوگی میتے کہا مضر کی جگہ مفید ہے۔ وہ بولا
تو چلو۔ باغ ہی میں چلکے اپنی سرگذشت تمہیں سناؤنگا۔ وہ باغ باغ جنت سے کم نہ تھا۔
میں اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں کرتا۔ ہم دونوں ایک قالین پر بیٹھ گئے اور اس جوان نے اپنی
سرگذشت یوں شروع کی۔ حکیم صاحب میں موصل کے رہنے والا ہوں۔ میرے دادا کے
دس لڑکے تھے۔ جن میں سے میرا باپ سب سے بڑا تھا۔ سب بیاہے ہوئے تھے مگر قسمت
سے اولاد میرے باپ کے سوا اور کسی کے بھی نہ تھی۔ اور اپنے باپ کے ہاں بھی میں ہی اکیلا
بچہ تھا۔ غرض دس گھروں میں ایک مجھ سے روشنی تھی۔ جب میں بڑا ہوا۔ میرے چچا بھی مجھ
سے کمال الفت رکھتے تھے۔ ایکدن موصل کی جامع مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھ کے ہم گیارہ بل
کے گیارہوں بیٹھے تھے۔ اور باقی خلقت جاچکی تھی کہ میرا باپ اور میرے چچا عجائبات دنیا
پر رائے زنیاں کرنے لگے۔ یہاں تک کہ مصر کا ذکر بھی چل پڑا۔ اور میرے چچوں نے مصر کی اسقدر
تعریف کی کہ بے اختیار میرے سر میں اسکی سیر کا سودا سما گیا۔ جب سلسلہ کلام ختم ہو چکا
ہم سب گھروں کو لوٹے۔ مگر اس رات میں مجھے نیند نہ آئی۔ بلکہ شام کو کھانا پینا بھی بھول گیا
تھوڑے دنوں کے بعد میرے چچاؤں نے مصر کا ارادہ ظاہر کیا۔ میتے بھی والد سے ان کے
ساتھ جانیکی اجازت مانگی۔ اور بڑا اصرار کیا۔ بظاہر تو میرے والد نے مان لیا۔ مگر در پردہ
میرے چچاؤں سے کہدیا۔ کہ اسے دمشق میں ہی چھوڑ جانا۔ غرض ہم موصل سے نکلے اور
حلب سے ہوتے دمشق میں جا پہنچے میتے دمشق کو بھی عجب فضائی جگہ پایا۔ زنگارنگ
کے درخت جھوم رہے تھے۔ نہریں جاری تھیں۔ اور درختوں پر پرندے بیٹھے چہچہا کر
آنے والوں کا خیر مقدم کر رہے تھے۔ غرض وہاں ہم ایک سرائے میں ٹھہر گئے۔ اور اپنے

اور میں نے ایک اچھا سا مکان خرید لیا - کچھ دنوں کے بعد ہم دونوں میاں بی بی وہیں آ بسے -
ایک سال تک ہم نے اُس مکان میں گذارا - آخرکار وہ بی بی بیمار ہو کر مر گئی - پھر میں نے دوسرا
بیاہ کیا - وہ عورت بھی تھوڑے دنوں میں فوت ہو گئی - اسی طرح جب چار بی بیاں یکے
دیگرے اسی مکان میں چل رہیں تو میں نے اُسے منحوس تصور کر کے فروخت کر ڈالا - اور اسباب
تجارت لیکر ملکوں ملکوں ہوتا ہوا آپ کے ہاں وارد ہوا تھا - یا امیر المومنین یہ وہ داستان
ہے - جو کل کے دن اُس نوجوان نے ہمیں سنائی تھی - کیا یہ عجیب تر نہیں ہے - بادشاہ نے
جواب دیا - کسیقدر عجیب ضرور ہے - مگر ہمارے کبڑے کی سرگذشت سے لگا نہیں کھا سکتی
اور جب تک مجھے کبڑے کے قصہ سے زیادہ عجیب کہانی نہیں سناؤ گے میں تم کو نہیں
چھوڑوں گا - اور بحالت دیگر سب کو پھانسی پر چڑھنا ہوگا - یہ سنکر حکیم یہودی آگے بڑھا
اور زمین خدمت کی چوم کر کہنے لگا - میں آپ کو کبڑے کی حکایت سے عجیب تر قصہ سناتا ہوں
امید ہے کہ اُسے سنکر آپ بہت خوش ہونگے - بادشاہ نے کہا - بولو - حکیم یہودی نے
کہنا شروع کیا - حضور انور میں پہلے دمشق میں مطب کیا کرتا تھا - حتی کہ شہر میں میری قابلیت
کا شہرہ ہو گیا - ایکدن میں اپنے مطب میں بیٹھا تھا - کہ حاکم شہر کا ایک ملازم میرے پاس
آیا اور کہنے لگا کہ تجھے دربار میں یاد کیا گیا ہے - میں ملازم کے ساتھ ہو لیا - اور وہ مجھے
والئے شہر کے پاس لے گئے - اور وہاں سے مجھے ایک مریض کا علاج کرنے کی ہدایت ہوئی - سو
وہ مریض ایک پلنگ پر لیٹا ہوا تھا - اور ایسا خوبصورت تھا کہ میں نے اُس سے خوبصورت
آدمی ابھی تک کوئی نہیں دیکھا - میں اُسکے سرہانے بیٹھ گیا اور شفا کے لیے اُسے دعا دی
وہ زبان سے کچھ نہ بولا - صرف آنکھوں سے اشارہ کیا - گویا میرا شکریہ ادا کرتا ہے - پھر
میں نے کہا کہ اپنا ہاتھ دکھاؤ - اُسنے یہ سنکر داہنے کی جگہ بایاں ہاتھ نکال کے سامنے کر دیا میں
حیران تو ہو گیا - کہ یہ شخص معزز جماعت کے ممبر ہو کے بھی طبابت کے دستور کا واقف
نہیں - کہ آدمی داہنا ہاتھ طبیب کو دکھایا کرتے ہیں - بایاں نہیں - مگر جس طرح ہو سکا میں نے
اُس کے لیے نسخہ لکھ دیا - حتی کہ خدا کی مہربانی سے اُسے دس روز میں کامل شفا ہو گئی
اور اُس نے غسل صحت کیا - والئے دمشق نے اس خدمت کے عوض مجھے بھاری خلعت

مگر قدا گدھا ہی نکلا۔ میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ بی بی کونسی بات مجھ سے سرزد ہو گئی ہے جس کے باعث آپ نے مجھے بے شعوری اور بے تمیزی کا خطاب دیا ہے۔ اس نے جواب دیا بے وقوف لہسن کا پلاؤ کھا کے ہاتھ دھونا تجھے کس نے بتایا۔ اور یاد رکھو۔ تمہارے اس قصور سے میں ہرگز ہرگز درگذر نہیں کرونگی۔ اس کے بعد مجھے ہر طرف سے کوڑے پڑنے لگے یہانتک کہ میری پیٹھ کا چمڑا بھی ادھڑ گیا۔ اور جب میں بیہوش ہو کے گر پڑا۔ تو میری بی بی نے حکم دیا کہ مجھے حاکم شہر کے پاس بھیجا کر کہو۔ کہ جس ہاتھ سے اس نے لہسن کا پلاؤ کھا کے اُسے نہیں دھویا۔ اُسے کاٹ دے۔ یہ نادر شاہی حکم سنکر میرے حواس ٹھکانے نہ رہے اور میں بے ہوش ہو گیا۔ بی بی ایک معمولی سے قصور کے لئے اسقدر سخت سزا دو۔ اُن لونڈیوں نے بھی میری بہت کچھ سفارش کی۔ مگر اس کمبخت کے سر پر جو بھوت چڑھا ہوا تھا۔ وہ نہ اترا پر نہ اترا۔ اسکے بعد مجھے وہاں سے لیجانیکا حکم دیکے آپ بھی وہاں سے چلی گئی۔ پھر دس روز تک میں نے اُسے ہرگز نہیں دیکھا۔ دسویں دن وہ میرے پاس آئی۔ اور کہنے لگی بدبخت! تو نے مجھے جو تکلیف دی ہے۔ اسکے لئے تجھے سزا دئے بغیر میں ہرگز نہیں رہونگی یہ کہکر لونڈیوں کو آواز دی۔ اور جب وہ حاضر ہوئیں تو انہیں حکم دیا کہ میرے ہاتھوں اور پاؤں سے خون کا دریا بہ نکلا۔ تو لونڈیوں نے اُسیدن ورد گھاس کو پیسکر اوپر چھڑکا۔ خون فوراً بند ہو گیا۔ دوستو! اسیدن سے میں نے حلف اٹھا رکھا ہے۔ کہ لہسن کا پلاؤ نہیں کھاؤنگا۔ اور اگر کھانا ہی پڑا تو ایک سو بیس مرتبہ ہاتھ دھوؤنگا۔ جب تمہارے سامنے یہ قاب آئی تھی۔ اور تم نے مجھ سے اصرار کیا تھا۔ لیکن میں نے انکار کر کے نفرت ظاہر کی تھی۔ اسکی اصلی وجہ یہی ہے۔ جو میں تم سے بیان کر چکا ہوں۔ حاضرین جماعت نے یہ سنکر پوچھا۔ کہ اس کے بعد تمہاری کیسے گذری وہ بھی بتا دو۔ تو مہربانی ہو گی وہ بولا۔ جب میں نے اپنی بی بی کے سامنے لہسن کا پلاؤ نہ کھانیکا حلف اٹھا لیا۔ اس کی ناراضگی رفع ہو گئی۔ اور ہم دونوں محبت و پیار سے رہنے سہنے لگے۔ مگر شاہی محل میں مجھے بڑی احتیاط سے رہنا پڑتا تھا۔ اسلئے تکلیف ہوتی تھی۔ ناچار زبیدہ خاتون نے ہمیں پچاس ہزار دینار دیکر علیحدہ مکان میں رہنے کی اجازت دیدی۔

پر بیٹھی ہے۔ اور اُسپر اسقدر زر و جواہر لدے ہوتے ہیں۔ جن کے بوجھ سے وہ چلنے پھرنے سے بھی عاجز ہے۔ خیر اب مجھے صندوق سے نکال کے زبیدہ کے سامنے لیگئے۔ میں نے بڑے ادب سے خدمت کی زمین چومی۔ اور اُس نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں سامنے ہی بیٹھ گیا۔ پھر زبیدہ نے مجھ سے حسب ونسب کی نسبت کچھ سوال کئے۔ جنکا جواب میں نے تشفی بخش دیا۔ جن کے سننے سے وہ بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی یہ لونڈی میری اولاد زینہ کی طرح پالی ہوئی ہے۔ اور اب میں اسے تمہارے سپرد کرنے لگی ہوں۔ امید ہے۔ کہ تم اسے اچھی طرح سے رکھو گے۔ میں نے پھر خدمت کی زمین چومی اور زبیدہ کا شکریہ ادا کیا۔ پھر مجھے حکم ملا۔ کہ وہاں دس دن تک ٹھہروں۔ تا کہ اس عرصہ میں خلیفہ سے بھی اجازت لیجائے۔ میں نے سر تسلیم جھکا دیا۔ اور اُس بی بی نے مجھے بڑی عزت و اکرام اور ہوشیاری سے شاہی محل میں رکھا۔ ہر روز صبح و شام میرے پاس آتی اور مجھے تشفی دیجاتی۔ آخر زبیدہ خاتون نے خلیفہ سے بھی اجازت لے لی۔ اور خلیفہ نے اس شادی کے لئے دس ہزار دینار عطا فرمائے۔ زبیدہ خاتون نے قاضی اور گواہوں کو بلا بھیجا۔ جب وہ آئے ہم دونوں کا نکاح پڑھا گیا۔ معمولی رسومات سے فراغت پاکے زبیدہ خاتون نے ایک پر تکلف ضیافت کا انتظام کیا۔ طرح طرح کے لذیذ و نفیس کھانے تیار کرائے۔ اور ہر چھوٹے بڑے کی دعوت کی۔ برابر دس روز تک اسی حال میں گذر گئے۔ غرض بیسویں دن لونڈیوں نے میری زوجہ کو حمام کرایا اور بناؤ سنگار کرنے لگیں۔ اس اثنا میں کھانے کا وقت آ پہنچا۔ اور میرے لئے دستر خوان چنا گیا۔ جسپر بھی کمبخت لہسن کا دم پخت پلاؤ بھی تھا۔ میں نے اسپر خوب ہاتھ صاف کئے۔ لیکن کھا کر ہاتھ دھونا بھول گیا۔ صرف رومال سے پونچھ ڈالے۔ اب دن گذر چکا تھا۔ رات آگئی۔ محل میں روشنی ہونے لگی اور مغنیات گانے بجانے لگیں۔ ادھر لونڈیوں نے بی بی کو خلوت میں میرے پاس لاکر چھوڑ گئیں۔ میں نے فرط شوق میں اُسے گلے لگانے کا ارادہ کیا۔ مگر وہ دور سے ہی ایسا چلائی کہ اردگرد کی لونڈیاں باندیاں اندر آ جمع ہوئیں۔ میں ڈرا کہ یہ کیا ہوا۔ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ ابھی تک مجھے خبر نہ تھی۔ وہ لونڈیاں میری بی بی سے پوچھنے لگیں۔ بیبی کیا بات ہے۔ وہ پکاری۔ اس بے شعور کو یہاں سے نکالدو۔ میرا خیال تھا۔ کہ وہ صاحب تمیز ہے۔

کو اُنکے مال کی قیمت چکادی - وہ تو نفع میں رہے اور میں گھاٹے میں - کیونکہ مفت میں اپنا دل
کھو بیٹھا - اسکے بعد مجھے کئی دن تک اُسکی کوئی خبر نہ ملی - اور میرا حال یہ ہوگیا کہ نہ دن کو چین تھا
اور نہ رات کو آرام - ایکدن یکایک اُسکا وہی غلام دکھائی دیا - جو سیدھا میری طرف آرہا تھا -
مینے پوچھا سناؤ - تمھاری مالکہ کا کیا حال ہے - وہ بولا بیمار پڑی ہے - مینے کہا کھول کر بتاؤ -
اُسنے جواب دیا - کہ وہ زبیدہ خاتون خلیفہ ہارون الرشید کی مصاحبہ ہے - اور اسے زبیدہ کے
مزاج پر بڑا دخل ہے - ایکدن زبیدہ خاتون سے اُس نے تمھاری بابت درخواست کی تھی -
کہ میری شادی فلاں سوداگر کے ساتھ کر دیجیئے - زبیدہ نے جواب دیا کہ میں اُس جوان کو
اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی ہوں اور ہم تمھیں اسیوقت وہاں لیجانا چاہتے ہیں لیکن اس
امر میں بہت سخت احتیاط کی ضرورت ہے - تم جانتے ہو کہ خلیفہ کے محل میں جانا ہنسی ٹھٹھا
نہیں - لیکن ایک تدبیر ہماری سمجھ میں آئی ہے - اُسپر عمل کرنے سے مقصد حاصل ہوسکتا ہے
اگر تم بھی منظور کرو - مینے کہا میں تو ہر طرح سے حاضر ہوں جس طرح فرماؤ - سر کے بل جاؤں
غلام بولا - آجکی رات تم زبیدہ کی مسجد میں جو دجلہ کے کنارے پر واقع ہے جاکے نماز پڑھو -
اور وہیں سو بھی رہنا - مینے اسے منظور کیا - شام کے وقت میں اُدھر چل پڑا - اور تہجد کی نماز
پڑھ وہیں سو رہا - جب صبح ہوئی مینے دیکھا کہ ایک کشتی کو جس میں بہت سے صندوق پڑے ہیں
دو غلام کھینچے چلے آرہے ہیں - کنارے پر پہنچکر اُنھوں نے وہ صندوق مسجد میں لا رکھے -
اور ایک غلام وہاں سے ٹل گیا - صرف ایک ہی رہ گیا - جو میرے لئے مسجد میں رات بسر کرنیکا
پیغام لایا تھا - ایک گھڑی بعد میری محبوبہ بھی وہاں تشریف لے آئی - اُسے دیکھ کر میرے
آنسو بہ نکلے - پھر تھوڑی دیر تک ہم میں پیار و الفت کی باتیں ہوتی رہیں - اسکے بعد اُس نے
مجھے ایک خالی صندوق میں بند کیا - اور اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ صندوقوں کو کشتی پر پار کردو
اُنھوں نے ہاتھوں ہاتھ اُٹھا کے سب صندوق کشتی پر رکھدئے اور کشتی کو کھیلنا شروع کیا -
حتیٰ کہ وہ عین خلیفہ کے محل کے دروازے پر جا لگی اور اُس صندوق کو جس میں میں بند
پڑا تھا - زبیدہ خاتون کے سامنے لیجا رکھا - زبیدہ نے اُس صندوق کے کھولنے کا حکم
دیا - جب میں باہر نکلا - دیکھا کہ زبیدہ دس لونڈیوں کے حلقہ میں بڑی تمکنت سے تخت

مگر بظاہر میں نے کہا۔ اتنی جلدی کی کیا ضرورت تھی۔ خیر صراف آگیا اور غلام نے تھیلی نکال کر سامنے رکھ دی جس میں سے پانچ ہزار درہم پرکھنے پر صراف نے میرے دامن میں ڈال دیئے۔ پھر وہ بی بی میری دوکان پر خچر سے اتر کر بیٹھ گئی۔ اور دوکانیں کھلنے کا انتظار کرنے لگی۔ اس اثنا میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ بڑی زیرک اور شائستہ عورت ہے۔ جب دوکانداروں نے دوکانیں کھول دیں میں نے ان کے مطالبات انہیں اسی وقت پہنچا دیئے۔ اس سے میرا اعتبار اور بھی بڑھ گیا۔ پھر اس بی بی نے ہزار دینار کے تھان زرباف کے اور طلب کئے۔ اور میں نے اسے لا دیئے۔ اب کے بھی اس نے قیمت نہ دی۔ اور بغیر کچھ کہے سنے چپ چاپ اٹھ کے چلی گئی۔ مجھے از سر نو تردد ہوا کہ دیکھوں اب کے کیا انجام ہوتا ہے۔ اصول میں سوچتا تھا کہ یا تو یہ عورت میرا امتحان کرنا چاہتی ہے یا مجھے ذلیل کرانے کی فکر میں ہے۔ بہرحال دیکھا چاہئے اونٹ کس کروٹ بدلتا ہے لیکن جب اس کی پیاری پیاری صورت یاد آتی سب کچھ بھول جاتا۔ انہی تذبذبوں میں ایک مہینہ گذر گیا۔ اور سوداگروں نے جن سے مال لیکر دیا تھا۔ تقاضوں کے مارے جان کھالی میں نے ان کی تسلی کے لئے دوکان کا اثاثہ بیچ بیچ کر انہیں حصہ رسدی کے بموجب تھوڑا تھوڑا روپیہ پہنچانا شروع کیا۔ تاکہ وہ گھبرا نہ جائیں۔ پورے ایک مہینے کے بعد علی الصبح جب میں دوکان پر بیٹھا ہوا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہی بی بی خچر پر سوار چلی آرہی ہے۔ اسے دیکھ کر میرا فکر مٹ گیا۔ اتنے میں وہ میرے قریب آ کر بولی۔ صاحب! ترازو نکال کر اپنا مال تول لو۔ اور اصلی قیمت سے کچھ زیادہ دینار میرے سامنے ڈھیر ہی کر دیئے۔ اور مجھ سے باتیں کر کے بہت خوش ہوئی۔ پھر مجھ سے پوچھا۔ کیا تمہاری شادی ہو چکی ہے میں نے جواب دیا۔ میں تو کسی عورت کو بھی نہیں جانتا۔ اور میں رو پڑا۔ اس نے میرے رونے کا سبب دریافت کیا۔ میں نے کہا۔ یونہی ایک خیال سا دل میں گذرا تھا۔ پھر میں نے ہزار دینار گن کر باقی اس کے غلام کو واپس کر دیئے۔ وہ کہنے لگا بھولے نوجوان ہماری بی بی تم پر عاشق ہے۔ وہ تھان خریدنے کے بہانے صرف تمہیں دیکھنے کے لئے آیا کرتی ہے۔ یہ سنکر مجھے بڑی خوشی ہوئی اور میں نے بڑی جرأت کے ساتھ اپنا ارادہ ظاہر کر دیا۔ وہ شرمانے لگی۔ اطمینان رکھو۔ میں اسی خادم کو تمہارے پاس بھیجوں گی جو کچھ یہ کہے تم اس پر عمل کرنا۔ یہ کہا اور اٹھ کر چلی گئی۔ اس کے چلے جانے کے بعد میں نے اول

تصویر زن حسینہ کی خچر پر سوار اور سوداگر سے گفتگو کرنا



کا تھا۔ اُس بی بی نے سب تھان اپنے غلاموں کو دیدیے۔ اور خچر پر سوار ہو کے چل پڑی شامت کی مار۔ کہ نہ تو اُسنے اپنا کچھ پتا مجھے بتایا اور نہ ہی جاتے ہیں بھی کچھ پوچھ سکا۔ اسکے چلے جانیکے بعد تاجروں نے جن جن سے میں وہ اشیا لایا تھا اپنا روپیہ مانگا۔ مگر میں ٹال مٹول کرکے اُنسے کچھ مہلت مانگ ہی لی۔ جب شام ہوئی۔ دکان بند کرکے میں گھر آیا۔ نوکر نے کھانا سامنے لا رکھا۔ مگر مجھ سے کھایا نہ گیا۔ صرف دو چار لقمے زہر مار کرکے ہاتھ اٹھا لیا۔ اور بستر پر جا پڑا۔ لیکن نیند کی جگہ آنکھوں میں اُسی چاند سے مکھڑے کی تصویر پھر رہی تھی یا تاجروں کے قرض کا فکر تھا۔ چار و ناچار کروٹیں بدلکر صبح کی اور دوکان پر گیا۔ دوکان پر بیٹھا ابھی زیادہ دیر نہ ہوئی تھی۔ کہ دیکھا۔ وہی بی بی خچر پر سوار میری طرف چلی آرہی ہے ہنستے ہنستے مجھے سلام کیا۔ اور کہا۔ میں کل تھانوں کی قیمت دینی بھول گئی تھی۔ اسلئے اب دینے آئی ہوں صراف کو بلوا کے قیمت گنوا لیجئے۔ یہ سنکر میرے دل میں ٹھنڈک پڑ گئی

جسکی وجہ سے میں اس کھانے کو کھاتا ہوا ڈرتا ہوں۔ ایکسو بیس مرتبہ ہاتھ دھونے کا بھی یہی باعث ہے یہہ کہکر اُسنے سب انگوٹھے کٹے ہوئے دکھائے۔ ہمنے بہت بڑی حیرت ظاہر کی۔ اور التجا کی۔ کہ وہ اپنی سرگذشت سُنا کر ہم لوگوں کو اپنا ممنون بنا دے وہ بولا سنو۔ میرا باپ بغداد کے بڑے تاجروں میں سے تھا۔ مگر راگ رنگ اور شراب کا عاشق زار جب مر گیا۔ جائداد کا ایک حبہ بھی نہ چھوڑا۔ لیکن مینے جس طرح سے ہوسکا اُسکے مرنے کی رسومات اچھی طرح سے ادا کیں اور اُن سے فراغت پاکر اُسکی دوکان کو کھولا۔ مگر اندر سے کچھ نہ نکلا۔ بلکہ مجھے معلوم ہوا کہ وہ مجھ پر بہت سا قرضہ چھوڑ مرا ہے دوکان کا دروازہ کھلا دیکھکر قرضخواہ آ اکٹھے ہوئے۔ اور تقاضا کرنے لگے۔ مینے انہیں تسلی دی اور کہاکہ صبر کرو۔ تمہاری کوڑی کوڑی چکا دی جائیگی۔ وہ بیچارے خاموش ہو رہے۔ پھر مینے رہی سہی جائداد بیچ باچ کر آہستہ آہستہ قرض ادا کرنا شروع کیا حتیٰ کہ ایک عرصہ کے بعد بڑی مشکل سے مینے سرخروئی حاصل کی۔ پھر کچھ راس المال اکٹھا کرکے دوکان میں اسباب تجارت لا رکھا۔ اور کچھ مدت اسی حال میں گذر گئی۔ ایک دن صبح کے وقت میں اپنی دوکان پر بیٹھا ہوا تھا کہ مینے ایک نوجوان حسینہ کو دیکھا۔ خچر پر سوار چلی آرہی تھی۔ اور اس کی سواری کے آگے پیچھے بہت سے غلام صف بستہ چلے آتے تھے۔ اتفاق سے اُس وقت میری دوکان کے سوا بازار بھر میں کوئی دوکان نہ کھلی تھی۔ ناچار وہ میرے ہی پاس آکر مجھے سلام کرکے بیٹھ گئی۔ میں سچ کہتا ہوں عمر بھر میں مینے اُس سے زیادہ خوش آواز کوئی عورت نہیں دیکھی تھی۔ پھر اُس نے نقاب چہرے سے اُلٹ دی۔ تو وہ چاند سا چہرہ دیکھ کر میرا دل چکور کی طرح اُسپر جھپٹ جھپٹ کے جانے لگا۔ اتنے میں وہ بولی۔ مجھے کچھ تھان زربافت کے درکار ہیں۔ اگر تمہاری دوکان پر ہوں تو دکھاؤ۔ مینے عرض کیا۔ جناب! آپ کے غلام کے ہاں ایسے قیمتی تھان نہیں ہیں۔ لیکن ذرا ٹھہر جایئے۔ دوکانیں کھلتی ہیں۔ تو جو کچھ آپکو درکار ہوگا لا دونگا۔ پھر ہم باتوں میں مشغول ہوگئے۔ اتنے میں باقی دوکانیں بھی کھل گئیں۔ میں اُٹھا اور جو کچھ اُس بی بی کو درکار تھا مینے ہمسایوں سے لا دیا۔ وہ سب مال پانچہزار درہم

کے مشابہ ٹھہر سکتے ہو۔ خیال رکھو میں تم چاروں کو اسکے عوض میں قتل کرونگا۔ یہ غصہ ور کلام سنکر موری آگے بڑھا۔ اور زمین خدمت کو چوم کر عرض کرنے لگا۔ حضرت سلامت! میں بھی ایک سرگذشت سنانا چاہتا ہوں۔ جو انہی دنوں میں اس کبڑے کو ملنے سے پہلے مجھے پیش آئی تھی۔ اگر وہ آپ کے کبڑے کے قصے سے اچھی ہوئی تو امیدوار ہوں کہ سب کا قصور معاف کیا جائے۔ بادشاہ نے فرمایا۔ اچھا سناؤ۔ موری بولا۔ خداوند۔ کل رات میں ایک ختم میں شریک تھا۔ جہاں بہت سے مولوی اکٹھے ہوئے تھے۔ جب وہ معمولی رسومات سے فراغت پا چکے۔ تو دسترخوان بچھایا گیا۔ اسپر علاوہ اور لذیذ و نفیس کھانوں کے ایک قاب لہسن کے دم پخت کی بھی تھی۔ جس کا ذائقہ بے نظیر تھا۔ ہم سب اپنی اپنی پسند کے کھانے پر ہاتھ بڑھانے لگے۔ کہ اتنے میں ایک شخص ہم سے پیچھے ہٹ گیا۔ اور یکایک کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ ہم نے اسے قسم بھی دی کہ وہ کھانے سے ہاتھ نہ ہٹائے۔ مگر اس نے بھی قسم کھائی کہ میں اس کھانے میں سے مطلق کچھ نہ کھاؤنگا۔ اور جب ہم نے بہت اصرار کیا کہ یہی تو لذیذ کھانا ہے۔ تو وہ بولا کہ تمہارا اصرار فضول ہے۔ ہم نے پوچھا۔ آخر کوئی وجہ بھی یا یونہی بھاگے جاؤگے۔ وہ بولا۔ میں اس کھانیکو اس شرط پر کھا سکتا ہوں کہ ایک سو بیس مرتبہ میرے ہاتھ دھلوائے جائیں۔ چالیس مرتبہ اشنان سے چالیس مرتبہ سُعد سے اور چالیس ہی مرتبہ صابون سے۔ یہ سنکر صاحب خانہ نے اپنے غلاموں کو بلوایا کہ وہ تینوں اشیا لیکر حاضر ہوں۔ جب غلاموں نے اشنان۔ سُعد اور صابون مہیا کر لیے۔ تو صاحب خانہ بولا۔ اب تو تکلیف فرمائیے۔ ورنہ میری ساری محنت اکارت جائیگی۔ یہ دیکھکر چار و ناچار اُسے دسترخوان پر بیٹھنا ہی پڑا۔ لیکن بڑی کراہت کے ساتھ ایک لقمہ اٹھایا اور ڈرتے ڈرتے منہ میں رکھا۔ مگر ہمیں یہ دیکھکر نہایت ہی تعجب ہوا کہ اس کا انگوٹھا کٹا ہوا ہے اور وہ باقی کی چاروں انگلیوں سے لقمہ اٹھا کے منہ میں ڈالتا ہے۔ ہمیں اور بھی حیرانی ہوئی۔ اور آخر پوچھ ہی بیٹھے۔ کہ تمہارے انگوٹھے کو کیا ہوا ہے آیا پیدا ہی نہیں ہوا یا اُسپر کوئی حادثہ گذرا۔ اسنے جواب دیا۔ میرے چاروں انگوٹھے نہیں ہیں اور یہ مصیبت ایکبر مجھے بھی لہسن کا دم پخت کھانے کے باعث مجھپر نازل ہوئی تھی۔

تو بہت تھوڑی ہے۔ اور اب میں خدا تعالیٰ کو شاہد بناتی ہوں کہ میں تمہیں اپنے سے جدا نہیں ہونے دونگی اور تم دیکھ ہی لوگے۔ میں نے قاضی اور گواہوں کو بلا بھیجا ہے۔ وہ آکے اب ہمارا نکاح پڑھ لینگے۔ اتنے میں قاضی اور گواہ بھی آگئے۔ اور ہمارا نکاح پڑھا گیا۔ اسکے بعد اس نے ایک وصیت تیار کرائی جسکے رو سے اپنے تمام مال و املاک کا مجھے وارث ٹھہرایا۔ گواہوں نے دونوں کاغذوں پر گواہی کرکے اپنا اپنا راستہ لیا۔ ان کے چلے جانے کے بعد وہ بی بی جو اب میری زوجہ تھی اٹھی اور ایک صندوق کی طرف اشارہ کرکے اسے کھلوایا۔ اور مجھ سے کہنے لگی۔ کہ دیکھو۔ اس میں کیا پڑا ہے۔ میں نے دیکھا تو وہی میری تھیلیاں تھیں جو میں آجتک اسکے گھر میں لاکے رکھ جاتا تھا۔ اور کہنے لگی میں نے تمہارا سب مال جوں کا توں رکھا ہوا ہے۔ اسے دیکھ لو۔ اور اب میری دولت بھی تمہاری ہی ہے۔ اس رات ہم دونوں انہی باتوں میں مشغول رہے۔ اسکے بعد پورا ایک مہینہ تک ہم نے بڑے مزے سے زندگی بسر کی۔ مگر وہ ہر روز مجھے کہتی تھی۔ کہ میری محبت میں تم نے جو جوانمردی دکھائی ہے اسکے عوض اگر میں اپنی جان بھی تم پر سے قربان کروں تو بہت تھوڑی ہے۔ اسکے بعد وہ یکایک بیمار پڑ گئی۔ ضعف دن بدن بڑھنے لگا حتیٰ کہ پندرہ روز کے عرصہ میں بیچاری گھل گھل کے تمام ہو گئی۔ یہانتک بیان کرکے نوجوان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور بولا۔ کہ مجھے اس کی موت کا ایسا صدمہ ہوا کہ میں سب کچھ بھول گیا۔ مگر پھر سنبھل کر اسکی جائداد اور املاک کو ٹھکانے لگانے کا فکر کیا تاکہ اور ملکوں کی سیاحت سے دل بہلاؤں۔ یہ تلوں کا ذخیرہ بھی اسی کا تھا جو میں نے تمہاری معرفت بیچا ہے۔ اور چونکہ تم نے بڑے درد سے میرے ہاتھ کٹنے کا قصہ دریافت کیا ہے۔ اسلئے اب میں وہ ساڑھے چار ہزار درہم تمہیں ہی بخشتا ہوں میں نے اسکا شکریہ ادا کیا۔ اور وہ کہنے لگا۔ کہ آؤ تم بھی میرے ساتھ کسی دوسرے ملک کو چلو میں نے اسے قبول کیا اور ہم دونوں ایک اچھا دن مقرر کرکے زادراہ اور اسباب تجارت لیکر وہاں سے نکلے۔ ایک مدت تک ملکوں ملکوں میں پھرتے رہے۔ حتیٰ کہ وہ جوان فارس کو چلا گیا۔ اور میں آپ کے شہر میں آگیا والا جان! کیا یہ قصہ آپ کے کبڑے کے قصے سے عجیب تر نہیں ہے!؟ بادشاہ نہایت خفا ہوکر بولا۔ بے حیا آدمی!! کیا تم اس جوان فاسق کے قصے کو ہمارے کبڑے مسخرے کی سرگذشت

ہوا۔ مگر مجھے نیند کہاں تھی؟ تھوڑی دیر بعد رات کے کھانے کا وقت آگیا۔ اور میری محبوبہ نے مجھ پر
اصرار کیا۔ کہ کچھ کھاؤ۔ میں نے جواب دیا۔ تمہارے سر کی قسم میرا کچھ کھانے کو جی نہیں چاہتا اور یہ
بہانہ محض اسلئے تھا کہ میرا ہاتھ کٹا ہوا وہ بی بی نہ دیکھ لے۔ مبادا وجہ پوچھ بیٹھے اور مجھے
شرمساری اٹھانی پڑے۔ اُس نے کہا۔ اچھا تھوڑا سا شراب ہی نوش کر لو۔ میں دیکھ رہی
ہوں کہ تم شکستہ خاطر ہو رہے ہو۔ اور شراب پینے سے غم و الم سے تو چھٹکارا ہوگا۔ ناچار
اُسکا کہنا مان کر میں نے کہا لاؤ۔ تمہاری خاطر سے ایک آدھ قدح لے لیتا ہوں۔ یہ سنکر وہ
شراب کا ایک گلاس بھر لائی۔ میں نے اُسے بائیں ہاتھ سے لیا اور روتے روتے چڑھا گیا۔
میری یہ حالت دیکھکر وہ پھر رہ نہ سکی۔ اور التجا کر کے پوچھنے لگی۔ میرے پیارے تم سچ
سچ کیوں نہیں بتلاتے۔ کہ تمہیں کیا تکلیف ہے۔ اور آج خلاف معمول بائیں ہاتھ سے کیوں
پیالہ اٹھایا ہے۔ میں نے جواب دیا۔ بیگم صاحبہ! میرے دائیں ہاتھ پر پھوڑا نکل آیا ہے۔
جس سے مجھے سخت تکلیف ہو رہی ہے۔ اُس نے کہا ذرا مجھے بھی تو دکھاؤ۔ کہ اُس پر کوئی دوا
لگادوں۔ میں نے کہا یہ دوائی کا وقت نہیں اور میں اس وقت اسے ننگا بھی نہیں کر سکتا
کل ہی۔ پھر میں نے ایک قدح اور چڑھا لیا۔ اور اسی طرح پیالے کے پیالے خالی کئے۔
یہانتک کہ نیند نے مجھے آگھیرا۔ میری محبوبہ نے یہ دیکھکر میرے دائیں ہاتھ پر سے کپڑا
اٹھایا اور دیکھا۔ کہ وہ کٹا ہوا ہے۔ پھر میری جیب کو ٹٹولا۔ تو اُس میں بیس اشرفیوں کی
ایک تھیلی پائی۔ یہ دیکھکر وہ سخت غمگین ہوئی اور بیچاری نے ساری رات تڑپ کر کاٹی۔
جب صبح ہوئی اور میں خواب سے بیدار ہوا۔ اُسنے فوراً اپنے نوکروں سے چار بٹیروں کا
گاڑھا شوربا تیار کرکے مجھے پلوایا۔ پھر میں نے وہ تھیلی رکھدی۔ اور آپ چلنے کا ارادہ کیا
وہ پوچھنے لگی۔ آپ کہاں جائینگے۔ میں نے کہا۔ اپنے ڈیرے پر۔ وہ کہنے لگی۔ ٹھہرو۔ میں اس
حال میں تمہیں نہیں جانے دونگی۔ اور اگرچہ تم نے بھی کچھ نہیں بتایا۔ مگر میں سب کچھ جانتی
ہوں۔ اور مجھے معلوم ہے۔ کہ تمہارے دائیں ہاتھ کے کٹنے کا بھی میں ہی سبب ہوں۔ تیری
محبت کا مجھے تجربہ ہو گیا کہ تو نے اسی کے پیچھے سبھی کچھ صرف کر ڈالا حتیٰ کہ مال و دولت
دیکر اپنا ہاتھ بھی میرے لئے کٹوا دیا۔ اسکے عوض میں میں اگر تم پر سے اپنی جان بھی واروں

سواری روک لی۔ اور سپاہی سے پوچھا۔ کیا بات ہے؟ اُسنے جواب دیا۔ حضور یہ چور ہے۔ اس
نے میری جیب سے بیس اشرفیوں کی تھیلی نکال لی ہے۔ قاضی نے پوچھا۔ تیرے ساتھ بھی
کوئی تھا۔ اُسنے جواب دیا۔ نہیں۔ یہ سُنکر قاضی نے اپنے پیادے کو حکم دیا کہ میری تلاشی
لے۔ پیادے نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ اور بیس اشرفیوں کی تھیلی میری جیب سے باہر نکالکر
رکھدی۔ قاضی نے اُس سے تھیلی لے لی۔ اور اشرفیوں کو گن کر مجھ پر کمال غضبناک ہوا اور
مجھ سے پوچھنے لگا۔ سچ بتا دو۔ کیا تم نے اس تھیلی کو چُرایا تھا۔ یہ سُنکے مینے سر نیچا کر لیا اور
سوچنے لگا کہ انکار سے گناہ ظاہر ہوتا ہے۔ اور اقرار کرتا ہوں تو جرم ثابت ہوتا ہے
مگر آخرکار دل نے یہ رائے دی۔ کہ اقرار ہی کر دو۔ مینے فوراً سر اُٹھایا اور کہدیا۔ کہ ہاں
صاحب مینے اسے چُرایا ہے۔ قاضی حیران رہ گیا۔ مگر انصاف سے مجبور تھا۔ ناچار جلاد
کو حکم دیا کہ میرا داہنا ہاتھ اور پاؤں کاٹ دے۔ جب جلاد نے ہاتھ کو کاٹ ڈالا۔ سپاہی کو
مجھ پر بڑا رحم آیا۔ اور اُس نے گڑگڑا کر سفارش کی کہ اب پاؤں کاٹنے سے معاف کیا جائے
یہ سُنکر قاضی نے بھی مجھے چھوڑ دیا۔ میرا حال متغیر ہو رہا تھا۔ اسلئے لوگوں نے مجھے شراب
کا پیالہ لا دیا۔ کہ میرے حواس باختہ زائل نہ ہو جائیں۔ اور اُس سپاہی نے بھی وہ تھیلی مجھے
بخشدی۔ اور کہنے لگا میں جانتا ہوں تو چور نہیں۔ بلکہ کسی ضرورت سے مجبور ہو کر تو نے
ایسا کام کیا ہے۔ مینے اُس سے تھیلی لے لی۔ اور جواب دیا کہ گردش روزگار نے درحقیقت
مجھے ایسا فعل قبیح کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ورنہ میں چور نہیں۔ اور نہ ہی چور کا بھائی ہوں۔
یہ سُنکر سپاہی نے اپنا راستہ لیا اور تھیلی کو مینے جیب میں کیا اور وہاں سے چلکر بمشکل
تمام اپنے تئیں اپنی محبوبہ کے محل کے دروازے پر پہنچایا۔ اور ایک لڑکی مجھ سے پوچھنے
لگی۔ کیوں صاحب؟ آج آپ کا کیا حال ہے؟ مینے جواب دیا۔ میرے سر میں درد ہو رہا ہے
اور آج کچھ طبیعت بھی بدمزہ سی ہے۔ اُسے یہ جواب دیکر آپ آگے بڑھ کر پلنگ پر لیٹ رہا۔ اتنے میں
میری محبوبہ کو بھی خبر ہوئی۔ وہ دوڑی آئی۔ اور پوچھنے لگی۔ آج تمہارا کیا حال ہے؟ مینے اس
سے بھی وہی بہانہ کیا۔ مگر اُسنے کہا۔ تم بہانے نہ کرو۔ مجھ سے اصلی ماجرا بیان کرو۔ مگر شرمندگی
کے مارے مجھ سے کچھ حال نہ کہا گیا۔ ناچار وہ مجھے کچھ دوائی وغیرہ دیکر اور یہ کہہ کے چلی گئی کہ ذرا لیٹ

رخصت کیا۔ جب گدھے والے نے اپنی راہ لی۔ میں اپنا حساب لینے کے لئے شہر کو چلدیا اور اُدھر سے فراغت پاکر انواع واقسام کے کھانے اور تحائف خرید کئے۔ حتیٰ کہ وعدے کا وقت قریب آگیا۔ اتنے میں وہ گدھے والا بھی آگیا۔ اور سب سامان گدھے پر لدوا کر پچاس دینار کی تھیلی جیب میں کی اور کوچہ یار کی طرف چل پڑا۔ حسب معمول رات بڑے عیش و عشرت سے کٹی۔ اور صبح کے وقت بستر کے نیچے وہ دوسری تھیلی رکھ کے رخصت لی۔ غرض ایک مدت اسی طرح سے گذر گئی۔ میں ہر روز نئے نئے تحائف اس بی بی کے لئے خریدتا۔ اور شام پچاس دینار کی تھیلی ساتھ لیجاتا۔ رات مزے میں کاٹ کر تھیلی بستر کے نیچے رکھ آتا۔ جب میری جیب میں پھوٹی کوڑی بھی نہ رہی تو فکروں نے چاروں طرف سے آگھیرا۔ کہ یہاں ہے یار و غمگسار عجب مصیبت آپڑی نہ پاس پیسہ ہے اور نہ ہی کوئی مددگار ہے۔ میرے دوست! غریب الوطن میں بیکسی اور مفلسی کے وقت جس قدر دقت اور تکلیف کا سامنا ہوتا ہے۔ اسکا آپ اچھی طرح سے اندازہ کر سکیںگے۔ غرض میں بڑا گھبرایا کہ اگر آج اس بی بی کے گھر نہ جاسکا تو نہ جانے وہ دل میں کیا خیال کریگی۔ اور اگر جاتا ہوں تو خالی ہاتھ جانا وضعداری کے خلاف ہے۔ انہی خیالات میں سرائے سے چل نکلا اور اپنی محبوبہ کی گلی کے قریب ہی جا پہنچا۔ وہاں پہنچکر کیا دیکھتا ہوں۔ کہ خلقت کے ہجوم کے باعث گلی کا راستہ بند ہو رہا ہے۔ میں بھی وہاں ٹھہر گیا۔ قضا کا اتنے میں ایک سپاہی گھوڑے پر سوار میرے پاس سے گذرا۔ میں نے دیکھا۔ کہ اسکی جیب میں اشرفیوں کی تھیلی پڑی ہے اور تھیلی کا دھاگا باہر لٹک رہا ہے۔ میں نے موقعہ کو غنیمت سمجھکر جھپٹا مارا۔ اور تھیلی نکال اپنی جیب میں رکھ لی۔ لیکن سپاہی کو بھی میری کرتوت معلوم ہو گئی۔ پہلے تو اسنے اپنی جیب کو ٹٹولا۔ پھر تلوار کا ایک ہولا مجھے مارا۔ میں فوراً زمین پر گر پڑا۔ لوگ اکٹھے ہو گئے اور مجھے بیگناہ تصور کر کے سپاہی کے گھوڑے کی لگام تھام لی۔ کہ بتا تو نے اس غریب کو کیوں مارا ہے۔ وہ چلایا کہ یہ میرا چور ہے۔ یہ سنکر میں اٹھا۔ اور میرے کانوں میں مختلف آوازیں آنے لگیں۔ کوئی کہتا تھا کہ یہ بیگناہ ہے کسی کے منہ سے نکلتا تھا۔ کہ نہیں بھولی صورت پر نہ جانا چاہئے۔ مگر عام رائے میری بیگناہی کی طرف مائل تھی۔ اسلئے مجھے اس سے چھین کر چھڑانا چاہتے تھے۔ کہ اتنے میں قاضی شہر بھی وہاں آپہونچا۔ اور خلقت کا ہجوم دیکھ کر

میں اُنکے ساتھ ہولیا۔ اور اندر جاکے ایک بہت خوبصورت بارہ دری دیکھی۔ جس کے ارد گرد نہایت نفیس جالی کا کام ہورہا تھا۔ اسکے سوا ایک پائیں باغ بھی تھا۔ جس میں رنگا رنگ کے پھولدار اور پھلدار درخت لگے تھے۔ نہر چل رہی تھی۔ فوارے چھوٹ رہے تھے اور پرندے راگنیاں گا رہے تھے۔ پھر وہ لڑکیاں مجھے ایک اور خوبصورت مکان میں لیگئیں جسکی چھت پر طلائی کام ہورہا تھا۔ اور درمیان میں لاجورد کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ اسکا فرش سنگ مرمر کا تھا۔ میں وہاں ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور ایک لڑکی نے اپنی بیگم کو میرے آنے کی خبر دی۔ وہ فوراً شاہانہ لباس پہنے اسی کمرے میں تشریف لے آئی۔ جہاں میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور دوڑ کے مجھے گلے لگا لیا اور ہنس کے پوچھنے لگی۔ آہا میں خواب دیکھ رہی ہوں یا فی الحقیقت ہی تم نے میرے غریب خانہ کو رونق بخشی ہے۔ میں نے عرض کیا صاحبہ! میں تو آپ کا غلام ہوں۔ وہ بولی میرے صاحب! جس دن سے میں نے آپ کو دیکھا ہے۔ نہ سونے کی لذت رہی ہے اور نہ کھانا اچھا لگتا ہے۔ میں نے جواب دیا۔ بیگم صاحبہ! آپ کی جدائی میں میرا حال اس سے بھی بدتر ہورہا ہے۔ پھر وہ میرے پاس ہی بیٹھ گئی اتنے میں دسترخوان بچھا گیا۔ اور لونڈیوں نے امیرانہ کھانا سامنے رکھ دیا۔ ہم دونوں نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔ اور سارا دن پیار و محبت کی باتوں میں مشغول رہے۔ جب رات ہوئی تو پھر لونڈیوں نے رات کا کھانا سامنے لا رکھا۔ میں سچ کہتا ہوں۔ وہ کھانا اس تکلف کا تھا۔ کہ میں اپنا گھر بھول گیا۔ غرض کھانا کھا کر شراب ناب کا دور چلنے لگا اور اسی طرح آدھی رات تک ہم رنگ رلیوں میں مشغول رہے۔ ہماری باتوں کا سلسلہ ٹوٹتے ہی نہ آتا تھا حتٰی کہ رات زیادہ گذر جانے کے سبب ہم سونے پر مجبور ہوگئے۔ اس رات کے لطف کا میں آپ سے بیان نہیں کرسکتا۔ غرض صبح ہوئی۔ اور میں نے وہ پچاس دینار اسکی تکیہ کے نیچے رکھکر با دل گریاں اپنی محبوبہ سے رخصت طلب کی۔ وہ بھی رو پڑی۔ اور کہنے لگی میں پھر کب آپ کے خوبصورت چہرے کو دیکھونگی۔ میں نے کہا۔ میں شام کو ضرور حاضر ہونگا یہ کہکر باہر آیا اور دیکھا۔ کہ گدھے والا میرا منتظر کھڑا ہے۔ میں گدھے پر سوار ہو کر سرائے میں آیا۔ اور اسے نصف دینار دیکر غروب آفتاب کے وقت پھر آنے کی ہدایت کرکے

کی کیا ضرورت تھی؟ بولی میں نے جھوٹا وعدہ تو نہیں کیا۔ میں نے گیارہ سو درہم اٹھا لئے اور اس سے باتوں میں مشغول ہو گیا اور باتوں ہی باتوں میں اپنی محبت اور بیقراری کا حال بھی ظاہر کر دیا وہ بے کچھ جواب دیئے وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی اور یہ جا وہ جا بہت دور نکل گئی مگر میرا دل بھی اسکے ساتھ ہی تھا۔ مجبور ہو کر اس دوکان سے اٹھا اور اس کے نقش پا پر چلتا گیا۔ ابھی تھوڑی دیر چلا تھا کہ ایک لونڈی نے آ کے میرے کندھوں پر ہاتھ رکھ دئے میں نے مڑ کے دیکھا تو اسی بی بی کی لونڈی تھی۔ میں بڑا حیران ہوا۔ لونڈی بولی۔ صاحب! میری بی بی آپ کو یاد کر رہی ہے۔ میں اسکے ساتھ ہو لیا۔ اور وہ مجھے صراف کی دوکان پر لے گئی جہاں اسکی بی بی کھڑی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ میری طرف متوجہ ہوئی۔ اور کہنے لگی۔ صاحب! آپ کی محبت نے میرے دل میں بھی قرار پکڑ لیا ہے۔ اور جب سے میں نے آپ کو دیکھا ہے۔ کھانا اور سونا تک بھی بھول گیا ہے۔ میں نے جواب دیا۔ بیگم صاحبہ! اس سے دگنی بری حالت میری ہو رہی ہے۔ مگر میں شکایت نہیں کرتا۔ وہ کہنے لگی اچھا۔ تو یا تم میرے ساتھ چلو یا میں تمہارے ہاں چلتی ہوں۔ میں نے جواب دیا کہ میں آپ کے شہر میں مسافرانہ ایک سرائے میں ٹھہرا ہوا ہوں۔ اور وہ جگہ آپ کے لائق نہیں۔ البتہ اگر آپ کے دولتخانہ کا پتہ ہو۔ تو وہاں حاضر ہو سکتا ہوں۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ کل نماز کے بعد کوچہ حبانیہ میں پہنچ کر بی بی تمام کے محل کا پتہ پوچھ لیجو۔ میں وہیں رہتی ہوں۔ مگر دیر نہ کرنا۔ میں انتظار میں رہونگی۔ ان باتوں کے بعد ہم نے اپنا اپنا راستہ لیا۔ اور میں سرائے خان مسرور میں پہنچ کر لیٹ رہا۔ رات بڑی مشکل سے جاگ کر گذاری۔ جب صبح ہوئی میں اٹھا۔ اور کپڑے بدلکر عطر لگایا۔ اور پچاس دینار کی تھیلی جیب میں ڈالکر اسی خاتون کے گھر کا راستہ لیا۔ راہ میں ایک گدھا سواری کے لئے کرایہ پر لیا اور گدھے والے نے بہت جلد مجھے منزل مقصود پر پہنچا دیا۔ میں نے اسے چوتھائی دینار دیکے کہا۔ کل اسیوقت سواری سمیت یہاں آ جائیو۔ اور مجھے واپس لے چلیو۔ بہت خوب کہکر گدھے والے نے اپنا کرایہ لیا۔ اور چلتا بنا۔ میں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے دو چھوٹی چھوٹی ماہ پارہ لڑکیاں نکلیں۔ اور مجھ سے کہنے لگیں چلئے صاحب ہماری بیگم صاحبہ آپ کو بہت یاد کر رہی ہیں۔ بلکہ رات بھی بیقراری ہی میں کاٹی ہے

نے بہت پسند کیا۔ اور کہنے لگی۔ کہ کل تک کی مہلت ہو۔ تو میں کل اسکی قیمت بھجوا دوں گی۔
بدرالدین میری طرف اشارہ کرکے بولا۔ بیگم صاحبہ! یہ تھان اس نوجوان کا ہے۔ مجھے
تو کوئی عذر دینے میں نہیں۔ مگر اس سے میری شرط یہ ہے۔ اس ہفتہ میں آج تک
جو کچھ بکا ہو۔ میں اسے قیمت دیدوں۔ یہ سنکر اس بی بی نے کہا۔ تم لوگ بڑے بدلحاظ
اور طوطا چشم ہو۔ آجتک میں تمہیں سو ما تا منافع دیتی رہی ہوں۔ اور آج ایک نکمی سی
بات کے لئے سب کچھ بھول گئے۔ یہ کہکر تھان پھینک وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ جب
مینے دیکھا۔ کہ اب وہ چلی ہی جائیگی۔ تو مینے آواز دی۔ بیگم صاحبہ! ذرا تشریف لایئے۔
ایک تدبیر مینے نکالی ہے۔ تھان لیتی جایئے۔ وہ ہنستی ہوئی لوٹ آئی۔ اور تھان اٹھا کے
مینے اس کے حوالے کر دیا۔ کہ آپ اسے لیجائیں۔ اور قیمت دیں یا نہ دیں۔ اور بدرالدین
سے کہا۔ کہ ایک ہزار درہم کی رسید مجھ سے لیلو۔ اور ایک سو درہم اپنے منافع کا میرے
حساب میں لکھ لو۔ یہ سنکر وہ خوش ہوگئی۔ اور مجھے دعا دی۔ مینے کہا۔ صاحب! ذرا
اپنی صورت تو ایک نظر دکھا دیجئے۔ وہ مسکرائی اور برقعہ اٹھا کر میری عقل کو زائل کر دیا
پھر جھٹ پٹ اس نے برقعہ اوڑھ کر اپنی راہ لی۔ اور مجھ سے کہتی گئی۔ صاحب آپ
اطمینان رکھیئے گا اسکی قیمت آپکو آج شام تک مل جائیگی۔ وہ تو یہ کہکر چلی گئی۔ مگر
اس کی محبت میں میرا حال برا ہو رہا تھا۔ پھر مینے تاجر سے پوچھا۔ تم اس بی بی کی نسبت
کچھ اور بھی جانتے ہو۔ وہ بولا۔ یہ ایک امیرزادی ہے۔ اس کا باپ مر چکا ہے۔ اور
یہ بہت بڑی جائداد کی مالک ہے۔ یہ سنکر مینے بدرالدین سے اجازت لی۔ اور سرائے
کو چلا آیا۔ اسی حال میں رات بھی آگئی۔ میرا کھانے کو جی نہ چاہتا تھا۔ ناچار مینے سر کو
لپیٹ لیا اور پڑ گیا۔ اور ساری رات تڑپ کر کاٹی۔ بڑی مشکل سے صبح ہوئی۔ اور میں
حمام کرکے لباس پہنکر اور کھانا کھا کے بدرالدین کی دوکان کو روانہ ہوا۔ وہاں بیٹھے زیادہ
دیر نہ ہوئی تھی۔ کہ اتنے میں وہی بی بی لونڈیوں کے جھرمٹ میں وہاں آگئی۔ اب کے
اس نے کل سے بیش قیمت لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر میں سلام کے لئے
اٹھا۔ وہ میرے پاس ہی بیٹھ گئی۔ اور کہنے لگی۔ یہ لو اپنی قیمت۔ مینے کہا۔ ایسی جلدی

جس کا نام سرائے خان مسرور ہے۔ رات بھر وہاں آرام کرکے اگلے دن میںنے بازار کا رخ کیا۔ کہ شہر کا رنگ ڈھنگ دیکھوں۔ اور اسباب کی گٹھڑیوں سے تھوڑے تھوڑے قیمتی تھان نکلوا کر اپنے غلاموں کے سروں پر رکھوا لیئے۔ جب میں چوک میں پہنچا۔ دلالوں نے مجھے آگھیرا۔ اور میںنے انہیں نمونے دیکر اسباب بیچنا شروع کیا۔ وہ سامان بہت جلد بک گیا۔ اور میں شہر کی سیر کرتا ہوا سرائے کو چلا آیا۔ اسی طرح ہر روز کچھ سامان لیجاتا اور وہاں بیچکے چلا آتا۔ لیکن ہر روز کے آنے جانے کی مجھے بڑی تکلیف تھی۔ اسلیئے دلالوں کے سردار نے مجھے صلاح دی۔ کہ اگر تم ہم پر اعتماد کرو۔ تو ایک ہی دن سارا سامان لاکے شہر کے بڑے بڑے تاجروں کو دے جاؤ۔ اور ہفتہ میں دو دن آکے اپنا حساب لیجایا کرو۔ اس طرح سے تمہارا اسباب بھی اچھے داموں پر بک جائیگا اور بیچنے والوں کو بھی فائدہ ہوگا۔ اور تم شہر اور اس کے مضافات کی سیر و سیاحت کے لیئے بھی کافی وقت پا سکوگے میںنے اس رائے کو پسند کیا۔ اور دلالوں کو اپنے ساتھ سرائے میں لیجا کر انکی معرفت سارا مال شہر کے سوداگروں کو دیدیا۔ اور ان سے تمسک لکھوا لیئے۔ شرط یہ ٹھہری کہ ایک ماہ تک ان سے کچھ نہ پوچھوں۔ اور ایک مہینہ بعد ہفتہ میں دو دفعہ پیر اور جمعرات کو فروخت و بقایا کا حساب کر آیا کروں۔ یہ فیصلہ کرکے میں اپنے ڈیرے پر آکر عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا۔ اور دل کھول کر قاہرہ کی سیاحت کی۔ جب وہ مہینہ گذر گیا۔ میںنے حسب قرارداد پیر اور جمعرات کو اپنی اسامیوں کے جاکر تقاضا کرنا شروع کیا۔ ایکدن میں حمام کرکے اور کپڑے بدلکر ایک تاجر کی دوکان پر جس کا نام بدر الدین بستانی تھا بیٹھا ہوا تھا۔ کہ وہاں ایک عورت آگئی۔ جس کے لباس فاخرہ سے شان امارت ٹپکتی تھی۔ اور آتے ہی بدر الدین کو سلام کیا۔ بدر الدین نے بھی بڑی عزت سے جواب سلام کا دیکر اسے بیٹھنے کو کہا۔ وہ بڑے ناز و انداز سے میرے پاس بیٹھ گئی۔ جس سے میرا دل اسپر لٹو ہو گیا۔ اور جب اس نے منہ سے برقعہ کی جالی ہٹائی۔ اس کے چاند سے رخساروں اور سحر آمیز آنکھوں کو دیکھکر تو میرے حواس ٹھکانے نہ رہے پھر اس بی بی نے بدر الدین سے زر بافت کا ایک تھان بڑھیا میل کا طلب کیا۔ بدر الدین نے فوراً ایک تھان گیارہ سو درہم کا نکالکر اس بی بی کے سامنے رکھ دیا۔ جسے اس بی بی

رہتا ہوں۔ یہ کہکر تلوں کا نمونہ مجھے دیکے وہ جوان وہاں سے چلدیا۔ میں وہ نمونہ لیکے سوداگروں کے پاس گیا۔ اور انہوں نے فی من ایکسو دس درہم دینے قبول کر لئے۔ میں بہت خوش ہوا۔ کہ بلا مشقت خاصہ منافع ہوگیا۔ پھر میں خریداروں کو ہمراہ لیکے اس جوان کے بتائے ہوئے پتہ پر گیا۔ آگے وہ میرا منتظر بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھکر اٹھا اور ذخیرے کی طرف لیچلا۔ گودام میں جاکر ہم نے سارے تل طلوائے۔ کل پچاس من اترے۔ مینے انکی قیمت کے پانچہزار درہم گن کے جوان کے سامنے ڈھیر کر دئے۔ وہ بولا۔ پانسو درہم تم اپنی حق دلالی علیحدہ کر لو۔ اور چار ہزار پانسو درہم میری امانت اپنے پاس رکھو جب ضرورت ہوگی لے لونگا۔ مینے جواب دیا۔ بہت اچھا۔ اس سودے کے ہو چکنے کے بعد میں اس سے وداع ہو آیا۔ اور پھر ایک مدت تک میں نے اسے نہ دیکھا۔ ایکدن مہینہ بھر بعد یکایک وہ میری دوکان پر آکھڑا ہوا مینے کہا ذرا ٹھہرئے ابھی حاضر کئے دیتا ہوں۔ اسنے جواب دیا۔ خیر اپنے پاس ہی رکھو۔ یہ کہکر وہ چلتا بنا اور پورا ایک مہینہ غائب رہا۔ اسکے بعد وہ دوبارہ آکے اپنی امانت طلب کرنے لگا۔ مینے کہا صاحب ذرا اترئے۔ کھانا کھائیے۔ ابھی آپکی امانت حاضر ہوئی جاتی ہے۔ مگر وہ پھر چپ چاپ چلدیا ایک مہینے کے بعد پھر آیا۔ اب کے وہ پہلے سے بیش قیمت فاخرہ لباس پہنے تھا۔ مینے عرض کی۔ میرے صاحب! آج تو میرے گھر پر قدم رنجہ فرمائیے۔ جوان نے اس شرط پر اترنا قبول کیا۔ کہ میں کوئی تکلیف نہ کروں۔ مینے اسے منظور کیا اور گھر لاکر بڑی الفت سے اسے کھانا کھلایا اس عرصے میں مینے بڑے تعجب سے دیکھا کہ وہ جوان دہنے کی جگہ بائیں ہاتھ سے لقمہ اٹھاتا تھا جب ہم کھانے سے فراغت پا چکے مینے اس سے اس کی وجہ پوچھی۔ یہ سنکر اس نے ایک آہ سرد بھری۔ اور داہنا ہاتھ آستین سے نکال کر دکھایا۔ وہ کلائی سے کٹا ہوا دیکھکر مجھے بڑا تعجب ہوا۔ اس نے کہا۔ صاحب! تعجب نہ کرو۔ مینے ہاتھ کے کٹے ہونے کا سبب دریافت کیا۔ جوان بولا۔ میرا قصہ بڑا عجیب ہے۔ میں بغداد کا رہنے والا ہوں۔ اور میرا والد وہاں کا خوشحال رئیس تھا۔ میں سیاحوں اور تاجروں سے ہمیشہ مصر کی خبریں سن سنکر مشتاق سیاحت ہوا کرتا تھا۔ کچھ عرصے کے بعد میرا باپ مرگیا۔ اور میں بہت سی جائداد کا وارث بنا جسے بیچکر مینے مصر کا ارادہ کیا۔ وہاں سے سامان تجارت لیکر قاہرہ میں آپہنچا۔ اور ایک سرائے میں ٹھہر گیا

تصویر دربار شاہی کی معہ کبڑے اور حکیم یہودی اور سوداگر نصرانی اور درزی کے



بادشاہ سب حکایت سُنکر بڑا حیران ہوا۔ اور حاضرین دربار سے مخاطب ہوکر بولا۔ تم میں بھی کسی نے ایسی سرگذشت سنی ہے۔ یہ سُنکر نصرانی سوداگر آگے بڑھا۔ اور عرض کی کہ اگر حضور انور ارشاد فرمائیں۔ تو میں اپنی سربیتی سناؤں۔ جو یقیناً اس سے عجیب تر اور دلچسپ ہے بادشاہ نے اجازت دی اور نصرانی سوداگر نے زمین خدمت کو بوسہ دیکر یوں عرض کرنا شروع کیا۔ یا حضرت! میرا مولد مصر دارالسلطنت قاہرہ ہے۔ اور تقدیر عجیب طریقے سے مجھے آپ کے ہاں لے آئی ہے۔ میرا باپ دلال تھا جب وہ مرگیا مینے بھی وہی پیشہ اختیار کرلیا اور اس پیشے میں مجھے خاص آمد ہوتی تھی۔ ایکدن میں اپنی دوکان پر بیٹھا ہوا تھا۔ کہ ایک خوبصورت نوجوان لباس فاخرہ پہنے ہوئے میرے پاس آیا۔ وہ اسوقت ایک بیش قیمت خچر پر سوار تھا آتے ہی اس نے مجھ سے السلام علیک کہی مینے بھی جواب سلام کا بڑی شائستگی سے دیا اور تعظیم کے لئے اٹھ کھڑا ہوا وہ میرے پاس بیٹھ گیا۔ اور تلوں کا نمونہ دکھایا کہ یہ تل یہاں پر کس بھاؤ سے بک سکینگے مینے فوراً جواب دیا۔ ایک سو درہم فی من کے سکینگے۔ جوان یہ سُنکر بولا اگر کوئی خریدار ہو تو اُسے میرے پاس باب العمر کے پیچھے لے آنا۔ وہاں میں ایک سرائے میں

وہ یہودی حکیم نظر آیا۔ اور چلا کر بولا۔ بھائی جلاد! یہ مودی بھی بیگناہ ہے۔ اس کبڑے کا
قاتل میں ہوں۔ ذرا ٹھہر جاؤ۔ جلاد حیران ہو کر اسے بھی حاکم کی خدمت میں لیگیا اور یہودی
حکیم نے ساری سرگذشت سنا کر عرض کیا۔ خداوند! میں نہیں چاہتا کہ میرے سبب سے ایک
دوسرا بے گناہ بھی مارا جائے۔ حاکم بولا! اچھا تو اسے ہی سہی۔ ایک کے عوض ایک کی
جان ضرور جائے گی۔ جلاد نے فوراً پھانسی کا رسہ مودی کی گردن سے نکال کر حکیم جی
کے گلے میں ڈالدیا۔ اور اُنکی حکمت کا خاتمہ ہوا ہی چاہتا تھا۔ کہ پھر ایک طرف سے شور وغل
کی آواز آئی۔ دیکھا تو وہی درزی جلاد کو پکار رہا تھا کہ میاں! ذرا ایک ٹھہر جاؤ حکیم بیگناہ
مارا جاتا ہے۔ اصلی قاتل میں ہوں۔ میاں جلاد اسے بھی حاکم کے پاس لیگیا۔ وہاں درزی
نے اپنی سرگذشت سناکے کہا۔ یا حضرت! حقیقی گنہگار میں ہوں۔ حاکم بڑا حیران ہوا۔ مگر
اس نے جلاد سے کہدیا۔ کہ اچھا درزی کا بخیہ ہی اُدھیڑ دو۔ کیونکہ خون کا عوض ہی عوض
ہو سکتا ہے۔ ابھی یہ لوگ انہی باتوں میں تھے کہ شاہی باڈی گارڈ کا افسر کئی سپاہیوں
کے ساتھ وہاں آ براجا۔ اور اس نے کبڑے کی لاش کو اٹھوا کر آگے رکھ لیا۔ اور درزی
حکیم۔ مودی۔ نصرانی کو بھی حراست میں لیکر بادشاہ کی خدمت میں لیچلا۔ اسکی وجہ
یہ تھی کہ وہ کبڑا شاہی مسخرہ تھا۔ اور اس کا معمول تھا کہ ہر روز صبح کو دربار شاہی میں حاضر
ہو کر بادشاہ کو اپنی باتوں سے خوش کیا کرتا تھا۔ جب اسدن خلاف معمول دیر ہوئی
تو بادشاہ نے اس کی غیر حاضری کی وجہ پوچھی۔ امرائے دربار نے عرض کیا۔ کہ کل
شام کو وہ شراب پی کر نکلا تھا اور آج صبح اس کی لاش پائی گئی۔ ایک نصرانی سوداگر
گرفتار ہوا تھا۔ جب حاکم شہر کے حکم سے جلاد اسے پھانسی دینے لگا تو یکے بعد دیگرے
تین شخص بھیڑ میں سے نکلے آگئے کہ اس شخص کے قاتل ہم ہیں۔ اب آخری شخص کے
حق میں پھانسی کا حکم صادر ہوا ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ فوراً جاؤ۔ اور حاکم سے کہو
کہ کبڑے کی لاش کے ساتھ چاروں اشخاص کو میری پیشی میں بھیجدے۔ جب وہ لاش
اور چاروں مجرم دربار شاہی میں حاضر ہوئے۔ اور حاکم شہر بھی آگیا تو بادشاہ نے
اس سے ساری کہانی دریافت کی۔ حاکم نے جو دیکھا سنا تھا حضور عالی کے گوشگزار کردیا

ساری کسر پوری کئے لیتا ہوں - یہ کہکر دو تین لاٹھیاں تڑا تڑ اُسکے سر پر جا دیں - غریب کبڑا بے بس ہو کر گر پڑا - سودی سمجھا کہ چور مر گیا - اب مجھ سے شاہی مواخذہ ہوگا - اور صبح کو میں پھانسی پر لٹکا یا جاؤنگا - پھر وہ پچھتانے لگا - کہ مینے کیوں چھوٹی سی بات کے لئے آج اپنے سر پر ایک بندہ خدا کا خون لیا - لیکن اب بچنے کی کوشش کرنی چاہئے - مبادا صبح ہو جائے اور میں دھر لیا جاؤں - یہ سوچکر اُسے کندھوں پر رکھ لیا - اور بازار میں لیجا کر ایک دوکان کے ساتھ کھڑا کر آیا - اتنے میں ان سے ایک نصرانی کا گذر ہوا - جو شراب کے نشے میں چور ہو رہا تھا - وہ نصرانی کام کے لئے جا رہا تھا جب کبڑے کے قریب سے گذرا - اسکا ہاتھ اُسسے چھو گیا - نصرانی نے نشے میں اُسے چور تصور کیا کہ گویا وہ اُس کی پگڑی اُچک لینے لگا ہے - اس خیال کے آتے ہی غریب کبڑے کی لاش کو وہ بے تحاشہ لات گھونسے مارنے لگا - اور گرا کر اوپر چڑھ بیٹھا - حتی کہ پولیس کی رونڈ آگئی اور رونڈ کے افسر نے یہ دیکھ کر کہ ایک نصرانی ایک مسلمان کو مار رہا ہے - اُسے گرفتار کر لیا اُس نے جب کبڑے کو دیکھا تو اُسے مُردہ پا کر وہ اور بھی خفا ہوا - اب تو نصرانی کا نشہ ہرن ہو گیا - اور وہ چلا چلا کر عیسیٰ مسیح کو شفیع قرار دینے لگا - کہ خدا کی قسم مینے اسے نہیں مارا مگر افسر رونڈ نے کچھ پرواہ نہ کی اور اسے حاکم شہر کے پاس لیگیا - حاکم نے حکم دیا - کہ صبح ہونے تک اُنہیں لیکر یہیں ٹھہرو - پھر جلادوں کو اشارہ کیا - کہ کل صبح نصرانی کے لئے سولی تیار کر کے شہر میں منادی کر دو - کہ ایک نصرانی سوداگر ایک کبڑے کو قتل کرنے کے عوض میں پھانسی دیا جائیگا - جسے دیکھنا ہو آکر دیکھے - جب صبح ہوئی اور منادی ہو چکی - تو اُس نصرانی کو سُولی کے قریب لا کھڑا کیا - اور جلاد اُس کے گلے میں رسی ڈالکر چاہتا تھا - کہ جھٹکا دے - استے میں بادشاہی مودی آگے بڑھا - اور پکار کر کہنے لگا - اے جلاد ذرا ٹھہر جا - اس کبڑے کا قاتل میں ہوں - یہ نصرانی بیگناہ ہے - اور میں نہیں چاہتا - کہ دو سرا خون بھی میرے ہی سبب سے ہو - جلاد اُسے حاکم شہر کے پاس لیگیا - اُس نے جواب دیا - کہ جب یہ شخص جرم قبولتا ہے تو نصرانی کی جگہ اس کو لٹکا دو - مقصد تو خون کے عوض سے ہے - جلاد نے اُس کے گلے میں سے رسی نکالکر مودی کے گلے میں ڈالدی اور چاہتا تھا کہ ایک ہی جھٹکے میں اسکا فیصلہ کر دے - کہ اتنے میں بھیڑ کو چیرتا ہوا

بھی اپنے خاوند کی تائید کی۔ پھر کبڑے کو کپڑے میں لپیٹ کر درزی نے اٹھا لیا اور اس کی عورت پیچھے پیچھے ہولی۔ جو شخص انہیں راہ میں پوچھتا اسے عورت جواب دیتی کہ میرا لڑکا چیچک سے بیمار پڑا ہے اور اس وقت اس کی حالت نازک ہو گئی تھی اسلئے اسے حکیم جی کے پاس لئے جاتے ہیں۔ غرض جس طرح ہوسکا وہ ایک یہودی طبیب کے دروازے پر پہنچ گئے اور دروازے کو زور سے کھٹ کھٹایا۔ اوپر سے ایک کالی کلوٹی لونڈی آئی اور دروازہ کھٹکھٹانے کا سبب پوچھا۔ عورت نے جواب دیا۔ بہن! میرا لڑکا چیچک سے سخت بیحال ہو رہا ہے۔ میں اسے حکیم جی کو دکھانا چاہتا ہوں۔ مہربانی کرو۔ اگر حکیم جی کو اوپر سے لا دو۔ ساتھ ہی ایک چوتھائی دینار اس کی مٹھی میں دیدیا۔ لونڈی خوش خوش الٹے پاؤں اوپر چڑھ گئی۔ حکیم کا دروازہ کھلا پاکر درزی کو موقعہ بڑا غنیمت معلوم ہوا۔ اور اپنی عورت سے کہنے لگا۔ آؤ۔ اسے یہیں چھوڑ کر چلدیں۔ عورت کو بھی یہ رائے پسند آئی۔ اور دونوں نے کبڑے کو دیوار کے سہارے کھڑا کرکے فوراً اپنی راہ لی۔ ادھر لونڈی نے اپنے آقا کے ہاتھ پر وہ ربع دینار رکھ کے کہا۔ دو شخص ایک مریض کو لئے نیچے کھڑے ہیں۔ ذرا نیچے جاکر انکی خبر لیجیے۔ حکیم جی ربع دینار دیکھ کر پھول گئے اور فوراً زینوں سے کھٹ کھٹ کرتے اتر آئے۔ آخری زینے پر پہنچکر اس کبڑے کو دھکا لگا۔ اور بیچارے کا جسم دھڑام سے زمین پر آرہا۔ یہ دیکھکر حکیم جی سنّے حواس لگے بیٹر اموفے اور وہ پکارنے لگے کہ حاشا و کلا میں نے دانستہ اس مریض کو نہیں مارا۔ مگر فوراً سنبھل گئے کہ اگر صبح ہونے تک یہ لاش یہیں پڑی رہی تو اپنی خیر نہیں۔ یہ سوچکر اپنی عورت کو بلایا۔ کہ بھلی مانس! اس بلائے ناگہانی کو کسی طرح سے سر سے ٹال۔ پھر دونوں نے صلاح کرکے اتفاق رائے کیا کہ اسے اپنے مسلمان ہمسایہ کے تلے والے کوٹھے میں لٹکا دینا چاہیے جو شاہی مودی بھی ہے۔ وہ آپ ہی اس کا بندوبست کریگا۔ یہ رائے قائم کرکے دونوں نے اس کبڑے کی لاش کو اٹھایا۔ اور روشندان کے راستے مودی کے گھر میں لٹکا کر بیکار ہو گئے۔ اس مودی کے گھر میں غلے کے سبب سے چوہوں کی کثرت تھی۔ حتیٰ کہ غریب مسلمان انکے ہاتھ سے تنگ آگیا تھا۔ اس رات کو جب وہ چراغ ہاتھ میں لئے اندر آیا۔ تو کبڑے کو اناج کی بخاری میں کھڑا دیکھ چکر رکھنا اور کہنے لگا کہ چوہوں پر میں ناحق کو شک کرتا تھا۔ بدذات تو ہی میری جنس چرا لیجایا کرتا ہے۔ مشہور تو نہ

الف لیلہ جلد دوم

درزی۔ کبڑے یہودی موودی اور نصرانی کی حکایت

اگلے دن جب صبح ہونے کو تھی۔ ملکہ شہرزاد نے شہریار سے اجازت لیکر۔ درزی۔ کبڑے یہودی موودی اور نصرانی کی حکایت یوں بیان کرنی شروع کی۔ کہ پچھلے زمانے میں چین کے کسی شہر میں ایک فارغ البال درزی رہا کرتا تھا۔ وہ اور اسکی زوجہ لہو ولعب کے بڑے شایق تھے۔ اور دنیا کے عجائبات کی سیر وسیاحت سے جی بہلایا کرتے تھے۔ ایکدن شام کے وقت وہ دونو کہیں کو جا رہے تھے کہ راستے میں ایک کبڑے کو دیکھ کر ٹھہر گئے۔ جو لوگوں کو ہنسا ہنسا کر دوہرا کر رہا تھا۔ یہ کیفیت ملاحظہ کرکے درزی نے فرمایش کی۔ کہ اگر آج رات ہمارے گھر پر بسر کرو تو بڑی عنایت ہوگی۔ کبڑے نے انکی دعوت کو رد کرنا خلاف آدمیت سمجھا۔ اور اٹھ کے انکے ساتھ ہولیا۔ گھر پہنچکر درزی نے کبڑے کو ایک آرام کی جگہ پر بٹھا دیا۔ اور آپ بازار سے کھانا لانے چلا گیا۔ جہاں سے مچھلی۔ روٹی۔ لیموں اور مٹھائی خرید کے وہ بہت جلد لوٹ آیا۔ پھر وہ تینوں دسترخوان پر بیٹھکر کھانا کھانے لگے۔ کبڑے کو مچھلی بہت بھائی۔ اور اس نے بلا تامل اٹھا اٹھا کے اسے نگلنا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی تعریف بھی کرتا تھا کہ میں نے عمر بھر میں ایسی لذیذ مچھلی کبھی نہیں کھائی۔ کہ اتنے میں یکایک خاموش ہوکے گر پڑا۔ بات یہ ہوئی کہ جلدی میں وہ کانٹا نہ نکال سکا۔ اور نہ ہی اسے نگل سکا۔ اسلئے کانٹا گلے میں اٹک گیا۔ اور سانس کی آمدورفت رک گئی۔ ان عورت خاوند کو بڑا فکر ہوا۔ کہ ہمنے بھی دعوت کی۔ کل جب دن نکلے گا اور عوام میں یہ خبر مشہور ہوگی۔ تو یقیناً مجھے خون بہا کے لئے پھانسی پر لٹکنا ہوگا۔ یہ سوچکر اسنے اپنی عورت سے کہا کہ آؤ جس طرح ہوسکے اس کی بجت کو راتوں رات گھر سے باہر نکال آئیں۔ وہ بھی متفکر ہو رہی تھی۔ اسلئے اسنے

بدر الدین نے اُسے پہچان کر کہا۔ آپ نے ہی میری دکان گرا دی۔ اور مجھے قید کر کے تکلیف دی۔ پھر کل سُولی کا حکم دیا تھا۔ محض اسلیئے کہ بینے مرچ سیاہ کیوں ناقص ڈالی تھی۔ شمس الدین بھی ہنس پڑا اور کہا بیٹا خدا کا شکر ہے۔ کہ میں تم کو صحیح و سلامت پاتا ہوں میں تمہارا چچا ہوں۔ اور جب مجھے معلوم ہوا کہ میری لڑکی کی شادی کُبڑے سائیس کی جگہ تمہارے ساتھ ہوئی ہے۔ تو مجھے خوشی ہوئی تھی۔ مگر تمہیں نہ پاکر ہمیں سخت پریشانی اُٹھانی پڑی۔ لیکن آمدن دمشق میں پاکر جو سلوک تمہارے ساتھ روا رکھا گیا وہ محض اسلیئے تھا۔ کہ اگر یک بیک تم پر حقیقت حال کا اظہار کر دیا گیا۔ تو تمہیں شادی مرگ نہ ہو جائے۔ پس اس ڈھنگ سے میں تم کو اپنے گھر لایا۔ اور وہ لڑکا جسنے تمہاری دوکان پر قلفیاں کھائی تھیں تمہارا ہی بیٹا ہے۔ اور اب میں تمہاری والدہ کو بھی خبر دیتا ہوں۔ جو ماہی بے آب کی طرح تمہاری یاد میں تڑپ رہی ہے۔ پھر اُسے وہ سرگذشت سنائی۔ جو نور الدین کی غریب الوطنی کا باعث ہوئی تھی۔ پھر وہ دونو رونے لگے۔ اور جب رو رو کر دل ہلکے ہو گئے تو بدر الدین کی والدہ اور عجیب کو بھی وہاں بلوا لیا گیا۔ وہ سماں نہایت ہی رقت خیز تھا۔ جب عجیب بدر الدین کے سامنے آیا۔ اور کہنے لگا۔ یہ تو وہی حلوائی ہے جسنے پتھر مارا تھا۔ شمس الدین نے کہا بیٹا! یہی تیرا باپ ہے۔ بدر الدین نے اُسے گلے لگایا اور بدر الدین کو اُسکی والدہ نے۔ پھر شمس الدین سلطان مصر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور سفر کا حال سنایا۔ بادشاہ اُس کے سُننے سے نہایت خوش ہوا۔ اور حکم دیا کہ اس تمام سرگذشت کو مورخ شاہی تاریخ میں لکھکر خزانہ میں رکھے۔ وزیر جعفر جب یہ قصہ تمام کر چکا۔ تو خلیفہ سے درخواست کی۔ کہ حضور اور میرے غلام کا قصور بھی معاف فرما دیں۔ چنانچہ خلیفہ نے اُس غلام کا قصور بھی معاف کر دیا اور اُس جوان کی بھی ایک لونڈی اُسکے ساتھ شادی کر کے جس نے دھوکے سے اپنی بی بی کو مار دیا تھا کچھ وظیفہ بھی اُسکے لیئے مقرر کر دیا۔ ملکہ شہرزاد یہ قصہ بیان کر کے بولی۔ خداوند! اب تو دن نکل آیا ہے اگر کل کی رات جان بخشی ہوئی۔ تو اس سے بھی عجیب تر قصہ بیان کروں گی۔ چنانچہ بادشاہ چپ چاپ دربار کو چلا گیا۔ اور آج بھی شہرزاد کے قتل کا حکم ملتوی کر رکھا * * * * *

جلد اوّل تمام ہوئی

میرے ساتھ قطلیاں کھائیں۔ میں نہیں جانتا وہ مجھے کیوں پیارا لگتا تھا۔ اسیدن وہ غلام
نصف و بنار لیکر میری دوکان پر اور قطلیاں لینے آیا۔ اور اس کے تھوڑے ہی گھنٹے بعد میں
سپاہیوں نے میری دوکان کو لوٹ لیا اور گرا کر مٹی میں ملا دیا۔ اور مجھے گرفتار کرکے اس
امیر کے سپرد کردیا۔ جسنے مجھے ایک صندوق میں بند کردیا۔ صرف اس لئے۔ کہ مینے قطلیوں
میں سیاہ مرچ نہ ڈالی تھی۔ اور صرف شام کو مجھے کھانے کو دیا جاتا تھا۔ اور اسیوقت دروازہ
کھولکر رفع حاجات کرائی جاتی تھی۔ کل شام کو اُس امیر نے میرے لئے سولی بھی تیار کرائی
تھی کہ صبح ہوئی اور مجھے پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔ اس خوف سے پھر مجھے نیند آگئی۔ اور جاگا
تو اس محلے کے دروازے میں کھڑا تھا۔ میں نہیں جانتا کہ یہ معمہ کیا ہے۔ لیکن خدا کا
شکر ہے کہ یہ سب خواب کی باتیں تھیں۔ ست الحسن یہ سنکر ہنس پڑی اور پھر وہ دونو
پلنگ پر سوگئے۔ مگر بدرالدین کو نیند نہ آئی تھی وہ حیران ہوکر سوچتا تھا کہ میں کس بات
تصویر بدرالدین کی اور وہ اپنے قدیم مکان اور لباس وبیبی کو گھبرا کے دیکھتا ہے



کو صحیح سمجھوں۔ اسی تذبذب میں صبح ہوگئی۔ اور شمس احمد اندر آیا اور سلام دعا کے بعد

وزیرزادی نے پلنگ پر انگڑائی لیکر منہ کپڑے سے باہر نکالا - اور بدرالدین کو دروازے میں دیکھکر بولی - صاحب! آپ دروازے میں کھڑے کیا کر رہے ہو - پلنگ پر آ کے آرام کیجیے کتنی دیر سے میں آپ کا انتظار کر رہی ہوں - کیا آپ بیت الخلا کو گئے ہوئے تھے؟ یہ سنکر بدرالدین اور بھی حیران ہوا - اور سوچنے لگا - کیا میں خواب دیکھ رہا ہوں - یا وہ پہلا خواب تھا - پھر وہ آگے بڑھا - اسے متفکر دیکھکر ست الحسن نے پوچھا - پہلی ہی رات میں آپ ایسے فکرمند کیوں دکھائی دیتے ہیں - بدرالدین ہنسا اور پوچھا - تجھ سے جدا ہوئے بھلا کے سال ہوئے ہونگے - ست الحسن نے کہا - واہ اب بولی بھی ایک کہی - صاحب ابھی تو آپ میرے پاس سوئے پڑے تھے - اور اٹھ کر بیت الخلا کو گئے تھے - آپ کو یہ کیا ہوگیا ہے - جو ایسی بہکی باتیں کر رہے ہیں - بدرالدین پھر بے اختیار کھلکھلا کر ہنس پڑا - اور بولا - جب میں بیت الخلا کو گیا - تو وہاں ہی نیند آگئی تھی - اور نیند میں کیا دیکھتا ہوں - کہ میں دمشق کے دروازے پر پڑا ہوں - پھر میں حلوائی بن گیا اور پورے دس برس وہاں رہا - ایک دن میری دوکان پر کسی امیر کا لڑکا اپنے غلام کے ساتھ وارد ہوا اور اسکے ساتھ مجھے ایک الفت سی پیدا ہوگئی - میں نے اسے بالائی کی قفلیاں کھلوائیں اور پھر اسکے پیچھے لگ چلا - مگر اسنے ایک بڑا سا پتھر میری پیشانی پر دے مارا - یہ کہکر اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھا - اور ضرب کا نشان پا کر بولا - خدا کی قسم یہ جھوٹ نہیں ہو سکتا وہ امیر اپنے کسی عزیز کی تلاش کے لئے کہیں آگے کو جا رہا تھا - واپس آتے ہوئے وہ لڑکا اپنے غلام کے ساتھ پھر میری دوکان پر آیا - اور خوب سیر ہو کر میرے ساتھ قفلیاں کھائیں میں نہیں جانتا وہ مجھے کیوں پیارا لگتا تھا - اسیدن وہ غلام نصف دینار لیکر میری دوکان کسی امیر کا لڑکا اپنے غلام کے ساتھ وارد ہوا - اور اسکے ساتھ ایک مجھے الفت سی پیدا ہوگئی - میں نے اسے بالائی کی قفلیاں کھلوائیں - اور پھر اس کے پیچھے لگ چلا - مگر اس نے ایک بڑا سا پتھر میری پیشانی پر دے مارا - یہ کہکر اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھا - اور ضرب کا نشان پا کر بولا - خدا کی قسم یہ جھوٹ نہیں ہو سکتا - وہ امیر اپنے کسی عزیز کی تلاش کے لئے کہیں آگے کو جا رہا تھا - واپس آتے ہوئے وہ لڑکا اپنے غلام کے ساتھ پھر میری دوکان پر آیا - اور خوب سیر ہو کر

حلوائی کو ایک صندوق میں بند کر کے خچر پر لادلو۔ اور یہاں سے کوچ بولدو۔ اور جب شام ہو صندوق کا دروازہ کھول کر اسے کھانا دیا جایا کرے۔ پھر فوراً وہاں سے کوچ کا حکم دے دیا۔ حسب الحکم سارا قافلہ وہاں سے چلا۔ اور کئی روز کے بعد مصر میں جا پہنچا۔ شہر سے باہر وزیر وابستہ ایکدن کے لئے ٹھہر گیا۔ جب شام ہوئی اور بدرالدین کو صندوق سے نکالا گیا۔ ایک نجار کو اسکے سامنے بلوا کر شمس الدین نے حکم دیا۔ کہ کل صبح لکڑی کی ایک پھانسی تیار کر لاؤ۔ بدرالدین بول اٹھا۔ کیوں صاحب! وہ پھانسی کیا ہوگی۔ وزیر نے جواب دیا۔ تمہیں اس پر کل لٹکایا جائیگا۔ اور یہ اس شخص کی سزا ہے جو قفلی میں سیاہ مرچ ناقص ڈالے۔ یہ سنکر بدرالدین کا لہو خشک ہو گیا۔ اور وہ سوچ میں پڑ گیا۔ شمس الدین نے پوچھا کیا سوچ رہے ہو۔ بدرالدین بولا۔ میں سوچتا ہوں۔ کہ اگر تم میں کچھ بھی عقل ہوتی۔ تو میرے ساتھ ایسا سلوک ہرگز روا نہ رکھتے۔ شمس الدین نے کہا۔ اب تو کچھ کہو۔ تمہیں کل لازمی طور پر صلیب پر لٹکایا جائیگا۔ اس لئے کہ لوگوں کو عبرت ہو۔ اور آیندہ کوئی شخص ایسا قصور نہ کرے پھر اسے کھانا کھلوا کر رفع حاجات کے بعد اسی صندوق میں بند کر دیا۔ اور خچر پر لاد کر شہر کی طرف لیچلے۔ جب اپنے محل میں پہنچے۔ صندوق کو اتروا کر ایک کنارے میں رکھا۔ اور اپنی بیٹی سے مخاطب ہوا۔ کہ بالکل شب عروسی کی طرح تیاری کر لو۔ اور صندوق سے حجلہ عروسی کے اسباب کی فہرست اور بدرالدین کا سامان نکال باہر جوں کا توں کر دیا۔ الغرض حکم کی تعمیل کیگئی۔ اور وزیرزادی باپ کے کہنے کے موجب پلنگ پر جا سوئی۔ شمس الدین نے اسے ہدایت کر دی۔ کہ جب تیرا شوہر دروازے سے اندر داخل ہو۔ تو تعجب نہ کرنا۔ بلکہ اسکے تعجب کو رفع کرنے کی کوشش کرنا۔ پھر وزیر نے صندوق کو حجلہ کے پاس بھجوا دیا۔ وزیر کے نوکروں نے اسکے پہلے کپڑے اتار کر شب خوابی کی قمیص پہنا دی۔ وہ سولی کے خوف سے ایسی غفلت کی نیند سو رہا تھا کہ اسے کچھ ہوش نہ آئی۔ حتی کہ حجلہ عروسی کی دہلیز کے پاس ٹھہرا کر سب نوکر اور لونڈیاں ایک طرف ہوگئے۔ بدرالدین کو جب نیند کی جھونک سے ذرا ہوش آئی تو وہ تعجب اور حیرت کے مارے پریشان ہو گیا۔ کیونکہ اسے سارا سامان وہی دکھائی دیا۔ جو دس سال پیشتر دیکھا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ یہ بات کیا ہے؟ اتنے میں

عنبرہ کی اب تو انتہا نہ رہی اور کہنے لگی۔ لو یہ نصف دینار ہے۔ اُسی حلوائی سے قفلیاں لا کر
تاکہ تیرا مالک دیکھے۔ کہ وہ میری بالائی سے کیونکر اچھی ہے۔ خادم فوراً وہ نصف دینار اٹھا
بازار کی طرف بھاگا۔ اور بدرالدین کی دوکان پر پہنچ کر کہنے لگا۔ بھئی! تمہاری ضیافت نے تو آج
مجھے خوب پٹوایا ہے۔ یہ لو نصف دینار اور اپنی بنی ہوئی بالائی کی وہی قفلیاں دو۔ دیکھیں
ہمیں صاحب خانہ نے بھی قفلیاں تیار کی تھیں۔ اُن سے مقابلہ ہو گا۔ بدرالدین ہنسا اور کہنے
لگا۔ میری والدہ کے سوا مجھ سے اچھی قفلیاں دنیا بھر میں کوئی شخص تیار نہیں کر سکتا۔
یہ کہکر اُسے نصف دینار کی قفلیاں پیالے میں ڈالدیں۔ جنہیں لیکر خادم دوڑا دوڑا کیمپ میں
آیا۔ بدرالدین کی والدہ نے پہلے انہیں دیکھا بھالا۔ پھر چکھا تو فوراً غش کھا کے گر پڑی۔ جب
ہوش آیا تو چلائی کہ یقیناً اُن کا بنانے والا بدرالدین حسن کے سوا اور کوئی بھی نہیں ہے۔
شمس الدین یہ بات سنکر مارے خوشی کے اُچھل پڑا اور فوراً اپنے سپاہیوں کو حکم دیا۔ کہ
تم میں سے بیس آدمی جاؤ۔ اور اُس حلوائی کی دوکان گرا کر زمین کے برابر کر دو۔ اور اُسے
عمامے سے جکڑ کر میرے پاس لے آؤ۔ مگر خبردار اگر اُسے ذرا بھی ایذا پہنچی تو سخت پیش آؤنگا
اپنے سپاہیوں کو یہ حکم دیکر وہ نائب دمشق کی طرف گیا۔ کہ اُس سے بدرالدین کو گرفتار کر کے
لیجانے کی اجازت لائے۔ ادھر سپاہیوں نے بدرالدین کی دوکان زمین کے برابر کر کے اسے
پکڑ لیا۔ اور اُدھر وزیر شمس الدین حاکم دمشق سے اجازت لیکر آ پہنچا۔ سپاہیوں نے بدرالدین
کو شمس الدین کے حضور میں پیش کر دیا۔ وزیر نے پوچھا۔ کیا تم ہی نے وہ بالائی کی قفلیاں تیار
کی تھیں۔ بدرالدین نے جواب دیا۔ ہاں صاحب! مگر میرا قصور کیا ہے۔ جس کے عوض میں یہ میرے
ساتھ ایسا ظالمانہ سلوک روا رکھا گیا ہے۔ شمس الدین بولا۔ یہی قصور کیا کم ہے۔ کہ تو نے
میرے لیے بہت ہی بری قفلیاں تیار کر کے بھیجی ہیں۔ اور یہ سزا کیا ہے۔ ابھی تمہیں اور
بہت سخت سزا ملیگی۔ کہ تمہاری یاد بھی [illegible] جائیگی۔ اس اثنا میں بدرالدین کی والدہ اور
وزیرزادی نے جھانکا۔ کہ بدرالدین کو پہچانا۔ اور [illegible] غش کھا کر گر پڑیں۔ اور چاہا کہ آگے بڑھ کر
کہ دوڑ کر بدرالدین کو گلے لگا لیں۔ مگر شمس الدین نے انہیں منع کر دیا ہوا تھا کہ جیسا کہہ چکا
تھا کوئی اُس کے سامنے نہ جا سکے۔ اُسکے چہرہ پر سے [illegible] کر غلاموں کو حکم دیا۔ کہ اسے

خوب سیر ہو کر کھانا کھا چکے۔ نوکر نے ہاتھ دھلوائے اور عجیب اپنے خادم کو لیکر کیمپ کی طرف چلا
اور سیدھا اپنی دادی کے خیمے میں چلا گیا۔ جس نے اُس کا منہ سر چوما۔ اور اپنا بیٹا سمجھ کر
گلے لگایا۔ پھر پوچھنے لگی۔ بیٹا! آج اس وقت تک تم کہاں رہے۔ عجیب نے کہا۔ شہر کی سیر
کو چلا گیا تھا۔ یہ سنکر وہ اُٹھی اور ایک برتن میں بالائی کی قفلیاں ڈالکر اُس کے پاس لے آئی
کہ تمہیں بھوک لگی ہوگی۔ آؤ۔ تھوڑی سی بالائی کھالو۔ میرے سوائے میرا بیٹا ہی ایسی قفلی دنیا
بھر میں جما سکتا تھا۔ اور کسی کی کیا مجال ہے۔ عجیب اور اُسکا خادم دونو بدرالدین کی دوکان
سے خوب سیر ہو کر آئے تھے۔ مگر یہاں انکار نہ کر سکتے تھے۔ مبادا پردہ فاش ہو جائے۔ اور یہ بھی
ظاہر کہ وزیرزادہ ہو کر تو بازاروں میں مارا مارا پھرتا ہے۔ ناچار جبراً دو لقمے اٹھائے۔ لیکن
پھر ناک چڑھا کر ہاتھ روک لیا۔ اس پر اتفاقی کو بڑھیا نے بُری نظر سے دیکھا۔ اور سبب پوچھنے
لگی۔ عجیب بولا۔ دادی جان! سچ تو یہ ہے کہ آپکی قفلی اُس قفلی سے اچھی نہیں۔ جو ہم بازار
سے کھا کے آئے ہیں۔ یہ سنکر بڑھیا کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور نہایت ہی قہر کی نگاہوں
سے خادم کی طرف دیکھ کر بولی۔ تو ہی لڑکے کو خراب کرتا پھرتا ہے۔ کہ حلوائیوں کی دوکانوں
پر لئے پھرتا ہے۔ دیکھ تو تیری کیسی خبر لیجاتی ہے۔ خادم ذرا اور صاف مکر گیا۔ کہ ہم تو کسی
دوکان پر گئے ہی نہیں۔ مگر عجیب بولا۔ نہیں اماں جان۔ ہم گئے ہیں۔ اور وہاں سے آپ کی
قفلی کی نسبت بدرجہا بڑھ کر قفلی بھی کھائی ہے۔ یہ سنکر بدرالدین کی والدہ شمس الدین کے پاس
گئی۔ اور جا کر اُسے غلام کی کرتوت سے آگاہ کیا۔ شمس الدین نے دوسرے غلاموں کو حکم دیا
کہ اُس خادم کو لا کر میرے سامنے حاضر کرو۔ جب وہ آیا تو اُس سے دریافت کیا گیا کہ تو
میرے لڑکے کو کس کی دوکان پر لیگیا تھا۔ خادم وہاں بھی صاف مکر گیا۔ شمس الدین نے
حکم دیا۔ کہ اسے کوڑے لگاؤ۔ جب تک سچ نہ بولے۔ مگر خادم انکار ہی کئے گیا۔ حتی کہ
وزیر نے کہا۔ اگر تم نے بازار سے کچھ نہیں کھایا تو ان قفلیوں کو کھا جاؤ۔ وہ بولا۔ میں سیر ہو چکا
ہوں۔ اسلیئے اور نہیں کھا سکتا۔ یہ سنکر پھر کوڑے پڑنے لگے۔ آخر کار چلا اُٹھا۔ اور بولا کہ
صاحب! میں سچ سچ کہدیتا ہوں۔ ہم نے بازار میں ایک حلوائی کی دوکان سے بالائی کی قفلیاں
خوب سیر ہو کر کھائی ہیں۔ اور وہ دادی جان کی قفلیوں سے بدرجہا بڑھ کر تھیں۔ یہ بڑھیا کے

زبان حال سے رو رو کر شکریہ ادا کرنے لگی۔ پھر شمس الدین عجیب کو لینے چلا گیا اور اُسے لا کر دادی کے پیش کر دیا جسنے مسرت کے ساتھ اپنے بیٹے کی یادگار کو گلے لگایا۔ اور رونے لگی۔ شمس الدین بولا۔ بھاوج جان! یہ رونے کا وقت نہیں ہے۔ ہمارے ساتھ چلنے کے لئے سفر کی تیاری کرو کیا تعجب ہے کہ خداوند تعالیٰ بدر الدین کو بھی جلدی ہم سے ملا دے۔ بدر الدین کی والدہ فوراً اُٹھی اور سب مال و اسباب جمع کر کے تیاری کرنے لگی۔ شمس الدین سلطان بصرہ کی خدمت میں گیا اور رخصت طلب کی۔ بادشاہ نے بڑی عزت کے ساتھ اُنہیں رخصت کیا۔ اور شاہ مصر کے لئے بہت سے تحائف بھی دیئے۔ شمس الدین اپنی بھاوج کے ساتھ فوراً چل پڑا۔ اور چلتے چلتے کئی دن کے بعد یہ قافلہ پھر دمشق میں آ پہنچا۔ خیمے ڈیرے لگ گئے۔ اور شمس الدین نے تحائف وہدایا خریدنے کی غرض سے وہاں تین دن کے لئے قیام کیا۔ عجیب اپنے خادم سے کہنے لگا میں شہر کی سیر کرنا چاہتا ہوں۔ چلو ذرا بازار تک تو ہو آئیں۔ اور اس غریب حلوائی کا حال بھی پوچھ آئیں جس نے ہماری دعوت کی تھی۔ اور ہم نے اپنے بچارے کا سر پتھر سے کھول دیا تھا۔ غلام یہ سُنکر کھڑا ہو گیا۔ اور عجیب کے ہمراہ ہو لیا حتیٰ کہ وہ دونوں بدر الدین کی دوکان پر جا پہنچے۔ بدر الدین اپنے خیال میں مستغرق بیٹھا تھا۔ عجیب اُسکی شکل اور پیشانی کا زخم دیکھ کر گھبرا گیا۔ اور پیش قدمی کر کے السلام علیک کہا۔ بدر الدین نے نظر اُٹھائی تو عجیب کو دیکھ کر سب خیال بھول گئے۔ اور بولا۔ الحمد للہ۔ میں آپ کو خوش وخرم پاتا ہوں۔ اسدن میں آپ کے عقب میں بے اختیار ہو کر چلا گیا تھا۔ وجہ یہ کہ میرا جی آپ سے جدا ہونے کو نہیں چاہتا تھا لیکن آج بھی میں آپ کو بغیر کھانا کھلائے نہیں جانے دونگا جبھی مجھے اطمینان ہوگا۔ عجیب نے جواب دیا۔ اسدن دو لقمے تمہاری دوکان پر کھائے تھے تو تم نے پیچھا ہی نہ چھوڑا تھا۔ آج پھر یہی صلاح ہوگی تو ہمیں بدعوات کرنا ہی پڑیگا۔ لیکن اگر وعدہ کرو۔ کہ ہمارے پیچھے نہ جاؤ گے تو بسم اللہ ہمیں قبولی دعوت میں کوئی عذر نہیں ہے۔ ہم کئی دن اور یہاں ٹھہرینگے۔ بدر الدین نے وعدہ کیا کہ آج ویسا نہیں کرونگا۔ یہ سنتے ہی وہ تو دوکان کے اندر چلے گئے۔ اور بدر الدین فقلی تیار کر کے لے آیا۔ عجیب کہنے لگا آؤ۔ تم بھی ہمارے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ بدر الدین بڑی خوشی سے اُنکے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ گیا۔ مگر نظر اُسکی عجیب کے چہرہ پر تھی۔ جیسے

پیشانی پر لگا اور خون کی دھار جاری ہو گئی۔ وہ بیچارہ تو اپنا خون پونچھنے میں لگ گیا۔ اور عجیب اپنے خادم کے ساتھ وزیر کے کیمپ میں ہو رہا۔ جب بدر الدین کو ہوش آیا۔ تو با دل بریاں اُن سے اپنی دوکان کو لوٹا۔ وزیر شمس الدین دمشق میں برابر تین دن ٹھہر کر چوتھے دن آگے روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ چلتے چلتے بصرہ میں پہنچے۔ وہاں ایک کھلے میدان میں کیمپ لگانے کا حکم دیا۔ شمس الدین خود سلطان بصرہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نے بڑی عزت کی اور اسکے بصرہ میں آنے کی وجہ پوچھی۔ شمس الدین نے حقیقت حال سنا کر اپنے بھائی نورالدین کے بیٹے بدر الدین کا پتہ دریافت کیا۔ سلطان بولا۔ غریب الوطن نورالدین کو مرے تو پندرہ سال ہو چکے ہیں۔ اسکا لڑکا مدت سے غائب ہے اور اب تک اس کا پتہ نہیں ملا۔ صرف بدر الدین کی والدہ یہاں ہے جو ہمارے بڈھے وزیر کی لڑکی ہے۔ شمس الدین یہ سنکر کہ اس کی بھاوجہ صحیح و سلامت ہے کسی قدر مطمئن ہوا۔ اور فوراً سلطان سے درخواست کی کہ مجھے اپنی بھاوجہ سے ملنے کی اجازت بخشی جائے۔ بادشاہ نے بخندہ پیشانی اجازت دی شمس الدین اپنے مرحوم بھائی کے گھر گیا۔ اور بہ حسرت اسکے در و دیوار چومنے لگا۔ اس عالیشان محل میں پھرتے ہوئے وہ ایک مکان کے دروازے پر پہنچا۔ جہاں نورالدین کا نام سنہری حروف میں لکھا تھا شمس الدین بے اختیار ہو گیا۔ اور آگے بڑھ کر اُسے چومنے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ پھر وہ اپنی بھاوجہ کے کمرے کی طرف بڑھا۔ مگر اُسے وہاں نہ پایا۔ تو لونڈیوں سے معلوم ہوا کہ اس نے اپنے لڑکے کے غائب ہو جانیکے بعد اسکا ایک مقبرہ بنوا رکھا ہے وہیں بیٹھی رو رہی ہے۔ شمس الدین آگے بڑھا۔ اور آہستہ سے مقبرے میں داخل ہو کر دیکھا کہ نورالدین کی بیوہ بیٹھی بکا و بین کر رہی ہے۔ پھر آگے بڑھ کر اُسے سلام کیا اور کہا کہ میں تمہارے مرحوم شوہر کا بھائی ہوں اور تمہارے دیکھنے کے لئے یہاں آیا ہوں۔ پھر اُسے ساری سرگذشت سنائی کہ تمہارا بیٹا اس طرح سے ایک رات میری لڑکی کے پاس رہا ہے۔ مگر جب صبح ہوئی تو غائب تھا۔ حتیٰ کہ آجتک اُس کا کوئی پتہ نہیں ملا۔ اس سے میری لڑکی کو حمل بھی رہ گیا تھا۔ جس کا نتیجہ ایک چاند سا لڑکا ہے۔ اور اب وہ تمہاری دولت ہے۔ بدر الدین کی والدہ نے جب اپنے بیٹے کی زندگی کی خبر سنی اور اپنے جیٹھ کو سامنے پایا۔ اسکے قدموں پہ گر پڑی اور

یہ سُنکر عجیب رو پڑا۔ خادم کے بھی آنسو ٹپک پڑے۔ پھر عجیب نے کہا کہ میرا والد گم ہو گیا ہوا ہے اُس کی تلاش کے لیئے ہم سب گھر سے نکلے ہیں۔ یہ کہکر وہ دونو دوکان سے چل پڑے۔ بدرالدین نے محسوس کیا کہ اُس کے جانے کے ساتھ اُسکی جان بھی گویا جانے کو ہے۔ فوراً دوکان بند کر کے تالا لگایا اور اُن کے پیچھے پیچھے لگ چلا۔ جب عجیب اور اُس کا خادم شہر کے دروازے

تصویر عجیب اور خواجہ سرا اور حلوائی کی



سے باہر نکل گیئے۔ خادم نے مڑکے دیکھا۔ تو بدرالدین اُنکے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ اُس نے عجیب کے خبر کیا۔ عجیب نے بدرالدین کو دھمکی دی کہ اگر تم ہمارے ساتھ آئے تو ہم بُری طرح پیش آئینگے۔ بدرالدین بولا۔ نہیں صاحب! میں تو اپنے ایک کام کو جا رہا ہوں۔ یہ سُنکر دونو چپ چاپ اپنے راستے ہو لیئے۔ جب خیمے قریب آگیا اور دونو نے مڑکے دیکھا۔ کہ بدرالدین نے ابھی تک اُنکا تعاقب نہیں چھوڑا تو عجیب کو بڑا غصہ آیا۔ اس خیال سے کہ شاید حلوائی کیمپ میں جا کر اُس کی ہتک کا باعث نہ ہو۔ اور فوراً ایک بڑا سا پتھر اُٹھا کر بدرالدین کی طرف پھینکا۔ جو غریب کی

لگی۔ تاکہ اپنے بھتیجے کی تلاش کرے۔ بادشاہ کو بھی بڑا قلق ہوا۔ اور اس نے وزیر کو اجازت دیکر جا بجا کے بادشاہوں کے نام مراسلے لکھ دئیے۔ جنہیں پاکر وزیر شمس الدین خوشی خوشی اپنے گھر لوٹا اور بہت جلد سفر کی تیاری کرکے مصر سے چل پڑا۔ کئی دن کے بعد سارا قافلہ دمشق میں جا پہنچا۔ شمس الدین کو اس شہر کی فضا بہت پسند آئی اور اس نے غلاموں کو وہاں دو دن تک قیام کرنے کے لئے حکم دیا۔ خیمے اور قناتیں لگ گئیں۔ اور کھانے پینے سے فراغت پاکر لوگ شہر کی سیر کے لئے نکلے۔ عجیب بھی اپنے خادم کے ساتھ شہر میں گیا۔ شہر والوں نے عجیب کے حسن و جمال کو تعجب سے دیکھا۔ اور دونوں کے پیچھے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ گئے۔ چلتے چلتے عجیب اور اس کا خادم اتفاق سے بدر الدین حسن کی دوکان کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ بدر الدین کا دل عجیب کی شکل دیکھکر بے اختیار اس کی طرف مائل ہوگیا اور اس نے آگے بڑھکر عجیب سے درخواست کی کہ اگر آپ آج میرے ہاں کھانا کھائیں تو آپکی بڑی نوازش ہوگی۔ کیونکہ میں آپکو جی بھر کے دیکھنا چاہتا ہوں۔ عجیب کا دل بھی یہ درخواست سنکر پگھل گیا اور وہ اپنے خادم سے کہنے لگا۔ اگر تم کہو تو اس حلوائی کی دعوت کو رد نہ کیا جائے۔ کیونکہ میرا جی بھی اسکے پاس بیٹھنے کا خواہشمند ہے خادم نے جواب دیا۔ صاحب! آپ کی شان کے خلاف ہے کہ حلوائیوں کی دوکانوں پر منہ مارتے پھریں۔ بدر الدین یہ سنکر خادم کی خوشامد کرنے لگا۔ کہ اگر دو منٹ کے لئے میری دوکان پر قدم رنجہ فرماؤ تو تمہارا کیا بگڑ جائیگا۔ میں شاعر ہوں۔ اگر تم میرے پاس بیٹھکر میری ضیافت کھاؤ۔ تو میں تمہاری تعریف کے اشعار تصنیف کروں گا۔ آخر میں اس حبشی غلام سے کہا۔ جیسے تم باہر سے سیاہ دکھائی دیتے ہو میں سمجھتا ہوں۔ اندر سے ویسے ہی سفید ہو۔ یہ سنکر غلام ہنس پڑا اور عجیب کو وہاں بیٹھکر کھانا کھانے کی اجازت دی۔ بدر الدین نے لوگوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر وہاں سے بھگا دیا۔ اور دونوں آقا و خادم اسکی دوکان میں جا بیٹھے۔ بدر الدین اپنی بنائی ہوئی بالائی کی قتلی لایا اور عرق انار و شکر ڈالکر انکے سامنے رکھدی۔ جسے دونوں نے نہایت مزے سے چکھا اور تعریف کی۔ پھر بدر الدین کہنے لگا کہ صاحب! ایسی قتلی میری ماں کے سوا دنیا بھر میں اور کوئی نہیں بنا سکتا۔ اور یہ میں نے سیکھی ہی اس سے ہے۔ کھانا کھانے سے فراغت پاکر اور وہ چلنے کو تیار ہوگئے۔ بدر الدین نے پوچھا۔ صاحب! آپکا نام کیا ہے۔ آپ کس طرف سے آئے ہیں

جو شخص اپنی ماں یا اپنے باپ کا نام نہ جانتا ہو۔ وہ حرام زادہ سمجھا جائیگا۔ وہ ہمارے ساتھ نہیں کھیل سکتا۔ لڑکوں نے اس رائے کو پسند کیا۔ اگلے دن جب سب لڑکے آگئے عجیب بھی آموجود ہوا۔ تو ایک لڑکا بولا۔ آؤ۔ اب ایک کھیل کھیلیں۔ مگر جو شخص اپنے ماں باپ کا نام نہ بتا سکے۔ وہ ہمارا ساتھی نہیں بن سکیگا۔ سب نے کہا بہت اچھا۔ اب باری باری تمام لڑکے اپنا اور اپنے ماں باپ کا نام بتانے لگے۔ جب عجیب کی باری آئی۔ وہ بولا۔ میرا نام عجیب ہے میری ماں کا نام ست الحسن اور باپ کا نام شمس الدین وزیر مصر یہ سنکر سب کے سب بول اٹھے۔ غلط۔ وزیر شمس الدین تمہارا باپ نہیں۔ تمہارا نانا ہے۔ عجیب نے جواب دیا نہیں۔ وہی میرا باپ ہے۔ یہ سنکر لڑکے ہنسنے اور تالیاں بجانے لگے۔ کہ دیکھو نانے کو باپ بناتا ہے۔ اور یہ کہکر سب اس سے علیحدہ ہوگئے کہ تو اپنے باپ کا نام نہیں بتا سکا۔ اسلئے آج سے تو ہمارے ساتھ مت کھیلا کر۔ عجیب بڑا کھسیانا ہوا۔ بلکہ رو پڑا۔ یہ دیکھکر میاں جی بھی آگئے جو تاک میں لگ رہے تھے اور کہنے لگے عجیب! لڑکے سچ کہتے ہیں شمس الدین وزیر مصر تیرا باپ نہیں تیرا نانا ہے اور تیرے باپ کو کوئی بھی نہیں جانتا۔ لوگوں کو صرف اتنا معلوم ہے کہ بادشاہ نے خفا ہوکر تیری ماں کی شادی ایک کبڑے سائیس کے ساتھ کرنی چاہی تھی مگر ایک جن نے اسے وہاں سے نکال دیا اور آپ تیری ماں کے پاس رہا۔ یہ سنکر عجیب اور بھی رنجیدہ ہوا اور وہ روتا دوڑا اپنی ماں کے پاس بسورنے لگا کہ اماں سچ بتا میرے باپ کا کیا نام ہے؟ وہ کہنے لگی بیٹا شمس الدین وزیر مصر ہی تو تیرا باپ ہے۔ عجیب بولا۔ یہ غلط ہے۔ وہ تو میرا نانا ہے۔ اور اگر تو سچ سچ نہ بتائیگی۔ تو یاد رکھنا۔ میں اپنے تئیں ہلاک کر ڈالوں گا۔ یہ سنکر وزیرزادی کے منہ سے بے اختیار آہ نکل گئی ؎

دل میں اک درد اٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے ٭ بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانئے کیا یاد آیا

پھر وہ رونے لگی۔ لڑکا بھی ساتھ ہی رو پڑا۔ اسی اثناء میں جبکہ وہ دونوں رو رہے تھے۔ اتفاقاً شمس الدین وزیر مصر آگیا اور ان کے رونے کی وجہ معلوم کرکے خود بھی رو پڑا۔ کیونکہ اپنے بھائی کی یاد نے اسے بیقرار کرکے لڑکی کی مصیبت کو کڑوے کریلے پر نیم چڑھا کا مصداق بنا دیا۔ پھر وہ فوراً آنسو پونچھ کر بادشاہ کی خدمت میں گیا اور سرگذشت سے اطلاع دیکر بصرہ جانے کی اجازت

پائی جس میں سے اس یہودی کا رُقعہ پاکر وہ بیتاب ہوگیا۔ جب حواس بجا ہوئے لڑکی سے پوچھنے لگا۔ کیا تو جانتی ہے کہ تیرا خاوند کون ہے؟ وہ بولی ہرگز نہیں۔ شمس الدین نے کہا الحمدللہ وہ تیرا چچازاد بھائی ہے۔ اور یہ تھیلی تیرا حق مہر ہے۔ کیسا عجیب اتفاق ہے۔ پھر اُس تعویذ کو پھاڑا جس میں سے ایک کاغذ نکلا اور پڑھ کر اور بھی وہ حیران ہوا۔ یہ کاغذ وہی تھا۔ جو نورالدین کے مرتے وقت بدرالدین کو لکھوا دیا تھا۔ اور بدرالدین کسے تعویذ بنا کے اپنے پاس رکھتا تھا شمس الدین نے اپنے بھائی کا دستخط پہچانا پھر نورالدین کی شادی اور بدرالدین کی پیدائش کی تاریخوں کو اپنی شادی اور اپنی لڑکی کی پیدائش کی تاریخوں سے ملا کر بڑا تعجب کیا۔ اور جب اپنے بھائی کی وفات کا حال پڑھا تو بے اختیار ہو کر رو پڑا۔ اسکے بعد دونو کاغذ لیکر بادشاہ کی خدمت میں گیا اور اُسے سارا ماجرا سُنا دیا۔ بادشاہ کی حیرانی کی حد نہ تھی۔ مؤرخ شاہی کو حکم ہوا۔ کہ اس سب ماجرے کو لکھکر خزانہ میں رکھے۔ اب وزیر شمس الدین اپنے بھتیجے کا انتظار کرنے لگا اور قلم دوات لیکر ایک کاغذ پر کمرے کے اسباب کی فہرست لکھ لی۔ کہ فلاں چیز فلاں وضع سے فلاں جگہ پر رکھی تھی۔ اور بدرالدین کی اشیاء فہرست سمیت احتیاط سے ایک صندوق میں بند کر دیں۔ دن پر دن اور ہفتوں پہ ہفتے گذرنے لگے کئی مہینے بھی گذر گئے۔ اب وزیرزادی کو حمل کے آثار نمودار ہو گئے تھے اور پورے ۹ ماہ کے بعد اُس کے ہاں چاند سا لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام عجیب رکھا گیا۔ جب عجیب سات سال کا ہوا۔ اُس کے نانا نے اُسے ایک معلم کے سپرد کر دیا۔ کہ اُسے لکھنا پڑھنا سکھائے۔ عجیب مکتب میں چار سال تک رہا اور اُسے ہوش آگئی تھی اور لڑکوں سے ہمیشہ لڑتا جھگڑتا رہتا تھا۔ اُنہیں مارتا پیٹتا اور کہتا کہ میں وزیر کا لڑکا ہوں۔ تم میں سے کوئی بھی میرا ہمرتبہ نہیں ہے۔ ایک دن سب لڑکے میاں جی کے پاس شکایت لے گئے اور کہنے لگے۔ کہ ہم سخت تنگ آگئے ہیں۔ میاں جی کہنے لگے۔ میں تمہیں ایک تدبیر بتاتا ہوں۔ اُمید ہے کہ وہ آیندہ کے لئے مکتب میں آنا ہی چھوڑ دے گا۔ کل صبح جب تم یہاں آؤ اور عجیب بھی آئے تو اکٹھے ہو کر ایک لڑکا تم میں سے کہے کہ جو لڑکا ہم میں سے اپنے اپنے ماں باپ کا نام بتاویگا۔ ہم اُسے اپنے ساتھ کھیلنے دینگے۔ اور

تھی کہ آپ آگئے۔ یہ سنکر وزیر بیت الخلا کی طرف گیا۔ وہاں اس کبڑے کو الٹا لٹکا ہوا پاکر
اور بھی پریشان ہوا۔ اور پوچھا یہ کیا بات ہے؟ لیکن کبڑا کچھ نہ بولا۔ اور جب وزیر نے
گرج کر ڈانٹا۔ تو کبڑے نے اُسے بھی رات والا جن ہی تصور کیا۔ اور بولا۔ اے شاہ جنات!
جب سے آپ مجھے یہاں لٹکا گئے ہیں۔ بخدا میں نے سر تک بھی نہیں اٹھایا۔ اب مجھ پر مہربانی
کیجیے۔ وزیر بولا۔ اے اندھے! شاہ جنات نہیں۔ میں ہوں وزیر شمس الدین دولہن کا
باپ۔ کبڑے نے کان کھڑے کیے اور کہنے لگا تو آپ اپنی راہ لیجیے۔ آپ سے کوئی غرض
نہیں ہے جس نے مجھے یہاں لٹکایا ہے وہی آکے اتار لیگا۔ غضب خدا کا کمبختوں نے
جنوں کی معشوقہ سے میری شادی کر کے مجھے آفت میں پھنسا دیا۔ میں سب پر لعنت بھیجتا
ہوں۔ یہ سنکر وزیر بولا۔ ارے بدذات۔ اتر اور اپنی راہ لے۔ کبڑے نے جواب دیا میں پاگل
نہیں ہوں کہ اس جن کی اجازت کے بغیر طلوع شمس سے پہلے یہاں سے قدم نکالوں۔ وزیر
شمس الدین نے پوچھا۔ ارے! تجھے یہاں لٹکا کون گیا تھا۔ کبڑے نے کہا۔ میں رفع حاجت
کیلیے یہاں آیا تھا۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں۔ کہ حوض سے ایک چوہا نکلا جو بڑھتا بڑھتا
بھینسا بنکر ڈکارنے لگا اور مجھ سے بولا۔ کہ تو میری معشوقہ سے شادی کرنے والا ہے
کون؟ یہ کہکر مجھے یہاں الٹا لٹکا گیا۔ اور کہہ گیا۔ کہ طلوع شمس سے پہلے یہاں سے قدم
نکالا تو مار ڈالوں گا۔ یہ سنکر وزیر آگے بڑھا۔ اور کبڑے کو جھٹکا دیکے نیچے اتار دیا۔
غریب کبڑا زمین پر اترتا ہی سر پر پاؤں رکھ کے دوڑا۔ اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔
رات کو جو کچھ اس پر گذری تھی اس سے اطلاع دی۔ کبڑے کو وہاں سے مخلصی دیکر شمس الدین
پھر اپنی لڑکی کے کمرے میں آیا۔ اور سخت حیران تھا۔ کہ یہ کیا بات ہے؟ لڑکی سے مکرر
ماجرا دریافت کیا۔ وہ کہنے لگی۔ صاحب! اگر آپ کو میری بات کا یقین نہ ہو تو وہ دیکھیے
چوکی پر اس کا عمامہ اور کپڑے بھی پڑے ہیں۔ ان میں کوئی اور چیز بھی لپٹی پڑی ہے
جس کی مجھے کچھ خبر نہیں کہ کیا ہے۔ شمس الدین یہ سنکر آگے بڑھا اور فوراً عمامے کو اٹھا کر
گھمانے اور دیکھنے لگا۔ آخر اس کی رائے ہوئی کہ یہ عمامہ موصلی طرز کا ہے [illegible] عمامے کی [illegible]
پھر اس [illegible] ایک تھیلی [illegible]

ڈھونڈتے تھے۔ بدر الدین کے وہاں داخل ہوتے ہی لوگ تتر بتر ہو گئے۔ حلوائی کے دل میں بدر الدین کو دیکھکر ایک رقت سی پیدا ہو گئی اور وہ پوچھنے لگا۔ بیٹا! تم کون ہو اور کہاں سے آ رہے ہو؟ میرے دل میں تمہاری محبت پیدا ہو گئی ہے۔ بدر الدین نے یہ سنکر آغاز سے انتہا تک ساری سرگذشت کہہ سنائی۔ حلوائی بولا۔ فی الواقع تمہاری سرگذشت عجیب و غریب ہے لیکن اسے کسی اور سے ظاہر نہ کرنا ورنہ لوگ ہنسیں گے اور دیوانہ بنائیں گے۔ شاید خدا تعالیٰ کسی دن اس عقدے کو کھولدے۔ جب تک تم اسی مکان پر ٹھہرو۔ میرا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ میں تمہیں اپنا بیٹا بناؤں گا اور تم ہی میری جائداد کے وارث بنو گے۔ بدر الدین نے اسی فرمان کو تسلیم کیا۔ اور حلوائی بازار سے اس کیلئے لباس فاخرہ خرید لایا۔ پھر حمام کرا کے اور لباس پہنا کے قاضئے شہر کے پاس لیگیا۔ جہاں جا کے اسے اپنا بیٹا تسلیم کیا۔ اسکے بعد شہر میں بھی خبر مشہور ہو گئی۔ کہ بدر الدین حلوائی کا بیٹا ہے۔ پھر روپیہ پیسہ کا سارا انتظام حلوائی نے بدر الدین کو سپرد کر دیا۔ اب وزیرزادی کا حال بیان کیا جاتا ہے۔ صبح کے وقت جب وہ جاگی بدر الدین کو پہلو میں نہ پا کر حیران ہوئی پھر خیال کیا۔ کہ بیت الخلا کو گیا ہوگا۔ تھوڑی دیر انتظار کرتی رہی۔ اتنے میں اسکا باپ آ گیا۔ جو شدت الم سے پژمردہ سا ہو رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب لڑکی کو قتل کئے بغیر چین نہ آئیگا۔ جب کمرے کے دروازے پر پہنچا۔ لڑکی کو آواز دی۔ وہ فوراً فرحاں و شاداں باہر نکل آئی۔ اسکی یہ حالت دیکھ کر شمس الدین کو سخت غصہ آیا۔ اور کہا۔ نالائق۔ تو نے سارے خاندان کی عزت ڈبو کر کیا پڑا پایا ہے۔ کہ اسقدر خوش ہو رہی ہے۔ وزیرزادی بولی۔ صاحب اسکے کیا معنے؟ وزیر نے کہا کیا تو اس کبڑے سائیس کو پسند کرتی ہے۔ لڑکی نے جواب دیا۔ حضور! اس ملعون کا میرے سامنے نام بھی نہ لیں۔ میری شادی تو ایک خوش رو اور خوش قامت حسین جوان کے ساتھ ہوئی ہے۔ جو رات اس کمرے میں تھا۔ وزیر حیران ہوا۔ اور کہنے لگا۔ لڑکی تو میرے ساتھ مذاق کرتی ہے۔ وزیرزادی بولی۔ جناب آپکے سر کی قسم یہ بالکل سچ ہے کہ میں اس کبڑے لعین کے ساتھ نہیں بیاہی گئی۔ وہ تو فقط کرائے پر آیا تھا اور اپنی اجرت دس دینار آپ سے لیکر چلا بھی گیا۔ میرا شوہر بیت الخلا کو گیا ہوا ہے۔ پھر اسی کے انتظار میں بیٹھی

یہ سنکر وہ پہنچ گئی اُسکے پہلو میں جا بیٹھی۔ پھر بدرالدین نے بھی اپنی پوشاک اور عمامہ اتار کر ایک
چوکی پہ رکھدیا۔ اس یہودی والی تھیلی بھی پاس ہی لٹکا دی۔ چو باوجود بہت کچھ صرف
کر چکنے کے ابھی تک جوں کی توں بھی اور دونو سو رہے۔ حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔ جن نے پری سے
کہا۔ دن نکلنے کو ہے۔ آؤ۔ اب اس جوان کو اُسکے مکان پر پہنچا آئیں۔ یہ سنکر پری اندر
گئی۔ دونو خواب راحت میں پڑے ہوئے تھے۔ بدرالدین کو اٹھا کر اڑی۔ جن بھی پیچھے
پیچھے چلا۔ جبکہ وہ جا رہے تھے۔ بارگاہ خداوندی سے فرشتوں کو حکم ہوا۔ کہ جن پہ شہاب
کی بارش ہو۔ جسکی تعمیل ہوتے ہی جن تو جلکر راکھ ہو گیا۔ اور پری بچ رہی تھی۔ جس نے
بدرالدین کو شہر دمشق کے ایک دروازے پر لا اوتارا۔ اور وہیں رکھکے چلی گئی۔ جب دن
نکلا۔ شہر کے دروازے کھلے اور لوگ آنے جانے لگے۔ کسی نے بدرالدین کو ہیئت کذائی
میں پاکر تعجب ظاہر کیا۔ اتنے میں اور بھی بہت سے لوگ اکٹھے ہو گئے۔ اور آپس میں چہ میگوئیاں
کرنے لگے۔ شور و غل سے بدرالدین کی آنکھ کھل گئی اور وہ مبہوت ہوا۔ چاروں طرف دیکھنے لگا
کہ یہ کیا بات ہے۔ شام کو میں کہاں تھا پھر رات کہاں اور کس حال میں بسر کی۔ اور اب کہاں
ہوں۔ کیا یہ خواب و خیال تھا یا کوئی جادو۔ جس کا اثر ابتک بھی رفع نہیں ہوا۔ پھر اس گروہ
سے پوچھنے لگا۔ صاحبان! خدا کے لئے مجھے آگاہ کرو۔ کہ میں کہاں ہوں۔ کہ تمہارے یہاں اکٹھے
ہونے کا کیا سبب ہے؟ جواب ملا کہ صبح کے وقت ہم نے تمہیں یہاں ہی سوتا دیکھا تھا
اس سے زیادہ اور کچھ نہیں جانتے۔ تو رات کو کہاں تھا۔ بدرالدین بولا۔ میں تو رات کیوقت
مصر میں سویا تھا اور کل شام بصرے میں تھا۔ وہ لوگ کہنے لگے تو بہا تک تو نہیں کہا گیا۔
کہ شام کو بصرے میں ہو۔ رات کو مصر میں سوئے اور صبح دمشق میں جاگے۔ کئی شخص کہنے لگے
یقیناً غریب پاگل ہو گیا ہے۔ کوئی افسوس کرتا تھا اور کوئی تالیاں بجاتا تھا۔ کوئی کہتا تھا
بھئی۔ تو نے یہ ہی خواب میں دیکھا ہے۔ مگر بدرالدین حیران تھا۔ آخر اسی حیرانی میں وہ
وہاں سے اٹھا اور شہر کے اندر چلا۔ لوگ پیچھے پیچھے ہو لئے اور دیوانہ بناتے چلے۔ بدرالدین
بہت تنگ آکر ایک حلوائی کی دوکان میں گھس گیا۔ یہ حلوائی کسی زمانے میں قزاق رہ چکا تھا
اور اب تائب ہو کر حلوائی کی دوکان کھولی تھی۔ اسلئے دمشق کے رہنے والے اس سے بہت

گیا۔ اب کبڑے کی سرگذشت سنو۔ بیچارہ وہاں جاکر کرسی پر بیٹھا ہی تھا کہ کمرے کے حوض سے ایک
چوہا نکلا۔ پھر وہ بلی بنکر غرانے لگا۔ کبڑا حیران ہوکر اسے ڈھونڈنے لگا ہی تھا کہ وہ بلی کتا بنگئی
اور آنکھیں دکھانے لگی۔ کبڑے کی پریشانی کچھ اور بھی بڑھ گئی۔ ساتھ ہی وہ کتا پھولکر گدھا بنگیا
اور چلانے لگا۔ کبڑا بھی ڈر کر چلانے لگا۔ لوگو! مجھے بچاؤ۔ اب وہ گدھا بڑھکر بھینسا بنگیا
اور اس نے باہر بھاگنے کا راستہ روک لیا۔ مارے خوف کے کبڑے نے بے بس ہوکر دونوں
ہاتھوں سے اپنے منہ کو ڈھانپ لیا۔ اب بھینسا آدمیوں کی طرح گفتگو کرنے لگا۔ بھلے مانس!
کیا تجھے دنیا میں اور کوئی عورت نہ ملتی تھی۔ کہ میری معشوقہ کی طرف تو نے دیکھا۔ کبڑے کے کاٹو
تو بدن میں لہو نہ رہا۔ جن نے پکارا۔ کہ جلد جواب دو۔ ورنہ ابھی مٹی میں ملائے دیتا ہوں۔ کبڑا
گڑگڑانے لگا۔ صاحب! بخدا مجھے کچھ خبر نہ تھی۔ کہ اس عورت کے یار بیٹھے ہیں۔ ورنہ میں
ایسے جھانسوں میں نہ آتا۔ اب بھی توبہ کرتا ہوں۔ جن نے کہا۔ بہت اچھا۔ لیکن اس مکان
سے صبح تک اگر نکلے تو یاد رکھنا مارے جاؤگے۔ سورج کے طلوع ہوتے ہی بلا تامل یہاں
سے بھاگ جانا۔ اور پھر کبھی اس مکان کی طرف مڑکر بھی نہ دیکھنا۔ اس کے بعد غریب کو
وہاں الٹا لٹکا دیا۔ سر نیچے اور ٹانگیں اوپر تھیں۔ اب بدرالدین کا حال سنو۔ جب وہ کمرہ
عروسی کے اندر داخل ہوکر بیٹھ گیا۔ اتنے میں ایک بڑھیا دلہن کو لئے ہوئے وہاں آئی۔ اور
دروازے پر ٹھہرکر دلہن کو اندر بھیجدیا۔ اور کہنے لگی۔ صاحب! اپنی دلہن کو سنبھال لو۔ میں
اسے تمہارے سپرد کرتی ہوں۔ یہ کہکر وہ لوٹ گئی۔ اور وزیرزادی نے قدم آگے بڑھاکر جب
مسند پر بدرالدین کو بیٹھے پایا تو اس کی مسرت کی انتہا نہ رہی۔ اور بولی۔ جناب! میں سوچ رہی
تھی کہ اب زندہ یہاں سے بچکر نہ نکلوں گی۔ مگر الحمدللہ! کہ آپ کو یہاں پاکر مجھے نہایت اطمینان
ہوا ہے۔ لیکن یہ تو بتاؤ۔ کہ یہ بات کیا تھی؟ کیا کبڑے اور تم دونوں نے مشترکہ طور پر میرے
ساتھ عقد کیا ہے یا تم دونوں میں سے میرا شوہر کون ہے؟ بدرالدین نے بڑی متانت سے
جواب دیا۔ توبہ! توبہ! آپ کے بارے میں میرا کون شریک ہو سکتا ہے؟ یہ سوانگ تو صرف
نظر بد سے بچانے کے لئے رچا گیا تھا۔ آپ کے والد نے اس خیال سے کہ ہم دونوں کو نظر نہ لگ جائے
اس کبڑے کو دس دینار پر کرایہ کیا تھا۔ اب تم مطمئن رہو وہ کمبخت کبھی یہاں نہیں آئیگا۔

کہ خدایا اس جوان سے میرا عقد ہو اور اس کبڑے سے مجھے بچائیو۔ اس کے بعد جب سب رسوم ادا ہو چکیں تو سب لوگ واں سے چلے گئے۔ صرف بدرالدین اور وہ کبڑا واں رہ گئے مشاطوں نے دولہن کے زیور اور کپڑے اتار کر شب خوابی کے کپڑے پہنا دئے۔ کبڑا سائیس اب رہ نہ سکا اور مارے شکر بدرالدین سے کہنے لگا۔ صاحب! آج میں آپ کا ممنون ہوں کہ آپ نے کمال مہربانی سے مجھے مدد دی۔ براہ مہربانی اب یہاں سے تشریف لیجا کر مجھ پر کرم کیجئے۔ بدرالدین یہ سنکر فوراً باہر نکل آیا اور دروازے سے باہر قدم رکھتے ہی اسی جن سے ملاقی ہوا۔ جن بولا بدرالدین ٹھہرو۔ کہاں جا رہے ہو۔ وہ کبڑا ابھی باہر نکلکر بیت الخلا کو جاویگا۔ تو تم فوراً کمرہ عروسی میں چلے جانا۔ اور بے تامل داخل ہوکر اس سے کہنا۔ کہ آپ کا عقد میرے ساتھ ہوا ہے۔ اور یہ حیلہ محض بادشاہ نے خوف دلانے کے لئے اختیار کیا تھا کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں میں خود اس کبڑے ملعون کا بندوبست کر لونگا۔ جن اور بدرالدین انہی باتوں میں تھے کہ کبڑا باہر نکلکر بیت الخلا کی طرف چلا گیا۔ بدرالدین کو یہ موقع غنیمت معلوم ہوا اور وہ فوراً کمرہ عروسی میں چلا

تصویر دیو کی مہیب شکلیں بدلتے ہوئے



خبردار! پولسامت! یہ لو مشعل۔ اور چپ چاپ اس جماعت میں ملجاؤ۔ جہاں پر یہ جائیں وہیں تم بھی بے جھجک چلے جانا۔ مگر اُس کبڑے کے دائیں ہاتھ رہنا۔ حتیٰ کہ حجلہ عروسی میں داخل ہوکر آگے ہوجائیو اور ناچنے گانے والی عروس کی خواصوں اور گردپیش والی عورتوں کو زرِ نقد سے مٹھیاں بھر بھر کر انعام دینا۔ خدا کے فضل سے یہ تیری تھیلی کبھی ختم نہیں ہوگی۔ بدرالدین یہ باتیں سُنکر حیران تھا کہ اس سب جھگڑے کا سبب کیا ہے۔ مگر ہدایت کے بموجب شمع کو روشن کیا۔ اور غلاموں کی جماعت میں ملکر کبڑے کی سواری کے ساتھ ہولیا۔ سجا لیکہ اُس کے لباس سے ادرت ٹپک رہی تھی۔ جب ناچنے گانے والیوں کے قریب پہنچا۔ مٹھیاں بھر بھر کے دینار پھینکنے لگا۔ عورتیں اور مرد اسکی سخاوت دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اسی طرح پر یہ جلوس وزیر کے گھر تک پہنچگیا۔ اِک بدرالدین کا حسن و جمال دیکھ دیکھ کر مبہوت ہو رہے تھے پہرہ داروں نے تماشائیوں کو دروازے پر روکا۔ مگر گانے والیوں کی جماعت نے اصرار کیا۔ کہ جب تک یہ جوان ہمارے ساتھ اندر داخل نہ ہوگا۔ ہم بھی اندر قدم نہیں رکھیں گی۔ اسلئے کہ اسکے بغیر برات کی کچھ زینت نہیں۔ غرض کبڑے کے خلاف منشا بدرالدین کو وہ اپنے ساتھ اندر لے ہی گئیں۔ مشعل اُس کے ہاتھ سے لے لی گئی۔ اور کبڑے کے پاس صدر پر بٹھادیا اسوقت شہر کے تمام روٗسا اور امرا کی خواتین وہاں جمع تھیں۔ اُنہوں نے دو صفیں بنالیں۔ اور بیچ میں سے دُلہن کے آنے جانے کا راستہ چھوڑ دیا۔ عورتوں نے جب کبڑے اور بدرالدین کے حسن میں زمین و آسمان کا فرق پایا۔ اور منصفیت سے بدرالدین کی سخاوت کا حال سُنا تو وہ بھی حیرت زدہ ہوکر بدرالدین کے مُنہ کو تکنے لگیں۔ اور چاہتی تھیں کہ ہمیشہ ہی اسے دیکھتی رہیں۔ پھر اُنہوں نے نقاب اُلٹ دئے اور کہنے لگیں۔ جس کی قسمت اُس جوان سے لڑی ہوگی۔ وہ بڑی خوش قسمت ہے۔ اتنے میں دُلہن بھی اپنی لونڈیوں کے ساتھ وہاں آگئی۔ وہ کبڑا اسے لینے کے لئے اُٹھا۔ مگر وزیرزادی نے اُدھر سے مُنہ پھیر لیا اور بدرالدین کے پاس آبیٹھی۔ حاضرین نے قہقہہ مارا! اور کبڑا پانی پانی ہوگیا۔ یہ دیکھکر بدرالدین نے پھر مٹھیاں بھر بھر کر دینار لُٹانے شروع کئے۔ وزیرزادی کی لونڈیاں اور مغنیاں انہیں چنتی جاتی تھیں اور کہتی جاتی تھیں کہ وزیرزادی اس جوان کے قابل ہے۔ وزیرزادی بھی دعائیں مانگتی تھی۔

بُوا مصر سے چلا آتا ہوں ۔ پری نے کہا ۔ ذرا آؤ ۔ تو تمہیں کچھ دکھاؤں ۔ یہ کہکر وہ وہاں آئی ۔ جہاں بدرالدین حسن سویا پڑا تھا ۔ اور اُسکی طرف اشارہ کرکے بولی ۔ تم نے اپنی عمر میں ایسا خوبصورت جوان بھی دیکھا ہے ۔ جن نے جواب دیا بلا شبہ تم نے ٹھیک کہا ہے ۔ لیکن اگر کہو تو میں بھی ایک بات سُناؤں ۔ پری بولی کہو ۔ جن کہنے لگا ۔ میں ابھی مصر سے ایک عجیب تماشہ دیکھے چلا آتا ہوں ۔ شاہ مصر کے وزیر شمس الدین کی ایک لڑکی ہے ۔ چندے آفتاب چندے ماہتاب ۔ بادشاہ نے اس کے حسن کی تعریف سُنکر شادی کا پیغام دیا تھا ۔ مگر وزیر نے انکار کر دیا ۔ اور نورالدین اپنے بھائی کیساتھ گذرے ہوئے ماجرے کو سُنا کر کہنے لگا کہ پہلے تو مجھ کو کوئی خبر نہ تھی ۔ اب سُننے میں آیا ہے کہ وہ وزیر بصرہ ہے اور اُسکے ایک لڑکا بھی ہے میں اس لڑکی کو اپنے بھتیجے کے ساتھ بیاہنے کا ارادہ کرچکا ہوں ۔ اسلئے مجھے معاف کیجئے ۔ بادشاہ بادشاہ یہ سُنکر نہایت خفا ہوا ۔ اور کہا کہ تم نے ہماری ہتک کی ہے ۔ اب اس کا مزہ دیکھنا تیری بیٹی کی شادی ہم اپنے سب سے بدصورت غلام سے کرینگے ۔ بادشاہ کے پاس ایک کُبڑا سائیس تھا ۔ حد سے زیادہ بدشکل ۔ اُسے حاضر کرنے کا حکم دیا ۔ چوبدار فوراً اُسے دربار سُلطانی میں لایا ۔ بادشاہ نے وزیر کو کہلا بھیجا ۔ کہ ہمارے کُبڑے سائیس کے ساتھ تمہاری بیٹی کی آج ہی رات شادی ہوگی ۔ اسلئے تیاریاں کرلو ۔ طوعاً وکرہاً وزیر کو بادشاہ کے احکام بجا لانے پڑے ۔ اب بادشاہ کے غلام حمام کے دروازے پر مشعلیں لئے اُس بُڈھے کو نوشہ بنانے کے خیال میں بیٹھے ہیں اور وزیرزادی رو رہی ہے ۔ سچ سمجھنا بیٹے اُس کبڑے سے بدصورت آجتک کسی کو نہیں پایا اور لڑکی جنت کی حور ہے ۔ افسوس ہے ۔ کہ اگر انکی شادی ہوگئی ۔ پری نے کہا ۔ کیا اچھا ہو ۔ اگر اس خفتہ جوان اور وزیرزادی کا باہم عقد ہوسکے ۔ جن نے اس راے پر صاد کیا ۔ اور کہا کہ چلو میں اسے اُٹھانے کیلئے چلتا ہوں ۔ یہ کہکر سوئے ہوئے بدرالدین کو جن نے اُٹھالیا ۔ اور طرفۃ العین میں منزل مقصود پر پہنچکر اسے وہاں رکھدیا ۔ جہاں کبڑے سائیس کو نوشہ بنایا جارہا تھا ۔ شور سے اسکی آنکھ کھل گئی ۔ اور وہ حیران ہوکر چاروں طرف دیکھنے لگا کہ یہ کونسا مکان ہے اور میں تو اپنے باپ کے مقبرہ میں سویا تھا ۔ یہاں کیسے آگیا ۔ یہ سوچکر چلا ہنسنے کو تھا ۔ کہ جن نے اشارے سے چُپ کرادیا ۔

کبھی گھر سے نہ نکلتا۔ اور نہ ہی بادشاہ کے پاس جاتا۔ بادشاہ نے خفا ہوکر اسکے باپ کی جائداد دوسرے وزیر کو بخشدی۔ نئے وزیر نے حکم دیا۔ کہ نورالدین کے مکانات اور جائداد کو ضبط اور بدرالدین حسن کو گرفتار کرکے بادشاہ کے روبرو پیش کیا جائے۔ وزیر کے لشکر میں ایک شخص نورالدین کا آزاد کردہ غلام بھی تھا۔ اس نے یہ سنتے ہی اپنے محسن کے بیٹے کو خبردی کہ جسقدر جلد ہوسکے۔ اپنے تئیں شہر سے نکل جاؤ۔ تمہاری گرفتاری کا حکم صادر ہوچکا ہے خدا جلنے کیا انجام کیا ہو۔ بدرالدین حسن اس خبر کے پاتے ہی کچھ زر نقد جیب میں ڈالکر بادل پُرحسرت گھر سے نکلا اور نہ جانتا تھا۔ کہ وہ کہاں جاتا ہے۔ لیکن اتفاق سے اپنے باپ کے مقبرے میں پہنچگیا۔ اور سر پر کپڑا لیکر وہاں بیٹھ گیا۔ اتنے میں بصرے کا ایک یہودی جو بدرالدین کو پہچانتا تھا پاس آیا۔ اور سلام کرکے پوچھا۔ کیوں حضور! ایسے بیوقت میں یہاں تشریف لانے کا کیا باعث ہے۔ بدرالدین بولا۔ میں ابھی تھوڑی دیر ہوئی سو رہا ہوا تھا کہ والد کو خواب میں دیکھا۔ سخت عتاب ظاہر کر رہے ہیں۔ اسلئے فوراً یہاں دوڑ آیا ہوں کہ آکے مقبرے کی زیارت کروں۔ یہودی بولا۔ صاحب! آپکے والد کے بہت سے تجارتی جہاز باہر گئے ہوئے ہیں۔ اب آپ ان کے مالک ہیں۔ اگر سب سے پہلے آنے والے جہاز کو میرے ہاتھ فروخت کر دیجئے تو میں ابھی ایک ہزار دینار اسکے ادا کرنے کو تیار ہوں۔ بدرالدین اسے ہی غنیمت تصور کیا۔ اور اس نے ایک ہزار کی تھیلی نکالکر آگے رکھدی اور رسید چاہی تاکہ سند رہے۔ بدرالدین حسن نے فوراً لکھدیا۔ کہ میرے باپ کے جہازوں میں سے سب سے پہلا جو جہاز یہاں پہنچے اُسے میں نے فلاں یہودی کے ہاتھ بیچ ڈالا ہے۔ یہودی رقعہ لیکر وہاں سے چلا گیا اور بدرالدین اپنی حالت کو یاد کرکے رونے لگا روتے روتے اُسکی آنکھ لگ گئی۔ اتنے میں چاند نکل آیا اور اس کی کرنیں بدرالدین کے مُنہ پر پڑکر عجیب بہار دکھانے لگیں۔ اُسی قبرستان میں پریاں بھی رہتی تھیں۔ اتنے میں ایک پری نے نکلکر اُسے دیکھا اور اس کی خوبصورتی دیکھکر حیران رہ گئی۔ دلمیں سوچنے لگی۔ شاید یہ کوئی فرشتہ ہے۔ پھر حسب معمول ہوا میں اڑنے لگی۔ اتنے میں ایک جن سے دوچار ہوگئی اور صاحب سلامت کے بعد اس سے پوچھا۔ کہ کہاں سے آرہے ہو۔ جن

اسقدر محبت کرنے لگا کہ ایکدم آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتا تھا۔ اسی درمیان میں وزیرزادہ بدرالدین حسن بھی اچھی طرح پرورش پاتا رہا۔ اور نورالدین اپنی املاک بڑھاتا رہا حسن جب چار سال کا ہوا تو بوڑھا وزیر وفات پا گیا۔ نورالدین نے اُس کے جنازے کو بڑے تجمل سے مٹی کے سپرد کیا۔ اب بدرالدین حسن کی تربیت کا اُسے اور بھی فکر ہو گیا اور جب لڑکے کو کچھ ہوش آگئی تو گھر میں اُستاد رکھ کے اُسے تعلیم دلانی شروع کی۔ بدرالدین حسن کا ذہن ایسا رسا واقعہ ہوا تھا۔ کہ اس نے تھوڑے عرصہ میں بہت کچھ سیکھ لیا ایکدن نورالدین اُسے لباس فاخرہ پہنا کر بادشاہ کی خدمت میں لیگیا۔ بادشاہ اُس کے حسن وجمال اور اُسکے شائستہ اطوار کو دیکھ کر نہایت خوش ہوا۔ اور وزیر کو حکم دیا کہ ہر روز اُسے دربار میں لایا کرو۔ بدرالدین حسن کی قابلیت اس طرح ہر روز کی حاضری سے بڑھ گئی۔ اور پندرہ سال کی عمر تک وہ نہایت ہی ہوشیار ہو گیا۔ کہ نورالدین کو یکایک ایک مہلک مرض نے آگھیرا۔ اور وہ نہایت ہی ضعیف ہو گیا۔ ایکدن اُسنے اپنے لڑکے کو بلا کر سمجھایا۔ کہ اب میں کوئی دم کا مہمان ہوں۔ اسلئے تجھے کچھ نصیحت کر دینا چاہتا ہوں اسکے بعد وہ وطن اور یاران وطن کو یاد کرکے رو پڑا۔ اور بولا۔ بیٹا! تمہارا ایک چچا بھی ہے۔ اور وہ مصر میں وزیر ہے۔ میں اس سے کچھ ناراض ہو کر یہاں چلا آیا تھا۔ ایک کاغذ لے آ۔ اور میں جو کچھ لکھاتا ہوں۔ لکھ لے۔ بدرالدین کاغذ کا ایک ورق اور قلم دوات لے آیا۔ نورالدین نے شمس الدین سے ناراض ہو کر مصر سے نکلنے۔ بصرہ میں پہونچکر وزیر بصرہ سے ملنے پھر اس کی لڑکی سے شادی کرنے اور وزیر بصرہ ہونے کے علاوہ بدرالدین کی مفصل کیفیت تاریخ وار لکھوا کر فرمایا۔ کہ جب کبھی ضرورت پڑے مصر میں چلے جائیو۔ اور بھائی کو میرا اسلام کرکے عرض کر دیجو۔ کہ اس غریب الوطن نے تمہارے اشتیاق میں جان دیدی تھی۔ بدرالدین حسن نے اس کاغذ کو لپیٹ کر حفاظت سے ایک کپڑی میں سی لیا اور تعویذ بنا کر پگڑی میں باندھ لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد نورالدین کا طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ اور بدرالدین رونے چلانے لگا۔ بادشاہ کو بھی اُسکی وفات کی خبر ہوئی۔ اور ساری سلطنت میں دو ماہ تک وزیر کا ماتم منایا گیا۔ مگر بدرالدین اُسکے بعد

شہر کو بھی اکٹھا کر کے مشورت طلب کی۔ کہ مصر میں میرا ایک بھائی وہاں کا وزیر ہے اس نے اپنے لڑکے کو میرے پاس بھیجا ہے کہ اپنی لڑکی اس کے بیاہ دوں۔ آپ کی اس میں کیا رائے ہے سب نے کہا۔ در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست۔ وزیر نے یہ سنکر قاضی کو بلوایا اور شبھ لگن میں دونو کا عقد پڑھوا دیا۔ سب مہمان رخصت ہو گئے۔ نورالدین سے کہا کہ اب تم اپنی دلہن کے پاس جاؤ۔ اُدھر شمس الدین جب سلطان کے ساتھ ایک مدت کے بعد لوٹا اور اپنے بھائی کو گھر میں نہ پایا۔ تو پریشان ہو کر اس کے نوکروں چاکروں سے دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ وہ بھی اسی دن سے غائب ہے۔ شمس الدین بڑا غمگین ہوا اور سوچنے لگا کہ یہ میری غلطی کا نتیجہ ہے۔ میں نے اُسے جو سخت الفاظ کہے تھے انہیں وہ سہار نہیں سکا ناچار بادشاہ کی خدمت میں غیر حاضری کی اطلاع کی۔ مگر اصل بات کو چھپا رکھا۔ اور اس کا حکم لیکر ارد گرد کے بادشاہوں کو رقعے لکھے کہ نورالدین اگر ملے تو اطلاع دیں۔ مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ آخر کار اُسے خاموش ہونا پڑا۔ ایک مدت کے بعد مصر کے ایک بڑے سوداگر کی لڑکی سے اس کی شادی بھی ہو گئی۔ اتفاقاً وہی دن نورالدین کی شادی کا بھی تھا اور قدرت خدا سے دونو کے گھر میں بچے بھی ایک ہی دن پیدا ہوئے۔ نورالدین کے لڑکا اور شمس الدین کے لڑکی۔ اور دونو ہی اپنے حسن میں چندے آفتاب و چندے ماہتاب تھے۔ نورالدین نے اپنے لڑکے کا نام بدرالدین حسن رکھا۔ اسکے بعد وزیر بصرہ نورالدین کو بادشاہ کی خدمت میں لیگیا اور عرض کی کہ یہ میرا بھتیجا ہے اور نیز داماد۔ میں چاہتا ہوں کہ حضور اسے اپنی خدمت میں رہنے کی اجازت دیں۔ بادشاہ بولا۔ ہمنے آجتک تو تمہارے کسی بھائی کو نہیں دیکھا۔ وزیر نے جواب دیا۔ حضور! وہ مصر کا وزیر تھا۔ اپنے مرنے کے بعد اس نے دو فرزند چھوڑے۔ بڑا تو وہیں کا وزیر ہے اور چھوٹا میرے پاس آگیا۔ میں نے اپنی لڑکی بھی اسے بیاہ دی ہے۔ یہ سنکر بادشاہ نے خلعت وزارت سے نورالدین کو سرافراز فرما کر خاصے کی سواری کا ایک خچر عطا فرمایا اور سسر داماد دونوں شاداں و فرحاں گھر کو لوٹے۔ اگلے دن نورالدین نے وزارت کا کام اپنے ہاتھ میں لیلیا۔ اور نہایت خوبی و دانائی سے اُسے انجام دینے لگا۔ بادشاہ نے اُسکے حسن تدبیر کو دیکھکر اس سے

نہ آئی۔ صبح ہوتے ہی خچر کسوایا اور خرچی میں زر نقد ڈال کے گھر سے نکلا اور غلاموں اور نوکروں
چاکروں سے کہدیا کہ میں تین دن شہر سے باہر رہونگا۔ اُدھر شمس الدین سلطان کے ساتھ
اہرام مصری کی طرف چلا گیا۔ دوپہر ڈھل چکی تھی۔ جب نورالدین شہر بلبیس میں پہنچکر ستانے
کے لئے ٹھہر گیا اور تھوڑی دیر آرام کر کے سامان سفر مول لیکر چل پڑا۔ حتیٰ کہ کئی دنوں کے
بعد شہر بصرہ میں پہنچکر ایک سرائے میں جا ٹھہرا اور خچر سراوار کے سپرد کر دی۔ اگلے دن
سراوار خچر پر سوار ہو کر شہر کو گیا۔ اتفاقاً وزیر بصرہ اپنے محل میں بیٹھا آنے جانے والوں کی
سیر دیکھ رہا تھا۔ اس نے گمان کیا۔ کہ یقیناً یہ خچر کسی بڑے آدمی کا ہے۔ اس لئے
غلاموں کو اشارہ کیا کہ اس خچر سوار کو میرے پاس لے آؤ۔ غلاموں نے حکم کی تعمیل کی
سراوار حاضر ہو کر آداب بجالایا۔ وزیر نے پوچھا۔ اس خچر کا مالک کون ہے اُسنے جواب دیا
حضور ایک نوجوان صاحب وقار اس کا مالک ہے جو اپنے تئیں کسی تاجر کا بیٹا ظاہر
کرتا ہے۔ یہ سنکر وزیر اس کے ساتھ سرا میں گیا۔ اور نورالدین کو دیکھکر نہایت خوش
ہوا۔ پھر پوچھا۔ بیٹا۔ تم کہاں سے آرہے ہو۔ نورالدین بولا۔ جناب شہر مصر سے میرا
باپ وہاں کا وزیر تھا۔ اس کے مرنے کے بعد ہم دو بھائی اُس کے قائم مقام ہوئے
ایکدن باتوں ہی باتوں میں ہم باہم جھگڑنے لگے۔ مجھے رنج آیا۔ اور میں گھر سے نکل
کھڑا ہوا۔ اب ارادہ ہے کہ کبھی واپس نہ جاؤں۔ بلکہ مختلف شہروں کی سیر و سیاحت میں
بقیہ عمر کو گذاروں۔ وزیر بصرہ بولا۔ بیٹا اس خیال خام کو دل سے نکال دو اور ذرا
میرے گھر چل۔ یہ کہکر خچر پر زین رکھوا دیا۔ اور اُسے ساتھ لیچلا۔ اور رہائش کے لئے ایک
نفیس محل عطا فرمایا۔ وزیر بصرہ نورالدین سے بڑی محبت رکھتا تھا۔ ایکدن اُسے کہنے لگا
بیٹا! میں اب بوڑھا ہوگیا ہوں۔ اور کوئی اولاد نرینہ نہیں رکھتا۔ صرف ایک خوبصورت اور
نیک سیرت لڑکی ہے۔ میں چاہتا ہوں تو اُسے اپنے نکاح میں لیلے۔ اگر تو اسے منظور
کرے تو میں شاہ بصرہ سے عرض کر دونگا کہ تم میرے بھتیجے ہو۔ پھر وہ تمہیں میری جگہ پر
اپنی وزارت میں بھی قبول کریگا۔ نورالدین نے یہ سنکر سر جھکا لیا اور کہا میں آپکا تابعدار
ہوں۔ وزیر بڑا خوش ہوا۔ اور فوراً شادی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ایکدن آکار

بھی معاف کر دیا جائیگا - وزیر بولا -

وزیر نور الدین اور اسکے بھائی شمس الدین کی حکایت

یا امیر المومنین - مصر میں ایک سلطان تھا - نہایت عادل اُسکا وزیر بھی نہایت عقلمند تھا
اُس وزیر کے دو بیٹے تھے شمس الدین اور نور الدین - چھوٹا بڑے سے حسن و جمال میں متمیز تھا
حتےٰ کہ لوگ اُسے دیکھنے کے لئے دُور دُور سے آتے تھے - اتفاقاً اُنکا باپ مر گیا - بادشاہ کو بڑا
افسوس ہوا - اور اس نے دونو کو خلعت عطا کرکے باپ کی جگہ پر سرافراز کیا - اُنہوں نے
بادشاہ کا شکریہ ادا کیا اور پورے ایک ماہ تک رسوم تعزیت بجا لائے - اس کے بعد
فرائض وزارت ادا کرنے لگے - جب بادشاہ سفر میں جاتا تو باری باری ایک کو ساتھ لیجاتا
حسب معمول ایک دن بڑے کی باری تھی - اور دونو بھائی بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے
کہ بڑا شمس الدین بولا - برادر! میں چاہتا ہوں کہ ہم دونوں کی شادیاں ایک ہی رات ہوں -
چھوٹے نے کہا جیسی آپ کی مرضی ہو مجھے اُس سے انکار کیا ہو سکتا ہے - شمس الدین
نے کہا میری خواہش ہے کہ ہماری بی بیاں بھی ایک ہی وقت حاملہ ہوں - اور ایک ہی دن
بچے جنیں - تمہارے ہاں تو لڑکا ہو - اور میرے ہاں لڑکی - اور پھر اُن کا بیاہ کر دیا جاتا
نور الدین نے جواب دیا بہت اچھا - مگر آپ حق مہر کا کیا ٹھہرائینگے - شمس الدین نے کہا -
تین ہزار دینار - تین باغ اور تین ہی اچھی آبادی بستیاں - نور الدین یہ کلام سُنکر بولا - صاحب
مجھے یہ شرط منظور نہیں - ہم دونو ہم رتبہ بھائی ہیں - اسلئے آپ کو بہت سا جہیز دینا چاہیئے
نہ کہ اُلٹی لینے کی شرط کریں - کیونکہ لڑکے کو لڑکی پر ہر حالت میں فضیلت ہوتی ہے -
شمس الدین یہ سُنکر غصے میں بھر گیا - اور کہنے لگا - تم نے میری لڑکی کی ہتک کی ہے -
اور میرے ساتھ بھی گستاخی سے پیش آئے ہو - کل دن چڑھ لینے دو - دیکھو تو بادشاہ
سے کہکر تمہاری کیسی گوشمالی کراتا ہوں - تاکہ آیندہ کوئی چھوٹا بھائی بڑے کی گستاخی نہ
کر سکے - اور اب تو میں کبھی تمہارے لڑکے کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی نہ کرونگا - خواہ
تو سونا بھی اُس سے تولکر دے - یہ کہکر دونو جُدا ہو گئے - شمس الدین اپنے خوابگاہ میں
چلا گیا - اور نور الدین اپنے کمرے میں جا لیٹا - مگر بے چین اور غصے کے مارے اُسے نیند

بہت کچھ واسطے بھی دئیے۔ مگر اس روسیاہ لعین نے ایک نہ مانا اور سیب کو لے ہی گیا۔ اب مجھے خوف ہے کہ آپ مجھے مار ینگے۔ اپنے لڑکے کی زبان سے یہ باتیں سُنکر میرا دل سرد ہو گیا۔ اور بے اختیار دھاڑیں مار کر رونے لگا۔ اتنے میں میرا چچا بھی آ گیا۔ اور میرے رونیکا سبب پوچھا میں نے ساری سرگذشت سُنا دی۔ یہ بھی میرے پاس بیٹھکر رونے لگا اور ہم آدھی رات تک یونہی گریہ و بکا کرتے رہے۔ پانچ دن تک ماتم بھی رکھا آخر خاموش ہو رہے۔ اب اکتا لیس بے گناہوں کو پھانسی پر چڑھتے دیکھا نہیں گیا اور میں حاضر ہو گیا ہوں۔ خدا کیلئے جلدی مجھے کیفر کردار کو پہنچا ئیے۔ خلیفہ بولا۔ میں اُس روسیاہ ملعون کے سوا اور کسی کو قتل نہ کرونگا۔ سُنو جعفر! تین دن کے اندر اس خبیث غلام کو پیدا کرو۔ ورنہ تم مارے جاؤگے۔ جعفر رونے لگا اور سوچتا تھا کہ اب میں اس غلام کو کہاں سے پیدا کرونگا۔ خدا جانے وہ کون تھا؟ لیکن پھر یہ سوچکر کہ جس خدا نے مسبب الاسباب نے پہلے اُس کی جان بچائی ہے۔ کیا عجب ہے کہ اب بھی اُنکے آ جائے۔ وہ گھر جاکے بیٹھ رہا۔ تین دن پلک جھپکتے میں گذر گئے۔ چوتھے روز حاضری تھی۔ وزیر نے قاضی کو بلاکر وصیت کی۔ اور سب سے وداع ہو رہا تھا کہ خلیفہ کے آدمی پہنچگئے وزیر سب سے چھوٹی لڑکی کو گود میں لیکر پیار کرنے لگا۔ اور جب اُسے چھاتی سے لگایا۔ کوئی گول سی چیز محسوس ہوئی۔ پوچھا۔ بیٹی! یہ کیا ہے۔ لڑکی بولی سیب ہے جسپر ہمارے امیرالمومنین کا نام لکھا ہے۔ اور میں نے اُس حبشی غلام ریحان سے دو دینار کو مول لیا ہے۔ وزیر حیران رہ گیا اور غلام کو اپنے سامنے بلاکر پوچھا۔ یہ سیب تو نے کہاں سے لیا ہے۔ اُسنے سچ سچ بتا دیا کہ ایک دن ایک گلی میں ایک لڑکا کھیل رہا تھا اس سے چھین کر میں نے چھوٹی بیگم صاحبہ کے ہاتھ دو دینار پر بیچ ڈالا۔ اور اس لڑکے نے رو رو کر مجھ سے بیان کیا تھا کہ میری بیمار والدہ کے لئے میرا باپ دور دراز سے تین سیب لایا ہے۔ مگر میں نے اس کی کچھ نہ سُنی۔ وزیر کا تعجب اور بھی بڑھ گیا۔ پھر اُسے وہ خلیفہ کے حضور میں لیگیا۔ ریحان نے وہاں بھی وہی تقریر کر دی۔ اس کا قصور ثابت تھا خلیفہ نے حکم دیا کہ اس کمبخت کی گردن مارو۔ مگر وزیر نے سفارش کی۔ کہ صاحب! وزیر نورالدین اور اُسکے بھائی شمس الدین کی حکایت اس سے بھی عجیب تر ہے۔ خلیفہ نے کہا۔ سناؤ۔ اگر اس سے عجیب تر ہوئی تو تمہارے غلام کا قصور

سے منظور تھی۔ اِسلئے مینے بغداد کا کونہ کونہ سیب کے لئے چھان مارا۔ مگر ایک دینار پر بھی سیب کا ایک دانہ تک نہ مل سکا۔ ناچار میں مایوس ہو کر بڑی رات گئے گھر آیا۔ اور اسی فکر میں رات گذار دی۔ اگلے دن ایک بڈھے مالی نے مجھے پتہ دیا۔ کہ سوائے شاہی باغ بصرہ کے اور کہیں سے سیب نہ مل سکیگا۔ میں جیسے ہو سکا۔ بصرہ میں پہنچا۔ اور تین دینار کے بدلے تین سیب اُس باغ کے مالی سے خرید کیئے۔ اُنہیں لیکر جہاں تک جلد ہو سکا۔ میں اپنے گھر آیا۔ اور تینوں سیب اُسے دیدئے۔ مگر اُسے کچھ فرصت نہ ہوئی۔ کیونکہ بخار نے پھر اُسے آ دبایا تھا۔ اور وہ سخت ضعیف ہو رہی تھی۔ دس دن کے بعد اُسے ہوش آیا۔ اور میں اپنی دُکان پر آ کر خرید و فروخت کرنے لگا۔ دوپہر کے وقت جب میں اپنی دوکان پر بیٹھا تھا مینے دیکھا کہ حبشی غلام ہاتھ میں سیب لئے اُچھالتا جا رہا ہے۔ مینے فوراً اپنا سیب پہچان لیا اور اُس سے پوچھا۔ کہ تم نے یہ سیب کہاں سے لیا ہے؟ وہ بولا۔ اپنی معشوق سے وہ بیمار تھی۔ اور میں اُس کی خبر لینے گیا تھا۔ اُس کے پاس تین سیب رکھے تھے۔ مینے پوچھا۔ یہ کہاں سے لئے۔ وہ بولی۔ میرا شوہر میرے لئے کسی دور دراز مقام سے تین دینار کو لایا ہے۔ ایک اُن میں سے مینے بھی اٹھا لیا۔ یہ پورے پتے کی باتیں سُنکر میرا دل بھر آگیا اور دُنیا آنکھوں میں سیاہ ہو گئی۔ فوراً دوکان بند کیا اور گھر کا راستہ لیا۔ سوچتا جاتا تھا کہ میں تو بدذات سے اسقدر محبت کروں اور وہ اُسکا اجر یہ دے۔ سچ ہے۔ عورت کی ذات سے وفا کی اُمید رکھنی نادانی ہے۔ اسی حالت میں گھر پہنچ گیا اور دیکھا کہ میری عورت کی چارپائی کے پاس دو ہی سیب رکھے ہیں۔ تیسرا غائب ہے مینے خفا ہو کر دریافت کیا وہ تیسرا سیب کہاں ہے؟ جس کا جواب بڑی رُکھاوٹ سے یہ ملا مجھے کیا معلوم یہیں ہوگا یہ سُنکر اُس بدذات حبشی غلام کی بات صحیح معلوم ہوئی۔ فوراً چھری اُٹھا اپنی زوجہ کے پیٹ میں چبھو تک دی۔ اور لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے صندوق میں بند کیئے۔ پھر صندوق کو خچر پر لاد کر دجلہ میں جا پھینکا اور سخت پریشانی کی حالت میں گھر کو لوٹا۔ دروازے پر پہنچکر بڑے لڑکے کو روتا پایا۔ جب سبب پوچھا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ وہ ایک سیب اُٹھا کر کھیل رہا تھا اور کوئی حبشی غلام اُس سے سیب کو چھین لیگیا جسکے پیچھے وہ بہتیرا بھاگا۔ اور

اُسے سولی پر لٹکا دیں۔ سارے شہر میں بھی منادی کیگئی کہ خلیفہ کے حکم سے وزیر اور اُس کے چالیس اقربا خلیفہ کے دروازے پر پھانسی دئے جائیں گے جسے دیکھنا منظور ہو چلا آئے۔ لوگ جوق در جوق اکٹھے ہونے لگے اور قریب تھا کہ جلاد اُن سب کو پھانسیوں پر لٹکا دیں۔ اتنے میں خلقت کے ہجوم کو چیرتا ہوا ایک نوجوان نکلا اور وزیر کے ہاتھوں کو بوسہ دیکر کہنے لگا۔ جس عورت کی لاش آپ نے صندوق میں پائی تھی۔ میں اُس کا قاتل ہوں اور قصاص دینے کے لئے حاضر ہوں۔ ابھی اس کی بات درمیان میں ہی تھی۔ کہ ایک بڈھا بڑی سرعت سے دوڑتا ہوا وہاں آکر ٹھہر گیا اور بولا یہ جھوٹا ہے۔ اُسکا قاتل میں ہوں۔ نوجوان نے جواب دیا۔ حضرت یہ بوڑھا سٹھیا گیا ہے۔ اور اسلئے یہ اپنے حواس میں نہیں۔ آپ یقین کریں۔ کہ میں نے ہی اس عورت کو قتل کیا تھا۔ بڈھا بولا بیٹا تم نوجوان ہو اور میں دنیا سے سیر ہو چکا ہوں۔ اس لئے مجھے وزیر پر اور اُس کے اقربا پر تصدق ہو جانے دو۔ علاوہ ازیں قاتل بھی تو میں ہی ہوں۔ جعفر ان باتوں کو سُنکر حیران رہگیا اور دونوں کو لیکر خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی حضور! قاتل حاضر ہے۔ خلیفہ چونکا اور سر اُٹھا کر پوچھا وہ کہاں ہے۔ وزیر نے جواب دیا۔ یہ جوان کہتا ہے۔ میں ہوں۔ اور یہ بوڑھا کہتا ہے میں نے اُسے قتل کیا تھا۔ خلیفہ نے اُن سے پوچھا۔ بتاؤ تم میں سے کس نے قتل کیا۔ جوان بولا میں نے۔ اور بوڑھے نے کہا۔ میں نے۔ خلیفہ نے حکم دیا۔ جاؤ۔ دونوں کو پھانسی دیدو۔ وزیر جعفر بولا حضور ایک کے بدلے دو کا مارنا گناہ ہے۔ جوان بولا بخدا! اس کا قاتل میں ہوں۔ چلو مجھے مقتل میں لے چلو۔ بوڑھا یہ سُنکر خاموش ہو گیا۔ خلیفہ نے بھی خیال کیا۔ کہ وہی اصلی قاتل ہے۔ پھر اُس سے پوچھا۔ تمہیں اس بیگناہ کو قتل کرتے وقت خدا و حاکم کا خوف بھی نہ آیا۔ اور پھر آپ ہی اب قصاص کے لئے کیوں آگئے ہو؟ جوان نے جواب دیا۔ یا حضرت یہ عورت میری زوجہ اور اس بوڑھے میرے چچا کی بیٹی تھی۔ ہم میں کمال محبت تھی۔ اور خداوند نے اس سے مجھے تین لڑکے عطا فرمائے تھے۔ اس مہینے کے آغاز میں وہ سخت بیمار ہو گئی اور بڑی دوڑ دھوپ سے کچھ آرام آیا۔ میں نے اُسے حمام کرانا چاہا۔ وہ بولی حمام کرنے سے قبل میرا جی سیب کھانے کو چاہتا ہے۔ از حد محبت ہونیکے سبب چونکہ مجھے اس کی خاطر ہر طرح

نے جواب دیا۔ بیٹا میں ایک غریب ماہیگیر ہوں۔ ایک زوجہ اور کئی چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اسی
پیشے سے میں ان کا پیٹ پالتا ہوں۔ لیکن اکثر محتاجی ہی میں گزرتی ہے۔ آج بھی حسب معمول
دوپہر سے مچھلیاں پکڑنے دریا پر آیا تھا۔ لیکن اس وقت تک ایک بھی مچھلی جال میں نہیں آئی
ناچار مایوس ہو کر گھر جاتا ہوں۔ اب کل فاقے میں بسر کرونگا۔ اسی لئے قسمت کی شکایت
کر رہا تھا۔ خلیفہ کو رحم آیا اور کہنے لگا۔ بڑے میاں! آؤ۔ تو ایک دفعہ اور قسمت آزمائی کرو
کچھ نکلے یا نہ نکلے ہم تجھے ایک سو دینار عطا کرینگے۔ غریب بڈھا یہ بات سنکر خوش ہو گیا
اور اُلٹے پاؤں ان تینوں کے ہمراہ ہو لیا۔ اور کنارِ دریا پر پہنچکر جال پھینکا اور تھوڑی دیر
ٹھہر کر اسے کھینچ لیا تو ایک بھاری صندوق نکلا۔ خلیفہ نے اُسے ایک سو دینار عطا کر دئے
اور صندوق کو مسرور کے کندھے پر رکھوا کے گھر کو لیچلا۔ محل میں پہنچکر اسے تڑوایا۔
تو اس میں سے کوئی چیز سرخ ریشمی کپڑے میں لپٹی ہوئی پائی۔ فوراً اُسے پھاڑ ڈالا
اندر سے ایک اور کپڑا نکلا اُسے بھی پھڑوا دیا۔ تو خلیفہ کی کوئی انتہا نہ رہی۔ دیکھے تو
ایک خوبصورت بی بی کی لاش ٹکڑے ٹکڑے کر کے بندھی ہوئی تھی۔ خلیفہ بہت برہم ہوا
اور وزیر کی طرف خطاب کر کے کہا۔ تم میری رعیّت کی ایسی ہی حفاظت کیا کرتے ہو اور تمہارے
عہد وزارت میں ایسے ظالم لوگ بھی ہیں جو اس سنگدلی سے میری رعیّت کو قتل کر کے دریا میں
ڈالدیتے ہیں۔ قیامت کے دن ایسے مقتولوں کے خون کا مجھ ہی سے مواخذہ ہوگا۔ پس
اگر تم اپنی جان سلامت چاہتے ہو تو فوراً اس کے قاتل کو پیدا کرو۔ ورنہ یاد رکھو تمہارے
ساتھ تمہارے خاندان کے چالیس آدمی اسکے قصاص میں سولی پر لٹکائے جائیں گے
وزیر جعفر نے تین دن کی مہلت طلب کی۔ جسے خلیفہ نے منظور کیا۔ جعفر کمال مغموم ہو کر
گھر آیا۔ اور سوچنے لگا۔ اتنے بڑے شہر میں قاتل کا ملنا دشوار ہے۔ بالفرض اگر اسے
پا بھی لوں۔ تو کس گواہ کہاں سے لاؤنگا۔ اور اگر کسی دوسرے کو پھانسوں تو اسے میری طبیعت
ناپسند کرتی ہے۔ ناچار تین دن گھر میں ہی پڑا رہا۔ چوتھے دن خلیفہ نے اسے بلا کر پوچھا
تا اس کا قاتل کہاں ہے۔ جعفر بولا اے امیر المومنین! میں غیب دان تو ہوں نہیں
کہ آپ کو قاتل کا پتہ بتا سکوں۔ یہ سنکر خلیفہ غیظ و غضب میں بھر گیا۔ اور حکم دیا۔ کہ

جارہی تھی۔ زنہار اس قوم کے ساتھ میل جول نہ بڑھانا۔ یہ اخوان الشیاطین ہیں اور خدا کے نام سے گھبراتے ہیں۔

مینے پوچھا۔ تمہارے باپ کا ان کے ساتھ کیسے برتاوا تھا۔ وہ بولی۔ میرا باپ ان لوگوں سے کنارہ کش رہتا تھا۔ لیکن اب میری چاہتے ہے۔ کہ میرا باپ بھی مرگیا۔ اب یہاں رہنے سے کیا فائدہ ہے چلو اپنے وطن کو لے چلو۔ میں بھی تمہارے ساتھ بشوق چلوں گی۔ یہ سنکر مینے اس کے باپ کی سب جائداد بیچ ڈالی اور اس انتظار میں بیٹھا۔ کہ کوئی جہاز ملے تو یہاں سے کوچ بولدیں۔ تھوڑے دنوں کے بعد سنا کہ ایک جماعت وہاں سے چلنے والی ہے انہوں نے اپنے لیئے ایک بڑا جہاز تیار کیا۔ اور میں نے بھی اس پر جانے کی ٹھان لی۔ کرایہ طے ہوگیا۔ اور مقررہ روز پر اسپر سب کچھ لادکر وہاں سے چل پڑا۔ ہوائے موافق نے جہاز کو امن وامان سے بندر بصرہ تک پہنچا دیا۔ وہاں سے مینے بغداد کی راہ لی۔ اور گھر پہنچکر مال واسباب اور بیشمار دولت ٹھکانے رکھ کے عہد کیا کہ آیندہ کبھی سفر کا نام نہ لونگا۔ جب مینے متعلقین کو اپنا قصہ سنایا تو وہ بڑے حیران ہوئے اور مجھے میری سلامتی پر مبارکبادیں دینے لگے۔ اے بھائی سندباد! مینے ان مشقتوں سے روپیہ حاصل کیاہے اور اب آرام کررہا ہوں۔ امید ہے کہ تو مجھے معاف کردیگا۔ اگر میں تیرا حق ادا نہیں کرسکا۔ اب تو بوجھ اٹھانا چھوڑ دے اب سے میں اور تو دوستانہ طور پر بسر اوقات کیا کرینگے ۔

تین سیب اور ایک عورت کے دھوکے سے مارے جانیکی حکایت

ملکہ شہرزاد بولی۔ حضور خلیفہ ہارون الرشید اکثر راتوں کو بھیس بدلکر شہر میں رعیت کے حالات اپنی آنکھوں دیکھنے کے لیئے پھرا کرتا تھا۔ ایک رات وہ وزیر جعفر اور خواجہ سرا مسرور کو ہمراہ لیکر حکام شہر کا حال دیکھنے کے لئے تینوں نے بھیس بدل لیا۔ اور پھرتے پھراتے ایک گلی میں وارد ہوئے۔ دیکھا کہ ایک بوڑھا طویل القامت سر پر جال اور کاندھوں پر ناریل کے پتوں کا ٹوکرا دھرے لاٹھی ٹیکتا چلا جارہا ہے۔ اور اپنی قسمت پر افسوس کررہا ہے۔ خلیفہ بولا۔ یہ شخص بہت غریب معلوم ہوتا ہے۔ آؤ۔ اس کا حال دریافت کریں وزیر آگے بڑھا۔ اور پوچھا۔ بڑے میاں! تم کون ہو اور کہاں جارہے ہو۔ بوڑھے نے

میرے دیکھتے دیکھتے اُڑ گیا اور یہیں وہیں رہ گیا۔ اسی طرح کئی دفعہ اس کے پاس گیا۔ آخرکار ایک دن اُس نے مان ہی لیا۔ میں اُسکے پروں سے لٹک گیا۔ اور وہ سب آسمان کی طرف اُڑے۔ حتیٰ کہ فرشتوں کی تسبیح کی آواز آنے لگی۔ گھر بار سب کچھ نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ میرے مُنہ سے بھی حیرت کے مارے سبحان اللہ و الحمد للہ نکل گیا۔ فوراً آسمان سے آگ کا شعلہ نکلا۔ اور قریب تھا کہ ان سب کو جلا دے۔ اتنے میں میرے اُٹھانے والے نے مجھے ایک اونچے پہاڑ پر دے پٹکا۔ اور سب کے سب غصے میں بھر کر مجھے اکیلا چھوڑ چلے گئے۔ میں نے اپنی بے عقلی پر پھر لعنت کی۔ کہ میں بھی خوب ہوں۔ ایک مصیبت سے چھٹکارا نہیں ملتا کہ دوسری میں جا پھنستا ہوں۔ ناچار میں اٹھا اور ادھر اُدھر ٹہلنے لگا کہ دو چاند سے ٹکھڑوں والے لڑکے دکھائی دئے۔ جن کے ہاتھ میں سونے کی لاٹھی پکڑی ہوئی تھی۔ میں نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے بھی محبت سے سلام کا جواب دیا۔ میں نے پوچھا آپ کون ہیں۔ انہوں نے کہا خدا کے بندے۔ پھر انہوں نے وہ سونے کی چھڑی عنایت کردی اور آپ وہاں سے چلے گئے۔ میں اسی پہاڑ پر پھرنے لگا۔ اتنے میں میں نے دیکھا کہ ایک اژدہا ایک آدمی کو نگلے جائے۔ آدمی نے غل مچایا کہ جو کوئی مجھے بلا سے نجات دے خدا اُسے ہر مشکل سے نجات دیگا۔ میں دوڑا اور وہ لاٹھی اُٹھا کے اژدہے کو دے ماری۔ فوراً وہ آدمی اُس کے مُنہ سے چھوٹ پڑا۔ اور آگے بڑھ کر کہنے لگا۔ آپ نے میری جان بچائی ہے۔ میں آپ کا مشکور رہوں اور آپ ہی کی خدمت میں رہنا چاہتا ہوں۔ میں نے منظور کیا۔ اب ہم ایک سے دو ہو گئے۔ اور پھرنے لگے۔ اتفاقاً سامنے مجھے ایک جماعت آدمیوں کی دکھائی دی۔ اور اُن میں میں نے اس شخص کو بھی پایا جو مجھے گھر سے اُڑا کر لایا تھا۔ میں نے اپنے یہاں پھنسنے جانے کی وجہ پوچھی۔ تو وہ بولا۔ تم نے تو سبحان اللہ کہہ کے ہمیں ہلاک کرا دیا تھا۔ میں نے معذرت کی کہ مجھے کچھ علم نہ تھا۔ ورنہ ایسا نہ ہوتا۔ اسلئے میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ اور اقرار کرتا ہوں۔ کہ اب ایسا نہیں کرونگا۔ اس شرط پر اُس نے مجھے اٹھایا اور گھر لا کے چھوڑ دیا۔ جب میں اپنی بی بی کے پاس آیا۔ اُس نے مجھے سلامتی پر سبارکباد دی ... نے لگی۔ میں آپ کے ان لوگوں کے ساتھ جانے کی خبر سنکر سہی

ہوا کہ یہ تمہارا مال ہے۔ اگر ہو سکے تو بولو۔ ورنہ کوئی اچھا موقعہ آنے پر دیکھا جائیگا۔ اور اس وقت تک اس کی حفاظت میرے ذمہ رہی۔ مینے کہا کہ جیسا آپ مناسب سمجھیں۔ مجھے منظور ہے۔ اُس نے کہا۔ تم اسے میرے پاس گیارہ سو دینار پر بیچ سکتے ہو۔ مینے کہا بہت اچھا۔ غرض سودا ہو گیا اور جب ہم گھر پہنچے بوڑھے نے مجھے گیارہ سو دینار گن دئے۔ پھر تھیلیاں بھی عنایت کیں۔ جنمیں زر نقد بند کیا گیا اور اُنہیں ایک دکان میں مقفل کرکے چابی مجھے دیدی ایک مدت وہاں رہتے سہتے گذر گئی۔ ایکدن بوڑھا کہنے لگا۔ بیٹا! میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ اگر منظور کرو تو کہوں۔ مینے پوچھا وہ کیا بات ہے۔ بڈھا بولا میں اب ضعیف ہو گیا ہوں۔ کوئی اولاد نرینہ نہیں۔ صرف ایک لڑکی ہی ہے۔ بڑی سمجھ دار اور خوبصورت میرے پاس جو دولت کثیر ہے اسکی مالک بھی وہی ہے۔ اگر تو اُسے اپنے عقد میں لے آئے تو اس سب دولت کا تو ہی مالک بنے لگا اور میری جگہ بھی تجھے ہی ملیگی۔ یہ سُنکر میں خاموش ہو گیا بڈھا کہنے لگا۔ کیوں چپ ہو رہا ہے۔ کچھ تو جواب دو۔ تمہیں سیر و سیاحت اور تجارت سے کوئی نہیں روکے گا۔ جہاں جی چاہے جاؤ۔ آؤ۔ فقط اُسے اپنے عقد میں لے لو۔ مینے کہا حضرت میں آپ کے فرمان سے کیسے سرتابی کر سکتا ہوں۔ بڈھا بڑا خوش ہوا۔ اور غلاموں کو حکم دیا۔ کہ قاضی صاحب کو بُلا لائیں۔ قاضی آیا اور ہمارا نکاح پڑھا گیا۔ جب مینے اپنی عورت کو دیکھا تو مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ وہ بڑی خوبصورت تھی۔ اور نہایت ہی قیمتی جواہرات اور زیورات پہنے تھی۔ غرض ہم میں بڑی محبت ہو گئی اور آرام سے کٹنے لگی۔ کچھ مدت کے بعد بڈھا مرگیا اور میں اسکا قائم مقام مقرر ہوا۔ سوداگروں نے بھی مجھے اُس کا رتبہ دے دیا۔ کیونکہ وہ اُن سب سے بڑا تھا اور جب میں اہل شہر سے ملا مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ کہ ہر ماہ کے شروع میں اُنکی حالت میں عجیب تبدیلی واقع ہو جاتی تھی۔ اور ہر ایک کے پر نکل آتے تھے۔ جن سے وہ آسمان کی طرف اڑنے لگتے تھے۔ اور شہر میں بچّوں کے سوا اور کوئی بھی نہ رہتا تھا۔ مینے سوچا۔ یہ کہاں جاتے ہیں۔ کسی سے پوچھا چاہیے۔ تھوڑے ہی روز کے بعد اگلا مہینہ بھی آگیا۔ اُن لوگوں کے پر پھر نکل آئے تو مینے ایک ہمسایہ سے فرمائش کی۔ کہ مجھے بھی ساتھ لے چلے۔ جہاں وہ سب جاتے ہیں۔ اُس نے کہا یہ ہرگز نہ ہوگا۔ وہ

پہاڑ کے نیچے سے نہر کو گذرتے دیکھکر پھر میرے حواس لگے فرو ہونے میں نے چاہا کہ ہو سکے تو کشتی کو باہر ہی ٹھہراؤں۔ مگر پانی کا زور غالب آیا۔ اور وہ مجھے بہا لے گیا مجھے خوف تو بڑا آیا۔ مگر این ہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دگر سمجھکر میں بے پرواہ سا ہو گیا۔ آخر خدا خدا کر کے کشتی باہر نکلی اور ایک خوش فضا وادی میں آ پہنچا۔ ہوا اچل رہی تھی اور ندی ٹھاٹھیں لے رہی تھی۔ میں نے کشتی کو سنبھالنے کی کوشش کی مگر قدرت کی طاقتوں کے ساتھ ایک ضعیف انسان کا کیا مقابلہ ہو سکتا ہے کشتی نیچے اوپر ہو رہی تھی۔ میں سوچتا تھا کہ اب گرنے ہی کو ہوں۔ اتنے میں میری نظر ایک عظیم الشان شہر پر جا پڑی۔ جو اس نہر کے کنارے پر واقع تھا۔ وہاں کے کئی باشندوں نے بھی مجھے دیکھ لیا۔ اور میری طرف دوڑے آئے اور مجھے ہاتھوں ہاتھ اٹھا لیا۔ اور میں باہر آکر مُردوں کی طرح گر پڑا۔ اتنے دنوں کا بھوکا اور اسقدر مشقت کی تھی۔ کہ میں ہی جانتا ہوں۔ بلکہ میں حیران ہوں۔ کہ بچ کیونکر رہا اتنے میں اُس جماعت میں سے ایک بڈھا نکلا۔ جس نے مجھے کچھ کپڑے دئے۔ میں نے اُن سے اپنا ستر ڈھانپا اور وہ نیکدل بڈھا پھر مجھے حمام کی طرف لے گیا۔ حمام سے فارغ ہو کر کپڑے بدلے اور پھر وہ مجھے اپنے گھر میں لے گیا۔ جہاں میں نے خوب پیٹ بھر کر اچھے اچھے کھانے کھائے۔ تین دن تک مجھے بڑا ضعف رہا۔ اس عرصے میں شریف بڈھے کے نوکروں نے میری ایسی خدمت کی۔ کہ میں اور میرا خدا آگاہ ہے۔ چوتھے دن وہ مہربان ہو کر مجھے میری سلامتی پر مبارکباد دینے لگا اور کہنے لگا۔ اگر تم میں طاقت ہو تو ذرا ساحل تک میرے ساتھ چلو اور اپنے مال کو بیچکر اس کی قیمت گرہ میں باندھو۔ میں حیران تھا کہ میرا کون سا مال ہے؟ اس نے مجھے متفکر دیکھکر کہا۔ بیٹا! اگر تمہارا ارادہ فی الحال اسے بیچنے کا نہ ہو۔ تو نہ سہی۔ اچھا موقعہ آئیگا تو دیکھا جائیگا۔ اس وقت تک میرے ملازم اس کی حفاظت کرینگے۔ بوڑھے کی اس تقریر نے مجھے اور بھی حیران کر دیا۔ ناچار میں نے فیصلہ کیا۔ چلو چل کے اپنا مال تو دیکھ لو۔ اور بڈھے سے کہا۔ اچھا جناب چلئے۔ میں آپ کے ارشاد سے کیونکر انکار کر سکتا ہوں میں اُس کے ساتھ بندرگاہ کے بازار تک گیا۔ اور جا کے دیکھا کہ وہاں میری وہی کشتی پڑی تھی جس میں سوار ہو کے آیا تھا۔ اب مجھے پتہ لگ گیا کہ وہ صندل کی لکڑیاں تھیں۔ نیلامی شروع ہوئی۔ آخری بولی ایک ہزار کی دی گئی۔ اس سے کوئی نہ بڑھا۔ آخر بڈھا مجھ سے کہنے لگا

خاموشی نہ ہوئی تھی کہ تیسری طرف سے ایک اور مچھلی جو ان دونوں سے بھی بڑی تھی۔ منہ کھولے دکھائی دی۔ اب تو ہمارے ہوش و حواس بھی پیترا ہو گئے۔ پھر وہ تینوں مچھلیاں جہاز کے ارد گرد گھومنے لگیں۔ اور تیسری مچھلی نے منہ کھولا ہی تھا کہ بیٹے ہوئے جہاز کو نگل جائے ناگاہ ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا۔ اور اُسنے جہاز کو ایک چٹان پر دے مارا جس سے جہاز کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ سب کچھ ڈوب گیا۔ سارے ساتھی بھی اسباب کے ساتھ ہی گئے فقط میں بھرا اور فوراً اپنے بدن کے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ صرف ایک کپڑا رہنے دیا۔ اتنے میں ایک تختہ میرے ہاتھ آگیا جس سے چمٹ کر اوپر کو چڑھ گیا۔ اور اسی سے کشتی کا کام لینے لگا۔ لیکن ہوا اور موجیں اُسے اوپر نیچے اچھال رہی تھیں۔ جس سے میری زندگی بھی ڈانواں ڈول ہو رہی تھی۔ میں پھر اپنے تئیں ملامت کرنے لگا کہ اچھے بھلے آرام کو لات مار کر گھر سے نکلنے کا یہی نتیجہ ہونا چاہیے۔ سندباد! تو بار بار بحری سفر میں سختیاں اُٹھاتا ہے اور پھر بھی توبہ نہیں کرتا۔ بلکہ توبہ کر کے توڑ دیتا ہے۔ یہ تیرے لئے اچھا نہیں۔ ایسی طمع بھی کس کام کی جس سے جان پر بن جائے۔ مر و خدا کیا یاد میں گذار۔ یہ خیالات اس وقت میرے دلمیں موجزن تھے۔ ناچار میں نے سخت ارادہ کر لیا۔ کہ اگر اب کے بار جیتا بچا تو مدت العمر تک سفر کا نام نہ لونگا۔ غرض دو دن تک برابر یہی حال رہا۔ تیسرے دن ہوا بھی تھم گئی ایک جزیرے کا کنارہ بھی قریب آگیا۔ میں تختے سے اُتر کر کنارے پر چڑھ گیا۔ بھوک لگی ہوئی تھی اور سخت تھک رہا تھا۔ پہلے تو تھوڑی دیر ٹھہر کر دم لیا۔ پھر وہاں سے میوے توڑ کر کھائے اور پانی پی کر خدا کا شکر ادا کیا۔ جب کچھ سکت آئی اُٹھکر اِدھر اُدھر پھرنے لگا۔ اور دیکھا کہ جزیرے میں سے ایک نہر دوسری طرف جا رہی ہے۔ میں نے خیال کیا کہ کہیں اسکا خاتمہ بھی ہوگا۔ معاً میرے دل میں خیال آیا کہ ایک کشتی بنا کر یہاں سے چل نکلنا چاہیے۔ کون پڑا اُلٹا رہے کہیں پہنچ گئے تو الحمد للہ۔ ورنہ یہاں مرنے سے سمندر میں تو ڈوب کر مرینگے۔ پھر میں نے وہاں سے لکڑیاں اکٹھی کیں۔ جنھیں میں نہ جانتا تھا کہ کاہے کی ہیں۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ صندل کی تھیں۔ اور انہیں گھاس کے رسّوں سے باندھکر ایک بیڑا تیار کر لیا اور اُسے دریا میں ڈالکر میں بھی اُس پر چڑھ بیٹھا۔ تین دن تک وہ کشتی برابر چلا کی۔ چوتھے دن ایک بلند

سنادی۔ اور اپنی معذوری جتائی۔ خلیفہ نے مورخوں کو حکم دیا کہ میری کہانی کو لکھکر خزانے میں رکھیں۔ پھر خلیفہ نے بھی مجھے بہت کچھ انعام و اکرام دیا۔ اور میں بغداد میں بہ شان و شوکت رہنے لگا۔ یہاں تک پہنچکر ایک سو دینار ہندباد کو دیکر رخصت کیا۔ اور کہا کہ کل پھر آنا ساتویں سفر کی کیفیت بھی سناؤں گا۔ اگلے دن جب حسب معمول سب کے سب آگئے۔ دسترخوان چنا گیا اور کھانے سے فراغت پاکر سندباد بولا۔

سندباد جہازی کے ساتویں سفر کی سرگذشت

صاحبو! چھٹے سفر سے واپس آکر میں پھر عیش و عشرت میں مصروف ہوگیا حتیٰ کہ اس پہاڑتلے بہنے والے دریا میں کئے ہوئے وعدے کو بھی بھلادیا۔ اور پھر دل میں سفر کا اشتیاق پیدا ہوا فوراً اسباب سفر آراستہ کیا۔ اور ایک جہاز کو سفر کے لئے تیار پایا جس میں اور بھی کئی تاجر سوار تھے۔ میں بھی اُسپر سوار ہوگیا۔ اور اُن سے مانوس ہوگیا۔ جہاز چل پڑا ہوا موافق تھی اسلئے ہم امن و امان سے شہر چین میں پہنچ گئے اور مزے مزے کی باتوں میں مشغول تھے کہ سامنے سے ایک تیز جھونکا ہوا کا آیا۔ مینہ بھی برسنے لگا۔ جہاز کنارے سے دُور چلا گیا اتنے میں ہم نے کپتان کو دیکھا کہ کپڑے پھاڑکر سر پیٹ رہا ہے ہمنے کہا صاحب کچھ بات تو بتاؤ ہمیں کیوں حیرانی میں ڈالدیا۔ اُسنے کہا۔ خدا سے اپنے بچاؤ کے لئے دعا مانگو۔ کیونکہ ہوا نے ہمپر غلبہ پاکر ہمیں دُنیا کے دور دراز سمندر میں ڈالا ہے۔ پھر وہ تختے سے اُترا اور صندوق کھولکر ایک تھیلی نکالی۔ اُس میں سے ایک تھوڑی سی مٹی نکالی جو ریت کی مانند معلوم ہوتی تھی۔ پھر اُس میں پانی ملایا اور تھوڑی دیر ٹھہر کر اُسے سونگھا۔ اس کے بعد ایک چھوٹی سی کتاب نکالی اُسے کھولکر پڑھا اور کہنے لگا۔ اس کتاب میں لکھا ہے کہ جو شخص یہاں پہنچا وہ بچکر نہیں نکلا۔ اس علاقے کا نام اقلیم الملوک ہے اور یہاں حضرت سلیمانؑ کی قبر ہے۔ اس سمندر میں بڑی بڑی مچھلیاں پائی جاتی ہیں۔ اسکے بعد ایک بڑا شور سنائی دیا۔ اور ہمیں اپنی موت کا یقین ہوگیا۔ ناگاہ کیا دیکھتے ہیں۔ کہ ایک بڑی مچھلی منہ کھولے ہماری طرف آرہی ہے۔ اُس کی مہیب شکل دیکھکر ہمیں حیرانی لگ رہی تھی۔ کہ اس سے بھی بڑی مچھلی دوسری طرف سے نظر آئی۔ اُسے دیکھ تو ہمارا رونا ہی نکل گیا۔ ابھی

خوش ہوا۔ اور حیران ہو کر مجھے میری سلامتی پر مبارکباد دی۔ پھر بیتیے۔ اپنے مال میں سے قیمتی ہدیے نکالکر بادشاہ کے پیش کیئے۔ جنہیں اُسے شکریہ کے ساتھ قبول کیا اور مجھے اپنی خدمت میں بڑا مرتبہ۔ حتیٰ کہ مجھے ہر وقت اپنے سامنے ہی رکھتا تھا۔ اس اثنار میں لوگوں سے وہاں کے حالات دریافت کیا کرتا۔ اور وہ مجھ سے میری ولایت کے حالات پوچھتے رہتے۔ ایکدن باتوں باتوں میں خلیفہ بغداد کی حکومت کا ذکر چل پڑا۔ مینے خلیفہ ہارون الرشید کے عدل وانصاف کی بہت تعریف کی۔ بادشاہ بڑا خوش ہوا۔ اور بولا۔ تیری باتوں سے خلیفہ کی محبت میرے دل میں پیدا ہوگئی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تیرے ہاتھ اُس کے لئے کچھ ہدیے ارسال کروں۔ مینے کہا۔ بہت اچھا۔ جناب۔ میں آپ کے ہدیے خلیفہ کو پہنچا دونگا اور اُسے اطلاع دے دونگا کہ آپ اُنکے محب صادق ہیں۔ اسکے بعد مجھے بغداد کی لگن لگ گئی۔ اور میں کسی ایسے جہاز کے انتظار میں پڑ گیا جو مجھے میرے وطن میں پہنچا دے۔ مدت گذری آخر ایکدن مجھے خبر ملی کہ ایک جماعت نواحی بصرہ کی طرف چلی جا رہی ہے۔ مینے سوچا یہ اچھا ساتھ ہے۔ فوراً اُٹھا اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اجازت چاہی۔ بادشاہ نے کہا آپ خوشی سے جا سکتے ہیں۔ اگر یہاں رہنا چاہیں تو ہمارے سر آنکھوں پر رہئیے۔ اسلیئے کہ آپ کی محبت نے ہمارے دل میں گھر کر لیا ہے۔ مینے شکریہ ادا کیا۔ تو بادشاہ نے اُن تاجروں کو بلایا جو جانے والے تھے۔ اور اُنہیں ارشاد کیا کہ مجھ سے کرایہ جہاز نہ لیا جائے۔ بلکہ اپنے پاس سے مجھے تحائف عطا فرمائے۔ اور خلیفہ کے لئے بھی بہت سے تحفے دیئے۔ ایکدن ہوا کے موافق دیکھ کر جہاز نے لنگر اُٹھا دیا۔ اور چلتے چلاتے پھرتے پھراتے ہم صحیح وسلامت بندر بصرہ میں آ پہونچے۔ تھوڑے دن مینے وہاں ٹھہر کر دم لیا اور پھر تیاری کر کے بغداد کا رستہ پکڑا۔ وہاں پہنچکر خلیفہ کے در دولت پر حاضر ہوا اور سب ہدیے پیش کر کے پیغام پہنچا دیا۔ پھر میں اپنے گھر آیا۔ میرے رشتہ دار اور متعلقین بڑے خوش ہوئے اور میں بھی خوشی کے ساتھ دن گذارنے لگا۔ تھوڑی مدت کے بعد خلیفہ نے مجھے بلایا۔ اور ان ہدیوں کے بھیجنے والے کا پتہ ونشان پوچھا۔ مینے جواب دیا۔ یا حضرت میں آپکے سوال کا تسلی بخش جواب دینے سے معذور ہوں۔ پھر مینے اُسے اپنی تمام سرگذشت

رکھتا ہوں۔ اتنے میں یکایک میرے دل میں خیال آیا کہ اس دریا کا انجام بھی تو کہیں ہو گا
کیوں نہ ایک چھوٹی سی کشتی بنا کر رواں دوں۔ بچگیا تو بہتر۔ ورنہ موت تو یوں بھی آئیگی ہی۔
میں فوراً اٹھا اور شکستہ جہازوں کے تختے اکٹھے کر کے ایک چھوٹی سی کشتی بنا ہی لی اور جزیرے
کی کانوں سے جواہرات اور موتی اکٹھے کر کے اس میں وزن برابر کرنے کے لئے ایک طرف
رکھ دیئے۔ کسیقدر خاص عنبر بھی رکھ لیا۔ اور جو خوراک بچ رہی تھی اسے بھی اپنے پاس
رکھ کر کشتی خدا پر چھوڑی۔ اب جو ہو سو ہو۔ پانی کا بہاؤ اسے کھینچے لیچلا۔ آخرکار کشتی پہاڑ
کے نیچے آپہنچی۔ وہاں اسقدر تاریکی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ دکھائی دیا۔ کشتی آہستہ آہستہ
آگے ہوتی گئی۔ اور معلوم ہوا کہ وہ دریا آگے سے کچھ تنگ ہو گیا ہے۔ مجھے بڑا فکر ہوا
کہ بس یہیں مٹی ٹھکانے لگے گی۔ انہی خیالوں میں میری آنکھ لگ گئی۔ اور جب ہی کھلی
تو اپنی کشتی کو ایک وسیع ساحل پر بندھا دیکھا۔ سورج آسمان پر چمک رہا تھا اور ہوا خوشگوار
چل رہی تھی۔ پہلے تو مینے سوچا کہ میں خواب تو نہیں دیکھ رہا۔ لیکن جب آنکھیں ملکر دیکھا
تو فی الواقع بیداری کی حالت تھی۔ جب میں اٹھ بیٹھا تو سندھیوں اور حبشیوں کی ایک جماعت
میری طرف آئی۔ اور اپنی زبان میں مجھ سے گفتگو کرنے لگے جسے میں نہ سمجھ سکا اس
لئے مینے انہیں کوئی جواب نہ دیا۔ اتنے میں ایک آدمی جماعت میں سے آگے بڑھا اور
عربی میں السلام علیکم کہکر بولا۔ ہم کسان ہیں۔ اپنے کھیتوں کو پانی دینے آئے تھے۔
کہ آپ کو کشتی میں سوتا پایا اور یہاں لا کر کشتی باندھ دی۔ آپ کون ہیں؟ اور کہاں سے آرہے
ہیں مینے پہلے اس سے کھانا مانگا۔ کیونکہ مجھے سخت بھوک لگ رہی تھی۔ وہ بھاگا ہوا
میرے پاس کھانا لایا۔ شکم سیر ہو کر ان سب کو مینے اپنا ماجرا سنا دیا۔ اور وہ آپسمیں کانا پھوسی
کر کے مجھ سے کہنے لگے۔ کہ آئیے ہم آپ کو اپنے بادشاہ کے پاس لیچلیں۔ مینے کہا بہت اچھا
پھر انہوں نے کشتی میں سے سب مال و اسباب نکال کر اٹھا لیا۔ اور مجھے وہ بادشاہ کی
خدمت میں لیچلے۔ ڈیوڑھی پر پہنچکر اندر اطلاع کرائی۔ بادشاہ نے سب کو اندر بلا لیا۔ انہوں
نے میرا مختصر قصہ بادشاہ کو سنا دیا۔ یہ سنکر بادشاہ میرے ساتھ بہ عنایت پیش آیا اور
مجھ سے میرا حال پوچھا۔ مینے آغاز سے انتہا تک ساری سرگذشت کہہ سنائی۔ وہ بڑا

پر پہنچے۔ دیکھا کہ وہاں اور بھی کئی جہاز ڈوبے پڑے تھے۔ اور اُن کا سامان لہروں نے کنارے پر پھینک دیا تھا۔ ہم نے تھوڑی دور آگے جا کر دیکھا۔ کہ وہ دریا پہاڑ کے نیچے سے گذر کر دوسری طرف جا نکلتا تھا۔ اسلیئے وہاں پانی کا بہاؤ بڑے زور کا تھا۔ اور ناواقف جہاز وہاں آ کر ٹکرا جاتے تھے۔ میرے ساتھی وہاں پر مال و متاع کی کثرت دیکھ کر دیوانے بنگئے۔ ہم نے اسجگہ جواہرات اور قیمتی پتھروں کی بیشمار کانیں دیکھیں۔ اور گوہر شاہوار سنگریزوں کی طرح پانی کی سطح میں اٹکے رہتے تھے۔ صندل اور عود بھی وہاں کثرت سے پایا اور سب عجیب چیز عنبر کا چشمہ تھا۔ شدت حرارت سے پہاڑمیں سے رال بہ کر پانی میں گرتی تھی اور اُسے مچھلیاں نگل کر اُگل دیتی تھیں۔ یہی عنبر بن جاتا تھا صندل اور عود بھی وہاں کثرت سے پایا اور سب عجیب چیز عنبر کا چشمہ تھا شدت حرارت سے پہاڑمیں سے رال بہ کر پانی میں گرتی تھی اور اُسے مچھلیاں نگل کر اُگل دیتی تھیں وہی عنبر بن جاتا تھا جو ایک نہایت ہی خوشبودار چیز ہے اور بہت مہنگی ملتی ہے اور خوش قسمت تجار کو سمندر کے سفر میں بہتی ہوئی مل جاتی ہے جب سورج نکلتا تو ساری وادی خوشبو سے معطر ہو جاتی تھی اور سورج کے غروب ہو جانے پر وہ جم جاتا۔ اُس پہاڑ نے اُس جزیرے کو احاطہ کر رکھا تھا اور اسقدر بلند تھا۔ کہ کسی کو اوپر چڑھنے کی طاقت نہ تھی ناچار ہم جزیرے میں ہی پھرتے رہتے تھے۔ اگلے دن ہم نے وہاں کھانے پینے کا کچھ سامان اکٹھا کیا۔ مگر اندیشہ تھا کہ جب یہ ختم ہو گیا تو پھر کیا ہوگا۔ اسلیئے بھوک مٹانے کے لئے کچھ تھوڑا سا کھالیتے اور پڑے رہتے تھے۔ ہم میں سے جو شخص مرجاتا۔ اُسکو اُسی کے کپڑوں میں دفن کر دیتے تھے۔ حتیٰ کہ بہت سے ہمراہی مرگئے۔ صرف چند آدمی رہ گئے۔ لیکن بھوک نے چندے بعد اُن کو بھی اگلے جہان پہنچا دیا۔ اور صرف میں ہی باقی رہگیا ہم نے اپنی زندگی پر افسوس کیا۔ کہ کاش! پہلے میں مرجاتا۔ اور نہیں تو کفن و دفن نصیب ہوتا۔ اب تو مُردہ خراب ہے۔ مگر خیر! میں اُٹھا۔ اور اپنے لیئے آپ قبر کھود رکھی کہ جب ضعف حد سے گذر جائیگا تو اس میں لیٹ رہوں گا اور ہوا ریت کو اُڑا کر مجھے دفن کر دیگی۔ پھر میں نے اپنے تئیں ملامت دی کہ گھربار چھوڑ کر ناحق پھر بار بار مصیبت میں پھنسا ہوں۔ اور اگر اب کے بچگیا تو آئندہ کے لیئے کانوں پر ہاتھ

سے بڑی خراب حالت میں ہیں۔ آگے چل کر ہم اس سمندر میں پہنچے۔ جہاں سے موتی برآمد ہوتے ہیں۔ میں نے غوطہ خوروں کو ناریل دئے۔ اور غوطے لگوائے۔ دوسرے سوداگروں کی نسبت میری بار میں بڑے بڑے موتی نکلے۔ غرض اسی طرح مال تجارت کا تبادلہ کرتے ہوئے بندر بصرہ میں آ پہنچا۔ اور وہاں سے اپنے گھر آیا۔ اس سفر میں مجھے اسقدر منافع ہوا۔ کہ میں سارے نقصان بھول گیا۔ یہ پانچویں سفر کی حکایت تھی۔ کل اگر پھر تم آؤ تو میں تمہیں اپنے چھٹے سفر کی بھی سرگذشت سناؤں گا۔ یہ کہکر ہندباد کو سو دینار اور دئے وہ شاداں و فرحاں گھر چلا گیا۔ اگلے دن حسب معمول جب سب کے سب دوست آکر جمع ہو گئے تو دسترخوان چنا گیا۔ اور کھانا کھا چکنے کے بعد سندباد جہازی بولا۔

سندباد جہازی کے چھٹے سفر کی سرگذشت

برادران پانچویں سفر سے واپس آکر میں پھر عیش میں پڑ گیا اور ساری گذشتہ سختیاں بھول گیا۔ ایک دن میں مزے میں بیٹھا تھا۔ کہ تاجروں کی ایک جماعت میرے پاس آئی۔ جو معلوم ہوتا تھا کہ سفر کے لئے تیار ہو کر آئے ہیں۔ میری آنکھوں میں بھی سفروں کا سارا نقشہ کھچ گیا اور دل پر اشتیاق غالب آ گیا۔ میں نے جلد جلد اسباب سفر تیار کیا۔ اور بغداد سے بصرے کی طرف چل پڑا۔ ساحل پر پہنچکر ایک تجارتی جہاز کو سفر کے لئے تیار پایا۔ اس میں آگے بھی بہت سے تاجر سوار تھے۔ میں نے بھی وہیں اپنا اسباب رکھوا دیا۔ اور جہاز نے لنگر اٹھایا۔ دیر تک ہمارا یہ سفر امن و امان سے کٹتا ہوا۔ اور مختلف جزیروں اور شہروں میں خرید و فروخت کرتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ کہ ایک دن کپتان چلایا۔ پگڑی اتار پھینکی ڈاڑھی نوچ ڈالی۔ منہ پیٹنے لگا۔ اور جہاز میں شدت غم سے گر پڑا۔ سب تاجر اسکے گرد آ اکٹھے ہوئے اور شدت الم کی وجہ پوچھنے لگے۔ وہ بولا۔ ہم ایک ایسے سمندر میں آ پھنسے ہیں جس کا راستہ نہیں جانتے۔ اتنے میں ہوا تیز چلنے لگی۔ کپتان نے بادبان اتروا دیں۔ اور جہاز کو توکل پر چھوڑ دیا۔ بادبانوں کے اتارتے اتارتے ہوا نے ایسا زور باندھا کہ جہاز ایک بڑے پہاڑ سے ٹکرایا۔ اور چور چور ہو کے غرق ہو گیا۔ میرے بہت سے ساتھی اور اہل جہاز بھی ساتھ ہی ڈوب گئے۔ مگر ہم چند آدمی قدرت ایزدی سے بچ نکلے اور بمشکل کنارے

ہوں۔ میرا ایک بڑا جہاز تھا۔ راستے میں غرقاب ہو گیا اور میں بمشکل مرتا کھپتا یہاں تک پہنچا ہوں۔ یہ سنکر وہ بولا۔ اور مجھے ایک ٹوکرا لا دیا۔ ساتھ ہی ہدایت کی کہ اسے کنکر پتھروں سے بھر لینا۔ پھر مجھے وہاں کے رہنے والوں کی ایک جماعت کے سپرد کر کے کہا کہ ان کا ساتھ نہ چھوڑنا اور جو کچھ وہ کریں تو نے بھی وہی کرنا۔ اس طرح سے تو اپنے گھر کو لوٹنے کے لیئے کافی زادِ راہ کما سکیگا۔ پھر ہم سب شہر سے نکلکر ایک جنگل میں پہنچے۔ جس میں ناریلوں کے بڑے بڑے درخت کھڑے تھے۔ کہ اُن پر چڑھ سکنا انسان کی قدرت سے باہر تھا۔ یہاں بندروں کی وہ کثرت تھی کہ الامان۔ وہ بندر ہمیں دیکھ کر بھاگے اور اُن درختوں کی چوٹیوں پر جا چڑھے میرے ساتھیوں نے فوراً اُن پر کنکر پتھر پھینکنے شروع کئے۔ میں بھی اُسی کام میں مصروف ہو گیا۔ اتنے میں بندروں نے ہمارے حملے کا جواب ناریلوں سے دینا شروع کیا اور چند ہی منٹ میں زمین پر اسقدر ناریل اکٹھے ہو گئے۔ کہ ہم سب نے خوب ٹھوس کر اپنے ٹوکری بھرے اور شہر کو لوٹ آئے۔ میں نے خیال کیا کہ ناریل لینے کے لیئے اس سے اچھی ترکیب ناممکن ہے۔ پھر میں اپنے محسن کے پاس گیا اور اپنی کارکردگی اُس کے سامنے ڈھیر کر دی اُس نے مجھے ایک مکان کی چابی دیدی کہ اُن کو وہاں رکھو اور جمع کرتے جاؤ۔ پھر بیچ دینا۔ میں نے شکریہ ادا کر کے مکان کا دروازہ کھولا۔ اور ہر روز اُسکی ہدایت کے بموجب ناریل اکٹھے کرتا رہا۔ حتیٰ کہ میرے پاس کافی ذخیرہ جمع ہو گیا۔ پھر کسی قدر میں نے اُس میں سے فروخت کر کے روپے اپنی جیب میں کئے اور باقی کے لیئے کسی اچھے گاہک کا منتظر رہا۔ انہی دنوں میں ایک پردیسی ناریل خریدنے کے لیئے کنارے پر آ لگا۔ میرے دل میں وطن کی اُلفت نے جوش مارا اور اپنے عنایت فرما کے پاس جا کر میں نے اپنا ارادہ ظاہر کر دیا۔ اُسنے مجھے کشادہ پیشانی سے اجازت دی اور میں کپتان کے پاس گیا۔ اُسنے بھی مجھے اپنے جہاز پر بٹھا لینا منظور کیا۔ اسلیئے میں نے ناریل کا تمام ذخیرہ جہاز پر بار کیا۔ اور جہاز وہاں سے روانہ ہو پڑا۔ کئی دن کے بعد ہم اُس جزیرے میں پہنچے۔ جہاں مرچ سیاہ پیدا ہوتی ہے۔ اور کسی قدر ناریل کے معاوضے میں بہت سی سیاہ مرچیں لیں۔ اُس کے بعد اُس جزیرے میں گذرے۔ جہاں سے صندل کی لکڑی ملتی ہے۔ ناریل کے بدلے میں وہ بھی لیا۔ اِن جزائر کے باشندے دین کیطرف

جب نشہ چڑھا۔ وہ بیخود ہو کر جھومنے لگا۔ تسمے بھی ڈھیلے پڑ گئے۔ میں نے وقت کو غنیمت تصور کر کے کمبخت کو زمین پر دے مارا۔ اور اس خیال سے کہ ہوش میں آکر پھر مجھے نہ پکڑ لے۔ ایک بڑا سا پتھر اٹھایا۔ اور شیطان کے سر پر اس زور سے مارا۔ کہ وہ مردود فوراً مر گیا۔ میں خوش ہو کر اپنے مسکن کی طرف آیا۔ اور اس جزیرے میں پھر پھرا کر اپنا پیٹ بھرنے لگا۔ کچھ مدت میرا یہی معمول رہا۔ اصل میں میں کسی جہاز کے وہاں سے گذرنے کا انتظار کر رہا تھا۔ ایکدن کی بات ہے۔ خدا نے میری سن لی۔ اور دور سے مجھے ایک جہاز آتا ہوا دکھائی دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اسی ساحل پر آ ٹھہرا اور جہاز کے سوار کنارے پر اترنے لگے۔ میں ان کی طرف بڑھا اور وہ مجھے دیکھ کر میری طرف دوڑے۔ فوراً انہوں نے میرے گرد حلقہ مار لیا۔ اور مجھ سے میرا حال اور اس جزیرے میں اترنے کا سبب پوچھنے لگے۔ جب میں نے اپنا انہیں تمام ماجرا سنایا وہ حیران رہ گئے اور کہنے لگے۔ اس بڈھے کو لوگ شیخ البحر کہتے ہیں۔ اور جب اس کے پاؤں تلے آکر کوئی آدمی تیرے سوا زندہ نہیں بچا۔ پھر میرے پاس کھانا لائے میں نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ شریف آدمیوں نے ستر ڈھانکنے کے لئے مجھے کپڑے بھی دئے اور اپنے جہاز پر بٹھا کر وہاں سے چل دئے۔ کئی دنوں کے بعد ہم ایک ایسے شہر میں پہنچے جسے بندروں کا شہر کہتے تھے۔ میں اس شہر کی سیاحت کے لئے جہاز سے اتر پڑا۔ وہاں کے باشندے بندروں کے خوف سے سخت حیران ہو کر گھروں کے دروازے بند کر کے کشتیوں میں جا بیٹھتے تھے اور رات وہیں بسر کرتے تھے۔ جب سیر کر کے لوٹا۔ تو میرا جہاز وہاں سے چل دیا تھا۔ مجھے بڑا فکر ہوا کہ اب کیسے بنے گی۔ میں انہی خیالات میں غلطاں تھا کہ اس شہر کا ایک آدمی میرے پاس آیا اور پوچھنے لگا۔ تو کہاں سے آیا ہے۔ میں نے اسے اپنی سرگذشت سنادی۔ وہ شخص بڑا ہی رحم دل تھا مجھے اپنے ساتھ اپنی کشتی میں لے گیا اور رات ساحل سے ایک میل پر کشتی ہی میں گذاری۔ جب صبح ہوئی سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو لوٹے۔ میں بھی اپنے محسن کے ساتھ شہر کو گیا۔ ان لوگوں کا یہی معمول تھا۔ جو شخص رات کو شہر میں رہ جاتا وہ بندروں کے ہاتھ سے مارا جاتا۔ یہ شہر سوڈان کے مشرق میں تھا۔ پھر میرا محسن مجھ سے مخاطب ہوا۔ کہ تو کوئی صنعت بھی جانتا ہے یا نہیں۔ میں نے کہا۔ میں تو تاجر

میں اُسکا قیدی بنگیا تھا۔ رات دن وہ مجھ پر سوار رہتا تھا اور جب سونا چاہتا تھا پاؤں خوب

تصویر اُس جنگل کی جس میں سندباد جہازی کی گردن پر تسمہ پا سوار تھا



کس کر تھوڑی دیر سو جاتا۔ اور اُٹھتے ہی ٹانگ سے چلنے کا اشارہ کرتا۔ کئی دن اسی حالت میں گذر گئے۔ میں اپنے نفس کو ملامت کرتا تھا۔ کہ اچھی نیکی برباد گناہ لازم ہو گیا۔ ایکدن پھرتے پھراتے مینے کدوؤں کی بیلیں دیکھیں۔ کئی کدو پک کر خشک بھی ہو گئے تھے۔ مینے اُن میں سے ایک کو لیلیا اور اُسے اندر سے صاف کر کے اُس میں انگوروں کا رس نچوڑ دیا۔ جو وہاں عام طور پر مل سکتے تھے۔ پھر کدو کا مُنہ بند کر کے دھوپ میں رکھ دیا۔ کئی دن کے بعد وہ خاص شراب بنگئی۔ اور میں کبھی کبھی اُن میں سے اپنا تکان مٹانے کیلئے چند گھونٹ لے لیا کرتا تھا جب میں اسے پی لیتا تو میری ہمت بڑھ جاتی تھی۔ ایک دن بڈھے بدذات نے مجھے وہ پانی پیتے دیکھ لیا۔ اور اشارے سے اپنے لئے بھی مانگنے لگا۔ مینے اُسے خوب پلا دیا۔

چکر دیا کہ بچالیا۔ اور پتھر کا ٹکڑہ بیچ سمندر میں پڑا کہ زمین تک نظر آگئی۔ مگر دوسرے کا نشانہ خطا نہ گیا۔ اور اس کے لگتے ہی جہاز پاش پاش ہو کے ڈوب گیا۔ میرے سب ساتھی بھی قعر سمندر میں چلے گئے۔ فقط میں چند منٹوں کے بعد پانی سے ابھرا۔ اور ایک تختہ پاس سے بہے جاتا دیکھا لپک کر اسے پکڑ لیا۔ اور اس کے سہارے ہاتھ پاؤں مارتا ایک کنارے پہ جا ہی لگا میں اب بہت تھک گیا تھا۔ اسلیئے چندے کنارے پر دم لیا اور ستا کر قدم آگے بڑھایا۔ مجھے اس جزیرے کی سرسبزی دیکھکر بڑی خوشی ہوئی۔ جابجا چشمے جاری تھے اور میوہ دار درختوں کی شاخیں پھلوں کے بوجھ سے جھک رہی تھیں۔ میں نے کچھ میوے توڑ کر بھوک مٹائی۔ پھر چشمے سے پانی پیکر تشنگی کو فرو کیا۔ اور خدا کا شکریہ ادا کر کے ادھر ادھر پھرنے لگا۔ وہاں کسی آدمی کا نشان نہ پاکر مجھے بڑی حیرت تھی۔ اتنے میں شام آگئی اور میں گذشتہ مشقت سے تھک کر ایک جگہ دراز ہو گیا۔ صبح ہوتے ہی وہاں سے آگے بڑھا۔ تھوڑی دور پر مجھے ایک چھوٹے سے چشمے کے کنارے پر ایک بڈھا دکھائی دیا جس نے اپنی کمر کے گرد درختوں کے پتے لپیٹ رکھے تھے۔ میں نے گمان کیا شاید یہ بھی میرے ہی جیسا مظلوم ہے۔ اسلیئے میں اس کے پاس گیا۔ اس نے بھی اشارے سے سلام کا جواب دیا۔ مگر بولا نہیں میں نے پوچھا یا حضرت! آپ یہاں کیوں بیٹھ رہے ہیں۔ اسکے جواب میں اس نے اشارے سے بتایا کہ کندھوں پر اٹھا کے مجھے دوسرے کنارے پر پہنچا دو۔ میں نے سوچا۔ یہ کونسی بڑی بات ہے اسلیئے اسے آگے بڑھ کے کندھوں پر اٹھا لیا۔ اور چشمے کے دوسرے کنارے لیجا کر چاہا کہ وہ گردن پر سے اتر جائے۔ لیکن وہ تو بس اکڑ گیا۔ اور دونوں ٹانگیں میری گردن کے گرد لپیٹ دیں۔ اس کے پاؤں تسموں کے سے تھے۔ جب میں نے اسے پھینکنے کا ارادہ کیا۔ تو اس نے اس زور سے اپنی ٹانگوں کے ساتھ میرا گلا دبایا کہ میری آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ اور میں بے سدھ ہو کر گر پڑا۔ بڈھے بدذات نے جسے میں نے مظلوم تصور کیا تھا ٹانگوں کے شکنجے ذرا نرم کر کے ایک پاؤں میری پشت پر اس زور سے چلایا کہ میں تلملا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور کمبخت نے مجھے میوہ دار درختوں کی طرف چلنے کا اشارہ کیا۔ ناچار مجھے اس کا کہنا ماننا پڑا مگر جب میں ذرا بھی نافرمانی کرتا۔ وہ موذی اپنے قدرتی کوڑوں سے میری خوب خبر لیتا۔ غرض

لیا نہیں کرتے۔ پھر ہم مختلف جزیروں اور سمندروں میں سفر کرتے کراتے بندر بصرہ تک آپہنچے اور سلامتی کا شکریہ ادا کیا۔ مگر وہ اپنی عورت کے ساتھ زندہ دفن ہونا یاد کرکے پدیشراب تک بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر میں اپنے گھر آیا اور سب متعلقین کو زندہ و سلامت پاکر اور بھی خوش ہوا۔ ایسکے بیٹے بہت ہی خیرات کی۔ اور عیش و عشرت سے بسر کرنے لگا یہ کہکر ہندباد کو سو دینار عطا کیے۔ اور کہنے لگا کل پھر آنا۔ پانچویں سفر کا حال سناؤں گا۔ ہندباد وہاں سے رخصت ہوکر گھر گیا۔ اور حسب معمول آدھمکا۔ کھانا کھا چکنے کے بعد سندباد بولا

سندباد جہازی کے پانچویں سفر کی سرگذشت

صاحبو! تھوڑی مدت کی عیش و عشرت نے پھر سے گذشتہ تکالیف کی یاد بھلا دی۔ اور پھر دل میں سفر کی اُمنگ پیدا ہوئی۔ سبتے اسباب تجارت خرید کر پھرے کا راستہ لیا۔ اور ساحل بحر پر پہنچکر ایک بہت بڑا خوبصورت جہاز خرید کیا۔ ایک کپتان بھی نوکر رکھا۔ اور سوداگروں کی ایک جماعت کو ہمراہ لیکر جہاز کا لنگر اُٹھا دیا۔ کتنے ہی دنوں تک ہمارا جہاز بے غل و غش چلا گیا۔ ایکدن ہم ایک جزیرے کے قریب پہنچے۔ جہاں آبادی کا کوئی نشان دکھائی نہ دیتا تھا۔ میرے سب ساتھی اُتر پڑے۔ اور وہاں اُنھوں نے ایک بہت بڑا گنبد دیکھا۔ وہ رُخ کا انڈا تھا۔ مگر میرے ساتھی اُس سے آگاہ نہ تھے۔ اسلئے اُنھوں نے کلہاڑوں کی ضربوں سے توڑ دیا اور بھون کے کھا گئے۔ پھر میں بھی آگیا۔ اور اُنہیں منع کرتا ہی رہ گیا۔ اتنے میں ہم نے دیکھا کہ لیکایک اندھیرا چھا چلا ہے۔ کپتان گھبرا گیا۔ اور اُسنے ہم سب کو پکار کر کہا۔ کہ اس انڈے کے ماں باپ آرہے ہیں۔ جلد جہاز پر آکے سوار ہو جاؤ۔ ورنہ مارے جاؤ گے۔ یہ سنکر ہم دوڑے۔ اور جہاز پر چڑھ کر فوراً لنگر اُٹھا دیا۔ مگر رُخ کا جوڑا آپہنچا تھا۔ اور جب اُنھوں نے اپنے انڈے کو وہاں نہ پایا تو چیختے چلاتے ہمارے جہاز کی طرف آئے۔ اور ہمارے سروں پر خوفناک آوازوں کے ساتھ منڈلانے لگے۔ میں ڈر گیا۔ اور جہازیوں سے کہا کہ جلد جہاز کو نکال کر لیچلو۔ پھر فوراً وہ جوڑا جدھر سے آیا تھا اُدھر ہی چلا گیا۔ اور ہم جلد جلد جہاز کو جزیرے سے دُور لیجانے لگے لیکن زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ وہ نر و مادہ پنجوں میں بڑے بڑے پتھر پکڑے ہوئے آگئے اور آتے ہی ہمارے جہاز کو گھیر لیا۔ ایک نے تاک کر پتھر ہمارے جہاز پر پھینکا۔ کپتان نے فوراً جہاز کو

آواز پر روانہ ہوا ۔ مجھے اُٹھتا دیکھ کر وہ جانور بھی بھاگا۔ میں نے اس کا تعاقب کیا حتیٰ کہ وہ ایک غار کے کنارے تک پہنچ گیا۔ اور مجھے روشنی دکھائی دی۔ میری خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ جب میں نے معلوم کیا کہ وہ غار پہاڑ کے دوسری طرف سمندر کے کنارے پر سطح زمین کے قریب ہی کھلتا ہے۔ میں باہر نکل آیا۔ اور خیال کیا کہ وہ کوئی دریائی جانور ہوگا۔ جو غار میں مردوں کا گوشت کھانے آیا ہوگا۔ میں نے درگاہ ایزدی میں دوگانہ شکر ادا کیا۔ یہ پہاڑ سمندر اور شہر کے درمیان حائل تھا۔ اور نہایت بلند ہونے کے سبب کوئی اسکی چوٹی پر نہ جا سکتا تھا اسلئے لوگ اس غار سے ناواقف تھے۔ پھر میں اندر سے تمام کھانے پینے کا سامان اور سیا زر و جواہر جو میں نے زندہ درگوروں اور مردوں سے چھینے تھے۔ نکال لایا۔ اور اطمینان سے شکم سیر ہو کر بیٹھ گیا۔ تمام قیمتی سامان مردوں کے کفنوں میں باندھا اور اسی کنارے پر کسی جہاز کی آمد کے انتظار میں رہنے لگا۔ جب کوئی خطرناک حالت نظر آتی تو غار میں جا چھپتا۔ ورنہ کنارے پر ہی واصل قدمی کرتا رہتا تھا۔ خوراک کی طرف سے تو بے فکری تھی ہی۔ ایک مدت یوں ہی بسر ہو گئی۔ اتفاقاً ایک دن دور سمندر میں ایک جہاز جاتا ہوا دکھائی دیا۔ میں نے فوراً اپنی دستار اُتاری۔ اور اُس کے ساتھ ایک کپڑا باندھ کر اسے گھمانا شروع کیا۔ میرا اشارہ انہوں نے سمجھ لیا۔ کپتان نے جہاز کا رُخ میری طرف کر لیا۔ جب قریب پہونچے جہاز کے سواروں نے مجھ سے پوچھا۔ تو کون ہے؟ ہم نے عمر بھر میں یہاں کبھی بھی کسی آدم زاد کو نہیں دیکھا۔ میں نے جواب دیا۔ میں تاجر ہوں۔ ایک بڑے جہاز پر سوار تھا۔ جو یہاں آ کے ڈوب گیا تھا۔ فقط میں ہی بچا۔ با کوشش کر کے اپنا کچھ سامان بچا لیا تھا۔ کپتان نے برائے ترحم مجھے لینے کے لئے کشتی روانہ کی۔ اور جب میں جہاز پر سوار ہو لیا۔ لنگر اُٹھایا گیا۔ پھر کپتان میرے پاس آ کر پوچھنے لگا۔ بھائی مجھے اب تو بتا۔ تو یہاں کیسے پہنچا۔ میں نے شہر اور غار کا واقعہ چھپا کر ایک جہاز تو شنے کا جھوٹ موٹ قصہ سنا دیا۔ اس خوف سے کہ کوئی آدمی اسی شہر پر سوار نہ ہو مبادا مجھے پھر گرفتار بلا ہونا پڑے۔ کپتان نے اس سادگی سے مان لیا۔ پھر میں نے کچھ جواہرات بطور ہدیہ کپتان کے پیش کئے جو اس قبرستان سے اُڑا لائے تھے۔ مگر اس شریف نے اُنکے لینے سے انکار کر دیا۔ اور کہنے لگا۔ ہم لوگ آپ جیسے مظلوموں کی مفت مدد کیا کرتے ہیں

بی بی مرگئی - تو زندہ ہی مرجاؤنگا - لیکن یہ سوچکر کہ کون جانتا ہے پہلے کون مریگا - مینے اپنے دل کو تسلی دے لی - اور اپنے کاموں میں مصروف ہوگیا - تھوڑی مدت کے بعد قضا کار میری بی بی کو ایک سخت مرض نے آگھیرا - اور نالائق تھوڑے ہی دنوں میں مرگئی - لوگ تو اکٹھے ہوئے - بادشاہ بھی تعزیت کے لئے آیا - لاش کو غسل دیکر زر و جواہر اور قیمتی کپڑوں سے علیحدہ کرکے کفن پہنایا گیا - پھر تابوت میں رکھکر اسی غار کی طرف لیچلے اور اسے غار میں پھینک کر میری طرف متوجہ ہوئے - میں چلّاتا تھا - اور کہتا تھا - کہ میں مسافر ہوں - مجھے چھوڑ دو - مگر انہوں نے میری ایک بھی نہ سنی - اور ایک گھڑا پانی اور سات ہی سات روٹیاں رکھ کے مجھے بھی جبراً اندر دھکیل دیا - اور غار کے منہ پر پتھر رکھ کے جدھر سے آئے تھے چلے گئے میں بیشک زندہ درگور ہوگیا - اور وہاں بے شمار لاشیں دیکھیں - اُن کے تعفن سے میرا دماغ پھٹا جاتا تھا - اور میں اپنے کئے پر پچھتاتا تھا - لیکن پھر یہ سوچکر کہ خدا اپنے بندوں کے حق میں جو کرتا ہے اچھا ہی کرتا ہے - خاموش ہو رہا - اب مجھے اپنی جان بچانے کا فکر پڑا اُن لاشوں سے دُور جاکر اپنے لئے جگہ صاف کی - اور وہاں وہ روٹیاں اور پانی لیجاکر رکھدیا وہیں پڑا رہتا - اور اُس کھانے میں سے اپنی بھوک مٹانے کے لئے تھوڑا سا کھا لیتا - اس خوف سے کہ یہ ختم ہو جائے - اور میں بھوکوں مرجاؤں - کئی دن اسی حالت میں گذر گئے ایکدن پھر اسی پتھر کے اُٹھنے کی آواز آئی - اور مینے دیکھا کہ ایک زندہ عورت لٹکائی جا رہی ہے - یہ بڑا ظلم ہوتا ہے - مینے قریب سے ایک مُردے کی پنڈلی کی ہڈی اُٹھائی اور تاک کر اُس بیگناہ کے سر پر اس زور سے دے ماری کہ وہ چکر کھا کے گر پڑی - اُس کے حصّہ کی روٹیاں اور پانی مینے اپنے قبضہ میں کئے - چند دن ان سے بسر ہوئے - پھر تو میرا یہی معمول ہوگیا - جو زندہ درگور ہوتا - میں اسے مُردہ درگور بناکے اُس کے حصّہ پر قبضہ کر لیتا - اور اپنی زندگی کو قائم رکھتا - وہاں مینے عورتوں کے بدنوں پر قیمتی زر و جواہر دیکھے - ایکدن انہیں بھی اکٹھا کرکے اپنی خوابگاہ میں لے آیا - مگر میں نہیں جانتا تھا کہ میرا انجام کیا ہوگا - ایکدن میں مایوسی کی حالت میں لیٹا ہوا تھا - کہ غار کے دوسرے پہلو سے کسی جانور کے بولنے کی آواز میرے کانوں میں آئی - میں اُٹھ بیٹھا اور کان لگاکر سُننے لگا - کہ یہ کیا ہے؟ پھر ایک مُردے کی پنڈلی کی ہڈی لیکر میں اُس

اگر تو انکار نہ کرے۔ میں نے صورت سوال بنکر پوچھا مجھے کیا مجال ہے؟ کہ آپ کے ارشاد کو رد کر سکوں۔ بادشاہ نے جواب دیا میں تیری شادی کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ تو یہاں سے جا نہ سکے ناچار طوعاً و کرہاً میں نے اسے منظور کرلیا۔ اور بادشاہ نے اپنے خاندان کی ایک خوبصورت لڑکی سے ساتھ میری شادی کردی۔ اور ایک محل میری رہائش کے واسطے دیدیا۔ میں اپنے گھر میں رہنے سہنے لگا اور اس کی محبت میں ایسا مبتلا ہوا۔ کہ وطن کی یاد بھی بھول گئی۔ کچھ مدت یونہی بسر ہوئی۔ ایکدن میرے ہمسایہ کی بی بی بیمار ہوگئی۔ وہ ہمسایہ میرا دوست بنگیا۔ میں اس کے پاس ماتم پرسی کے لئے گیا۔ اور اسے بڑا غمگین پایا۔ میں نے اسے تسلی دی اور کہا۔ خدا تم کو دیر تک سلامت رکھے۔ وہ رو پڑا۔ اور بولا۔ تیری یہ دعا بے فائدہ ہے کیونکہ میں کوئی دم کا مہمان ہوں۔ میں نے حیران ہو کر وجہ پوچھی۔ اس نے کہا میں آج اپنی بی بی کے ساتھ مدفون ہونگا۔ اور یہی اس شہر کی رسم ہے۔ کہ اگر جورو مرے تو میاں۔ اگر میاں مرے تو جورو اسکے ساتھ دفن ہو۔ اور کوئی شخص اس کے خلاف نہیں کر سکتا۔ اس رسم کا حال سنکر میرے ہوش اڑ گئے۔ مگر میں نے ضبط کیا۔ اتنے میں شہر کے لوگ بھی آگئے اور رواج کے بموجب مردے کی تجہیز و تکفین کرکے جنازہ اٹھایا۔ میرا ہمسایہ بھی بادل ناخواستہ ساتھ ہولیا۔ یہ سارا جلوس شہر سے باہر ایک پہاڑ کی طرف آیا۔ جو سمندر کے کنارے پر واقعہ تھا۔ اور ایک غار کے منہ سے بڑا سا پتھر اٹھاکے۔ لاش کو اس میں لٹکا دیا پھر اس آدمی کو بھی اسی غار میں پھینک دیا۔ اس کے ساتھ ہی سات روٹیاں اور پانی کا ایک گھڑا بھی رکھدیا۔ اور غار پر وہی پتھر رکھ کر اپنے اپنے گھروں کو لوٹ آئے۔ ہوش تو پہلے ہی رخصت ہو چکے تھے۔ زندوں کے ساتھ یہ سلوک دیکھکر میرا خون بھی خشک ہوگیا۔ میں بادشاہ کے پاس گیا اور اس سے پوچھا۔ حضور! آپ کے ہاں مردوں کے ساتھ زندہ کو کیوں دفن کرتے ہیں۔ اس نے کہا۔ یہ ہماری رسم ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی جوڑے میں جدائی نہ ہو۔ اسلئے ہمارے آباؤ اجداد نے اس رسم کی بنیاد رکھ دی تھی میں نے پوچھا۔ کیا مجھے بھی اس رسم کا پابند ہونا پڑیگا۔ اگر خدانخواستہ میری ملکہ کو موت مجھ سے جدا کرے۔ بادشاہ بولا۔ البتہ یہ سنکر میں سرد ہوگیا۔ اور الٹی فکروں میں پڑ گیا۔ کہ اگر میری

آگئے تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ لوگ میرے پاس آئے۔ اور مجھ سے دریافت کرنے لگے۔ تو کون ہے؟ اور کہاں سے آیا ہے؟ مینے اپنی تمام سرگذشت سُنادی۔ وہ بڑے حیران ہوئے اور پوچھنے لگے۔ تم نے اُن ننگے حبشیوں کے ہاتھ سے کیسے نجات پائی؟ کیونکہ وہ تو ایسی مخلوق ہے جو آدمیوں کو کھا جاتے ہیں۔ اور کوئی شخص اُنکے ہاتھ میں آکر نہیں نکل سکا۔ مینے انہیں یہ ماجرا بھی بتا دیا۔ پھر وہ مجھے کھانے لائے۔ اور مینے خوب سیر ہوکر کھایا۔ وجہ یہ کہ مدتوں کا بھوکا تھا۔ ایک گھنٹہ اور ٹھہر کر پھر وہ مجھے اپنے جہاز میں لیگئے۔ اور لنگر اُٹھا کر اپنے شہر کو روانہ ہوئے اور وہاں پہنچکر مجھے اپنے بادشاہ کے پیش کیا۔ میں آداب بجالایا۔ اُسنے میرا حال پوچھا اور مینے اپنی سرگذشت سُنادی۔ بادشاہ اور اُسکے ارکین بڑے حیران ہوئے۔ پھر میرے لئے کھانا منگایا گیا اور مینے سیر ہوکے کھایا۔ پھر میں شہر کی سیر کے لئے نکلا اور وہاں مختلف ممالک کے سوداگروں کی آمدورفت پاکر مجھے بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ پھر مینے وہاں کے رؤسا سے ملاقاتیں کیں اور وہاں کی ایک بات مجھے بڑی عجیب معلوم ہوئی کہ وہ لوگ گھوڑوں پر ننگی پیٹھ سواری کرتے تھے اس عرصے میں بادشاہ نے مجھے اپنا مصاحب بنا کر اپنی مملکت کے رؤسا سے میرا رتبہ بڑھا دیا تھا مینے بادشاہ سے پوچھا حضرت! آپ کے گھوڑوں پر ننگی پیٹھ سوار ہونیکا کیا سبب ہے کاٹھی کیوں نہیں ڈالتے۔ بادشاہ نے پوچھا وہ کاٹھی کیا ہوتی ہے؟ ہم تو کچھ نہیں جانتے۔ مینے کہا اگر آپ اجازت دیں تو بنوا کر پیش کروں۔ اُسنے اجازت دی اور مینے ایک نجار کو بلوا کر لکڑی کا ڈھانچہ بنوایا جسپر چمڑا منڈھا کر ریشمی کپڑا سی دیا پھر لوہار کو بلوا کر رکابیں بنوائیں۔ اسی طرح اُس سے لگام بھی تیار کرائی۔ اور اس سب ساز کو ایک اچھے گھوڑے پر لگا کر بادشاہ کی خدمت میں لیگیا۔ بادشاہ نے اُسپر سوار ہوکر جب آرام پایا تو نہایت خوش ہوکر مجھے بہت کچھ انعام بخشا۔ بادشاہ کے ارکین نے بھی مجھ سے کاٹھیاں اور لگامیں تیار کرالیں اور مجھے اسقدر زر دولت دیا۔ کہ میرے سارے نقصانات پورے ہوگئے۔ میری اس کارگذاری سے بادشاہ اور اُس کی رعایا مجھے اور بھی عزیز رکھنے لگی۔ ایک دن بادشاہ مجھے کہنے لگا۔ ہم لوگ تجھے جسقدر عزیز سمجھتے ہیں۔ تو بھی جانتا ہے۔ ہم تیری مفارقت گوارا نہیں کر سکتے اور ہم چاہتے ہیں کہ تو یہاں سے کبھی نہ جائے۔ اس لئے میں تجھ سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔

یکایک دیکھا کہ ناگوں کی ایک جماعت نے اندر سے نکل کر ہمیں گھیر لیا۔ وہ بولتے چالتے کچھ نہ تھے۔ آخر ہمیں ہانک کر اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ جس نے ہمیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ہم بیٹھ گئے۔ اور اُسنے ہمارے لیے ایسے کھانے منگائے۔ جن سے ہماری آنکھیں کبھی آشنا نہ ہوئی تھیں۔ میں نے اُن میں سے کچھ نہ کھایا۔ اور یہ بھی خدا تعالیٰ کی عنایت تھی۔ مگر میرے ساتھیوں نے اپنی بھوک کے سبب سے مجنونوں کی طرح ہاتھ چلائے۔ اور فوراً بدحواس ہوگئے۔ پھر اُن ناگوں نے انہیں روغن نارجیل پلایا۔ وہ اسے بھی بے عقلی میں غٹ غٹ چڑھا گئے۔ مگر میں نے صرف بھوک مٹانے کے لئے چند لقمے اُٹھا لئے۔ اسلئے میں نے اُن ناگوں کا عندیہ سمجھ لیا وہ لوگ مجوسی تھے۔ اور جس آدمزاد کو پا لیتے تھے اسے پہلے مستی اشیاء کھلا کر بدحواس کرکے روغن نارجیل پلاتے تھے۔ جس سے وہ خوب موٹا ہوجاتا تھا۔ اور انجام کار وہ مجوس اُسے کچوا کر کھا جاتا لیتے تھے۔ میرے ساتھیوں کی بھی یہی حالت ہوئی۔ میں نہایت متفکر تھا۔ حتّٰی کہ قلیل غذا اور فکر سے میرا جسم اور بھی لاغر ہوگیا۔ یہ دیکھکر انہوں نے مجھے آزاد کر دیا۔ میں نے وقت کو غنیمت سمجھکر ایک دن جبکہ وہ سب غیر حاضر تھے۔ وہاں سے کوچ بول دیا اور بھاگا بھاگ اُس مکان سے بہت دُور جا پہنچا۔ کہ وسط صحرا میں کسی بلند مقام پر بیٹھے ہوئے ایک شخص نے مجھے دیکھ لیا۔ جسکے ذمہ میری اور میرے ساتھیوں کی حفاظت سپرد تھی۔ اُسنے مجھے واپس لوٹنے کا اشارہ کیا۔ میں فوراً لوٹا اور خوف کے مارے کبھی چلتا تھا۔ کبھی کھڑا ہو جاتا تھا۔ جب اُس کی نظروں سے اوجھل ہوگیا تو سر پر پاؤں رکھ کر ایک طرف کو ہو لیا۔ اتنے میں سورج غروب ہوگیا۔ اور اندھیرا پھیل گیا۔ میں نے سونے کا ارادہ کیا۔ مگر خوف کے مارے نیند نہ آئی۔ ناچار نیم شب کے وقت اُٹھ کر ٹہلنے لگا۔ پھرتے پھرتے صبح ہوگئی۔ مارے بھوک کے میں بیکل ہو رہا تھا۔ سورج کے نکلتے ہی میں نے جزیرے کے گھاس پات سے پیٹ بھرا۔ جب بھوک مٹ گئی۔ میں اُٹھا۔ اور آگے بڑھا۔ برابر سات دن اور رات تک چلتا رہا۔ آٹھویں روز دُور سے ایک شکل دیکھی۔ میں نے اسی کا رُخ کر لیا مگر غروب شمس سے پہلے اُس تک نہ پہنچ سکا۔ جب قریب ہوگیا تو ڈرتے ڈرتے اسکی طرف نظر کی۔ پھر غور سے دیکھنے سے ایک جماعت دکھائی دی جو کالی مرچیں چُن رہے تھے۔ اور

دیکھنے والی مچھلیاں بھی دیکھیں - اُن کا چمڑا ایسا سخت تھا کہ وہاں کے رہنے والے اُنکی ڈھالیں بنالیتے تھے - ایک مچھلی بالکل عجیب و غریب شکل کی تھی - اور دُور سے وہ بعینہٖ شتر بچہ دکھائی دیتی تھی - غرض اب کے بھی بے حساب دولت کما کر میں بغداد میں آیا - اور صحیح و سلامت آپہنچنے کے شکرانے میں بہت کچھ خیرات کی ؛

تیسرے سفر کا حال سُنا چکنے کے بعد ہندباد کو حسب معمول سو دینار کی تھیلی مرحمت فرمائی اور اگلی صبح کو آکر چوتھے سفر کا حال سُننے کے لیئے دعوت دی - جب دوسرے دن سب مہمان حاضر ہوکر کھانا کھاچکے - سندباد بولا -

سندباد جہازی کے چوتھے سفر کی سرگذشت

بھائیو! تیسرے سفر سے واپس آکر مینے وہ عیش اُڑائے کہ تمام کلفتیں فراموش ہوگئیں تھوڑی مدت کے بعد سفر کے خیال نے پھر میرے دل میں گدگدی لی - اور اسباب تجارت خرید کر میں بغداد سے چل پڑا - بصرہ میں پہنچکر ایک جہاز کرایہ پر لیا - اور ایک اچھا وفادار دیکھکر تجار کی جماعت کے ساتھ وہاں سے کوچ کیا - کچھ عرصہ تک اللہ تعالیٰ کی مہربانی شامل حال رہی - اور ہم ایک مقام سے دوسرے تک بخیریت پہنچکر اسباب کی خرید و فروخت کرتے رہے - ایک دن جہاز کو ہوا کا ایسا تیز جھونکا لگا - کہ کپتان نے پالیں اُتروالیں - اور کہا کہ طوفان آرہا ہے - ہوشیار ہوجاؤ - یہ سُنکر ہم درگاہ خداوندی میں نالہ وزاری کرنے لگے - اتنے میں ایک اور جھونکا اس زور سے آیا کہ ٹکڑے ٹکڑے ہوکر جہاز پانی میں ڈوب گیا - میرے بہت سے ساتھی بھی اسباب سمیت قعر سمندر میں چلے گئے - صرف مجھے اور چند اور آدمیوں کو لکڑی کا باریک تختہ ہاتھ آگیا - جسکے سہارے سے ایک رات اور دن کے بعد ہم قریب کے ایک جزیرے تک پہنچ گئے - اور بھوک و تکان کے سبب ہم بالکل مردوں کی طرح بن رہے تھے - ناچار تھوڑی دیر ٹھہر کر ہم نے کنارے پر دم لیا - اور پھر خوراک کی تلاش میں اودھر اُودھر چکر لگانا شروع کیا - کچھ جڑی بوٹیاں کھاکر تنور شکم کی آگ بجھائی - اور اجنبی ہونے کے سبب وہ رات آنکھوں میں کاٹی - جب صبح ہوئی تو ہمیں ایک عمارت دکھائی دی ہم نے بڑے اشتیاق سے اُس کی طرف قدم اُٹھایا - اور دروازے پر پہنچکر ٹھہر گئے -

سب جہاز والے حیران ہو کر میری طرف دیکھنے لگے۔ کہ ان جزیروں میں تو مردم خوار دیو اور اژدہے رہتے ہیں۔ تو یہاں کیسے پہونچا۔ اور کسی طرح سلامت رہا؟ مینے کہا ذرا سستا لینے دو۔ سب کچھ سنا دیتا ہوں۔ اسلئے پہلے غسل کرکے کپڑے تبدیل کئے۔ جو مجھے ہی عنایت سے کپتان نے مجھے عطا کئے تھے اور پھر کھانا کھا کر انہیں اپنی سرگذشت من وعن سنا دی وہ اور بھی حیران ہوئے۔ میں ان میں بڑی آسودگی کے ساتھ بسر اوقات کرنے لگا۔ آخر کار وہ جہاز بہت سے جزائر میں پھرتا پھراتا سلہٹ میں پہونچا۔ جہاں سے صندل کی لکڑی آتی ہے۔ جو کہ ایک کارآمد دوائی ہے۔ کپتان نے وہاں لنگر کیا۔ اور سب تاجر اپنا اپنا مال بیچنے اور بدلنے کے لئے جہاز سے اترے۔ کپتان میری طرف مخاطب ہو کر بولا! میرے جہاز پر مدت سے ایک سوداگر کا مال امانتاً پڑا ہے۔ وہ غریب کسی اتفاقی حادثے سے راستہ میں ہی مرگیا تھا۔ اب تک تو میں اس کا مال بیچتا بدلتا آیا ہوں۔ اور ارادہ ہے کہ وطن میں پہنچکر اسکے مالکوں کو اصل و منافع کوڑی کوڑی ادا کردوں۔ اب گٹھڑیاں میں تیرے سپرد کرتا ہوں۔ اور اس سوداگر کے وارثوں سے تیرا حق السعی دلوادوں گا۔ مینے کپتان کا شکریہ ادا کیا۔ پھر کپتان نے محرر کو حکم دیا کہ اس سوداگر کا مال اس شخص کے سپرد کردے۔ محرر نے پوچھا۔ اس کا نام کیا تھا۔ کپتان نے جواب دیا۔ سندباد جہازی۔ اپنا نام سنکر میں کپتان کے منہ کی طرف دیکھنے لگا۔ اور آخر اسے پہچان لیا۔ دوسرے سفر میں بھی یہی ہمارے جہاز کا کپتان تھا۔ اور مجھے فلاں چشمے پر سوتا چھوڑ کر چلدیا تھا۔ اب اسکے خیال میں میں مرچکا ہوں۔ آخر مجھ سے نہ رہا گیا۔ اور میں پوچھ ہی بیٹھا کہ کیا آپ کو سندباد جہازی کے مرجانے کا پورا پورا یقین ہے؟ اس نے جواب دیا۔ ہیں تو ایسا ہی سمجھتا ہوں۔ مینے کہا ذرا میری طرف تو دیکھو۔ اس نے مجھ پر ایک غائر نگاہ ڈالی۔ اور بول اٹھا۔ ہیں تم ہی تو سندباد جہازی ہو کہو میرے دوست اچھے تو رہے۔ مینے خدا کا شکریہ ادا کیا۔ پھر کپتان نے مجھے میرا سارا مال سپرد کردیا۔ اور چند سے سلہٹ میں خرید و فروخت کرکے دوسرے جزیروں کی سیر کی جہاں سے لونگ دارچینی وغیرہ مفید اور قیمتی اشیاء بار کیں اور بندر بصرہ کی طرف لوٹے ان جزیروں میں ہم نے پچیس پچیس گز کے طول و عریض کچھوے پائے۔ اور دو دھ

بڑے بڑے پتھر اٹھا کر ہماری طرف پھینکے اور میری کشتی کے سوا باقی سب کشتیاں ڈبو دیں۔ فقط ہم تین آدمی بچ نکلے۔ مگر جب کشتی دور دریا میں پہنچی تو موجوں کے طلاطم سے زیر و زبر ہونے لگی۔ ایک روز و شب برابر یہی حال رہا۔ دوسرے دن ہم ایک اور جزیرے میں پہنچ گئے بھوک لگی ہوئی تھی۔ ہم نے وہاں اتر کر پیٹ بھر کے جنگلی میوے کھائے۔ اور رات ہوتے ہی کنار دریا پر سو رہے۔ یکایک سانپ کی کھڑکھڑاہٹ نے میری آنکھ کھولدی۔ دیکھا تو وہ تاڑ کے برابر لمبا تھا۔ کمبخت آتے ہی ہم سے ایک کو توڑ مروڑ کر نگل گیا۔ میں اپنے دوسرے ساتھی کو ساتھ لیکر وہاں سے بھاگا۔ اور دور جا کے دم لیا۔ مگر سانپ کی ہڈیاں چبانے کی آواز برابر کانوں میں آ رہی تھی۔ بہرحال یہ اور مصیبت کی رات تھی۔ اب دن چڑھا۔ یہ اور بھی مصیبت میں کٹا۔ شام ہوئی اور ہم کچھ جنگلی پھل کھا کے ایک بلند درخت پر جا چڑھے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر اسی سانپ کی آواز آئی۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں۔ کہ وہ سانپ چڑھ کے درخت پر میرے ساتھی کو نگل کے چلا ہے۔ میرے ہوش اڑ گئے۔ مگر رات وہیں بیٹھ کے کاٹی۔ بصد مشکل صبح ہوئی۔ اور میں نیم جان درخت سے اترا۔ خیال تھا کہ آج رات میں بھی نہ بچوں گا۔ مگر آسا جینے کا آسرا ہے۔ بہت سی لکڑیاں اور کانٹے جمع کئے۔ پھر ان سے بنا کر کچھ تو درخت کے ارد گرد چن دئے اور کچھ ٹٹی کے طور پر بنا کر درخت کے اوپر باندھے۔ سارا دن اسی شغل میں گذر گیا۔ رات ہوئی۔ اور میں اپنے بچاؤ کے لئے درخت پر چڑھ کے چھپ رہا۔ سانپ بھی حسب معمول آیا۔ اور درخت کے چاروں طرف گھومنے لگا۔ جب اوپر جانے کو کوئی راستہ نہ پایا تو آخر ناکام لوٹ گیا۔ اپنی محنت میں کامیابی دیکھ کر مجھے کسی قدر مسرت تو ہوئی۔ مگر کئی راتوں کی بیداری کے تکان نے اسے مٹی میں ملا دیا۔ آخر دن چڑھا۔ اور میں اسی حالت میں درخت سے نیچے آیا۔ کہ زندگی کو موت پر ترجیح دیتا تھا۔ اور سوچتا تھا کہ بکرے کی ماں کب تک خیر منائیگی چلو اژدہے کی خوراک بننے سے سمندر میں ڈوب مرو۔ میں ڈوب مرنے کا پختہ ارادہ کر کے سمندر کی طرف چلا۔ لیکن فضل خدا شامل حال تھا۔ ایک جہاز دور سے دکھائی دیا۔ میں نے بلند آواز سے پکارا۔ اور سر کا عمامہ اتار کر خوب گھمایا۔ کپتان نے شاید میری آواز سن پائی مجھے دیکھ لیا۔ میری طرف ایک پنسوئی کو بھیجا۔ میں اس پر سوار ہو کر جہاز کی طرف گیا۔

تصویر دیو کی اور دیگر سوداگروں کی معہ سندباد جہازی کے گرفتاری کی



تین آدمی سما سکیں۔ اور انہیں ایک پوشیدہ مقام میں باندھ دیا۔ شام کو ہم اپنے مقتل میں لوٹ آئے۔ وہ دیو بھی آگیا۔ اور حسب معمول ہمیں ایک اور ساتھی کی چار و ناچار بھینٹ دینی پڑی جب وہ بدبخت سو گیا۔ اور خراٹوں کی آواز نے تصدیق کر دی۔ تو ہم باقیماندہ دس آدمیوں نے لوہے کا ایک ایک سیخچہ اُٹھا کے سُلگتے کوئلوں میں رکھدیا۔ اور جبیا لال انگار ہوگئے تو اُٹھا کے دیو کی آنکھوں پر رکھ دیئے۔ ظالم فوراً اندھا ہو گیا اور زور سے چیخنے چلانے لگا۔ اور پکڑنے کے لئے ادھر اُدھر ہاتھ پھیلاتا تھا۔ مگر ہم بھاگ کر دور نکل گئے۔ حتیٰ کہ اپنی ساختہ کشتیوں پر جا بیٹھے۔ اور صبح کے انتظار میں تھے تاکہ انہیں کھینچنا شروع کریں۔ پو پھٹتے ہی ہم نے دیکھا کہ اسی دیو کو اس کی جنس کے دو اور شخص ہماری طرف آرہے ہیں۔ اور ان کے آگے اور بہت سے دیو دوڑے آتے ہیں۔ ہم نے بلا تامل کشتیوں کو کھینچنا شروع کر دیا۔ دیوؤں نے بڑے

لیکن ہم کچھ نہ سمجھے۔ اور وہ رسّیوں سے اوپر چڑھ آئے۔ اس وقت کی بیقراری کا کیا بیان کروں۔ الاماں! جان تن سے نکل گئی۔ آخر انہوں نے پالیں باندھ دیں۔ اور لنگر کے رسّے کاٹ کر جہاز کو کنارے پر لے آئے۔ اور ہمیں اتار کر جزیرے میں لے گئے۔ جہازی لوگ ان بن مانسوں سے بہت بچ بچ کر سفر کرتے ہیں۔ مگر ہمیں تو بدقسمتی وہاں گھیر لے گئی تھی۔ ناچار ہم آگے ہو لئے۔ انہوں نے ہمیں ایک بلند مکان میں بند کر دیا۔ جہاں انسانی ہڈیوں کے ڈھیر کے ڈھیر لگ رہے تھے۔ اور پاس ہی کباب بھوننے کے لمبے لمبے آہنی سیخچے بھی پڑے تھے۔ یہ اسباب دیکھکر ہمارے حواس غائب ہو گئے۔ اور ہم واویلا مچانے لگے۔ یکایک اندر کا دروازہ کھلا اور ایک مہیب شکل کا دیو ظاہر ہوا جسے دیکھکر ہمیں غش آگیا۔ اتنے میں وہ اور آگے بڑھ آیا اور ہم میں سے ایک ایک کو اٹھا کے وزن کا اندازہ کرنے لگا جس طرح قصائی بکریوں کو ٹٹولتا ہے۔ میں چونکہ سرے پر کھڑا تھا۔ اسلئے پہلے میری باری تھی۔ مگر میری لاغری اسوقت آڑے ہو گئی۔ اور وہ مجھے وہیں چھوڑ کر آگے ہو گیا۔ سب کے بعد کپتان کی باری آئی اور بدقسمتی سے وہی سب سے فربہ تھا۔ غریب پر سب کی بلا ٹلی۔ دیو نے اسے پسند کر کے آگ جلائی۔ اور ہمارے دیکھتے دیکھتے اسے بھون کر کھا گیا۔ اور ڈیوڑھی میں دراز ہو کر زور زور سے خراٹے بھرنے لگا ہماری اس رات کی مصیبت کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا۔ خدا ہی جانتا ہے۔ بڑی مشکل سے صبح ہوئی اور وہ آدم خور دیو جاگ کر باہر نکل گیا۔ اور ہم نے بھوک مٹانے کے لئے جنگل سے کچھ پھل پھول کھا کر چشمے سے پانی پیا۔ اور پھر اسی مکان میں آکے پڑ رہے۔ وہ منحوس پھر حسب معمول شام کو آیا اور ہم میں سے ایک اور کا فیصلہ کر کے دہلیز میں خراٹے بھرنے لگا اور وہ رات بھی جوں توں کر کے کٹ گئی۔ اگلے دن ہم نے جنگل میں بیٹھ صلاح کی کہ اس دیو کے پنجۂ ظلم کا ایندھن بننے کی نسبت ڈوب کے مر جانا بدرجہا اولیٰ ہے۔ مگر ایک باایمان بولا۔ بنی آدم کے لئے خودکشی سے بڑا اور گناہ نہیں ہے۔ نجات کی کوئی اور تدبیر سوچنی چاہئے۔ اس کے کہنے پر میرے دل میں خیال آیا کہ کنارے پر کسی مخفی اور محفوظ میں چھوٹی چھوٹی کشتیاں تیار کر لیجائیں اور موقعہ پا کر بھاگ نکلیں۔ بچ گئے تو الحمدللہ۔ ورنہ مرضی مولا۔ میں نے یہ تجویز پیش کر دی۔ سب نے اسے پسند کیا۔ شام سے پہلے پہلے کئی ایسی کشتیاں تیار کر لیں جنہیں

ہیں جس میں سے عرق رس رس کر ایک برتن میں جمع ہو کے جم جاتا ہے۔ وہی کافور ہے۔ پھر وہ شاخ مرجھا کر خشک ہو جاتی ہے۔ اسی جزیرے کا گینڈا بھینسے سے بڑا اور ہاتھی سے چھوٹا ہوتا ہے۔ اس کے ناک پر ایک ہاتھ لمبا ایک ٹھوس سینگ ہوتا ہے جس پر ایک سفید خط تصویر انسان کے مشابہ ہوتا ہے۔ گینڈا اپنے اس سینگ کو ہاتھی کے پیٹ میں گھسیڑ کر اسے اوپر اٹھا لیتا ہے۔ مگر لہو اور چربی بہ کر اس کی آنکھوں کو اندھا کر دیتی ہے۔ پھر رخ اسی حالت میں دونوں کو اٹھا لیجا کر اپنے بچوں کو کھلا دیتا ہے۔ جزیرہ رو حا سے میں اور بھی بہت سے جزیروں میں پھرا۔ اور بہت سی دولت کما کر بندر بصرہ کو واپس آیا۔ وہاں سے بغداد میں پہنچکر بہت کچھ خیرات کی اور آئندہ کے لئے بغداد سے باہر نہ جانے کا عہد کر لیا۔

جب سندباد اپنے دوسرے سفر کا حال بیان کر چکا۔ اس نے سو دینار کی تھیلی ہندباد کو دیکر اور شام کو کھانا کھلا کے رخصت کیا۔ اور کہا۔ کہ میرے تیسرے سفر کا حال سننے کے لئے کل پھر آنا۔ چنانچہ وہ اور مہمان اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور اگلے دن حسب معمول پھر اکٹھے ہو کر تیسرے سفر کا حال سنانے کے لئے سندباد سے التجا کی۔ سندباد نے دوپہر کے کھانے سے فراغت پاکر تیسرے سفر کا حال یوں آغاز کیا۔

سندباد جہازی کے تیسرے سفر کی سرگذشت

بھائیو! اگرچہ میں نے عہد کر لیا تھا کہ اب سفر نہ کرونگا۔ مگر عیش عشرت نے تھوڑے ہی دنوں میں سب برداشت کردہ مصائب کو بھلا دیا۔ اور پھر تلوے کھجلانے لگے۔ غرض میں نے تیاری کر کے بصرہ کی راہ لی۔ اور اسباب تجارت جہاز پر لدوا کر روانہ ہوا۔ یہ سفر جیسا لمبا تھا۔ ویسا ہی ازرم سے کٹا۔ راہ میں ہم نے کئی نئے جزیروں کو دیکھا۔ اور اسباب تجارت بیچ بدل کر آگے روانہ ہوئے۔ ایک دن ہمارا جہاز طوفان میں پڑ کر راہ بھول گیا۔ اور ایسے جزیرے کے کنارے جا ٹھہرا۔ جس کے ارد گرد بھورے بالوں والے مردم خور مادر زاد ننگے آدمیوں کے جزیرے تھے کپتان نے کہا۔ یہ لوگ جہازیوں کے لئے وبال سے کم نہیں۔ اگر ان کا ایک آدمی بھی اتفاقاً ضائع ہو گیا تو سب ملکر ہمیں ہلاک کر ڈالینگے۔ ہم انہی باتوں سے خائف ہو رہے تھے کہ سواسو گز کے ہزاروں بن مانس سمندر میں تیر تیر کر ہماری طرف بڑھے اور منٹوں میں آکے جہاز کو گھیر لیا۔ اور کچھ کہتے

صرف ہوا کے لئے ایک سوراخ رکھکر اس کا منہ پتھر سے بند کر لیا۔ مگر رات بھر سانپوں اور اژدہوں کی خوفناک آوازوں نے میری آنکھ نہ لگنے دی۔ جب دن نکلنے کے قریب ہوا وہ بلوں اور غار میں گھس گئے اور میں ذرا سو گیا۔ اتنے میں ایک دھماکہ کی آواز آئی۔ میں اٹھ بیٹھا اور غار سے نکلکر دیکھا۔ کہ میرے سامنے ایک بڑا لوتھڑا تازہ گوشت کا پڑا ہے۔ پھر تو چاروں طرف سے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے گرنے لگے میں نے سوداگروں سے سنا تھا۔ کہ ایک جگہ الماس کی کان ہے۔ اور اس ترکیب سے سوداگر وہاں سے الماس نکال لیتے ہیں۔ تازہ گوشت میں جو لیس ہوتی ہے اس سے الماس چپک جاتا ہے اور یہ موسم عقابوں اور گدھوں کے انڈے بچے دینے کا ہوتا ہے۔ عقاب اور گدھ وہ گوشت کھائی میں سے اپنے بچوں کو کھلانے کے لئے گھونسلے میں لیجاتے ہیں۔ اور سوداگر ان آشیانوں کو تلاش کر کے اپنی اپنی قسمت نکال لاتے ہیں۔ مجھے فوراً اپنی خلاصی کی ایک تدبیر سوجھ گئی۔ اپنے چمڑے کے توشہ دان میں میں نے الماس کے بڑے بڑے ٹکڑے بھرے۔ اور اسے کمر کے گرد لپیٹ کر گوشت کے ایک لوتھڑے میں اپنے تئیں پگڑی سے خوب کس کر باندھ لیا اور زمین پر پڑ رہا۔ تھوڑی دیر میں ایک بڑا گدھ آیا اور مجھے اٹھا کے لیچلا حتیٰ کہ پہاڑ کی چوٹی پر اپنے آشیانے میں جا بیٹھا۔ ایک سوداگر نے غل مچا کر اسے اڑا دیا۔ پھر ایک سوداگر آگے بڑھ کر میرے پاس آیا۔ اور دیکھنے لگا۔ میں نے کہا اطمینان رکھو۔ میرے پاس منتخب الماس ہیں۔ اور وہ سب تمہارا مال ہے۔ اتنے میں دوسرے تاجر بھی وہاں آگئے اور سب سے میں نے اپنی سرگذشت کہہ دی۔ وہ بڑے حیران ہوئے۔ پھر مجھے اپنے ساتھ لیکے ڈیرے پر آئے اور میرے الماس دیکھکر ہکا بکا ہو گئے۔ بتایا کہ انہوں نے عمر بھر میں اتنے بڑے الماس نہ دیکھے تھے۔ وہاں دستور تھا۔ کہ ہر سوداگر نے ایک آشیانہ اپنے لئے مقرر کر لیا تھا۔ اور ایک کو دوسرے آشیانوں سے کچھ علاقہ نہ ہوتا تھا۔ جس آشیانے کی طرف گدھ مجھے اٹھا لایا تھا میں نے اسکے مالک اور اپنے میزبان سے التماس کی۔ کہ میرے الماسوں میں سے جو کچھ وہ بھی لے لے۔ مگر بڑے اصرار پر اس نے صرف ایک بڑا اور کچھ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے لے لئے اور کہنے لگا کہ یہ میری عمر بھر کے لئے کافی ہیں۔ رات میں نے انہیں کے ساتھ آرام کیا۔ پھر ہم [illegible] روانہ ہوئے۔ [illegible]

یہاں سے اُڑکے جائیگا۔ تو میں بھی اس قید تنہائی سے نجات پاؤں گا۔ غرض وہ رات میں نے جُوں توں کرکے کاٹی۔ اگلے دن صبح کے وقت وہاں سے اُڑا۔ اور چشم زدن میں ایک صحرا کے درمیان جا اُترا۔ میں نے فوراً اپنے تئیں اسکے پاؤں سے جدا کیا۔ رُخ فوراً اژدہے پر جھپٹا۔ اور اُسے اپنے مُنہ میں ڈال لے اُڑا۔ اب میں ایک مصیبت میں پھنس گیا۔ رُخ نے جس جگہ مجھے چھوڑا تھا۔ اُس کے چاروں طرف اتنے بلند پہاڑ تھے کہ اُن پر چڑھ سکنا آدمی کی قدرت سے باہر تھا۔ میں نے وہاں چاروں طرف الماس کے بڑے بڑے ٹکڑے بھی پائے۔ اور اُنہیں اکٹھا کرکے ایک کپڑے میں باندھ لیا۔ مگر جب میں نے وہاں بڑے بڑے اژدہوں کی کثرت دیکھی تو میری ساری خوشی مبدل بہ رنج ہوگئی۔ دن بھر تو وہ اژدہے رُخ کے خوف سے غاروں میں چھپے رہے۔ رات کو نکلکر اِدھر اُدھر پھرتے۔ میں نے اس کے خلاف اپنا معمول ٹھہرالیا۔ دن کو بے فکری سے پھرا کیا۔ اور شام ایک چھوٹے سے غار میں جا چھپا اور

تصویر ہیرے کی کان کی۔ سندباد جہازی کا حکمت عملی سے بوجہ سوداگروں کے خلاصی پانا



ٹھہر گیا۔ اور حسب معمول سب مہمان کھانا کھا چکے۔ تو سندباد نے اپنے دوسرے سفر کا حال یوں سنانا شروع کیا :۔

سندباد جہازی کے دوسرے سفر کی حکایت

صاحبو! پہلے سفر میں مجھ پر جو مصیبت پڑی تھی۔ مینے اُس سے عہد کر لیا تھا کہ اب کبھی سفر کا نام نہ لونگا۔ مگر آخر بیٹھے بیٹھے جی اُکتا گیا۔ اور پھر پاؤں میں کھجلاہٹ ہونے لگی۔ مینے بحری سفر کا ارادہ کر کے تجارتی مال خرید کیا اور دیانتدار تاجروں کے ساتھ ایک اچھے جہاز پر سوار ہو کر گھر سے نکلا۔ راہ میں مختلف مقامات کی سیر کرتے اور اسباب تجارت بیچتے اور بدلتے چلے جاتے تھے۔ کہ ایک دن ایک سرسبز مگر ویران جزیرے کے پاس سے گذرے۔ جی میں اُسکی سیر کا خیال آیا۔ جہاز ٹھہرا کر ہم اُتر گئے اور قریب ہی ایک چشمے کے کنارے جا بیٹھے۔ میرے ساتھی میوے چُننے لگے۔ اور میں کھانا کھا کر ذرا سستانے کو لیٹ گیا۔ کمبخت نیند نے ایسا غلبہ کیا کہ جب جاگا تو نہ ساتھیوں کا اور نہ ہی جہاز کا نام و نشان نظر آیا۔ اُس وقت مجھے اضطراب ہوا۔ بیان نہیں ہو سکتا۔ میں دھاڑیں مار مار کر روتا تھا اور اپنی بدقسمتی پر سر پیٹتا تھا۔ آخر خدا کو یاد کر کے ذرا چپ ہوا۔ مگر حیران تھا۔ کہ کیا کروں اور کہاں جاؤں۔ کیونکہ چاروں طرف پانی اور آسمان کے سوا دوسری چیز ہی نہ دکھائی دیتی تھی۔ اتنے میں دور سے ایک سفید چیز گنبد نما دکھائی دی۔ مینے خدا کا نام لیکر اودھر ہی قدم اُٹھایا۔ اور قریب جا کر چھوا تو سنگ مرمر سفید چکنا سا ایک گنبد نظر آیا جس کا دور پچاس قدم مگر دروازہ کوئی نہ تھا۔ میں حیران تھا کہ الٰہی! یہ کیا اسرار ہے؟ اتنے میں چاروں طرف اندھیرا چھانے لگا۔ مینے نگاہ اوپر اُٹھائی تو دیکھا۔ ایک بڑا پرند میری طرف اُڑتا آرہا ہے۔ اُس وقت مجھے جہازیوں کی ایک بات یاد آگئی۔ جنھوں نے مجھے بتایا تھا۔ کہ اس نواح میں رُخ نامی ایک عظیم الجثہ ایک پرند ہوتا ہے۔ مینے قیاس کیا۔ ہو نہ ہو یہ گنبد اُسی رُخ کا انڈا ہوگا۔ میرا قیاس غلط نہ تھا۔ وہ رُخ فی الحقیقت وہاں انڈا لینے آیا تھا۔ میں اُس گنبد سے دور ہو گیا اور رُخ اُس پر آبیٹھا۔ اُس کا ایک پاؤں میرے قریب آکے ٹکا۔ اور مینے دیکھا۔ کہ اُسکی انگلیاں بڑے درخت کی جڑوں کے برابر تھیں۔ مینے اپنے لیے اسے مبارک تصور کیا۔ اور سر سے عمامہ اُتار کر اپنے تیئں اُسکی ایک اُنگلی سے مضبوط باندھ لیا۔ اس خیال سے کہ کل جب یہ

اور وہ بھاگ نکلیں۔ ایک اور نئی قسم کی مچھلی دیکھی۔ کہ وہ طول میں ایک ہاتھ کی تھی۔ مگر منہ اُلو کی مانند تھا۔ میں ایکدن جزیرہ کسیل کے لنگرگاہ میں کھڑا تھا۔ کہ ایک جہاز نے وہاں آکر لنگر کیا۔ سب تاجر شہر میں لیجانے کے لئے اپنے اپنے اسباب کی گٹھریاں اُتارنے لگے۔ ناگہاں ایک گٹھری پر نظر جا پڑی۔ جسپر میرا ہی نام لکھا ہُوا تھا۔ پھر مینے پہچان لیا۔ کہ تو وہی جہاز ہے جو میرے سمندر میں چھوڑ گیا تھا۔ میں کپتان کے پاس گیا اور اُس نے اسباب کے بارے میں دریافت کیا۔ اُسنے مجھے میری ہی سرگذشت سُنادی۔ مگر مجھے پہچان نہ سکا۔ مینے کہا میں ہی تو اس کا مالک سندباد بغدادی ہوں۔ اس پر اُسکے کان کھڑے ہوئے اور مجھے جھٹلانے لگا۔ مگر جب میں نے اپنی بقیہ کہانی سُنائی۔ تو اُسنے مجھے غور سے دیکھکر پہچان لیا۔ باقی سوداگروں نے بھی میری شہادت دی اور مجھے مبارکباد دیکر کہنے لگے۔ یہی سندباد بغدادی ہے۔ کپتان نے کہا۔ میں تجھے زندہ پاکر بڑا خوش ہُوا ہوں۔ اب تو اپنے مال کا مالک ہے۔ مینے کپتان کی دیانت کی تعریف کی۔ اور کہا۔ کہ تھوڑا حصّہ وہ بھی اس میں سے لے لے۔ مگر اُس نے انکار کرکے کہا۔ کہ اگر تم نہ بھی ملتے تو اس اسباب کو بیچکر نقدی تمہارے وارثوں کو پہنچا دینے کا مینے عہد کر لیا تھا۔ ناچار مینے اُس میں سے اچھے اچھے تحائف لیکر مہاراج کی خدمت میں پیش کئے۔ اُس نے پوچھا یہ تمنے کہاں سے لئے ہیں مینے کہا۔ میرا کھویا ہُوا اسباب مجھے مِلگیا ہے۔ وہ بڑا خوش ہُوا۔ اور اُسکے عوض مجھے بھاری انعام واکرام دیا۔ پھر مینے وہاں سے مال تجارت تبدیل کرکے صندل۔ کافور آبنوس۔ لونگ۔ مرچ سیاہ۔ پیپل۔ جائفل وغیرہ جہاز پر بار کئے اور اپنے پُرانے ساتھیوں کیساتھ وطن مالوف کو لوٹا۔ جیسے کہ پھرتے پھراتے جہاں سے ہم چلے تھے۔ وہیں آپہنچے بندر بصرہ میں جہاز سے اُتر کر گھر آیا۔ مینے اندازہ کیا تو اس سفر پورے ایک لاکھ دینار مجھے منافع ہُوا تھا میں اس دولت کثیر سے بہ عیش وآرام بسر کرنے لگا۔ اور چند ہی دِنوں میں ساری مشقت بھول گئی۔ یہاں تک پہنچکر سندباد نے سطربوں کو گانے اور بجانے کا حکم دیا۔ اور اس کے بعد شام کو کھانا کھاکے ہندباد کو سو دینار کی تھیلی پیش کی۔ اور کہا کہ اب ہم گھر جاؤ اور بال بچوں کو تسلی دو اور کل پھر آنا تو دوسرے سفر کا حال سُناؤنگا۔ ہندباد نہایت خوش ہُوا اور اپنے بال بچوں (میں) آکر انہیں سندباد کی فیاضی کا ذکر سُنایا۔ اگلے دِن اچھی پوشاک زیب بر کرکے سندباد کے

پانی پی کر خدا کا شکر بجا لایا۔ جب چلنے پھرنے کی طاقت آئی۔ وہاں سے اٹھا اور آگے چلنا شروع کیا۔ تھوڑی دور جا کر گھوڑی کے ہنہنانے کی آواز آئی۔ اور دیکھا کہ ایک خوبصورت گھوڑی میخ سے بندھی ہے۔ میں تھوڑا اور آگے ہوا۔ اور پاؤں کے نیچے آدمیوں کی آواز بھی سُنی۔ اتنے میں ایک آدمی زمین کے نیچے سے نکل آیا۔ اور مجھے ایک تہ خانے میں لے گیا۔ جہاں اور بھی کئی آدمی بیٹھے تھے۔ میں انہیں اور وہ مجھے دیکھ کر حیران ہوئے۔ پھر انہوں نے مجھے کھانا کھلایا اور میرا حال پوچھا۔ میں نے اپنی سرگذشت من وعن سُنادی۔ پھر ان سے پوچھا تم کون ہو۔ انہوں نے جواب دیا۔ ہم یہاں کے مہاراج کے سائیس ہیں اور ہر سال ان دنوں میں یہاں شاہی گھوڑیاں لیکر دریائی گھوڑوں کا تخم لینے کے لئے آتے ہیں۔ گھوڑی کنارے پر باندھ دیجاتی ہے۔ اور اس کی بو پر دریائی گھوڑا پانی سے نکل آتا ہے۔ پھر جفتی کر کے اسے ہلاک کر دینا چاہتا ہے۔ کہ اتنے میں ہم شور مچا دیتے ہیں۔ اور وہ بھاگ جاتا ہے۔ اس گھوڑی کا بچہ مہاراج کی خاص سواری میں رہتا ہے۔

ہم اپنی باتوں میں مشغول تھے۔ کہ دریائی گھوڑا نکلا اور گھوڑی سے جفتی کر کے اُسے ہلاک کرنا چاہتا تھا کہ دفعتہً اُن سائیسوں نے شور مچا دیا۔ بے سمجھ حیوان دوڑ کر سمندر میں غروب ہو گیا۔ دوسرے دن وہ شہر کو روانہ ہوئے۔ میں بھی اُن کے ساتھ ہی چلا اور انہوں نے مہاراج کی خدمت میں پہنچکر میرا حال سُنایا جس پر مہاراج نے بہت افسوس کیا اور اہلکاروں سے فرمایا کہ اس شخص کو اچھی طرح سے رکھو۔ غرض میں نے وہاں نہایت ہی راحت کے ساتھ کئی ماہ بسر کئے۔ وہ شہر بڑا خوبصورت اور فراخ تھا۔ وہاں ملکوں ملکوں کے جہاز اور سیاح آتے رہتے تھے۔ وہاں جب تک میرا قیام رہا میں ساحل پر جاتا۔ اور مختلف ملکوں کے حالات پوچھا رہتا میرا مقصد یہ تھا۔ کہ شاید کوئی بغداد یا شہر الاہل جائے۔ جسے بھی ساتھ لیچلے۔ مگر بدقسمتی سے کوئی آدمی ایسا نہ ملا۔ ایکدن میں نے سنا کہ مہاراج کے علاقے میں ایک جزیرہ کسل نامی بھی ہے جہاں تمام رات نقارے کی آواز آتی رہتی ہے۔ جہاں سے آخری دنوں میں دجّال خروج کرے گا مجھے اس کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ اور مہاراج سے اجازت طلب کر کے میں ادھر چلا۔ راستے میں اتنی بڑی بڑی مچھلیاں دیکھیں کہ ڈر لگتا تھا۔ مگر شکر ہے کہ وہ کچھ نہیں کہتی تھیں۔ ذرا کہیں کنارا بڑا

کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ اگر تم اجازت دو۔ تو میں اپنے ساتوں بحری سفروں کا حال آپ کو سناؤں
جب سب نے اشتیاق ظاہر کیا تو سندباد نے اپنے نوکروں کو حکم دیا۔ کہ ہندباد کا بوجھ جہاں وہ
کہے پہنچا دو۔ پھر اپنا حال یوں سنانے لگا:۔

سندباد جہازی کے پہلے سفر کی سرگذشت

دوستو! اپنے باپ کی جو دولت مجھے ورثے میں ملی تھی۔ وہ سب میں نے عالم شباب میں عیاشیاں
کرکے ضائع کر ڈالی۔ اور پھر کمال نادم ہوا۔ لیکن الحمد للہ کہ میں جلدی ہی سنبھل گیا۔ آخر بقیہ
جائداد کے کوڑے کیئے اور بحری تاجروں سے رائے لی۔ میں ان کا شکر گذار ہوں کہ انھوں
نے نیک رائے دی۔ اسلیئے میں اسباب تجارت خرید کر انکے ساتھ بندر بصرہ کو چلا۔ وہاں ایک جہاز
کرائے پر لیا جس نے خلیج فارس سے لنگر اٹھا کر ہندوستان کا رخ کیا۔ پہلے پہلے کئی بحری خرخوں
نے مجھے گھیرے رکھا۔ مگر جلدی ہی میں اچھا ہو گیا۔ راستے میں کئی جزیرے آئے۔ جہاں ہم نے
اسباب تجارت کا تبادلہ کیا۔ ایک دن کی بات ہے۔ کہ پانی پر ہمیں نہایت ہی سرسبز اور بہت
خوبصورت جزیرہ دکھائی دیا۔ اور کپتان نے اجازت دی۔ کہ جس کا جی چاہے۔ اس کی سیر کرآئے
چنانچہ جہاز کی پالیں اتار لی گئیں۔ اور ہم اتر کر جزیرے پر آ گئے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد
وہ ڈگمگانے لگا۔ کپتان نے ہمیں آواز دی۔ کہ دوڑو۔ ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ جسے ہم نے جزیرہ
سمجھا تھا۔ وہ ایک بڑی مچھلی ہے۔ یہ سنکر ہم جہاز کی طرف بھاگے۔ اور باقی سب کے سب کسی
نہ کسی طرح جہاز پر پہنچ رہے۔ مگر میں اکیلا وہاں رہ گیا۔ اتنے میں وہ مچھلی پانی میں گھس گئی۔ اور
میں نے ایک لکڑی کو پکڑ لیا جو میرے پاس تھی۔ جہاز نے لنگر اٹھا دیا۔ اور میں حسرت سے اس کی
طرف دیکھ دیکھ کر تیرنے لگا۔ برابر ایک رات اور دن مجھے اسی حالت میں گذر گیا۔ اگلے دن ہلنے کی
بھی طاقت نہ رہی۔ قریب تھا کہ میں ڈوب جاؤں۔ اتنے میں ایک لہر آئی۔ اور اس نے اٹھا کے
مجھے کنارے پر ڈال دیا۔ میں بمشکل خشکی پر پہنچا۔ اور بے دم ہو کر وہیں گر پڑا۔ دیر تک یونہی بے خبر
پڑا رہا۔ اگلے دن جاکر ہوش آیا۔ اور بھوک نے بیتاب کر دیا۔ ناچار تنور شکم میں ایندھن جھونکنے
کے لیئے گھٹنوں کے بل گھسیٹ گھسیٹ کر قریب کے ایک چشمے کے کنارے پہنچا۔ جہاں میوہ دار
درختوں نے ایک بہار لگا رکھی تھی۔ ان کے نیچے سے گرے ہوئے پھل اٹھا کر کھائے اور چشمے سے

کا ہے جس نے دُنیا کے تمام سمندروں کا سفر کر کے بے شمار دولت کمائی ہے۔ مزدور نے یہ سُنکر دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے اور پکارا "خداوندا"! سندباد اور مجھ میں ہندباد ہوں کہ ایک حرف کے سوائے اور کیا فرق ہے۔ لیکن وہ عیش و عشرت سے بسر کرتا ہے۔ اور میں سخت مشقت سے اپنے عیال کی روٹی کماتا ہوں۔ اُس نے ایسا کیا کام کیا جس سے تو نے اُسے اسقدر سامان آسائش عطا فرمائے اور میں نے ایسا قصور کیا کیا ہے جس سے ایسے عتاب میں پڑا ہوں۔ یہ کہکر زمین پر ایک ٹھوکر ماری اور بیٹھ کر نصیبوں کا گِلہ کرنے لگا۔ اتنے میں اندر سے ایک غلام قیمتی لباس پہنے نکلا۔ اور اُس کا بازو پکڑ کر کہنے لگا۔ اندر چل۔ تجھے میرے آقا نے بلایا ہے۔ ہندباد ڈر گیا۔ کہ میری شکایت کو سندباد نے نہ سُن لیا ہو مبادا مجھے سزا دے بیٹھے۔ اِسلئے اُس نے عذر کرنا چاہا۔ کہ میرا اسباب باہر پڑا ہے۔ غلام نے جواب دیا۔ اسباب کی طرف سے بے فکر رہو ہم اس کی حفاظت کرینگے۔ ناچار اُس کے ساتھ اندر گیا۔ غلام اُسے ایک بڑے دالان میں لیگیا۔ جہاں بہت سے خوش پوش آدمی بیٹھے تھے۔ اور اُنکے سامنے طرح طرح کے کھانے دسترخوان پر چُنے تھے۔ اور صدر میں ایک نورانی صورت پیر مرد بیٹھے پایا جس کی پُشت پر ایک گروہ خدمتگاروں کا دست بستہ کھڑا تھا۔ ہندباد نے ڈرتے ڈرتے جھک کر سلام کیا۔ سندباد نے تمام اخلاق کے ساتھ سلام کا جواب دیکر اُسے اپنے پاس بٹھا لیا اور اپنے ہاتھ سے اچھے اچھے کھانے اُٹھا اُٹھا کر اُس کے آگے رکھدیئے۔ جب سب لوگ کھانا کھا چکے۔ تو سندباد نے ہندباد کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ "اب میں اس بات کو ایک دفعہ پھر تمہاری زبان سے سُننا چاہتا ہوں۔ جو تم نے گلی کے باہر کہی تھی" ہندباد نے آنکھیں نیچی کر لیں۔ اور معذرت کی۔ کہ اُس وقت میں خستگی کے مارے میرے ہوش حواس میں نہ تھا۔ ممکن ہے کوئی بات مُنہ سے خلاف ادب صادر ہوگئی ہو۔ اب اُس کا اعادہ کرنی بے ادبی اور گستاخی ہے۔ لہذا معافی کا خواستگار ہوں۔ سندباد نے جواب دیا۔ میں ایسا ظالم نہیں۔ کہ تم سے مواخذہ کروں۔ بلکہ تیری شکایت سُنکر میری رقت طاری ہوگئی تھی۔ اور تیری تنگدستی دیکھکر رحم آگیا تھا۔ مگر [illegible] غلط سمجھا۔ تجھے خیال ہوگا کہ یہ دولت مجھے [illegible] ہیں۔ کہ میں [illegible]



تصویر دربار خلیفہ میں ہدیے پیش کرنے کی اور کنیز کو صورت اصلی بنانے کی

کیا اور کہنے لگے سندباد جہازی کے سات سفروں کی حکایت یوں شروع کی:-

سندباد جہازی کی حکایت

اے بادشاہ خلیفہ ہارون الرشید کے عہد سلطنت میں سندباد نامی ایک مزدور بغداد میں رہتا تھا۔ ایک دن گرمی کے موسم میں وہ سر پر بھاری بوجھ اٹھائے چلا جا رہا تھا کہ ایک کوچے میں سے گذرا۔ جہاں ٹھنڈی ہوا آ کر مشام جان کو تازہ کرتی تھی۔ کیونکہ وہاں گلاب چھڑکا ہوا تھا۔ جب وہ ایک مکان کے دروازے پر پہنچا تو سستانے کے لئے بوجھ اتار کے بیٹھ گیا۔ تو اسے اندر سے راگ رنگ کی آواز آئی۔ ... پرندوں کے چہچہانے کی بھی شور سنائی دیا۔ لذیذ اور نفیس کھانوں کی خوشبو نے اسے بالکل بے خبر بنا دیا۔ اس نے سمجھا کہ اس مکان کے اندر آج کوئی بڑی ضیافت ہے ... مالک مکان اور اس کے رہنے والے کا پتہ پوچھا ... ہو کر اتنا نہیں جانتا کہ یہ مکان سندباد جہازی

پھر زبیدہ سے فرمایا۔ بی بی کیا! تو اس پری کا پتہ لگانا جانتی ہے۔ جسنے تیری بہنوں کو کتیاں
بنا ڈالا ہے۔ زبیدہ نے جواب دیا وہ پری جاتے ہوئے مجھے چند بال دیگئی تھی اور کہہ گئی تھی
کہ جب مجھے بلانا چاہو۔ آگ پر ایک بال کو رکھ دینا۔ میں فوراً خود بخود آجاؤں گی۔ خلیفہ نے کہا۔ تو
اب پھر وہ بال لاؤ نہ۔ زبیدہ نے پری کا بال خلیفہ کے پیش کر دیا۔ خلیفہ نے اسے آگ پر رکھا
جب وہ تھوڑا سا جل چکا۔ تو بادشاہی محل ہلنے لگا۔ اور پری سامنے آحاضر ہوئی
اور خلیفہ سے اسلام علیک کہکر مخاطب ہوئی۔ یا امیر المومنین زبیدہ نے میرے ساتھ
ایک نیکی کی تھی۔ جس کا میں عوض نہیں دے سکتی۔ جب اس نے مجھے سونپ کے منہ سے بچاکر میرے
دشمن کو ہلاک کیا۔ اور میں نے معلوم کیا کہ اس کی بہنوں نے اس سے کیسا سلوک کیا ہے۔ تو
میں نے ان ناحق شناسوں کو کتیاں بنا ڈالا۔ اور اگر آپ چاہیں تو میں انہیں اس قید سے نجات بھی
دے سکتی ہوں۔ خلیفہ نے کہا اگر تو ایسے کرے تو میں تیرا بڑا ممنون ہونگا۔ ہاں۔ ایک اور بات بھی دریافت
کرنا چاہتا ہوں۔ میری سلطنت میں امینہ پر ظلم کرنے والا کون ہے۔ یقیناً تجھے خوب معلوم ہوگا۔ پری نے
یہ سنکر تھوڑا پانی لیا۔ اور اس پر پڑھ کے پہلے کتیوں پر چھڑکا۔ تو وہ فوراً انسانی صورت میں آگئیں
پھر امینہ پر چھڑک کے اس کے داغوں کو دور کیا۔ اور کہنے لگی۔ حضور! اس پر ظلم کرنے والا
چھوٹا بیٹا شہزادہ امین ہے۔ جو اس پر غائبانہ عاشق ہوا تھا۔ اور پھر فریب سے گھر بلا کر
اس کے ساتھ اپنی شادی کی۔ اور تھوڑی سی لغزش پر ایسی سخت سزا دی جو ہر طرح سے قابل
نفرین ہے۔ یہ کہکر پری غائب ہو گئی۔ اور خلیفہ نے امین کو بلا کر حکم دیا کہ مجھے تمہاری شادی کا
آغاز و انجام معلوم ہو چکا ہے۔ امینہ پاک دامن بی بی ہے۔ اسے لیجا کر محل میں عزت و حرمت سے
رکھو۔ چنانچہ شہزادہ اسے اعزاز و اکرام سے محل میں لیگیا اور دونوں نے باقی عمر پیار و الفت
سے بسر کی۔ پھر خلیفہ زبیدہ کو اپنے عقد میں لایا اور اس کی دو بہنوں و صافی سے تینوں
قلندروں سے نکاح پڑھوا دیئے گئے۔ اور ان کو انکی شان کے مطابق اچھے اچھے عہدے
دیئے گئے۔ جس سے وہ اپنی زندگی بآرام بسر کرنے لگے۔ کہ شہزادی نے دیکھا کہ صبح ختم ہو گئی۔ تو بادشاہ
ابھی باقی تھی۔ کہ دنیا زاد بولی۔ بہن کوئی اور عجیب کہانی سناؤ۔ ایک لمبی رات آرام سے
کٹ جائے گی۔ ملکہ نے شہریار کی طرف دیکھا [illegible] اجازت مانگی [illegible] شہریار نے [illegible] منظور

تصویر شوہر امینہ کا در پے قتل اپنی زوجہ کے ہونا اور ضعیفہ کی عاجزی و سطے اسکی رہائی کے



معلوم ہوا کہ میرے شوہر نے غصّے میں آکر وہاں پل پھروا دیا تھا۔ ناچار میں اس اپنی سوتیلی بہن کے ہاں پہنچی۔ اور اس نے اپنی ساری کہانی سنائی۔ یہ دونو کتیاں بھی اس وقت وہاں موجود تھیں۔ میری سرگذشت سنکر میری بہن نے بھی مجھے اپنا ماجرا سنایا۔ اور سلامتی پر خدا کا شکریہ ادا کرکے مجھے اپنے پاس رکھ لیا۔ اور کہا کہ اب بھولکر بھی شوہر کا خیال نہ کرنا۔ پھر میں اپنی چھوٹی بہن صافی کو بھی اپنے پاس ہی لے آئی اور اب ہم تینوں بڑے امن و چین سے رہتی ہیں۔ اور گھر کا کام کاج مل جلکر نپٹ لیتی ہیں۔ جب کبھی بازار سے سودا سلف لانیکی ضرورت ہوتی ہے تو میں جاکر خرید لاتی ہوں۔ حسب معمول کل بھی میں ہی گئی تھی کہ ایک مزدور لگیا پھر رات کے وقت یہ قلندر آگئے۔ اس کے بعد تین سوداگروں نے بھی وہیں آ ڈیرا جمایا۔ ہمیں کیا معلوم تھا۔ کہ سوداگروں کے بھیس میں حضور ہی تھے۔ اسلیئے کوئی بے ادبی ہوگئی۔ تو قابل معافی ہیں۔ یہ ہے میری کہانی۔

خلیفہ یہ سنکر حیران ہوگیا۔ اور حکم دیا کہ سب ماجرے کو لکھکر دفتر شاہی میں رکھا جائے

یہ سنکر کہنے لگا۔ اچھا۔ کل اس شہر کے تمام لکڑہاروں کو پھانسی پر لٹکوا دونگا۔ میں ڈری اور کہہ دیا۔ زنہار ایسا نہ کرنا۔ لکڑہارے غریب بیگناہ ہیں۔ میں تو ایک گدھے پر سے گر پڑی تھی اور قضائے میں لکڑی چبھ گئی۔ وہ بھلا لوگ ایسا نکلا۔ کہ میں حیران ہو گئی۔ کہنے لگا۔ اچھا وزیر شہر سے کہکر کل تمام کمہاروں کی گردنیں اُڑا دونگا۔ میں نے کہا۔ کیوں معمولی بات کی خاطر اتنے آدمیوں کا خون سر پر لیتے ہو۔ یہ سُنکر وہ گرجا۔ اور چلا کر پاس کا دروازہ کھولا۔ جسکے کھلتے ہی تین سیاہ حبشی غلام ننگی تلواریں لئے نکلے۔ میرے بے رحم خاوند نے حکم دیا۔ کہ ایک مجھے پاؤں سے پکڑ کر اور دوسرا بازو سے پکڑ کر اُٹھا رکھے۔ اور تیسرے کو اشارہ کیا۔ کہ میرے دو ٹکڑے کر کے دریائے دجلہ میں پھینک آ۔ تا کہ اُسے مچھلیاں چٹ کر جائیں۔ اور یہ سزا اس شخص کی ہے جو دوستی میں خیانت کرے۔ جلاد اپنا کام کیا ہی چاہتا تھا۔ کہ میں نے دوگانہ کی اجازت طلب کی جو مجھے بآسانی مل گئی۔ اور میں نے کوشش کی۔ کہ اپنے خاوند کے دل کو نرم کروں مگر وہ ایسے لوہے کا بنا ہوا تھا۔ کہ اور بھی سخت ہوتا گیا۔ آخر وہ سخت غصے میں آکر جلاد کو کہنے لگا۔ جلد اپنا کام کر۔ ان باتوں سے کیا فائدہ ہوگا؟ لیکن میری زندگی کے کچھ دن باقی تھے۔ کہ اتنے میں وہی بڑھیا آ گئی۔ اور اپنے تئیں اُس ظالم نوجوان کے قدموں پر گرا دیا اور کہنے لگی بیٹا! میں تجھے اپنے دودھ پلانے کا واسطہ دیتی ہوں۔ کہ میری خاطر اس بیگناہ لڑکی کو معاف کر دے۔ تو ابھی نوجوان ہے۔ اور میں ڈرتی ہوں۔ کہ یہ تجھے کوئی بد دعا نہ دے بیٹھے۔ پھر وہ رونے لگی۔ حتیٰ کہ نوجوان نے کہا۔ بوڑھی اماں! اچھا میں نے تیری خاطر اس کی جان بخشدی۔ لیکن کچھ نہ کچھ سزا اسے ضرور دونگا جو اسے عمر بھر کے لئے یاد رہے۔ پھر اس نے غلاموں کو حکم دیا جنہوں نے فوراً مجھے ننگا کر دیا اور میرے جسم پر بید پڑنے لگے اور مجھے اسقدر مارا کہ چمڑا اُدھڑ گیا۔ میں بے سدھ ہو کر گر پڑی اور اپنی زندگی سے مایوس ہو گئی پھر اس سنگدل نے غلاموں کو حکم دیا۔ کہ جب رات پڑے تو اسے فلاں مکان میں پہنچا آؤ۔ وہ بڑھیا بھی میرے ساتھ ہی گئی اور پورے چار ماہ تک میری خبرگیراں رہی۔ اُس کی مرہم پٹی سے میری شفا ہو گئی۔ مگر چھاتی اور پشت پر سیاہ داغ رہ گئے۔ جو اس وقت تک بھی موجود ہیں۔ پھر میں وہاں سے اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئی۔ اور جا کر دیکھا تو وہاں کھیت بن رہا تھا

علیٰ ہذا القیاس اُس نے بھی مجھ سے وفادار رہنے کا عہد کیا۔ نکاح کے بعد ہم دونو نے اکٹھے کھانا کھایا اور رات بھی اکٹھے ہی گذاری۔ اسی طرح میرا پورا مہینہ شاہانہ زندگی میں بسر ہوا۔ ایک دن مینے اپنے شوہر سے بازار میں جاکر چند تھان خریدنے کی اجازت مانگی جسے اس نے بخوشی منظور کیا۔ میں کپڑے پہن کر اُسی بڑھیا کے ساتھ بازار گئی۔ جو مجھے اپنے واقف کار جوان سوداگر کی دوکان پر لیگئی۔ بڑھیا مجھے کہنے لگی۔ اس نوجوان کا باپ اسکے لئے بڑی دولت چھوڑ مرا ہے۔ پھر نوجوان سوداگر کی طرف مخاطب ہوئی کہ مجھے کچھ مال دکھلائے۔ اور اس کی بڑی تعریفیں کرنے لگی مینے کہا مجھے تعریفیں سننے کی ضرورت نہیں۔ تھان لو۔ اور قیمت دیکر گھر کا راستہ لو۔ اور پھر مینے ایک تھان پسند کیا۔ اور اس کی قیمت دریافت کی۔ اس نے کہا یہ آپ کی نذر ہے۔ مینے بڑھیا سے کہا۔ کہ وہ قیمت نہیں لیتا۔ تو اس کا تھان لوٹا دو۔ یہ سنکر نوجوان سوداگر بولا۔ اس کی قیمت صرف بوسہ ہے اور بس۔ اسپر مجھے سخت غصہ آگیا۔ لیکن بڑھیا پچاپچا ل کہنے لگی۔ تیرا کیا حرج ہے۔ ایک بوسہ دیدے اور جو مانگے سو لیلے۔ مینے جواب دیا کیا تجھے معلوم نہیں کہ مینے نکاح کے وقت کیا قسم کھائی تھی اُسنے کہا کہ تونے اجنبی کے ساتھ نہ بولنے اور اُسے نہ دیکھنے ہی کی قسم کھائی تھی یا کچھ اور بھی۔ تم چپ رہو۔ وہ بوسہ لیگا۔ ناچار میں اسکے چکمے میں آگئی اور آنکھیں بند کر کے ایک رخسارہ اس کی طرف کر دیا۔ ظالم نے میرے رخسارے پر منہ رکھ کے اس زور سے کاٹا۔ کہ میں لہولہان ہو گئی۔ اور شدت درد سے مجھے غش آگیا۔ یہ حال دیکھ کر وہ تو دکان بند کر کے چلتا بنا۔ اور وہ رانڈ مجھ سے معافی مانگ کر تسلیاں دینے لگی۔ کہ میں ہی تیری اس مصیبت کی بانی ہوں۔ مجھے معاف کر دے۔ گھر چل کے میں ایک ایسی دوا لگاؤں گی کہ زخم کا نام و نشان تک نہ رہیگا۔ ناچار جب کچھ افاقہ ہوا تو میں سخت متفکر ہو کر گھر کو روانہ ہوئی۔ کہ اب کیا ہوگا۔ شوہر پوچھیگا تو کیا جواب دونگی۔ غرض بصد مشقت جب میں مکان پر پہنچی تو اتنے میں میرا خاوند بھی آگیا۔ اور پوچھنے لگا۔ آج تجھے کیا ہوا ہے۔ مینے کہا کچھ نہیں میں تو اچھی ہوں۔ پھر اس نے مجھے دیکھکر کہا یہ تیرے رخسارے پر زخم کیسا ہے۔ مینے جواب دیا۔ آج میں بازار کو جا رہی تھی تو میرے قریب سے ایک لکڑہارا لکڑیاں اُٹھائے گذرا۔ راستہ تنگ تھا۔ اسلئے ایک لکڑی کی رگڑ سے میرا ایک برقعہ بھی پھٹ گیا۔ اور رخسارے پر بھی خراش ہوگئی۔ میرا شوہر

پہنکر آئیگی۔ آپ میرے ساتھ چلکر برات کا انتظام کیجیئے۔ خداوند آپ کو اس کا اجر دیگا۔ پھر وہ بڑی
اور زمین پر بوس ہو کر کہنے لگی۔ بخدا میں بالکل مسکین ہوں۔ اس کی یہ باتیں سنکر مجھے بڑا رحم آیا
اور میں نے کہا یہ بات بھی کونسی بڑی ہے۔ مگر مجھے اپنے مکان کا پتہ بتادے۔ میں شام کو وہاں
آ موجود ہونگی۔ یہ سنکر وہ بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی۔ میں خود ہی حاضر ہو کر آپ کو لے جاؤنگی۔ یہ
کہکر وہ تو چلی گئی۔ اور میں اپنی تیاری میں مشغول ہوئی۔ حسب وعدہ شام کو وہ مجھے لینے آئی
اور کہنے لگی۔ میں نے اپنے ہاں سب بی بیوں سے آپکی شفقت کا ذکر کیا تھا۔ وہ بڑی خوش ہوئیں
اور اب آپ کے انتظار میں ہیں۔ میں فوراً اپنی لونڈی کو ساتھ لیکر اس کے ساتھ ہو لی حتیٰ کہ
ہم ایک کشادہ گلی میں پہنچ گئیں۔ جہاں کی معطر ہوا سے دماغ تروتازہ ہوا جاتا تھا۔ اس گلی
میں ایک عالیشان محل کے دروازے پر پہنچکر بڑھیا ٹھہر گئی۔ اور دروازے کو کھٹکھٹایا۔
جو فوراً کھل گیا۔ اور ہم اندر داخل ہوئیں۔ اندرونی اسباب کی شان وشوکت دیکھ کر میں نے
تصور کیا۔ گویا بہشت زمین پر اتر آیا ہے۔ جب ہم آگے بڑھیں۔ دالان سے نکلکر ایک جوان
حسین مہ لقا بی بی نے میرا عزت سے استقبال کیا۔ اور مجھے گلے لگایا۔ پھر وہ مجھے ایک اور دالان
میں لے گئی۔ جہاں ایک مرصع تخت بچھا ہوا تھا۔ اور کہنے لگی۔ میرا ایک بھائی ہے۔
جوان حسین اور نہایت طرحدار وہ تمہاری تعریف سنکر تمہارا غائبانہ مشتاق ہو رہا ہے۔ اور تمہارے
ساتھ شادی کا آرزومند ہے۔ اگر تم انکار کروگی تو اسکے ملال اور دل شکنی کا سبب ہوگا۔
اور بخدا وہ تمہارے اہل بھی ہے۔ اگر تم کہو تو اس سے مژدہ جا سناؤں۔ اگرچہ میں اس وقت
یہ الفاظ سننے کے لئے تیار نہ تھی۔ کیونکہ اپنے خاوند کی وفات کے بعد میں نے عقد ثانی کی ضرورت
نہ سمجھی تھی۔ تاہم میں سنکر خاموش ہو رہی۔ جس سے اس نے اس خاموشی کو نیم رضا سمجھ کر پاس کے
دروازے پر دستک دی۔ فوراً ایک خوشرو بانکا جوان سامنے آیا اور آتے ہی میرے پاس بیٹھ گیا
وہ حسینہ وہاں سے ٹل گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اسے دیکھکر میرا دل بھی اسپر مائل ہو گیا۔ پھر ہم دونوں
میں گفتگو ہونے لگی۔ اور میں نے اسے دانشمند اور با اخلاق پایا۔ اتنے میں قاضی صاحب بھی آ گئے
اور انہوں نے ہم دونوں کا نکاح پڑھایا۔ نکاح نامہ پر چار گواہوں نے گواہی بھی لکھدی۔
اسکے بعد میرے شوہر نے مجھ سے قسم لی کہ نہ تو کسی اجنبی پر نگاہ ڈالوں اور نہ بات چیت کروں۔

ہوئی اور پوچھا۔ تو کون ہے۔ اُسنے جواب دیا۔ اتنی جلدی آپنے مجھے بُھلا دیا۔ میں وہی ہوں جسکو آپنے دشمن کے پنجے سے چھڑایا تھا۔ میں پریوں کی قوم سے ہوں۔ اور یہ میرا دشمن ایک جن تھا۔ جب آپ نے اُسے ہلاک کر کے مجھے نجات دی۔ میں فوراً آپکے احسان کا عوض دینے کے لئے اڑی۔ اور آپ کے جہاز کا مال واسباب آپکے گھر میں پہنچا کر آپ کی دو نا حق شناس ظالم بہنوں کو جادو سے کتیاں بنا کے جہاز کو غرق کر دیا۔ اور ان کتیوں کو لیکے یہاں آئی ہوں۔ یہ کہکر وہ کتیوں کو اور مجھے لیکر اُڑی۔ اور چشم زدن میں مجھے اپنے گھر کی چھت پر لا کھڑا کیا۔ میں نے دیکھا۔ تو میرا مال واسباب جوں کا توں وہاں پڑا تھا۔ پھر وہ پری کہنے لگی۔ سُن رکھ ہر روز انہیں تین سو کوڑے مارا کرنا۔ اور اگر اس کے خلاف کرو گی تو اسم اعظم کی قسم تیرا بھی یہی حال کرونگی۔ میں نے اقرار کر لیا کہ ایسا ہی ہوگا۔ اے امیر المومنین! یہ ہی میرا حال ہے۔ اور میرے اُن کتیوں کے مارنے کی وجہ اور پھر پیار کرنے کا سبب۔ اب باقی حال میری بہن امینہ سنائیگی۔ زبیدہ کے چُپ ہوتے ہی خلیفہ ہارون الرشید امینہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اور امینہ نے کہنا شروع کیا ؛

امینہ کی سرگذشت

یا امیر المومنین! میرا باپ بڑا دولتمند سوداگر تھا۔ جب وہ مر گیا تو مجھے دولت کثیر ہاتھ آئی۔ اور ایک رئیس کے بیٹے کے ساتھ میں نے شادی کر لی۔ مگر بدقسمتی سے پورا ایک برس بھی نہ گذرا تھا۔ کہ میرا شوہر بھی مر گیا۔ اور اُس کی جائداد کی بھی میں ہی وارث ہوئی۔ غرض میرے پاس اسی ہزار دینار جمع تھے۔ اور ایام عدت گذار کر میں نے ہزار ہزار دینار کی لاگت کے دس جوڑے تیار کرائے جنہیں میں وقتاً فوقتاً پہنا کرتی۔ ایک دن میں اپنے مکان میں بیٹھی تھی کہ ایک بڑھیا میرے سامنے نمودار کھڑی ہو گئی۔ اور آداب بجا لا کر کہنے لگی حضور میرے پاس ایک یتیم لڑکی ہے۔ آج کی رات اُس کی کتخدائی ہوگی۔ میں بالکل نادار و مفلس ہوں لیکن جس لڑکے کے ساتھ اُس کی شادی ہوگی منتی ہوں کہ اُسکے گھر والے بڑے امیر ہیں میں اجنبی شخص ہوں۔ اور آپکی بڑی تعریف سُننے میں آئی ہے۔ للہ مجھ پر کرم کیجئے اور رات کے وقت جب نوشہ کے ساتھ اُن کے کنبہ کی معزز بیبیاں ہماری ہماری جھونپڑی

دیکھا کہ میری بہنیں میری غیر حاضری سے کمال متردّد ہو رہی تھیں۔ جب میں نے مفصّل حال بیان کیا۔ تو انہیں اطمینان آیا۔ پھر خلاصیوں نے میرے کہنے پر جہاز کو تجارتی مال سے خالی کر کے اُس کی جگہ محلِ شاہی سے زر و جواہر لا کر بار کیے جس قدر کہ وہ بار کر سکے۔ اور اُس قبول صورت و بیدار شہزادے کو زمین پر بٹھا کر بغداد کی طرف لنگر اٹھایا۔ راستے میں میری بہنیں اُس جوان کو وجیہ اور خوش دیکھ کر مجھ سے حسد کرنے لگیں۔ اور ایک دن برلے فریب باتوں باتوں میں مجھ سے پوچھنے لگیں۔ بہن۔ اس جوان کو بغداد پہنچ کر تم کہاں رکھو گی؟ میں نے ہنس کر جواب دیا۔ میں اس سے اپنی شادی کرونگی۔ پھر شہزادے کی طرف منہ کر کے میں نے کہا۔ میرا ارادہ ہے کہ میں تمہیں اپنی کنیزی دوں۔ کیا مجھے تم قبول کر لوگے۔ شاہزادے نے بھی ہنستے ہوئے کہا۔ کہ میں تمہاری دونو بہنوں کے سامنے اقرار کرتا ہوں۔ کہ میں بھی تمہاری رضا میں راضی ہوں۔ میری دونوں بہنوں کا یہ سُنتے ہی رنگ فق ہو گیا۔ مگر میں نے کچھ پرواہ نہ کی۔ دوروزہ اُن حسد عداوت کے درجے تک پہنچ گئی۔ موافقت ہوا کے سبب ہمارا جہاز بھی اب بندر بصرہ سے دو دن کے فاصلے پر رہ گیا تھا۔ ایک رات کی بات ہے کہ میں اور شہزادہ اپنے کمروں میں غافل پڑے سو رہے تھے۔ کہ میری اِن دونوں ناحق شناس بہنوں نے ہمیں اُٹھا کے سمندر میں پھینک دیا۔ افسوس! شہزادہ تو ڈوب گیا۔ مگر میں ایک لکڑی کے سہارے تیرتے تیرتے خشکی تک پہنچ گئی۔ صبح ہوئی تو میں نے اپنے تئیں ایک ویران جزیرے میں پایا۔ اتنے میں دن نکل آیا۔ میں نے اپنے بھیگے کپڑے سکھا کر پہنے۔ اور چل پھر کر ایک راستہ کا پتہ بھی لگا لیا۔ اور ناک کے رُخ اُسی پہ چل پڑی۔ حتیٰ کہ ایک شہر کے قریب جا پہنچی۔ کہ اتنے میں ایک سانپ کو دیکھا۔ جو میری طرف آ رہا تھا۔ اُس کے پیچھے ایک اور اژدہا دکھائی دیا جو غصّے سے لال پیلا ہو رہا تھا۔ اور چاہتا تھا کہ اُس دوسرے سانپ کو مار ڈالے۔ مجھے اُس پہلے پر رحم آ گیا اور ایک پتھر اٹھا کر اژدہے کو دے مارا۔ جس سے اُسکا سر کچل گیا۔ اور وہ فوراً مر گیا۔ دوسرا سانپ اُسی وقت پر کھول کر اوپر کو اُڑا۔ میں حیران رہ گئی مگر بہت تکان کے سبب مجھے وہاں نیند آ گئی۔ اور جب بیدار ہوئی۔ اپنے سامنے ایک لونڈی کو دیکھا جو میرے پاؤں دبا رہی تھی۔ اُس کے پاس دو کالی کُتیاں بھی تھیں۔ میں فوراً اُٹھ کھڑی

قصہ میں زبیدہ کا مسجد میں پہنچنا اور ایک جوان حسین کو اس میں قرآن پڑھتے دیکھنا



بیگم ۔ فقط یہی اکیلا عذاب الٰہی سے بچا ۔ اور اب خداوند کریم کا کمال شکر گزار ہوں ۔ جسنے میری تسلی کے لئے تمہیں بھیجدیا ہے ۔ میں پہلی تو اس جوان کی پسندیدہ شکل کو ہی دیکھ کر اسپر عاشق ہوگئی تھی ۔ اب اس کے پاکیزہ خیالات ۔ نیک خصلت دینداری اور کہاں ۔ تو جسنے مجھے بالکل بے بس کردیا ۔ اور بینے بے تامل کہا ۔ کہ میرا جہاز حاضر ہے ۔ جس قدر سامان میں اپنے ساتھ لائی ہوں ۔ اسیقدر میرے پاس گھر میں موجود ہے ۔ اور رہنے والی بغداد کی ہوں ۔ تم میرے ساتھ چلو ۔ میں تمہاری خدمت کے لئے حاضر ہوں ۔ اور بغداد میں پہنچتے ہی نائب پیغمبر امیرالمومنین خلیفہ ہارون الرشید سے تمہارا حال عرض کردوں گی ۔ جو تمہاری عزت تمہارے رتبے کے مطابق کرے گا ۔ پھر وہاں تمہیں بڑے بڑے عالم دیندار اور فقیہ ملینگے جن سے ملکر تم اپنے فضل و علم کو بھی بڑھا سکوگے ۔ جوان نے اس امر کو کمال خوشی کیساتھ منظور کیا ۔ دوسرے دن صبح کے وقت میں ساحل کی طرف گئی ۔ جہاز میرا لنگر زن تھا ۔ اور

ہاری تھی۔ کہ واپس لوٹ جاؤں۔ مگر تاریکی نے راستہ نہ دیکھنے دیا۔ ناچار اُسی کمرے میں آگئی جہاں تخت بچھا ہوا تھا۔ اور لیٹ کر سو رہنے کا ارادہ کیا۔ مگر تنہائی میں پریشان خیالات نے سونے نہ دیا۔ جب آدھی رات ہوگئی۔ میرے کانوں میں کسی شخص کے نہایت خوش الحانی سے اور قرأت کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کی آواز آئی۔ یا امیر المومنین اس وقت کی خوشی کا اندازہ میرے سوا اور کوئی نہیں لگا سکتا۔ میں نے فوراً اُس کمرے کی شمع کو اُٹھایا۔ اور آواز کے تعاقب میں چلی۔ دیکھا کہ اُسی کمرے کے متصل ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ جہاں ایک جوان حسین بیٹھا قرآن شریف کی بخضوع وخشوع تلاوت کر رہا ہے۔ اور اس کے سامنے دو شمعیں روشن ہیں۔ اُسکے دیدار سے میری مسرت دوگنی ہوگئی۔ اور میں نے خیال کیا۔ کہ اس میں کوئی ضرور اسرار ہے اسلئے میں نے محرابِ مسجد میں کھڑے ہوئے باواز بلند جناب الٰہی میں مناجات کی۔ کہ اُس خداوند کا شکر ہے۔ جس نے ہمارا یہ سفر مبارک کیا۔ اور بخیر و خوبی ہمیں یہاں تک پہنچایا۔ یہ سُنکر جوان مذکور میری طرف دیکھنے لگ گیا۔ اور کہنے لگا۔ بی بی تو کون ہے اور ایسے مغضوب شہر میں کیونکر آئی ہے۔ میں نے اُسے اپنا مفصل حال سُنا کر کہا۔ کہ اب اپنے حال سے اطلاع بخشیں۔ جوان نے قرآن شریف کو جزدان میں بند کر کے طاقِ مسجد پر رکھا اور مجھے اپنے قریب بٹھا کر کہنے لگا بی بی! تم خدا پرست معلوم ہوتی ہو۔ اسلئے مجھے تمہارے دیکھنے سے مسرت ہوئی ہے۔ میرا باپ اس شہر کا بادشاہ تھا۔ اُس کی سلطنت کی وسعت کا ٹھکانا نہ تھا۔ مگر وہ اور اُس کی رعیت تمام آتش پرست مذہب کے مقلد تھے۔ مگر میں مسلمان ہوا۔ بچپن سے میری دایہ نے مجھے قرآن کی تعلیم دی۔ اور سمجھایا۔ کہ خدا ایک ہے۔ اور وہی سب کی پرستش کے قابل پھر مجھے قرآن حفظ کرایا۔ عربی زبان سکھائی۔ تفسیر اور فقہ کی تعلیم دی۔ غرض مخفی طور پر ہی سب ضرور باتوں سے ماہر کر دیا۔ اور اس کے بعد مجھے یہ آتش پرست بُت ہی بُرے دکھائی دیتے تھے۔ اور قبل اسکے کہ شہر کی یہ حالت ہو۔ جو تم نے آج بعینہٖ اپنی آنکھوں دیکھی ہوگی۔ متواتر تین سال تک رعد کی مانند غیب سے یہ آواز آیا کی۔ اے باشندگانِ شہر آگ کی پرستش چھوڑ کر خدائے کریم رحیم کی بندگی اختیار کرو۔ مگر کسی نے اس پر کان نہ دھرے۔ آخر چوتھے سال کے شروع ہوتے ہی تمام شہر اور باشندگانِ شہر کی وہ حالت ہوگئی۔ جو تم نے دیکھ لی ہے۔ میرے ماں باپ بھی پتھر کے

دیں۔ مجھے نہایت ہی تعجب ہوا۔ اور میں شہر کے اندر بڑھی چلی گئی۔ آگے جاکر بھی یہی حال دکھائی دیا۔ چاروں طرف خلق خدا پتھر کی بنی ہوئی دکھائی دی۔ چوک کی دوکانیں بند تھیں۔ پھر میں قلعہ میں آئی۔ جسکے دروازے سونے کے پتروں میں مرصع ہوئے تھے۔ پھر میں محل شاہی میں داخل ہوئی اُسکے دروازے پر ریشمی پردہ لٹکا ہوا تھا۔ اور بیچ میں روشنی کے لئے ایک فانوس لٹک رہا تھا۔ وہاں کسی آدمی کو نہ پاکر میں اور بھی حیران ہوئی۔ مگر تھوڑی دور آگے جاکر چوبداروں کو بھی پتھر کا بنا پایا جن میں سے کچھ بیٹھے تھے اور کچھ کھڑے تھے۔ پھر دیوان خاص و عام کو جاکے دیکھا۔ وہاں بھی یہی کیفیت تھی۔ بادشاہ اور اُسکے ارکین سلطنت بھی زر و جواہرات سے مستغرق مگر پتھر کے بنے ہوئے تھے۔ تیسرا مکان بھی انسانوں سے بالکل خالی نظر آیا۔ چوتھے مکان کی عمارت نہایت ہی عالیشان اور خوش منظر تھی جس کے دروازے اور زنجیریں خالص سونے کی تھیں۔ مینے قیاس کیا کہ یہ محل ملکہ کے رہنے کا ہوگا۔ اور اندر چلی گئی۔ جہاں ایک دالان میں پتھر کے بنے ہوئے بہت سے خوجہ سرا نظر آئے۔ دالان سے آگے بڑھ کر ایک مکان قیمتی سامانوں سے سجا ہوا تھا جس میں ایک بی بی تخت پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اُسکے سر پر جواہرات سے مرصع تاج اور گلے میں مالائے مروارید تھی۔ جس کا ہر ایک دانہ سپیاری کے برابر تھا۔ اور بڑے بڑے جواہرات کا تو وہاں کچھ شمار ہی نہ تھا۔ یہ سب نظارے دیکھ کر میرا تعجب دم بدم بڑھ رہا تھا۔ وہاں کی سیر سے جی بھر کر پھر مینے دوسرے مکانوں کا رُخ کیا۔ اور پھرتے پھراتے ایک ایسے مکان میں پہنچی جہاں کسی زندہ انسان کے رہنے کے آثار بھی نظر آئے۔ اس میں ایک سنہری تخت کے گرد موتیوں سے ٹکی ہوئی جھالر لٹک رہی۔ اور فرش میں سے ایک بڑی خوشنما چمک نکلتی تھی یہ میں اس درخت پر پڑ گئی۔ اور دیکھا۔ کہ ایک تپائی پر ایک بڑا گوہر شب چراغ بعینہ شتر مرغ کے برابر رکھا پڑا ہے جس کی روشنی سے آنکھوں میں خیرگی آتی تھی۔ اس فرش کے ہر طرف تکئے پڑے تھے۔ اور ایک شمع جل رہی تھی اس مکان کے بعض دروازے کھلے تھے۔ بعض بالکل بند تھے۔ بعض نیم کشادہ اور بعض کشادہ دکھائی دئے۔ پھر مینے توشہ خانوں اور دفتروں کا معائنہ کیا۔ اور سب کو لاانتہا دولت سے منڈھا ہوا پایا۔ غرض مینے وہاں کی سیاحت سے اپنے تئیں بھولا دیا۔ جہاز اور بہنوں کا بھی خیال نہ رہا۔ اور اسی امر کے درپئے ہوئی کہ وہاں کی اصلی حقیقت سے آگاہی پاؤں۔ اتنے میں رات پڑ گئی مؤذن

میں نے کہا۔ اگر تم عقد ثانی محض پیٹ کی ذمہ داری کے خیال سے کرنے پر آمادہ ہو۔ تو میں تمہیں کبھی رائے نہ دوں گی۔ خدا کے فضل و کرم سے میرے کاروبار میں اس قدر آمدنی ہے جس سے تمہارا پیٹ بافراغت بھر سکے۔ اور ہم میں کسی کو کوئی بھی تکلیف نہ ہو۔ لیکن اگر تم اکیلی رہنے سے گھبرا گئی ہو۔ تو افسوس ہے کہ تمہیں پہلی مصیبت بھول گئی ہے۔ اس خیال سے درگذر کرو۔ کیونکہ آجکل قابل شوہر کا ملنا محالات سے ہے۔ میں نے انہیں بہت سمجھایا۔ مگر وہاں کسی کے کانوں پر جوں تک بھی نہ رینگی۔ اور وہ یہ کہنے لگیں کہ تو ہماری چھوٹی بہن ہے۔ ہمارے ٹکڑوں پر کب پلی ہوئی ہو۔ آخر تو تم ہمیں لونڈیاں ہی تصور کرتی ہو گی۔ میں نے کہا۔ توبہ! توبہ! تم میری بزرگ ہو اور ماں کی جگہ ہو۔ میں ایسا خیال کبھی دل میں نہیں لا سکتی۔ پھر میں نے گلے لگا کر انکی تسلی کی۔ آخر وہ بھی ٹھنڈی ہو گئیں۔ اور پھر بدستور سابق مل جل کر رہنے لگیں۔ حتیٰ کہ ایک برس تک کے تجارت میں اس قدر منافع ہوا۔ جس سے میں نے بحری سفر اور غیر ملکوں میں تجارت کا پختہ ارادہ کر لیا۔ چنانچہ دونوں بہنوں سمیت اسباب و سفر تیار کر بغداد سے بصرے کی طرف روانہ ہوئے۔ میں نے اپنے پاس اپنے مال کے دو حصے کر لئے۔ ایک کو تو گھر میں ہی گاڑ دیا۔ اور دوسرا نصف اپنے ہمراہ لے لیا۔ اس خیال سے کہ یہ منافع بھی ہو جائے تو باقی عمر پریشانی میں نہ گذارنی پڑے۔ غرض جہاز روانہ ہوا۔ اور کئی دن رات سلامتی سے چلتا رہا۔ مگر ایک دن کپتان کی غفلت سے راستہ بھول کر ہم کسی اور طرف جا نکلے۔ میں نے کپتان سے شہر کا نام دریافت کیا۔ مگر اس نے لاعلمی ظاہر کی۔ اور کہنے لگا۔ کہ میں تو آجتک یہاں کبھی نہیں آیا۔ نہ اس کا کبھی نام سنا ہے۔ وہ شہر ایک بلند پہاڑ کے دامن میں واقع تھا۔ چاروناچار ہمیں وہاں لنگر ڈالنا پڑا۔ اور صلاح ہوئی کہ یہاں ہی اتر کر اپنا مال بیچوں۔ اور یہاں کے کاریگروں کے نمونے دوسرے ملک کے لئے لو۔ پھر کپتان اتر کر شہر کی طرف گیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آکر ہمیں کہنے لگا۔ جہاز سے اتر آؤ۔ اور صانع حقیقی کی قدرت کا دیکھو۔ اور اسکے قہر سے ڈرتے رہو۔ اس کی یہ بات سنکر ہم نیچے اتر آئیں۔ اور شہر کے دروازے پر پہنچکر دیکھا کہ بہت سے سپاہی نگہبانی کے لئے کھڑے ہیں۔ اور کچھ بیٹھے ہیں انکے ہاتھوں میں بڑی بڑی لاٹھیاں ہیں۔ اور انکی شکلیں نہایت وحشتناک ہو رہی ہیں۔ مگر انکے اعضا میں حرکت کا نام بھی نہ تھا۔ جب ہم انکے قریب پہنچے تو وہ سنگین صورتیں دکھائی

حکم کو دوہرایا۔ یہ سنتے ہی زبیدہ آگے آئی۔ اور اپنا حال یوں بیان کرنے لگی :۔

زبیدہ کی سرگذشت

اے امیر المومنین! یہ دو لڑکالی کتیاں میری سگی بہنیں ہیں۔ اور یہ دونوں بیاں سوتیلی ہمشیرہ ان میں سے ایک کا نام امینہ ہے اور دوسری کا صافی۔ باپ کے فوت ہو چکنے کے بعد ہم پانچوں نے اُس کا ترکہ آپس میں برابر بانٹ لیا تھا۔ اور ایک ہزار ریال اُس کے ترکے کے ہمارے حصوں میں آئے میں نے اُس پونجی سے دوکان کھول لی۔ اور میری دونو بہنیں شادیاں کر کے اپنے اپنے گھروں میں جا آباد ہوئیں۔ تھوڑی مدت کے بعد اُن کے شوہر کسی غیر ملک کو چلے گئے اور اُنہیں بھی ساتھ لے لیا۔ اور جب اُن کا اندوختہ ختم ہو گیا۔ تو اُن کو گھر سے نکال کر باہر کیا۔ دونوں پریشان حالت میں میرے پاس آئیں میں نے اُنکی حتی المقدور تواضع کی۔ اور دلجوئی میں کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھا۔ چندے یونہی گذری۔ ایکدن وہ دونو مجھ سے مخاطب ہوئیں۔ کہ ہمارے سبب سے تمہیں بہت زیر باری اُٹھانی پڑتی ہے۔ اسلئے ہم دوسری شادی کر لینے کی فکر میں ہیں۔

تصویر زبیدہ کا اپنی دونو بہنوں کو حالت فقیری میں دیکھنا



روند کے سپاہی دروازے توڑ کے اندر گھس آئے۔ اور محفل کے کئی آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔ مگر اپنی خوش نصیبی کی بدولت ہم کسی طرح بچ نکلے اور سرائے کی طرف گئے۔ جہاں سے ناکام لوٹنا پڑا۔ کیونکہ اُس کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ ناچار واپس آئے اور اتفاقاً تمہارے دروازے پر گذر ہوا۔ اندر سے راگ رنگ کی آواز آ رہی تھی۔ اس سے ہمیں بھی دروازہ کھٹکھٹانے کی جرأت پڑی۔ اور آپ نے بڑی مہربانی سے ہمیں اندر آنے کی اجازت دی۔ زبیدہ نے کہا۔ جاؤ۔ تمہارا قصور بھی معاف کیا۔ مگر اب تم سب کی سب یہاں سے نکل جاؤ۔ یہ حکم اس طرح سے للکار کر دیا گیا تھا کہ جبراً و قہراً سب کو وہاں سے نکلنا پڑا۔ اُنکے نکلتے ہی باہر کا دروازہ بند ہو گیا۔ خلیفہ نے قلندروں کو اجنبی سمجھ کر کہا۔ کہ اس وقت تم یہاں خوار ہوتے پھرو گے ہمارے پیچھے چلے آؤ۔ اور رات ہمارے پاس بسر کرو۔ پھر وزیر سے کہا کہ ان تینوں کو اپنے ساتھ لیجاؤ اور صبح کے وقت حاضر کرنا۔ وزیر نے حکم کی تعمیل کی۔ اور خلیفہ مسرور کے ساتھ گھر آ کر پڑ رہا مگر اسے نیند نہ آتی تھی۔ اور بار بار زبیدہ اور ان دونوں کتیوں کے حالات دریافت کرنا چاہتا تھا۔ حتیٰ کہ خدا خدا کر کے صبح ہوئی۔ اور وہ دربار میں جا کر تخت سلطنت پر رونق افروز ہوا۔ اتنے میں وزیر جعفر بھی حاضر ہو کر آداب بجا لایا۔ خلیفہ نے فرمایا۔ جب تک اُن تینوں عورتوں دونوں کتیوں اور تینوں قلندروں کا حال دریافت کر لوں گا۔ مجھے چین نہ آئیگا۔ جاؤ۔ پہلے انہیں میرے سامنے لے آؤ۔ وزیر حسب الحکم روانہ ہوا۔ اور زبیدہ کے گھر پہنچکر خلیفہ کا حکم سنایا۔ وہ تینوں بی بیاں چہروں پر نقاب ڈال کتیوں کو ہمراہ لے فوراً اُسکے ساتھ ہو لیں۔ راستے میں سب نے تینوں قلندروں کو بھی لے لیا۔ جب وہ بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوئے خلیفہ نہایت خوش ہوا۔ اور تینوں بی بیوں کو پس پردہ اپنے پیچھے کھڑے ہونے کی عزت بخشی اور تینوں قلندروں کو اُنکے مرتبے کے موافق اپنے سامنے جگہ دی۔ جب سب کے سب بیٹھ گئے۔ خلیفہ اُن عورتوں کی طرف مخاطب ہوا۔ بی بیو! آج رات میں سوداگر کے بھیس میں ملاقات کی تھی۔ اور ہمارے سبب سے تمہیں کچھ ملال ہوا تھا۔ چنانچہ تمہیں ہم سے بے ادبی کا برتاؤ کرنا پڑا۔ لیکن اطمینان رکھو میں نے مواخذے کیلئے تمہیں نہیں بلایا۔ بلکہ میں تمہارے یہاں آنے سے نہایت خوش ہوا ہوں۔ اب تم مجھ سے اپنا مفصل حال بیان کرو۔ اور ان دونوں کالی کتیوں کی داستان بھی سناؤ۔ وزیر جعفر نے خلیفہ کے

دینے سے رہگئی۔ میں گرنے کے وقت سے اسکی گردن کو لپٹ گیا۔ پھر اس نے نیچے کو اترنا شروع کیا۔ آخر اُسے تانبے کے قلعہ کی چھت پر آ اُترا۔ جہاں سے مجھے بھیڑ کے چرڑے میں رُخ نے اُڑا دیا تھا۔ اور مجھے اتنی فرصت نہ لینے دی کہ میں اُسپر سے اتروں۔ بلکہ اپنی پیٹھ کو اس طرح سے جنبش دی۔ کہ میں چت گرا۔ اور ظالم حیوان نے اپنی دُم کو اس زور سے میری داہنی آنکھ پر مارا کہ وہ پھوٹ گئی۔ بی بی! میرے کانے ہونے کا سبب یہی ہے۔ اُس وقت مجھے اُن دس جوانوں کا کہنا یاد آیا۔ میری آنکھ پھوڑ کر وہ گھوڑا پھر اُڑا۔ اور میری آنکھوں سے غائب ہو گیا میں درد چشم سے نہایت ہی بیتاب ہو کر نیچے اُترا۔ اتنے میں وہ دسوں جوان پیر مرد مقدس کے ساتھ آگئے۔ مگر اُنہوں نے میری طرف بھی التفات نہ کی۔ بلکہ الٹا کوسنے لگے۔ کہ ہمنے تجھے کیا کہا تھا؟ ہمپر بھی بعینہ یہی کیفیت گذر چکی ہے۔ اور ہم تیری اس مصیبت کے علاج سے معذور ہیں۔ اب جہاں تیرے سینگ سمائیں چلا جا۔ یہاں اور کسی کی گنجایش نہیں۔ جیسا کہ ہم تجھے پہلے بتا چکے ہیں۔ بلکہ بہتر ہے تو بغداد کا راستہ لے۔ وہاں تجھے ایسے شخص سے ملاقات نصیب ہوگی جس کی بدولت تیرا ادبار بدل بہ عیش ہو جائیگا۔ سو بی بی تمہیں عازم بغداد ہو کر راستے میں قلندری جامہ پہن لیا اور چار ابرو کا صفایا کرایا۔ اور مدت دراز کے سفر کے بعد آج شام کو یہاں وارد ہو کر ان دونوں قلندروں سے ملا۔ پھر ہم تینوں مکان کی تلاش میں خوش قسمتی سے آپ کے دروازے پر پہنچگئے۔ جہاں ہمیں وہ آرام ملا جس کا شکریہ ادا نہیں ہو سکتا۔ جب تیسرا قلندر بھی اپنا قصہ ختم کر چکا تو زبیدہ نے اس کا قصور بھی معاف کر دیا۔ اور اشارہ کیا۔ کہ وہ جہاں چاہے جا سکتا ہے۔ مگر اس نے اجازت مانگی۔ کہ میں اِن تینوں سوداگروں کا حال سُننا چاہتا ہوں۔ حکم ہو تو ایک کونے میں بیٹھ جاؤں۔ زبیدہ نے منظور کیا اور خلیفہ جعفر اور مسرور کی طرف مخاطب ہوئی۔ جن کے اصلی مرتبوں سے وہ بالکل ناواقف تھی۔ کہ اب تم بھی اپنا حال سُنا چکے ہیں۔ کہ ہم تینوں موصل کے سوداگر ہیں۔ اور اسباب بیچنے کے لیے یہاں وارد ہوئے تھے۔ ایک سرائے میں آترے۔ اور آج کی رات شہر میں ایک سوداگر کے ہاں ہماری دعوت تھی۔ جس نے حق دعوت تکلفانہ طور پر ادا کیا۔ کھانا کھا چکنے اور شراب کا دور چل چکنے کے بعد محفل رقص و سرود آراستہ ہوئی۔ یہاں تک کہ گانے بجانے کی آواز سنکر

اور یہ اسقدر وسیع تھا - کہ سو آدمی بھی اس کی حفاظت نہ کرسکتے - مگر میں حیران تھا - کہ وہاں ایک بھی آدمی نظر نہ آیا - اور نہ ہی کوئی تنکا بیکار پڑا ہوا دکھائی دیا - یہاں پھرتے پھرتے شام ہو گئی - اور سورج غروب ہوتے ہی سب جانور اپنے اپنے گھونسلوں میں بسیرا لینے کو لگے - میں بھی دروازہ بند کرکے اپنی خوابگاہ میں با دلِ پُرحسرت آ پڑا - اگلے دن جب صبح ہوئی تو باقی دروازوں کے کھولنے کا شوق مجھ پر غالب آ رہا تھا - ناچار حوائج ضروریہ سے فراغت پاکر میں اُدھر روانہ ہوا - میں کیا بیان کروں - کہ وہاں کیا کچھ دیکھا - خلاصہ مطلب یوں ہے - کہ کسی میں زر و جواہر کے ڈھیر لگے تھے اور کہیں ہیرے موتیوں کے توڑے پڑے جگمگا رہے تھے - میں اس کثیر دولت کو دیکھکر اپنے نصیبوں پر فخر کرنے لگا - اور اسی طرح ننانوے دروازے دیکھتے دیکھتے اُنتالیس دن گذر گئے - اور عجائبات روزگار کو دیکھ دیکھ کر میری طبیعت سیر ہو گئی - اُن شہزادیوں کے آنے میں صرف آج ہی کا دن باقی تھا - اور میں نے کوشش کی کہ سونے کے دروازے کو نہ چھوؤں - مگر میری بدقسمتی تھی - کہ شیطان نے دور سے اُنگلی دکھائی - اور مجھے بہکا کر وہ دروازہ کھولنے پر مجبور کر دیا - اسکے کھلتے ہی ایسی اعلےٰ خوشبو میرے دماغ میں آئی کہ وہ اب تک نہیں بھولتا - قریب تھا کہ بے بس مست ہو کر گر پڑوں - مگر پھر میں نے اپنے تئیں سنبھالا - اور چاہا کہ ذرا اندر جا کر سیر کر لی جائے - میں پھر اُسے جلدی ہی بند کر دوں گا - سچ ہے ہونی نہیں ٹلتی - ناچار میں اندر گیا - اور تھوڑی دیر توقف کیا - کہ خوشبو کی تیزی مدھم پڑ جائے - اتنے میں وہاں ایک بڑا گنبد نظر آیا - جس کی زمین پر زعفران بچھا ہوا تھا - اندر سونے کی تپائیوں پر اگر اور عنبر کی شمعیں جل رہی تھیں - اور منجملہ دیگر عجائبات کے ایک نہایت ہی خوبصورت مشکی گھوڑا دیکھا - جس پر ساز کسا ہوا تھا - زین اور لگام میں سونے کے تار لگے تھے - اسکے آگے سامنے لئے ہوئے تل اور جو رکھے تھے - اور ایک طرف حوض تھا اس کے پینے کے لئے گلاب پڑا تھا - میں نہایت ہی اشتیاق سے اس گھوڑے کو باہر روشنی میں نکال لایا - تاکہ اچھی طرح سے دیکھ سکوں - پھر میں اُس پر سوار ہو گیا - اور اُسے چلانا چاہا مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا - آخر میں نے اُسے زور سے کوڑا جمایا - جس کے پڑتے ہی وہ بڑی خوفناک آواز سے ہنہنایا - اور اپنے پروں کو کھول کر آسمان کی طرف اتنا بلند اُڑا کہ زمین دکھائی

تمہارے درمیان میں قائم ہے۔ اب مجھ سے تحمل نہ ہو سکا۔ اور میں نے کہا خدا کے لئے کیوں ایسی پہیلیاں بجھواتی ہو۔ صاف صاف بتاؤ۔ کہ حقیقت کیا ہے؟ یہ سنکر ایک نے جواب دیا۔ کہ ہم چالیسوں شاہزادیاں ہیں۔ سال بھر ہم اس مکان میں تفریح طبع کے لئے رہتی ہیں۔ اسکے بعد صرف چالیس دن کے واسطے بعض امور ضروریہ کے سبب ہمیں یہاں سے باہر جانا پڑتا ہے اور ایک چالیسہ گذار کر پھر یہاں ہی آجاتی ہیں۔ سو کل دن سال ختم ہو گیا۔ اور آج ہم تم سے رخصت ہونے آئی ہیں یہ سبب ہے ہمارے رونے کا۔ مگر قبل اسکے کہ ہم یہاں سے روانہ ہوں سب اسباب اور مکانات کی چابیاں خصوصاً ان سو دروازوں کی تمہارے سپرد کی جائینگی ہماری غیر حاضری میں تم انکی سیر کر کے اپنا دل بہلا سکتے ہو۔ مگر تمہیں تمہاری ہی قسم ہے۔ کہ اس سونے کے دروازے کو ہرگز ہرگز ہاتھ بھی نہ لگانا۔ ورنہ پھر تم ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا ہو جاؤ گے۔ دیکھو اس ہدایت کو توجہ سے سنکر یاد بھی رکھنا اور اس ہدایت پر کاربند رہوگے تو کوئی اندیشہ نہیں۔ چالیسویں دن کے بعد ہم ہونگی اور تم۔ ورنہ خدا حافظ۔ لوداع۔ انکی گفتگو سنکر سچ تو یہ ہے۔ کہ مجھے بھی سخت رنج محسوس ہوا۔ اور اقرار کیا۔ کہ میں ہرگز ہرگز تمہاری ہدایت کی خلاف ورزی نہیں کرونگا۔ پھر ایک ایک کو گلے لگا کر رخصت کیا۔ جب وہ عورتیں قلعہ سے چلی گئیں۔ تو جدائی کے تنہائی میں میرے دل پر چھاپہ مارا گھڑی دو گھڑی کی مفارقت تو تھی نہیں۔ کہ آسانی سے کٹ جاتی۔ پورے چالیس دن اکیلے رہنا تھا۔ ناچار گھبرا کر ان مکانات کی سیر شروع کی۔ جن کے لئے مجھے اجازت مل چکی تھی۔ جب پہلا دروازہ کھولا تو اس کے اندر ایسے عجیب و غریب میوہ دار درخت نظر آئے۔ کہ دنیا بھر میں کہیں کسی نے نہ دیکھے ہونگے۔ غرض وہ نہایت ہی دلکش اور پُرفضا باغ تھا۔ اور ان درختوں میں خدا جانے کس طرح پانی خود بخود پہونچتا تھا کہ مقدار سے بھی نہیں بڑھتا تھا۔ میں دیر تک اس باغ کی سیر سے محظوظ ہوتا رہا۔ اس کے بعد دوسرا دروازہ کھولا۔ یہاں پھول ہی پھول دکھائی دئے۔ غرض دنیا بھر میں کوئی پھولدار درخت نہ ہوگا۔ جو یہاں موجود نہ ہو۔ بلکہ یہاں کے کئی درخت دنیا والوں نے دیکھے بھی نہ ہونگے۔ یہاں بھی پانی عجیب صنعت سے پہونچتا تھا۔ دیر تک یہاں کی سیر سے بھی لذت پائی۔ جب تیسرا دروازہ کھولا۔ تو وہاں کی دنیا ہی دنیا ہی نرالی پائی۔ یہ گویا چڑیا گھر تھا۔ جس میں دنیا بھر کے چرند و پرند دکھائی دئے

تصویر خوبصورت بیبیوں اور شہزادے کی

میں آدھی رات ہوگئی اور حسب معمول سابق اُنھوں نے رات کے لئے ایک کو انتخاب کر لینے کی التجا کی۔ اور مینے ایک کا ہاتھ پکڑ لیا۔ غرض یونہی تین سو ساٹھ دن گذر گئے جب اگلی صبح ہوئی۔ تو خلاف معمول سلام کرنے اور خیر و عافیت پوچھنے کی جگہ سب کی سب روتی ہوئی میرے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ اب ہم تم سے رخصت ہوتی ہیں۔ خدا حافظ! میں حیران ہوگیا اور پوچھا کہ انکے رونے اور رخصت ہونے کا کیا سبب ہے؟ اُنھوں نے جواب دیا۔ خدا کی مرضی ہی ایسی ہے کہ پھر ہماری تمہاری ملاقات نہ ہو۔ اسلئے کہ تمہارے جیسے کئی آدمی یہاں آچکے۔ اور رہے۔ آخر ہماری اُنکی ہوئی۔ اور اب ہمیں خبر تک بھی نہیں کہ وہ زندہ ہیں یا مرچکے یہ کہا۔ اور پھر سب کی سب پھوٹ بہیں مجھ پر بھی رقت طاری ہونے لگی۔ اور مینے کہا لیکن تم بات تو بتاؤ۔ وہ بولیں۔ کہ اُسکے سوا اور تمہیں کیا بتائیں۔ کہ یہ وقت ہماری اور تمہاری دائمی مفارقت کا ہے۔ البتہ اگر تم چاہو۔ تو یقین ہے کہ مشکل حل ہو جائے اور یہی محبت ہمارے اور

مسرت کے ساتھ میرا استقبال کیا۔ اور کہا کہ ہم دیر سے تمہاری منتظر بیٹھی ہیں۔ الحمدللہ کہ تم میں وہ سب خوبیاں موجود ہیں جنکی ہمیں آرزو ہے۔ پھر انہوں نے مجھے صدر میں بٹھایا جو باقیوں سے بلند جگہ تھی۔ اور مجھے بتایا۔ کہ اب تم ہم سب کے مالک و مختار ہو اور ہم تمہاری تابعدار ہیں۔ اُس وقت میں اپنے تئیں راجہ اندر سے بھی بڑھ کر سمجھنے لگا اور اپنی قسمت پر نازاں تھا۔ اسکے بعد کوئی میرے پاؤں دھونے کے لئے گرم پانی لائی کسی نے خوشبودار پانی سے میرے ہاتھ دھلائے کسی نے پوشاک پہنائی۔ اور کوئی طرح طرح کے کھانے چننے لگی۔ کسی نے صراحی اور گلاس ہاتھ میں لے لیا۔ غرض سب خادموں کو ایسی خوش اسلوبی اور محبّت کے ساتھ ادا کیا کہ میں بے تکلف بھولکر ان کا والا و شیدا ہنگیا۔ پھر انہوں نے میرے گرد حلقہ باندھ کر میری سرگذشت سنی۔ یہاں تک کہ رات پڑگئی۔ اُسیوقت انہوں نے مکان میں ایسی روشنی کی کہ دن معلوم ہونے لگا۔ پھر کھانے کی قابیں اُٹھا کر میوے اور شیرینی لائیں اور قسم قسم کی شرابوں اور افشردوں کے کنٹر لاکر میز پر چن دئے اور مجھے اُس پر بٹھایا۔ چند بی بیاں میرے ساتھ بیٹھیں۔ اور باقی گانے بجانے اور ناچنے لگیں۔ اسی شغل میں آدھی رات گذر گئی۔ گانا بجانا موقوف ہوا اور ایک بی بی میرے سامنے آکر کہنے لگی کہ آج تم بہت دور سے آئے اور تھکے ماندے ہو۔ اب آرام کرو۔ خوابگاہ تیار ہے۔ لیکن ہم میں سے ایک کو پسند کرلو۔ جو رات تمہارے کمرے میں بسر کرے۔ میں نے جواب دیا کہ تم میں سے ایک کا انتخاب کرنا کہ سب معدن حسن و جمال ہو میرے لئے نامناسب ہے۔ یہ اوروں کی رنجیدگی اور میری گستاخی کا باعث ہوگا۔ مگر اس نے جواب دیا ہم میں حسد نہیں۔ تم مطمئن رہو تمہاری خدمت کے لئے کل دوسری کی باری ہوگی پرسوں تیسری کی اور اسی طرح چالیسویں دن چالیسویں کی۔ پھر از سر نو دور شروع ہوگا۔ میں نے مجبور ہو کر اسی بی بی کا ہاتھ تھام لیا۔ جو مجھ سے ہمکلام تھی۔ پھر سب نے مجھے خوابگاہ میں اس بی بی کے ہمراہ چھوڑکر اپنے اپنے کمروں میں جا آرام کیا۔ اگلے دن جب میں صبح کے وقت بیدار ہوا تو وہ سب بیبیاں میرے سلام کے لئے حاضر ہوئیں اور میری خیروعافیت دریافت کی۔ پھر مجھے حمام کرایا اور پُر تکلف پوشاک پہنائی۔ اسکے بعد ہم سب کھانے پر آئے اور کل کی طرح آج بھی عیش و عشرت

ورنہ اپنا حال بتا دو۔ کیونکہ اس طرح بے چینی کی حالت میں مجھ سے یہاں نہ رہا جائیگا۔ یہ سُنکر ایک جوان بولا۔ بھائی صبر کرو۔ ہم تمہاری بھلائی کے لئے ہی تمہیں اپنا حال نہیں بتلاتے۔ ورنہ اندیشہ ہے۔ کہ تمہیں بھی ہماری طرح نہ رونا پڑے۔ مگر جب مینے اصرار کیا تو اُسنے جواب دیا اچھا تو سن رکھو۔ اگر کسی صدمے سے تمہاری بھی داہنی آنکھ جاتی رہی۔ تو ہم تمہیں اپنے ساتھ ہرگز نہیں رکھینگے۔ اسلئے کہ یہاں اب ایک کی بھی گنجایش نہیں رہی۔ مینے اس شرط کو منظور کیا۔ تب اُنہوں نے ایک بھیڑ کو ذبح کرکے اسکا چمڑہ اُتارا۔ اور چھری مجھ کو دیکر ہدایت کی کہ اسے پاس رکھو کام آئیگی۔ اب ہم تمہیں اس چمڑے میں سی کر میدان میں رکھ دیتے ہیں صبح کے وقت رُخ نامی چڑیا تمہیں بھیڑ کا بچہ سمجھ کر اُٹھا لیجائیگی۔ اور ایک پہاڑ کی چوٹی پر رکھکر تمہارے کھا جانے کا ارادہ کریگی۔ اسوقت خبرداری سے چمڑے کو چھری سے کاٹ کر باہر نکل آئیو رُخ تمہیں دیکھکر ڈر جائیگی۔ پھر تم بلا تامل آگے بڑھ جائیو۔ اور تھوڑی دور پر قیمتی جواہرات سے مرصع اور سونے کے پتھروں سے مزین ہوا ایک عجیب و غریب قلعہ پاؤگے جس کے دروازے کھلے ہونگے۔ بے تامل اندر گھس جائیو۔ ہم سب بھی باری باری وہاں ہو آئے ہیں۔ لیکن جو کچھ ہم سب پر گذری وہ قابل بیان نہیں۔ تمہیں خود ہی معلوم ہو جائیگا۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا۔ کہ ہماری طرح تم بھی داہنی آنکھ سے کانے ضرور ہو جاؤگے۔ جب وہ جوان اپنی تقریر ختم کر چکا۔ مینے چھری کو قابو کرکے بھیڑ کی کھال اپنے گرد لپیٹ لی۔ اور اُنہوں نے اوپر سے سی کر مجھے میدان میں رکھدیا اور زیادہ دیر نہ گذری تھی کہ رُخ آئی۔ اور مجھے بھیڑ تصور کرکے پنجوں میں پکڑ اوپر لے اُڑی اور ایک پہاڑی کی چوٹی پر لیجا کر رکھدیا۔ جب مینے سمجھ لیا کہ میں زمین پر پڑا ہوں فی الفور چھری نکال کھال کاٹ اور باہر نکل آیا۔ رُخ یہ نظارہ دیکھکر اُڑ گئی اور مینے اپنا راستہ لیا۔ پورے دو پہر کے بعد منزل مقصود تک پہنچگیا۔ وہ قلعہ ایسا خوبصورت تھا کہ میں اُسے دیکھ کر سچ مچ مبہوت بنگیا۔ پھر میں ڈرتا ڈرتا ہوا اندر گھس گیا۔ اور وہاں ایک بہت بڑا مربع مکان دیکھا جس کے ننانوے دروازے صندل کے تھے اور ایک سونے کا تھا اور بیشمار زینے بھی دکھائی دئے جن سے ان مکانوں کے اوپر کو راستہ جاتا تھا۔ آگے جا کر ایک بارہ دری نظر پڑی جس میں چالیس پری جمال نوجوان عورتیں لباس فاخرہ زیب تن کئے ذوق افروز تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ اور

جا کر بیٹھ گیا اور ہر ایک کرے میں ایک ایک جوان نے جگہ لی۔ انہیں سے ایک نے مجھے بھی بڑے ہال کی قالین پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور تاکید کی۔ کہ خبردار ہم سے کچھ نہ پوچھیو۔ خواہ ہم کوئی کام کریں اور یہ بھی نہ دریافت کرنا کہ ہماری داہنی آنکھیں کیونکر پھوٹی ہیں۔ غرض ہر امر کو دیکھکر چپ ہو رہیو۔ پھر وہ بڈھا اٹھا اور ہم سب کے لیئے کھانا لایا۔ جب کھانے سے فراغت ہو چکی تو اس نے ایک ایک گلاس شراب کا بھی ہمیں دیا۔ پھر سب نے مجھسے اپنی سرگذشت دھرانے کی درخواست کی۔ جسے مینے قبول کرکے پھر اپنا سارا حال سنا دیا۔ پھر دیر تک ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ جب رات بہت گذر چکی تو ایک جوان سے بڈھے نے کہا کہ اب آرام کا وقت آپہنچا ہے۔ تم اب تک وہ چیز نہیں لائے۔ بمجرد اس کلام کے بڈھا اٹھا اور دس طشت نیلے خوان پوشوں سے ڈھپنے ہوئے اٹھا لایا اور ایک ایک طشت مع ایک ایک شمع کے ہر ایک جوان کے آگے رکھدیا۔ انہوں نے طشتوں کو کھولا۔ تو ہر ایک میں کوئلے کی راکھ اور سیاہی تھی۔ پھر دسوں جوانوں نے اپنے اپنے منہ پر راکھ اور سیاہی کو ملا جس سے انکی شکلیں عجب بھیانک دکھائی دینے لگیں۔ اس کے بعد سب کے سب رونے چلانے اور سر پیٹنے لگے کہ ہماری بیوقوفی اور حماقت کا یہی نتیجہ ہونا چاہئے اور دیر تک اسی طرح شور و غل مچاتے رہے۔ جب خاموش ہوئے وہی بڈھا ہر ایک کے پاس سیلانچی اور آفتابہ لیگیا۔ ہر ایک نے منہ ہاتھ دھوئے اور کپڑے بدلکر اپنے اپنے کروں میں جا کر لیٹ رہے۔ اس کیفیت کے دیکھنے سے مجھے عجیب اضطراب لاحق ہو گیا۔ چنانچہ کئی بار جی میں آیا۔ کہ عہد کو توڑ کر سارا حال پوچھوں۔ مگر ضبط کیا۔ اور صبح تک اس اندیشے میں مجھے نیند نہ آئی۔ آخر دوسرے دن صبح کے وقت جب ہم قلعے سے باہر ہوا کھانے کو نکلے تو میں پوچھ ہی بیٹھا کہ صاحب! اوکھائی تو مجھے آپ ذی شعور دیتے ہیں۔ مگر آپ کی رات کی کیفیت دیکھکر میں حیران ہو رہا ہوں اور سخت متردد ہوں۔ کیونکہ حال پوچھتا ہوں تو یہ خلاف معاہدہ ہے۔ اور اگر چپ رہتا ہوں تو اس کی مجھ میں تاب نہیں۔ انہوں نے کہا ہم اسکا جواب نہیں دیسکتے۔ اگر تجھے ہمارے ساتھ رہنا منظور ہے تو اس خیال سے پرے رہ۔ خیر! اسوقت تو میں چپ ہو رہا۔ لیکن جب پہر رات ہوئی اور سب نے حسب معمول کھانا کھا کر گذشتہ شب کی طرح منہ پر راکھ اور سیاہی ملکر چلانا شروع کیا۔ تو مجھسے رہا نہ گیا۔ اور مینے دریافت کیا۔ کہ صاحب! یا تو مجھے میرے وطن میں پہنچا دو۔

بھڑکتی ہوئی آگ کا شبہ ہوتا ہے۔ میں اُسکے قریب جاکر بیٹھ گیا اور آرزومند تھا کہ کسی طرح سے اندر کا حال معلوم کروں۔ اتنے میں دس جوان حسین جنکے ہمراہ ایک دراز قامت متبرک روبڈھا تھا۔ باہر نکلے مگر جب مینے اُن دسوں کو داہنی آنکھ سے کانے پایا تو میرے تعجب کی انتہا نہ رہی۔ میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ سب ایک ہی آنکھ سے کیونکر کانے ہوئے اور یہاں کیسے جمع ہوگئے کہ اتنے میں وہ سب کے سب میری طرف جھکے۔ اور السلام علیک کہکر مجھ سے دریافت کیا کہ یہاں کیسے آنا ہوا۔ میں نے سب حال اپنا ابتدا سے انتہا تک بلاکم وکاست سُنادیا۔ جسے سُنکر سبنے تعجب کیا۔ پھر وہ اپنے ساتھ مجھے قلعہ کے اندر لیگئے۔ جہاں مینے لمبے لمبے دالان دیکھے اُنکے دروازے اور خلوتخانے بھی ہر طرح کے سامانوں سے آراستہ تھے۔ قلعہ کے ایک طرف ایک بہت بڑا عالیشان مکان بھی تھا جسکے دور میں دس چھوٹے چھوٹے اور الگ الگ نیلگوں کمرے اس طرز سے بنے ہوئے تھے کہ اُن میں ایک ایک آدمی بخوبی رہ سکتا اور شب باشی کرسکتا تھا۔ اُن کمروں کے بیچ میں ایک بڑا ہال بھی تھا۔ جو اُن دسوں سے بڑا تھا اُسکا رنگ سیاہ تھا۔ اُس ہال میں وہ روپیر

تصویر بڈھے متبرک اور اُن جوانوں کی جو داہنی آنکھوں سے کانے تھے



تصویر شہزادے کے ہاتھ سے چھری کا گرنا اور سوداگر بچے کے کلیجے میں لگنا اور اسکا کام تمام ہونا



بالکل مُردہ ہو رہا تھا۔ آخر بڑی کشمکش کے بعد جب اُسے ہوش آیا تو ساتھیوں نے مقتول بچے کی لاش کو بھی باہر نکالا۔ اور نہلا کفنا کر اُسے مٹی کے سپرد کر دیا۔ پھر مظلوم باپ کو قبر پر لائے جس نے سب سے پہلے تین مٹھی خاک بڑی حسرت سے لاش پر ڈالکر ایک آہ کھینچی۔ پھر باقی قبر کو غلاموں نے بھر دیا۔ اسکے بعد تہ خانے سے سب سامان نکالکر جہاز پر لادا۔ اور اپنے شہر کو چلے گئے۔ جب جہاز میری نظروں سے غائب ہو گیا تو میں درخت سے نیچے اُترا اور تنہائی میں بڑا پریشان ہوا۔ ناچار۔ رات تہ خانے میں بسر کی۔ اور صبحکو راستہ ڈھونڈنے کیلئے اِدھر اُدھر پھرا۔ مگر ناکام واپس آتا۔ اسی طرح سوتے اور پھرتے مجھے پورا مہینہ گذر گیا۔ اسی مُدت میں جزیرے کا درمیانی دریا بھی پایاب ہو گیا تھا۔ میں بدشواری اُس سے پار ہو کر دُور تک چلا گیا۔ ایکدن چلتے چلتے دُور سے کوئی چیز روشن آگ کی طرح دکھائی دی۔ جب قریب گیا تو معلوم ہوا۔ وہ سُرخ تانبے کا ایک قلعہ ہے جسپر سُورج کی شعاع پڑنے سے دُور سے

بچھونے پر جا لیٹا۔ میں نے لحاف اُڑھا دیا۔ اور قیلولے کے بعد اُس نے مجھ سے خربزہ کھانے کی فرمائش
کی۔ میں نے ایک خربزہ وہاں سے اُٹھایا۔ اور چینی کی رکابی رکھ کر اُس کے پاس لیگیا۔ اور پوچھا
کہ خربزہ تراشنے کی چھری کہاں ہے؟ اُس نے بتایا کہ میرے سرہانے والے طاق پر
سے دیکھو۔ میں اُسکے لینے کو اُچکا اور چاہتا تھا کہ نیچے آؤں۔ قضارا پاؤں پھسلا اور
ایسا پھسلا کہ میں اُس بیگناہ پر گر پڑا۔ چھری میرے ہاتھ سے چھوٹ کر اُسکی چھاتی میں
گھس گئی۔ اور وہ فی الفور جان بحق تسلیم ہوا۔ میں نے واویلا مچایا اور چھاتی پیٹنا شروع
کر دیا۔ اور اپنے تئیں کوستا تھا۔ کہ کاش! یہ چند گھڑیاں جو دن میں باقی تھیں یہ بھی
گذر جاتیں تو اچھا ہوتا۔ فقط اتنے ہی کے لئے غریب نے یہاں آکر پناہ لی تھی۔ مگر تقدیر
بڑی زبردست ہے۔ درحقیقت نجومیوں نے سچ کہا تھا۔ اور میں ہی اُسکا قاتل ہوں۔
پھر میں نے دونوں ہاتھ اُٹھا بدرگاہ مجیب الدعوات دعا مانگی کہ اے خداوند! تو دانا بینا ہے۔
میں نے اس بچے کو قصداً ہلاک نہیں کیا۔ اور تو خوب آگاہ ہے کہ اس کی تقدیر ہی یوں تھی۔
غرض دیر تک اُس بیکس کی لاش پر گر کر گریہ وزاری کرتا رہا۔ آخر جب تھوڑا سا دن باقی رہ گیا
اور میں نے خیال کیا کہ وہ جوہری خوشی خوشی اپنے بچے کو لینے کے لئے آرہا ہوگا۔ تو میں نے تہ خانہ سے
باہر نکل جانا مناسب سمجھا کیونکہ کس منہ سے اُس کے سامنے جاتا۔ افسوس! ساری محنت
اکارت گئی۔ نیکی برباد اور گناہ لازم والا معاملہ ہوگیا۔ غرض میں تہ خانے سے باہر نکلا۔ اور
دروازے کو جوں کا توں بند کرکے باہر آیا۔ سمندر کی طرف دیکھتا ہوں تو سامنے سے وہی جہاز
آتا ہوا نظر آیا۔ میں دوڑ کر قریب کے ایک درخت پر جو بہت بلند اور گنجان تھا جا چڑھا اور
چھپ کر آنے والوں کی حالت دیکھنے لگا۔ جب جہاز کنارہ ساحل پر آپہنچا تو مرد پیر مع غلاموں
کے اُتر کر تہ خانے کی طرف آیا۔ اور آتے ہی اوپر کی مٹی دُور کرکے دروازے کو بڑے اشتیاق
سے کھٹکھٹایا۔ مگر کچھ جواب نہ پایا تو دروازہ کھلوا کر اندر گیا۔ اور اپنے لخت جگر کو لہو میں
غلطاں دیکھ کر رونے چلانے لگا۔ میرے آنسو تھمے نہ رہے۔ آخر اُسے غش آگیا اور جہاز
کے غلاموں نے اُٹھا کر اُسے تہ خانہ سے باہر نکالا اور اُسی درخت کے نیچے لا بٹھایا جس پر
بیٹھا ہوا اپنی ناقابل تلافی پر افسوس کر رہا تھا۔ بدقسمت باپ اپنے اکلوتے بیٹے کی یاد میں

اُنھوں نے جواب دیا کہ چودھویں برس میں اسے جان کا خطرہ ہے۔ اگر اس سال بچ گیا تو پھر
دیر تک جئے گا۔ پھر ان جوتشیوں نے خبر دی کہ ہمیں کواکب کی رفتار سے معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ
پیتل کا سوار جو کوہ مقناطیس پر رکھا ہے۔ ابن خصیب کے ہاتھ سے سمندر میں گریگا۔ اس کے
پورے پچاس دن بعد یہ لڑکا اُسی کے ہاتھ سے مارا جائیگا۔ اس وحشت اثر خبر کو سُنکر میرا باپ
اور بھی بدحال ہوگیا۔ اور شب و روز میری حفاظت میں ہی رہتا۔ حتیٰ کہ جب مجھے چودھواں
سال شروع ہوا۔ اسکے دوسرے دن نجومیوں نے میرے باپ کے پاس آکر عرض کی۔ کہ آج دس
دن ہوئے ابن خصیب نے اُس پیتل کے سوار کو سمندر میں گرا دیا ہے۔ میرا باپ نہایت غمگین
ہوا۔ اور چونکہ وہ چاہتا تھا۔ کہ جس طرح ہو مجھے بچائے۔ اسلئے اُس نے پہلے سے اس جزیرے
میں میرے لئے یہ پوشیدہ مکان بنوا رکھا تھا۔ جب سُنا کہ دس دن گذر چکے تو باپ چالیس دن کی
لئے مجھے یہاں اُتار گیا اور میعاد مقررہ کے بعد وہ مجھے یہاں سے آکر نکال لیجائیگا۔ یہاں میرے
آنے کا سبب یہ ہے۔ جب جوہری بچہ اپنا حال بیان کر چکا تو میں اپنے دل میں نجومیوں کی یاوہ
گوئی پر ہنسا۔ کہ میں اس بے قصور بچے کو کیوں مارنے لگا تھا۔ پھر مینے اسکو اطمینان دلایا کہ
تم بیخوف رہو اور خدا پر بھروسہ رکھو جو مجھے تمہاری حفاظت کے لئے یہاں کھینچ لایا ہے۔ اس
چالیسے تک اب میں تمہاری حفاظت کرونگا۔ اور چالیس دن کے بعد جب تمہارا باپ تمہارے
لینے کے لئے یہاں آئیگا تو اُسکے ساتھ میں بھی تمہارے شہر کو چلوں گا۔ اور وہاں سے اپنے
دارالسلطنت کو روانہ ہو جاؤنگا۔ اور اس احسان کو ہمیشہ کے لئے یاد رکھوں گا۔ یہ سب کچھ
تو مینے کہا۔ مگر اپنا نام و نشان دانستہ چھپائے رکھا۔ پھر اور بھی بہت سی حکایات بیان کرکے
اُسکا جی بہلایا۔ مجھے وہ لڑکا نہایت فہمیدہ دکھائی دیا۔ غرض اُنتالیس دن ہم دونوں نے نہایت امن
و چین سے اُس تہ خانے میں بسر کئے۔ جب چالیسویں دن صبح کے وقت لڑکا بیدار ہوا تو مجھ سے
کہنے لگا کہ اے سلطان! آج چالیسواں روز ہے۔ خدا کے فضل اور تمہاری شفقت سے میں
ابتک زندہ ہوں۔ میرا باپ تمہارے سلوک کا حال سُنکر نہایت ممنون ہوگا اور تمہیں تمہارے
وطن بعافیت پہنچا دیگا۔ اگر آج تھوڑا پانی گرم کردو۔ تو میں نہا کر کپڑے بدل لوں۔ آج مجھے
لینے کے لئے میرا باپ آئیگا۔ مینے پانی گرم کرکے اُسے خوب مل مل کر نہلایا۔ نہلانے کے بعد وہ

فرش وفروش اور کھانے پینے کا بہت سا سامان اُٹھا لئے اور دروازہ کھولکر اندر چلے گئے میں نے قیاس کیا۔ کہ اُسکے اندر ایک بڑا تہ خانہ ہوگا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ پھر وہاں سے نکلکر جہاز کی طرف گئے۔ اور وہاں سے ایک پیر مرد اور چودہ پندرہ سالہ لڑکے کو لیکر اُسی تہ خانے میں اُتر گئے۔ وہ لڑکا ایسا خوبصورت تھا کہ موتی کا دانہ معلوم ہوتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ سب وہاں سے نکلکر اور دروازے کو بند کرکے بدستور اُسپر مٹی ڈالکر جہاز کی طرف لوٹ گئے۔ مگر اُن میں مجھے وہ لڑکا دکھائی نہ دیا۔ مجھے بڑا تعجب ہوا۔ اور جب جہاز روانہ ہوا۔ میری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ میں درخت سے اُترکر اُسی مقام کی طرف آیا۔ جہاں سے اُن آدمیوں نے تھوڑی دیر پیشتر مٹی کھودی تھی۔ اور اس جگہ کی مٹی سرکائی۔ مٹی کے نیچے ایک مربع گز کا ایک بڑا پتھر رکھا ہوا تھا۔ اُسے اُٹھا کے پرے رکھا تو وہاں ایک زینہ دکھائی دیا جس سے میں نیچے اُتر گیا۔ اور جاکے دیکھا کہ بہت بڑا مکان ہے۔ جس میں قالین کا فرش بچھ رہا ہے اور دالان میں زردوزی تکئے رکھے ہیں۔ وہ لڑکا بھی وہیں دکھائی دیا۔ اور اُس وقت اپنے تئیں پنکھا کر رہا تھا۔ وہاں دو موم بتیاں جل رہی تھیں اور کھانے پینے کا تمام سامان بافراط موجود تھا۔ وہ لڑکا مجھے دیکھکر سہم گیا۔ لیکن میں نے اُسے دلاسا دیا۔ اور کہا۔ کہ صاحبزادے ایسے شخص سے جو بادشاہ ہے اور بادشاہ کا بیٹا ہے تم خوف نہ کرو۔ میں تمہیں کچھ اذیت نہیں پہنچاؤنگا۔ اور تم بڑے صاحب نصیب ہو۔ کہ میرے ہاتھوں اس قبر سے مخلصی پاؤگے جہاں تمہارے متعلقین تمہیں دیدہ دانستہ دفن کرگئے ہیں۔ مگر پہلے تم یہاں دفن ہونے کی وجہ بیان کردو۔ لڑکے نے مجھے اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اور جب میں بیٹھ گیا تو اُسنے کہنا شروع کیا کہ اے سلطان! میرا حال نہایت عجیب ہے۔ میرا باپ جوہری ہے۔ اور اپنے ہنر کی بدولت اُسنے بیشمار دولت پیدا کی ہے۔ اُس کی منقولہ اور غیر منقولہ جائداد کا کچھ انتہا نہیں۔ مگر اُس کے ہاں کوئی لڑکا نہ ہوتا تھا۔ ایکدن اُسے خواب میں بشارت ہوئی کہ اُسکے گھر بیٹا پیدا ہوگا۔ مگر وہ چھوٹی عمر میں ہی مرجائیگا۔ یہ خواب دیکھکر وہ سخت پریشان ہوا مگر تقدیر پر چپ ہورہا۔ تھوڑے دنوں کے بعد میری والدہ نے اُسے حمل رہنے کی خبر دی۔ اور نو ماہ کے بعد جب میں پیدا ہوا تو والد کے سوا سب نہایت مسرور ہوئے۔ میرے والد نے نجومیوں سے میرا حال پوچھا

تصویر کشتی عجیب کی مع ملاح مہیب صورت اور سوار ہونے شہزادے کی



کچھ خشک ہو گئے۔ تو انہیں پہنکر میں نے وہاں سے چلنا شروع کیا۔ راستے میں بہت سے میوہ دار درخت دیکھے اور خیال کیا۔ کہ یہ کوئی ویران جزیرہ ہے۔ لیکن جب دور تک ریت اور دریا کے سوا اور کچھ نہ دیکھا۔ تو میں نے جانا کہ پہلے یہ جزیرہ سمندر ہو گا۔ اب خشک ہو گیا ہے۔ یہ غور کرتے ہی میری ساری خوشی بلیا میٹ ہو گئی۔ مگر میں نے اپنے تئیں خدا کی رضا پر چھوڑ دیا۔ اس حالت میں ابھی مجھے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ سمندر میں ایک چھوٹے سے جہاز کو دیکھا۔ جو اسی جزیرے کی طرف آرہا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ یہیں لنگر انداز ہو گا۔ مگر میں آہ نہ سکتا تھا کہ اسکے سوار میرے دشمن ہیں یا دوست۔ اسلئے یہ معلوم کرنے کے لیے میں ایک درخت پر جا چڑھا اور اس کے پتوں میں اپنے تئیں چھپا لیا۔ اتنے میں جہاز نے کنارے پر لنگر کیا۔ اور اس میں سے دس آدمی کدالیاں اور پھاوڑے لیکر اترے۔ پھر وسط جزیرہ کی طرف آئے اور ایک جگہ کی زمین کھودنے لگے۔ حتیٰ کہ انہیں ایک دروازہ مل گیا۔ جسکے ظاہر ہوتے ہی وہ جہاز پر سے

کہ آدم زاد کو ضرور پہنچانے کے لئے فلاں وقت میں بنائے گئے تھے پائیگا۔ اُن تین تیروں سے تو اُس تصویر کا نشانہ بنا جو گھوڑے پر سوار ہے۔ تو وہ سوار سمندر میں گر پڑیگا۔ اور گھوڑا تیرے قدموں کے پاس آرہیگا۔ پھر تو اسی گھوڑے کو وہاں ہی دفن کر دے۔ جہاں سے کھود کر زمین میں سے تونے کمان اور تیر نکالے تھے۔ جب تو اُس کام سے فراغت پائیگا تو یک بیک دریا میں طغیانی آئیگی حتیٰ کہ پانی گنبد کے نیچے تک آپہنچیگا۔ اور پھر ایک چھوٹی کشتی تیرے قریب آلگیگی۔ جس میں پیتل کا ایک ملاح بیٹھا ہوگا۔ تجھے فوراً اُس میں بیٹھ جانا چاہیے۔ وہ تجھے دس دن تک کے عرصہ میں یہاں سے ایسی جگہ پہنچا دیگا کہ تیرے لئے اپنے ملک میں پہنچنا آسان ہو جائیگا۔ مگر خیال رکھنا کہ اس سفر میں بھول کر بھی خدا کا نام نہ لینا۔ جب وہ پیر مرد بزرگ ان ہدایتوں کو تمام کر چکا تو فوراً میری آنکھ کھل گئی اور میں خواب کی تعمیل کرنے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ میں نے ہدایت کے موجب پہلے پاؤں کے پاس کی زمین کھودی تو اسمیں سے کمان اور تیر پاکر نہایت مسرور ہوا۔ پھر اُن تیروں سے گھوڑے کے سوار کو نشانہ بنایا۔ اور تیسرے تیر کے لگتے ہی سوار سمندر میں اور گھوڑا میرے پاؤں کے پاس گر پڑا۔ حسب ہدایت جب میں نے گھوڑے کو گڑھے میں دفن کر دیا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ سمندر چڑھا چلا آتا ہے۔ یہاں تک کہ پانی گنبد کے کنارے سے آلگا۔ اور ایک کشتی دُور سے میرے برابر آئی۔ جسپر پیتل کا ملاح بیٹھا ہوا اُسے کھینچ رہا تھا۔ میں نے جناب باری کا شکریہ ادا کیا کہ میرا خواب جھوٹا نہیں تھا۔ اتنے میں کشتی کنارے پر آلگی۔ میں اسپر سوار ہو گیا اور خدا کا نام نہ لیا۔ پھر وہ پیتل کا ملاح بلا توقف برابر نو دن تک کشتی کو کھینچکر بہت دُور لے گیا۔ دسویں دن میں اپنے ارد گرد بہت سے جزیرے دیکھ کر نہایت خوش ہوا۔ اور خیال کیا کہ اب بہت جلد مخلصی نصیب ہو گی اور بے خبری میں خدا کا شکر بجا لایا۔ میرے خدا کا نام لیتے ہی وہ کشتی اُس آدمی سمیت غرق ہو گئی۔ اور میں پانی کی سطح پر ڈبکیاں کھانے لگا۔ آخر ایک جزیرے کا رُخ پکڑ کر تیرنا شروع کیا۔ جو قریب ہی معلوم ہوتا تھا۔ اور شام تک یونہی تیرتا چلا گیا۔ آخر تھک کر ہاتھ پاؤں شل ہو گئے۔ جب ہلنے کی بھی طاقت نہ رہی تو میں زندگی سے مایوس ہو کر گرا ہی چاہتا تھا۔ کہ اتنے میں ایک بڑی لہر نے مجھے اُٹھا کر پایاب پانی میں پھینک دیا۔ اور میں بڑی جدّ و جہد کے بعد پانی سے باہر نکل آیا۔ سمندر سے باہر آتے ہی میں نے پہلے اپنے کپڑے نچوڑے۔ جب وہ

تصویر پیتل کی گنبد کی مع تصویر اُس پیتل کے آدمی کی جو پیتل کے گھوڑے پر سوار ہے



اسلئے مایوس ہوکر ہم نے آپس میں فیصلہ کر لیا۔ کہ ہم میں سے جو کوئی جانبر ہو۔ وہی سب کا مختار اور وصی ہے۔ غرض اگلے دن ہمارے جہاز پہاڑ مذکور کے عین مقابل میں پہنچنے لگے اور یکایک جس طرح کہ کپتان نے فرمایا تھا۔ اُنکے تمام کیل کانٹے لکڑی کا ساتھ چھوڑ کر بھاگے۔ اور تمام آہنی سامان پہاڑ سے جا کر چمٹ گیا۔ تختوں کے جدا جدا ہونیکے وقت بڑی مہیب آواز پیدا ہوتی تھی۔ اور فوراً دسوں جہاز ایسے گہرے پانی میں ڈوب گئے کہ اسباب اور اہل جہاز کا پتہ تک نہ لگا۔ لیکن ایک اکیلا میں بچگیا۔ اس طرح سے کہ میرے ہاتھ جہاز کا ایک تختہ آگیا جسکے سہارے سے میں دامن کوہ میں ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں قدموں کے نشان نسیڑھی کی طرح بنے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ وہ راستہ پہاڑ کے اوپر جانے کا تھا میں نے الحمد پڑھی اور فوراً پہاڑی پر چڑھنا شروع کیا اور بخیریت گنبد مذکور تک پہنچ گیا۔ اور شب بسری کے لئے گنبد کے اندر ہی سو رہا۔ اور خواب میں ایک بزرگ مقدس کو دیکھا کہ کہہ رہا ہے "اے ابن خصیب! جب تو بیدار ہو تو اپنے پاؤں کے نیچے کی زمین کو کھود ڈال۔ اس میں سے تو ایک کمان پیتل کی اور تین تیر سیسے کے

کیا اور اپنے ہمراہ دس جہاز لیکر بحری سفر میں چل پڑا ۔ بیس دن تک ہم بخیری سے چلتے رہے
اگلے دن ہوا یکایک مخالف ہوکر بشدت چلنے لگی ۔ ہمارے سارے کے سارے جہاز
طوفان سے ڈگمگانے لگے اور ہم سب زندگی سے مایوس ہوگئے ۔ مگر خدا کی مہربانی سے
جب اگلے دن مطلع بالکل صاف ہوگیا ۔ سمندر ٹھہر گیا ۔ اور مشرق میں چمکتے ہوئے سورج کی
کرنیں دکھائی دیں تو ہم اطمینان سے ایک جزیرے پر چڑھ گئے اور دو دن تک وہاں
پھرتے پھراتے رہے ۔ تیسرے دن وہاں سے چلکر دس دن پھر سفر میں گذارے گیارہویں
دن پھر ہوا مخالف ہوگئی ۔ اور جہاز گرداب میں پڑ گئے ۔ جہاز کے کپتان نے ایک خلاصی
کو ستون پر چڑھ کر حال دیکھنے کے لئے ارشاد کیا ۔ وہ فوراً ستون پر چڑھ گیا ۔ اور ادھر ادھر
غور سے دیکھنے لگا ۔ مگر سمندر اور آسمان کے سوائے اسے اور کچھ نہ دکھائی دیتا تھا ۔ آخر وہ اترنے
کو تھا ۔ کہ ایک طرف سے کوئی کالی کالی سی چیز دکھائی دی ۔ ناخدا کے چہرہ کا رنگ یہ سنتے
ہی متغیر ہوگیا ۔ اور اُسنے اپنی پگڑی اتار کر زمین پر دے ماری ۔ اور مجھ سے کہا قسم
خداوند ہم سب ہلاک ہوئے ۔ اب کوئی تدبیر بچنے کی نہیں رہی ۔ سب اہل جہاز سراسیمہ
ہوگئے ۔ مینے سبب پوچھا ۔ تو ناخدا بولا ۔ کہ خداوندا طوفان ہمارے جہازوں کو راستے
سے ہٹا کر ایسی جگہ لے آیا ہے ۔ کہ کل کے دن ہمارا نام و نشان بھی نہ رہیگا ۔ وہ سیاہی
سنگ مقناطیس کا پہاڑ ہے ۔ جو ہمارے جہازوں کے کیل کانٹے اپنی طرف کھینچ لیگا اور
جہاز کے تختوں سمیت ہم سب غرقاب ہو جائیں گے ۔ اس لئے کہ اس پتھر میں لوہے کو
اپنی طرف کھینچ لینے کی قدرت نے طاقت دے رکھی ہے ۔ پھر ناخدا کہنے لگا کہ یہ پہاڑ
بہت بلند ہے ۔ اور اس کی چوٹی پر ایک گنبد پیتل کے پایوں پر ایستادہ ہے جس
کے اوپر ایک پیتل کا گھوڑا کھڑا ہے ۔ اور گھوڑے پر پیتل ہی کا ایک سوار بھی بیٹھا ہے
جس کی چھاتی پر سیسے کی ایک تختی لگی ہوئی ہے ۔ اور اس تختی پر ایک طلسم کندہ ہے
جس کی نسبت عوام میں مشہور ہے ۔ کہ جہازوں اور آدمیوں کے تباہ ہونے کا وہی
اصلی سبب ہے ۔ ناخدا یہ کہکر پھر زار زار رونے لگا ۔ ہم سب بھی اسی بات میں اس کے
ساتھی بنے اور مجھے یقین ہوگیا کہ بس اتنی ہی عمر تھی ۔ یہاں پر ہمیں قضا کھینچ لائی ہے ۔

رہا۔ پھر جن کی راکھ کو ہوا میں اڑا دیا گیا۔ اور شہزادی کی راکھ ایک قیمتی کپڑے میں باندھکر وہیں دفن کیگئی اور اسپر ایک عالیشان مقبرہ تعمیر کرایا گیا۔ اور بادشاہ پورا مہینہ بستر بیماری پر پڑا رہا۔ ابھی اسے پوری صحت نہ ہوئی تھی کہ مجھے بلا کے کہنے لگا۔ میری بیٹی تیرے ہی سبب سے ہلاک ہوئی ہے۔ اسکا خواجہ سرا بھی تیری بدولت مارا گیا ہے اور تیرے ہی منحوس قدموں کی بدولت میرا یہ حال ہوا ہے۔ اب میں یہاں تیرے رہنے کا روادار نہیں۔ یہاں سے فوراً جدھر سینگ سمائیں نکل جا۔ اگر تو پھر میری قلمرو میں آیا تو یاد رکھ میں پھر تجھے کسی طرح پیش آؤنگا۔ غرض میں فوراً وہاں سے نکل کر ایک طرف کو ہولیا اور جدھر سے گذرتا لوگ مجھپر دانت پیستے۔ اور میرے مار ڈالنے کا قصد کرتے۔ ناچار میں نے چار ابرو کا صفایا کرایا اور لباس قلندری وربر کرکے اپنی بدولت دو مقبول صورت شہزادیوں کے مارے جانے پر افسوس کرتے ہوئے بغداد کا رخ کیا۔ اور خیال کیا کہ خلیفہ ہارون رشید کی آستانہ بوسی سے میری مشکل حل ہوگی۔ غرض آج شام کے وقت جب میں یہاں پہنچا تو اس پہلے قلندر سے میری ملاقات ہوئی۔ اور آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا سبب تو پہلے ہی ظاہر ہو چکا ہے۔ اسکا ذکر فضول ہے۔ یہ ہے میری سرگذشت۔ زبیدہ نے یہ دلکش سرگذشت سنکر اسکا قصور بھی معاف کر دیا۔ اور فرمایا۔ اب جدھر تیرا جی چاہے تو جا سکتا ہے۔ لیکن اسنے بھی باقیوں کا حال سننے کے لیے وہیں ٹھہرنے کی اجازت طلب کی اور جو بیٹھے تھے وہ گئے۔ پھر تیسرے قلندر نے اپنا حال یوں کہنا شروع کیا :-

تیسرے قلندر کی حکایت

اے محترم بی بی! میری داستان ان دونوں کے حالات سے عجیب تر ہے۔ میری آنکھ کا پھوٹنا اور میرا لباس قلندری پہننا محض میری نادانی کا سبب ہے۔ میں خود بادشاہ تھا۔ ایک بادشاہ عالیجناب کا بیٹا تھا جب میرے باپ نے قضا کی اور میں تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ تو میں نے نہایت ہی عدل و انصاف سے حکمرانی کی۔ لیکن میرے دل میں سیر و سیاحت بحار کا شوق تھا۔ خصوصاً بحری سفر کا۔ اسلئے کہ میرا دار السلطنت بھی سمندر کے کنارے پر واقع ہوا تھا اور بیشمار اسکے اچھے جزیرے میرے ماتحت تھے۔ میں نے پہلے ان جزائر کی سیاحت کا ارادہ

تصویر دختر شاہ اور جنّ کی سحر کی لڑائی



اُسنے یہ کہتے ہی ہیں فوراً انسان بنگیا جیسا کہ پہلے تھا اور وا اپنی آنکھ کے تلف ہو جانے کے سوا اور میرے کسی عضو میں نقص نہ آیا تھا۔ میں شہزادی کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا۔ کہ اُسنے بادشاہ سے کہا۔ اگرچہ میں لڑائی میں جنّ سے غالب آئی ہوں۔ لیکن میرا کام تمام ہو چکا ہے اُس آگ نے جو لڑائی میں برافروختہ ہوئی تھی میرے جسم کو جلا دیا ہے۔ اور کوئی دم میں مجھے خاک کر دیگی۔ اگر وہ ایک دانہ انار کا مجھ سے نہ چھوٹتا تو پھر نہ تم کو اور نہ مجھ کو کوئی صدمہ پہنچتا یکایک شہزادی پکارنے لگی جلی! جلی!! پھر ہم نے دیکھا تو وہ راکھ تھی۔ صاحب! میں اُسوقت کے غم والم کا بیان نہیں کر سکتا۔ جب مینے اپنی محسنہ کو جلتے ہوئے دیکھا۔ کاش میں ساری عمر بندر ہی بنا رہتا۔ بادشاہ اور میں دو نوں دونے چلانے اور سر پیٹنے لگے۔ بادشاہ تو غم والم کے مارے بیہوش ہو کر گر پڑا۔ اور مجھے اندیشہ ہو گیا۔ کہ کہیں وہ بھی اسی حالت میں تمام نہ ہو جائے۔ نوکر چاکر دوڑے آئے اور اُٹھا کے اُسے شاہی محلوں میں لیگئے۔ ہر طرف شہزادی کے مرنے کی خبر مشہور ہو گئی۔ اور برابر سات دن تک ماتم ہوتا

تو غائب ہوگیا اور سز بچھو بنگیا۔ شہزادی سانپ بنکر لڑنے لگی۔ بچھو عقاب بنکر اڑا۔ پھر سانپ نے بھی عقاب سیاہ بنکر اس کا پیچھا کیا۔ حتیٰ کہ دونو غائب ہوگئے۔ تھوڑی دیر میں ہمارے سامنے کی زمین پھٹ گئی اور اسمیں سے دو بلیاں سفید اور سیاہ نکل پڑیں اور دم کے بال کھڑے کرکے آپس میں لڑنے لگیں۔ اور پھر سیاہ بلی گرگ سیاہ بنکر دوسری کی طرف دوڑی وہ فوراً کیڑا بنگئی اور اس کیڑے نے اپنے تئیں ایک انار کے اندر چھپا لیا۔ جو اسیوقت درخت سے نہر کے کنارے پر گر پڑا تھا۔ پھر انار بڑھنے لگا۔ یہانتک کہ وہ ایک بڑے کدو کے برابر ہوگیا اور ہوا پر اڑا اور برآمدے کی بلندی کے برابر اونچا ہوکر ہوا میں ادھر ادھر گھومنے لگا۔ پھر زمین پر آکر پھٹ گیا۔ اور اسکے کئی ٹکڑے ہوگئے۔ وہ گرگ خروس بنکر انار کے دانے چگنے لگا اور بڑی تیزی سے انہیں نگلنا شروع کیا۔ جب سب دانے کھا چکا تو پر پھیلا کر ہماری طرف آیا اور بڑا شور و غل مچایا گویا پوچھتا ہے کہ انار کا دانہ تو باقی کوئی نہیں رہا اور چاروں طرف تجسس کرنے لگا۔ کہ ناگاہ نہر کے کنارے اسے ایک دانہ پڑا دکھائی دیا۔ دوڑ کر چاہتا تھا کہ اسے بھی نگل جائے۔ لیکن وہ لڑھک کر نہر میں جا رہا۔ اور فوراً ایک چھوٹی سی مچھلی بنگیا۔ مرغ بھی نہر میں گھس گیا۔ اور دونو دو گھڑی تک نہر میں رہے۔ وہاں کا حال ہمیں معلوم نہیں ہوسکا۔ اسکے بعد پھر مہیب آواز آئی۔ اور ہمنے دیکھا۔ کہ جن اور شہزادی دونوں آگ ہو رہے ہیں اور ایک دوسرے کے منہ سے آگ کے شعلے نکلکر دوسرے کو جھلس دینا چاہتے ہیں۔ یہ آگ اتنی بڑھی کہ اسنے ہم کو بھی گھیر لیا۔ ہم لرزنے لگے کہ کہیں محل بھی راکھ نہ ہو جائے۔ اس اثنا میں جن شہزادی سے ہار کر ہماری طرف آیا اور ہمپر آگ کے شعلے برسانے لگا۔ اور خواجہ سرا تو جلکر راکھ ہوگیا۔ بادشاہ کا بھی منہ جھلس گیا۔ میری آنکھ میں بھی ایک پارہ آتش آکر لگا۔ جس سے داہنی آنکھ جاتی رہی۔ شہزادی دوڑ کر آئی اور اس لعین کو مار مار کر دور ہٹا دیا۔ ہم دونوں بھی زندگی سے مایوس ہو چلے تھے کہ اتنے میں فتح و نصرت کی آواز آئی۔ شہزادی اپنی اصلی صورت میں ہمارے سامنے آگئی اور جن جلکر راکھ ہوگیا۔ پھر شہزادی نے جلدی سے ایک پیالہ پانی کا منگایا اور دم کرکے تھوڑا سا پانی مجھ پر چھڑکا اور کہا۔ کہ اگر تو جادو کے سبب سے میمون بنگیا ہے تو اپنی اصلی شکل اختیار کرے

چھپا لیا ہے اُسنے فوراً جواب دیا۔ کہ یہ بندر ایک شہزادہ ہے اور ابلیس کے پوتے جرجریس کے جادو کا شکار ہو گیا ہے۔ ابلیس کے پوتے نے شہزادی جزیرہ آبنوس کو مار ڈالنے کے بعد اسے بندر بنا ڈالا ہے۔ اور یہ شخص بڑا عالم اور عاقل ہے۔ بادشاہ سخت حیران ہوا اور مجھ سے پوچھا۔ کیا یہ ٹھیک ہے۔ میں نے سر سے اشارہ کیا۔ کہ شہزادی بجا فرماتی ہے۔ پھر بادشاہ شہزادی کیطرف مخاطب ہوا۔ اور کہا۔ بیٹی! تو نے کیسے معلوم کر لیا۔ کہ یہ جادو کے زور سے بندر بنا ہوا ہے شہزادی نے جواب دیا۔ حضور کو معلوم ہو گا کہ جب میں چھوٹی سی تھی تو میری خدمت کے لئے ایک بوڑھیا مقرر کیگئی تھی جو فن سحر میں کامل تھی اُسنے جادو کے ستر باب مجھے سکھائے اور اب مجھ میں اتنی طاقت ہے کہ آپ کے دار الخلافت کو تالاب بنا کر دامن کوہ میں ڈال دوں اور اسکے باشندوں کو مچھلیاں بنا ڈالوں۔ میں مسحوروں کو ایک ہی نظر میں پہچان لیتی ہوں بادشاہ نے التجا کی۔ کہ بیٹی اگر تجھ میں اتنی طاقت ہے تو اسے اپنی اصلی صورت میں لے آ میں اُسے اپنا وزیر بناؤنگا اور تیرے ساتھ اسکی شادی کر دونگا۔ شہزادی یہ سنکر اپنے مکان سے ایک چھڑی لے آئی۔ جس پر عبرانی حروف میں کچھ طلسم کندہ تھے اور بادشاہ سے کہا کہ آپ خواجہ سرا اور اس بندر کو اپنے ہمراہ لیکر اس سامنے والے مکان میں محفوظ ہو بیٹھیں جب ہم حفاظت سے بیٹھ گئے تو شہزادی نے وسط صحن میں اس چھڑی سے زمین پر ایک بڑا دائرہ کھینچا۔ اور کلام پڑھنا شروع کیا۔ جسے ہم نہ سمجھ سکتے تھے۔ جب وہ اپنی سحر خوانی کو ختم کر چکی تو چاروں طرف اسقدر اندھیرا چھا گیا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ دکھائی دیتا تھا۔ آثار قیامت دکھائی دینے لگے۔ ہم یہ حال دیکھکر ڈر گئے۔ دفعتاً وہ جن ہیبت ناک شیر کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اسکی آنکھوں سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔ شہزادی نے کہا۔ دور ہو نابکار۔ جن گرجا! اے عہد شکن تو نے اس عہد کو توڑ کے کیا حاصل کیا ہے جو بنی آدم اور جنات کے درمیان تھا۔ کہ کوئی ایک دوسرے کو ایذا نہ پہنچائے۔ شہزادی نے جواب دیا۔ سن اے ملعون۔ عہد شکن میں نہیں۔ تو ہے۔ یہ سنکر شیر نے اپنا منہ پھیلایا اور چاہا کہ شہزادی کو نگل جائے مگر وہ پیچھے ہٹ گئی۔ اور سر کا ایک بال اکھاڑ کر اسپر کچھ پڑھ کے پھونک مارا تو وہ فوراً تیز تلوار بن گیا۔ شہزادی نے اس تلوار سے شیر کو دو ٹکڑے کر دیا۔ اسمیں سے ایک

نے کمال مسرّت سے پسند کیا۔ اور حکم دیا کہ جس شخص نے یہ رباعیات لکھی ہیں اُسے خلعت فاخرہ لیجاکر پہنا دو۔ اور خچر پر سوار کرکے میرے پاس لے آؤ۔ سردار سُنکر ہنسا جس سے بادشاہ کو بڑا غصہ آیا اور ڈانٹ بتائی۔ کہ یہ ہنسی کا کیا موقعہ ہے۔ سردار نے کہا۔ حضور! ان رباعیوں کے لکھنے والا کوئی آدمی نہیں بلکہ ایک بندر ہے جو کپتان جہاز کے پاس ہے۔ یہ سُنکر بادشاہ حیرت سے بُت بنگیا اور فرمایا کہ میں اُس بندر کو ضرور خرید ونگا۔ جاؤ اُسے شان وشوکت کے ساتھ خچر پر سوار کراکے لے آؤ۔ بادشاہی سردار میرے لینے کے لئے جہاز پر آیا اور ادھر بادشاہ ارکین دربار کیساتھ میرے دیکھنے کا انتظار کرنے لگا۔ غرض شاہی حکم کے بموجب مجھے خلعت پہناکر اور خچر پر بٹھاکر سردار جہاز سے لیچلا۔ راستے میں شہر کے لوگ مجھے دیکھ رہے تھے جب میں دیوان خاص میں پہنچا اور بادشاہ کو دیکھا۔ تو اُسکے حضور میں میں تین دفعہ کورنشات بجا لایا۔ پھر بادشاہ نے مجھے بیٹھنے کا حکم دیا اور میں اپنی نشست پر ادب سے بیٹھ گیا۔ حاضرین اور بادشاہ میرے آداب بجا لانے سے حیران تھے۔ پھر بادشاہ نے سب کو لوٹ جانیکا حکم دیا اور وہ سب چلے گئے۔ اور سوائے خواجہ سرا کے وہاں کوئی نہ رہا۔ پھر بادشاہ نے دسترخوان طلب فرمایا۔ اور مجھے کھانے کا اشارہ کیا۔ میں فوراً اُٹھا اور سات دفعہ آداب بجا لاکر دسترخوان پر بیٹھ گیا۔ حتیٰ کہ سفرہ اُٹھایا گیا۔ میں نے ہاتھ دھوئے اور قلم دوات لیکر شکریے کے لئے چار شعر لکھے۔ پھر میں وہاں سے اُٹھکر تھوڑی دور جا بیٹھا۔ جب بادشاہ نے میرے لکھے ہوئے کو دیکھا تو وہ اور بھی حیران ہوا۔ اور کہا کبھی بندر بھی ایسا خوشخط اور فصیح ہو سکتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے؟ پھر بادشاہ نے شطرنج منگایا۔ اور مجھ سے کہا۔ کیا تو کھیلیگا۔ میں نے سر سے اشارہ کیا۔ کہ ہاں۔ اور میں نے اُسکے ساتھ دو بازیاں کھیلیں۔ جن دونو کو میں نے ہی جیتا۔ اب بادشاہ کی حیرت کی کچھ انتہا نہ رہی۔ اور وہ کہنے لگا کہ اگر یہ آدمی ہوتا تو اپنے ہمعصروں پر ضرور فوق لیجاتا۔ پھر خواجہ سرا کو حکم دیا کہ شہزادی کو بلا لائے۔ تاکہ وہ بھی اس عجیب بندر کو دیکھ کر خوشی حاصل کرے۔ چنانچہ جب شہزادی آئی تو اُسنے مجھے دیکھتے ہی اپنا مُنہ ڈھانپ لیا۔ اور کہنے لگی۔ حضور نے مجھے نامحرموں کے سامنے کیوں بلایا ہے۔ بادشاہ نے پوچھا بیٹی! یہاں اجنبی کون ہے! جس سے تُو نے اپنا مُنہ

زخم جس طرح سے تو نے میری جان بخشی کی ہے اسطرح سے میرے قالب کو بھی بخشدے میں ہمیشہ کیلیئے تیرا شکر گذار رہونگا - مگر اس نے ایک نہ سنی اور مجھے لیکر آسمان کی طرف اتنا بلند ہوا کہ زمین پاؤں تلے ایک ایک چھوٹا سا ستارہ دکھائی دیتی تھی - حتیٰ کہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر جا اُترا اور وہاں سے تھوڑی سی مٹی لیکر اسپر کچھ کلام پڑھا - اور مجھپر چھڑک کر کہنے لگا کہ اس صورت کو چھوڑ کر بندر کا قالب اختیار کرلے - اسکے یہ کہتے ہی میں بندر بنگیا - جب میں نے اپنے تئیں ایسی قبیح صورت میں پایا تو بے اختیار میرے آنسو نکل گئے - مگر پھر میں نے صبر کیا - اور پہاڑ پر سے اُتر کر ایک طرف کا راستہ لیا - پورے ایک ماہ کے بعد میں سمندر کے کنارے پر جا پہنچا - ناگاہ وہاں ایک جہاز آگیا اور میں اوپر چڑھ گیا - جب جہاز والوں نے مجھے اپنے ساتھ پایا تو انمیں سے ایک نے کہا کہ اس منحوس کو جہاز سے باہر نکالدو - دوسرے نے کہا اسکو مار ڈالو - ایک اور کہنے لگا کہ اسے تلوار سے کاٹ کر گرادو - یہ گفتگو سنکر میں رو پڑا اور میرے آنسوؤں نے کپتان جہاز کا دل نرم کردیا اور وہ ناخداؤں کی طرف مخاطب ہوکر بولا - دوستو! اس بندر نے میری پناہ لی ہے - اس لیئے کوئی شخص اس سے معترض نہ ہو - اور نہ اسے تنگ کرے - کپتان مجھ پر بڑی مہربانی کرتا تھا اور جو کچھ وہ کہتا تھا - میں اسے سمجھتا تھا - اور میں اسکی ضروریات کو پورا کردیتا تھا اور پورے طور پر اسکی خدمت کرتا تھا - اس عرصہ میں ہوا نہایت موافق رہی - اور پچاسویں دن وہ جہاز ایک بہت بڑے شہر میں جا پہونچا - جب وہ ساحل پر ٹھہر گیا - تو ایک شاہی سردار تاجروں کو بادشاہ کی طرف سے خوش آمدید کہنے کے لیئے جہاز پر آیا - اور فرمایا کہ بادشاہ سلامت تمہارے تشریف لانے سے نہایت خوش ہیں - اس نے ایک سادی کتاب بھی پیش کی - کہ تم میں سے ہر ایک آدمی جو کچھ لکھ سکتا ہو اسپر اپنے ہاتھ سے ایک ایک سطر تحریر کرے - یہ سنکر میں بھی اٹھا - اور کتاب انکے ہاتھ سے چھین لی - وہ ڈرے کہ میں اسے پھاڑ نہ دوں یا سمندر میں پھینک نہ دوں - اسلیئے انہوں نے مجھے ڈرایا اور میرے مار ڈالنے کا ارادہ کیا - لیکن میں نے اشارہ سے انہیں سمجھایا کہ اطمینان رکھو - میں بھی اسپر کچھ لکھنا چاہتا ہوں - اسپر کپتان نے کہا کہ ٹھہرو! اسے بھی لکھنے دو - اور دیکھو کیا لکھتا ہے - میں نے آجتک ایسا عجیب کوئی بندر نہیں دیکھا - پھر میں نے قلم لیا - اور چار خطوں میں نہایت خوبی سے چار رباعیاں لکھکر کتاب سردار کو پکڑا دی جسے لیکر وہ بادشاہ کی خدمت میں چلا گیا - بادشاہ

پاؤں کاٹ ڈالے اور پھر سر کو اُڑا دیا۔ میں اِس نظارے کو دیکھتا رہا۔ اور مجھے بھی اپنی موت کا پورا یقین ہو گیا۔ اب وہ جنّ میری طرف متوجہ ہوُا اور کہنے لگا کہ عالم جنّات میں دستور ہے۔ کہ جب کسی عورت پر بدکاری کا شبہ ہوتا ہے تو اسکی جان لے لیتے ہیں۔ اِسلیئے مینے اس شہزادی کو قتل کر دیا ہے۔ یہ میرے پاس پچیس برس سے تھی۔ اور شادی کے دن میں اسے اُڑا لایا تھا۔ ہر دسویں روز میں اسکے پاس آتا تھا اور آج تک مجھے اسکے چلن پر کبھی شبہ نہیں ہوا۔ اب مینے معلوم کیا ہے کہ اسنے میری امانت میں خیانت کی۔ اسلیئے مینے اسے اسکا عوض دیدیا۔ لیکن تو چونکہ اجنبی ہے اور مجھے متحقق طور پر معلوم نہیں ہو سکا کہ تو ہی میرا مجرم ہے اسلئے میں تجھے قتل نہیں کرونگا۔ تجھے کوئی اور سزا دیدونگا۔ اے بی بی! یہ سنکر مجھے نہایت مسرت ہوئی اور مینے عفو کا لالچ کیا۔ مگر اُسنے جواب دیا کہ قتل سے بیخوف رہ۔ معافی بالکل نہیں ملیگی۔ البتہ جس جانور کا قالب تو پسند کرے۔ کُتّے کا۔ گدھے کا۔ بندر کا۔ اس قالب میں تجھے ضرور ہی مسخ کر ڈالونگا۔ اس سے کوئی چارہ نہیں ہے۔ مینے بڑی گریہ زاری کی کہ اے بڑے

تصویر جنّ کی شہزادے کو بذور سحر بندر بنا دینگی



تو میں نے اُسے اشارے سے بتایا کہ یہ وقت ان باتوں کا نہیں ۔ عفو کا مقام ہے اُس نے فوراً تلوار

تصویر جن کی عورت حسینہ کو قتل کر کے مرد سے مخاطب ہونا



کو پرے پھینکدیا - اور کہا کہ ایک بیگناہ پر میرا ہاتھ نہیں اُٹھ سکتا - پھر جن نے میری طرف اشارہ کیا کہ تو تلوار کو اُٹھالے اور اس فاحشہ کا سر اُڑا دے تو میں تجھے چھوڑ دوں گا - ورنہ تو یاد رکھ تو میرے ہاتھ میں ہے - ناچار میں نے تلوار لیلی اور شاہزادے کے پاس گیا - اُسنے بھی پلکوں سے اشارہ کیا - کہ میں نے تیرے حق میں کوئی کوتاہی نہیں کی - یہ سمجھکر میں نے بھی تلوار پھینکدی اور جن سے کہدیا کہ جب ایک ناقص العقل عورت نے میری گردن نہیں ماری تو مجھے اسکی گردن مارنی کیسے زیب دیتی ہے - دوسرے آجتک میں نے اس غریب کو کبھی تو دیکھا نہیں - اس لئے میں تو اسے نہیں مارونگا - خواہ تو مجھے قتل بھی کیوں نہ کر دے - یہ سُنکر جن بولا میں نے سمجھ لیا ہے کہ تم دونوں میں سازش کا نتیجہ ہو چکی ہے - پھر اُسنے تلوار لیکر غریب شہزادی کے ہاتھ

کہ یہ سب تیری ہی بدولت ہوا ہے۔ پھر میں نے دروازے کو بند کر کے مٹی سے چھپا کر جوں کا توں بنا دیا اور لکڑیوں کا گٹھا سر پر رکھ کر شہر کی طرف روانہ ہوا۔ میں درحقیقت میں بدحواس سا ہو رہا تھا۔ اپنی گذشتہ زندگی کا نقشہ میری آنکھوں میں کھنچ گیا اور شہزادی کو یاد کر کے میں بیقرار ہونے لگا جب میں اپنے مہربان درزی کی دوکان پر پہنچا تو وہ مجھے دیکھکر نہایت ہی مسرور ہوا اور کہنے لگا۔ کہ تمہاری کل کی غیر حاضری نے مجھے نہایت متفکر کر دیا تھا۔ کہ مبادا تمہاری شہزادگی کا حال سنکر بادشاہ نے تمہیں گرفتار نہ کر لیا ہو۔ الحمد للہ کہ اب تمہیں صحیح و سلامت پاتا ہوں۔ میں نے اس کی عنایت کا شکریہ ادا کیا۔ اور اپنے حجرے میں بیٹھکر پھر اپنی حماقت پر نفرین کرنے لگا۔ ابھی میں اسی فکر میں تھا کہ درزی نے میرے پاس آ کے مجھے کہا کہ ایک بڈھا جسے میں نہیں جانتا۔ تمہاری رسی اور کلہاڑی لئے دوکان پر بیٹھا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اسنے انہیں راستے میں پایا ہے شاید کوئی تمہارے ساتھیوں میں سے نہ ہو۔ چل کے اپنی چیزوں کو پہچان کے لے آؤ۔ اس بات کے سنتے ہی میری رنگت زرد پڑ گئی اور حالت متغیر ہو گئی۔ ابھی میں نے درزی کو کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ کہ میرے حجرے کی زمین شق ہو گئی۔ اور اس میں سے ایک بوڑھا نکل آیا۔ جو درحقیقت وہی جن تھا۔ وہ آتے ہی کہنے لگا کہ میں ابلیس کا پوتا جرجیس ہوں بتا! یہ رسی اور کلہاڑی تیری ہے یا کسی اور کی۔ اور قبل اسکے کہ میں کوئی جواب دوں۔ وہ مجھے پکڑ کر باہر گھسیٹ لایا۔ اور یکایک آسمان کی طرف لے اڑا۔ پھر ایک جگہ اتر کر زمین میں گھس گیا۔ ابھی تک میں بالکل بے ہوش ہو رہا تھا۔ جب اسنے مجھے زمین پر رکھ دیا تو میں نے دیکھا کہ اسی شہزادی کے محل میں ہوں۔ جب میں نے شہزادی کی طرف دیکھا تو وہ ننگی پڑی ہوئی تھی اور اسکے پہلوؤں سے خون بہہ رہا تھا۔ میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ پھر جن نے شہزادی کو اٹھا کے کہا۔ کہ اے بدکار! دیکھ لے یہ تیرا ہی عاشق ہے یا کوئی اور؟ اسنے میری طرف دیکھا اور کہا کہ میں تو اسے پہچانتی بھی نہیں۔ اور اس گھڑی سے پیشتر اسے دیکھا تک بھی نہیں۔ جن نے کہا اسقدر سخت سزا کے بعد بھی تو نہیں مانتی۔ شہزادی نے جواب دیا۔ کیا تیری خواہش ہے کہ میں جھوٹ بولوں۔ پھر جن نے کہا۔ اگر تو واقعہ میں اسے نہیں جانتی تو یہ لے تلوار۔ اور اسکی گردن مار دے اسنے تلوار لے لی اور میرے سر پر آ کر کھڑی ہو گئی۔ اور کہنے لگی کہ یہ سب جھگڑے تیرے ہی چھیڑے ہوئے ہیں

اور ہم دونوں نے سیر ہو کر کھایا۔ رات کو بھی اُسنے مجھے اپنی خوابگاہ میں سُلایا۔ جب صبح ہوئی اور ہماری آنکھ کھلی وہ حسینہ شراب کی بوتل جو نفیس تھی میرے لیے لائی۔ میں نے پیا پے اُسمیں سے کئی گلاس چڑھا لئے۔ جب نشہ تیز ہوا تو میرے دماغ میں دوسرے خیالات چکر لگانے لگے۔ میں نے اُس شہزادی کا ہاتھ پکڑ کر اس سے کہنا شروع کیا۔ کہ چلو چار دن دُنیا کی بھی ہوا کھالیں۔ یہاں زندہ درگور کیوں پڑ رہی ہو۔ اُسنے جواب دیا۔ چپ رہو۔ ایسی باتیں نہ کرو۔ مجھے یہیں رہنے دو۔ نو دن تم بھی آجایا کرو اور دسواں دن اُس عفریت کے لیے رہنے دو۔ میں نے پوچھا کیا تم اُس لعین سے ڈرتی ہو تو میں اُسکا طلسم توڑ کر اُسے ابھی نیست و نابود کر دونگا۔ میرا ایک ہی ہاتھ اُس کیلئے کافی ہے خدا اُسے آنے تو دو۔ یہ سُنکر حسینہ ڈری اور اُسنے مجھے سمجھایا۔ کہ زنہار اس طلسم کو نہ چھونا۔ ورنہ ہم دونوں کی جان پر بن جائیگی۔ اُسنے اور بھی بہت کچھ کہا۔ مگر شراب کے نشے نے ایک بھی نہ سُننے دی۔ اور ایک لات مار کر اس طلسم کو میں نے چُور چُور کر ڈالا۔ فوراً محل کانپنے لگا۔ اور قریب تھا کہ گر پڑے۔ یہ حال دیکھکر میرا نشہ ہرن ہو گیا اور میں نے شاہزادی سے پوچھا کہ اب کیا ہوگا۔ اُسنے کہا فوراً جدھر سے آیا ہے اُدھر سے ہی باہر نکل جا اور جان بچالے۔ میں ایسا گھبرا گیا تھا کہ رسّی اور کلھاڑی وہیں بھول آیا۔ اور جیسا بمشکل دو سیڑھیاں چڑھا تھا کہ میں نے دیکھا زمین پھٹ گئی اور اُسمیں سے ایک غضبناک جن نکل آیا۔ اور آکے شہزادی سے پوچھا کہ تجھ پر کیا مصیبت پڑی تھی کہ مجھے اس طرح بُلایا ہے۔ اُسنے جواب دیا کہ مصیبت تو کچھ نہیں صرف تفریح طبع کے لئے تھوڑی سی شراب پی تھی جسکے نشہ نے بے سُدھ کر دیا۔ اور اسی حالت میں میرا پاؤں طلسم پر پڑ گیا۔ اور وہ ٹوٹ گیا۔ یہ سُنکر جن بولا۔ اے فاحشہ! تو بکواس کرتی ہے اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ جب میری رسّی اور کلھاڑی کو وہاں اجنبی پایا تو کہا۔ کہ یہ چیزیں آدمزاد کے سوا اور کسی کی نہیں ہیں۔ جو تیرے پاس آیا تھا۔ شہزادی نے جواب دیا۔ اس سے پہلے میں نے انہیں ہرگز نہیں دیکھا۔ شاید تیرے ساتھ نہ چمٹ آئی ہوں۔ جن نے کہا یہ کیوں بہانے دیتی ہے۔ پھر اُسنے اُسے ننگا کر کے خوب پیٹا جس سے وہ چلّانے لگی۔ اُسکی گریہ و زاری مجھ سے سُنی نہ جاتی تھی۔ آخر میں نے وہ کپڑے اُتار دئے جو بعد حمام کے زیب تن کئے تھے اور اپنے پہلے کپڑے ہی لیکر سیڑھیوں کے راستے باہر نکل آیا اور اپنے تئیں لعنت کرنے لگا

نصف دیہار ہلتی کچھ تو اس میں سے میں کھا لیتا اور کچھ بچا بھی لیتا تھا۔ پورا ایک سال یہی کیفیت رہی ایکدن جب میں حسب معمول جنگل کی طرف لکڑیاں لانے کیلئے گیا اور ایک جھنگی میں جہاں بہت سی لکڑیاں تھیں داخل ہوا۔ اور ایک درخت کو کاٹنے لگا۔ جب اسکے اردگرد کی مٹی دور کی تو ناگاہ تانبے کا ایک کڑہ دکھائی دیا۔ میں نے اسکے گرد سے اور مٹی دور کی تو ایک دروازہ دکھائی دیا۔ جسے کھولا تو ایک زینہ نظر آیا۔ اپنی کلھاڑی اور رسّی سمیت میں اس زینے سے نیچے اتر گیا۔ آگے جا کر ایک اور دروازہ نظر آیا۔ جب میں اور آگے بڑھا تو ایک عالیشان محل دکھائی دیا۔ جس میں ایک حسین عورت جو موتی کے دانہ کی طرح خوشنما تھی بیٹھی ہوئی تھی۔ جس کے دیکھنے سے میرے سارے غم والم دور ہو گئے۔ اسے دیکھتے ہی میں نے سجدہ کیا۔ حسینہ نے مجھ سے دریافت کیا۔ تو انسان ہے یا جن؟ میں نے جواب دیا۔ کہ میں بنی آدم میں سے ہوں۔ پھر اس نے پوچھا۔ اور تو یہاں تک کیسے پہنچا؟ مجھے یہاں رہتے پچیس سال ہونے آئے ہیں۔ مگر میں نے تو آج تک کسی آدم زاد کو نہیں دیکھا؟ جب میں نے اسکی یہ باتیں سنیں تو مجھے وہ بڑی پیاری معلوم ہوئی اور میں نے جواب دیا۔ بی بی! اللہ تعالیٰ نے مجھے یہاں تک پہنچا دیا ہے۔ پھر میں نے اسے اپنی سرگذشت سنا دی۔ میرا حال سنکر اسے افسوس ہوا۔ اور وہ رو پڑی اور کہا شاید میں آخری ہوں جس نے تیری سرگذشت سے اطلاع پائی۔ سُن میں بھی ایک شہزادی ہوں۔ میرا باپ جزیرہ آبنوس کا فرمانروا تھا۔ آج پچیس سال ہوتے ہیں کہ اس نے مجھے اپنے بھتیجے کے ساتھ بیاہ دیا۔ لیکن قبل اسکے کہ شب زفاف میں شوہر سے میری روشناسائی ہو۔ ایک جن جرجریس نامی جو ابلیس کا پوتا ہے مجھے وہاں سے لے اڑا اور یہاں لا کے بند کر دیا اور ہر طرح کے عیش و عشرت کے سامان یہاں لا کے جمع کر دئیے۔ اب دسویں دن وہ یہاں آتا ہے اور صرف ایک رات یہاں میرے پاس رہتا ہے۔ لیکن اس عرصہ میں جب مجھے اُس کو بھی بلانا منظور ہوتا ہے تو ایک طلسم کو جو میری خوابگاہ کے پاس ہی ہے چھو لیتی ہوں اور فوراً آجاتا ہے۔ چار دن ہوئے وہ یہاں سے گیا ہے اور چھٹے روز پھر آئیگا۔ کیا تم میرے پاس پانچ دن تک ٹھہر سکتے ہو؟ لیکن اسکے بعد اسکے آنے سے پہلے تم کو چلا جانا ہوگا۔ میں نے اس دعوت کو کمال مسرت سے منظور کیا۔ پھر وہ مجھے حمام کو لے گئی اور حمام سے فراغت پا کر میں نے شاہانہ پوشاک زیب تن کی۔ پھر ہم دونوں ایک زریں مسند پر آ بیٹھے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ حسینہ نفیس و لذیذ کھانے لے آئی

اسوقت کی بیکسی قابل دید تھی۔ ایک تو منزلوں کا تھکا ماندہ دوسرے زخمی تیسرے اجنبی اور تن تنہا۔ مگر مینے اپنے تئیں گھبرانے سے بچایا اور زخم باندھ کر ایک طرف کا رُخ کیا۔ شام کو ایک پہاڑ کی غار میں سو رہا۔ جب صبح کو جاگا تو بھوک کے مارے بیتاب ہو رہا تھا۔ ناچار جنگل کے کچھ پھل پھول کھا کر آتش شکم کو فرو کیا اور آگے روانہ ہوا۔ پورا ایک مہینہ کئی منزلیں طے کرنے کے بعد آخر ایک بڑے شہر میں گذر ہوا۔ جس کے ارد گرد کئی دریا جاری تھے اور اسلئے وہ ہمیشہ سرسبز و شاداب رہا کرتا تھا۔ اُس شہر کی فضا دیکھکر میں اپنی ساری مصیبتیں بھول گیا۔ اُس وقت میرے کپڑے پھٹے ہوئے تھے زخموں سے نڈھال ہو رہا تھا۔ ایک لمبے سفر نے رنگت زرد کر دی تھی۔ غرض ایسی ہیئت گدائی کی حالت میں میں شہر کے اندر داخل ہوا اس غرض سے کہ اپنے وطن کا راستہ اور فاصلہ دریافت کروں۔ آخر ایک درزی کی دوکان پر پہنچا۔ درزی نے میری وضع کو دیکھکر اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ جب میں بیٹھ گیا تو اس نے پوچھا۔ کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو مینے سارا حال بے کم و کاست سنا دیا۔ درزی نے مجھے سمجھایا۔ کہ آئندہ حال زنہار یہاں کے کسی باشندے سے نہ کہیو۔ یہاں کا حکمران تمہارے باپ کا سخت دشمن ہے۔ اگر اُسے تیرے آنے کی خبر لگگئی تو مبادا تمہارے ساتھ بدسلوک سے پیش آئے۔ مینے درزی کا اس ہدایت کے لئے شکریہ ادا کیا۔ پھر وہ میرے لئے کھانا لایا اور اپنے مکان میں میرے رہنے کو ایک حجرہ بتا دیا۔ جب تین دن تک وہاں ٹھہرنے سے میرا رفع تھکان ہو لیا۔ تو درزی نے مجھ سے دریافت کیا کہ تم کوئی ہنر بھی جانتے ہو جس سے اپنی روزی کما سکو مینے جواب دیا کہ میں ہر طرح کے علوم اور حساب و کتاب میں بخوبی ماہر ہوں۔ درزی بولا یہاں تم انسے کچھ فائدہ نہ اٹھا سکوگے۔ کیونکہ یہاں کے باشندے ان چیزوں کے قدردان نہیں ہیں۔ پھر مینے کہا۔ میں تو اور کچھ بھی نہیں جانتا۔ درزی بولا اگر میرا کہا مانو تو جنگل سے جلانے کی لکڑیاں لاکر شہر میں بیچا کرو۔ چندے اس طرح تم بخوبی بسر اوقات کر سکوگے۔ ازاں بعد کارساز کریم شاید کوئی اور ڈھنگ نکالدے۔ پھر اُس شریف آدمی نے مجھے رسی اور کلہاڑا بازار سے لے دیا اور لکڑہاروں کے سپرد کر دیا۔ میں اُن غریبوں کے ساتھ جنگل کو جاتا اور ایک بڑا گٹھا لکڑیوں کا جنگل سے کاٹ لاتا جسکی قیمت مجھے بازار میں

اور چھ گھوڑے ساز و یراق سے آراستہ کرکے میرے حوالے کئے اور میں خدم و حشم کے ساتھ سمندر
کے راستے ہندوستان کو روانہ ہوا۔ تمام سب لوگ ایک ماہ تک سمندر کے سفر میں رہے اور پھر
خشکی میں اتر کر روانہ ہوئے۔ ابھی تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ راستے میں پچاس مسلح قزاقوں
نے ہمیں آگھیرا۔ ہم نے اُن سے کہا کہ ہم شاہ ہند کے وکیل ہیں اور اُنکے لیے تحائف جا رہے ہیں

تصویر شہزادے کو قزاقوں کے گھیر لینے کی



مگر انہوں نے جھڑک دیا کہ ہم کوئی بادشاہ ہند کے نوکر نہیں یا اُس کا دیا کھاتے ہیں کہ تمہیں خالی جانے
دیں بھلے سے جو کچھ ہے رکھوا کے رکھدو ورنہ جان کو کہ بہت بڑی بیتے گی۔ میرے آدمیوں سے
اُلٹا یہ کرخت جواب سنکر مقابلہ تو خوب کیا۔ مگر ایک کی دو ادو۔ بیچارے کہاں تک لڑ سکتے تھے
سب مارے گئے۔ ایلچی کا بھی کام تمام ہو گیا۔ میں بھی زخموں سے اسقدر نڈھال ہو گیا کہ ٹھہرنے
کی تاب نہ رہی۔ اور ایک گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگا۔ جب دور نکل گیا تو میرے حواس بجا ہوئے
اور میں مشہور کرستان نکلا۔ لیکن میں گھوڑا خشکی کے سبب گر پڑا اور اُسنے فوراً دم توڑ دیا۔ میری

تسخیر ملک کے ارادے سے چڑھ آیا ہے۔ اہل شہر میں چونکہ اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لئے انہوں نے اپنے تئیں اس کے سپرد کیا۔ میں نے سوچا کہ اب تو بڑی بنی۔ اگر میں نے بھی اپنے تئیں اسکے قابو میں دیدیا تو وہ کبھی جیتا نہ چھوڑیگا۔ ناچار میں نے چار ابرو کا صفایا کرایا اور تبدیل لباس کر کے وہاں سے چل نکلا۔ حتیٰ کہ یہاں پہنچ گیا۔ ارادہ تھا کہ کوئی ایسا آدمی ملجائے جسکی وساطت سے امیر المومنین خلیفہ ہارون رشید کے در دولت تک پہنچ سکوں۔ مگر اجنبی ہونیکے سبب حیران تھا کہ اتنے میں یہ دوسرا قلندر مل گیا اور مجھ سے صاحب سلامت کی۔ میں نے کہا تم بھی میری طرح اجنبی معلوم ہوتے ہو۔ اسنے جواب دیا۔ یہ سچ ہے کہ اتنے میں یہ تیسرا قلندر بھی آ پہنچا۔ اور آتے ہی کہنے لگا۔ میں بھی تم دونوں کی طرح اجنبی ہوں۔ اور اسی دم شہر میں وارد ہوا ہوں۔ چونکہ ہم تینوں کا وضع کا طراق ایک ہی سا تھا۔ اسلئے ملکر رہنے کا ارادہ کر لیا اور اب ہمیں رات بسر کرنے کا فکر پیدا ہوا۔ حتیٰ کہ خوش نصیبی آپکے دروازے پر کھینچ لائی۔ اور یہاں ایسا آرام پایا کہ سارا دکھ درد بھول گئے جس کا شکریہ ہم ادا نہیں کر سکتے۔ بی بی! یہ ہے میرا حال۔ زبیدہ نے اس کا قصور معاف کیا اور اجازت دی کہ وہ جہاں چاہے جا سکتا ہے۔ مگر اسنے کہا۔ کہ اگر مجھے یہاں ٹھہر کے باقیوں کا حال سننے کی اجازت دیجائے تو باعث شکرگذاری ہوگا۔ زبیدہ نے اسے مان لیا اور وہ ایک کنارے ہو کر بیٹھ گیا۔ اب دوسرے قلندر کی باری آئی اور اس نے اس طرح سے اپنی سرگذشت بیان کرنی شروع کی۔

دوسرے قلندر کی حکایت

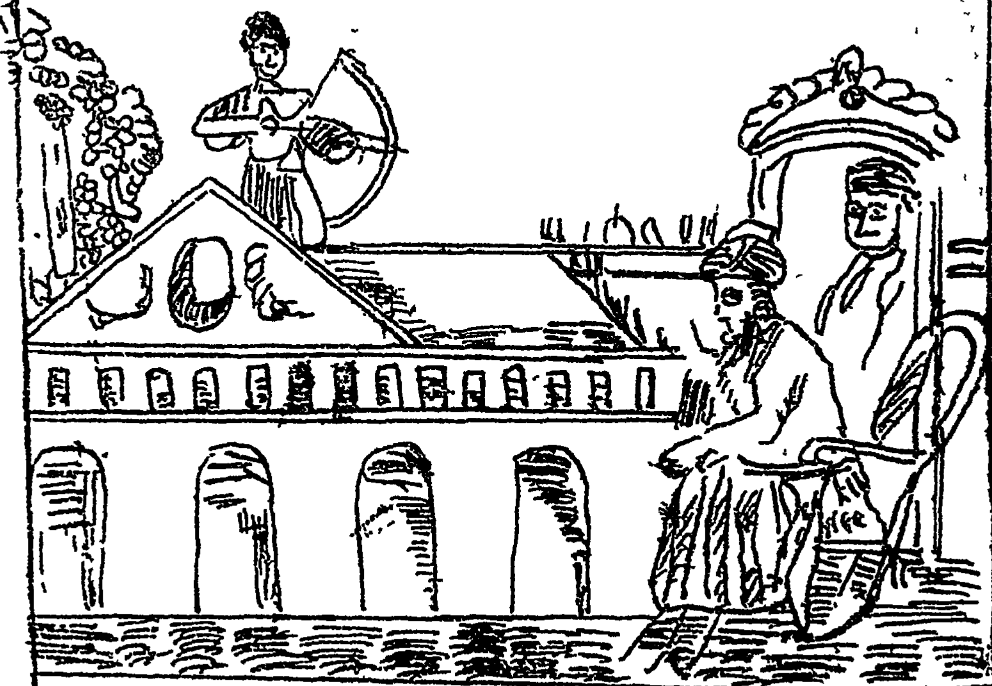
بی بی! میں بھی شہزادہ ہوں۔ اور میرے باپ نے مجھے ہر قسم کے علوم و فنون کی تعلیم دلائی تھی میں نے قرآن مجید حفظ کیا۔ تفسیر اور احادیث میں بھی کمالیت بہم پہنچائی۔ فن شعر اور تاریخ کی بھی تکمیل کی۔ حکمت۔ ہیئت۔ ہندسہ اور ریاضی وغیرہ بھی بخوبی حاصل کئے۔ جبکہ تمام مروجہ علوم میں دستار یگانہ روزگاری حاصل کر لی۔ پھر آئین سیاست۔ ریاست۔ سپہ گری اور خوشنویسی میں بھی کمال حاصل کیا۔ حتیٰ کہ میری قابلیت کے شہرے نے ایک عالم کو تسخیر کر لیا۔ اڑتے اڑتے یہ خبر شہنشاہ ہند تک بھی جا پہنچی اور اسنے میرے باپ کے پاس شاہانہ تحائف بھیج کر میرے دیکھنے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ میرے والد نے مسرت سے مجھے شہنشاہ ہند کی ملاقات کا حکم دیا۔

ہم دونو تبدیل لباس کرکے اس مقبرے کی طرف روانہ ہوئے۔ اور تھوڑی دور جاکر میںنے اس مقبرے
کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور پھر ہم گنبد میں داخل ہوئے اور آہنی دروازہ کھولنا چاہا مگر نہ کھلا۔ کیونکہ
شہزادے نے اُسے اندر بند کر رکھا تھا۔ آخر جب بڑی مشکل سے اُسے کھولا تو پہلے میرا چچا اندر اُترا۔
پیچھے پیچھے میں بھی ہو لیا۔ اندر سے بدبو کی بھبک ایسی آرہی تھی کہ دم بند ہوا جاتا تھا۔ مگر جوں توں
کرکے ہم شہ نشین تک جا ہی پہنچے جس میں شمعدان روشن تھے۔ وہاں ایک حوض بھی دکھائی دیا
جسکے چاروں طرف پینے کی بیشمار اشیاء رکھی پڑی تھیں۔ اُسکے قریب ہی ایک اور شہ نشین دکھائی
دیا جسکے دروازوں پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ چچا زینے سے اوپر چڑھ گئے اور پردہ اُٹھا کر
اپنے بیٹے اور اسکی بیوی کو پلنگ پر ہم آغوش پایا مگر دونوں کا رنگ کالا ہو رہا تھا۔ یہ دیکھکر میرے
چچا نے اُسکے مُنہ پر تھوک دیا۔ اور کہا اے خبیث تو اسی کا مستحق تھا۔ معلوم ہوا کہ دونو ہی مرچکے
ہیں۔ دیکھ یہ تو دنیا کا عذاب تھا مگر عقبیٰ میں اس سے بھی زیادہ سزا پائیگا۔ اسی پر بس نہ کرکے
جوتیاں بھی اسکے مُنہ پر دے ماریں۔ مجھے بڑا رنج آیا اور میںنے پوچھا۔ چچا جان! شہزادے سے
ایسا کیا گناہ سرزد ہوا کہ آپنے غریب کی لاش کی ایسی توقیر کی ہے۔ چچا نے جواب دیا۔ یہ کمبخت
اس سے بھی زیادہ حقارت کا مستحق ہے۔ یہ بچپن ہی میں اپنی ہمشیرہ کو پیار کرتا تھا۔ مگر میںنے
پہلے تو کچھ خیال نہ کیا۔ جب دونو بڑے ہوئے۔ محبت بھی بڑھی تو میںنے تاکید کی کہ کوئی ایکدوسرے کے سامنے
نہ آئے۔ مگر کمبخت لڑکی بھی بھائی سے ناجائز لگاؤ رکھتی تھی۔ اسلئے میرے احکام کا کچھ اثر نہ ہوا۔
حتٰی کہ روسیاہ نے مقبرہ بنوانے کے بہانے یہاں تہ خانہ بنوا لیا۔ اور جب میں شکار کو گیا تھا تو وقت
فرصت کو غنیمت جانکر اُسے لیکے یہاں آرہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے مدت دراز کے لئے ذخیرہ
جمع کر رکھا تھا۔ مگر خدا نے دونو کو بہت جلد کیفر کردار کو پہنچا دیا۔ یہ حال بیان کرکے چچا کے آنسو
ٹپک پڑے۔ اور میں بھی رو دیا۔ جب حال ہلکا ہوا تو آنسو پونچھ کر اس نے مجھے گلے لگا لیا اور کہا کہ
خدا تجھے سلامت رکھے۔ اب تو ہی میرا فرزند ہے۔ یہ سُنکر میں اپنی حالت اور دُنیا کے انقلابات
کو یاد کرکے خوب رویا۔ پھر ہم وہاں سے واپس لوٹے اور مقبرے کو جوں کا توں کر دیا۔ راستے میں
نقاروں اور جنگی باجوں کی آوازیں سُنائی دیں۔ اور گرد و غبار اُڑتا دیکھا۔ دریافت کرنے پر
معلوم ہوا۔ وہی وزیر جس نے میرے والد کو قتل کرکے اُسکا ملک اپنے قبضہ میں کیا تھا۔ اب یہاں بھی

میری آنکھ کے جانے کا سبب یہ ہے۔

پھر ظالم نے مجھے ایک پنجرے میں قید کر کے جلاد کو حکم دیا۔ کہ شہر سے باہر لیجا کر قتل کر دے اور گوشت چیلوں اور کوؤں کو کھلا دے۔ جلاد نے حکم کی تعمیل کی۔ اور جب میرے قتل کا ارادہ کیا تو میں اس کی بہت منت و سماجت کی حتیٰ کہ اسے مجھ پر رحم آ گیا اور اس نے اشارہ کیا کہ اس

تصویر شہزادے کی غلہ لگانے اور وزیر اعظم کی آنکھ پھوٹ جانے کی



سلطنت کی حدود سے نکل جا اور پھر کبھی ادھر مڑنے کا نام نہ لینا میں نے شکریہ ادا کیا اور بے معروف راستوں سے گذر کر بعافیت حدود سلطنت سے حسرت کے ساتھ باہر نکل گیا۔ حتیٰ کہ اپنے چچا کے علاقہ میں جا پہنچا اور اسے اپنی اور اپنے والد کی سرگذشت کی اطلاع دی یہ سنکر وہ بہت رویا اور کہا کہ آگے ہی بیٹے کا غم تھوڑا نہ تھا کہ تو نے مجھے بھائی کے مرنے اور اپنی آنکھ کے جاتے رہنے کی خبر سنا کر اور دو چند کر دیا ہے۔ اس کی زاری دیکھکر مجھے زیادہ تاب نہ رہی اور میں نے ناچار ہو کر سب کیفیت اپنے چچا سے ظاہر کر ہی دی۔ اس پر چچا مجھ سے کہنے لگا۔ بیٹا! تو ٹھیک کہتا ہے۔ اس نے ایک مقبرہ تو بنوایا تھا۔ مگر وہ اسی میں ہوگا میں

مجھے خواب نہ آیا ہو۔ پھر مینے ایک خدمتگار سے پوچھا۔ کہ شہزادہ ابھی تک بیدار ہوا ہے یا نہیں جا کر خبر لے آؤ۔ اسنے واپس آکر جواب دیا۔ کہ وہ تو رات سے ہی غائب ہیں۔ اور کسی کو خبر نہیں کہ وہ کہاں گئے ہیں۔ بلکہ گھر گھر میں پریشانی پھیل رہی ہے۔ جب مینے تصور کیا کہ وہ اسی تہ خانے میں ہو گا۔ تو مجھے بڑا رنج ہوا۔ اور چھپ کر اسی گورستان کو گیا سارا دن میں اس کی تلاش کرتا رہا۔ مگر خدا جانے اسے زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا کچھ پتہ نہ ملا۔ برابر چار روز تک میں اسی طرح سرگردان رہا۔ اور کچھ نشان نہ پایا۔ میرا چچا ان دنوں شکار کو گیا ہوا تھا مینے اس کے انتظار میں سخت رنج اٹھایا۔ آخر میں چچا کے وزیر سے یہ کہکر رخصت ہو آیا۔ کہ جب چچا جان لوٹ آئیں۔ تو انسے میرا آداب عرض کر دینا۔ اور معذرت کر دینا۔ کہ میں خلاف معمول اب کے بہت عرصہ تک ٹھیرا ہوں۔ وزیر بھی شہزادے کے گم ہونے کے سبب بہت غمگین ہو رہا تھا۔ مگر چونکہ میں شہزادے سے راز کو مخفی رکھنے کا وعدہ کر چکا تھا۔ اسلیئے میں اسے شہزادے کے بارے میں کچھ نہ بتا سکا۔ بہرحال میں اپنے باپ کے دارالخلافہ کو واپس آیا۔ اور خلاف معمول دیکھا کہ شہر کے بڑے دروازے پر بہت سے سپاہیوں کا پہرہ دیکھا۔ انھوں نے فوراً مجھے گرفتار کر لیا مینے سبب پوچھا تو انکے افسر نے جواب دیا۔ اے شہزادے یہ فوج وزیر اعظم کی ہے کہ اس نے تمہارے باپ کے مرجانے کے بعد اس وزیر کو بادشاہ بنا لیا ہے۔ اب اسی وزیر کا حکم ہے کہ شہزادہ جہاں ملے پکڑ لاؤ۔ جاسوس تمہیں چاروں طرف ڈھونڈنے کے لیے چلے گئے ہوئے ہیں۔ اب اتفاق سے تم خود بخود پنجے میں آ پھنسے ہو۔ پھر ایک افسر مجھے اس غاصب کے پاس لیگیا۔ جب میں اس کے سامنے پہنچا۔ میرے رنج و الم کا کچھ ٹھکانا نہ تھا۔ وہ کمبخت پہلے ہی سے میرا دشمن تھا۔ اور اس کی عداوت کا سبب یہ تھا۔ کہ ایک دفعہ نادانستگی میں اسکی آنکھ میرے ہاتھ سے پھوٹ گئی تھی مجھے بچپن میں غلیل بازی کا بڑا شوق تھا۔ اور ایکدن میں اپنے محل پر کھڑا تھا کہ ایک چڑیا پاس سے گذری مینے اسے نشانہ بنایا۔ مگر غلیلہ وزیر کی آنکھ میں جا لگا۔ جو اپنے چھت پر کھڑا تھا۔ اسکی آنکھ پھوٹ گئی۔ مینے بہت معذرت کی مگر اس کینہ توز کے دل میں سے کینہ نہ نکلا۔ وہ موقعہ کے انتظار میں تھا جب اس نے مجھے بیبس قابو پایا تو نہایت غصہ سے دوڑ کر اپنی انگلی سے میری دائیں آنکھ پھوڑ ڈالی۔ بی بی!

سابق کی نسبت مجھ سے زیادہ محبت کی۔ پھر دعوت کا سامان بڑے وسیع پیمانے پر کیا اور بڑے بڑے دلکش تماشے دکھلائے۔ پھر خاصہ طلب کیا گیا اور اُس سے فراغت پاکر اُس نے مجھے کہا۔ کہ میں نے تمہارے جانے کے بعد ایک نہایت خوشنما مکان بنوایا ہے۔ چنانچہ اب وہ بالکل تیار ہو چکا ہے۔ اب میرا ارادہ اس میں شب خوابی کا ہے۔ تم اُسے دیکھکر خوش ہوگے مگر پہلے حلف اُٹھاؤ کہ اس راز کو کسی پر ظاہر نہ کروگے۔ میں نے بے تامل قسم کھائی۔ اسکے بعد اُس نے مجھ سے کہا۔ ٹھہرو۔ میں ابھی آتا ہوں۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد ایک حسینہ کو اپنے ہمراہ لے آیا۔ اور ہم تینوں اِدھر اُدھر کی باتوں میں مشغول رہے۔ لیکن نہ ہی میں نے اُس عورت کا حال دریافت کرنا مناسب سمجھا۔ اور نہ ہی اُس نے مجھے اطلاع دی۔ حتیٰ کہ شہزادہ بولا۔ اب ہمیں زیادہ دیر تک یہاں نہ ٹھہرنا چاہئے۔ یہ کہکر اُٹھا اور مجھ سے کہا کہ تم اس بی بی کو ہمراہ لیکر فلاں قبرستان کی طرف چلو۔ اور جہاں کہیں نئی قبر گنبد نما دکھائی دے۔ سمجھ لینا کہ اس مکان کا دروازہ وہی ہے۔ جس کا ذکر ابھی میں نے تم سے کیا تھا۔ تم دونوں وہاں پہنچکر میرے آنے کا انتظار کرنا۔ مگر بھائی یہ دیکھو یہ راز کسی پر نہ کھلے۔ میں اُسی عورت کو ہمراہ لیکر اپنے بھائی کے بتائے ہوئے پتے پر روانہ ہوا۔ اور چاندنی میں وہاں جا پہنچا۔ دیکھا کہ شہزادہ پانی کا لوٹا اور چونے کی ٹوکری لیکر آگے ہی وہاں پہنچ چکا ہے۔ اُسنے تھوڑے سے قبر کی مٹی نکالی۔ اور پتھروں کو اُٹھاکر کنارے لگایا۔ سب پتھروں کو نکال چکنے کے بعد زمین میں ایک بڑا سا سوراخ کیا۔ جہاں سے ایک مخفی دروازے پر نظر پڑی۔ اُس نے اُسے کھول دیا۔ اور پھر ایک چکردار زینہ دکھائی دیا۔ شہزادے نے اُس عورت کو اشارہ کیا کہ یہی راہ اُس مکان میں جانے کی ہے۔ وہ عورت فوراً نیچے اُتر گئی۔ اور شہزادہ بھی اُس کے پیچھے پیچھے چلا۔ اور مجھ سے کہا۔ میں تمہارا نہایت ہی ممنون اور مشکور ہوں۔ اور اب میں تم سے رخصت ہوتا ہوں خدا حافظ۔ مگر دروازے پر مٹی ڈالدینا۔ اور جس راہ سے تم آئے تھے۔ اُسی راہ سے واپس چلے جانا۔ میں نے بہتیرا پوچھا کہ تم کہاں جاتے ہو۔ مگر اُس نے کچھ نہ بتایا۔ ناچار میں اس کام کو انجام دیکر اپنے چچا کے محل کو لوٹ آیا۔ اور درد سر کے سبب اپنے مکان پر جاکر سو رہا۔ صبح کے وقت رات کی سرگذشت پر مجھے بڑا تعجب آیا اور خیال کیا۔ کہ

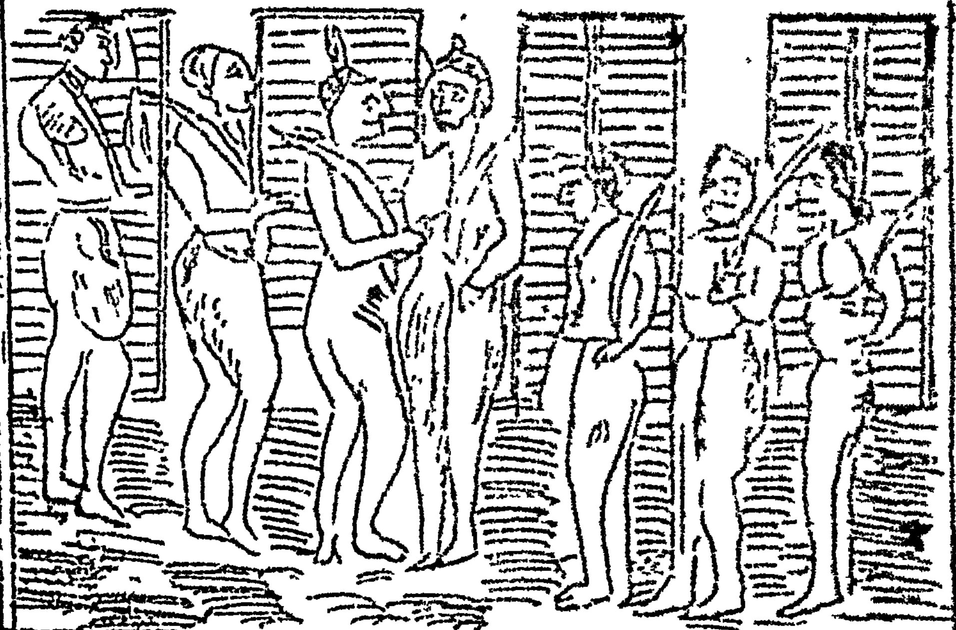
حاصل کرے۔ اس مصیبت کے بعد ہم نے ڈاڑھی اور مونچھوں کا صفایا کرلیا۔ اور قلندر بن گئے
دوسرے قلندر نے بھی استفسار پر یہی جواب دیا۔ مگر جب زبیدہ تیسرے کی طرف آئی۔ تو اُس
نے اسکے علاوہ کچھ اور بھی کہا۔ کہ بی بی! ہم تینوں عظیم القدر بادشاہوں کے لڑکے ہیں جنکے
نام سے گردو نواح میں ہیبت چھائی ہوئی ہے اور آج ہی شام کو ہمیں ایک دوسرے کی ملاقات
نصیب ہوئی ہے۔ ورنہ ہم تو آپس میں اجنبی ہیں۔ زبیدہ نے حبشیوں کو اشارہ کیا کہ ان
تینوں کی مشکیں کھولدیں تاکہ وہ اپنا اپنا حال بسہولت سنا سکیں اور جو شخص اپنا حال سناتا
جائے وہ جہاں چاہے جائے۔ لیکن جو شخص حال سنانے سے گریز کرے اسکی گردن اڑادو
پھر ساتوں کے ساتوں دالان میں قالین پر بیٹھ گئے اور ہر ایک کے سر پر ایک ایک حبشی ننگی
تلوار لیکر کھڑا ہو گیا۔ سب سے پہلے مزدور نے مختصر طور پر بیان کیا۔ بی بی! میں یہیں کا رہنے
والا اور مزدوری پیشہ آدمی ہوں۔ اور آپ کے گھر آنے کا سبب یہ ہے کہ آج دن کے وقت
میں اپنا ٹوکرا لیے بازار میں کھڑا تھا کہ کوئی مزدوری کے لیے بلائے کہ اتنے میں آپ کی بہن گئی
اور اس نے مجھے بلایا۔ بازار میں سے ہر قسم کی اشیا لیں۔ اور میرے سر پر رکھوا کر گھر میں لے
آئی۔ اور آپ نے برائے غربا نوازی مجھے ابتک یہاں رہنے دیا جسے میں کبھی نہ بھولوں گا۔
میری سرگذشت بس اتنی ہے۔ زبیدہ نے یہ سنکر حکم دیا۔ کہ بس اب اپنے گھر کو چلا جا اور پھر کبھی یہاں
نہ آنا۔ مزدور نے منت کی کہ اگر ارشاد ہو۔ تو تھوڑی دیر ٹھہر کے میں ان لوگوں کے حالات بھی سن لوں
جیساکہ انہوں نے میرا حال سنا ہے۔ پھر وہ زبیدہ کے اشارے سے دالان کے ایک گوشے
میں کھڑا ہو رہا۔ اس کے بعد ایک قلندر نے اپنا حال یوں بیان کرنا شروع کیا:-

پہلے قلندر کی حکایت

بی بی! میں ایک جلیل القدر بادشاہ کا بیٹا ہوں۔ میرا چچا بھی میرے باپ کے ہمسایہ ملک میں عظیم
الشان بادشاہ تھا۔ اس کے دو فرزند تھے۔ ایک لڑکا جو میرا ہمسن تھا اور ایک لڑکی۔ میں باپ
کی اجازت سے سال میں ایک دفعہ چچا کی ملاقات کے لئے جایا کرتا تھا۔ اور دو ایک ماہ وہاں
رہ کر واپس آجاتا تھا۔ اس آمد و رفت سے میرے اور میرے چچیرے بھائی کے درمیان
نہایت محبت ہو گئی۔ ایک دفعہ میں نے اسے نہایت مسرور پایا اور یوں بھی اُس نے

ہوا۔ جنگی بدولت خدا جانے کس قدر شہر ویران اور لوگ برباد ہوئے ہونگے۔ للّٰہ میرے حال پر رحم کیجیے۔ جس غریب کو عنایت کر کے سرفراز کیا ہو۔ اُس کی گردن مارنا انصاف سے دُور ہے۔ زبیدہ و مسرور کے زارنالے سنکر غصّہ کے باوجود ہنس دی۔ اور سب سے کہا کہ تم میں سے ہر ایک شخص اپنا صحیح صحیح حال بیان کرے کہ وہ کہاں کا رہنے والا ہے اور کیا فضل و کمال رکھتا ہے۔ نیز اُس کے یہاں آنے کا کیا سبب ہے۔ اگر کوئی شخص ذرا بھی جھوٹ بولے تو بیشک

تصویر رسالت حبشی کی تلوار ہاتھ میں لیکر نکلنے کی



اُسکی گردن ماری جائیگی۔ خلیفہ نہایت بیتاب ہوا کہ اس غضبناک عورت کے ہاتھ سے چھوٹنا دشوار ہے اور سوچا کہ اگر میں اسے اپنے رتبے پر اطلاع دیدوں تو یقیناً مجھے چھوڑ دیگی۔ پھر اُس نے وزیر سے بھی اس بارے میں مشورت کی۔ مگر عقلمند مشیر نے اپنے آقا کی عظمت کو ہاتھ سے نہ دینا چاہا۔ اتنے میں زبیدہ نے تینوں قلندروں سے دریافت کیا کہ کیا وہ تینوں بھائی ہیں۔ مگر ایک نے اُن میں سے جواب دیا۔ بھائی نہیں۔ بطریق البتہ ہیں۔ اور ایک ہی وضع سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ پھر پوچھا کیا پیدائشی کانے ہوئے تھے۔ جواب ملا۔ نہیں محض ایک حادثے کے سبب ہمارا یہ حال ہوگیا ہے جو سننے اور لکھ رکھنے کے قابل ہے تاکہ ہر شخص اس سے عبرت

داغ پڑے ہوئے دکھائی دئیے وہ سب حیران ہوئے کہ ایسی نازنین کو کس بے رحم نے مارا ہوگا۔ جب امینہ بالکل بے اختیار ہوکر پڑنے کو ہوئی۔ تو زبیدہ اور صافی نے اٹھ کر اسے تھام لیا۔ اتنے میں ایک قلندر بولا۔ اس سے تو یہی اچھا تھا کہ ہم رات جنگل ہی میں گذار لیتے۔ حیرانی ہے کہ یہ حال اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور پوچھ نہیں سکتے۔ خلیفہ نے بھی اسکے قریب جاکر پوچھا کہ تمہیں کچھ حال اس راز کا معلوم ہے؟ قلندر بولا ہم تو آج سے پہلے اس مکان میں کبھی آئے ہی نہیں۔ اس راز کو کیا جانیں؟ خلیفہ کی حیرانی اور بھی بڑھ گئی اور اسنے مزدور کو بلاکر پوچھنا چاہا مگر اسنے بھی کانوں پر ہاتھ رکھا کہ میں بھی تمہاری طرح آج ہی اس مکان میں آیا ہوں۔ پھر خلیفہ نے صلاح کی کہ ہم سات آدمی ہیں۔ اور یہ تین عورتیں اگر ان سے باصرار دریافت کریں۔ اگر وہ سب حال بتاویں تو اچھا ورنہ بزور ہی سہی۔ وزیر جعفر التجا کرنے لگا کہ حضور عہد شکنی نہ فرمائیں صبح قریب ہے میں ان تینوں کو حضور میں حاضر کرونگا۔ اس وقت پوچھ لیجئے گا۔ مگر خلیفہ نے نہ مانا۔ اور وہ قلندروں سے پوچھنے کی فرمایش کرنے لگا۔ مگر جب انہوں نے ایک بھی نہ سنی تو ناچار سب نے مزدور کو آمادہ کرلیا کہ تم جاکر پوچھو۔ زبیدہ نے اتنے میں انکی سرگوشیوں کو دیکھ لیا۔ اور پوچھنے لگی کہ تم آپس میں کیا باتیں کر رہے ہو۔ مزدور نے عرض کی۔ بی بی! یہ بھلے آدمی چاہتے ہیں کہ براہ عنایت آپ انہیں کتیوں کو بے رحمی سے مارنے اور امینہ کے شانوں پر سیاہ داغوں کے ہونے کا سبب بتاویں۔ زبیدہ سخت برافروختہ ہوئی۔ اور سب سے پوچھا کیا یہ سچ ہے؟ سب نے کہا کہ ہاں! ہم نے ہی اس سے پوچھنے کی فرمایش کی تھی۔ مگر وزیر چپ رہا۔ زبیدہ اور بھی برہم ہوگئی افسوس! تم نے عہد شکنی کی۔ اب میں تمہارا کوئی عذر نہ سنونگی اور نہ ہی برائی کا خیال کرونگی۔ ہم نے تمہیں اپنے گھر جگہ دی۔ اور ما حضر جو ہمیں میسر آسکتا تھا تمہیں کھلایا۔ مگر افسوس تم نے اپنے قول کا کچھ پاس نہ کیا۔ یہ کہکر زمین پر زور سے پاؤں مارا اور تین دفعہ دستک دیکر کہا جلد آؤ۔ اسکے یہ کہتے ہی دالان کا ایک دروازہ کھل گیا اور اندر سے سات حبشی غلام قوی ہیکل ہاتھوں میں ننگی تلواریں لئے باہر نکل آئے۔ اور ہر ایک نے ایک ایک کو پچھاڑ کر اسے قتل کردینے کے لئے اجازت طلب کی۔ مگر زبیدہ نے کہا ذرا ٹھہرو پہلے ہم ان سے ان کا کچھ حال پوچھ لیں۔ پھر ہر ایک سے اسنے پوچھنا شروع کیا۔ مزدور نے گریہ وزاری کرکے کہا۔ خدا کے لئے مجھے بخشدو۔ میں بالکل بیگناہ ہوں۔ افسوس! میں کیسے آرام میں تھا۔ ان کانے قلندروں کی بدولت میں بھی اس شامت میں گرفتار

انہیں باندھے آیا۔ سب نو وارد اس کیفیت کو دیکھ کر حیران تھے۔ مگر حسب وعدہ کوئی پوچھنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ خلیفہ تو نہایت ہی بیتاب تھا لیکن وزیر جعفر نے اسے بمشکل روکا۔ پھر زبیدہ دالان میں اس وضع سے بیٹھی کہ خلیفہ کا قافلہ اس کے دائیں طرف تھا۔ اور قلندر بائیں طرف تھے۔ پھر صافی اس چوکی پر بیٹھ گئی جو دالان میں بچھائی گئی تھی۔ اور امینہ سے کہا کہ اٹھو۔ تم میرا مطلب خوب جانتی ہو۔ امینہ اٹھ کر ایک دوسرے حجرے میں گئی۔ اور وہاں سے ایک صندوقچی اٹھا لائی۔ جو زرد والا ساٹن سے منڈھی تھی اور غلاف اس کا سبز کارچوبی تھا۔ اور اس میں سے نے نکال کر صافی کو دی۔ جسے اس نے منہ سے لگاتے ہی ایک فراقیہ گیت گانا شروع کیا۔ کیا خلیفہ اور کیا قلندر سب کو وجد طاری ہو گیا پھر اس نے وہ بانسری امینہ کو دی۔ کہ اب تم گاؤ۔ میں تھک گئی ہوں۔ امینہ نے بانسری اس کے ہاتھ سے لے لی۔ اور ایک فراقیہ مضمون کچھ ایسے لہجے کے ساتھ گایا۔ کہ وہ خود محو شوق ہو کر راگ کو ختم بھی نہ کر سکی زبیدہ نے اس کے گانے بجانے کو روکا اور کہا۔ اب تمہارا حال متغیر معلوم ہوتا ہے۔ اب تم نہ گاؤ۔ مگر امینہ بیکل بیہوش ہو گئی اور اسی حالت میں اس نے اپنا پیراہن اتار کر پھینک دیا اور سب کو اس کے شانوں پر سیاہ

تصویر صافی اور امینہ کی بانسلی بجاتے ہوئے اور خلیفہ اور قلندروں کا وجد میں آنا



اجازت دو تو رات یہیں پڑ رہیں اور علی الصباح اٹھکر سرا کو چلے جائیں۔ اگر شریک صحبت کرو تو زہے نصیب کیونکہ ہم گانے بجانے میں بھی تینوں خوب ماہر ہیں۔ صافی نے سوچا یہ خاص آدمی لیاں میں سے ہیں۔ اسلیئے انہیں دروازے پر ٹھہرا کر اندر پوچھنے گئی۔ زبیدہ نے از راہ ترحم انہیں لے آنے کی اجازت دی۔ جب وہ تینوں اندر آئے۔ اور بڑے ادب سے سلام کرکے ایک طرف بیٹھ گئے۔ تو زبیدہ نے کہا۔ گستاخی معاف۔ مگر ایک بات کا خیال رکھنا کہ ہمارے کسی امر میں دخل نہ دینا۔ ورنہ آپ کو انجام میں ملال اٹھانا پڑیگا۔ وزیر بولا۔ بی بی! ہمیں کیا ضرورت ہے۔ اس عہد و پیمان کے بعد انہیں بھی اکل و شرب کی تواضع کی گئی۔ خلیفہ اُن عورتوں کے حسن و جمال اور قلندروں کے ایک ہی آنکھ سے کانے ہونے کو دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ وہ اُن عورتوں کی دانش پر بھی متحیر تھا اور اس بارے میں کچھ پوچھنا چاہتا تھا مگر ساتھ والے مانع آئے کہ اتنے میں ایک قلندر نے اپنے ملک کی وضع پر ناچنا شروع کیا۔ سب نے اسے پسند کیا۔ اور یونہی باری باری سب قلندروں کا ناچ ہوا۔ اس کے بعد زبیدہ اٹھی اور امینہ سے کہا کہ یہ سب اہل محفل ہمارے تابع ہیں۔ تو ہم کیوں نہ اپنے روزانہ معمول کو انجام دیں۔ امینہ اُس کا اشارہ سمجھ گئی اور خورد و نوش کا سارا سامان اکٹھا کر لیا۔ صافی نے اس کمرے کو صاف کر دیا اور تینوں قلندروں کو ایک دالان میں بیٹھ رہنے کا حکم دیا۔ دوسرے مقابل کے دالان میں خلیفہ اور اس کے ساتھیوں کو آرام کرنے کی ہدایت ہوئی۔ اور مزدور کو کہا کہ اٹھکر اُن کی کچھ مدد کرے۔ اس نے آستینیں چڑھالیں اور حکم کا منتظر رہا۔ پھر امینہ نے وہاں ایک چوکی لا بچھائی۔ اور مزدور کو اپنے ہمراہ لیجا کر قریب کے دالان سے دو کالی کتیاں نکال لائی۔ کہ ہر ایک کے گلے میں زنجیر سے بندھے ہوئے پٹے پڑے تھے مزدور انہیں چوکی کے پاس لایا۔ انہیں دیکھکر زبیدہ اٹھی۔ اور ٹھنڈا سانس بھر کر آستین چڑھا کے صافی کے ہاتھ سے چابک لے لی اور مزدور کو کہا کہ ایک کتیا امینہ کو دیدے اور دوسری میرے پاس لے آ۔ مزدور نے جب تعمیل حکم کیا تو زبیدہ نے نہایت بیدردی سے کتیا کو مارنا شروع کیا حتیٰ کہ اسکا سانس پھول گیا۔ کتیا اسکے پاؤں میں سر دیکر چلاتی تھی مگر وہ ایک نہ سنتی تھی۔ جب اپنا معمول پورا کر چکی تو اُسکے اگلے پنجوں کو پکڑ کر خوب روئی۔ پھر رومال سے اُسکے آنسو پونچھے اور خوب پیار کیا اور مزدور سے کہا کہ اب دوسری کو لائے۔ وہ دوسری کو لایا تو اس سے بھی اسی طرح پیش آئی۔ جب وہ فراغت حاصل کر چکی تو مزدور کو وہیں باندھ آنے کا اشارہ کیا۔ جہاں سے انہیں لایا تھا۔ وہ اسی حجرے میں

رات کے وقت بھیس بدلکر رعایا کا حال اپنی آنکھوں دیکھا کرتا تھا۔ اُس وقت بھی وہ اُس لباس میں پھر رہا تھا۔ جب زبیدہ کے دروازہ پر پہونچا تو خلاف معمول شور وغل سُنکر ٹھہر گیا۔ اُسکے ساتھ وزیر جعفر اور خواجہ سرا مسرور بھی بھیس بدلے ہوئے تھے اور وہ سب اُس وقت سوداگروں کے لباس میں تھے۔ خلیفہ نے وزیر کو اشارہ کیا۔ کہ دروازہ کھلواؤ۔ وزیر نے دروازے پر دستک دی صافی بھر دوڑی آئی اور دروازہ کھولا۔ وزیر اُس کی وجیہہ صورت دیکھکر متحیر سا رہ گیا اور یہ طرز شائیت التجا کی۔ کہ بی بی! ہم تینوں سوداگر موصل کے رہنے والے ہیں۔ تین دن گذرے۔ کہ اسباب تجارت ہمراہ لیکر یہاں وارد ہوئے اور ایک سرائے میں اُترے ہیں۔ آج رات ایک سوداگر کے ہاں ہماری دعوت تھی۔ اُسنے بڑے تکلف کا کھانا کھلایا اور شراب پلاکر ناچ رنگ کا جلسہ جمایا۔ رات بہت گذر چکی تھی کہ شور وغل کی آواز سُنکر کوتوال اندر گھس آیا اور مجلس کے کئی آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔ ہم خوش نصیبی سے ایک دیوار پھاندکر بچ نکلے۔ مگر شراب چونکہ اندازے سے زیادہ پی لی تھی۔ اور تھے اجنبی۔ اندیشہ کیا۔ کہ کہیں رستے میں گرفتار نہ کر لئے جائیں۔ یہاں پہنچکر آپ کے ہاں گانے بجانے کی آواز آئی تو دستک کر دی۔ اگر

تصویر زبیدہ و امینہ و صافی اور تین کانے قلندروں اور خلیفہ و جعفر و مسرور خواجہ سرائی



زبیدہ نے کہا۔ سچ ہے۔ مگر انہیں سمجھا دینا کہ ہمارے کاموں میں خواہ نخواہ دخل مت دیں۔ ادہر
دروازے کا کنڈا بھی بجا دیا۔ صافی یہ حکم پاکر ان کانے قلندروں کو سمجھا بجھا کر ہمراہ لے آئی اور انہوں
نے آتے ہی امینہ اور زبیدہ کو سلام کرنے کے بعد حمّال کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ یہ شخص عرب ہو کر
خلاف شرع شراب پی رہا ہے۔ اسے شرم نہیں آتی۔ مزدور رنجیدہ ہو کر بولا۔ مگر تم لوگوں نے

تصویر مسافران یک چشم ستردہ لحی



خلاف شرع مونچھیں ڈاڑھیاں کیوں منڈوا رکھی ہیں۔ تم اوّل مجھ کو ملامت کرنے سے پہلے اپنی تو خبر
لے لیتے۔ لیکن ان تینوں بہنوں نے تکرار بڑھنے نہ دی اور تینوں نو وارد مہمانوں کو کھانا کھلا کر
شراب پلائی۔ جب وہ خود مست ہوئے تو بجانے کے لیے کوئی ساز مانگا۔ صافی نے طبلہ اور بانسلی وغیرہ
لا دیں۔ تینوں لیکر وہ بجانے لگے اور تینوں بہنیں انکے ساتھ سُر ملا کر گانے میں مشغول ہو گئیں۔ تھوڑی
دیر تک خوب دھما چوکڑی مچی۔

شہرزاد یہاں تک پہنچکر بولی۔ بادشاہ سلامت! یہ زمانہ خلیفہ ہارون رشید کا تھا اور وہ

راز کو پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔ لکھا ہے کہ عقلمندوں سے بھی کبھی راز کو نہ چھپانا چاہئیے۔ غرض جس نے
راز کہا گویا پنجرے میں کسی چیز کو بند کرکے چابی کو کھو دیتا ہے۔ زبیدہ کو جب معلوم ہوا کہ مزدور
زبان کشیدہ ناتراش ہی نہیں۔ تربیت یافتہ بھی ہے تو اُسے شریک صحبت کرنے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن ا
را ہو خوش طبعی بولی۔ کہ تو جانتا ہے کہ ہمارا اس سامان پر کس قدر خرچ آیا ہے۔ سب کچھ خرچ کرکے بیٹھے
پھر تم کو شامل کر لیں۔ ہاں اپنے کچھ ہو تو بسم اللہ۔ یہاں بھی تامل نہیں ہے۔ حال یہ سنکر باہر جانے
کو ہی تھا۔ امینہ نے اس کی سفارش کی جو اسے ساتھ لائی تھی۔ اور کہا کہ یہ تماطر ثابت ہوگا۔ بہ
خاطر نہیں بنے گا۔ اسلئے اسے روک لو۔ یہ بڑا خوش طبع ہے اور راستہ بھر ہنسا تا آیا ہے۔
مزدور یہ سفارش سنکر خوش ہو گیا۔ اور وہی ایک دینار جو ابھی اُسے اُجرت میں ملا تھا جیب سے نکال کر
پیش کیا۔ کہ اس وقت میرا جیب یہی ہے۔ مگر زبیدہ نے مسکرا کر وہ دینار اسے لوٹا دیا۔ اور فرمایا
کہ ایک شرط سے تو ہمارے ہاں رہ سکتا ہے۔ جو امر ہم تیرے سامنے کریں اُسے پوچھنا مت
پھر امینہ نے ہر طرح کے اکل و شرب کے سامان دسترخوان پر چن دیئے اور تینوں بہنیں دسترخوان
پر آ بیٹھیں۔ مزدور کو بھی شریک طعام ہونے کا اشارہ ملا۔ اور وہ بھی ان پر یکی ایک پہلو سے بہرا
بیٹھ گیا۔ اس وقت اس کی مسرت کی حد نہ تھی۔ راحت اندر بیٹھا تھا۔ کھانا کھا کر شراب کا دور
چلا اور غریب مزدور یہ کہکر کہ گر بار مئے پلا ئے تو پھر کیوں نہ پیجئے وہ قدح مئے کو
غٹ غٹ کرکے چڑھا گیا۔ اور ایک پُرلطف گیت گایا۔ جسے تینوں بہنوں نے پسند کیا۔ اور پھر
باری باری گانا بجانا ہونے لگا۔ رات بہت جا چکی تھی کہ صافی بولی۔ بہنو! اب مزدور سے کہو کہ
اپنے گھر جاؤ۔ یہ سنکر اس غریب کا سارا نشہ ہرن ہو گیا۔ اور بولا کہ میں اس وقت کہاں ٹکریں مارتا
پھروں گا۔ ایک نشے میں ہوں اور دوسرے رات اندھیری ہے۔ خدا کے لئے مجھے کسی کونے میں
پڑا رہنے دو۔ امینہ نے پھر اس کی سفارش کی کہ غریب سچ کہتا ہے۔ ایسے وقت میں وہ کہاں مارا مارا
پھریگا۔ زبیدہ نے کہا۔ ہاں! مگر ایک خیال رکھنا کہ ہمارے کاموں میں اگر دخل دوگے تو اس کا نتیجہ
ٹھیک نہیں ہوگا۔ جاؤ وہاں کونے میں پڑ رہو۔ اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی اور صافی اندر نے
کر دروازہ کھولنے گئی۔ دیکھا کہ تین درویش یک چشم و یک وضع دروازے پر کھڑے ہیں اور رات
بسر کرنے کے لئے التجا کرتے ہیں۔ وہ اُلٹے پاؤں واپس آئی اور اپنی دو بہنوں سے رائے طلب کی

تصویر بانیہ کی مع تصویر صافی اور مزدور کے



رہا تھا کہ اس گھر میں تینوں عورتوں کے سوا کوئی آدمی کیوں دکھائی نہیں دیتا۔ لیکن اسباب خورش انہوں نے اسقدر منگوایا ہے کہ تیس آدمیوں کو کافی ہو سکتا ہے۔ یہ بات کیا ہے۔ اُسے تامّل میں پاکر زبیدہ نے پوچھا کیا اُسے اُجرت تھوڑی ملی ہے۔ مزدور نے جواب دیا۔ بلکہ زیادہ ملی۔ لیکن ایک عرض ہے اگر گستاخی پر محمول نہ کیجائے۔ میں آپ کے درمیان کسی مرد حسین کو نہیں دیکھتا جو میرے لیئے تعجب کا باعث ہے۔ وہ اِسپر خوب ہنسی اور کہا۔ اے دوست تو اپنی نادانی کی باتوں کو اپنے پاس ہی رکھ۔ ہم تینوں بہنیں اپنے اسرار سے کسی چھوٹے کو آگاہ کرنا پسند نہیں کرتیں۔ کیونکہ عقلمندوں نے اخفائے راز کے لیئے تاکید کی ہے۔ حمّال بولا بی بی یہ مجھے بھی معلوم ہے کہ آپ کی دُور اندیشی اور نکتہ سنجی میں کلام نہیں۔ لیکن آپ مجھے بھی شک باطن نہ پائینگے۔ کیا کروں۔ میں اپنے پیشے کے ہاتھوں مجبور ہوں جو ذلیل تصور کیا جاتا ہے مگر آپکو خیال رکھنا چاہیئے کہ میں نے بھی علوم و فنون کی بیشمار کتب مطالعہ کی ہیں۔ اور میں جانتا ہوں کہ کیونکہ

بڑا سا ٹوکرا سامنے رکھے بازار میں بیٹھا تھا کہ ایک حسینہ عورت نے اُسے بلوایا۔ مزدور نے ٹوکرا اُٹھایا اور حسب الحکم اُسکے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ حسینہ نے آگے بڑھ کر ایک بند دروازے پر دستک دی۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ایک سفید ریش بزرگ نصرانی شکل نے آکر دروازہ کھولا۔ حسینہ نے کچھ روپے اُسکے ہاتھ پر رکھ دیئے اور نصرانی نے نفیس شراب کی ایک مٹکیا لاکر اُسکے حوالے کر دی جسے حسینہ نے مزدور کے ٹوکرے میں رکھا۔ پھر وہ بازار میں آئی اور انواع و اقسام کے میوے طرح طرح کے پھول خوشبودار عطریات شیرینی ہر قسم۔ لذیذ گوشت۔ خشکہ و تر مصالح۔ غرض ہر قسم کے ضروریات خریدیں حتیٰ کہ ٹوکرے میں کچھ گنجایش نہ رہی۔ تو مزدور مزاحاً بولا۔ اگر مجھے خبر ہوتی تو اپنا گھوڑا ساتھ ہی لے آتا۔ الغرض اس نے ٹوکرا اُٹھا کر سر پر رکھا اور اُس عورت کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ بہت سے گلی کوچے طے کرنے کے بعد وہ ایک عالیشان حویلی کے دروازے پر پہنچے جسکی پیشانی بیل بوٹوں سے آراستہ تھی اور دروازوں میں ہاتھی دانت جڑا ہوا تھا۔ عورت نے وہاں دستک دی اور مزدور سوچنے لگا کہ یہ گھر کی مالکہ ہے یا کنیز۔ مگر وہ کچھ فیصلہ نہ کر سکا۔ چاہتا تھا کہ پوچھے۔ اتنے میں دروازہ کھلا۔ اور ایک اور عورت چندے آفتاب و چندے مہتاب نظر آئی۔ جسے دیکھ کر وہ بیخود ہو گیا اور قریب تھا کہ بوجھ اُس کے سر سے گر پڑے مگر جو عورت اُسے ہمراہ لائی تھی وہ تماشا دیکھتے آگے گئی اور دوسری نے کہا۔ تم دیکھتی نہیں غریب بوجھ سے دبا جا رہا ہے۔ اسے گھر میں پہنچا کر جلدی سے بوجھ اُتروا لے۔ غرض وہ دروازہ بند کر کے اور مزدور کو ساتھ لیکر اندر آئیں جس کے اندر چاروں طرف بیل پاؤں کے برآمدے بنے ہوئے تھے۔ اور ایک طرف دیوان خاص میں سنگ مرمر کے مرصع تخت پر ایک اور حسینہ بصد شان و تمکنت بیٹھی ہوئی تھی جس پر نظر پڑتے ہی حمال کے حواس ایسے اُڑ گئے۔ اگرچہ وہ غیر معمولی بوجھ اٹھانے کے باعث تھک گیا تھا۔ مگر اس عورت کو دیکھ کر سب کچھ بھول گیا۔ تخت والی حسینہ نے باقی دونوں کو حکم دیا کہ جلدی مزدور کے سر سے بوجھ اُتروا لیں۔ چنانچہ اُنہوں نے ٹوکرا اُتروا لیا اور ایک دینار اُجرت کا اُسکے حوالے کیا۔ مزدور نہایت خوش ہوا۔ مگر ان تینوں عورتوں کے دیدار سے اس کی سیری نہ ہوتی تھی۔ اُسے معلوم ہو گیا کہ اسکو لانے والی کا نام امینہ ہے۔ دروازہ کھولنے والی اور تخت نشین کا زبیدہ ہے۔ وہ یہ بھی جان

اُسے سینے سے لگا کر تسلی دی کہ شکر کرو۔ اس بدذات کے ہاتھ سے تم بستے چھوٹ گئے۔ حاکم جزائر سیاہ نے اُسے ہزاروں دعائیں دیں۔ اور دو زانو ہو کر درگاہِ والا کا شکرگذار ہوا۔ جوان نے کہا۔ کیا اب آپ اپنے شہر کو لوٹ جائیں گے۔ بادشاہ نے جواب دیا۔ ہاں! آؤ تم بھی چلو۔ ماحضر تناول فرما کر واپس چلے آنا۔ جوان نے کہا۔ شاید آپ خیال کرتے ہونگے کہ آپ کا ملک یہاں سے قریب ہی ہے۔ مگر نہیں وہ یہاں سے پورے سال بھر کی راہ ہے۔ یہ تو اسی جادوگرنی کا کرشمہ تھا۔ کہ میری مملکت کو آپ کے متصل کر دیا۔ تاہم دور و نزدیک کی کچھ پرواہ نہیں۔ آپ میرے محسن ہیں۔ اور میں آپ کا شکرگذار ہوں۔ میں ہر وقت ہمرکاب ہوں۔ بادشاہ نے کہا کہ اگر یہی بات ہے تو تمہیں تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔ مگر میں لاولد ہوں۔ اسلیے میں تمہیں اپنے ملک بھی وارث مقرر کرتا ہوں۔ پھر دونوں نے آپس میں معانقہ کیا اور بادشاہ تین ہفتہ تک ٹھاٹ تزک شاہانہ کے ساتھ رہا۔ چوتھے ہفتے دونوں بڑی شان و شوکت کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب شہر قریب آگیا تو بادشاہ نے ہرکارے بھیجکر اپنی آمد کی اطلاع کرائی اور امرا استقبال کے لیے شہر سے باہر دور تک آئے۔ اور اپنے بادشاہ کو مدت کے بعد صحیح و سلامت پا کر زمین بوس ہو کے عرض کی۔ خداوند نعمت! آنکھیں حضور کا رستہ دیکھتے دیکھتے تھک بھی گئی تھیں۔ شکر ہے کہ آپ کو صحیح و سلامت پایا۔ سلطنت میں ہر طرح سے امن و امان ہے۔ پھر جب وہ شہر میں پہنچے تو رعایا نے تپاک اور گرمجوشی سے استقبال کیا۔ دوسرے دن سلطان نے بھرے دربار میں حکمران جزائر سیاہ کی سرگذشت سنا کر کہا کہ میں نوجوان کو اپنا وارث مقرر کرتا ہوں۔ تمہیں بھی لازم ہے کہ اس کی اطاعت کی نذریں پیش کرو۔ ارکانِ دولت نے اپنے بادشاہ کے حکم کی بجا تعمیل کی۔ پھر سلطان نے ماہی گیر کو بلا کر بہت انعام و اکرام دیا۔ جو والئے جزائر سیاہ کی مخلصی کا اصلی موجب ہوا تھا۔

شہرزاد کو کہانیاں سنا کر جان بچاتے ہوئے یہ نانویں رات تھی۔ جب کہانی ختم ہو چکی تو نانویں رات ابھی باقی تھی کہ اس نے کہا خداوند! حمال کی حکایت اس سے بھی زیادہ دلکش اور عجیب ہے ذرا سنئے تو

حمال اور پانچ خوبصورت عورتوں کی حکایت

کہتے ہیں بغداد میں ایک مزدور تھا جو محنت مزدوری کے علاوہ مشہور بذلہ گو تھا۔ ایک دن وہ اپنا

کر رکھا ہے اور روز مارا کرتی ہے جس سے وہ چیختا اور چلاتا رہتا ہے۔ میں اس ظلم کو سن نہیں سکتا۔ اسلئے تیرے ساتھ بولنا نہیں چاہتا۔ ملکہ نے کہا اگر تیری رضا اسی میں ہے کہ میں اسے چنگا کر دوں اور نہ مارا کروں۔ تو میں ایسا ہی کر دیتی ہوں۔ مصنوعی حبشی نے جواب دیا۔ ہاں! میں بھی یہی چاہتا ہوں ملکہ نے اسیوقت ایک پیالے میں پانی لیا اور اسپر کوئی کلام پڑھنے لگی۔ حتیٰ کہ پانی نے جوش مارا۔ پھر وہ اسی دالان کی طرف گئی۔ جہاں وہ جوان بے بس پڑا ہوا تھا اور اسپر پانی ڈالکر بولی۔ اگر تیری یہ حالت پیدائشی نہیں ہے تو اس پانی کے اثر سے اپنی اصلی حالت پر آجا۔ پانی کے پڑتے ہی جوان حکمران جزائر سیاہ جوں کا توں اٹھ کھڑا ہوا۔ اور خدا کا شکریہ ادا کیا۔ ملکہ نے حکم دیا بھلا چاہو تو فوراً یہاں سے کسی طرف کو نکل جاؤ۔ اور واپس نہ آئیو۔ ورنہ جان سے مار دونگی۔ پھر وہ ماتم سرا کو واپس آئی۔ اور مصنوعی حبشی سے بولی۔ میرے دل کے مالک تمہارے حکم کی تعمیل کر آئی ہوں اور اپنے خاوند کو چنگا کرکے یہاں سے نکال دیا ہے اب تو مجھے تسلی دیجئے۔ مصنوعی حبشی نے حبشیانہ لہجے میں جواب دیا مگر یہ میری تسکین خاطر کے لئے بالکل ناکافی ہے۔ تم نے اس ولایت کی ساری رعایا کو مچھلیاں بنا کر تالاب میں قید کر رکھا ہے اور ملک کو ویران کر دیا ہے۔ ہر روز آدھی رات کے وقت وہ مچھلیاں تالاب سے باہر سر نکال کر ہمیں بد دعا دیتی رہتی ہیں۔ اور اسی لئے مجھے صحت بھی حاصل نہیں ہوتی اور اب جلد جا اور انہیں ان کی اصلی حالت میں لے آ۔ یہ امر سنتے ہی ملکہ نے پانی پر کلام پڑھ کر تالاب میں چھڑکا۔ وہ سب مچھلیاں اپنی اپنی شکل پر آگئیں اور بدستور مکانات اور دوکانیں آباد دکھائی دینے لگیں۔ اور سب نے اپنی چیزوں کو جہاں چھوڑا تھا وہیں پایا۔ بادشاہ کا لشکر اور سران لشکر اپنے شہر سے دور فاصلے پر جا پڑے۔ اور اپنے تئیں ویرانے سے آبادی میں پاکر حیران ہوئے۔ ملکہ پھر ماتم سرا میں پہنچی۔ اور باواز بلند پکاری۔ میری جان! میں نے تیری خاطر سب کو اصلی شکل پر بنا دیا ہے۔ اب تو برائے خدا اٹھو اور اپنا ہاتھ مجھے دو۔ بادشاہ پھر مصنوعی حبشیانہ انداز سے بولا۔ ذرا آگے آ۔ ملکہ آگے گئی۔ سلطان نے کہا اور آگے آ۔ ملکہ اور آگے ہوئی۔ بادشاہ نے اسے دیکھنے کی بھی فرصت نہ دی اور ایک تلا ہوا ہاتھ تلوار کا ایسا مارا کہ بدذات ملعونہ کا سر کٹ کر دور جا پڑا۔ اسکی لاش بھی اسی اندھے کنوئیں میں پھینک دی۔ اور بادشاہ آپ نکھٹے جوان کی تلاش میں روانہ ہوا۔ محلات سے تھوڑی دور پر اسے پایا۔ اور

چاروں طرف پر رکھدیا ہے - اور ابھی اسکا غصہ نہیں مٹا - بلکہ روز مجھے ایک سو چابک مارجاتی ہے جس سے بدن لہولہان ہوجاتا ہے - اور مارنے کے بعد بکری کے بالوں کا ایک کمبل زخموں پر ڈالکر اوپر سے زر کی قبا پہنا دیتی ہے اور طنزاً کہتی ہے - یہ مظلوم جزائر سیاہ کا مالک اپنے تئیں ایسی ذلت سے نہیں بچا لیتا - جوان یہانتک پہنچکر پھر چلانے اور بارگاہ الٰہی سے دعا مانگنے لگا - کہ اے ارحم الراحمین! میں تیرے ہی انصاف کا امیدوار ہوں - اگر تو اسی پر راضی ہے کہ میں اسطرح جور و ستم سہتا رہوں تو میں صبر و شکر کے ساتھ انہیں برداشت کرنے کے لیئے تیار ہوں - بادشاہ یہ حال دیکھ اور سنکر نہایت پریشان ہوگیا اور ارادہ کیا کہ ملکہ سے انتقام لے - اسلیئے اس جوان سے پوچھا کہ وہ بے حیا ساحرہ رہتی کہاں ہے؟ اور اسکا حبشی یار کہاں ہے؟ دکھیئے جوان نے کہا - ملکہ کا مسکن تو میں نہیں جانتا - مگر ماتم سرا اس قلعہ سے لگا ہوا ہے - ہاں اتنا مجھے معلوم ہے - کہ وہ ہر روز صبحکو مجھے سزا دیچکنے کے بعد کوئی عرق سا لیجا کر اپنے یار کو پلاتی ہے - جس نے اسے ابتک مرنے نہیں دیا بادشاہ نے جواب دیا تم سے زیادہ قابل رحم شاید ہی کوئی ہو - میں چاہتا ہوں کہ اس ملعونہ سے تمہارا بدلہ لوں - چنانچہ اسدن وہیں رہنے کا ارادہ کرکے بادشاہ سو رہا - کیونکہ دن ختم ہوچکا اور جوان حسب معمول جاگا کیا - کیونکہ جادو کا اثر اسے سونے بھی نہ دیتا تھا - دوسرے دن بادشاہ علی الصبح چھپکر ماتم سرا میں پہنچا - جہاں چراغاں ہو رہا تھا - پھر اس ملعون حبشی کی لاش کے ایک ہی ہاتھ میں دو ٹکڑے کرکے کنوئیں میں پھینکدیئے - اور آپ اس قبر میں جہاں وہ زندہ لاش پڑی رہتی تھی تلوار سونت کر دراز ہو رہا - اتنے میں جوان کے رونے چلانے کی آواز آنے لگی جو رہائی کے لیئے عاجزانہ التماس کر رہا تھا مگر جادوگرنی ملکہ اسکی ایک بھی نہ سنتی تھی - یہاں سے فراغت پاکر پھر وہ ماتم سرا میں گئی اور حسب معمول اپنا سوز و گداز بیان کرکے کہنے لگی - میرے پیارے خدا کے لیئے اسقدر بے التفاتی چھوڑ دے اور ایک ہی بات میرے ساتھ کرلے تاکہ میری تسلی ہو میں تیرے لیئے کڑھ رہی ہوں - بادشاہ نے حبشیوں کے لہجے میں بڑی ضعیف آواز سے ملکہ کو جواب دیا - کہ اے عورت! تو مستحق نہیں ہے کہ میں تیرے ساتھ کلام کروں - ملکہ کی باچھیں کھل گئیں - اور وہ بولی - کہ پیارے اس کا سبب کیا ہے؟ مصنوعی حبشی نے جواب دیا کہ تیرے خصم کے چلانے سے میرا سونا حرام ہوگیا ہے - میں کبھی سے اچھا ہوگیا ہوتا مگر معلوم ہوتا ہے کہ تو نے اسپر جادو

یار کو وہاں لا رکھا۔ اور کوئی ایسی دوا اسے پلاتی رہی۔ کہ وہ باوجود کاری زخم لگنے کے مر نہ سکا۔
اگرچہ زندگی کا کوئی نشان بھی اُسکے چہرے سے ظاہر نہ ہوتا تھا۔ بالاں ایک خاص وقت پر روز اُسے
دوا پلاتی رہی اور وہ وقت برابر حاضری دیتی رہی۔ وہاں جاکے اس سے محبت کی باتیں کرتی۔
اور اپنے دل کو اطمینان دے آتی۔ گو مجھے یہ سب کچھ معلوم تھا مگر میں نے عرصہ تک اپنے تئیں ناواقف
انجان بنائے رکھا۔ ایکدن دلہیں جو آئی تو آہی ماتم سرا میں چھپ کر ملکہ کی محبت آمیز باتیں اپنے
کانوں بھی سن لیں۔ جو وہ اس زندہ لاش سے کر رہی تھی۔ گو مجھے غصہ آیا۔ مگر پی لیا۔ اور جب
ملکہ وہاں سے لوٹی۔ تو میں نے اُسے صبر و تسکین کے لئے ہدایت کی۔ مگر مرض بڑھتا گیا۔ جوں جوں دوا
کی والی بات ہوئی اور وہ زیادہ تر چلانے لگی۔ ناچار میں چپ ہو رہا۔ حتی کہ پورے دو سال گذر
گئے اور ملکہ کے معمول میں ناغہ نہ ہوا۔ تیسرے سال کے آغاز میں پھر میرے دل میں اس لعین کو
دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی اور میں دوبارہ ماتم سرا کی اسی پہلی جگہ میں جاکے چھپ رہا۔ ملکہ نے پھر
اسکے حسب معمول گڑگڑانا شروع کیا کہ اے میرے پیارے! تیری خدمتیں کرتے مجھے تیسرا سال شروع
ہو گیا ہے۔ اور تو آنکھ تک بھی نہیں کھولتا۔ بلکہ کچھ تو منہ سے بول۔ ایسی رکاوٹ بھی کس کام کی ہیں
سچ کہتا ہوں۔ اب سے میں ضبط نہ کر سکا اور تلوار کھینچکر کمین گاہ سے نکل آیا کہ دونوں کمبختوں کا
سر جدا کر کے ہر روز کا جھگڑا پاک کر دوں۔ لیکن ملکہ نے مجھے دیکھ لیا اور وہ پھر کر مجھ پر جھپٹی گویا مجھے
کچے کو چبا جائیگی۔ اور بولی کمبخت! کیا تو نے ہی یہ کلمے پڑھے تھے۔ اور میرے معشوق کو زخمی کر کے
مجھے مصیبت میں تو نے ہی ڈال رکھا ہے سینے جواب دیا۔ ہاں! میں نے ہی اس ملعون کو مارا ہے۔ اور تو بھی
اسی سزا کے قابل ہے۔ کہ تو نے میری عزت کو تباہ کر دیا۔ یہ کہکر میں نے تلوار چلانے کی بہتیری کوشش کی
مگر اسکے جادو نے میرے ہاتھ کو ہلنے تک نہ دیا۔ میں اسکے الفاظ کو سمجھ نہیں سکا۔ جب وہ اپنا افسون
پڑھ چکی تو کہا کہ میں حکم کرتی ہوں۔ تیرا آدھا نچلا حصہ پتھر کا ہو جائے اور اوپر سے جوں کا توں
بنا رہے۔ ازاں بعد وہاں سے اٹھا کر اُسنے مجھے یہاں لا رکھا۔ میرے شہر کو جھیل بنا ڈالا۔ بلکہ
ویران کر دیا۔ جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرما ہی لیا ہوگا۔ میرے ملازموں اور اہل شہر کو چار رنگ کی مچھلیاں
بنا کر اس میں لا بسایا۔ چنانچہ سفید مچھلیاں مسلمان ہیں۔ سرخ آتش پرست۔ کالے عیسائی اور زرد
یہودی ہیں اور یہ چار ٹیلے جو میری سلطنت سے متعلق ہیں۔ انہیں چار پہاڑیاں بنا کر تالاب کے

گھس گئی ۔ جو چاروں طرف گنجان جھاڑیوں سے گھرا ہوا تھا ۔ میں بھی وہیں پہنچا ۔ اور ایک جھاڑی میں چھپ کر کھڑا ہو رہا ۔ دیکھا کہ بد نصیب ایک غیر مرد کے ساتھ ٹہل رہی ہے اور راز و نیاز کی باتیں کرتی جاتی ہے کہ میں تو دل و جان سے تیرا نثار رہتی ہوں اور مرتی جاتی ہوں ۔ اور تو میری پرواہ بھی نہیں کرتا ۔ بلکہ الٹی ملامت ہی کرتا رہتا ہے ۔ اگر تجھے میرا امتحان منظور ہے تو ابھی حکم دیجیے کہ شہر کو بھیڑیوں اور الّوؤں کا مسکن بنا دوں ۔ انہی باتوں میں وہ دونوں ٹہلتے ٹہلتے عین اس جھاڑی کے قریب پہنچ گئے جس میں میں چھپ رہا تھا ۔ پھر دونوں نے لوٹنا چاہا ۔ اور وہ مرد جیسے برابر ہو کر نکلا ۔ میں نے وقت کو ہاتھ سے دینا نہ چاہا اور فوراً اشتعال میں آکر تلوار نکال جینے کا تلا ہوا ایک ایسا ہاتھ دیا کہ وہ بد ذات زخمی ہو کر زمین پر جا پڑا ۔ ملکہ چونکہ میرے چچا کی بیٹی تھی ۔ اس لیے اسکا میں نے فی الحال کوئی خیال نہ کیا ۔ اور جلد وہیں سے پاؤں پھرا ۔ کہ ملکہ کو کچھ بھی خبر نہ ہوئی ۔ مقتول نے گو گہرا زخم کھایا تھا ۔ ملکہ نے اپنے جادو سے اسے سنبھال لیا ۔ تاہم وہ نہ زندوں میں رہا اور نہ مردوں میں ۔ ہاں میں نے لوٹتے ہوئے سنا تو یہ سنا ۔ کہ ملکہ اپنے یار کے زخمی ہونے سے رونے اور پیٹنے لگی ۔ میں اسے وہیں چھوڑ کر آپ بےفکر ہو کے سو رہا ۔ اور صبح اٹھ کر ملکہ کو سوتا ہوا محل میں پایا مگر یہ معلوم نہ ہوا کہ جاگ رہی تھی یا سوئی ہوئی تھی ۔ غرض میں تیار ہو کر دربار میں گیا اور اجلاس کے بعد واپس آیا تو گھر میں پیٹ پڑ رہی تھی ۔ ملکہ کو ماتمی لباس میں پایا اور اس نے سر کے بال نوچ ڈالے کہا ۔ صاحب! مجھے تین بد خبریں متواتر گوش زد ہوئی ہیں ۔ اسلیے میرا یہ حال ہے ۔ میں نے وہ خبریں دریافت کیں تو جواب ملا کہ ایک تو میری پیاری ماں نے رحلت کی ہے ۔ دوسرے میرا باپ لڑائی میں کام آیا ہے اور تیسرے میرا بھائی بلندی سے گر کر مر گیا ہے ۔ لیکن میں نے کچھ غم کا اظہار نہ کیا ۔ کیونکہ یہ خبریں میری ہی گھڑی ہوئی تھیں ۔ مگر میں نے تحقیق کر لیا کہ اسے میرے پر کوئی شبہ نہیں ہے ۔ پھر میں نے اسے تسلی دی کہ تمہارا اظہار الم آثار سعادتمندی میں سے ہے ۔ خدا کرے تمہارا ماتم خوشی سے بدل جائے ۔ پھر وہ اپنے کمرے میں جا کر رونے چلانے لگی اور یونہی پورا سال بھر ماتم میں رہی ۔ سال بعد مجھ سے محل میں ایک مقبرہ بنوا دینے کی فرمایش کی کہ جس کے اندر ہمیشہ رہا کرے ۔ میں نے کوئی مزاحمت نہ کی ۔ اور اس نے ایک عالیشان گنبد تیار کرا لیا ۔ جو یہاں سے نظر آتا ہے ۔ اور اسکا نام اسرار رکھا گیا ۔ جب وہ مکان تعمیر ہو چکا ۔ تو اس نے اپنے

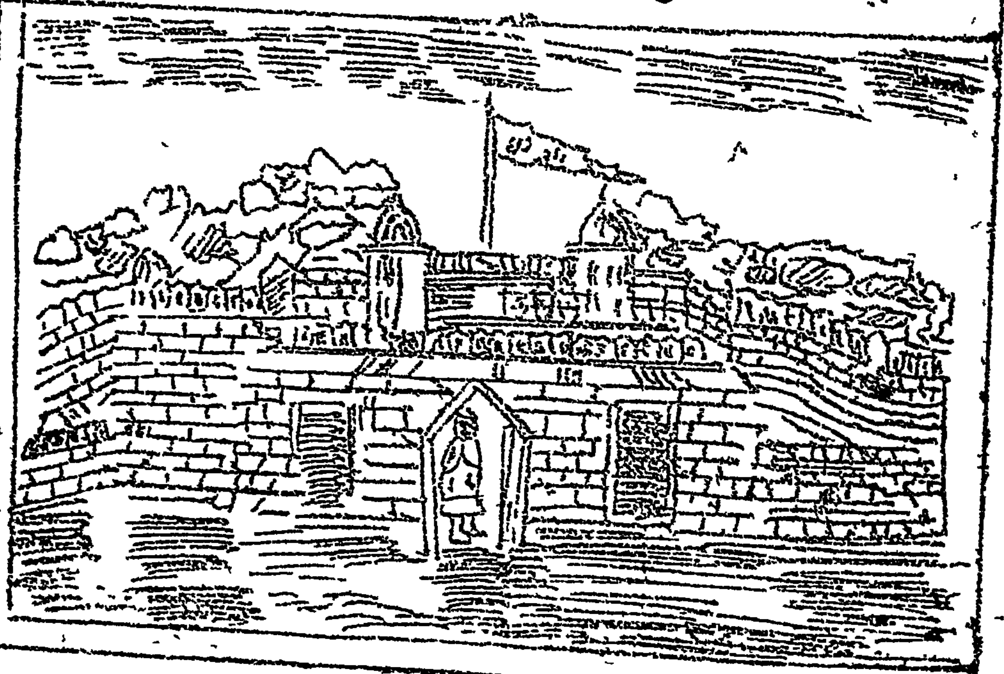
دُکھیے جوان کی کہانی اُسکی اپنی زبانی

میرا باپ محمود شاہ جزائر سیاہ کا حکمران تھا۔ جنکا مشہور نام چار کوہ ہے اور اُنکی دار السلطنت اس جگہ پر تھی۔ جہاں وہ تالاب واقع ہے۔ جب میرا باپ راہی جنت ہوا اور مجھے عنان حکومت ملی تو میری شادی چچا کی بیٹی سے ہوئی۔ جو بظاہر مجھے نہایت پیار کرتی تھی۔ اور میں بھی اسے دل سے چاہتا تھا۔ پانچ برس تک اس اُلفت کا سلسلہ نہ ٹوٹا۔ مگر اسکے بعد اس کی طرف سے مجھے کچھ کچھ کھچاوٹ معلوم ہونے لگی۔ ایک دن بعد طعام چاشت وہ حمام کو گئی۔ اور میں آرام کے لئے لیٹ گیا اور ملکہ کی دو خدمہیں سرہانے و پائنتی بیٹھکر مجھے پنکھا کرنے لگیں۔ اُنہوں نے سمجھا کہ شاید یہ سو گیا ہے مگر اصل میں اُسوقت میرا نصیب سونے لگا تھا میں کان دیکر اُنکی گفتگو سُننے لگا۔ ایک نے کہا۔ ملکہ بڑی بیرحم ہے۔ کہ ایسے حسین بادشاہ کو پیار نہیں کرتی۔ دوسری نے کہا تو سچ کہتی ہے معلوم نہیں وہ اسے تنہا چھوڑ کر کہاں جاتی ہے اور بادشاہ کو بھی کچھ خبر نہیں پھر پہلی نے جواب دیا کہ خبر کیونکر ہو وہ تو اسے دارو بیہوشی پلا کر جاتی ہے جسکے نشہ میں بیخود رہتا ہے اور وہ جہاں چاہتی ہے چلی جاتی ہے۔ صبحکو خود ہی کوئی چیز سنگھا کر بیدار کر لیتی ہے اس گفتگو کے سُننے سے میرا کلیجہ پھٹ گیا۔ مگر اس وقت میں نے ضبط کیا اور بہانہ کر کے بیدار ہوا اتنے میں ملکہ بھی حمام سے آگئی اور باتوں میں طعام شام کا وقت بھی آگیا یہ کھانا بھی ہم دونوں نے ملکر کھایا اور فراغت کے بعد ملکہ حسب معمول میرے لئے شربت کا ایک گلاس لائی میں نے گلاس کو اسکے ہاتھ سے لیکر نظر بچا کے شربت کو پھینک دیا۔ اور آپ خاموش لیٹ رہا۔ ملکہ بھی میری بغل میں آلیٹی۔ اور جب میں نے خراٹے بھر کر اسے یقین دلایا۔ کہ میں گہری نیند میں سو گیا ہوں تو وہ چپکے سے اُٹھی اور باآواز بلند ایک منتر پڑھ کر میری طرف مُنہ کر کے کہا کہ اب غافل ہو کے سو جا اور جب تک میں نہ جگاؤں نہ جاگیو۔ پھر وہ بڑھیا کپڑے پہنکر کمرے سے باہر نکلی۔ میں بھی جھٹ کپڑے پہن اور تلوار لیکر قدم بقدم ساتھ ہی ہولیا۔ مگر اتفاقاً فاصلہ رکھ لیتا تھا کہ وہ میرے قدموں کی چاپ نہ سن پائے اُسکے مقفل دروازے اُسکے جادو کے زور سے خود بخود کھلتے چلے جاتے تھے۔ جب وہ آخری دروازے پر پہنچی جو ایک باغ میں کھلتا تھا اور جو گھر کے اندر جانے کا تھا میں آڑ میں ہو گیا۔ اور اُسے دیکھتا رہا کہ کدھر جاتی ہے۔ سو وہ ایک تختے سے گذر کر ایک جنگل میں

گھس گیا۔ اور ڈیوڑھی میں کھڑا ہو کر بلند آواز سے پکارا۔ اگر اندر کوئی ہوتا تو جواب دیتا۔ اور بھی حیران ہوا۔ اور ڈرتا ہوا اندر چلا گیا۔ جا کے دیکھا کہ بہت بڑا محل ہے مگر ویران۔ پھر وہ ایک دالان میں گھس گیا۔ جہاں ریشمی قالین بچھ رہا تھا۔ چاروں طرف دیواروں پر سیاہ کپڑا منڈھا ہوا تھا اور دروازوں پر زردوزی مخملی پردے لٹک رہے تھے۔ وہیں ایک حوض بھی دکھائی دیا جسکو چاروں طرف کونوں پر سونے کے چار شیر بیٹھے تھے۔ اور ہر ایک کے مُنہ سے فوارہ نکل کر پانی سنگ زمرد کے فرش پر گرتا تھا۔ حوض کے بیچوں بیچ ایک فوارہ اتنا بلند اُٹھتا تھا کہ بارہ دری کے قبے تک پہنچتا تھا۔ قبے کے اردگرد عربی عبارت کندہ تھی۔ اور قلعے کی تین طرف خوشنما باغ لگا ہوا تھا۔ جس میں جابجا فوارے چھوٹ رہے تھے اور ہر چیز نہایت قرینے سے رکھی تھی۔ درختوں پر جال پڑے تھے۔ کہ کوئی پرندہ اُڑ کر باہر نہ جاسکے۔ بادشاہ ایک کمرے سے دوسرے کو جاتا جاتا تھک گیا۔ اور ایک مکان میں بیٹھکر باغ کا نظارہ دیکھنے لگا۔ ناگہاں ایک دردناک آواز اس کے کان میں آئی۔ بادشاہ نے حجرے کا پردہ اُٹھاکے دیکھا۔ تو ایک جوان حسین شاہانہ لباس پہنے ایک تخت پر بیٹھا زار زار رو رہا ہے۔ اور قسمت کی شکایت کر رہا ہے۔ بادشاہ نے قریب جاکر سلام علیک کہی۔ اُسنے عذر کیا کہ مجھے معاف رکھنا میں آپکی تعظیم کے لئے اُٹھ نہیں سکتا۔ کیونکہ مجبور ہوں۔ بادشاہ نے جواب دیا۔ میں تمہارے حسنِ اخلاق سے کمال خوش ہوا ہوں۔ اسلئے تم تعظیم کی کچھ پرواہ نہ کرو۔ مگر تمہاری مصیبت دیکھکر میرا دل جل اُٹھا ہے۔ فقط تمہاری مدد ہی کے لئے میں یہاں تک پہنچا ہوں۔ اپنے دُکھ درد سے مجھے جلدی آگاہ کرو۔ تاکہ میں حتی الامکان اس کے رفع کی تدبیر کروں۔ پہلے تم تالاب اور اُس کی رنگین مچھلیوں کا حال بتاؤ۔ پھر اس قلعے اور محل کی کیفیت سُنانا۔ نیز یہ کہ تم یہاں اکیلے کیوں بندھے بیٹھے ہو۔ جوان رو پڑا۔ اور قبا کا دامن اُٹھا کر اشارہ کیا۔ کہ دیکھو۔ میں سر سے تو ناف تک آدمی ہوں اور نیچے سے کالے پتھر کی مورت بادشاہ سخت متحیر ہوا۔ اور کہا کہ پریشانی تو مجھے گھر کا رنگ دیکھکر ہی لگ گئی تھی۔ مگر تمہاری حالت نے میرے دل پر بجلی گرادی ہے۔ خدا کے لئے جلد اپنی سرگذشت بیان کر۔ جوان پھر رو پڑا۔ اور کہا اگرچہ مجھے اتنی طاقت نہیں ہے تاکہ آپکے فرمان کی تعمیل بھی شرط ہے۔ اس لئے سنئیے۔

ناچار لیے بادشاہ نے اسی وقت وزیر کو بلوایا اور پوچھا کہ دفعتہً یہ تالاب یہاں پر کیوں نمودار ہو گیا۔ اسکی
تہ کو پانا چاہیے جیسی کہ میرے خاصدستخانہ میں آنا اور مچھلیوں کا بولنا بھی کوئی ضرور راز ہے جس کے
دریافت کرنے کے لیے میرا دل بے چین ہو رہا ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اکیلا جاؤں۔ اور
تو میرے خیمہ میں ٹھہر کر اخفائے راز کرے۔ کل جب اہل دربار میرے خیمے کو حاضر ہوں تو علالت کا
بہانہ کر دیجیو۔ اور جب تک میں نہ آؤں۔ خبردار یہاں رہ کے میری ہدایت پر عامل رہیو۔ وزیر نے
ہرچند منع کیا مگر وہ کب سنتا تھا۔ ترکا رستہ کے کپڑے پہنکر تلوار ہاتھ میں لی اور رات کے وقت تن تنہا
ایک پہاڑی کا رخ کیا۔ وہ اسے جلد ہی عبور کر گیا اور آگے جا کر ایک فراخ میدان دیکھا۔ جہاں
چلتے چلتے سورج دیوتا بھی نمودار ہو گئے۔ بادشاہ نے دور سے ایک عالیشان محل دیکھ کر
گمان کیا کہ ضرور یہاں عقدہ کشائی ہوگی۔ محل کے اردگرد سنگ سیاہ کی فصیل تھی اور نیچے سے اوپر
تک فولادی چادریں چڑھی ہوئی تھیں جن کی چمک آئینہ کو پرے رکھتی تھی اور اسکے دروازے
کے قریب جا کھڑا ہوا اور جب دیر تک کوئی آدمی دکھائی نہ دیا تو دیر تک منتظر رہا کہ کوئی آدمی باہر
آئے۔ مگر جب کوئی آدمی باہر نہ نکلا تو اس نے زور سے دروازے کو کھٹکھٹایا۔ مگر جواب نہ پا کر اندر

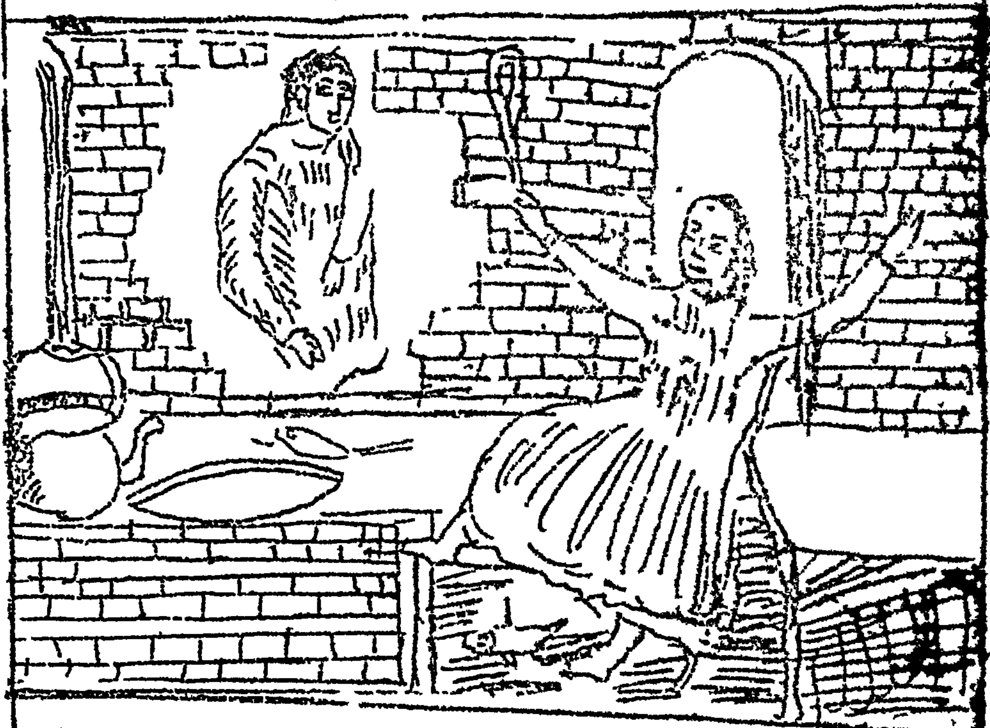
تصویر قلعے اور اس کے محل عالیشان اور دال کے سیاہ باٹ کی



ایک پہلو سُرخ ہوگیا۔ چاہتی تھی کہ دوسرا پہلو اُلٹے کہ وہی دیوار شق ہوگئی۔ اور اُس میں سے وہی حسینہ نکلی۔ آج وزیر نے باقی کی کیفیت بھی اسیطرح سے ملاحظہ کی جیسے کل باورچن نے دیکھی تھی۔ اب اُس کے دل میں خیال آیا کہ اس حال کا بادشاہ سے ذکر کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جب بادشاہ نے اس ماجرے کو سُنا تو کمال تعجب سے خود بھی اُسی نظارے کا دیکھنے کا اشتیاق ظاہر کیا اور ماہی گیر کو بلاکر پھر ویسی ہی چار مچھلیاں پکڑ لانے کا حکم دیا۔ ماہی گیر نے تین دن کی مہلت طلب کی جو عطا کیگئی اور تیسرے دن حسب وعدہ بادشاہ کی فرمایش پوری کرکے چار سو اشرفیاں انعام لیا۔ بادشاہؒ نے خلوت خانہ خاص میں انکے پکانے کا سب سامان منگاکر وزیر سے فرمایا کہ تو انہیں خود ہاتھ سے بھون۔ وزیر نے جب اُنہیں تیار کرکے ماہی کو توے پر روغن میں چھوڑا۔ اور ایک پہلو سُرخ ہونے کے بعد دوسرا پہلو بدلنا چاہتا تھا کہ خلوت خانہ کی ایک دیوار پھٹ گئی۔ اور اسمیں سے خوبصورت بی بی کی جگہ ایک بھاری بھرکم حبشی غلام موٹا سا عصا ہاتھ میں لئے نکلا اور ماہی توے کے قریب آکر بڑی کرختی سے پکارا۔ مچھلیو! کیا تم اپنی بات پر قایم ہو؟ مچھلیوں نے فوراً جواب دیا۔ ہاں! ہاں ہاں! اس کلام کو سُنتے ہی اُس نے ماہی توے کو اُلٹ دیا۔ اور آپ شگاف میں جاکر غائب ہوگیا۔ دیوار جُوں کی تُوں بنگئی۔ بادشاہ نے کہا یہ ماجرا اسرار سے خالی نہیں میں چاہتا ہوں کہ اس سے واقفیت حاصل کیجائے۔ پھر ماہی گیر سے پوچھا۔ تو یہ مچھلیاں کہاں سے لایا تھا۔ اُسنے تالاب کا پتہ بتایا۔ بادشاہ نے وزیر کی طرف دیکھا۔ وزیر نے عرض کی دیکھا تو کجا مینے آجتک سُنا بھی نہیں کہ اس پہاڑ کے پاس کوئی تالاب ہو۔ ساٹھ برس سے میں ادہر شکار کھیلنے جاتا ہوں۔ لیکن میںنے تو وہاں کوئی تالاب نہیں دیکھا۔ پھر بادشاہؒ نے ماہی گیر سے دریافت کیا۔ اور کوئی پتہ بتاؤ۔ اُسنے جواب دیا حضور! تین گھڑی کی راہ ہے۔ خود چلکر ہی دیکھ لیں۔ بادشاہ نے فوراً تیاری کا حکم دیدیا۔ پھر سوار ہوکر ماہی گیر کے پیچھے پیچھے اس پہاڑ پر چڑھ گیا۔ اور دوسری طرف اُتر کر میدان میں ایک تالاب دیکھا۔ جسکے چاروں کناروں پر چار ٹیلے تھے اور تالاب میں رنگارنگ کی مچھلیاں تیر رہی تھیں۔ بادشاہ نے سخت تعجب کے ساتھ اپنے ہمراہیوں سے دریافت کیا۔ کہ انہیں سے کسی نے کبھی اسے دیکھا ہے۔ مگر سبانے کانوں پر ہاتھ دھرے۔ آخر خیمے وہیں لگ گئے۔ اور شام تک کچھ پتہ نہ لگا۔ کہ یہ کیا

کھڑی ہو گئیں - اور اپنی چھڑی سے ایک مچھلی کو چھو کر بولی - اے مچھلیو! تم اپنے قول پر قائم ہو - مگر وہ کچھ

تصویر باورچیا نے شاہی کی دیوار سے زن حسینہ کا برآمد ہونا اور مچھلیوں کا زندہ ہونا اور بکانہ لیکی حیرت



نہ بولی - جب حسینہ نے اسی قول کو دھرایا تو چاروں مچھلیاں دموں پر کھڑی ہو کر بولیں - ہاں ہاں!! اگر تو اپنے قول پر قائم ہے تو ہم بھی قائم ہیں - یہ سنتے ہی حسینہ نے توے کو الٹ دیا اور آپ جدھر سے آئی تھی - اُدھر ہی کو چلی گئی - شگاف فوراً بند ہو گیا اور باورچن اس ماجرے کے مشاہدے سے بیہوش ہو کر گر پڑی - جب حواس درست ہوئے تو انہیں اٹھانے لگی - مگر انہیں جلا ہوا کوئلہ پایا اور رونے لگی - اُسکو سخت فکر تھی کہ بادشاہ کو کیا جواب دونگی - اتنے میں وزیر بھی جا پہنچا - اور پوچھا کہ مچھلیاں تیار ہوں تو بادشاہ کے لئے لیجاؤں - مگر جب باورچن نے سرگذشت سنائی تو وہ حیران رہ گیا - اور اپنی آنکھوں سب کچھ دیکھنا چاہا - فوراً ماہی گیر کو بلوایا اور انعام کا لالچ دکھا کر ویسی ہی مچھلیاں اور لانے کو کہا - مگر ماہی گیر نے کوئی حیلہ کر کے انکار کر دیا - اور جواب دیا کہ کل صبح لا دونگا - دوسرے روز ماہی گیر نے ویسی ہی چار مچھلیاں وزیر کو لا دیں - وزیر نے اُسے تو انعام دیکے رخصت کر دیا - اور آپ باورچیخانے کا دروازہ بند کر کے انکے بھننے کا نظارہ دیکھنے لگا - باورچن نے جب انہیں صاف کر کے روغن کے برتن میں ڈالا - اور ان کا

یہ انتقام کا سبق میں نے تجھ سے ہی سیکھا ہے۔ جن نے کہا۔ اے میرے دوست اب کے مجھے معاف کر دے پھر ایسا قصور نہیں ہوگا۔ بدی کے بدلے میں نیکی کرنا بہت اچھی صفت ہے تو میرے ساتھ وہ سلوک کر جو امامہ نے عاتکہ کے ساتھ کیا تھا۔ ماہیگیر نے پوچھا وہ حکایت کیسی ہے۔ جن نے کہا۔ میں اس زندان تنگ میں کوئی بات نہیں کر سکتا۔ اگر تو مجھے یہاں سے نکلنے دیگا تو میں تجھے اور بھی اچھی اچھی حکایات سناؤں گا۔ ماہیگیر نے کہا۔ اب مجھے تیرا اعتبار نہیں رہا۔ جن نے التجا کی کہ تو مجھے چھوڑ دے میں تجھے ایک ایسی بات بتاؤنگا جس سے تو بڑا مالدار ہو جائیگا۔ ماہیگیر نے کہا۔ البتہ اگر اسم اعظم کی قسم کھاؤ کہ میرے ساتھ دغا نہ کروگے تو چھوڑ دوں۔ جن نے اسم اعظم کی قسم کھائی اور ماہیگیر نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ وہ لوٹے سے نکلا اور پاؤں کی ٹھوکر سے لوٹے کو دریا میں پھینکدیا۔ ماہیگیر ڈرا مگر جن نے اسے تسلی دی کہ اطمینان سے میرے پیچھے پیچھے جال لیکر چلا آ۔ پھر وہ دونوں ایک پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے اور وہاں سے اتر کر ایک بڑے میدان پر جا پہنچے۔ جہاں انہیں ایک تالاب دکھائی دیا جس کے چاروں کونوں پر ٹھیکرے پڑے ہوئے تھے۔ جب وہ کنارہ تالاب پر پہنچے۔ جن نے ماہیگیر کو جال پھینکنے کا اشارہ کیا۔ اسنے جال پھینکا تو چار مچھلیاں چار رنگ کی ہاتھ آئیں۔ سفید۔ سرخ۔ زرد اور سیاہ ماہی گیر حیران ہوا۔ مگر جن نے کہا کہ انہیں بادشاہ کے پاس لیجاؤ۔ وہ تجھے اسقدر دولت دیگا کہ کبھی نہ ملی ہوگی۔ لیکن خیال رکھنا اسی تالاب میں ایکدن میں ایک دفعہ سے زیادہ جال نہ ڈالنا۔ ورنہ غلطی کھاؤگے۔ یہ کہکر جن نے زمین پر پاؤں مارا۔ زمین پھٹ گئی۔ اور وہ اس میں سما گیا۔ زمین پھر ہموار ہو گئی۔ ماہی گیر نے انہی چار مچھلیوں کو لیکر شہر کا راستہ لیا۔ اور بادشاہ کے حضور میں جا کر پیش کر دیں بادشاہ نہایت خوش ہوا۔ اور وزیر کو ارشاد کیا کہ انہیں اس باورچن کو پکانے کیلئے دیدو جو شاہ روم کی طرف سے بطور ہدیہ آئی ہے۔ وزیر نے چاروں مچھلیاں لیجا کر باورچن مذکور کو دیدیں۔ اور واپس آکر بادشاہ کے حکم سے ماہیگیر کو چار سو دینار انعام دئے۔ ماہی گیر انہیں پاکر نہایت مسرور ہوا اور امیرانہ بسر کرنے لگا۔ اب باورچن کی سنو۔ اس نے جب مچھلیوں کو گرم روغن میں ڈالا۔ اور ایک طرف سے وہ بھنکر خوب سرخ ہو گئیں تو انہیں دوسری طرف الٹنا چاہا۔ انکے الٹتے ہی باورچی خانہ کی دیوار پھٹ گئی۔ اور اس میں ایک مصری حسینہ نکل آئی جو لباس فاخرہ اور قیمتی زیورات سے آراستہ و پیراستہ تھی۔ ایک چھڑی بھی اسکے ہاتھ میں تھی۔ وہ ماہی گیر توے کے پاس آکر

کتاب ہے حکیم نے کہا اس میں بہت کچھ راز کی باتیں لکھی ہیں از انجملہ ایک یہ ہے کہ جب میرا سر کاٹ جائے آپ اس کتاب کو کھولکر چھٹے ورق کے بائیں صفحہ کی تیسری سطر پڑھ کر جو سوال کریں میرا سر فوراً اسکا جواب دیگا - بادشاہ حیران ہو گیا اور سوچا کہ تماشا بھی دیکھنا چاہیئے - لہذا اُسدن قتل کا حکم موقوف کر کے اگلے دن پر ملتوی رکھا - مگر حکیم پر پہرہ لگا دیا - پہرہ دار اُسے گھر پر لیگئے - اور اُس نے ایک ہی دن میں سب کاموں سے فراغت حاصل کر لی اور ایک بڑی سی کتاب لیکر اگلے دن حاضر دربار ہوا اور جزدان سمیت اُسے بادشاہ کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا - کہ جب میرا سر کاٹا جائے اُسے ایک طشت میں رکھکر کتاب کے جزدان پر رکھنا فوراً خون بند ہو جائیگا - اس کے بعد کتاب کا مقام مذکور کھول کر عبارت پڑھ لینا - پھر جو سوال کرینگے سر فوراً جواب دیگا - حکیم نے پھر التجا کی - کہ مجھ بیگناہ کے قتل سے درگذر کیجیے - مگر بادشاہ نے ایک بھی نہ سُنی اور کہا کہ تیرے مارے جانے کے بعد تیرے سر سے سُنونگا یہ کہکر بادشاہ نے کتاب سنبھالی اور جلاد نے فوراً گردن ماردی اور سر کو طشت میں رکھکر حسب ہدایت جزدان پر رکھا خون فوراً بند ہو گیا - سب حاضرین متعجب ہو گئے اور سر نے آنکھیں کھولکر بادشاہ سے کہا کہ اب اس کتاب کو کھولکر چھ ورق اُلٹ دو - بادشاہ نے کتاب کو کھولکر چاہا کہ ورق اُلٹے - مگر وہ آپس میں اسقدر چپاں تھے کہ انگلی میں لعاب دہن لگائے بغیر اُلٹ نہ سکا - جب نوبت چھٹے ورق پر پہنچی - بادشاہ نے وہاں کوئی عبارت نہ دیکھی تو سر سے کہا - یہاں تو کچھ بھی نہیں لکھا - سر نے کہا اور ورقوں کو اُلٹو بادشاہ ہر دفعہ انگلی کو لعاب لگا کر ورق اُلٹتا تھا - یہانتک کہ زہر ہلاہل نے جو کتاب کے اوراق میں لگا ہوا تھا لب میں سرایت کی اور بادشاہ کا حال لحظہ بہ لحظہ متغیر ہونے لگا - اُسکی بصارت جاتی رہی اور آخر بیقرار ہو کر تخت کے نیچے جا پڑا تو سر نے پکارا - اے ظالم! دیکھ بیگناہوں کا خون ضائع نہیں جاتا - اس کلام کے سُنتے ہی بادشاہ کا کام تمام ہو گیا - اور وہ اپنی سزا کو پہنچا *

شہرزاد نے شہریار سے عرض کی کہ خداوند! شاہ یونان اور حکیم دوبان کی داستان ختم ہوئی - اب میں ماہیگیر اور جن کے معاملہ کی طرف توجہ کرتی ہوں - ماہیگیر نے یہ قصّہ تمام کر کے جن سے جو لوٹے میں بند تھا کہا - اے جن بادشاہ گریک نے حکیم دوبان کی بے قصوری اور بیگناہی پر کچھ خیال نہ کیا اور اس کی گریہ وزاری کو ہنسی میں اُڑا دیا - اسلیئے حق تعالیٰ نے اُسے بھی ویسی ہی سزا دیدی - تو بھی اگر میرے قتل کا ارادہ نہ کرتا تو اس قید میں کیوں آتا - اب ضرور ہے کہ تو بھی مزہ چکھتے اور قیامت تک یہیں گرفتار ہو

دربادشاہ سے سب ماجرا بیان کیا - بادشاہ وزیر پر نہایت خفا ہوا - اور اُسے قتل کر ڈالا - یہ حکایت ختم کرکے شہزادے نے کہا - خداوند - وزیر یہ داستان تمام کرکے پھر حکیم دوبان کے حال کی طرف متوجہ ہوا - اور شاہ یونان نے کہا - کہ میں نے بہ تحقیق سُنا ہے کہ وہ جاسوس ہے - اور آپ کے کسی دشمن نے اُسے یہاں بھیجا ہے - اگرچہ اُس نے آپ کو فی الحال اچھا کر دکھایا ہے مگر آخرکار دوائیوں کی تاثیر ایسا اثر دکھائینگی کہ آپ کی جان پر بن جائیگی - شاہ یونان نے کہ کچھ کم عقل بھی تھا وزیر کے بہکانے میں آکر حکیم دوبان سے دل پھیر لیا اور بول اُٹھا - وزیر صاحب! آپ کا خیال سچا ہوا معلوم دیتا ہے ممکن ہے مجھے کوئی ایسی دوا سنگھا وے جس سے میں فوراً رحلت ہو جاؤں - اب مجھے بھی کچھ خیال سا آتا ہے - وزیر نے جب دیکھا کہ میرے جادو نے بادشاہ پر اثر کیا تو اُسے سمجھایا کہ فوراً حکیم کو بلا کر اُسکے قتل کا حکم دے دیجیے - بادشاہ نے فرمایا بہتر میں اپنی حفاظت جان کے لئے ابھی اُسکا فیصلہ کئے دیتا ہوں پھر بادشاہ نے ایک آدمی بھیجکر حکیم کو بلوایا اور جب وہ خوش خوش آیا - بادشاہ نے پوچھا - تو جانتا ہے کہ میں نے تجھے کیوں بلوایا ہے - حکیم نے جواب دیا مجھے کیا معلوم ہو آپ ارشاد کریں - بادشاہ نے کہا کہ میں تجھے قتل کرکے تیرے مکر سے نجات پانا چاہتا ہوں - دوبان سخت تعجب میں پڑ گیا اور بادشاہ سے عرض کیا - خداوند! میرے قتل کی وجہ تو آپ بتا دیجیے - بادشاہ نے جواب دیا - تو جاسوس ہے اور میرے مارنیکا ارادہ رکھتا ہے اگر تو میری ہلاکت کا قصد شام کو کرے تو مجھے چاہیئے کہ تیرا کام صبح ہی کو تمام کر دوں - یہ کہکر بادشاہ نے ایک افسر کو فوراً اُسکی گردن مارنیکا حکم دیدیا - دوبان نے سمجھ لیا کہ حاسدوں کا دوادار چل گیا ہے - ولیکن بادشاہ کو چنگا کرنے کا افسوس کیا اور دیر تک اپنی بے قصوری کا اظہار کرتا رہا - مگر بادشاہ نے کچھ توجہ نہ کی اور مکرر اُسکے قتل کا حکم دیدیا حکیم نے پھر التجا کی - کہ خداوند! اگر مجھے بیگناہ قتل کروگے تو اُسکا انتقام خدا تعالیٰ لیگا - یہی داستان بیان کرتے کرتے ماہیگیر نے جنّ سے کہا - کہ جو معاملہ شاہ یونان اور حکیم دوبان کے درمیان گذرا - بعینہ وہی بات میرے اور تیرے درمیان میں ہے - جلاد اپنا کام کیا ہی چاہتا تھا کہ اہل دربار نے بھی بادشاہ سے سفارش کی - مگر بادشاہ نے سب کو جھڑک دیا - حکیم نے جب دیکھا کہ اب نجات مشکل ہے تو بادشاہ سے درخواست کی - کہ خداوند تھوڑی سی رخصت ملے تو اپنے مکان پر جا کر وصیت کر آؤں - اور اپنا سامان بانٹ آؤں - منجملہ اُنکے ایک کتاب خزانہ شاہی کے قابل ہے - بادشاہ نے فرمایا - وہ کیسی

بیگناہ بھی حضور کی سلامتی کی خاطر جان سے مارا جائے تو چنداں فکر کا مقام نہیں - اور یہ تو سب کے سب ہی کہہ رہے ہیں کہ حکیم ضرور جاسوس ہے اور حضور کے قتل کے لئے آیا ہے - مجھے اس غریب سے کوئی عداوت کی وجہ نہیں - میں نے تو محض آپ کی خیر سگالی اور نمک حلالی کے خیال سے عرض کر دیا تھا - اور اگر یہ بات جھوٹ ہو تو غلام اسی سزا کا سزاوار ہے جیسے اس وزیر نے پائی تھی شاہِ یونان نے اس قصے کے سننے کی خواہش کی - وزیر نے عرض کی :-

اُس وزیر کی حکایت جو غفلت کے سبب مارا گیا

کہتے ہیں کہ زمانہ قدیم میں ایک شہزادے کو شکار کا کمال شوق تھا اور بادشاہ کو اپنے بیٹے کی خاطر بہت زیادہ منظور تھی - ایک دفعہ جب وہ شکار کو روانہ ہوا تو وزیر کو تاکید کی کہ خبردار اس سے ایک دم کے لئے بھی جدا نہ ہوجیو - قضا کار شکار کھلانے والوں نے جنگل سے ایک بارہ سنگا نکالا - اور شہزادے نے اس پر اپنے گھوڑے کو ڈال دیا - مگر کئی کوس تک تعاقب کرنے پر بھی جب اُسے نہ پا سکا تھک کر واپسی کا ارادہ کیا - جہاں وزیر کو اکیلا چھوڑ آیا تھا - مگر راہ گم کر دی اور ایک اور جنگل میں نکلا جہاں ایک خوبصورت عورت کو روتے دیکھ کر گھوڑے کی باگ تھام لی اور پوچھا کہ تو کون ہے اور کیوں رو رہی ہے - عورت نے جواب دیا کہ میں شاہ ہند کی لڑکی ہوں - گھوڑے پر سوار جا رہی تھی کہ اس کی پیٹھ پر دفعتہً غافل سو گئی اور گھوڑا مجھے یہاں گرا کر خدا جانے کدھر کو نکل گیا شاہزادے نے رحم کھا کر اسے گھوڑے کی پیٹھ پر سوار کر لیا اور وہاں سے روانہ ہو کر ایک ویرانے کے قریب پہنچ گیا - عورت نے وہاں اترنے کا ارادہ ظاہر کیا - شاہزادہ اسے اتار کر آپ بھی اُسکے پیچھے پیچھے ہو لیا لیکن جب وہ اندر پہنچی تو پکاری کہ بچو! خوش ہوجاؤ - آج میں تمہارے لئے ایک فربہ شکار لائی ہوں - جواب آیا کہ اماں! جلد لا - ہم بھوکے ہیں - شہزادہ یہ سنکر کانپ اٹھا اور سمجھا کہ یہ غول بیابانی ہیں - جھٹ گھوڑے پر سوار ہو کر واپس جانے ہی کو تھا کہ عورت نے بھی صورت بنا کر پوچھا - بیٹا! ڈرو نہیں - بتا تو کون ہے اور کیسے مصیبت زدہ ہے - شہزادے نے جواب دیا میں راستہ بھول گیا ہوں - عورت نے جواب دیا - خدا پر بھروسہ رکھو - وہ تیری مشکل آسان کر دیگا شہزادے کو یقین نہ آیا - مگر جب اُس نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے تو وہ عورت اور اُسکے بچے فوراً ویرانے کے اندر چلے گئے اور شہزادے کو راستہ دکھائی دیا جس سے وہ صحیح و سلامت اپنے گھر پہنچ گیا

اُس نیک مرد کو ہوا تھا جس نے اپنا پیارا طوطا مار دیا تھا۔ بادشاہ سندباد نے اُس حکایت کو دریافت کیا۔ تو وزیر نے کہا:-

نیک مرد اور طوطے کی حکایت

اگلے وقتوں میں ایک نیکمرد اپنی عورت کو جو حسن و جمال کی کان تھی نہایت عزیز رکھتا تھا اور دم بھر کو بھی اپنے پاس سے جدا نہ کرتا تھا۔ ایکدفعہ وہ کسی شہر میں گیا اور وہاں سے ایک بولتا ہوا طوطا بھی خرید لایا۔ کہ ہر سوال کا شافی جواب دیتا تھا۔ اور مالک کے بعد گھر میں جو کیفیت گذرتی اُس پر گہری نظر رکھتا اور مالک کو آتے ہی حرف بحرف سنا دیتا تھا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد اتفاقاً اسے پھر سفر در پیش آیا۔ اور طوطے کا پنجرہ اپنی عورت کے کمرے میں رکھا۔ اُسے تاکید کی کہ میرے بعد اسکی خبر رکھیو۔ جب واپس آیا تو طوطے سے گھر کی رُوداد دریافت کی۔ طوطے نے بیوی کی سب کرتوت کا بھانڈا پھوڑ دیا نیکمرد نے بی بی کو چشم نمائی کی تو وہ چکرائی اور لونڈیوں سے دریافت کرنے لگی کہ کس نے اسکی چغلی کھائی ہے۔ مگر جب سب نے قسم کھا کر کانوں پر ہاتھ رکھا تو طوطے کی شامت آگئی۔ بدذات عورت نے اُسے جھوٹا ثابت کرنے کے لئے راہیں ڈھونڈنی شروع کیں۔ تاکہ اسکا شوہر آئندہ اُس سے بدظن ہو جائے۔ ایکدن نیکمرد کو پھر گھر سے غیر حاضر رہنا پڑا اور عورت نے اُسے غنیمت سمجھ کر تین لونڈیوں کو حکم دیا کہ آج رات بھر ایک تو طوطے کے پنجرے تلے چکی پیسے دوسری اوپر سے پانی برساتی رہے اور تیسری سامنے لیمپ لیجا کر شیشے میں سے بجلی کے کوندنے کا نظارہ دکھائے لونڈیاں اپنی مالکہ کا حکم بجا لائیں۔ دوسرے دن جب نیکمرد گھر آیا اور طوطے سے کیفیت دریافت کی تو اُس نے جواب دیا کہ آج رات تو سخت مصیبت سے کٹی بادل گرجتا رہا مینہ برستا رہا اور بجلی کوندتی رہی نیکمرد نے سوچا کہ رات کو نہ ابر تھا نہ بارش۔ طوطا جھوٹا ہے پکا پکا۔ اُس کی سب باتوں کا اعتبار جاتا رہا۔ اور اپنی بی بی کی طرف سے بھی اسکا دل صاف ہو گیا اور غصہ سے طوطے کو زمین پر دے پٹکا۔ جس کر بیچارہ گنگا رام رام کہتے کہتے ٹیں بول گیا۔ لیکن جب کئی دن کے بعد اپنے ہمسایوں سے بھی اپنی عورت کی کرتوتوں کا کچا چٹھا سن لیا تو طوطے کی موت سے سخت متاسف ہو گیا۔ یہ حکایت سنا کر شاہ یونان نے وزیر سے کہا۔ تو حسد کے مارے حکیم دوبان کا میرے ہاتھ سے قتل ہونا چاہتا ہے مگر اس نیکمرد کی طرح نادان نہیں ہوں کہ عبث طوطے کو مار پچھتاؤں۔ وزیر نے جواب دیا۔ جناب والا اگر ایک شخص

مصاحبوں کے ساتھ گیند کھیلنے میں مصروف ہو گیا حتیٰ کہ پسینہ ٹپکنے لگا اور حکیم نے جو جو ہدایت کی تھی اُسپر پورے طور سے عمل کیا۔ دوسرے دن جب وہ جاگا تو بالکل چنگا بھلا تھا۔ بادشاہ کو اس علاج نے تعجب میں ڈالدیا اور کمال مسرت کے ساتھ اُسنے غسل صحت کا دربار منعقد فرمایا۔ ارکان دولت حاضر ہوئے حکیم صاحب بھی آئے۔ بادشاہ نے تختِ مسند پر جگہ عطا فرمائی اور کمال شفقت سے سب اہلِ دربار کے سامنے حکیم کی تعریف کی۔ خاصہ بھی اپنے ساتھ ہی کھلایا اور سنہری قبا کے ساتھ دو ہزار ریال مرحمت کرکے شام کو رخصت کیا۔ ہر روز بیش از بیش خاطر کرتا مگر پھر بھی رہ رہ کر اسے خیال آتا کہ میں نے حکیم کو اسکی خدمت کے عوض میں کچھ بھی نہیں دیا۔ وزیر اعظم کو حکیم کا یہ رتبہ کانٹے کی طرح کھٹکا اور اُسنے ارادہ کر لیا کہ حکیم کو بادشاہ کی نظروں سے گرادے۔ حتیٰ کہ ایک دن خلوت میں بادشاہ سے کہہ ہی بیٹھا کہ بادشاہ کو ایک ایسے شخص پر جسکے حال سے اُسے کبھی بھی آگاہی نہیں اسقدر اعتماد کرنا خالی از خطر نہیں۔ کیا حضور کو معلوم نہیں کہ حکیم دوبان بڑا مکار ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ حضور کے دشمنوں کو ہلاک کرے۔ بادشاہ نے کہا خیر تو ہے ایک ایسے شخص کے حق میں جس نے میری جان بچائی ایسی تہمتیں تراشنا کچھ ٹھیک نہیں۔ وزیر نے عرض کیا حضور والا۔ میں اس امر کی خوب تحقیق کر چکا ہوں۔ غلام کی مکرر تاکید ہے کہ اس سے ہوشیار رہیں وہ اپنے ملک سے محض حضور کی جان لینے کے ارادہ سے آیا ہے۔ بادشاہ نے کہا میں اسے عقیل اور باکمال پاتا ہوں۔ نیز اگر اس کا ارادہ میرے مارنے کا ہوتا۔ تو وہ مجھے تندرست ہی کیوں بناتا اچھا آج ایک ہزار ریال ماہوار اُسے اور زیادہ ملا کریں۔ یہ اُسکے حق میں تمہاری بدگمانی کا صلہ ہے اور اگر میں اپنی ساری دولت بھی اُسپر تصدق کر دوں تو بھی اسکا شکریہ ادا نہ ہو سکیگا۔ یاد رکھو میں تمہارے دم جھانسوں میں آکر اس سے بدسلوکی نہیں کر سکتا۔ مجھے وہ حکایت خوب یاد ہے کہ شاہ سندباد کے وزیر نے اُسے اپنے فرزند کے قتل کرنے سے کیسے باز رکھا تھا۔ وزیر نے اُسکے سننے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ شاہ یونان نے جواب دیا کہ بادشاہ سندباد کی ساس نے شہزادے پر کوئی تہمت رکھ کے بادشاہ کو اُسکے مروا دینے پر کہا۔ اور بادشاہ بے سوچے سمجھے ساس کے بھانسے میں آکر اُسے ہلاک کرا ہی دینا چاہتا۔ کہ وزیر نے عرض کی کہ اس حکم کے دینے میں جلدی نہ کریں۔ مبادا کہ بہ ناعاقبت اندیشی کرکے آپ کو بعد میں افسوس ہو جیسے

مرض (جذام) میں سخت مبتلا تھا۔ وہاں کے حکمار نے بہت تدابیر کیں مگر اسے کچھ افاقہ نہ ہوا۔ اتفاقاً ایک حکیم دوبان نامی بھی وہاں آگیا۔ جو کئی طرح کے علوم و فنون میں ماہر کامل تھا اور بہت سی زبانیں بھی جانتا تھا نیز جڑی بوٹیوں کے خواص سے بھی خوب آگاہ تھا۔ جب اُسنے سُنا کہ بادشاہ کو کوئی حکیم چنگا نہیں کر سکا تو اُسنے اپنے آنے کی اطلاع دربار شاہی میں کرائی اور حکم پاکر حضور میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی۔ کہ اگر ارشاد ہو تو بے مالش کیئے اور بغیر دوا کھلائے حضور کو اچھا کر دوں۔ بادشاہ نے جواب دیا۔ اگر تو مجھے اس طرح سے تندرست کر دیگا تو تجھے خوش کر دوں گا۔ دوبان اگلے دن کا وعدہ کرکے دربار سے رُخصت ہو آیا اور اُسیوقت ایک گیند اور نیز ایک مجوّف بیٹ تیار کرایا جس میں کئی دوائیوں کو سفوف کرکے بھر دیا اور دوسرے دن حسب وعدہ حاضر دربار ہو کر عرض کیا۔ کہ حضور گیند کھیلنے کے لئے گھوڑے پر سوار ہو کر گیند گھر کو تشریف لیجلیں۔ جب بادشاہ گیند گھر میں آگیا۔ حکیم نے اُسے وہ گیند اور بیٹ دیدیا جو پہلے سے تیار کر رکھا تھا۔ اور ہدایت کی کہ اس سے خوب کھیلیں حتیٰ کہ بدن سے عرق ٹپکنے لگے۔ اُسوقت آپ فوراً بلا تامل حمام کرکے خوب سوئیں۔ کل انشاءاللہ آپ کو بالکل صحت ہو جائیگی۔ بادشاہ حسب ہدایت حکیم

(تصویر حکیم دوبان اور بادشاہ گریک کی گیند کھیلتے ہوئے)



اپنی موت طلب کرے۔ سو آج تو نے مجھے نکالا ہے۔ بتا اب تجھے کیونکر ماروں؟ ماہیگیر نے دل میں کہا۔ یہ عجب بد قسمتی ہے کہ آج ایک تو محنت اکارت گئی دوسرے احسان کا یہ بدلہ ملتا ہے آخر منت کرکے التجا کی کہ مجھ پر میرے بال بچوں کی خاطر رحم کر مگر جنّ نے کچھ بھی نہ سُنا۔ اِتنے میں فوراً ہی اُسے ایک چالاکی سوجھ گئی اور اطمینان کی صورت بنا کر بولا۔ اچھا اگر یہی بات ہے اور میری موت تیرے ہی ہاتھ سے لکھی ہے۔ تو میں کیونکر بچ سکتا ہوں مگر قبل اسکے کہ اپنی موت کا طریق تجویز کروں تجھے اسی اسم اعظم کی قسم ہے جو حضرت سلیمان نے اپنے نگین میں کندہ کرا رکھا تھا کہ میرے اس سوال کا جواب دے کہ باوجود اتنے بڑے قد و قامت کے تو اس چھوٹے سے لوٹے میں کیسے سمایا ہوا تھا۔ جنّ نے کہا مجھے اسم اعظم کی قسم ہے کہ میں اِسی لوٹے میں تھا۔ مگر ماہیگیر نے ہاتھ کانوں پہ رکھے کہ میں جب تک تجھے اپنی آنکھوں سے اس لوٹے میں سمائے ہوئے نہ دیکھ لونگا جس میں تیرا ایک قدم بھی سمانا محال ہے میں ہرگز اعتبار نہیں کر سکتا۔ جنّ اِس بات کو سنتے ہی پھر دھواں بن گیا اور ویسا ہی ہو کر لوٹے میں سمانے لگا۔ حتیٰ کہ سارا لوٹے میں سما گیا اور آواز دی۔ کہ اے ماہیگیر اب تجھے یقین ہوا ہے کہ نہیں کہ لوٹے کے اندر ہوں۔ ماہیگیر نے جواب کی جگہ ڈھکنا لوٹے کے مُنہ پر رکھ دیا اور بند کرکے بولا۔ اے جنّ۔ اب میری باری ہے۔ تو مجھ سے معافی مانگ اور بتا کہ تجھے کیونکر ہلاک کروں یا تجھے پھر اسی دریا میں پھینکدوں اور کنارے دریا پر کُٹیا بنا کر بیٹھ جاؤں تاکہ جو ماہیگیر یہاں شکار کے ارادے سے آئے اُسے خبردار کردوں کہ یہاں ایک خبیث جنّ ہے اُسے نہ نکالنا۔ جنّ یہ سُنکر سخت گھبرا گیا اور چاہا کہ کسی طرح پھر نکل آئے۔ مگر حضرت سلیمانؑ کی مُہر کا دباؤ اُسپر بھاری تھا۔ مگر جب وہ مایوس ہو گیا تو ماہیگیر کی منت و سماجت کرنے لگا اور بولا کہ خدا کے لئے مجھے پھر دریا میں نہ ڈالو میں تو تم سے ہنستا تھا۔ ماہیگیر نے نہایت تحمل سے جواب دیا اے جنّ! ابھی تو تو بڑی اکڑ فوں دکھاتا تھا۔ اب بڑا نرم ملتے چلا ہے۔ میں تو تجھے دریا میں پھینکے بغیر چین نہ لونگا۔ جہاں سے تا قیامت تجھے نجات نہ ملے۔ جنّ گڑگڑانے لگا۔ خدا کے واسطے مجھ پر رحم کر۔ اگر تو مجھے یہاں سے مخلصی دلائیگا تو میں تیرے ساتھ بہت بڑا سلوک کرونگا لیکن ماہیگیر نے کہا تو بڑا مکار ہے۔ میں اگر تجھے چھوڑ دوں تو تو دوبارہ میرے مارنے پر کمربستہ ہوگا اور میرے ساتھ وہی سلوک کریگا جو شاہ یونان نے حکیم دوبان سے کیا تھا جنّ نے پوچھا وہ کیسے ہے۔ ماہیگیر نے جواب دیا۔

شاہِ یونان اور طبیب دوبان کی حکایت

ذکر کرتے ہیں کہ ملک فارس کے شہر رومان میں ایک بادشاہ تھا جسے شاہ گریک کہتے تھے وہ مرض

پھر دل کو تسلی دے لی کہ اچھا آج اسے ہی بیچکر گذارہ کرلوں گا۔ لوٹے کا منہ بند تھا اس نے چھری سے کھولا
لیکن جب خلاف امید بیچ میں سے کچھ نہ نکلا تو اسے ہاتھ سے پرے ڈالدیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ اس میں سے
دھوئیں کی سی کوئی چیز نکل رہی ہے۔ وہ سہم کر پرے ہٹ گیا اور دھوآں بلند ہو کر کنارے دریا پر چاروں
طرف پھیل گیا۔ ماہی گیر کو اور بھی حیرانی ہوئی۔ اتنے میں دھوآں سمٹ کر ایک ہیبت ناک قوی ہیکل جن
دکھائی دینے لگا۔ ماہی گیر اسے دیکھکر بھاگنا چاہتا تھا مگر اسکا پاؤں اٹھ نہ سکا۔ جن نے کہا۔ اے
سلیمان پیغمبر خدا کے لئے میرا قصور معاف کردے میں پھر تیری کبھی نافرمانی نہ کرونگا۔ ماہیگیر نے جی کڑا کرکے
اسے ملامتانہ لہجے میں کہا اے خدا! جب پیغمبر کو وفات پائے تو اٹھارہ سو برس گذر چکے ہیں تو کیا لغو بکتا
ہے۔ بتا تو کون ہے؟ اور اس لوٹے میں کس واسطے قید کیا گیا تھا۔ جن نے حقارت سے ماہی گیر کی طرف
نظر کی اور کہا کہ گستاخ! میرے ساتھ بے ادبانہ کلام مت کر اور قبل اسکے کہ میں تجھے قتل کروں۔ مجھ سے
باادب بات چیت کر۔ ماہیگیر نے کہا میں تیرا نجات دہندہ ہوں۔ کیا اسکے عوض میں تو مجھے قتل کرے گا
جن نے جواب دیا۔ یہ امر تیرے قتل سے مانع نہیں ہوسکتا! ہاں ایک رعایت دیسکتا ہوں کہ تو
خود پسند کرلے کہ کس طرح کے قتل پر راضی ہے۔ ماہی گیر بولا اے ناحق شناس مینے تیرا کیا گناہ کیا ہے
جسکے عوض تو مجھے مارا چاہتا ہے۔ جن نے کہا سن میں ان جنوں میں سے ہوں جو خدا کی خدائی کے منکر
تھے اور مینے سلیمان علیہ السلام کی نافرمانی کی۔ اس بادشاہ جلیل القدر نے آصف ابن برخیا اپنے
وزیر کو حکم دیا کہ مجھے گرفتار کر لائے۔ آصف مجھے قید کر کے حسب الحکم بادشاہ کے حضور میں لیگیا سلیمانؑ
نے مجھے شریعت کی تابعداری کے لئے کہا۔ مگر مینے انکار کیا۔ اور انہوں نے مجھے اس لوٹے میں قید
کر کے ڈھکنے پر اسم اعظم کی مہر لگا کر بیچ سمندر کے مجھے ڈالدیا اور مینے اسی قید کی حالت میں قسم کھائی
کہ جو کوئی مجھے سو برس کے اندر نکالے گا اسے اسقدر دولت دونگا کہ عمر بھر زندگی کے مزے لوٹے گا
لیکن وہ سو برس گذر گئے اور کسی نے میری سدھ نہ لی۔ پھر مینے قسم کھائی کہ اس دوسری صدی کو
نکال لینے والے کو روئے زمین کے خزانے دکھلا دونگا تو بھی مجھے کسی نے نہ نکالا۔ تیسری صدی میں
نکالنے والے کو بہت بڑا بادشاہ بنادینے اور اسکے پاس حاضر رہ کر ہر روز ہر طرح کی خدمات بجالانیکا
حلف اٹھایا۔ لیکن کسی نے مجھے رہائی نہ دی۔ آخر جھنجھلا کے مینے قسم کھائی کہ اب جو کوئی مجھے اس قید سے
نجات دیگا میں اسے نہایت بیرحمی سے قتل کردونگا۔ اسکے ساتھ اتنی رعایت کردونگا کہ جسطرح وہ چاہے

بھلا ہو۔ اور روز بہت سی کہ کچھ میری جورو کے لئے بھی عنایت ہو جس سے میں اُسے اُسکے اعمال کا مزہ چکھا سکوں۔ اسپر اُسنے پڑھ پڑھ کے پانی دم کر کے لپنے باپ کے ہاتھ پانی ! ہر بھیجدیا اور ہدایت کر دی کہ یہ پانی چھڑک کر جو کچھ اُسے بنانا چاہو اُسکا نام لے دینا۔ پھر قدرت خدا کا تماشہ دیکھنا ہیں اُسی نیکبخت سے پانی لیکر سیدھا گھر پہنچا۔ اور اس نامراد کو سوتا پاکر بہت خوش ہُوا فوراً وہ پانی اسپر چھڑک دیا اور کہا کہ جا خچر ہو جا اور یہ ایک ہی منٹ میں عورت سے خچر بنگئی۔ بڈھے کے قصے کو ختم کر چکنے پر جن نے خچر سے پوچھا۔ کہ کیا یہ واقعہ صحیح ہے اُسنے ہلا کر تصدیق کی۔ تو جن نے سوداگر کا بقایا گناہ بھی معاف کر دیا۔ اور رہائی دینے کے بعد سوداگر کو ہدایت کی کہ وہ اِن تینوں بڈھوں کا شکر گذار رہے۔ جنہوں نے اسے بچا لیا ہے۔ یہ کہکر جن کو تو غائب ہو گیا اور اُن چاروں نے ملکر اپنا اپنا راستہ لیا۔ سوداگر کے متعلقین اُسے سلامت پاکر بڑے خوش ہوئے اور بقیہ عمر اُسنے اہل و عیال میں ہی بسر کی۔ یہ حکایت سُنا کر شہرزاد نے کہا بادشاہ سلامت ! جو داستان میں عرض کر چکی ہوں ماہی گیر کی حکایت اس سے بدرجہا دلچسپ ہے۔ چونکہ رات ابھی باقی تھی اور دنیا زادنے اُسکے سُنانے پر اصرار کیا۔ نیز شہریار نے سُنانے کے لئے رضامندی ظاہر کی۔ شہرزاد نے اگلی داستان یوں شروع کی :-

ماہی گیر کی حکایت

جناب عالی ! ایک ماہی گیر کا ذکر ہے کہ بڑاپے کی حالت میں وہ بڑی تنگی سے بیوی بچوں کا پیٹ پالتا تھا اسکا معمول تھا کہ صبح سویرے اُٹھکر دریا پر جاتا۔ اور گن کر چار دفعہ جال کو دریا میں ڈالتا۔ جو کچھ ہاتھ آتا اُسے بیچکر کھانے پینے کا سامان لاتا۔ ایکدن علی الصبح حسب معمول جب اُسنے جال دریا میں ڈالکر کھینچا تو بہت بھاری معلوم ہوا۔ اُسنے خیال کیا کہ آج بڑی مچھلی پھنسی ہے۔ مگر باہر نکالا تو گدھے کی لاش تھی دوبارہ پھر پھینکا۔ اب کے نرا کیچڑ ہی آیا۔ اپنی بدقسمتی پر اُسے بڑا افسوس ہوا۔ جب تیسری دفعہ پھر جال کو دریا میں ڈالا تو کنکر اور گھونگھیاں وغیرہ ہاتھ آئیں۔ اُسکی مایوسی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اب طلوع آفتاب کا وقت بھی نزدیک تھا۔ اُسنے صبح کی نماز پڑھکر بارگاہ خداوندی سے دُعا مانگی کہ بارالہا ! میں روز چار دفعہ جال کو دریا میں ڈالا کرتا تھا۔ آج تین دفعہ تک کچھ ہاتھ نہیں لگا۔ صرف ایک بار اور باقی ہے میرے حال پر رحم کر۔ اور دعا مانگ کر جال کو دریا میں پھینکا۔ کھینچنے پر اُسے پھر جال بڑا بوجھل معلوم ہوا جسکو اُسنے خیال کیا کہ بہت مچھلیاں آئی ہیں مگر دیکھا تو ایک پیتل کے لوٹے کے سوا اسمیں کچھ بھی نہ تھا۔ اگرچہ اُسے سخت رنج ہوا۔ مگر

مجھ سے دشمنی کی پھر بھی میرے بھائی ہیں۔ میں اُنکی جان جانا پسند نہیں کرتا۔ اور جو سزا چاہو دیدو۔ پری
کچھ چھپی ہوئی اور وہاں سے اُڑ کر اس نے مجھے میرے مکان کی چھت پر لا بٹھایا۔ کوٹھے سے اُتر کر میں
اندر گیا اور مدفونہ ریال نکال کر کاروبار کرنے لگا۔ سوداگروں نے مجھے مبارکباد دی اور شام کو جب میں
گھر آیا تو ان دو کتوں کو وہاں بندھا پایا۔ یہ دم ہلا ہلا کر میرے پاؤں پر سر رکھنے لگے۔ اتنے میں وہ پری بھی آ پہنچی
اور اُسنے مجھے اطلاع دی کہ یہ دونو تیرے بڑے بھائی ہیں۔ میری ایک بہن نے جو ساحرہ بھی ہے انکے جہاز کو
ڈبوکر انہیں دس دس برس کے لئے کتا بنا دیا ہے۔ یہ کہکر وہ غائب ہوگئی اور میں دیکھتا کا دیکھتا ہی
رہ گیا۔ اب وہ دس برس کا عرصہ ختم ہوچکا ہے اور میں اسکی تلاش میں ہوں۔ سو ادھر آنکلا تھا کہ اس
سوداگر کو یہاں ویرانے میں اکیلے بیٹھے دیکھا۔ اب اے ملوک الجان! فرمایئے میرا قصہ عجیب وغریب ہے یا
نہیں۔ جن نے جواب دیا اچھا میں نے تیری خاطر بھی اس سوداگر کا ایک تہائی جرم معاف کیا۔ یہ سنکر تیسرا بڈھا
آگے آیا جو خچر کو ہمراہ لیے پھرتا تھا اُسنے عرض کی کہ اگر حضور میرے قصہ کو سنیں تو وہ ان سے بھی زیادہ عجیب
ہے۔ اور امیدوار ہوں کہ اسے سنکر اس سوداگر کا باقی تہائی جرم بھی بخشدیں۔ جن نے منظور کر لیا اور
تیسرے بڈھے نے اپنا حال بھی سنانا شروع کیا۔

خچر والے بڈھے کی حکایت

تیسرا بڈھا بولا۔ اے شاہ جناں! یہ خچر میری بی بی ہے۔ ایکدفعہ مجھے لمبے سفر کا اتفاق ہوا اور ایک سال کے
بعد ایک رات کیوقت جب گھر واپس آیا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ یہ ایک حبشی غلام کو ناز وادا دکھا رہی ہے
مجھے سخت غصہ آیا۔ ارادہ ہوا کہ اسکا سر بہتا سا اُڑا دوں مگر اُسنے مجھے اتنی مہلت ہی نہ دی۔ اور
جھٹ پٹ تھوڑا پانی لیکر اسپر کچھ پڑھ کر مجھ پر چھڑکنا شروع کیا۔ حتی کہ میں تو آدمی سے کتا بنگیا اور
دربدر پھرنے لگا۔ ایکدن ایک قصاب کی دوکان پر بھی میرا گذر ہوگیا۔ اور وہ مجھے بلا کر اپنے ساتھ گھر
کو لیگیا۔ اسکی لڑکی میرے گھر میں داخل ہوتے ہی دوڑ کر پردے میں چھپ گئی۔ قصاب نے اسکی وجہ
پوچھی تو لڑکی نے جواب دیا کہ جسے تم کتا سمجھے ہوئے ہو یہ آدمی ہے اور اس کی جورو نے اسکا یہ حال بنا
رکھا ہے۔ قصاب نے لڑکی سے التجا کی کہ بیٹی! جیسے ہوسکے غریب کو اس بلا سے نجات دے۔ لڑکی
نے فوراً تھوڑا سا پانی لیا اور اسپر افسون پڑھ کے مجھ پر چھڑکا۔ پانی کے چھوتے ہی میں اپنی اصلی
انسانی قالب میں آگیا اور لڑکی پھر پردے میں چلی گئی۔ میں نے شکریہ ادا کیا اور دعا دی کہ تیرا دو جہان میں

خیال سفر نے دونوں بھائیوں کی گدگدی لی اور وہ میرے پاس آئے کہ میں بھی تجارت کے لیے اُنکے ساتھ چلوں اور اُنہوں نے مجھے ترغیب و تحریص دینے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا لیکن جُوں جُوں میں انکار کرتا تھا وہ اصرار کرتے تھے۔ ناچار مجھے بھی رضامندی دینی پڑی اور اسباب سفر کے علاوہ اسباب تجارت بھی خریدنا شروع کیا اُسوقت مجھے پتہ لگا کہ وہ اپنی جمع جتھا سب کو ضایع کر چکے تھے مجھے رنج ضرور آیا۔ مگر میں نے اُنہیں کچھ نہیں کہا اور اپنے سرمائے سے جو اُس وقت تک چھ ہزار ریال ہو چکے تھے۔ ایک ایک ہزار ریال اور انہیں دیا۔ ایکہزار اپنے پاس رکھے اور تین ہزار حفظ ماتقدم کے طور پر گھر کے ایک کونے میں دفن کر دیئے۔ اِس خیال سے کہ اگر سفر میں نقصان پہنچے تو سر ملنے کا کام دیں۔ جب سفر کی تیاری بخوبی ہو چکی۔ تو ہم تینوں نے جہاز پر مال لدوا یا اور اپنے شہر سے چل پڑے۔ ایک مہینے کے بعد ایک پُر رونق اور آباد شہر میں جا پہنچے۔ ہمارا اسباب وہاں بہت آسانی سے اور نہایت ہی منافع پر بکا یک لم لگ گیا۔ ایک ایک کے دس دس کیے اور وہاں کا مال تجارت خرید کر اپنے وطن کو واپسی کی ٹھہرالی۔ ہم جہاز کی طرف آرہے تھے کہ سمندر کے کنارے ایک نہایت ہی خوبصورت عورت سے میری آنکھیں چار ہو گئیں جسکے کپڑے نہایت ہی میلے اور پھٹے پُرانے تھے اُس نے سلام کر کے میرے ہاتھ کو بوسہ دیا اور باصرار عرض کی کہ میں اسکے ساتھ عقد کر لوں میں نے بخیال رحم اُس کی درخواست کو منظور کر لیا اور بعد از فراغت رسوم جہاز پر لے آیا۔ اثنائے راہ میں میں نے اُسے نہایت ہی خوش سلیقہ پایا۔ اِسلیے میری محبت اور بھی بڑھ گئی۔ اسپر میرے دونو بھائی جلکے میرے دشمن بنگئے وہ موقعہ کی تلاش میں پھرنے لگے حتّٰی کہ ایکدن ہم دونوں میاں بی بی کو غافل سوتے ہوئے دیکھ کر ہمیں دریائے ذخار میں پھینکدیا۔ میری بی بی درحقیقت پری تھی۔ مجھے بعد میں معلوم ہُوا۔ جب وہ خود بھی نہ ڈوبی اور اُسنے مجھے بھی ڈوبنے سے بچا لیا بلکہ ایک خشک جزیرے پر جا رکھا اور کہا کہ میں نے ہی تجھے بچایا ہے۔ میں جنس پری سے ہوں۔ تجھے دیکھ کر میرے دل میں محبت پیدا ہو گئی تھی۔ مگر آزمائش کے لیے میلے کپڑے پہنکر تیرے سامنے آئی تھی۔ اور جب تو نے اُسی حالت میں بھی مجھے پسند کیا تو میں بہت خوش ہوئی۔ اب چاہتی ہوں کہ اُسکی شکر گذاری میں تیرے ساتھ بڑا احسان کروں۔ لیکن تیرے بھائیوں پر مجھے سخت غصّہ ہے۔ میں اُنہیں ہلاک کر دینا چاہتی ہوں۔ مجھے اُسکی باتوں پر بہت بڑا تعجب آیا۔ لیکن میں نے شکریہ ادا کر کے کہا۔ کہ اگر میرے بھائیوں نے

کی تلاش میں گمنام راہوں کیونکہ میں اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ بوڑھا یہاں تک پہونچکر بولا اے شاہِ جنات! اب انصاف کر کہ میرا قصہ اس سوداگر کی سرگذشت سے زیادہ ہی عجیب ہے یا نہیں جن نے اُسے مان لیا اور سوداگر کا ایک تہائی قصور معاف کر دیا۔ اسکے بعد دوسرا بڈھا جسکے ساتھ دو سیاہ کتے تھے آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ اے جنات کے بادشاہ! آپ میری اور ان دونوں کتوں کی بھی سرگذشت سن لیں اور اگر آپ کو پہلے قصہ سے زیادہ تر عجیب و غریب معلوم ہو تو امید وار ہوں کہ اس سوداگر کے قصور کا تیسرا حصہ میری خاطر بھی معاف کر دیں۔ جب جن نے اُسے بیان کرنے کی اجازت دی تو اس نے ایسا کہنا شروع کیا۔

دو کتوں والے بڈھے کی حکایت

دوسرے بڈھے نے کہا۔ اے جنوں کے بادشاہ یہ ہر دو سیاہ کتے میرے سگے بھائی ہیں۔ والد نے مرتے وقت ایک ایک ہزار ریال ہم تینوں کو وصیت کیے تھے۔ ہم نے ان سے تجارت شروع کی۔ لیکن بڑے بھائی کے دل میں باہر جا کر بیوپار کرنے کا ولولہ پیدا ہوا اور اس نے ایسا اسباب خریدنا شروع کیا جو دوسرے ملکوں میں گراں قیمت پر بک سکے اور خوب تیاری کر کے وہ روانہ ہو گیا۔ اسکے پورے ایک سال کے بعد ایک گدا میری دوکان پر آیا اور اس نے مجھے سلام کی لیکن جب مینے توجہ نہ کی تو اس نے کہا کہ آپ مجھے پہچان نہیں سکتے۔ جب مینے بغور دیکھا تو وہ میرا اپنا ہی بھائی تھا۔ مینے اسے گلے لگایا اور معذرت کی کہ یہ تمہارا کیا حال بن رہا ہے۔ اُسنے جواب دیا صورت سے ہی حالت پرس۔ لیکن میرے اصرار کرنے پر جب اسنے اپنی بربادی کا حال کہہ سنایا تو میں اپنا عیش و آرام سب بھول گیا۔ اسے حمام کروا کے نئی پوشاک بدلوائی۔ اس وقت مجھے بھی دو ہزار ریال کا منافع ہو چکا تھا جس میں سے ایک ایک ہزار مینے اس بھائی کو دیدئے۔ اور ہم دونوں بدستور سابق دوکان کا کام کرنے لگے۔ پھر ایک دن میرے دوسرے بھائی کے دل میں بھی غیر ملکوں کی تجارت کی اُمنگ اٹھی۔ مینے اسے سمجھایا بھی۔ کہ بڑے نے آگے کیا فائدہ اٹھایا ہے جو تو اُٹھائیگا۔ لیکن وہ نہ مانا اور اسباب تجارت خرید کر ایک قافلے کے ہمراہ روانہ ہو گیا۔ اور پورے ایک سال کے بعد وہ بھی بہت خستہ بڑے بھائی کی طرح واپس لوٹا اور اسے بھی مینے اپنے پاس سے ایک ہزار ریال دیکر دوکان کھلوا دی۔ اسی حالت میں تھوڑا عرصہ گذر گیا کہ پھر

اہیر کو اس کے لیجانے اور حفاظت سے رکھنے کو کہدیا۔ دوسرے دن میں گھر میں بیٹھا تھا کہ وہی اہیر
میرے پاس آیا اور کہا۔ کہ میں آپ کو مژدہ سنانا چاہتا ہوں۔ جب میں نے اسے سنانے کی اجازت
دی تو اُس نے چپکے چپکے کہنا شروع کیا۔ کہ میری لڑکی نے بچپن میں ایک بڑھیا سے جادو سیکھا تھا کل
آپنے جو مجھے وہ بچھڑا دیا ہے میں اُسے لئے ہوئے اپنے گھر میں داخل ہوا تو اُسے دیکھتے ہی میری
لڑکی نے فوراً منہ ڈھانپ لیا اور پہلے ہنس دی اور پھر رو پڑی۔ جب میں نے سبب پوچھا تو اُسنے جواب دیا کہ ابا جان!
یہ ہمارے آقا کا بیٹا ہے۔ اسے دیکھ کر میں ہنس دی تھی۔ لیکن اسکی ماں کی یاد سے بے اختیار آنسو بھر آئے
جو گائے کے قالب میں ذبح کی گئی تھی۔ ہمارے آقا کی بی بی نے اُن دونوں کو حسد کے سبب سے
بزور سحر گائے اور بچھڑا بنا ڈالا تھا۔ اپنی بیٹی کے منہ سے یہ سنکر میں دوڑا دوڑا آپ کی خدمت میں حاضر
ہوا ہوں۔ اے شاہِ جنات! میں اہیر کے منہ سے یہ بشارت سنکر بیخود ہو گیا اور فوراً اس لڑکی کے
پاس پہنچا اور وہاں اس بچھڑے کو منگا کر لڑکی سے دریافت کیا کہ کیا فی الواقع یہ میرا لختِ جگر ہے۔
اسنے جواب دیا کہ بلا شک و شبہ۔ اسوقت بچھڑے سے بھی ایسی حرکتیں ظہور میں آئیں جن سے ظاہر
ہوتا تھا کہ وہ مجھے محبت سے دیکھتا ہے۔ میں نے اس لڑکی سے درخواست کی کہ اگر وہ کسی تدبیر سے اسے
پھر اصلی قالب میں لا دے تو میں اسے بیشمار زر و مال دونگا۔ مگر لڑکی نے دو شرطیں پیش کیں۔ اوّل یہ کہ
اسکی شادی میرے ساتھ کر دیجئے گا۔ دوسرے جس نے اسکو بچھڑا بنایا ہے اسے تھوڑی سی سزا دینا
چاہتی ہوں۔ میں نے ان شرطوں کو بخوشی و خرمی منظور کیا۔ اور کہا کہ میرے چچا کی بیٹی کا خون بھی تجھے مباح
ہے۔ غرض لڑکی نے پانی کا ایک پیالہ لیا۔ اسپر کچھ پڑھا اور اس بچھڑے کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ کہ اے
مخلوق خدا اگر تو جادو کے اثر سے بچھڑا بنگیا ہے تو اس پانی کی تاثیر سے اپنی اصلی حالت پر آجا۔ یہ
کہکر وہ پانی اوپر چھڑک دیا۔ پانی کے پڑتے ہی وہ بچھڑا اپنی صورت میں آگیا۔ میں نے فوراً اسے گلے سے
لگا لیا اور کہا کہ اے میرے بیٹے خدا تعالیٰ کا شکریہ ادا کر اور اس لڑکی کا ممنون ہو کر اسے اپنی زوجیت
میں قبول کر جس نے تجھے مصیبت کے منہ سے چھڑایا ہے۔ کیونکہ میں نے اس سے یہ وعدہ کیا تھا۔
میرے لڑکے نے اسکو تہ دل قبول کیا اور لڑکی نے نکاح سے پیشتر میری عورت کو ہرنی بنا ڈالا
پھر میں نے ان دونوں کا بیاہ کر دیا۔ تھوڑے دن ہوئے کہ وہ لڑکی ملک بقا کو چل بسی ہے۔ اور
میرے لڑکے نے اپنا شہر چھوڑ کر مسافرت اختیار کر لی ہے۔ اب میں اس ہرنی کو ساتھ لئے اسی

خود لوٹا اور اپنے بیٹے اور اسکی ماں کے بارے میں دریافت کیا تو اُسنے مجھے جواب دیا کہ زندی تو مر چکی ہے اور اُس کا لڑکا تو خدا جانے کہاں بھاگ گیا ہے۔ مجھے یہ سُنکر سخت رنج ہوا اور برابر سال بھر تک میں غمناک رہا حتیٰ کہ عید قربانی کا دن آپہنچا۔ میں نے اہیر کو پیغام بھیجا کہ کوئی موٹی تازی گائے قربانی کے لیئے گلے میں سے انتخاب کر کے لے آیئے۔ اہیر میرے سامنے اُسی گائے کو لے آیا جسے اُس ملعونہ نے جادو سے گائے بنا رکھا تھا میں نے چھُری ہاتھ میں لی اور اُس کی قربانی کے لیئے تیار ہوا لیکن وہ مجھے دیکھتے ہی رونے اور چلّانے لگی۔ اسلیئے مجھے اُس کے ذبح کرنے کا حوصلہ نہ پڑ سکا اور میں نے اہیر کو کہدیا کہ وہی اس کار کو انجام دیدے۔ اُسنے میرے حکم کی تعمیل کی۔ لیکن جب اُس کا چمڑہ جدا کیا گیا تو اندر سے ہڈیوں کے سوائے گوشت اور چربی کا نام بھی نہ تھا۔ مجھے اسپر بہت سخت افسوس ہوا۔ لیکن وہ بیفائدہ تھا۔ پھر میں نے اہیر کو موٹے سے بچھڑے کے لانے کیلیئے کہا اور وہ میرے پاس میرے ہی بیٹے کو لے آیا جو جادو کے زور سے بچھڑا بنا ہوا تھا۔ اس بچھڑے نے مجھے دیکھتے ہی رسّہ توڑا لیا۔ اور میرے پاؤں میں لوٹ لوٹ کر محبت کا اظہار کرنے اور رونے لگا۔ میرے دل میں بھی اُس کی محبت پیدا ہو گئی اور اہیر کو میں نے کہدیا کہ وہ اُسکے بدلے کسی اور جانور کو لے آئے اور اُسے حفاظت سے رکھے۔

شہرزاد یہاں تک پہنچی تھی کہ صبح ہو گئی۔ ناچار اُسے چپ ہونا پڑا۔ دُنیازاد نے کہا بہن یہ کیسی عجیب کہانی ہے۔ شہرزاد نے جواب دیا کہ یہ اس کہانی کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں جو میں کل سناؤنگی۔ اگر بادشاہ نے آج کے لیئے میری جان بخشی کر دی۔ شہریار نے سوچا کیا ہرج ہے۔ چلو کہانی کا باقی حصہ بھی سُن لو۔ اسے تو پھر بھی قتل کر سکتا ہوں۔ یہ سوچکر وہ چُپ چاپ چلا گیا۔ اور سلطنت کے کاروبار حسب معمول انجام دینے لگا۔ لیکن وزیر کو شہرزاد کے قتل کا کوئی حکم نہ دیا۔ جو رات بھر اسی فکر میں سخت بے چین رہا تھا اور اُسے سخت حیرانی ہوئی۔ غرض سلطنت کے کاروبار سے فرصت حاصل کر کے رات کو پھر بادشاہ خلوت گاہ میں گیا اور ایک گھڑی کے تڑکے دُنیازاد نے شہرزاد سے کل والی کہانی کے ختم کرنے کی فرمائش کی۔ شہرزاد نے بادشاہ سے اجازت طلب کی جس کا جواب حسب منشا پاکر اُسے کہنا شروع کیا کہ بادشاہ سلامت! بوڑھے کی ان باتوں نے جنکو سخت حیرانی میں ڈالدیا۔ مگر بوڑھا کہتا چلا گیا۔ کہ یہ ہرنی میرے چچا کی بیٹی اُسوقت پاس ہی کھڑی تھی۔ اُسنے اصرار کیا کہ میں اُسی بچھڑے کو ذبح کر دوں لیکن مجھے طاقت نہ ہوئی اور میں نے

تصویر جن و سوداگر اور تین بڈھوں کی جن کے ساتھ ایک ہرنی اور ایک خچر اور دو کُتّے تھے



اے جنّوں کے بادشاہ! میں آپ کو اپنا اور اس ہرنی کا جو میرے ساتھ ہے قصّہ سُنانا چاہتا ہوں اگر یہ حال سوداگر کی سرگذشت سے زیادہ عجیب ہو تو میں اُمید رکھتا ہوں کہ تو تیسرا حصّہ اس سوداگر کے گناہ کا معاف کر دے۔ جن نے اُسے قبول کیا اور بوڑھے نے اپنی داستان یوں شروع کی کہ اے جنّوں کے بادشاہ! یہ ہرنی میرے چچا کی بیٹی اور میری زوجہ ہے۔ جب میرا نکاح اس کے ساتھ قرار پایا تو یہ نہایت ہی صغیر سن تھی۔ جب ہماری شادی کو تیس برس گذر گئے اور کوئی لڑکا بالا پیدا نہ ہوا جسکی مجھے خواہش تھی تو میں نے ایک لونڈی مول لے لی اور اُس سے میرے ایک چاند سا بیٹا پیدا ہوا جو دن بدن بڑھنے پھولنے لگا۔ حتی کہ جب پندرہ سال کا ہو گیا تو مجھے ایک دور و دراز سفر میں جانا پڑا۔ میری چچا کی بیٹی اِن ماں بیٹوں سے بُری طرح جلتی تھی۔ اور اُس نے لڑکپن میں جادو بھی سیکھ رکھا تھا۔ میرے پیچھے اس کمبخت نے میرے دل کا سنگار نکالا اور اِن ماں بیٹوں کو جادو کے زور سے گائے اور بچھڑا بنا ڈالا اور دونوں کو اہیر کے سپرد کر دیا کہ اُنکی پرورش کرے۔ جب میں سفر سے مدت مدید کے

اسباب کی کثرت ہے۔ میرے بال بچے ہیں اور عورت ہے۔ لوگوں کی کچھ رقمیں بھی ہیں مجھے صرف ایکسال کے لئے اجازت دے تاکہ میں ان سب معاملات کو روبراہ کر آؤں اور ایکسال گذرنے کے بعد اپنے تئیں تیرے سپرد کردونگا پھر خواہ مجھے ماردینا یا چھوڑ دینا۔ میں تیرے ساتھ وعدہ کرتا ہوں کہ ایکسال گذرنے پر یہیں آحاضر ہونگا جن نے وعدہ لیکر اُسے چھوڑ دیا اور وہ اپنے شہر کی طرف لوٹ آیا۔ اور جلد جلد سب علائق سے قطع تعلق کرنے لگا۔ اپنے بال بچوں اور عورتوں کو بھی حقیقت حال سے باخبر کر دیا۔ جو رونے پیٹنے لگے مگر سارے جھگڑے ہٹاتے اُسے ایکسال گذر گیا اور وہ خرچی میں کفن ڈالکر اُس جگہ کی طرف روانہ ہوا جہاں کا وعدہ کر آیا تھا۔ اُس کے اہل وعیال ہمسائے دوست سب آکر رونے چلانے لگے لیکن اُس نے انکی پرواہ نہ کی حتیٰ کہ وہاں پہنچگیا۔ آج دوسرے سال کا پہلا دن تھا۔ اسی اثنا میں جبکہ وہ مقام معہودہ پر بیٹھا ہوا اور وہ جن کا انتظار کر رہا تھا کہ ایک بوڑھا بھی آپہنچا جسکے ساتھ ایک ہرنی تھی اُسنے آتے ہی تاجر کو سلام کیا اور ایسے مقام میں جو جنوں کے رہنے کی جگہ تھی اکیلے بیٹھے ہوئے کا سبب دریافت کیا۔ جب سوداگر نے اپنی سرگذشت سنادی تو بوڑھا سخت حیران ہوا اور کہنے لگا خدا کی قسم تیری وعدہ ایفائی تعریف کے قابل ہے اور اب میں تیرا انجام دیکھے بغیر یہاں سے نہیں ٹلونگا۔ یہ کہکر وہ اُس تاجر کے پاس ہی بیٹھ گیا اور دونوں باتوں میں مشغول ہوگئے۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد تاجر پر خوف غالب ہونے لگا اور وہ بے سدھ ہوگیا کہ اتنے میں وہاں ایک اور بوڑھا دو سیاہ کتیوں کو ہمراہ لئے ہوئے آگیا اور دونوں کو سلام کرکے انکے ایسے مکان میں جو جنوں کا ملجا سمجھا جاتا تھا بیٹھنے کا سبب پوچھا جسکے جواب میں اُسے آغاز سے انجام تک ساری کیفیت سنادی گئی اور اُسے سنکر وہ بھی انکے پاس ہی بیٹھ گیا اُسے بیٹھے دیر نہ ہوئی تھی کہ اتنے میں ایک اور بوڑھا خچر ہمراہ لئے ہوئے آپہونچا اور پہلے دو بڈھوں سے سوداگر کی غمگینی کی وجہ پوچھی جنہوں نے غریب کی پوری کیفیت سے اُسے مطلع کیا۔ اُس تیسرے بڈھے نے ابھی دم بھی نہ لیا تھا کہ سب کی نگاہیں ایک بڑے گرد وغبار کے ستون کی طرف لگ گئیں جو یکایک اوپر کو اٹھکر غائب ہوگیا اور چشم زدن میں ایک جن ہاتھ میں ننگی تلوار لئے سوداگر پر جھپٹا اور للکارا کہ اٹھ میں بھی تجھے اسیطرح قتل کرونگا جس طرح سے تونے میرے لخت جگر کو ہلاک کیا ہے۔ جن کی اس للکار سے سوداگر اور تینوں بوڑھے کانپ اٹھے اور سوداگر نے ضیار رو دیا جسپر پہلے بڈھے کو رحم آگیا اور وہ آگے بڑھکر جن سے التجا کرنے لگا کہ

بادشاہ سے اجازت طلب کی جو بخوشی دے دی گئی۔ شہرزاد نے سوداگر اور جن کا قصہ اس طرح سے شروع کیا:۔

سوداگر اور جن کی حکایت

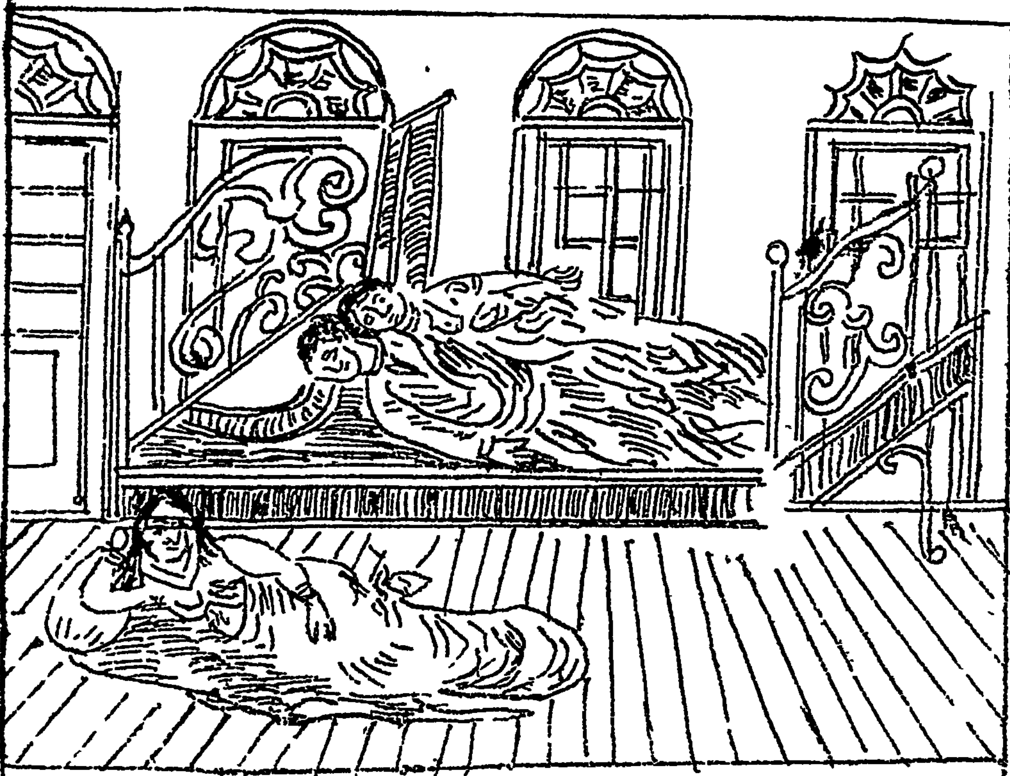
بادشاہ سلامت! اگلے زمانے کے ایک دولتمند اور کثیر المعاملات تاجر کا ذکر ہے کہ وہ ایکدن کسی شہر کے قصبے سے روانہ ہوا۔ اور راستے میں سخت حرارت سے اسے ایک درخت تلے آرام کرنے کیلئے ٹھہرا دیا۔ اسے بھوک بھی لگ آئی تھی اسلئے خرجی میں سے روٹی کے ٹکڑے اور کھجوریں نکالکر کھانے لگا جب کھانے سے فراغت پا چکا تو کھجور کی گٹھلیوں کو ادھر ادھر پھینک دیا۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک طویل القامت جن ہاتھ میں ننگی تلوار لئے اسکی طرف جھپٹا چلا آرہا ہے اور آتے ہی اسے پکڑ کر حکم دیا کہ آؤ تاکہ میں بھی تجھے اسی طرح قتل کروں جسطرح سے تو نے میرے بیٹے کو ہلاک کیا ہے۔ بیچارہ تاجر حیران رہ گیا۔ اور معذرت کرنے لگا کہ میں نے تو آپ کے بیٹے کو دیکھا بھی نہیں۔ جن نے جواب دیا کہ جب تو گٹھلیوں کو ادھر ادھر پھینک رہا تھا تو ایک گٹھلی میرے بچے کی چھاتی میں جا لگی اور اسے ہلاک کر دیا۔ اب میں اس کے عوض میں تجھے بھی ضرور ماروں گا۔ سوداگر یہ سنکر رونے چلانے لگا۔ اور کہا اے جن! مجھ پر کچھ قرضہ ہے اور میرے بال

تصویر سوداگر اور جن کی خوشامد کرتے ہوئے جو قتل پر آمادہ تھا



نصیحت کی کہ جب میں تجھے بلاؤنگی بے جھجک چلی آئیو۔ میں تجھے شادی کے کمرے میں بلاؤں گی اور خیال رکھنا کہ ایک گھڑی کے تڑکے جاگ کر مجھ سے کوئی کہانی سنانے کی ضرور فرمائش کریو۔ سمجھ لیا۔ آگے میں سب کچھ سمجھ لونگی۔ غرض شام کو وزیر شہرزاد کو شاہی محل میں لیگیا اور عقد کے بعد شاہی محل میں چھوڑکر رخصت ہوا۔ خلوت میں بادشاہ نے اُسے نقاب اُتارنیکا حکم دیا۔ لیکن دیکھا تو وہ رو رہی ہے۔ وجہ دریافت کی تو شہرزاد نے کہا کہ میری چھوٹی بہن بھی ہے جسے میں بہت چاہتی ہوں۔ میری خواہش ہے کہ رات کو وہ بھی میرے پاس رہے۔ تاکہ صبح کے وقت ہم دونوں ایکدوسری کا آخری دیدار کرسکیں۔ بادشاہ نے دنیازاد کو بھی بلوانے کی اجازت دی۔ غرض شہریار اور شہرزاد دونو پلنگ پر سوئے اور دنیازاد کو فرش زمین نصیب ہوا۔ اور حسب قرارداد جب ایک گھڑی رات رہگئی۔ دنیازاد نے شہرزاد کو آواز دی کہ باجی جان! آخت

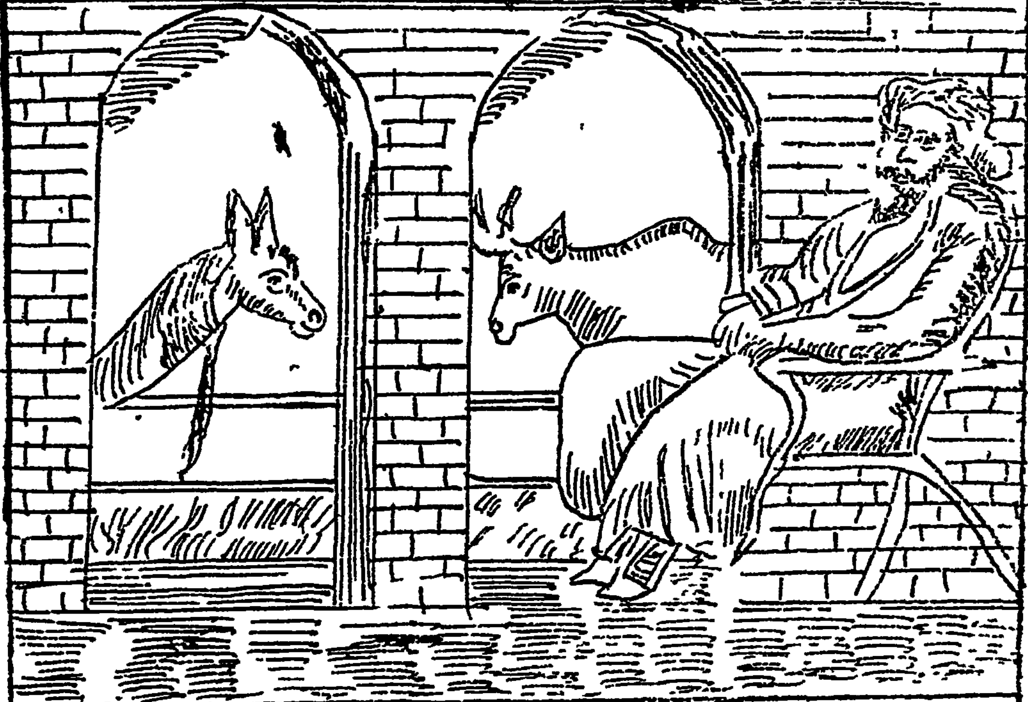
تصویر شہریار اور شہرزاد کے ہمبستر ہونیکی اور دنیازاد کی نیچے پلنگ شاہی کے لیٹنے کی



رنج و الم کے سبب رات کٹتی دکھائی نہیں دیتی - اگر کوئی کہانی یاد ہو تو کہو کہ طبیعت بہلے شہرزاد نے

دروازہ بند کر کے چلّانے لگی رات بھر وہ اسی طرح چیختی رہی مگر سوداگر نے کچھ نہیں کہا صبح کو بھی جب اسکا یہی حال دیکھا تو اُسے سمجھانا شروع کیا۔ اسکے رشتہ داروں کو بھی بلوایا کہ اسے سمجھاؤ۔ مگر وہاں کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ سوداگر متفکر سا ہو گیا کہ بیٹھے بٹھائے یہ خوب آفت آئی ہے کہ اگر میں اسے جانوروں کی بولی کا راز بتا دیتا ہوں تو میں خود مرتا ہوں۔ اور اگر نہیں بتاتا تو یہ جان سے جاتی ہے۔ اور باہر کے دروازے میں جا بیٹھا تھا۔ اسی حالت تشویش میں دیکھا کہ اس کا کتا ایک مرغ پر جھپٹا۔ جو اپنی مرغیوں سے جھنڈ میں مصروف تھا اور اسے ملامت کرنے لگا کہ بڑا بے حیا اور نکھرام ہے۔ جو ایسے وقت میں بھی مالک کی جان پر بنی ہوئی ہے ان حرکات سے باز نہیں آتا مرغ نے مالک کے فکر کا سبب دریافت کیا۔ کتے نے جواب دیا کہ آج ہمارے آقا کی نادان بی بی اس سے ایک ایسا راز پوچھنے پر ضد کر رہی ہے جس کے بتانے سے اسکی جان جانے کا اندیشہ ہے ورنہ وہ خود اپنے تئیں ہلاک کریگی۔ مرغ نے کہا ہمارا مالک بھی بڑا نادان ہے۔ جو ایک جورو کو بھی قابو میں نہیں کر سکتا مجھے دیکھو کہ پچاس مرغیوں کو کس طرح سے قابو کر رکھا ہے اگر وہ عقلمندی سے کام لے تو جورو کے سر سے ضد کا بھوت ایک منٹ میں نکل جائے۔ کتے نے پوچھا وہ کیا تدبیر ہے مرغ نے جواب دیا کہ اگر مالک جوتی یا کر لاٹھی سے اپنی بی بی کی ذرا مرمت کرے تو ابھی ابھی تکلے کی طرح اس کے سارے بل نکل جائیں سوداگر کو مرغ کی تدبیر پسند آئی اور فوراً لاٹھی اٹھا کے جورو کی طرف گیا اور بی بی کی مرمت شروع کر دی مثل ہے مار کے آگے بھوت ناچے۔ ایک منٹ بھی گذرنے نہ پایا تھا کہ اسکی بی بی تائب ہو کر قدموں پر گر پڑی اور گڑگڑا کر معافی مانگنے لگی کہ اب رحم کرو۔ اب میں وہ راز نہیں پوچھونگی۔ ہٹ تیری گیدی کی دُم میں نمدے اور مر گئی۔ وزیر نے یہ حکایت تمام کر کے کہا کہ تیری ضد کا بھی بس یہی علاج ہو گا۔ لیکن شہرزاد نے کہا کہ اگر آپ میری معروض کو نہیں سنینگے تو میں خود بلا واسطہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گی۔ ناچار وزیر نے بادل ریش اس کی درخواست کو قبول کیا اور بادشاہ کی خدمت میں عرض کی۔ کہ میری بیٹی شب آئندہ کو آپ کے نکاح میں آنا چاہتی ہے۔ بادشاہ نے کہا لیکن خیال رکھنا کہ میں تیری خاطر اپنے اصول کو نہ چھوڑونگا۔ وزیر نے سخت مغمومی سے آکر بیٹی کو یہ خبر سنائی شہرزاد اپنی درخواست کا قبول ہونا سنکر بڑی ہی خوش ہوئی اور باپ کو سمجھایا کہ یہ امر زندگی بھر آپ کی خوشنودی کا موجب ہو گا اور گھر سے وداع ہوتے وقت اپنی چھوٹی بہن دینازاد کو علیحدہ لیجا

تصویر سوداگر کی اصطبل کے قریب بیٹھکر بیل اور خچر کی گفتگو سننے کی



اس گدھے کی طرح تو بھی کیوں ناحق آفت میں پڑنا چاہتی ہے مگر شہرزاد نے سخت اصرار کیا کہ میں اپنے
ارادے سے باز نہ آؤنگی۔ وزیر نے کہا اگر تو نے اپنے ہٹ کو نہ چھوڑا تو میں بھی تجھے ویسی ہی سزا دونگا۔
جیسی اس سوداگر نے اپنی بی بی کو دی تھی۔ شہرزاد نے اشتیاق ظاہر کیا کہ وہ نقل کس طرح ہے وزیر
بولا۔ اگلے دن بھی جب گدھا شام کو نہایت ہی نڈھال ہو کر تھان پر پہنچا تو سوداگر طعام شب سے فراغت
حاصل کرکے اپنی بی بی سمیت وہاں آگیا تھا اُسنے دیکھا کہ گدھے کے اندر آتے ہی بیل نے اسکا شکریہ ادا
کیا مگر وہ سخت تکلیف میں تھا اُسنے جواب دیا کہ آج مینے سُنا ہے کہ ہمارا مالک تمہیں بیمار جانکر ذبح کرا دینا
چاہتا ہے۔ اسلیئے کل سے بیماری کا بہانہ چھوڑ دو۔ بیل نے جان بچانیکے لیئے پھر اسکا شکریہ ادا کیا اور
کہا کہ اب میں یہ بہانہ چھوڑ دونگا۔ سوداگر نے یہ سُنکر بے اختیار قہقہہ لگایا۔ اُسکی بی بی نے نہایت حیرانی
سے ہنسنے کا سبب دریافت کیا۔ سوداگر نے کہا کہ وہ بات بتانے کی نہیں اور اگر بتاؤں تو فوراً مر جاؤنگا
بی بی نے اصرار کیا کہ اگرچہ تو مر بھی جائے لیکن تجھے ہنسنے کا سبب ضرور بتانا پڑیگا۔ سوداگر نے
کانوں پر ہاتھ رکھا۔ مگر اس کی بی بی مرغے کی ایک ہی ٹانگ ہانکے گئی اور کہنے لگی۔ اگر تو مجھے یہ راز
نہیں بتائیگا تو میں اپنے تئیں ہلاک کر ڈالوں گی۔ یہ کہکر وہ ایک کوٹھڑی میں گھس گئی اور اندر سے

کو اس گناہ عظیم سے باز رکھو گی یا اپنی ہمجنسو نپر قربان ہو جاؤ گی مگر وزیر نے انکار کر دیا کہ میں دیدہ و دانستہ اپنے لخت جگر کو سانپ کے منہ میں نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن جب شہرزاد نے اصرار کیا تو وزیر نے کہا کہ میں ڈرتا ہوں تیرا بھی وہی حال نہ ہو جو ایک سوداگر کے گدھے کا ہوا تھا۔ شہرزاد نے پوچھا وہ حکایت کیسی ہے

گدھے اور بیل اور اُس کے رکھوالے کی حکایت

وزیر نے کہا۔ کہ ایک جلیل القدر سوداگر کو جسکے ہاں بہت سے مال مویشی عموماً رہا کرتے تھے۔ خدا تعالے نے پرندوں اور حیوانوں کی بولیاں اُسے سمجھنے کی قدرت عطا کر رکھی تھی۔ ایکدن وہ سوداگر اپنے اصطبل کی طرف گیا۔ جہاں ایک گدھا اور ایک بیل پاس پاس بندھے تھے کرسی بچھوا کر بیٹھ گیا۔ دیکھا کہ دو نوں جانور آپس میں مصروف گفتگو ہیں۔ سوداگر متوجہ ہو کر انکی باتیں سُننے لگا۔ بیل نے گدھے سے کہا۔ تو بڑا خوش قسمت ہے کہ ہمیشہ آرام میں رہتا ہے۔ اچھا کھاتا ہے اور کام کچھ بھی نہیں کرنا پڑتا۔ برعکس اسکے مجھے اسقدر محنت و مشقت اُٹھانی پڑتی ہے کہ بیان نہیں کر سکتا۔ سارا دن میری پیٹھ پر ہل رکھکر زمین جوتتے ہیں۔ کاشتکار چابک اور آنکس کے ساتھ بیدردی سے ہانکتا ہے۔ اور رات کو سوکھا سڑا بھس سامنے ڈالدیتے ہیں جسے دیکھنے سے بھی نفرت ہوتی ہے۔ یہ دیکھ ہل کی رگڑ سے میرا کاندھا بھی چھلگیا ہے۔ دن کو کام کرتا ہوں اور رات بھر بھوکا اپنے موت گوبر میں پڑا رہتا ہوں۔ تیری خوشحالی پر مجھے رشک آتا ہے۔ گدھے نے عاقلانہ جواب دیا کہ تیری اپنی ہی نیت آرام لینے کی نہیں معلوم ہوتی۔ ورنہ یہ کیا مشکل بات ہے۔ سُن کل جب تجھے ہل میں جوتنے لگیں تو ہرگز نہ اُٹھنا۔ خواہ کسقدر ماریں اور اگر کسی طرح سے اُٹھا بھی لیں تو پھر گر پڑنا۔ گویا تو بیمار ہے۔ اور جب تیرے سامنے چارہ ڈالا جائے تو اُسے چھونا تک نہیں۔ ایکدو دن تک میری نصیحت پر عمل کر دیکھ کہ آرام ملتا ہے یا نہیں۔ بیل نے اس تدبیر کو پسند کیا اور بھوکا پیاسا پڑا رہا۔ صبح کے وقت جب کاشتکار حسب معمول اسے ہل میں جوتنے کے لئے آیا۔ تو دیکھا کہ بیمار پڑا ہے چارے کو چھوا تک نہیں۔ اُس نے سوداگر کو اطلاع دی جو اس حقیقت سے پہلے ہی مطلع تھا اُسنے جوابدیا کہ آج گدھے سے کام لو۔ کاشتکار نے حکم کی تعمیل کی۔ دن بھر کی مشقت نے غریب کی ٹانگوں کو شل کر دیا۔ اور جب وہ شام کو واپس آیا اُس سے قدم تک نہ اُٹھایا جاتا تھا۔ بیل نے جو آج آرام میں رہا اُسکا شکریہ ادا کیا۔ مگر اُسنے کچھ جواب نہ دیا اور سخت شرمندہ تھا کہ میں نے کیوں خواہ مخواہ یہ مصیبت مول لے لی۔ یہ قصہ سنا کر وزیر بولا۔ بیٹی اس

ہوئے دولو کے ہاتھ پکڑ کر خلوت کا اشارہ کیا جس سے انہوں نے پہلے تو انکار کیا۔ مگر دیو کی
پیبائی سی دھمکی ملنے پر باری باری اس قحبہ کا حکم بجا لائے۔ اس کے بعد اس نے دونوں
سے انکی انگوٹھیاں طلب کر لیں اور انہیں اپنی صندوقچی سے پانچسو سات انگوٹھیاں ایک
ڈورے میں پروئی ہوئی نکال کر دکھائیں کہ یہ بھی ایسے لوگوں کی یادگار ہیں جو اس جن کی غفلت
کا ثبوت ہیں۔ یہ مجھے برات کے دن اٹھا لایا اور بڑی حفاظت سے بہ سمندر میں رکھتا ہے
لیکن میں جو چاہتی ہوں کرتی ہوں اور میرے حال سے تم قیاس کر سکتے ہو کہ کوئی شخص عورت
کو بدکاری سے باز نہیں رکھ سکتا۔ یہ کہہ کر اس نے انکی انگوٹھیاں بھی اس ڈورے میں پرو لیں
اور صندوق میں رکھ کر آپ اپنی جگہ پر آ بیٹھی اور دولو کو چلے جانے کا اشارہ کیا۔ یہ سنکر دولو کو
نہایت تعجب ہوا اور بالاتفاق دونوں نے کہا کہ اس جن کی مصیبت ہم دونوں سے بڑھ کر ہے۔
اسلئے حسب قرارداد دونوں شہریار کے دارالخلافہ کو لوٹ آئے اور محل میں داخل ہوتے ہی شہریار
نے ملکہ اور اسکی خواصوں اور غلاموں کو جہنم واصل کر دیا اور پھر عہد کیا کہ ہر شب ایک باکرہ لڑکی
کے ساتھ نکاح کر کے صبح کو اسے قتل کر دیا کرے گا اس تجویز کے بعد اس نے شاہ زمان کو رخصت کر دیا اور
اسکے چلے جانے کے بعد وزیر کو ایک سردار کی لڑکی نکاح میں لانیکے لئے کہا۔ وزیر نے حکم کی تعمیل کی بادشاہ
نے رات بھر اسے اپنے پاس رکھا اور صبح کے وقت قتل کرا ڈالا۔ غرض اسی طرح [illegible]
امرا اور شہر کی رعایا کی لڑکیاں اسکے ہاتھ سے قتل ہوتی رہیں۔ اور ملک میں ایک کہرام سا مچ گیا
رعیت نے بھاگنا شروع کیا حتیٰ کہ کوئی بھی پاکیزہ لڑکی اس شہر میں نہ رہی۔ ایک روز حسب معمول
بادشاہ نے وزیر کو ایک نئی لڑکی لانیکا حکم دیا اور تلاش کرنے پر بھی اسے کوئی لڑکی نہ ملی۔ تو وہ
نہایت ہی پریشان و خائف ہو کر گھر کو آیا۔ وزیر کی اپنی بھی دو لڑکیاں تھیں شہرزاد اور دنیازاد
جنکا حسن و جمال اور جنکی زیب کی زبان زد ہر خاص و عام تھی۔ اور جنکی قابلیت اور فضیلت کا ایک
زمانہ قائل تھا۔ بڑی لڑکی نے جب اپنے باپ کو اسدن غیر معمول پر مغموم پایا تو اس سے رنج و
غم کا سبب دریافت کیا۔ وزیر نے حقیقت حال کھول سنائی جسے سنکر شہرزاد نے جواب دیا
کہ اگر میری عرض قبول کریں تو میں اسکا انتظام کئے دیتی ہوں۔ وزیر نے پوچھا کس طرح؟ تو
شہرزاد نے جواب دیا کہ بادشاہ سے میرا بیاہ کر دیجئے۔ پھر میں آپ ہی سمجھ لونگی یا تو بادشاہ

ستون نے نکلنا شروع کیا۔ وہ دونو ڈر کر درخت پر چڑھ گئے اور اُسکے پتّوں میں چھپکر دیکھنے لگے۔ وہ کالا ستون کنارے پر آکر ایک دیو سیاہ بنگیا اور سر پر ایک بڑا سا صندوق رکھے ہوئے اُس درخت کے نیچے آیا جسپر دونو بھائی چھپ رہے تھے اور جب سر سے اُتار کر اُسے کھولا۔ تو اُس میں سے ایک نہایت ہی خوبصورت عورت نکلی۔ دیو سیاہ نے اُسسے مخاطب کر کے کہا ہے سردار خوباں تو اپنے جمال میں یکتا ہے اور میں تیرا عاشق بنکر برات کی شب تجھے اُٹھا لایا تھا۔ اور آجتک سب تجھے نہایت ہی وفادار پایا ہے۔ اسوقت مجھے نیند آرہی ہی چاہتا ہوں کہ تیرے زانو پہ سر رکھکر سو جاؤں۔ یہ کہکر وہ جن خراٹے بھرنے لگا۔ عورت نے اتفاقاً سر اوپر کیطرف اُٹھایا تو اُسے اوپر دو آدمی دکھائی دئے اُسنے فوراً جن کے سر کو زانو پر سے اُٹھا کر زمین پر رکھدیا اور دونو بھائیوں کو اشارہ کیا کہ نیچے اُتر آؤ اور کچھ خوف نہ کرو۔ مگر دونو نے معافی مانگی لیکن جب اُس عورت نے دھمکی دی کہ اگر نہ اُترو گے تو میں اس جن کو جگا کر تمہیں قتل کرا دونگی۔ تو جان کے خوف سے وہ فوراً اُتر آئے اور اُس عورت نے مسکرا کے

تصویر دیو کی عورت حسینہ کو صندوق سے نکالنا اور اُسکے زانو پر سونا



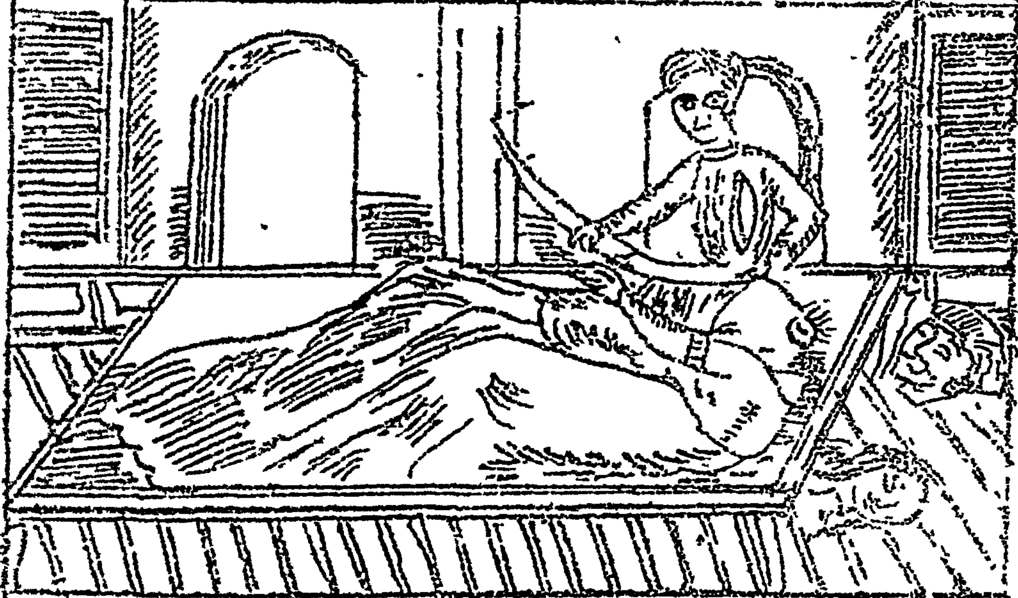
اصل وجہ یہ تھی۔ مگر گستاخی معاف! اس رنج سے چھٹکارے کی کیفیت میں عرض نہیں کرسکتا
لیکن شہریار نے اُسے قسم دلائی اور مجبوراً شاہ زمان کو ملکہ شہریار کی کرتوت سنا کر اپنے دکھ
تسلی دینے کی حقیقت بھی بیان کرنی پڑی۔ لیکن شہریار کو اعتبار نہ آیا اور اُس نے اپنی آنکھوں
دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ شاہ زمان نے جواب دیا کہ پھر سیر و شکار پر جانے کا اعلان کر دیجیے
اور آپ میرے پاس چھپ رہیے۔ پھر میں آپ کو ساری کیفیت آنکھوں سے بھی دکھا دوں گا
شہریار نے اس تدبیر کو پسند کیا اور عمال میں منادی کرا دی۔ کہ کل وہ اپنے بھائی کی صحت
کی خوشی میں پھر شکار کو چلیں گے۔ خیمہ و خرگاہ تیار ہو۔ فوراً تیاریاں شروع ہو گئیں اور
اگلے دن دونوں بھائیوں نے محلوں سے نکلکر باہر جا ڈیرا لگایا۔ دن بھر وہاں ہی گذارا
اور شام کے وقت لشکر سے چھپ کر چپ چاپ شاہ زمان کے اُتارے کے محل میں آ
سو گئے اور وقت مقررہ پر اُٹھ کر اُسی دریچے میں آ بیٹھے۔ جہاں سے پائیں باغ کی پوری
کیفیت دکھائی دیتی تھی۔ ابھی زیادہ دیر نہ ہوئی تھی۔ کہ اتنے میں پھر وہی چور دروازہ کھلا
اور ملکہ شہریار بیس خواصوں کے ساتھ نمودار ہوئی۔ جن میں سے دس نے درازہ پر اپنوں
کو اُتار کر پرے رکھ دیا اور اپنی اصلی شکل پر آکر ایک ایک عورت کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ملکہ بھی
مسعود کو بلا کر الگ ہو گئی۔ اور سب کے سب صبح تک خاک اُڑانے میں مشغول رہے۔ اور پھر
حسب معمول اپنی اپنی راہ لی۔ اس کیفیت کو اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کر کے شہریار کی آنکھوں
تلے اندھیرا آ گیا۔ اور بڑی مایوسی سے اُس نے شاہ زمان سے التجا کی۔ کہ آؤ اس دنیائے
غدار کو ہی چھوڑ دیں۔ ہمیں سلطنت کی کوئی حاجت نہیں ہے اور ہماری زندگی موت سے
بدتر ہے۔ لیکن شاہ زمان نے اُسے اس شرط پر منظور کیا کہ اگر ہمیں کوئی شخص اپنے
سے زیادہ مصیبت ناک دکھائی دے تو ہم فوراً دنیا میں لوٹ آئیں گے۔ شہریار نے بھی
اسے مان لیا۔ پھر دو نو چور دروازے سے نکلکر ایک طرف کو چل پڑے اور چلتے چلتے
ایک مرغزار میں پہنچے جو لب دریائے شور تھا اور اس میں میٹھے پانی کا ایک چشمہ بہ رہا تھا
وہ چشمہ کے کنارے ایک درخت تلے بیٹھ کر ستانے لگے کہ اتنے میں دریا رشور سے ایک
خوفناک گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی اور پانی پھٹ گیا جس میں دھوئیں کی ایک کالے

ایک ایک حبشی نے ہر ایک کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ملکہ نے بھی مسعود کا نام لیکر کسی کو پکارا اور ایک کالے حبشی نے [illegible]
[illegible] سے نکلکر ملکہ کو بغل میں لے لیا اور یہ چنڈال چوکڑی بھر کر [illegible]
[illegible] شاہزمان کھڑکی سے سارا حال دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ حتی کہ

تصویر عورات کی مع تصویر ملکہ کے

صبح کا وقت قریب آ گیا سب نے [illegible] غسل کر کے اپنی اپنی راہ لی۔ شاہزمان کے دل
سے اس واقعہ نے سارا رنج و الم دور کر دیا اور وہ سوچنے لگا کہ عورتوں کی فطرت ہی اس
قسم کی واقع ہوئی ہے اور میرے بھائی کی مصیبت مجھ سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔ اس نے
[illegible] طلب کیا اور خوب سیر ہو کر کھایا۔ حتی کہ اگلے دن اس کے دل میں رنج و غم کا
نشان تک بھی نہ تھا۔ اور چند ہی روز میں اسکی کایا پلٹ ہو گئی۔ جب شہریار شکار گاہ سے
لوٹا اور اس نے شاہزمان کی حالت میں نمایاں تبدیلی پائی تو حیران ہو کر اسکی وجہ دریافت
کی۔ شاہزمان نے اسکو ٹالنا چاہا۔ مگر شہریار نے اصرار کیا کہ جب تک وہ اسکی حقیقی وجہ
[illegible] نہ بتائیگا۔ ناچار شاہزمان نے اپنے سمرقند سے روانہ
ہونے [illegible] کو لوٹ جانا اور ملکہ کی کرتوت پر آنکھیں لال کرنے [illegible]
[illegible] ان کی کیفیت بالتفصیل سنا کر کہا کہ میرے رنج کی

تصویر شاہ زمان کی حبشی کو قتل کرکے اپنی زوجہ کے مارنیکا قصد



سے خوشی ظاہر کی اور اپنے ساتھ لاکر ایک عالیشان محل میں جہاں سے شاہی پائیں باغ کا نظارہ دکھائی دیتا تھا اُتارا۔ دو بھائی دیر تک آپس میں محبت کی باتیں کرتے رہے - جب شہریار نے ملکہ شاہ زمان کی خیریت دریافت کی تو شاہ زمان کو نہایت رنج محسوس ہوا اور اُسکا چہرہ زرد ہوگیا - شہریار نے گمان کیا کہ شاید شاہ زمان کو ملکہ کی جدائی شاق گذرتی ہے اسلیئے اُس نے سلسلہ گفتگو کو ہی چھوڑ دیا لیکن جب اسی رنج و غم میں اُسکے کئی دن گذر گئے - تو ایکدن شہریار اُسکا باعث پوچھ ہی بیٹھا - شاہ زمان نے جواب دیا کہ مجھے ایک اندرونی تکلیف ہے - شہریار نے علاج یہ بتایا کہ وہ اُسکے ساتھ سیر و شکار کے لئے چلے تاکہ اُس کا تردد کچھ کم ہو - لیکن اُسنے انکار کر دیا - ناچار شہریار کو اکیلا ہی جانا پڑا - شاہ زمان تنہا اپنے محل میں رہ گیا اور [illegible] دل ہی دل میں رات کے وقت پائیں باغ کی سیر کا خیال آیا - کمرے سے [illegible] دریچہ پر آیا جہاں سے پائیں باغ دکھائی دیتا تھا - اتنے میں شاہی محل کا دروازہ کھلا - اور بیس [illegible] ملکہ شہریار باہر نکلیں [illegible] ان میں سے دس نے اصول سے اپنے پیراہنوں کو اُتار ڈالا - شاہ زمان کی حیرت کی انتہا نہ رہی - جب اُس نے دیکھا کہ وہ حبشی غلام تھے - اور [illegible]

کوئی ایسا لفظ میری قلم سے نہ نکلجائے جسے سلیم طبائع ناپسند کریں۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ یہ کتاب
اب اس قابل ہوگئی ہے کہ اسکے حقیقی مدعا کو لوگ سمجھ سکیں اور اس سے استفادہ کر سکیں
بقول فاضل ایرانی سے

مرد باید کہ گیرد اندر گوش ؎ ور نوشت است پند بر دیوار

اگر اگلے ایڈیشن تک زندگی رہی اور مجھے نظر ثانی کا موقعہ مل سکا تو اُمید ہے کہ رہی سہی کمیوں کو
بھی پورا کرنے کی کوشش کرونگا۔ انشاءاللہ العزیز

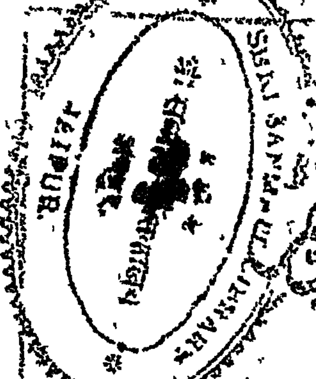
تابعدار
(مؤلف)

شہریار اور شاہ زمان کی حکایت

اگلے زمانے میں فارس کی سلطنت بڑی وسیع تھی وہاں کا ایک بادشاہ نہایت ہی رعایا پرور
تھا جسکے لشکروں اور خزانوں کا کچھ شمار نہ تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ شہریار اور شاہ زمان۔ جب
بادشاہ مرگیا تو شہریار اسکا جانشین ہوا۔ اور شاہ زمان کو سمرقند کی عنانِ حکومت سپرد ہوئی۔ دونوں
بھائی اپنے اپنے علاقوں میں عدل و انصاف کیساتھ حکومت کرنیلگے حتیٰ کہ انکی باہمی جدائی کو دس برس
گذر گئے۔ آخر بڑے بھائی کو چھوٹے کے دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہوا اور اُسنے اپنے وزیر اعظم کو اُس کے
بلانے کا حکم دیا۔ چنانچہ وزیر بڑے تجمل کیساتھ روانہ ہوا۔ اور جب سمرقند تک پہنچ گیا تو شاہ زمان نے
بڑے اعزاز کیساتھ اسکا استقبال کیا۔ اور بھائی کی خیر دریافت کی۔ وزیر نے آداب بجالا کر شہریار کا پیغام
عرض کردیا۔ شاہ زمان نے فوراً تیاری کا حکم دیدیا اور اپنے وزیر کو جانشین قرار دیکر بھائی کے دیدار
کے لئے سمرقند سے نکلا لیکن شہر سے تھوڑی دور باہر جاکر آدھی رات کے وقت اُسے ایک بات یاد آگئی
اور وہ اُسیوقت محل شاہی کی طرف لوٹا۔ جہاں پہنچکر اُسے ایک اوپری نظارہ دیکھنا پڑا کہ اسکی
ملکہ ایک حبشی غلام کے ساتھ ہم آغوش ہو رہی تھی۔ یہ دیکھکر اس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا اور تلوار
کھینچکر چشم زدن میں دونوں کے سر تن سے جدا کرڈالے اور لاشوں کو کھڑکی کی راہ خندق میں پھینک
دیا جہاں سے آیا تھا چپ چاپ اُدھر سے ہی اپنے کیمپ کو چلدیا اور فی الفور کوچ کا حکم دیدیا
جب بھائی کی دارالخلافت کے نزدیک پہنچا شہریار نے تپاک کیساتھ استقبال کیا۔ اُسکے ملنے

اس امر کا پتہ نہیں لگ سکتا - اور نہ ہی ہمارے پاس کوئی ایسا حوالہ موجود ہے کہ ہم اس بات کو یقینی طور پر تسلیم کر لیں تاہم اسکے اکثر حصوں سے بآسانی پتہ لگ سکتا ہے کہ الف لیلہ کا بنیادی خاکہ تو از کم ہندوستان سے لیا گیا ہے - کبھی موقعہ ملا تو اس بارے میں بھی کبھی مفصل طور پر لکھا جائیگا - فی الحال اتنا کہنے سے ہی اکتفا کیا جاتا ہے کہ ہندوؤں کی سطوت پر جب نکتہ انتہائی پر پہنچ چکی تھی اور اسکے گرنیکے سامان قدرت کی طرف سے مہیا ہو رہے تھے پھر جب اسلامی بہادروں نے عرب کے ریگستانوں سے اٹھکر دنیا بھر میں ہلچل مچا دی - اور آخر ان کی شوکت کا آفتاب سمت الراس پر سے آگے ڈھلکر ڈھلنا شروع ہوا - تو اسوقت تھوڑی بہت ترمیمات کے بعد الف لیلہ نے عربی لباس پہنکر قدرت کو انقلاب کے لئے مدد دی - گو ہم کہ سکتے ہیں کہ اس کے مصنف کا منشا نیک تھا - مگر جلتے ہوئے شعلوں کو ہوا کی مدد سے فرو کرنا عقلمندی نہیں ہے جو لوگ آگے ہی عیش و عشرت میں مشغول ہو کر اپنی سطوت کی جڑوں پر کلہاڑا اسکے کھڑے ہوں انہیں اس قسم کے طرز بیان میں نصیحت دینا سراسر غلطی ہے - آج ہمارے ملک میں بھی اسی قسم کی کتابوں کو زیادہ تر پسند کیا جاتا ہے جنہیں مہذب سوسائیٹی پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتی اور یہ نشان ہے اس امر کا کہ ابھی اس ملک کے بھلے دن کس قدر فاصلے پر ہیں - جب ہی آج تک الف لیلہ کے اردو میں ایک سے بہت سے زیادہ ترجمے ہو چکے ہیں مگر کسی نے طرز بیان کو شستہ اور مہذب بنانے کی کوشش نہیں کی جسکا مجھے خاص افسوس ہے کسی قوم کا بنانا اور بگاڑنا بہت کچھ اہل قلم کے ہاتھ میں ہوتا ہے - اسی سبب سے قوموں کی نیکی و بدی سے یہ گروہ اپنے تئیں بری الذمہ نہیں بنا سکتا - پس میں چاہتا ہوں کہ میرے اہل وطن کے ہاتھ تک جو کتاب پہنچے خواہ وہ کسی مضمون کی ہو لیکن انہیں بدی کی طرف لیجانے والی بلکہ مائل کرنے والی بھی نہ ہو - اور میرے ہموطن مصنفوں کو اس امر کا خیال رکھنا چاہیئے ورنہ وہ نہ صرف اخلاقی طور پر ملک کے مجرم ہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی درگاہ میں بھی قیامت کے دن ان سے ضرور باز پرس ہوگی - اگر کسی ایسے دن کا خیال کیا جا سکتا ہو ٭

اسلئے میں نے کوشش کی ہے کہ الف لیلہ عربی سے صرف وہی حکایت اپنے الفاظ میں ترجمہ کروں جو اردو کی مروجہ الف لیلہ میں مل سکتی ہیں - اور اس امر کا خاص طور پر خیال رکھا ہے کہ



۷۸۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لقمان سے کسی نے پوچھا تھا ادب کس سے سیکھا؟ تو اس نے جواب فرمایا - بے ادبوں سے
ویسا ہی الف لیلہ کے مصنف کا بھی یہی منشا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک شر ایسے پیرایہ
میں جسے بعض ہر کسی بہتر پسند کرتے ہیں - ایسی کتاب کے پڑھنے والوں کو اپنے
اور قیمتی سبق دینا چاہتا تھا - اور امر واقعہ یہ ہے کہ اگر اس کتاب کے خواہشات سے
قطع نظر کر کے اس کا مطالعہ کیا جائے تو کئی ایسے تجربے مفت میں حاصل ہو جاتے ہیں جنہیں
عملی طور پر حاصل کرنے کیلئے بہت سے زر اور وقت کی ضرورت ہے اس کتاب کے ایسے قابل
اعتراض طرز بیان کی ایک خاص وجہ بھی ہے - اور وہ یہ ہے کہ جس وقت اس کتاب نے
عروج لباس اختیار کیا اس وقت خلفائے بغداد کا آخری زمانہ تھا جبکہ مسلمانوں کی فتوحات حد
پر پہنچ چکی تھیں - کہ اب آگے کیلئے میدان تنگ ہو گیا تھا - خلافت بغداد کے سامنے دنیا بھر کے
اسلامی بادشاہ اور شہنشاہ سر تسلیم خم کرتے تھے (اسلئے کہ تخت خلافت کے مستحق کو امیر المومنین
تسلیم کیا جاتا تھا) اور زمانہ بھر کے خراج و برات کے علاوہ زر و جواہر اور مال و متاع کا سا [illegible]
کی حدود میں دریا بہ رہا تھا - اس دولت و ثروت کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ امرا و متمولین تو درکنار عوام
الناس تک عیش و عشرت میں پڑ گئے - پبلک کے عیش و عشرت میں مشغول ہو جانے نے مصنفوں کی قلموں
کی خوبی پر بھی اثر کیا - اور خواہی نخواہی ایسی تصانیف و تالیفات بروئے کار آئیں - جن میں عوام
الناس کی آرزوؤں کے مطابق جذبات کا اظہار کیا گیا تھا - جنکا ایک نمونہ الف لیلہ بھی سامنے رکھا ہے
کہتے ہیں الف لیلہ کا اصلی مصنف ایسی زرخیز نشان ہندوستان کا ایک پنڈت ہوا تھا جس نے
اسے پہلے پہل سنسکرت زبان میں لکھا تھا - جیسے وشنو شرما نے پنچ تنتر نامی کتاب تحریر کی - اور
پھر اسکی دلچسپی نے دنیا کی دیگر بہت سی زبانوں میں جلوہ گری کی - اگرچہ کسی معتبر ذریعے سے

محصول ڈاک بذمہ خریدار

محصول ڈاک بذمہ خریدار

بھاٹی گیٹ پورہاری گیٹ لاہور کے قابل دید جاسوسی ناول

تصنیفات جناب شیر داس گوہر

بہادر سراغرسان

ایک حسین نازنین کا ڈاکوؤں کے پھندے میں پھنس کر اپنی

عصمت بچانا۔ ڈاکوؤں کا قتل خون و چوری کرنا۔ ایک دوسری حسین عورت کا ڈاکوؤں کے ساتھ مل کر ڈاکہ زنی کرنا۔ بہادر سراغرسان کا اپنی جان پر کھیل کر سرتوڑ کوشش سے سراغرسانی کرنا۔ آخر کار ناامید ہو کر واپس آنا۔ ڈاکو عورت کا دوبارہ نظر آنا۔ سراغرسان کا دوبارہ کوشش کرنا۔ ڈاکوؤں کے علاقہ میں جا کر عورت کو گرفتار کر کے آر۔ ایس۔ ڈی کے راز کو روشنی میں لانا عجیب دلچسپ ناول ہے۔ قیمت ۱۲ ار

بیخوف رانی

(بہادر سراغرسان کا دوسرا حصہ) میل ٹرین سے ایک حسین عورت کا سرقہ۔ جانباز دوستوں کی جاں نثاری۔ بدمعاشوں کی خفیہ عیاری۔ مے نوشی کے بدنتائج قتل و خون کی وارداتیں جنگلوں کے خوفناک سین۔ بردہ فروشوں کی بدکاری جسکا راز بہادر سراغرسان نے مصیبت اٹھانیکے بعد افشا کیا اور اصلی مجرموں کو سزائیں دلائیں۔ قیمت ۱۲ ار

خونی چور

ایک چور کی خفیہ کارروائی کے ساتھ ایک شریف پارسی کی دردناک مصیبتیں۔ بری صحبتوں کے بدنتائج عشق و محبت کی کرشمہ سازی۔ پولیس اور خفیہ پولیس کی سراغرسانی کے حالات ایسے پیرایہ میں درج ہیں کہ ایک دفعہ شروع کر کے بغیر ختم کئے چھوڑنیکو دل نہیں چاہتا ۱۲ ار

چالاک مجرم

جس میں انگلینڈ کے مشہور ڈاکو کی چالاکیاں اس پیرایہ میں بیان کی گئی ہیں کہ جن کو پڑھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک رئیس کا ایک لیڈی کا سرپرست ہوتے ہوئے اس سے دھوکہ کرنا۔ مگر ناکامیاب ہونا۔ آخر چالاک مجرم کے ہاتھوں قتل ہو جانا۔ ایک بے گناہ کا جرم میں ماخوذ ہو کر حوالات میں جانا اور انگلینڈ کے مشہور و معروف بہادر سراغرسان مسٹر البرٹ بلیک کی سرتوڑ سراغرسانی سے اصل معاملہ کا روشنی میں آنا۔ اصلی قاتل کا گرفتار ہو کر سزا پانا۔ نہایت دلچسپ اور سنسنی خیز مضمون ہے۔ قیمت فی جلد بارہ آنے ۱۲ ار

ہنری گیرک کی گرفتاری

(چالاک مجرم کا دوسرا حصہ) یہ بڑا ہی زوردار جاسوسی ناول ہے لنڈن کے مشہور جاسوس مسٹر رابرٹ بلیک نے فرانس کے مشہور ڈاکو ہنری گیرک کو کتنی ہی مرتبہ بڑی بہادری کے ساتھ گرفتار کیا۔ پر پھر بھی گیرک انکی آنکھوں میں دھول جھونک کر بھاگتا رہا۔ اس ڈاکو نے تمام یورپ میں ہلچل مچا رکھی تھی۔ یہاں تک کہ خود مسٹر

نسخہ صحیح

ہزار داستان

المعروف



الف لیلہ کلاں

کامل

ہر چہار جلد مع تصویرات

پبلشر

رام داس بھاٹیہ تاجر کتب و مالک بھاٹیہ بک ڈپو

اندرون لوہاری دروازہ لاہور

قیمت دو روپے